رشید حسن خاں

کے

خطوط

مُرتّب:

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

نام کتاب	:	**رشید حسن خاں کے خطوط**
مُرتّب	:	**ڈاکٹر ٹی. آر. رینا**

F-237, Lower Hari Singh Nagar, Rehari Colony,
Jammu -180005 (J&K), Mob. No. 09419828542

ناشر	:	**ڈاکٹر ٹی. آر. رینا (ڈاکٹر تیرتھ رام رینا)**
اشاعت	:	فروری 2011
صفحات	:	1056
قیمت	:	454/- روپے
تعداد	:	500
کمپوزنگ	:	عبدالرشید (دہلی) 9990972397
پروڈکشن	:	**اردو بک ریویو**

1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel, Patuadi House,
Darya Ganj, New Delhi - 110002 Tel.: 011-23266347
Email: urdubookreview@gmail.com

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان کے مالی تعاون سے شائع کی گئی

تقسیم کار

- ★ شاردھا گلیر، F-237 لوئر ہری سنگھ نگر، رہاڑی کالونی، جموں-180005 (جے اینڈ کے)
- ★ انجمن ترقی اُردو (ہند)، اُردو گھر، 212 راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
- ★ سیمانت پرکاشن، 922 کوچہ روہیلا خاں، ترا ہا بہرام خاں، دریا گنج، نئی دہلی-110002
- ★ ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ-202002 (موبائل:09358251117)
- ★ دانش محل، امین الدولہ پارک، نزدیک جگت سنیما، لکھنؤ-226018 (یوپی) فون:0522-2626726
- ★ کتب خانہ انجمن ترقی اُردو، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006
- ★ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004 (بہار)

RASHEED HASAN KHAN KE KHUTOOT

EDITED BY: DR. T.R. RAINA

Ist Edition: February 2011   Pages: 1056   Price: Rs.454/-

Printed at: Classic Art Printers, New Delhi-2

انتساب

میری شریکِ حیات

کملیش

کی

بے پناہ و خاموش محبت کے نام

فہرست

حرف آغاز	ڈاکٹر ٹی. آر. رینا		۹ تا ۱۳
پیش لفظ	پروفیسر شارب ردولوی		۱۴ تا ۱۷
مقدمہ	ڈاکٹر ٹی. آر. رینا		۱۹ تا ۱۳۴
اخلاق اثر، ڈاکٹر		(۱۲)	۱۳۷ تا ۱۴۵
ارجمند آرا، ڈاکٹر		(۴۷)	۱۴۶ تا ۱۷۹
اسلم پرویز، ڈاکٹر		(۳)	۱۸۰ تا ۱۸۳
اسلم محمود		(۵۷)	۱۸۴ تا ۲۴۰
اشفاق حسن خاں		(۱)	۲۴۱ تا ۲۴۲
اشفاق محمد خاں، ڈاکٹر		(۲)	۲۴۳ تا ۲۴۵
اصغر عباس، پروفیسر		(۱۶)	۲۴۶ تا ۲۵۷
اطہر فاروقی، ڈاکٹر		(۳۳)	۲۵۸ تا ۲۸۰
امیش بہادر شریواستو فگار اناوی		(۱۰)	۲۸۱ تا ۲۸۷
تسلیم غوری بدایونی		(۴)	۲۸۸ تا ۲۹۰
ٹی. آر. رینا، ڈاکٹر		(۲۱)	۲۹۱ تا ۳۰۶
جگن ناتھ آزاد، پروفیسر		(۲)	۳۰۷ تا ۳۰۸
جی. کے. مانک ٹالا		(۵)	۳۰۹ تا ۳۱۱
جمیل الدین عالی		(۱)	۳۱۲

حنیف نقوی، ڈاکٹر	(۳۹)	۳۱۳ تا ۳۵۰
خلیق انجم، ڈاکٹر	(۷۲)	۳۵۱ تا ۴۰۰
راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر	(۹)	۴۰۱ تا ۴۰۹
راجندر بہادر موج	(۲)	۴۱۰ تا ۴۱۱
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر	(۱۲)	۴۱۲ تا ۴۲۷
رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر	(۲۰۴)	۴۲۸ تا ۵۵۳
سالک لکھنوی	(۵)	۵۵۴ تا ۵۵۹
سلمان احمد رباب رشیدی	(۷۹)	۵۶۰ تا ۶۳۹
سیفی بریلوی، ڈاکٹر	(۱)	۶۴۰
شارب ردولوی، پروفیسر	(۱۰)	۶۴۱ تا ۶۴۸
شاہد ماہلی	(۲)	۶۴۹ تا ۶۵۰
شمس بدایونی، ڈاکٹر	(۱۸)	۶۵۱ تا ۶۶۶
شہاب الدین دسنوی، سیّد	(۲)	۶۶۷ تا ۶۷۰
شہریار	(۱)	۶۷۱ تا ۶۷۲
شیام لال کالرا عابد پیشاوری، پروفیسر	(۱۹)	۶۷۳ تا ۶۸۹
ظفر احمد صدیقی، پروفیسر	۲۳)	۶۹۰ تا ۷۱۸
ظفر ادیب	(۱)	۷۱۹
ظہور الدین، ڈاکٹر	(۱۷)	۷۲۰ تا ۷۲۹
عابد حسین کلیم بریلوی، سیّد	(۱۰)	۷۳۰ تا ۷۳۴
عابد سہیل	(۲)	۷۳۵ تا ۷۳۶
عبدالرزاق قریشی	(۳)	۷۳۷ تا ۷۳۹
عبدالوہاب خاں سلیم	(۹)	۷۴۰ تا ۷۴۷
علی احمد فاطمی، پروفیسر	(۹)	۷۴۸ تا ۷۵۵
فرحت	(۱)	۷۵۵ تا ۷۵۸
فرید الدین شاہ مسکینی، سیّد	(۱)	۷۵۹ تا ۷۶۰
قمر الہدیٰ فریدی	(۱)	۷۶۱ تا ۷۶۳

☜ گیان چند جین، ڈاکٹر	(۵۶)	۷۶۴ تا ۸۲۸
☜ لئیق صلاح، پروفیسر	(۹)	۸۲۹ تا ۸۳۴
☜ محبوب علی خاں اخگر	(۳)	۸۳۵ تا ۸۳۶
☜ محمد احرار ہندی	(۳)	۸۳۷ تا ۸۳۹
☜ محمد انصاراللہ، ڈاکٹر	(۱۰)	۸۴۰ تا ۸۴۸
☜ محمد ایوب واقف، ڈاکٹر	(۳)	۸۴۹ تا ۸۵۱
☜ محمد عقیل رضوی، پروفیسر سیّد	(۲۱)	۸۵۲ تا ۸۷۳
☜ محمود انصاری	(۱)	۸۷۴
☜ مختارالدین احمد آرزو، پروفیسر	(۲۳)	۸۷۵ تا ۸۹۵
☜ مخمور سعیدی	(۱۲)	۸۹۶ تا ۹۰۵
☜ مرزا خلیل احمد بیگ، پروفیسر	(۱۴)	۹۰۶ تا ۹۱۶
☜ مقصود احمد، ڈاکٹر	(۱)	۹۱۷ تا ۹۱۸
☜ ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر	(۴۴)	۹۱۹ تا ۹۴۹
☜ مہیندر لال پروانہ، ڈاکٹر	(۹)	۹۵۰ تا ۹۵۷
☜ نثار احمد فاروقی، پروفیسر	(۷)	۹۵۸ تا ۹۶۱
☜ نجیب اشرف ندوی، سیّد	(۲)	۹۶۲ تا ۹۶۳
☜ نصرت، پروفیسر	(۱)	۹۶۴
☜ نعیم کوثر	(۱۱)	۹۶۵ تا ۹۷۵
☜ نیّر مسعود رضوی، پروفیسر	(۵۷)	۹۷۶ تا ۱۰۲۵
☜ ویریندر پرشاد سکسینہ	(۳)	۱۰۲۶ تا ۱۰۲۷
☜ یعقوب میراں مجتہدی	(۳۶)	۱۰۲۸ تا ۱۰۵۵

حرفِ آغاز

مذہبی، سیاسی اور ادبی شخصیتوں کے خطوط جمع کرنے، ترتیب دینے اور مرتب کرنے کا سلسلہ عرصۂ دراز سے چلا آرہا ہے۔ خطوط اپنے زمانے کا آئینہ ہوتے ہیں، جن میں ہم اُس وقت کے مذہبی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، تہذیبی، تمدّنی، تاریخی، اقتصادی اور ادبی حالات کا عکس نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

ویدک سنسکرتی سے لے کر رامائن اور مہابھارت کے دور کی مقدّس کُتب کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ایسے مراسلات نظر آتے ہیں جو اُس وقت کے حکمرانوں نے ایک دوسرے کو تحریر کیے ہیں۔ بدھ مذہب کا دور ہو یا جین دھرم کا، چین کا ہیون سانگ ہو یا فاہیان، اُنھوں نے ہندستان کے سفر کیے، یہاں تعلیم حاصل کی اور واپس وطن لوٹ گئے۔ اُن کے دستی مراسلات آج بھی مذہبی کتب کے اوراق میں محفوظ نظر آتے ہیں۔

سب سے اچھا اور قریب ترین ثبوت ہمارے پاس آں حضرتؐ کے مراسلات ہیں جنھیں ڈاکٹر حمید اللہ نے ''حضورِ اکرم کی سیاسی زندگی'' کو کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔ اِن میں سے بعض کے اردو ترجمے عبدالرحمٰن صفی مبارک پوری کی تصنیف کردہ سیرت النبی ''الرّحیق المختوم'' میں صفحہ ۵۴۷ تا ۵۶۷ دیکھے جا سکتے ہیں۔

اِن مراسلات سے ہمیں اُس وقت کے حکمرانوں کے مذہبی عقائد، اُن کی طرزِ زندگی، سیاسی، سماجی، معاشرتی، اقتصادی، ادبی تحریروں اور رسم الخط کے بارے میں اچھی جان کاری ملتی ہے۔ اِن خطوط کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اِنھیں حضرت علیؓ نے آں حضرتؐ کی موجودگی میں اُن کے حکم کے مطابق قلم بند کیا۔ اِن سب پر آں حضرتؐ کی انگشتری کی مُہر ثبت ہے۔ اِن خطوط کے رسم الخط میں علامتوں، اعرابوں اور نقطوں کے نشانات نہیں ملتے۔

رشید حسن خاں کے خطوط کی ادبی اہمیّت کی چند وجہیں حسبِ ذیل ہیں:

پہلی یہ کہ اِنھیں رشید حسن خاں جیسی ادبی شخصیت نے تحریر کیا ہے، جن کا مرتبہ بہ حیثیت محقق، متنی نقاد، زبان داں، تدوین نگار، قواعد نویس اور لُغت نویس مسلّم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مکتوب الیہ سب کے سب ادبی شخصیتیں ہیں جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ خطوط توقیف نگاری کے اعلا نمونے ہیں۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اِن خطوط سے ہمیں تحقیق و تدوین کے فن کا پتا چلتا ہے۔ اِن میں خاں صاحب نے بعض الفاظ کے معانی اور دُرست استعمال کے لیے مختلف حضرات سے باربار رابطہ قائم کیا ہے۔ جب تک اُنھیں پورا یقین نہیں ہوگیا تب تک اُسے متن میں شامل نہیں کیا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اِن خطوط کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُنھوں نے کس مخطوط کو کب مرتّب کرنا شروع کیا، یہ کب مکمّل ہوا اور اِسے کب پریس روانہ کیا گیا۔

ساتھ ہی ہمیں مرحوم خاں صاحب کے اِس طبعی میلان کا پتا چلتا ہے کہ اُنھیں تحقیق و تدوین سے کس قدر لگاؤ تھا۔ اگر کوئی مخطوطہ مکمّل ہونے کے بعد دوپہر سے قبل پریس روانہ کیا گیا تو بغیر وقت ضائع کیے اُنھوں نے دوسرے مخطوطے کو بعد دوپہر مرتّب کرنا شروع کردیا۔ ایسے کاموں کے لیے وہ برسوں پہلے مواد جمع کرلیا کرتے تھے۔ کئی قدیم نسخوں کے عکس اور دوسری جان کاریاں اندرونی و بیرونی ممالک سے وہ حاصل کرکے رکھ لیتے تھے۔

اُن کے خطوط سے ہمیں یہ اہم جان کاری بھی ملتی ہے کہ وہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور) کے اشتراک سے اقبالؔ کے اُردو کلام کو مرتّب کررہے تھے۔ قریب پچاس صفحات کا کام اُنھوں نے کرڈالا تھا، لیکن شدّت کی سردی کی وجہ سے اُنھیں یہ کام روک دینا پڑا۔ اِسی دوران موت کا فرشتہ آپہنچا اور اُن کی مقدّس روح کو قبض کرکے اپنے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں لے گیا جس کی وجہ سے اُن کے بہت سے کام دھرے کے دھرے رہ گئے، جو اب بھی اشاعت کی منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے کیوں کہ اب کوئی دوسرا رشید حسن خاں پیدا نہیں ہوگا۔ اُن کے خطوط سے اُن کی اس خواہش کا علم ہوتا ہے کہ اگر اقبالؔ کا کلام جدید اصولوں کے مطابق مرتّب ہوجاتا تو یہ ادبی کام ہند و پاک کے اشتراک کا ایک بہترین نمونہ ہوتا۔ اُن کا کہنا تھا کہ ''اقبالؔ پر یوں تو ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، مگر اُن کے کلام کو جدید اصولوں کے مطابق مرتّب نہیں کیا گیا''۔ یہ بات کتنا وزن رکھتی ہے۔ اِسے ماہرِ اقبالیات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

خاں صاحب کے خطوط سے اُن کی ابتدائی زندگی، سیاسی حالات، اُن کے شوق، اُن کی نجی و گھریلو زندگی، بچّوں سے اُن کی شفقت۔ اُن کی بیماری، اُس کے علاج و معالجے پر اُن کے اخراجات، بیماری کے علاج کے لیے بار بار ممبئی جانے، وہاں کے قیام، ادبی اسفار، اپنے معاصری، دوستوں، عزیزوں و شاگردوں سے اُن کے تعلّقات، بعض حضرات سے متعلق اُن کی آرا، اُن کے قلم کے لہجے کی کاٹ، عروض و قواعد کی پابندی، دوسروں کی شاعری، نثری مضامین اور اہم کتب پر تبصروں کے علاوہ خدا کی عبادت کے بجاے اپنے کام کی عبادت یعنی ''ورک از ورشِپ'' کا کھُل کر پتا چلتا ہے۔

راقم نے آج تک جتنے خطوط حاصل کیے وہ اُن کے اصل خطوط کے عکس ہیں۔ یوں تو خاں صاحب کے بعض خطوط اردو ادب (نئی دہلی)، نیا دور (لکھنؤ)، ہماری زبان (نئی دہلی)، مژگاں (کلکتہ) اور ترسیل (ممبئی) میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ راقم نے پھر بھی کوشش کی ہے کہ شائع شدہ خطوں کو اُن کے اصل عکس کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ بعض خطوط جو چند جملوں کے حذف کے ساتھ شائع ہوئے اُنھیں مکمّل کر لیا گیا اور اُن کے املا کو بھی خاں صاحب کے املا کے مطابق لکھ دیا گیا۔

میں اُن تمام حضرات کا بے حد ممنوں و مشکور ہوں جنھوں نے مجھے اصل خطوط یا اُن کے عکس روانہ کیے، ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ ایک ایک کا نام یہاں لکھنا مشکل ہے۔ لیکن راقم نے حروفِ تہجّی کی ترتیب سے مجموعے کے آغاز میں فہرست کے ذیل میں اِن سب کے نام شامل کر دیے ہیں تاکہ دیکھتے ہی یہ پتا چل جائے کہ کس حضرت کے خطوط مجموعے کے کس صفحے پر ہیں اور کتنے ہیں۔

میں اُن کرم فرماؤں کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً بہ ذریعۂ خط اپنے مفید مشوروں سے مجھے نوازا، اُن میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور) اور ڈاکٹر شمس بدایونی قابلِ ذکر ہیں۔

میں خاص طور سے انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم کا انتہائی شکر گزار ہوں جنھوں نے ہماری زبان کے اردو آرکائوز سے بہت سے خطوط کے عکس مفت فراہم کیے۔ اِنھیں، کے ساتھ جناب انیس احمد انچارج اردو آرکائوز اور اُن کے معاونین امیر الحسن اور محمد ہاشم رشیدی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے خاں صاحب کے خطوط کے عکس مہیّا کرنے میں میری مدد کی اور انجمن کے دفتر سے مجھے کبھی خالی ہاتھ

لوٹنے نہیں دیا۔ جناب عبدالرشید کمپیوٹر کمپوزر و اختر زماں نے بھی بہت سی زبانی معلومات فراہم کیں۔

جناب اسلم پرویز (اڈیٹر اردو ادب) کو میں کیسے بھول سکتا ہوں کیوں کہ یہ اُس ادبی مثلث کا تیسرا ضلع ہیں جو خاں صاحب اور انجم صاحب سے مل کر بنتی ہے۔ اسلم پرویز صاحب نے مرحوم خاں صاحب کے صرف تین خطوط کے عکس فراہم کیے جب میں ماہ جولائی ۲۰۰۹ء کو اُن کے دفتر پہنچا۔

خاں صاحب کے خطوط کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں میں ہو سکتی ہے جو برِّ صغیر ہند و پاک کے علاوہ فرانس، جرمنی، انگلستان، جاپان اور امریکہ تک کے کُتب خانوں کے دفاتر میں ہوں گے جنھیں حاصل کرنے کے لیے ایک عمر چاہیے۔ چند مشاہیرِ ادب نے میرے خطوط کے جواب میں یہاں تک لکھ دیا کہ چند وجوہات کی بنا پر مرحوم رشید حسن خاں کے خطوط تلف ہو چکے ہیں۔ اِن خطوط کا ضائع ہونا کتنا ادبی نقصان ہے اس کی تلافی کیوں کر ہو سکتی ہے؟ اِس کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کی نظروں میں خاں صاحب کے خطوط گزرے ہوں۔ اُن کے خطوط سادہ، صاف اور رواں نثر کے بہترین نمونے ہیں۔ زبان و بیان کی پاکیزگی جو تحقیقی نثر کا لازمی جزو ہے، وہ اِن خطوط میں بہ درجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء کی درمیانی شب کو رشید حسن خاں صاحب کا انتقال ہوا۔ اُسی سال راقم نے ہفت روزہ ہماری زبان کے ایک شمارے میں مرحوم کے خطوط جمع کرنے اور مرتّب کرنے کی غرض سے اشتہار شائع کروایا۔ تو سب سے پہلے ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (ریڈر شعبۂ اردو مظفر پور یونی ورسٹی، بہار) اور یعقوب میراں مجتہدی صاحب (مرتّب لغتِ مجتہدی، انگریزی اردو تین جلدوں میں) نے حیدرآباد سے بہ ذریعۂ خط رابطہ قائم کیا اور خاں صاحب کے خطوط کے عکس روانہ کیے، اِس لیے اِن کا شکر گزار ہونا میرا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی (علی گڑھ) اور رباب رشیدی (لکھنؤ) مرحوم کے بے تکلف دوستوں میں سے ہیں، انھوں نے سب سے زیادہ خطوط کے عکس روانہ کیے۔

جناب جاوید رحمانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں ایک عرصے سے رشید حسن خاں کے خطوط مرتّب کرنے میں مصروف ہوں تو اُنھوں نے بہت سے کمپوز شدہ خطوط مجھے بھیج دیے اور خود مرحوم کے خطوط مرتّب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں اُن کا ممنونِ احسان ہوں۔

میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں مہر الٰہی ندیم (علیگ) کا شکریہ ادا کر سکوں۔ اُنھوں نے

اُن حضرات سے خطوط کے عکس حاصل کر کے روانہ کیے جنھوں نے میرے خطوط کے جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

لکھنؤ کی ایک شخصیت جس کا نام اسلم محمود ہے، کے ذکر کے بغیر حرفِ آغاز نامکمل رہے گا۔ انھوں نے ہندستان، پاکستان، شکاگو اور نیویارک تک کے حضرات کے پتے اور ٹیلی فون نمبر روانہ کیے۔ خود اُن حضرات سے اِس سلسلے میں گفتگو کی اور خطوط کے عکس بھیجنے پر آمادہ کیا۔ اُنھیں کتابیں جمع کرنے کا ایک جنون ہے۔ اُن کے ذاتی کتب خانے میں قریب چودہ ہزار کتابیں موجود ہیں جنھیں راقم نے بہ چشمِ خود دیکھا ہے۔ ان کے ذخیرے میں نادر کتب کے علاوہ چند مخطوطے بھی شامل ہیں۔ جناب ادبی کام کرنے والوں کی مدد بڑی فراخ دلی اور بلا معاوضہ کرتے ہیں۔ انھوں نے میرے مسوّدے کے اُس حصّے کی نظرِ ثانی کی ہے جو رشید حسن خاں صاحب کی زندگی سے تعلّق رکھتا ہے۔

پروفیسر شارب ردولوی نے اِس مجموعے کے مقدّمے کو بہ چشمِ خود دیکھا۔ اپنے نیک مشوروں سے نوازا اور اِس کا پیش لفظ بھی لکھا اس لیے ان کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

مرحوم خاں صاحب کے صاحب زادوں خورشید حسن خاں اور خالد حسن خاں کا بھی شکریہ ادا کرنا لازمی سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنے خاندان سے متعلّق چند معلومات فراہم کیں۔

آخر میں اپنی شریکِ حیات کملیش و پانچ بیٹیوں نیلم، رچنا، سونیکا، ریچا و انورادھا کا شکریہ ادا نہ کروں تو ناشکرا کہلاؤں گا کیوں کہ اِنھوں نے میری مصروفیات کو دیکھتے ہوئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی اور میری ڈاک کو بہ حفاظت رکھا۔ میں خدا سے دُعا گو ہوں کہ وہ انھیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

جموں
یکم جنوری ۲۰۱۰ء

ٹی. آر. رینا

★★★

پیش لفظ

خط ایک بالکل ذاتی تحریر ہے۔ ہمارے معاشرے میں کسی دوسرے کا خط پڑھنا تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے، لیکن وہ شخصیتیں جن کی علمی، ادبی اور سماجی اہمیت ہے ان کی زندگی کے مطالعے کے لیے خطوط کو ایک بڑا ذریعہ اور مآخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ غالبؔ کے خطوط ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے اور جن کی تلاش اور اشاعت کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس کے بعد اُدبا اور دانشوروں کے خطوط کو نجی کے بجائے قومی سرمائے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ایک زمانے میں ادب میں نفسیاتی اور سوانحی مطالعے کو بہت اہمیت دی گئی اور ناقدین نے ادیب و شاعر کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ان کے نہاں خانوں تک پہنچنے کی کوشش کی۔ خطوط اس معاملے میں سب سے زیادہ معتبر ذریعے سمجھے گئے اس لیے کہ اس میں انسان بلا تکلف اور بے لاگ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور بہت سی ایسی باتیں اپنے بے تکلف دوستوں اور عزیزوں کو لکھ دیتا ہے جو وہ کسی پر نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔ نفسیاتی ناقدین کے علاوہ محققین نے بھی خطوط کو بعض حقائق کی سند کے لیے معتبر مآخذ کے طور پر استعمال کیا اور مصنّف کی تحریر اور اس کی زندگی کے واقعات سے رشتہ جوڑنے کے لیے خطوں کو ایک اہم ذریعہ قرار دیا۔ اس طرح ناقدین اور محققین دونوں نے خطوط کو شخصیت اور حالات و واقعات کی تصدیق کے لیے اہمیت دی۔

غالبؔ کے خطوط کے بعد خطوط کے ذریعے شخصیت اور کسی عہد کے علمی و ادبی مباحث کا مطالعہ ایک عام بات ہو گئی۔ اس سلسلے میں جن شخصیات کے خطوط پر لوگوں کی توجہ زیادہ مرکوز رہی ان میں علاّمہ اقبالؔ، شبلی نعمانی، ابوالکلام آزاد، چودھری محمد علی ردولوی، صفیہ اختر، سجاد ظہیر، فراقؔ گورکھپوری وغیرہ ہیں۔ غالبؔ کی نگاہ میں ان کے خطوط کی اہمیت صرف اتنی ہی تھی کہ ''مراسلے کو مکالمہ بنا دیا، ہزار کوس سے بہ زبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے

لیا کرو، انھیں نہیں معلوم تھا کہ آنے والا زمانہ 'بہ زبانِ قلم باتیں' کرنے تک محدود نہیں رہے گا بل کہ اس سے ادبی و تاریخی مطالعے کے نئے نکات پیدا کرے گا۔

خطوط کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں رشید حسن خاں کے خطوط ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رشید حسن خاں کی شخصیت اردو دنیا کی ایک اہم شخصیت ہے۔ اردو تحقیق میں ان کا نام قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی عرشی اور عبدالستار صدیقی کے بعد لیا جاتا ہے۔ زمانی اعتبار سے یہ ترتیب درست بھی ہے۔ لیکن جتنا بڑا علمی اور تحقیقی کام رشید حسن خاں نے انجام دیا ہے اس کے تحت ہم عصر اردو تحقیق کو اگر ان کے نام سے نسبت دی جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ رشید حسن خاں نے جدید اردو تحقیق کا ایک علمی اور سائنسی معیار قائم کیا، انھوں نے قدیم متون کی تدوین کی اور ان اصولوں اور معیار کی ضابطہ بندی کر کے تحقیق و تدوین کے لیے عملی طور مثال مہیا کر دی۔

تحقیق و تدوینِ متن کا کام کس قدر دشوار ہے اس کا اندازہ کرنا عام انسان کے لیے بہت مشکل ہے اس لیے کہ کسی بھی تحقیقی کتاب کو دیکھ کر اس کا علم نہیں ہو سکتا کہ تحقیق کے عمل میں محقق کو کن دشواریوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا نے رشید حسن خاں کے خطوط مرتب کر کے تحقیقی عمل کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دیا جو اس طرح کے کام کرنے والوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا خود تحقیقی مزاج رکھتے ہیں۔ پروفیسر شام لال کالرا عابد پیشاوری کے زیرِ سایہ ان کی ذہنی تربیت ہوئی اور انھوں نے اپنا پہلا تحقیقی مقالہ ''پنڈت میلا رام وفا: حیات و خدمات'' انھیں کی زیرِ نگرانی مکمل کیا۔ عابد پیشاوری خود بے حد محتاط محقق اور نقاد تھے، تحقیق کی وہی وراثت ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کو ملی۔ ڈاکٹر رینا اردو تحقیق میں سب سے زیادہ رشید حسن خاں سے متاثر رہے اور اُن کی تحریروں سے انھوں نے بہت کچھ سیکھا۔ آج ڈاکٹر خود جموں و کشمیر میں تحقیق کے اصول اور املا کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں اور انھیں ان موضوعات پر لکچر کے لیے مختلف یونی ورسٹیوں میں مدعو کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا نے برسوں کی محنت اور کدّ و کاوش سے رشید حسن خاں کے خطوط مرتب کیے ہیں، ان کا یہ کام خود ایک بڑے تحقیقی کام کی حیثیت رکھتا ہے، ان خطوط کی صرف یہ اہمیت نہیں ہے کہ یہ ایک ادیب یا محقق کے خطوط ہیں بل کہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان خطوط کے مطالعے سے تحقیق اور اس کے طریقۂ کار کا اندازہ ہوتا ہے۔ رشید حسن

خاں نے کس طرح ایک ایک لفظ کے معنی کے تعین، کتاب کے کسی نسخے کو حاصل کرنے یا کسی لفظ کی صحیح قرأت کے لیے کتنے خطوط ہم عصر علما، ناقدین یا اُس تہذیب سے وابستہ لوگوں کو لکھے ہیں تاکہ معنی، قرأت یا تلفظ میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ اس طرح رشید حسن خاں کے یہ خطوط ان کے ذاتی تعلقات کو ہی نہیں ظاہر کرتے بل کہ تحقیق کے سلسلے میں کس طرح کی احتیاط درکار ہے، اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مجھے ذاتی طور پر رشید حسن خاں سے قربت رہی ہے۔ وہ ایک مخلص لیکن صاف گو انسان تھے۔ ذاتی سطح پر وہ بہت اچھے دوست تھے لیکن علمی و ادبی معاملات میں اُن کے یہاں نہ دوستی کا خانہ تھا اور نہ کسی رعایت اور سمجھوتے کا۔ دہلی یونی ورسٹی سے ان کی ملازمت ختم ہونے کے بعد اُنھیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اربابِ حل وعقد نے ان کی قیام گاہ (گائر ہال) سے فوری طور پر اُنھیں بے دخل کرنے کے احکامات صادر کرادیے، وہ کچھ عرصہ وہاں مزید قیام کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ اچانک وہ اپنے کام کو سمیٹ نہیں سکتے تھے اور وہاں سے اُن کا ہٹنا ان کے سارے کام کو التوا میں ڈال سکتا تھا جس کا ذکر اُنھوں نے مجھ سے کیا۔ اتّفاق سے اُنھیں دنوں ڈاکٹر شمیم نکہت صدر شعبۂ اردو ہوگئیں اور اُنھوں نے وائس چانسلر کو لکھ کر اور اُن سے مل کر اس حکم نامے کو منسوخ کرادیا جس کے بعد عرصے تک وہ وہاں مقیم رہے جس کا ذکر وہ اکثر کیا کرتے تھے۔ وہ ایک بااصول انسان تھے۔ صبح سے شام تک کے وقت کو اُنھوں نے تقسیم کر رکھا تھا، اس میں لُغت نویسی، فرہنگ سازی اور تدوینِ متن بھی شامل ہے اور ہاکی کا میچ اور کافی ہاؤس میں مخصوص احباب کے ساتھ کافی نوشی بھی۔ اُنھوں نے بڑے سلیقے، بڑی انا اور اپنے انداز پر زندگی گزاری۔ اُنھوں نے تحقیق کے جو کام کیے آیندہ کوئی اس کا نصف بھی کرسکے تو بڑی بات ہوگی۔

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کو میں قابلِ مبارک باد سمجھتا ہوں کہ انھوں نے بڑی تندہی اور تحقیقی تہذیب کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ اس کتاب پر ان کا مقدّمہ خود رشید حسن خاں پر ایک تحقیقی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر ٹی. آر. رینا نے رشید حسن خاں کی تحقیق خاص طور پر املا کے مسائل اور ان کے نقطۂ نظر سے سیر حاصل بحث کی ہے، ساتھ ہی اس سلسلے میں انھوں نے رشید حسن خاں کے خطوط کے حوالوں سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مقدّمہ رشید حسن خاں کی شخصیت اور اردو تحقیق میں ان کی اہمیّت کو سمجھنے کے لیے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر ٹی. آر. رینا نے مجھے لکھا تھا کہ موسمِ سرما کی شدید سرد راتوں میں جب بجلی بھی نہیں ہوتی تھی، شمع کی روشنی میں اُنھوں نے اس کام کو مکمل کیا ہے۔ خدا یہ، لگن اور علمی شغف ہر اردو والے کو عطا کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ اُنھوں نے خطوط کے اس مجموعے کی شکل میں جو شمع جلائی ہے وہ ادبی تحقیق اور جستجو میں آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

لکھنؤ
۰۸-۷-۱۴

پروفیسر شارب ردولوی

***

رشید حسن خاں کے حالاتِ زندگی

اردو تحقیق، تدوین، تنقید، لغت نویسی، لسانی بحثوں، املا، قواعد و زبان اور تبصرہ نگاری کا جب جب ذکر آئے گا، رشید حسن خاں کا نام قاضی عبدالودود، مولوی عبدالحق، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور محمود شیرانی کے ساتھ ضرور لیا جائے گا۔ کلاسکی ادب کے متون کی تدوین جس سلیقے اور معیار سے رشید حسن خاں نے کی، وہ اپنے آپ میں دیدہ ریزی کی ایک بہترین مثال ہے۔ ایک ایک متن کی تدوین میں اُنھوں نے برسوں لگائے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اصل ماخذ تک پہنچنے کے لیے اُنھیں زیادہ وقت لگا۔ جب تک اُن کے پاس اچھا خاصا مواد اور اصل نسخے جمع نہ ہو جاتے وہ اپنا قلم نہ اٹھاتے۔

تحقیق و تدوین میں اُنھوں نے روایت کی پاس داری ہی نہیں کی بل کہ اپنے لیے نئے راستے بھی تلاش کیے۔ ادبی گروہ بندی سے دور رہ کر وہ اپنے کام میں منہمک رہے اور اِسی کو اُنھوں نے عبادت مان لیا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے ادبی ستونوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تحقیق میں سچ کی تلاش اُن کی زندگی کا اوّلین مقصد تھا۔ کسی قسم کے شبہے کی گنجایش اُنھیں قبول نہیں تھی، وہ دوسروں سے بھی اِس بات کی تلقین کرتے۔ تحقیق میں مصلحت کوشی سے وہ کوسوں دور تھے۔ جن موضوعات پر اُنھوں نے قلم اٹھایا، اُس کے تمام پہلوؤں کو آئینے کی طرح صاف و شفاف بنا کر قاری کے سامنے پیش کر دیا۔ اُن کے تبصروں نے اُن کے بہت سے ہم عصروں کو اُن کا دشمن بنا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ پٹھان اپنی تلوار کی کاٹ کا ماہر ہوتا ہے، لیکن رشید حسن خاں اپنے قلم کی کاٹ کے ماہر تھے۔ برِصغیر ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں خاں صاحب کی شخصیت کا احترام یکساں طور پر کیا جاتا رہا اور کیا جاتا رہے گا۔

خاں صاحب نے اپنے خاندانی حالات کے بارے میں کبھی کھل کر گفتگو نہیں کی، اور نہ ہی

اِس طرف اُنھوں نے اپنا قلم اٹھایا۔ راقم نے ایک دو خطوں کے ذریعے ان کے شجرۂ نسب کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن انھوں نے کسی قسم کی جانکاری دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ایک ملاقات[۱] کے دوران راقم نے اُن کے آبا و اجداد کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں، تو اِس کا جواب خاں صاحب نے یوں دیا: ''کسی انسان کے خاندانی حالات کو جاننے کے بجائے اُس کے کام کی اہمیت کو جاننے کی کوشش کرو۔ تین آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں: بیٹا اپنے باپ کے لیے، شاگرد اپنے استاد کے لیے اور مرید اپنے پیر کے لیے''۔

اِس جواب کے بعد گنجایش ہی باقی نہیں رہی کہ راقم اس سلسلے میں مزید اُن سے کوئی سوال کرتا۔ اِن کے فرزند خورشید حسن خاں کے خط[۲] اور دوسرے ذرائع سے جو معلومات حاصل ہوئیں، اُنھیں آپ تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے:

خاندان

اُتر پردیش کے شہر شاہ جہان پور میں پٹھانوں کی ایک بستی ہے، باڑوزئی۔ یہ شہر کب آباد ہوا، پٹھانوں کے کون کون سے قبیلے یہاں آباد ہوئے، مجھے اِس سے کوئی سروکار نہیں، یہ کام کسی تاریخ داں کا ہے۔ ہاں یہاں پٹھانوں کا ایک قبیلہ ضرور آکر آباد ہوا جسے یوسف زئی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اِسی قبیلے کی کسی ایک پُشت میں علی حسن خاں نام کے ایک بزرگ ہوئے جو فوج میں ملازم تھے۔ یہ مرحوم رشید حسن خاں کے دادا تھے۔ رشید حسن خاں کے والد محترم کا نام امیر حسن خاں تھا اور یہ پولیس میں سب انسپکٹر تھے۔ لیکن گاندھی جی کی عدمِ تعاون کی تحریک سے متاثر ہوکر اُنھوں نے یہ نوکری چھوڑ دی تھی۔ ان کے چھے اولادیں ہوئیں، جن میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ بیٹوں کے نام اس طرح ہیں: رشید حسن خاں، سعید حسن خاں اور بشیر حسن خاں۔ اس وقت سعید حسن خاں حیات ہیں باقی بھائی بہنوں کا انتقال ہو چکا ہے۔

تاریخ ولادت

رشید حسن خاں کی ولادت شاہ جہان پور کے پشتینی مکان میں ہوئی۔ تعلیمی اسناد میں ان کی تاریخِ ولادت ۱۰/ جنوری ۱۹۳۰ء درج ہے جو کہ دُرست نہیں۔ ان کی اصل تاریخ ولادت ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۵ء ہے۔ اِس کی تصدیق ان کے سوانحی کوائف سے ہوتی ہے جو ''شاعر'' ممبئی کے ہم عصر اردو ادب نمبر جلد ۱، ۹۸-۱۹۹۷ء کے ضمیمے کے صفحہ ۱۱۹۴ پر درج ہیں، جسے ڈاکٹر شمس بدایونی نے اپنے مضمون ''رشید حسن خاں کی یاد میں'' ہفت روزہ ''ہماری زبان'' دہلی کے ''رشید حسن خاں نمبر'' یکم تا

۲۸ر ستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ نمبر ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، جلد نمبر ۵۶ کے صفحہ ۳۱ میں درج کیا ہے۔

جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں خاں صاحب تین بار تشریف لائے۔ ایک ملاقات کے دوران راقم نے ان سے تاریخِ ولادت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے پروفیسر شیام لال کالڑا عابد پیشاوری اور ڈاکٹر ایم۔ ایل۔ پروانہ کی موجودگی میں یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس کے اپنے کمرے میں اپنی تاریخ پیدائش ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء بتائی تھی۔ راقم اور پروانہ ہر سال انھیں اسی تاریخ پر مبارک باد کے خط لکھا کرتے تھے۔ راقم کبھی کبھی بہ ذریعۂ تار بھی مبارک باد کا پیغام بھیج دیا کرتا تھا۔ ہاں پروانہ صاحب انھیں کبھی کبھی جنم دن مبارک کا کارڈ بھیج دیا کرتے تھے۔ اگر ان کے ہاں سے خطوط ضائع نہ ہوئے ہوں تو اس بات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ راقم نے اُن کے فرزند خورشید حسن خاں سے بہ ذریعۂ خط دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خاں صاحب کو خطوط محفوظ کرنے کا شوق نہیں تھا۔ مگر مجھے یقین نہیں، اُن کے پاس مشاہیر ادب اور نئے اسکالروں کے مکتوبات کا ایک بڑا ذخیرہ ہونا چاہیے، جن پر الگ سے کام کیا جا سکتا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے راقم انھیں بہ ذریعۂ ٹیلی فون جنم دن کی مبارک باد بھیج دیا کرتا تھا، ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتا حضور آج کرسمس بھی ہے اس کی مبارک باد بھی قبول کیجیے، تو آپ ہنس کے جواب دیتے کہ ہاں میاں ہمیں قبول ہے اور خوش ہوتے، ہمیں بہت سی دعائیں دیتے۔

تاریخِ ولادت کی تصدیق ''کتاب نما'' کے خصوصی شمارے ''رشید حسن خاں: حیات اور ادبی خدمات'' مرتبہ اطہر فاروقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، اشاعتِ اوّل جولائی ۲۰۰۲ء سے بھی ہوتی ہے۔ سوانحی خاکے میں ان کی تاریخ ولادت ۱۰ر جنوری ۱۹۳۰ء درج ہے جسے خاں صاحب نے اپنے قلم سے ''اصلاً: دسمبر ۱۹۲۵ء'' لکھا ہے۔

تعلیم

رشید حسن خاں کے والد محترم انگریزی ملازمت اور انگریزی تعلیم دونوں کے خلاف تھے۔ وہ پرانی روش کے مذہبی انسان تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد انگریزی تعلیم حاصل کرے، اِس لیے انھوں نے اپنے بیٹے رشید حسن خاں کو محلے کے مولوی صاحب کے پاس بٹھا دیا، جو اِن کے بھی استاد تھے۔ عربی کی ابتدائی تعلیم رشید حسن خاں نے اِنھی سے حاصل کی۔ قرآن پاک کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد انھیں شاہ جہان پور کے مدرسہ بحرالعلوم میں داخل کروایا گیا۔ اس مدرسے میں یہ سنہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک رہے، لیکن درسِ نظامی کی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اِن کے گھریلو مالی حالات اچھے نہیں تھے[۲] اور انھیں مجبوراً ملازمت کرنی پڑی۔ انھوں

نے پرائیویٹ طور پر اردو، عربی و فارسی کے امتحانات پاس کیے۔ لکھنؤ یونی ورسٹی سے دبیر کامل اور الٰہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کیا۔[۴] گو اُن کے پاس کسی یونی ورسٹی کی تعلیمی سند نہیں تھی لیکن برصغیر ہند و پاک کی مختلف یونی ورسٹیوں نے انھیں اپنے ہاں تین تین چار چار ہفتوں کی دعوت پر بلوایا اور خاں صاحب نے مختلف موضوعات پر طلبہ و اساتذہ کو لکچر دیے۔ خداداد قابلیت اور کثرتِ مطالعہ سے تعلیمی میدان میں انھوں نے وہ مقام حاصل کرلیا جس کے لیے کسی یونی ورسٹی کی تعلیمی سند کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ملازمت

خاں صاحب ابھی درسِ نظامی کی تعلیم مکمل نہیں کر پائے تھے کہ انھیں یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ ۱۹۳۹ء میں انھوں نے شاہ جہان پور کی آرڈی ننس فیکٹری میں بحیثیت ایک مزدور ملازمت کرلی۔ اس فیکٹری میں ۱۹۴۱ء میں، پہلی مزدور یونین کا قیام عمل میں آیا اور خاں صاحب اس کے جوائنٹ سکریٹری مقرر ہوئے۔ یونین کی سرگرمیاں دھیرے دھیرے تیز ہوتی گئیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ فیکٹری میں ۳۴ دن تک کی ہڑتال ہوگئی۔ صاحبِ اقتدار نے سرگرم اراکین کی ایک فہرست تیار کرکے ان کی چھٹنی کرڈالی، خاں صاحب بھی اسی زمرے میں تھے لہٰذا انھیں بھی ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔

کچھ عرصے بعد اپنے ہی شہر کے عربی مدرسہ فیضِ عام میں انھیں عربی و فقہ کی ابتدائی کتابوں کا درس دینے کے لیے استاد مقرر کیا گیا۔ مگر اس عہدے کے لیے داڑھی شرط تھی۔ خاں صاحب اس وضع کے پابند نہیں تھے لہٰذا انھیں دوسری جماعت کے چھوٹے بچوں کو پڑھانے کے لیے جانا پڑا۔ اسی دوران اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول میں فارسی اور عربی کے استاد کی جگہ خالی ہوئی اور ان کو وہاں ملازمت مل گئی[۵] لیکن جلد ہی یہاں سے ترکِ ملازمت کرکے بریلی چلے گئے اور قریب ساڑھے تین سال وہاں رہے۔ اسی دوران انھوں نے ہفتہ وار ''ندرت'' بریلی میں ملازمت کرلی جس کے مالک و مدیر سید ابراہیم حسن رسا تھے۔ وہاں ہی محلّے کی ایک آٹا چکّی پر بھی بیٹھتے تھے اور ان کا حساب لکھ دیا کرتے تھے۔ بغیر اُجرت محلّے کے بچّوں کو پڑھا بھی دیا کرتے تھے۔ ۶/اگست ۱۹۵۹ء میں شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر ان کا تقرر ہوا۔ یہ تقرر عارضی تھا۔ ۱۹۶۴ء میں اسے کل وقتی منظوری حاصل ہوگئی۔ تقریباً تیس سال دہلی میں ملازمت کرنے کے بعد ۳۱/دسمبر ۱۹۸۹ء کو اسی عہدے سے سبکدوش ہوئے اور قریب چھے سال تک مزید دہلی میں مقیم

رہے، آخر ۲؍فروری ۱۹۹۶ء کو مستقل طور پر شاہ جہان پور منتقل ہو گئے۔

شادی

خاں صاحب کی شادی ۱۹۴۳ء میں اپنے ہی خاندان کے ایک فرد منظور علی خاں کی بیٹی نفیس بیگم سے ہوئی۔ اس وقت آپ شاہ جہان پور کی آرڈی ننس کلوودنگ فیکٹری میں ملازم تھے۔ زندگی کے سفر میں ایک طویل مدت تک ان کی بیگم نے ان کا ساتھ دیا۔ ملازمت کے سلسلے میں خاں صاحب عموماً گھر سے دور رہے۔ بچوں کی پرورش اور دوسری گھریلو ذمے داریوں کو ان کی بیگم نے بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ خاں صاحب ذہنی طور پر آزاد رہے اور اپنے ادبی کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ ۵۹ برس ساتھ نبھانے کے بعد ان کی اہلیہ محترمہ نے ۲۹؍مارچ ۲۰۰۳ء کو اس فانی دنیا سے کوچ کیا اور ان کی زندگی میں ایک خلا سا چھوڑ گئیں۔ خاں صاحب اِن کی کمی آخری وقت تک محسوس کرتے رہے۔ اس واقعے کا خاں صاحب نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ ایک ملاقات کے دوران راقم نے ان سے پوچھا ''حضور اس سانحے کی اِطلاع آپ نے کسی کو نہیں دی''۔ فرمایا ''رینا صاحب یہ میرا غم تھا، دوسروں کو اِس میں کس لیے شریک کرتا، کہاں تک لوگوں کے تعزیتی خطوط کا جواب دیتا۔ جب تک وہ حیات رہیں، میں نے محسوس نہیں کیا۔ آج واقعی ان کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ آج جب کہ میں ہمیشہ کے لیے گھر پر ہوں، وہ میرے ساتھ نہیں ہیں۔ اپنے دل کی بات کوئی کس سے کہے، گو میری دونوں بہوئیں اور بیٹے میرا بہت خیال رکھتے ہیں، پھر بھی اکیلا پن بہت ستاتا ہے''۔

اولادیں

خاں صاحب کے ہاں چار اولادیں ہوئیں۔ پہلی بیٹی اپنے جنم کے آٹھ نو ماہ تک زندہ رہی۔ اس کے بعد دو بیٹوں خورشید حسن خاں اور خالد حسن خاں نے جنم لیا۔ آخر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام انھوں نے نادرہ رکھا۔ خاں صاحب اس سے بے حد پیار کرتے تھے۔ خاں صاحب کے دونوں بیٹے گورنمنٹ کے محکمۂ تعلیم میں اردو ٹیچر ہیں۔ خورشید حسن خاں کی دو بیٹیاں ہیں اور خالد کے ہاں ایک بیٹا۔ نادرہ بیگم کی شادی مقصود حسن خاں سے ہو چکی ہے، جو ایک ڈرافٹ انجینئر ہیں اور ان کے ہاں بھی ایک بیٹی ہے۔

خاں صاحب کا مکان پشتینی ہے اور ریلوے اسٹیشن سے تھوڑی ہی دوری پر واقع ہے۔ اِسی

مکان میں ایک کمرہ ان کی لائبریری اور ڈارننگ روم کے لیے مخصوص ہے اور اُس سے ملحق ایک اور چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں خاں صاحب کے لکھنے پڑھنے کے لیے ایک میز و کرسی لگی ہوئی ہے۔ اِس میں بھی کتابیں قرینے سے سجی ہوئی ہیں۔

راقم الحروف کو دو بار ان کے دولت کدے کی زیارت نصیب ہوئی۔ پہلی بار مع اپنی بیگم کے ۱۰ر جولائی ۲۰۰۳ء کو اور دوسری بار ۳ر نومبر ۲۰۰۵ء کو اکیلا اِن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں اِس بار ان کا ویڈیو انٹریو لینا چاہتا تھا۔ سردی شدّت کی پڑ رہی تھی، خاں صاحب کی صحت اچھی نہیں تھی وہ زیادہ دیر کے لیے بیٹھ نہیں سکتے تھے اور بات کرنے میں بھی تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ رمضان ماہ کا آخری دن تھا۔ ویڈیو کا انتظام بھی شام کو نہ ہو سکا۔ آیندہ گرمیوں کے لیے اس پروگرام کو اٹھا رکھا گیا۔ دوسرے دن ۴ر نومبر کو عید تھی۔ راقم بہ راستہ لکھنؤ کان پور کے لیے روانہ ہو گیا۔

لباس

کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں ہر آدمی اپنی پسند کا مالک ہوتا ہے، یہی اصول خاں صاحب پر بھی لاگو ہوتا تھا۔ لباس ہمیشہ موسم کے مطابق زیب تن کرتے۔ موسم گرم ہو تو چیک دار بوشرٹ، پتلون اور چمڑے کی براؤن رنگ کی چپل۔ سردیوں میں پوری آستین کی قمیض، وہ بھی چیک دار، پتلون، بند گلے کا کوٹ، مُفلر اور براؤن رنگ کے تسمے والے جوتے، کلائی پر اچھی کوالٹی کی گھڑی اور نظر والا موٹے فریم کا چشمہ۔

اپنے کمرے میں بیٹھے جب کام میں مصروف ہوتے، یہاں اور کوئی نہیں ہوتا تو لُنگی اور بنیان میں رہنا انھیں پسند تھا، کیوں کہ یہ آرام دہ لباس ہے اور اسے پہنے ہوئے کام کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اپنا لباس دھونا اور اپنا کام کرنا انھیں اچھا لگتا تھا۔ اپنے کام کو دوسروں پہ نہیں چھوڑتے تھے۔ دہلی میں رہتے ہوئے یہ ان کا معمول بن چکا تھا۔ جب شاہ جہان پور منتقل ہوئے اور ان کی صحت اچھی رہی، تب تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ ایک ملاقات کے دوران اِنھوں نے بتایا کہ اگر مجھے پانی کی ضرورت ہے تو میں کسی کو آواز نہیں لگاتا، لگن رکھا ہوا ہے خود اٹھ کر پانی لے لیتا ہوں۔

سفر میں ہوں تو دو تین جوڑوں سے زیادہ ساتھ رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ لباس کے معاملے میں خواتین اکثر محتاط رہتی ہیں، لیکن صفائی اِنھیں حد سے زیادہ پسند تھی، لباس میں، گفتار میں اور ادب میں۔

شوق

زندگی میں خاں صاحب نے بھی مختلف قسم کے شوق پال رکھے تھے۔ وقت کی پابندی اُن کے معمول کا ایک حصّہ تھی۔ صبح پانچ بجے اُٹھ جانا اُن کی عادت تھی۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد نہانا لازم تھا بھلے ہی موسم کوئی سا بھی ہو۔ چائے اور ناشتے کا وقت مقرر، چائے بغیر شکر اور دودھ کے پیتے، دوپہر کے کھانے کا وقت مخصوص۔ جوانی میں ہر قسم کا کھانا کھا لیتے تھے، لیکن ۱۹۸۳ء کے بعد راقم نے انھیں محتاط کھانا کھاتے ہوئے دیکھا۔ اِس کی وجہ ذیابیطس اور دل کا مرض تھا۔ انڈا، مکھن، مسالے اور روغنی اشیا انھوں نے ترک کر دیں تھیں۔ گوشت میں مچھلی انھیں پسند تھی۔

آخری بار جب جمّوں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچر دینے کے لیے آئے (چار ہفتوں کے لیے ستمبر ۱۹۹۵ء) تو اِن کا قیام جمّوں یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں کیا گیا۔ لکچر سننے کے بعد اکثر ہم (پروفیسر شیام لال کالڑا عابد پیشاوری، ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ اور راقم) دن اور شام کے وقت ان کے کمرے میں آجاتے اور دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہتی۔ کھانا ان کا مختصر ہو چکا تھا، مونگ کی دال، سبزی، سلاد اور گیہوں کے آٹے کی خشک چپاتیاں۔

خاں صاحب کو چائے پینے کا شوق تھا۔ اوّل چائے بہت سویرے لیمن والی، پھر سادہ چائے۔ لپچو ان کی پسندیدہ چائے تھی، جسے یہ بغیر شکر اور دودھ کے پیتے تھے۔ اِسے خاص ایک مقررّہ وقت تک جوش دیا جاتا تھا۔ اکثر ہوٹلوں اور دوسروں کے گھروں کی چائے پینا پسند نہیں کرتے تھے۔ جو چائے دودھ اور شکر ملا کر جوش دے کر تیار کی جاتی تھی اُسے وہ اَوٹا ہوا کاڑھا یا جوشاندہ کہا کرتے تھے۔ چائے پینے کے لیے درمیانی وسعت کے پیالے (کپ) کا استعمال کیا کرتے تھے۔ کسی کو گلاس میں چائے پیتے ہوئے دیکھتے تو ان کا سارا مزا کرکرا ہو جاتا۔ یہ اسے بدذوقی کی علامت تصوّر کرتے تھے۔

راقم دو مرتبہ ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا، دونوں مرتبہ جب چائے کی طشتری ان کی بہوئیں لائیں تو چائے دانی سادہ و نفیس ٹی کوزی سے ڈھکی ہوئی، دودھ اور شکر کے برتن الگ، نہایت عمدہ قسم کے پیالے، تین چار قسم کے بسکٹ اور مٹھائی۔ میرے اصرار پر خاں صاحب نے چائے کا ایک پیالہ نصف سے بھی آدھا لیا اور وہ بھی بغیر شکر اور دودھ کے۔ چائے واقعی عمدہ اور خوشبودار تھی۔

خاں صاحب کو کافی پینے کا بھی شوق تھا۔ دو جگہیں اِس کے لیے مقرر تھیں، دہلی کناٹ پیلس

والا اور یونی ورسٹی کا کافی ہاؤس۔ یونی ورسٹی کافی ہاؤس کے بیرے ان کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ مہینے کی آخری تاریخوں میں اُنھوں نے کبھی بل لاکر خاں صاحب کے آگے نہیں رکھا۔ ان کی جیب میں اگر پیسے ہوئے تو ادا کردیے نہیں تو اُٹھ کے چلے آئے۔ اگلے مہینے کی شروع کی تاریخوں میں بل کی ادائیگی کردی جاتی۔ وہاں کا ایک بیرا ان کا بہت احترام کرتا تھا، جتنے پیسے اِس نے کہے خاں صاحب نے ادا کردیے۔ حساب کتاب کبھی نہیں پوچھا۔ یونی ورسٹی کافی ہاؤس میں اکثر تنہا بیٹھتے۔ اِنھیں عام لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اور فضول باتیں کرنا پسند نہیں تھا۔ اِن کے ذہن میں ہمیشہ ادبی باتیں گردش کرتی رہتی تھیں، اِن کی سوچ کے لیے یہ بہترین وقت ہوا کرتا تھا۔ کافی کی چُسکیاں اِن کے ذہن کے دریچوں کو کھول دیتی تھیں اور وہ مختلف قسم کے ادبی پلان اِسی وقت تیار کرتے تھے۔

خاں صاحب کو کھیل کود کا بھی شوق تھا۔ ہاکی ان کا پسندیدہ کھیل تھا۔ شاہ جہان پور میں یہ کھیل کافی مقبول رہا۔ قومی سطح کے اچھے کھلاڑی یہاں سے منظرِ عام پر آئے۔ خاں صاحب نے خود یہاں کی ہاکی ٹیم میں دس سال کھیلا، گوکوئی زیادہ نام نہیں کما سکے۔ شاہ جہان پور سے جب دہلی آئے اور یہاں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں اِنھیں ملازمت ملی تو اِنھیں یہاں بڑے ٹورنامنٹ دیکھنے کا موقع ملا۔ اب اِن کا زیادہ وقت یہ کھیل دیکھنے میں صرف ہونے لگا۔ اِن کے دوسرے پسندیدہ کھیل فٹ بال، والی بال، باسکٹ بال اور کبڈی تھے، اِن میں اِنھوں نے خود بھی حصہ لیا۔ کرکٹ سے اُنھیں کوئی شغف نہیں تھا۔ فٹ بال کا ورلڈ کپ جب شروع ہوتا تو خاں صاحب اِسے شوق سے ٹی۔وی۔ پر دیکھتے، اِس کا اِنھیں اکثر انتظار رہتا۔ اِن کھیلوں کے دیکھنے سے اِن کے ادبی کاموں پر کبھی کوئی اثر نہیں پڑا۔

خاں صاحب کا ایک اور عزیز شوق تھا بڑھیا کوالٹی کی وہسکی۔ راقم نے اُنھیں جموں یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں یہ شوق فرماتے ہوئے دیکھا۔ شام کے وقت جب ہم تینوں (پروفیسر شیام لال کالڑا، ڈاکٹر ایم۔ ایل۔ پروانہ اور راقم) کے علاوہ کوئی نہ ہوتا تو گیسٹ ہاؤس کا خانساماں اِن کے کمرے میں برف کے پیس، پانی، سلاد وغیرہ رکھ دیتا۔ خاں صاحب اپنے ہاتھ سے خود اپنا پیگ بناتے، گلاس میں وہسکی، پانی اور برف ڈال کر اِسے بھر لیتے۔ دھیرے دھیرے ایک ایک گھونٹ لیتے اور باتیں کرتے جاتے۔ گفتگو صرف ادبی ہوتی یا کبھی کبھار سیاسی معاملات پر بھی بات چیت کرلیتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد جس طرح صبح چائے پیتے ہوئے ایک گھونٹ سے دوسرے گھونٹ تک زیادہ وقفہ لیتے تھے ٹھیک اِسی طرح خاں صاحب کا وقفہ ایک گھونٹ سے دوسرے گھونٹ تک

کافی طویل ہوتا۔ تین پیگ سے زیادہ میں نے انھیں کبھی لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اِس دوران وہ کسی دوسرے شخص سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ گیسٹ ہاؤس کے چوکیدار یا خانساماں کو خاص ہدایت ہوتی تھی۔ پروفیسر عابدؔ اور پروانہ صاحب دونوں اِس کا شوق رکھتے تھے، مگر احتراماً اِنھوں نے اِس معاملے میں خاں صاحب کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔

قلم

مرحوم خاں صاحب کے پاس مختلف اقسام کے ایک سے بڑھ کر ایک قلم تھے، اور سبھی روشنائی والے، پارکر سے بھی اچھی کوالٹی کے۔ بہت سے قلم بعض حضرات نے انھیں تحفتاً پیش کیے تھے۔ لیکن خاں صاحب لکھتے بہت باریک تھے۔ ان کے تمام خطوط اور تحریروں کو اگر بہ غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی قلم کا استعمال کیا گیا ہے۔ تحریر بالکل صاف جسے ہر شخص آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ کالی روشنائی اِنھیں پسند تھی۔

کام کرنے کا انداز

جب خاں صاحب کام میں مصروف ہوتے تو انھیں کسی کی مداخلت پسند نہیں تھی۔ فرماتے کہ ''کام کے دوران جو پلان ذہن میں ترتیب دے دیا ہوتا ہے، ذہن اُس پر خطِ مستقیم کی طرح مسلسل آگے بڑھتا رہتا ہے، اور جب کسی کی مداخلت ہوجاتی ہے تو وہ منحنی صورت اختیار کرلیتا ہے، آنے والا چاہے اپنا ہی کیوں نہ ہو''۔ فضول باتوں یا عام لوگوں سے ملنے کے لیے اِن کے پاس وقت بالکل نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ٹیلی فون بھی اِن کے کمرے سے دور تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ ''لوگ اِس ایجاد کا بے جا استعمال کرتے ہیں''۔ وہ ہر کس و ناکس سے ٹیلی فون پر بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہاں کسی خاص شخص کا فون ہو تو بات کرلیتے یا کسی سے خود بات کرنا چاہتے تو اِس کا مختصر استعمال کرتے۔

خاں صاحب دہلی کی ملازمت سے وظیفہ پا کر جب شاہ جہان پور منتقل ہوئے تو بھی اِن کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اِن کا زیادہ وقت لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتا (پہلے سے زیادہ)۔ عموماً تقریبات (چاہے وہ قریبی رشتے داروں کی ہوں یا دور کے) میں شرکت بہت کم کرتے، ہاں کبھی کبھار مجبوراً جانا ہو تو الگ بات ہے، وہ اِسے وقت ضائع کرنے کے مترادف خیال کرتے تھے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگ اِن سے ملنے کم آئیں۔

ادبی زندگی کا آغاز

خاں صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز کب ہوا، اور ان کا کون سا مضمون کس ادبی جریدے یا اخبار میں پہلی شائع ہوا، اِس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے۔

خاں صاحب کے اپنے بیان سے اس طرف ہلکا سا اشارہ ملتا ہے کہ اِن کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۴ء سے ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے اِن کا اپنا بیان: ''تقریباً ۱۹۴۴ء میں رسالہ ''نگار'' سے متعارف ہوا اور نیازؔ فتح پوری کی تحریروں نے بہت اثر ڈالا۔ (اس زمانے میں نوجوانوں کی بڑی تعداد کی ذہنی تربیت نیازؔ کی تحریروں سے ہوئی تھی) تشکیک، دلیل کا مطالعہ، شہادت کا تصور اور روایت کے سچے جھوٹے متعلقات کا ابتدائی سطح پر شعور، نیازؔ کی تحریروں سے ہوا''۔[8]

اِس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ خاں صاحب نے اِس سنہ میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر خلیق انجم کے مضمون مشمولہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' رشید حسن خاں نمبر، یکم تا ۲۸ ستمبر ۲۰۰۶ء سے مزید اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ۱۹۵۹ء سے قبل خاں صاحب کے مضامین اردو کے مختلف رسائل میں شائع ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ایک دن خواجہ صاحب[9] نے مجھ سے فرمایا: 'آپ رشید حسن خاں صاحب کو جانتے ہیں۔ آپ نے اِن کی کون سی تحریریں پڑھی ہیں'۔ میں نے کہا 'کتاب تو ابھی تک غالباً اِن کی کوئی چھپی نہیں ہے لیکن اِن کے چند مضامین شائع ہوئے ہیں اور اِن کے وہ مضامین قابلِ ذکر ہیں جو انجمن ترقی اردو (ہند) کے سہ ماہی رسالے 'اردو ادب' میں شائع ہوئے ہیں''۔

خواجہ صاحب نے دریافت کیا کہ ''اِن کی کون سی تحریر آپ کو پسند آئی؟'' میں نے کچھ مضامین کے نام بتائے اور عرض کیا کہ 'وہ دراصل اِس میدان کے آدمی ہیں جس کی الف ب سے میں واقف نہیں ہوں۔ یعنی عروض وقواعد۔ خواجہ صاحب نے پھر پوچھا 'آپ نے اِن کا کوئی مضمون تو پڑھا ہوگا؟' عرض کیا کہ میں نے اِن کا مقالہ 'ملائی بالائی' پڑھا ہے لیکن یہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ میں نے اٹھا کر رکھ دیا۔ خواجہ صاحب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی: ''خواجہ صاحب بہت کم ہنستے یا مسکراتے تھے''۔

کہنے لگے ''وہ ایک عالم آدمی ہیں۔ آپ کو اِن کے تمام مضامین پڑھنے چاہئیں''۔ میں خواجہ صاحب کے سنجیدہ لب ولہجے سے خائف ہوگیا اور بہت ہی سنجیدگی سے عرض کیا، ''دراصل وہ جن موضوعات پر لکھتے ہیں اِن میں میری دل چسپی نہیں ہے''۔ میرے اِس جواب سے خواجہ صاحب

کے ماتھے پر بل پڑ گیا۔ کہنے لگے کوئی اور یہ بات کہتا تو مجھے برا نہ لگتا، مگر آپ کا یہ کہنا مجھے پسند نہیں آیا، آپ اِن چند لوگوں میں ہیں جن کے مستقبل سے مجھے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ میں خاموش ہوگیا اور جب خواجہ صاحب کے پاس سے آیا تو لائبریری جا کر رسالوں میں رشید حسن خاں کے جو دو چار مضامین ملے وہ پڑھ ڈالے۔ دراصل مجھے خوف تھا کہ جب بھی خواجہ صاحب سے ملاقات ہوگی وہ اِن مضامین کے بارے میں ضرور پوچھیں گے''۔

خاں صاحب کا دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں تقرر بحیثیت ریسرچ اسسٹنٹ اگست ۱۹۵۹ء میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے توسط سے ہوا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ خاں صاحب کی شہرت اُن کے دہلی آنے سے پہلے یہاں پہنچ چکی تھی۔ پروفیسر فاروقی کی کوششوں سے دہلی یونی ورسٹی میں جب شعبۂ اردو کا قیام عمل میں آیا تو انھوں نے اِس شعبے میں اردو کی ترقی و ترویج کے لیے چند پروجیکٹ شروع کیے جن میں اردو ہندی لغت کا تیار کرنا اور کلاسکی ادب کی ترتیب و تدوین شامل تھی۔ فاروقی صاحب کی نظروں سے رشید حسن خاں صاحب کی تحریریں گزر چکی تھیں اور اِن کی نظرِ انتخاب رشید صاحب پر پڑ چکی تھی۔ فاروقی صاحب نے بھانپ لیا تھا کہ وہ ایک عالم آدمی ہیں جو اِس کام کے لیے مناسب ہیں اور میری غیر موجودگی میں بھی اِس کام کو برابر آگے بڑھاتے رہیں گے۔ شعبے سے خواجہ صاحب کی سبک دوشی کے بعد اردو ہندی لغت کا کام رُک گیا لیکن اردو کے کلاسکی ادب کی ترتیبِ و تدوین میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں آئی بل کہ یہ کام مسلسل آگے بڑھتا رہا۔[۱] خاں صاحب خود بھی اِس کام میں زندگی کے آخری ایام تک منہمک رہے، اور نئے ریسرچ اسکالروں کو بھی برابر ترغیب دیتے رہے۔ ان گنت نئے اسکالروں نے اِن کی صُحبت میں رہ کر تربیت حاصل کی اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں مشرقی روایت کا امین کہا جاتا ہے۔

ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے کہ جب خاں صاحب جمّوں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں بحیثیت وزیٹنگ فیلو تشریف لائے۔ پروفیسر شیام لال کالڑا عابد پیشاوری، ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ اور راقم اِن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دورانِ گفتگو تحقیقی کاموں کا ذکر آیا تو خاں صاحب نے فرمایا: ''عابد صاحب اگر ہم اِن نو وارد طلبہ کی رہبری نہیں کریں گے تو کون کرے گا اور تحقیقی کام کیسے آگے بڑھیں گے؟'' عابد پیشاوری صاحب خاموش ہوگئے کیوں کہ اِس بات کی اِن میں کمی تھی۔

نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرنا اِن کی رگ و پے میں شامل تھا۔ اِن کے لیے نئے نئے موضوعات کا انتخاب، اِن کے ماخذوں کی نشان دہی جس حسن سلوک سے وہ کرتے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

خاں صاحب کے لیے یہ بات مشہور تھی کہ وہ سخت طبیعت کے مالک ہیں، مگر یہ اصول اِن کے ہم عصروں اور ادبی ستونوں پر لاگو ہوتا تھا نئے وارد طلبہ پر نہیں۔ سینکڑوں اسکالروں کے مقالوں کی تصحیح اِن کے اپنے ہاتھوں سے ہوئی۔ طلبہ کے اور اسکالروں کے معمولی سے معمولی اور مشکل سے مشکل سوالات کے جواب خاں صاحب نے تحریری صورت میں دیے۔ کبھی کسی کا مقالہ یا مضمون پورا پڑھے بغیر اپنی رائے قائم نہیں کی۔ خاں صاحب ایسے کاموں کو ادبی بددیانتی سے تعبیر کرتے تھے۔ راقم کو زندگی میں کہیں ادبی شخصیتوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، کئی نگراں سے واسطہ پڑا۔ اِس دوران جو دیکھنے اور سننے کو ملا اُسے یہاں نہ بیان کرنا ہی بہتر ہے۔ میں نے بعض ایسے اسکالروں کو دیکھا ہے جن کے کام پورے ہونے کے باوجود بھی کئی سالوں تک رُکے رہے۔ نگراں حضرات کی نظرِ التفات کا شرفِ قبولیت انھیں نصیب نہیں ہوا۔ آخر تھک ہار کر وہ خاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے یا بہ ذریعۂ خط اِن سے مشورہ کرتے۔ خاں صاحب نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ فلاں طالبِ علم فلاں حضرت کی نگرانی میں کام کر رہا ہے مجھے اِس کی مدد نہیں کرنی چاہیے بل کہ اِس کے کام کی رہنمائی اس طرح کرتے کہ نگراں حضرات کو اِس بات کا احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ طالبِ علم نے اِن سے رجوع کیا ہے۔

خاں صاحب نے براہِ راست کسی یونی ورسٹی سے کوئی ڈگری حاصل نہیں کی، لیکن برصغیر ہند و پاک کی یونی ورسٹیوں میں انھیں لکچر دینے کے لیے دعوت دی جاتی رہی۔ ہندستان کی مختلف یونی ورسٹیوں میں انھیں ایم. فل اور پی ایچ. ڈی کے مقالات کا ممتحن بنایا جاتا رہا۔ اِس کے علاوہ خاں صاحب کو اردو املا، قواعد زبان و شاعری، اصولِ تحقیق و تدوین، مشرقی شعریات، کلاسکی ادب کی تفہیم، تصوّف، علوم بلاغت، متن کی قرأت اور لغت کی ترتیب و تدوین پر کئی لکچر دینے اور ورک شاپس منعقد کرنے کے لیے خاص طور سے مدعو کیا جاتا رہا۔ برصغیر میں منعقد ہونے والے قومی و بین الاقوامی سمیناروں میں بھی انھیں عزت و احترام سے دعوت دی جاتی تھی۔ خاں صاحب کو عربی، فارسی اور اردو پر اچھا عبور حاصل تھا۔ ہندی اور انگریزی بھی خوب جانتے تھے۔

تصانیف و تدوین

خاں صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سے مضامین و تبصرے سپردِ قلم کیے اور ملک و بیرون ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں اِن کی اشاعت ہوئی۔ لیکن سب کے سب کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے۔ ریڈیو نشریات اِس کے علاوہ ہیں۔ آنے والے وقت میں شاید ایسا کوئی اسکالر

سامنے آئے جو اِنھیں یکجا کر کے شائع کر دے۔

ترتیب و تدوین کے کاموں پر خاں صاحب نے بہت وقت صرف کیا۔ کئی نسخوں کے اصلی ماخذ تک پہنچنے کے لیے انھیں پندرہ سے بیس سال تک لگے تب جا کر وہ کتاب قاری تک پہنچی۔ خاں صاحب کی سبھی تصانیف و تدوین پر تنقید و تبصرہ ہمارے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے، ہم ان مطبوعات کی فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں تا کہ ادب سے دِل چسپی رکھنے والے ان کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں:

۱- انتخاب نظیر اکبر آبادی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۰ء
۲- انتخاب شبلی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۱ء
۳- انتخاب مراثی انیس و دبیر	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۱ء
۴- دیوانِ خواجہ میر درد	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۱ء
۵- انتخابِ سودا	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۲ء
۶- انتخاب ناسخ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۲ء
۷- اردو املا	ترقی اردو بیورڈ، نئی دہلی	۱۹۷۲ء
	اشاعتِ دوم: ۲۰۰۰ء	
۸- اردو کیسے لکھیں	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۷۵ء
۹- زبان اور قواعد (لُغت، تلفظ اور قواعد شاعری)	ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی	۱۹۷۶ء
۱۰- ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ	ایجوکیشن بک ہاؤس اشاعتِ اوّل:	۱۹۷۸ء
	اشاعتِ ثانی اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، سنہ نا معلوم	
	اشاعتِ سوم: لاہور، پاکستان	۱۹۸۹ء
۱۱- تلاش و تعبیر (تنقیدی مضامین)	دلّی اردو اکادمی	۱۹۸۸ء
۱۲- فسانۂ عجائب (تدوین)	انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی	۱۹۹۰ء
	انجمن ترقّی اردو لاہور، پاکستان	۱۹۹۰ء
	دہلی، اشاعتِ ثانی:	۱۹۹۶ء
	اشاعتِ سوم:	۲۰۰۲ء
۱۳- باغ و بہار (تدوین)	انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی	۱۹۹۲ء
	انجمن ترقّی اردو لاہور (پاکستان)	۱۹۹۲ء

۱۴- تفہیم (تنقیدی اور تحقیقی مضامین)	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۹۳ء
۱۵- انشا اور تلفظ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۹۴ء
۱۶- عبارت کیسے لکھیں؟	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۹۴ء
۱۷- انشاے غالب	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی	۱۹۹۴ء
۱۸- مثنوی گلزارِ نسیم (تدوین)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۱۹۹۵ء
۱۹- انتخاب کلام ناسخ	کراچی، پاکستان	۱۹۹۶ء
۲۰- مثنویاتِ شوق (تدوین)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۱۹۹۸ء
	انجمن ترقی اردو (کراچی) پاکستان	۱۹۹۹ء
۲۱- تدوین، تحقیق، روایت	دہلی	۱۹۹۹ء
۲۲- مثنوی سحر البیان (تدوین)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۲۰۰۰ء
۲۳- املاے غالب	دہلی	۲۰۰۱ء
۲۴- مصطلحاتِ ٹھگی (تدوین)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۲۰۰۲ء
۲۵- کلیاتِ جعفر زٹلی (تدوین)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۲۰۰۳ء
۲۶- کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلد اول)	انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی	۲۰۰۳ء

۲۷- گنجینۂ معنی کا طلسم (زیرِ طبع) یہ کتاب ۱۷۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا مسودہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر میں موجود ہے۔ اس کے کچھ حصے کی کمپوزنگ بھی ہو چکی ہے۔ راقم نے ڈاکٹر خلیق انجم سے ۳۰ر جولائی ۲۰۰۶ء کو ملاقات کے دوران یہ معلومات حاصل کیں، اس کے منظرِ عام پر آنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

۲۸- غرائب اللغات (تدوین) زیرِ ترتیب تھا مگر اب یہ کبھی مکمل نہیں ہوگا کیوں کہ ایسے کاموں کو اب کون کرے گا۔

اقبالؔ کے اردو کلیات (کلامِ اقبال) پر لاہور سے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے اشتراک سے کام کر رہے تھے۔ خاں صاحب اپنے مکتوب ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کو لکھتے ہیں: ''اب میری درخواست یہ ہے کہ بعدِ عید آپ ''ارمغانِ حجاز'' کے حواشی لکھنا شروع کر دیجیے، میں بھی عید کے تیسرے دن سے باضابطہ آغازِ کار کروں گا۔ حواشی مختصر ہوں اور ضروری ہوں اور بس۔ اشعار میں جو تلمیحات آئی ہیں اور نام آئے ہیں یا مصرعے اور شعر منقول ہیں، ان کی

تخریج میں کرلوں گا اور پھر آپ کے پاس بھیج دوں گا''۔

خاں صاحب نے کام شروع بھی کردیا اور ''ارمغانِ حجاز'' کے متن کے ۵۰ صفحات تیار بھی کر لیے لیکن شدّت کی سردی کی وجہ سے سبھی کام ملتوی کردیے، جس کی اطلاع انھوں نے ہاشمی صاحب کو ۶ر دسمبر ۲۰۰۵ء کے خط کے ذریعے دی کہ:

> ''اقبال والا کام، دوسرے کاموں کے ساتھ رُکا ہوا ہے، یوں آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ موسم سنبھل جائے گا تو کچھ ہو سکے گا، فی الحال آرام''۔

اِسی خط میں مزید لکھتے ہیں:

> ''پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں، ہاں، میں نے غرائب اللغات والا کام مستقلاً ملتوی کردیا ہے۔ اِس پر پھر گفتگو ہوگی''۔

اِن باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب کا ذہن مکمل طور پر کلامِ اقبال کو مرتب کرنے پر مرکوز تھا، لیکن خدا نے اِنھیں مہلت نہیں بخشی۔

خاں صاحب کا پلان ''امراو جان ادا'' کو بھی مرتب کرنے کا تھا، اِس کے پہلے اڈیشن کے لیے انھوں نے مختلف حضرات کو خط بھی لکھے، جن میں اور حضرات کے علاوہ ڈاکٹر خلیق انجم اور اسلم محمود بھی شامل ہیں، مگر اِنھیں پہلا اڈیشن حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ملی، لیکن اِس معاملے میں وہ نا اُمید بھی نہیں تھے جیسا اُن کا اصول تھا۔

خاں صاحب نے ایک طویل ادبی زندگی پائی، ۳۶ سال تک دہلی میں رہے۔ برصغیر ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں اِن کی شخصیت کو عزّت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں ملکوں کی یونی ورسٹیاں اِنھیں اپنے ہاں مختلف موضوعات پر لکچر دینے کے لیے مدعو کرتی تھیں۔ جن اداروں اور سمیناروں میں خاں صاحب نے اصولِ تحقیق، صحتِ املا، مشرقی شعریات، قواعد زبان، اور قواعد شاعری کے علاوہ دوسرے موضوعات پر لکچر دیے ان کی ترتیب کچھ اِس طرح ہے:

۱-	اصولِ تحقیق پر	پانچ لکچر	شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی (۲۴ تا ۲۸ر فروری ۱۹۸۶ء)
۲-	مشرقی شعریات پر	چھے لکچر	شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی (نومبر ۱۹۹۱ء)[11]
۳-	مشرقی شعریات پر	تین لکچر	جواہر لال یونی ورسٹی، دہلی
۴-	اصولِ تحقیق پر	تین لکچر	جواہر لال یونی ورسٹی، دہلی
۵-	اصولِ تدوین پر	تین لکچر	جواہر لال یونی ورسٹی، دہلی
۶-	مشرقی شعریات پر	تین لکچر	شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی

۷- کلاسکی ادب کی تفہیم پر تین لکچر شعبۂ اردو بمبئی یونی ورسٹی
۸- تصوّف اور تحقیق پر ایک لکچر اورینٹل کالج لاہور، پاکستان (۱۹۹۲ء)
۹- انٹرنیشنل نیاز سمینار کراچی، پاکستان (۱۹۸۴ء)
۱۰- نیاز لکچر کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لیے کراچی، پاکستان (۲۹رنومبر ۱۹۹۱ء سے آگے)[۱۲]
۱۱- اخلاقیاتِ تحقیق پر ایک لکچر خدا بخش لائبریری پٹنہ (۲۴رجولائی ۱۹۹۳ء)
۱۲- تین سو سالہ جشن یادگار شاہ سراج اورنگ آبادی (اورنگ آباد)
۱۳- شیرانی سمینار خدا بخش لائبریری، پٹنہ (اورینٹل)
۱۴- اصولِ تدوین سمینار خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ
۱۵- چکبست سمینار مہاراشٹر اردو اکیڈمی، بمبئی
۱۶- دکنی ادب سمینار بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی
۱۷- نصابِ تعلیم سمینار دہلی اردو اکیڈمی، دہلی
۱۸- عوامی ادب سمینار شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۱۹- اصنافِ ادب سمینار دہلی اردو اکادمی، دہلی
۲۰- دلّی والے دہلی اردو اکادمی، دہلی
۲۱- فانی سمینار الٰہ آباد
۲۲- نیاز سمینار یو. پی اردو اکادمی، لکھنؤ
۲۳- سیماب سمینار سینٹ کالج، آگرہ
۲۴- جوش سمینار شیعہ کالج، لکھنؤ
۲۵- جوش سمینار یو. پی اردو اکادمی، لکھنؤ
۲۶- انٹرنیشنل غالب سمینار غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی
۲۷- دکنی ادب سمینار شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۲۸- انٹرنیشنل املا سمینار شعبۂ اردو بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی[۱۳]
۲۹- مولانا آزاد سمینار بمبئی یونی ورسٹی، بمبئی (۱۹۸۹ء)
۳۰- مولانا آزاد صدی تقریبات سمینار یو. پی اردو اکادمی، لکھنؤ
۳۱- سوا سو سالہ جشن اورینٹل کالج لاہور (دسمبر ۱۹۹۵ء)[۱۴]
۳۲- دو سو سالہ جشن رضا لائبریری، رام پور[۱۵] (۲۷رجولائی ۱۹۹۸ء)
۳۳- سالانہ جلسہ راجستھان اردو اکادمی (اپریل ۲۰۰۰ء)

۳۴- نیاز فتح پوری سمینار کراچی، پاکستان[16] (دسمبر ۲۰۰۱ء)

املا ورک شاپ کنڈکٹ کی

ملک کی مختلف ریاستوں کے محکمۂ تعلیم نے پرائمری، ہائر سیکنڈری، کالج اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ کے لیے مختلف اوقات میں تربیتی پروگراموں کا انعقاد کیا، جن میں رشید حسن خاں صاحب کو خاص طور پر لکچر دینے کے لیے مدعو کیا جاتا رہا۔ اِن کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

۱- یونی ورسٹی اور کالج کے اساتذہ کے لیے تین ہفتے کا تربیتی کورس شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی جموں، یکم جنوری سے ۲۱/ جنوری ۱۹۸۱ء تک

۲- ہائر سیکنڈری اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کے لیے دس دن کا تربیتی کورس (صحت املا) کرناٹک آرٹس کالج دھارواڑ، کرناٹک یونی ورسٹی، ۱۱/ نومبر سے ۲۲/ نومبر ۱۹۸۲ء تک۔

۳- پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کے لیے صحتِ املا کا تربیتی کورس، علامہ اقبال ایجوکیشنل سوسائٹی، ہبلی، کرناٹک۔ ۲۷/ مئی سے ۳/ جون ۱۹۸۳ء تک۔[17B]

۴- پرائمری اور ہائر سیکنڈری اسکولوں کے لیے صحتِ املا کا پانچ دن کا تربیتی کیمپ، کاروار، زیر اہتمام کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، ۱۹۸۵ء

۵- اردو املا کی معیار بندی پر تین روزہ سمینار۔ اردو ٹیچنگ ریسرچ سینٹر، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز (حکومتِ ہند) لکھنؤ، ۲۸/ دسمبر سے ۳۰/ دسمبر ۱۹۸۷ء تک۔

۶- پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کے لیے املا ورک شاپ، ۱۷/ اکتوبر سے ۲۴/ اکتوبر ۱۹۸۹ء، احمد آباد، گجرات۔[18]

۷- بمبئی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں پانچ دن کی ورک شاپ منعقد ہوئی ۱۱/ جنوری سے ۱۵/ جنوری ۱۹۹۰ء تک۔

وزیٹنگ فیلو

رشید حسن خاں صاحب نے چند یونی ورسٹیوں میں بحیثیت وزیٹنگ فیلو بھی وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر لکچر دیے۔ ان کی ترتیب یوں ہے:

۱- شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی، تین ہفتے کے لیے بہ حیثیت وزیٹنگ فیلوڈ اصول تحقیق، قواعد زبان اور مشرقی شعریات پر لکچر دیے۔ اپریل ۱۹۸۳ء۔

۲- شعبۂ اردو بمبئی یونی ورسٹی میں بہ حیثیت وزیٹنگ فیلو: اصولِ تحقیق، قواعد زبان، قواعد

شاعری اور علومِ بلاغت پر لکچر دیے۔ دو ماہ کے لیے، فروری-مارچ ۱۹۹۲ء۔

۳- شعبۂ اردو جواہر لال یونی ورسٹی، دہلی میں ایم.اے اردو کلاسز کو دو ماہ کے لیے متنی تنقید پر لکچر دیے۔[۱۹]

۴- شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی بہ حیثیت وزیٹنگ فیلو: متن کی قرأت، کلاسکی ادب کی تفہیم، علومِ بلاغت اور اصولِ املا پر لکچر دیے۔ چار ہفتوں کے لیے۔ یکم ستمبر سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۹۵ء۔

۵- شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی بہ حیثیت وزیٹنگ فیلو: تین ہفتوں کے لیے۔ ۲۶ر جنوری سے ۱۴ر فروری ۱۹۹۰ء تک۔

انعامات و اعزازات

خاں صاحب کی بلند قامت ادبی شخصیت کو دیکھتے ہوئے برصغیر ہند و پاک نے انھیں مختلف اقسام کے انعامات و اعزازات سے نوازا، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱-	دہلی ساہتیہ کلا پریشد ایوارڈ	۱۹۷۷ء
۲-	یو. پی اردو اکادمی ایوارڈ	۱۹۷۸ء
۳-	غالب ایوارڈ	۱۹۷۹ء
۴-	امتیازِ میر اعزاز (میر اکادمی، لکھنؤ)	۱۹۸۰ء
۵-	نیاز فتح پوری ایوارڈ (کراچی)	۱۹۸۹ء
۶-	نیشنل ایوارڈ، مہاراشٹر اردو اکادمی	۱۹۹۰ء
۷-	محمد طفیل ادبی ایوارڈ (لاہور)	۱۹۹۰ء
۸-	کل ہند بہادر شاہ ظفر ایوارڈ (دہلی اردو اکادمی)	۱۹۹۱ء
۹-	نیشنل حالی ایوارڈ (ہریانہ اردو اکادمی)	۱۹۹۲ء
۱۰-	یو. پی اردو اکادمی انعام	۱۹۹۴ء
۱۱-	مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ (یو. پی اردو اکادمی، لکھنؤ)[۱۹]	۱۹۹۸ء
۱۲-	مدھیہ پردیش اردو اکادمی ایوارڈ (بھوپال)[۲۰]	۲۰۰۴ء

املاے رشید حسن خاں

۳ر نومبر ۲۰۰۵ء کو راقم رشید حسن خاں صاحب کے دولت کدے شاہ جہان پور پر ایک انٹرویو لینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ غروبِ آفتاب کے بعد سردی بڑھ چکی تھی۔ خاں صاحب کی طبیعت بھی

ٹھیک نہیں تھی۔ گرم کپڑے پہنے، سر پر گرم ٹوپی اور گلے میں مُفلر لپیٹے ہوئے ڈرائنگ روم میں وارد ہوئے۔ اُس دن ماہِ رمضان کا آخری روزہ تھا اور اِفطار کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگ بازار بند کر کے گھروں کو جا چکے تھے، اس لیے کوئی ویڈیو والا بھی نہیں مل پایا۔ دورانِ گفتگو میں نے پوچھا ''حضور آپ کو اپنی کتابوں میں سب سے زیادہ کون سی کتابیں پسند ہیں؟'' اُنھوں نے مختصر سا جواب دیا: ''اردو املا'' اور ''فسانۂ عجائب''۔

''اردو املا'' کی اشاعتِ اوّل مئی ۱۹۷۴ء میں ہوئی۔ خاں صاحب نے تصنیف و تدوین کا ایک طویل سفر طے کیا، کوئی ۲۶ کتابیں منظرِ عام پر آئیں۔ اِن میں تین چھوٹی چھوٹی کتابیں ایسی ہیں جو اُنھوں نے اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے لیے تیار کیں، جن کے نام ہیں: ''اردو کیسے لکھیں؟'' (اگست ۱۹۷۵ء)، ''عبارت کیسے لکھیں؟'' (مارچ ۱۹۹۴ء)، جسے ہم پہلی کتاب کی تبدیل شدہ صورت کہہ سکتے ہیں اور ''انشا اور تلفظ'' (جون ۱۹۹۵ء)۔ رشید حسن خاں انجمن ترقّی اردو کی مجلسِ عاملہ، مجلّہ ''غالب نامہ'' کی مجلسِ ادارت اور ترقّی اردو بورڈ کی املا کمیٹی کے رکن بھی رہ چکے تھے۔ اردو ترقّی بورڈ اور انجمن ترقّی اردو (ہند) املا کمیٹی کی سفارشات پر کافی حد تک عمل کر رہے ہیں۔ ملک کے بہت سے اشاعتی اداروں نے بھی اِن اصولوں کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں اب اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا خاں صاحب نے اپنی تصنیفی و تدوینی تحریروں میں اِن اصولوں کی پیروی کی ہے یا نہیں؟

خاں صاحب کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو قواعد وضوابط اُنھوں نے دوسروں کے لیے مرتب کیے اُن پر اُنھوں نے خود بھی سختی سے عمل کیا۔

سب سے پہلے اعراب (یعنی حرکات وسکنات) کا ذکر کرتے ہیں۔ عام بول چال کے وقت اِن باتوں پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ انجانے میں ہر شخص اِن کا استعمال بخوبی کرتا ہے۔ لیکن جب بات تحریری صورت کی آتی ہے تو عموماً دیکھا گیا ہے کہ بعض اچھے اچھے اُدبا و شعرا کی تحریریں اِن علامات سے خالی نظر آتی ہیں۔ کیا عبارت کے لیے اعراب کا استعمال لازمی ہے؟

اِس سوال کا سیدھا سا جواب ہے، ہاں۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ اگر اعراب کا صحیح اور موقع و محل پر استعمال نہ کیا جائے تو مفہوم بدل بھی سکتا ہے۔ ایک بات کا دھیان رہے کہ اعراب اچھی عبارت کا زیور ہیں۔ مگر بعض اوقات زیادہ زیور دُلھن کی گردن کے لیے بوجھ بھی بن جاتے ہیں۔

مولوی عبدالحق (اپنی کتاب ''قواعدِ اردو''، اشاعتِ اوّل ۱۹۹۴ء، انجمن ترقّی اردو [ہند] کے ص ۳۴۳ پر) لکھتے ہیں: ''اِن علامات کو اعراب اِس لیے کہتے ہیں کہ اہلِ عرب کی ایجاد سمجھے

جاتے ہیں۔ اعراب سے یہ مطلب ہے کہ کسی پر اِن میں سے کسی علامت کا لگانا۔ اِنھیں حرکات بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ ان علامات سے آواز میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن چوں کہ جزم سے سکون پیدا ہوتا ہے اِس لیے پورا نام حرکات وسکنات ہے۔ اعراب کا لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے جس پر کوئی حرکت ہوتی ہے اِسے متحرک کہتے ہیں''۔

یہ بات دُرست ہے کہ اعراب عرب کی ایجاد ہیں، مگر عرب کی فنِ تحریر کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامات آنحضرتؐ کے زمانے سے بعد کی ایجاد ہیں۔ آپ نے ۶ھ و ۷ھ یعنی ۶۲۹-۶۲۸ء میں جو تبلیغی خطوط مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے نام روانہ کیے اور جنھیں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے لکھا تھا، اُس وقت تک حروف پر نقطے دینے اور اعراب لگانے کا رواج نہ تھا۔ چناں چہ فرمانِ رسالت بھی ان علامات سے خالی ہیں''۔[۲۱]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعراب کس نے اور کب ایجاد کیے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہم تھوڑا سا آگے بڑھتے ہیں: ''خلافت راشدہ تک حروف پر نقطے نہ تھے اور نہ زیر زبر لگائے جاتے تھے۔ محض اشارات تھے جن کو وہی شخص پڑھ سکتا تھا جو عربی زبان کا ماہر ہو۔ جب اسلام غیر عرب اقوام میں پھیلا تلاوتِ قرآن میں دشواریاں آئیں۔

تقریباً ۵۰ھ میں حضرت علی کے شاگرد ابوالاسود دوئلی نے اعراب ایجاد کیے مگر اِن کی صورت نقطوں کی تھی۔ زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ دیا جاتا تھا، زبر کے لیے اوپر، پیش کے لیے بازو یا کنارے پر اور تنوین کے لیے دو نقطے لگائے جاتے تھے''۔[۲۲]

جب اسلام عرب کی حدود سے نکل کر ایران تک پھیلا تو ''نہ صرف قرآن مجید پڑھنے میں دقتیں ہوئیں بل کہ مراسلات اور روزانہ کی تحریروں کے پڑھنے میں بھی اختلاف ہونے لگا۔ یہ کیفیت دیکھ کر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۶۵ھ میں حجاج بن یوسف عراق کے گورنر کو رسم خط کی اصلاح کا حکم دیا۔ نصر بن حجاج کے منشا کے مطابق حرفوں میں امتیاز کرنے کے لیے نقطے وضع کیے اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ منقوطہ حروف پر سیاہ نقطے دیے جائیں اور اعراب کے لیے قرمزی رنگ کے نقطے لگائے جائیں۔ اِس طرح حروف منقوطہ میں فرق ہوا۔ نقطوں کے ذریعے اعراب لگانے کا یہ طریقہ تقریباً تیس چالیس سال تک جاری رہا۔ پھر عبدالرحمٰن خلیل بن احمد عروضی (متوفی ۱۷۰ھ) نے اعراب کی خاص شکلیں وضع کیں جس کے بعد اعراب کے لیے قرمزی رنگ کے نقطوں کا استعمال ترک کر دیا گیا''۔[۲۳]

مذکورہ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ نصف نویں صدی عیسوی یا ۸۹۲ء تک اعراب کا باقاعدہ

رواج نہیں تھا۔ ادھر محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ پر حملہ کیا اور قابض ہوا۔ بعد میں اپنے گورنر کو یہ علاقہ سونپ کر واپس وطن چلا گیا۔ عبدالرحمٰن خلیل کی وفات اور محمد بن قاسم کے ہندستان پر حملے میں ۱۸۰ برس کا وقفہ ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو مراسلات محمد بن قاسم نے گرد و نواح کے حاکموں کو تحریر کیے ہوں گے وہ بھی اِن اعراب کے بغیر ہوں گے۔ عربی میں اعراب کا اتنی مدّت کے بعد استعمال عمل میں آیا تو فارسی کی صورت حال کیا ہوئی ہوگی۔ اِس زبان نے اِس اصول کو کب اپنایا یہ مسئلہ ابھی تک تحقیق طلب ہے۔

ایک بات یاد رہے کہ ایران میں عربی خط رائج ہونے سے قبل 'ہخامنشی دور (۵۵۰-۳۳۰ ق م) تھا، اس دور کی زبان 'فارسیِ قدیم' کہلاتی ہے جس کے علم کا واحد ذریعہ میخی رسم خط کے کتبے ہیں''۔

دوسرا دور ''ساسانی دور (۲۲۶ء سے ۶۵۲ء)۔ اس دور کی زبان 'فارسیِ متوسط' کہلاتی ہے جسے پہلوی رسم خط میں لکھتے تھے''۔

تیسرا دور اسلامی دور (ساتویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک) اِس دور کی زبان ''فارسیِ جدید'' کہلاتی ہے۔ اِس کا رسم خط عربی ہے''۔[۲۴]

پہلے دونوں رسم خط تیسرے رسم خط سے بالکل مختلف ہیں۔ اِن حروف کی اشکال عربی حروف سے کسی بھی صورت مشابہت نہیں رکھتی۔ اِس لیے ان کی تحریروں میں اِن علامات کے پائے جانے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

تیسرے دور کے رسم خط یعنی فارسیِ جدید نے عربی حروف کو اپنایا اِس لیے علامات کے اُصول بھی اپنائے اور یہی صورتِ حال اردو رسم خط کی ہے جس کی بنیاد عربی اور فارسی رسم خط پر رکھی گئی۔

اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کیا رشید حسن خاں صاحب نے اپنی تحریروں میں اِن علامات کی پابندی کی جن کا ذکر انھوں نے ''اردو املا''، ''اردو کیسے لکھیں''، ''عبارت کیسے لکھیں'' اور ''انشا اور تلفظ'' میں کیا ہے؟

جی ہاں! تدوینی کاموں میں اُنھوں نے اصولوں کی پوری طرح پابندی کی۔ ''فسانۂ عجائب'' سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جانِ عالم کا ملکہ مہر نگار سے ملاقات کرنا اور اُس سے جدا ہونے سے قبل ملکہ مہر نگار کی جانِ عالم سے گفتگو:

''اب بجز مَرگ کیا چارہ! میں تنگِ خانُماں، خراب کُشتۂ خانداں، فقط ذِلّت و

خواری ماں باپ کی اور گِریہ وزاری اپنی چاہتی تھی۔ صُبح تو کہاں، میں کہاں! یہ صُحبتِ شب خواب ہوجائے گی۔ نمودِ سَحَرِ مُفارَقت شامِ غُربت کا رنگ دکھائے گی۔ دامنِ سَحَر کی طرح گِریبانِ صَبر چاک ہوگا، ہمارے سِر پر آفت وخرابی آئے گی۔ انصاف کیجیے، کس سے کہوں گی، بے قراری ستاتی ہے؛ جانِ عالم کی جُدائی سے روح بدن سے جُدا ہوتی ہے، جان جاتی ہے۔ ہم صُحبتیں طعنے دیں گی۔ انیسیں چھیڑ چھیڑ کر جان لیں گی۔ جب لونڈیوں پر خفا ہُوں گی؛ بڑبڑائیں گی، زَبان پر یہ کلمہ لائیں گی: ملکہ عاشِقی کا رنج و ملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں۔ شہ زادہ چلا گیا، نہ رک سکا؛ اُس سے تو بس نہ چلا؛ ہَم جو بے بس ہیں، بس غصّے کی جھانجھ ہم پر نکالتی ہیں۔ باپ پر حال کھُلا تو خجالت ہوگی۔ ماں نے گر سُنا، تو نَدامت سے کیا حالت ہوگی! رُسوائی کے خوف سے دِل کھول کر نہ رُو سکوں گی۔ بدنامی کے ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی۔ جب دِل بے تاب ہِجر سے گھبرائے گا، فرمایئے کون تسکین فرمائے گا؟ آپ اُدھر تشریف لے جائیں گے، ہَم اِدھر غمِ فُرقت سے گھُٹ گھُٹ کر مر جائیں گے۔ ہماری سَر نوِشت پر رُونا رَوا ہے۔ ماجرا ہمارا عِبرت اور حَیرت افزا ہے۔ ہر چند ظلِّ سُبحانی عامِل بے بَدَل، ساحِرِ بے مِثل ہیں؛ علمی، سِفلی سب کچھ پڑھا لکھا؛ ہماری پیشانی اور لوحِ جَبیں کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آنی ہے! اور خطِ شِکستہ سے ایسے نستعلیق نے کیا بُرا لکھا ہے! افسوس، صد افسوس"۔[۲۵]

مذکورہ بالا اقتباس میں جن الفاظ کے ساتھ زیَر کا استعمال ہوا ہے، وہ اِس طرح ہیں:

گِریہ وزاری، سِر، عاشِقی، ہِجر، اِدھر، عِبرت اور سِفلی۔

گِریہ وزاری میں گ کے نیچے، سِر میں س کے نیچے، عاشِقی میں شَ کے نیچے، ہِجر میں ہ کے نیچے، اِدھر میں اَ کے نیچے، عِبرت میں عَ کے نیچے اور سِفلی میں س کے نیچے زیَر لگایا گیا ہے۔ جن حروف کے نیچے زیَر آیا ہے وہ سبھی متحرک کہلاتے ہیں۔ جزم کے علاوہ جو بھی علامت جس حرف کے اوپر یا نیچے آئے گی وہ متحرک ہوگا۔ کیوں کہ اِن علامتوں کو حرکات کا نام دیا گیا ہے۔

ہِجر میں ہائے ملفوظ کا استعمال ہوا ہے۔ ہائے ملفوظ چار صورتوں میں مستعمل ہے: شروع، درمیان اور آخر میں، لیکن اپنے سے پہلے حرف کے ساتھ ملا کر لکھا جائے گا۔ مثلاً: ہم، بہت، جگہ۔ ان تینوں صورتوں میں ایک اور شوشہ نیچے لگایا جائے گا جسے لٹکن کہا جاتا ہے۔ اِس کی چوتھی صورت

ہے جیسے: راہ، ماہ۔ یہاں اِسے پورا لکھا جاتا ہے۔[۲۵]

خاں صاحب نے اپنی تعلیم عربی مدرسہ بحرالعلوم میں حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تدوینی کاموں میں اِس تعلیم نے اِن کا ساتھ دیا۔

اب جن الفاظ کے اوپر زبر لگایا ہے اِنھیں دیکھیے:

بَجز مَرگ، تَنگِ خانُماں، فَقط، سَحر، ضَمر، زَبان، خَجالت، نَدامت، حَیرت اَفزا اور بےبَدَل

بَجز مَرگ میں ب اور م پر، تَنگِ خانُماں میں ن پر، فَقط میں ف اور ق پر، سَحر میں س اور ح پر، ضَمر میں ض پر، زَبان میں ز پر، خَجالت میں خ پر، نَدامت میں ن پر، حَیرت اَفزا میں ح اور ا پر اور بے بَدَل میں ب و دال پر زبر لگایا گیا ہے۔

پیش کا استعمال دیکھیے:

خانُماں، صُبح، صُحبتِ شب، غُربت، اُس، کھُلا، رُسوائی، کھُول، رُو، اُدھر، رُونا اور بُرا۔

زبر، زیر اور پیش کو عربی میں فتحہ، کسرہ اور ضمہ کہتے ہیں۔ اِن کی خفیف آوازیں بالترتیب الف، ی اور واو کی ہوتی ہیں۔

تشدید کو پروفیسر حکم چند نیرّ نے اپنی کتاب ''ابتدائی اردو'' مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۷۷ء کے ص ۷۱ پر شد لکھا ہے۔ دیوناگری لپی میں یہاں ایک حرف مکرّر آئے تو پہلے کو آدھا اور دوسرے کو پورا لکھا جاتا ہے۔ مگر اردو میں ایسا نہیں ہے، یہاں ایک ہی حرف لکھا جاتا ہے اور اُس پر انگریزی گنتی کا ہندسہ 3 اُلٹا w کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور اِس حرف کی آواز دوگنی ہو جاتی ہے، مثلاً:

ذِلّت، ظِلِّ سُبحانی اور خطِّ شِکستہ وغیرہ۔

ذلّت، ظِلّ میں ل اور خطّ میں ط دوبار آیا ہے۔

تحریر میں تشدید کا لگانا لازمی ہے ورنہ لفظ کا تلفظ بگڑ جائے گا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ لکھتے چلے جاتے ہیں اور اِن علامات کا دھیان نہیں رکھتے۔

مذکورہ بالا اقتباس میں یاے معروف اور یاے مجہول کے فرق کو واضح کرنے کے لیے جن اصولوں کی پیروی کی ہے اُن پر غور فرمائیے، مثلاً:

انیس، جبیں اور نستعلیق

یاے معروف اور یاے مجہول جب درمیانِ لفظ آتے ہیں تو ان کا شوشہ ب کی چھوٹی صورت میں لکھا جاتا ہے اور نیچے دو نقطے لگا دیے جاتے ہیں۔ لیکن جب یاے معروف کی آواز کو ظاہر کرنا ہوتا ہے تو اِن دو نقطوں کے نیچے ایک کھڑا الف لگا دیا جاتا ہے اور آواز ذرا کھینچ کے نکلتی ہے۔ لیکن یاے

مجہول کے لیے صرف دو نقطے ہی لگائے جاتے ہیں، جیسے چھیڑ، پیش، پیشانی وغیرہ۔

اسی طرح یاے لین جب درمیانِ لفظ آئے تو اُس سے پہلے جو حرف ہوتا ہے، اُس پر زبر لگا دیا جاتا ہے، جیسے خَیرت، غَیر اور خَیر۔

واو معروف کی پہچان کے لیے خاں صاحب نے واو پر اُلٹا پیش لگانے پر زور دیا ہے، جیسے ہوٗں، سرِ موٗ، طوٗر، نوٗر۔

واو مجہول کے لیے اُس سے پہلے حرف پر پیش لگانے کی سفارش کی ہے، جیسے: چُور، گُور، شُور، کُوٹ۔[۲۷]

تحریر میں دو علامتیں زیادہ الجھن میں ڈالتی ہیں، ایک ہمزہ اور دوسرے اضافت کا زیر۔ خاں صاحب نے اِس اُلجھن کو دور کرنے کے لیے آسان طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''جن لفظوں کے آخر میں الف یا واو ہوتا ہے، اضافت کی صورت میں اُن کے آگے ے کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے ابتداے عشق، انتہاے شوق یا بوٗے گل، سوے مے خانہ۔ ایسے ے پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ لیکن جب ہاے مختفی لفظ کے آخر میں آئے گی تو اضافت کی صورت میں ہمزہ لکھا جائے گا، جیسے: جذبۂ دل، مدینۂ منورہ، کعبۂ مقصود یا نالۂ شب، باقی تمام حروف جو لفظ کے آخر میں آتے ہیں اُن کے نیچے اضافت کا زیر لگایا جاتا ہے ہمزہ نہیں۔[۲۸] پچھلے اقتباس سے دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں، تنگِ خانماں، صُحبتِ شب، دامنِ سُحر، جانِ عالم اور خطِ شکستہ۔

اب دیکھیں کہ خاں صاحب نے دورانِ تحریر ن اور نونِ غنہ میں امتیاز کیسے روا رکھا ہے۔ جب سادہ ن شروع، درمیان اور آخر میں لکھنا مقصود ہو تو اِسے اِس طرح لکھتے ہیں:

نا آشنا، ناب، ناسپاس، نانخ، نامہ۔[۲۹]

درمیانی صورت میں:

گُنبد، سُنبل، انبار، منبر۔[۳۰]

آخری صورت میں:

تعین، زبان، جن، کھینچ تان۔[۳۱]

خاں صاحب لکھتے ہیں کہ ''نونِ غنہ بھی تین صورتوں میں لکھا جاتا ہے، درمیان میں، درمیان میں ساکن اور آخر میں، جیسے: اُنجھواں، اندرا٘سن، اَنْدھیری، اِنْڈوی۔ جب نونِ غنہ درمیان میں آئے تو اِس کی غنائی آواز کو ظاہر کرنے کے لیے اِس پر اُلٹا قوس لگایا جاتا ہے۔[۳۲]

درمیان میں ساکن صورت ہو تو اِس پر جزم لگایا جاتا ہے، جیسے: اِنْبِاہ ہوا، اَنْٹی ماری، اَنْدوہ،

اَنٗ چِت۔[۴۳]

لفظ کے آخر میں نونِ غنّہ آئے، تو کوئی علامت نہیں لگائی جاتی اور نہ نقطہ، جیسے: کنواں، دُھواں، یہاں، یوں۔[۴۴]

رشید حسن خاں صاحب نے اپنی تصنیف ''اردو املا'' میں واو معدولہ مع الف، ہاے معدولہ، یاے معدولہ اور ہمزہ معدولہ کے لکھتے وقت اِن پر اُلٹا جزم لگانے کی سفارش کی ہے، جیسے:

خوٗاب، خوٗاہش، درخوٗاست، خوٗاستگار —— پپہیٗا، کہیٗو، رہیو، چُھپا —— نیولا، جیولا، پیاسا، جیسا —— مکئی، چمپئی، گجئی اور مُرئی وغیرہ۔

حرکات وسکنات میں ایک چیز آخر میں رہ جاتی ہے، اور وہ ہے تنوین۔ تحریر میں یوں تو ہر علامت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔ مگر مد، تشدید اور تنوین کے بغیر لفظوں کو غلط پڑھا جائے گا، جیسے: 'آب' کو 'اب'، 'آج' کو 'اَج'، 'بلّی' کو 'بلی'، 'چُلّا' کو 'چُلا' اور تنوین کے نہ ہونے سے، 'مثلاً' کو 'مثلا'، 'عادتاً' کو 'عادتا' اور 'ضرورتاً' کو 'ضرورتا'۔

خاں صاحب ''اردو املا'' اشاعتِ اوّل کے ص ۱۱۰ پر لکھتے ہیں کہ ''تنوین، عربی کی خاص چیز ہے، جیسے نسلاً، نسلٍ، نسلٌ۔ اردو میں ایسے لفظ بہت کم مستعمل ہیں جن پر دو زیر یا دو پیش آتے ہیں..... ہاں ایسے لفظ بہت ہیں جن پر دو زبر آتے ہیں، جیسے: فوراً، حکماً، اتفاقاً، انتظاماً، مثلاً وغیرہ۔

تنوین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ لفظ کے آخر میں الف بڑھا دیا جاتا ہے اور اُس پر دو زبر لگا دیے جاتے ہیں، جیسے: عادت سے عادتاً، نسبت سے نسبتاً، حقیقت سے حقیقتاً، نتیجہ سے نتیجتاً، دفعہ سے دفعتاً، مثال سے مثلاً، یقین سے یقیناً وغیرہ۔

خاں صاحب کا تحریری کام ہو یا تدوینی اُنھوں نے ہر جگہ حرکات وسکنات وعلامات کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ تدوینی کاموں میں اُنھوں نے اِن کو خاص طور سے ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰؍ اگست ۱۹۸۵ء بہ نام سیّد شہاب الدین دسنوی لکھتے ہیں:

> ''میں آج کل باغ و بہار کو مرتب کررہا ہوں مکمّل اعراب نگاری اور توقیف نگاری کے ساتھ، کسی وقت چند صفحات کا عکسی نمونہ بھیجوں گا۔ جس لفظ پر جو اعراب لگائے گئے ہیں۔ توضیحے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ اعراب کس بنا پر لگائے ہیں۔ اِس سے ایک آسانی یہ ہے کہ میر امّن کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مکمّل مسودہ میرے سامنے ہے جس پر اُنھوں نے بہت سے الفاظ پر التزاماً اعراب لگائے ہیں اور علامات۔ سال بھر مکمّل اِس

پر صرف ہو چکا ہے اور ابھی ایک سال سے کچھ زیادہ وقت اور لگے گا"۔

رموزِ اوقاف

اردو ادب کی قدیم نثر و نظم کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رموزِ اوقاف کی علامتوں کا التزام نہیں رکھا گیا۔ اِس کی خاص وجہ یہ نظر آتی ہے کہ قدما کے پیشِ نظر ایسی کوئی مثال یا نمونے نہیں تھے جو اُن کی رہنمائی کرتے۔ وہ لوگ لکھتے چلے جاتے اور رُکنے کا نام تک نہیں لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم تحریریں پڑھنے میں دشواری آتی ہے۔ نثر سے زیادہ نظم کے مفہوم کو سمجھنا مشکل لگتا ہے۔

رشید حسن خاں صاحب "اردو املا" اشاعتِ اوّل کے ص ۵۴۵-۴۶ پر لکھتے ہیں:

"اِن ضروری اور مفید علامتوں کو بہت سے لوگ ضرورت کے مطابق استعمال نہیں کرتے، حالاں کہ کلام کی وضاحت، معنویت اور صحیح خواندگی کے لیے اِن کا استعمال بہت اہمیّت رکھتا ہے۔ جس طرح اضافت کا زبر لگانا ازبس ضروری ہے، اُسی طرح اِن علامات میں سے "کاما" کو استعمال کرنا نہایت ضروری بل کہ لازم ہے۔ بہت سے جملے، شعر اور عبارتیں ایسی ہیں کہ اُن میں اگر کاما اور اضافت کا زیر صحیح لگائے جائیں تو اُن کی پیچیدگی صراحت سے قریب ہو سکتی ہے"۔

خاں صاحب سرورؔ کی نثر اور غالبؔ کی نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رجب علی بیگ سرورؔ کی نثر ہو، یا غالبؔ کی نظم؛ اِن سب کا حال ایک جیسا ہے۔ اور قدیم و جدید کی تفریق بھی اِس سلسلے میں غیر ضروری ہے۔ عام تحریر میں (مضامین، مقالے، کتابیں) ان کی پابندی ضرور ہے۔ اِس پابندی سے، پڑھنے والے کو صحیح طور پر پڑھنے میں بیش قیمت مدد ملتی ہے، اور دوسری طرف لکھنے والے کو ذرا سوچ سمجھ کے قلم چلانا پڑتا ہے۔ اور تدوین میں تو اِس کو لازم قرار دیا جانا چاہیے۔ لوگ عام طور پر (تدوین میں) اضافت کے زیر اور کاما سے اِس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ اِن کے التزام سے ایک تو کام جلدی نہیں ہو سکتا، بہت سارا وقت تو سوچنے سمجھنے ہی میں نکل جائے گا اور دوسرے یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ بے محل استعمال سے کہیں بات رُسوائی تک نہ پہنچے، حالاں کہ اچھے کام کرنے والے کو اِس

طرح کی بھی آزمائشوں کے لیے تیار رہنا چاہیے، اور اگر اِس کی تاب نہ ہو
تو پھر تدوین جیسے صبر آزما امتحان کے پھیر میں پڑنا ہی نہیں چاہیے"۔[۴۵]

مذکورہ بالا تحریر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اِن علامتوں پر عمل کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اچھے اچھے ادبا و شعرا اِن علامتوں پر عمل کرنے سے گھبراتے ہیں۔

بات دُرست بھی ہے کیوں کہ یہ چیزیں ہمارے ادب کے ابتدائی دور کی نہیں ہیں۔ انگریزی ادب کے ساتھ اِن کی آمد ہوئی۔ جن لوگوں نے انگریزی ادب کا گہرائی سے مطالعہ کیا اُنھوں نے اِن علامتوں کو اپنی زبان و ادب میں برتنا شروع کیا، اور آج یہ ہماری تحریروں کا لازمی جزو بن چکی ہیں۔ انگریزی میں اِن علامتوں۔ کے استعمال کو پنکچویشن کہتے ہیں۔

اوپر کے اقتباس کی آخری سطر کو غور سے دیکھیں: "اور اگر اِس کی تاب نہ ہو تو پھر تدوین جیسے صبر آزما امتحان کے پھیر میں پڑنا ہی نہیں چاہیے"۔

لیکن خاں صاحب کی عمر کا بیشتر حصہ تدوینی کاموں میں صَرف ہوا، اور آخری وقت تک وہ تدوینی کاموں میں مصروف رہے۔ اِس صبر آزما امتحان سے وہ کبھی گھبرائے نہیں۔ یہ کام اُن کی زندگی کا لازمی جزو بن چکا تھا۔ جب کبھی کوئی نیا تدوینی کام شروع کرتے تو اُنھیں مسرّت حاصل ہوتی، وہ اپنی تمام جسمانی تکلیفوں کو بھول جاتے۔ اُنھیں اگر کوئی قدیم ترین نسخہ ہاتھ لگ جاتا تو سمجھ لو کہ وہ اِن کی بیماری کو دور بھگانے والا نسخہ ہاتھ لگ گیا۔

اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۳۱ راگست ۲۰۰۰ء بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں:

"ٹھگوں کا لغت اور جعفؔر کا کلّیات تو مرتّب کرنا ہی ہے، چاہے پھر قلم میں سیاہی بھرنے کی نوبت نہ آئے۔

خلیق صاحب! اگر میں اتنا کام نہ کرتا، تو تنہائی اب تک میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ مسلسل کام ہی کے بل پر زندہ ہوں۔ دُعا کیجیے کہ کم از کم یہ دونوں کام ضرور مکمّل ہو جائیں، کبھی کبھی اشتہاری گناہ گاروں کی دُعا بھی قبول ہو جاتی ہے"۔

انگریزی میں رموزِ اَوقاف کی علامتوں کی تعداد گیارہ ہے، انھی کو تھوڑے سے ردوبدل کے بعد اردو میں رائج کیا گیا ہے۔ خاں صاحب "اردو املا" کے صفحہ ۴۹-۵۴۸ پر مولوی عبدالحق صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علاماتِ اوقاف کے بیان کو مولوی صاحب مرحوم نے نہایت خوبی اور

مناسب تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور ہر علامت کے ذیل میں مثالیں بھی لکھی ہیں..... زنجیرے (سہ)، تفصیلیے: - اور خط ــــ کو شامل نہیں کیا گیا ہے، اور صرف وقفہ (؛) کے بیان میں بعض اجزا کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اگر کسی جگہ کچھ اضافے کی ضرورت محسوس کی جائے گی، تو امتیاز کے لیے اُس عبارت کو قوسین میں لکھا جائے گا۔ مزید امتیاز کے لیے یہ قوسین اِس شکل کے ہوں گے: [ ] اگر اصل عبارت کا کوئی جُز قوسین میں ہوگا تو اُس کو اِن قوسین ( ) میں لکھا جائے گا۔ اب یہاں سے مولوی صاحب کی عبارت شروع ہوتی ہے:

اَوقاف یا وقفے، اُن علامتوں کو کہتے ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے، یا کسی جملے کے ایک حصّے کو دوسرے حصّوں سے علاحدہ کریں۔ اِن اَوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اوّل تو اِن کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے، اور وہ تھکنے نہیں پاتی؛ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ ذہن، ہر جملے یا جزوِ جملہ کی اصلی اہمیّت کو جان لیتا ہے، اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

جو علامتیں، وقفوں کے اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہیں اُن کے نام اور شکلیں حسبِ ذیل ہیں:

Comma سکتہ (،)، Semicolon وقفہ (؛)، Colon رابطہ (:)، Full stop ختمہ (۔)، Note of Interrogation سوالیہ (؟)، Note of Exclamation فجائیہ، ندائیہ (!)، Brackets قوسین ( ) یا [ ]، Inverted Commas واوین (" ")"۔

ان علامتوں کو خاں صاحب نے پوری پابندی سے اپنی تحریروں میں استعمال کیا ہے، جیسے:

"ایک اور مثال "دُہر" یا "دُوہر" موٹے کپڑے کی دُہری چادر کو کہتے ہیں۔ موٹا اور معمولی قسم کا گاڑھا "جس کے دو پٹ جوڑ کر چادرا بنا لیا جائے" (اردو لغت)۔ چوروں کی زبان میں "میاں بیوی" کو کہتے ہیں۔ کیسی بلیغ معنویت ہے اِس میں! زندگی کے معمولات میں شامل اجزا، اُن سے متعلق علامات اور اشاروں نے اصطلاحی لفظوں کا روپ کِس طرح پایا ہے اور معنویت کو کس طرح بدل دیا ہے، یا یوں کہیے کہ نئی معنویت کا اضافہ

کیا ہے؛ اِن پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ایسے گروہوں کی زبان کا مطالعہ بہت دل چسپ معلوم ہوگا اور بہت ضروری۔ یہ کام کرنے کا تھا، جو نہیں ہو پایا"۔[۳۶]

مذکورہ بالا اقتباس میں "زندگی کے معمولات میں شامل اجزا، اُن سے....." "اجزا" کے آگے سکتہ، لگا ہوا ہے۔ یہ سب سے چھوٹا وقفہ ہوتا ہے جو اسما یا ضمائر ایک طرح کے چھوٹے چھوٹے جملوں کے بیچ میں لگایا جاتا ہے۔

"یوں کہیے کہ نئی معنویت کا اضافہ کیا ہے؛ اِن پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھا جائے"۔

اِس جملے میں وقفے ؛ کا استعمال ہوا ہے، یہ زیادہ ٹھہراؤ کے لیے لگایا جاتا ہے۔ یہاں جملہ مکمل طور پر پورے معنی کے ساتھ ختم ہوتا ہے وہاں ایک چھوٹا سا خط کھینچا جاتا ہے جسے ختمہ یا فُل اسٹاپ کہتے ہیں۔ اِس کی مثال اقتباس کے آخر میں لگایا ہوا نشان ہے۔

موٹی اور معمولی قسم کا گاڑھا: "جس کے دو پٹ جوڑ کر چادر یا چادرا بنالیا جائے" (اردو لغت)۔

اِس جملے میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ عبارت کا کچھ حصہ واوین میں ہے۔ یعنی دو کامے سیدھے اور دو اُلٹے لگائے گئے ہیں۔ یہ علامت تب لگائی جاتی ہے جب کوئی اقتباس، یا کسی کا قول اِسی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔

اب قوسین کی مثال دیکھیے، خاں صاحب نے کِس طرح اِسے اپنی تحریر میں استعمال کیا ہے۔ "جرائم پیشہ افراد اور گروہوں، اُن کے قابلِ تعزیر کاموں کے سبب بُرا سمجھا جاتا رہا ہے۔ سب کے سامنے وہ لوگ بھی اُنھیں بُرا ہی کہتے رہے ہیں جو درپردہ اُن کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ [آج بھی یہی صورتِ حال ہے؛ اِس فرق کے ساتھ کہ اب اُس سرپرستی نے سیاسی پُشت پناہی کے بل بوتے پر ایک متوازی نظام کی تشکیل کر لی ہے]"۔[۳۷]

> "یہ علامتیں خط کی طرح جملہ معترضہ کے پہلے اور آخر میں لگائی جاتی ہیں.....قوسین کے استعمال کرنے میں اِس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اِن کے بے جا لانے سے، عبارت بے ربط نہ ہوجائے۔ بہت سے لکھنے والے اِس کی پروا نہیں کرتے؛ اور آج کل ایسے اُکھڑے ہوئے جملے بہت دیکھنے میں آتے ہیں"۔[۳۸]

رابطہ اور فجائیہ، ندائیہ کی مثال خاں صاحب کے مکتوب مرقومہ ۲۴ راگست ۱۹۷۸ء بہ نام ڈاکٹر گیان

چند جین سے پیش کی جاتی ہے:

''مکرّم بندہ! آداب

....

پس نوشت:

حضرت! ادبی دنیا میں اِس وقت یہ عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے کہ ہمارے بعض معروف افراد آسان پسندی کے پھیر میں آگئے ہیں اور دُنیا طلبی کی دوڑ میں شامل ہوگئے ہیں''۔

'پس نوشت' کے بعد دو نقطے اوپر نیچے ایک سیدھ میں لگائے گئے ہیں۔ ''یہ ٹھہراؤ کے لیے لگائے جاتے ہیں، لیکن یہ ٹھہراؤ وقفے کے ٹھہراؤ سے زیادہ ہوتا ہے۔ عام طور پر اِس کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے، جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جاتی ہے۔ بہ قولِ شاعر: عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے''۔[۳۹]

اِسی مکتوب میں مکرّمِ بندہ اور حضرت کے بعد ایک کھڑا الف یا لکیر کھینچنے کے بعد اُس کے نیچے ایک نقطہ لگایا جاتا ہے۔ اِسے فجائیہ کہتے ہیں۔ یہ علامت اُن الفاظ یا جملوں کے بعد لگائی جاتی ہے، جن سے کوئی جذبہ ظاہر کرنا ہوتا ہے، جیسے: غصّہ، حقارت، استعجاب، خوف وغیرہ۔ یہ علامت منادا کے ساتھ بھی استعمال کی جاتی ہے، اور اِسی لیے اس کو ''ندائیہ'' بھی کہتے ہیں، جیسے:

مومن! بہ لافِ الفت تقوا ہے کیوں، مگر

دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا؟ صنم تری بھی ادا کا کوئی جواب نہیں

اِس شعر میں پہلے مصرعے کے بعد جو نشان لگایا گیا ہے، اُسے سوالیہ علامت یا علامتِ استفہام بھی کہتے ہیں سوالیہ جملے کے آخر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے: کیا ہے؟، کِس کی باری ہے؟ اور کون ہے؟ وغیرہ۔

خاں صاحب نے اپنے تدوینی کاموں ہی میں نہیں بل کہ اپنے مکتوبات میں بھی رموزِ اوقاف کو پوری پابندی سے برتا ہے۔ راقم، خاں صاحب کے مکتوب بہ نام ڈاکٹر گیان چند جین مرقومۂ ۱۷ر اگست ۱۹۸۶ء سے چند اقتباسات آپ کی جانکاری کے لیے پیش کرتا ہے:

''ٹی.بی.۹، گائر ہال،

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۷ر ستمبر ۱۹۸۶ء

مکرّمی!

ایک نہایت ضرورت بات دریافت طلب ہے۔ باغ و بہار میں بادشاہ آزاد بخت کی سرگزشت میں خواجہ سگ پرست کے قصے کے شروع میں ایک جگہ یہ عبارت ہے: ''تین برس کے عرصے میں ایسی دُکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا، میری ہی دُکان سے جاتا''۔

خط کشیدہ لفظ بحث طلب ہے۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں یہی ہے۔ نسخۂ ڈنکن فوربس میں اِس کی جگہ ''چاہتا'' ہے۔ مولوی عبدالحق کا نسخہ چوں کہ اُس کی نقل ہے، اِس لیے اُس میں بھی ''چاہتا'' ہے۔ ''چاہتا'' پلیٹس کے لغت میں موجود ہے، البتہ نظم و نثر میں کہیں اور یہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اِس کو ''کہتا'' پر قیاس کیا جا سکتا تھا، مگر وہ تو ''کہنا'' (بہ معنی کرنا) کا ماضی مطلق ہے [ع: کہتا ہوں ترے نام کوں میں وردِ زباں کا] یوں ''چاہنا'' کو اگر مصدر مانا جائے، تب اُس سے ''چاہتا'' بنے گا۔ اور ''چاہنا'' تو کہیں بھی نہیں ملتا ..... اِس سلسلے میں آپ کی رائے مطلوب ہے۔ یعنی یہاں آپ کی رائے میں مرجح صورت کیا ہونا چاہیے اور کیا ''چاہتا'' سے ''چاہیے ہوتا'' مراد لیا جا سکتا ہے، یا یہ مراد ہے کہ: سب سرکاروں میں جو (شخص) تحفہ چاہتا....؟''

اگر خط کی تحریر پر غور سے نظر ڈالیں تو رموزِ اوقاف کی ۸ علامتیں آپ کو نظر آئیں گی۔ خاں صاحب اِسی ''چاہتا'' کی بحث کو ایک دوسرے مکتوب بہ نام ڈاکٹر گیان چند جین مرقومہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۶ء میں آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میر امّن کے مختارات سے مجھے اختلاف کا حق حاصل ہے، اُن پر اعتراض کرنے کا بھی حق ہے، مگر اُن کی عبارت میں ترمیم کا حق نہیں۔ اِس سلسلے میں میرا ذہن بالکل روشن اور صاف ہے۔ واضح غلطی کو نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ میرا بھی اصول یہی ہے کہ متن میں صحیح صورت کو جگہ دی جائے؛ مگر ''غلطی'' کی تعریف میرے نزدیک یہ ہے کہ قطعیت کے اور کامل یقین کے ساتھ اُس کا تعین کیا جا سکے''۔

اِس اقتباس میں سکتے و وقفے کا ایک ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ان مثالوں سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خاں صاحب نے اِن علامتوں کے استعمال کی دوسروں کو ہی تلقین نہیں کی بل کہ خود بھی سختی سے عمل کیا، اور تدوینی کاموں کے لیے اِسے لازمی قرار دیا۔

نثری تحریروں کے علاوہ خاں صاحب نے نظم میں بھی اِن علامتوں کا خاص التزام رکھا ہے، جیسے:

دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا؟ — صنم! تری بھی ادا کا کوئی جواب نہیں[40]
حُسن آرا نے کہا: مبارک! — ایجاب اِس نے کیا، مُبارک[41]
پوچھا: کہو نام کیا؟ کہا: ننگ — پوچھا کہ نشاں؟ کہا: دِل تنگ[42]
قابل ہے جلانے کے یہ فاسق — روح افزا کا ہوا ہے عاشق![43]
بُولی وہ بکاولی کے قربان — یہ کون سی فہم ہے چچی جاں![44]
وہ جانتا تھا، نہ اِس کو سوجھی — بُولا: لو بات کیا ہے، بوجھی[45]

اِن اشعار کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ خاں صاحب نے نظم میں بھی اعراب نگاری اور رموزِ اوقاف کا استعمال قطعیّت کے ساتھ کیا ہے، جس سے اشعار کے پڑھنے اور اُن کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

الفاظ کو الگ الگ لکھنا

اردو کی قدیم نظم و نثر کو دیکھا جائے تو ہمیں عموماً الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج نظر آتا ہے۔ اِسے ہم مختصر نویسی یا تیز رفتاری بھی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ایسی تحریریں کم خواندہ اور طالب علموں کے لیے اُلجھن پیدا کر دیتی ہیں، لکھنے اور پڑھنے میں۔

راقم یہاں ''پنجاب میں اردو'' از محمود شیرانی، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے دوسرے فوٹو آفسیٹ اڈیشن ۱۹۹۰ء کے ص۳، بہ عنوان ''عرضِ حال'' سے آخری اقتباس پیش کر رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''اِس فہرست میں سب سے پہلا نام میرے 'کالج تاش' دوست پروفیسر سراج الدّین آذر ایم۔اے کا ہے۔ جن کے نفیس کتب خانہ کا دروازہ ہمیشہ میرے لئے کھلا رہا اور جن کی نادر کتابوں سے اِس سلسلے میں میں نے بہت کچھ مفید مطلب سرمایہ اخذ کیا ہے۔ ان کے بعد مجھے مولوی محبوب

عالم صاحب مالک و مدیر پیسہ اخبار، جناب شیر علیخاں صاحب سرخوش جناب غلام دستگیر صاحب نامی میاں حفظ الرحمٰن صاحب منہاس اور عبدالسبحان صاحب بی. اے کا ذکر کرنا جن کی قیمتی امداد کا شکریہ، میری دلی مسرّت اور خوش وقتی کا باعث ہے"۔

اِس چھوٹے سے اقتباس میں یہ الفاظ ہیں جو ملا کر لکھے گئے ہیں: شیر علیخاں صاحب، دستگیر صاحب، عبدالسبحان صاحب اور جنکی۔ اِسی اقتباس سے ۷ سطریں اوراوپر شیر علی خاں صاحب علاحدہ لکھا ہوا ہے۔ نیچے آ کر اِسی نام کو ملا کر لکھا گیا ہے۔ 'لئے' پر ہمزہ لکھا گیا ہے۔

اِسی کتاب کے ص ۷۷ پر بہت سے الفاظ ملا کر لکھے ہوئے ہیں، جیسے: کریگا، ملائیگا، دیکھیگا، جانے نہ دوں گا، دہروں گا، ملونگا اور کرونگا۔

ص ۱۲۸ کی تین سطریں دیکھیں جو خالق باری سے متعلق درج ہیں:

"یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خالق باری کے امیر کی طرف منسوب کرنے کیلئے ہمارے پاس کیا وجوہ ہیں۔ کلیاتِ خسرو کے سلسلہ میں ایک جلد موسوم بہ جواہر خسروی بھی علیگڈھ سے شائع ہوئی ہے"۔

اِن سطور میں 'کیلئے' اور 'علیگڈھ' دونوں کو ملا کر لکھا ہوا ہے، جنھیں لکھنے کا موجودہ رجحان تسلیم نہیں کیا جاتا۔

ناگ پور میں جنوری ۱۹۴۴ء میں پہلی بار اصلاح رسم خط اردو کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں بہت سی تجاویز پاس کی گئیں جن پر کسی حد تک عمل بھی کیا گیا، اُنھیں میں سے ایک تجویز یہ بھی قرار پائی کہ مرکّب لفظ جو دو یا زیادہ لفظوں سے بنے ہوں، ملا کر نہ لکھے جائیں، بل کہ الگ الگ لکھے جائیں۔

خاں صاحب نے اپنے تمام تصنیفی اور تدوینی کاموں خاص کر "اردو املا" میں جو اصول اور ضوابط منضبط کیے، اُن پر سختی سے عمل کیا اور دوسروں کو بھی اِن کی تلقین کی، جیسے: آج کل، کل جگ، ناگ پور، کان پور، گل کاری .... بہ خوبی، بہ ہر حال، حالاں کہ، بل کہ، چوں کہ، چناں چہ، غرض کہ، تاوقتے کہ، بہ شرطے کہ، بے شک اور اِسی طرح کے بہت سے الفاظ کو الگ الگ لکھا جائے۔[۶۴]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"انگریزی یا دوسری یورپی زبانوں کے ایسے طویل یا نسبتاً طویل لفظوں کو، جو کسی خرابی کے بغیر، ٹکڑوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں؛ اگر ٹکڑوں میں لکھا جائے

تو املا کی صحت، تلفظ کی صحت، اور لکھنے کی آسانی؛ یہ تینوں چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں۔ جیسے: ”گل کرسٹ، یونی ورسٹی، کان فرنس، پارلی منٹ، کانس ٹی ٹیوشن“۔[۴۷]

خاں صاحب نے ”اردو املا“ کے ص ۴۶۱ سے ۴۸۰ تک پورا ایک باب انھی تجاویز کے مدِ نظر لکھا ہے، اور تمام اصولوں پر کھل کر بحث کی ہے، اتنی مثالیں پیش کیں کہ اگر کوئی شخص ایک بار اِس باب کا مطالعہ کرلے تو وہ کبھی ایسے الفاظ ملا کر نہیں لکھے گا، جنھیں اُنھوں نے علاحدہ لکھنے کی سفارش کی ہے۔

خاں صاحب کے مکتوب بہ نام راج بہادر گوڑ، مرقومہ ۱۳؍ستمبر ۱۹۷۷ء کا ایک اقتباس جس میں اُنھوں نے انگریزی لفظ University کو ٹکڑوں میں لکھا ہے، اور ”بہ“ کا استعمال کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”میرا اپنا بدل گیا ہے۔ روٹیاں پکاتے پکاتے تھک گیا تھا، اِس لیے کوشش کر کے یونی ورسٹی ہوسٹل میں ایک کمرا نے لیا ہے، یہاں بہت آرام ہے۔ یہ ہوسٹل کچھ ایسا دور نہیں، یہاں آپ بہ آسانی آسکتے ہیں۔ اگر فرصت ملے تو ضرور آیئے اور اگر پہلے سے اِطلاع دے دیں بہ ذریعہ خط تو خوب ہو، تاکہ ملاقات ضرور ہو، آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں، خاص طور پر انجمن ترقی اردو کے سلسلے میں“۔

اپنے قائم کردہ اصولوں کے مطابق خاں صاحب نے ’یونی ورسٹی‘، ’بہ آسانی‘ اور ’بہ ذریعہ‘ کو الگ الگ لکھا ہے۔

مکتوب بہ نام پروفیسر اے. اے. فاطمی مرقومہ ۲۷؍نومبر ۱۹۹۵ء میں لکھتے ہیں:

”عزیزم! خط ملا۔ مہینوں غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف جانا نہیں ہوا“۔

یہاں ’انسٹی ٹیوٹ‘ علاحدہ لکھا گیا ہے۔

اوپر درج مثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمیں کان فرنس کے قائم کردہ اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے۔ آج کل کمپیوٹر کمپوزنگ میں اِنھی اصولوں پر عمل کیا جا رہا ہے۔

ذ اور ز کا فرق

اردو میں ذال اور زے ہم آواز حرف ہیں، ہم صورت نہیں۔ مگر تحریر میں ان کا استعمال کافی اُلجھن پیدا کردیتا ہے۔ اگر کسی لفظ میں زے کی جگہ ذال اور ذال کی جگہ زے لکھا جائے تو

معنی بدل جائیں گے۔ محکمۂ زراعت، پولیس اور عدالتی کارروائیوں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ''گذارش'' لکھتے ہیں، جب کہ ''گزارش'' لکھنا چاہیے۔ اِن دونوں لفظوں کے معنی ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ ''گذارش'' کے معنی چھوڑنے کے ہیں، جب کہ ''گزارش'' کے معنی پیش کرنے کے ہیں۔

خاں صاحب نے ''اردو املا''، ''اردو کیسے لکھیں'' اور ''عبارت کیسے لکھیں'' میں ذال اور زے کے فرق کو واضح طور پر سمجھانے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں، جیسے: گزرنا، گزار، گزرگیا، گزارش، مال گزاری، آزوقہ، آزر (نام)، زکریا (نام)، ازدحام وغیرہ۔

گذارش (چھوڑنا)، گذشتہ، گذرگاہ، رہ گذر، ذیابیطس، ذرّہ، آذر (آگ)، آذربایجان (علاقے کا نام)، نذیر، نذر چڑھانا، نذر کرنا وغیرہ۔

خاں صاحب نے ایک بات کی اور وضاحت کی ہے، ''نذیر'' اور ''نظیر''۔ پہلا ''نذیر'' رسول اللہ کا ایک نام ہے اور دوسرا ''نظیر'' مثل، طرح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اِس لیے ناموں مثلاً: احمد، محمد اور حسن کے ساتھ نذیر احمد، نذیر محمد اور نذیر حسن لکھنا چاہیے۔ نظیر احمد، نظیر محمد اور نظیر حسن نہیں۔ ہاں یہاں تخلص کے طور پر آئے تو نظیر لکھنا مناسب ہے، جیسے: ''نظیر اکبرآبادی'' اور ''بے نظیر'' سحرالبیان کے ہیرو کا نام، (یعنی بے مثال)۔[۴۸]

خاں صاحب اپنے مکتوب بہ نام پروفیسر سیّد عقیل رضوی، مرقومہ ۵/اپریل ۱۹۹۵ء میں ''شکرگزار'' کو دیکھیں کس طرح استعمال کرتے ہیں: ''محبِ مکرّم! مکتوب مرقومہ ۳۰/مارچ مل گیا۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں''۔

''منت پذیر'' کا لفظ، مکتوب بہ نام راج بہادر گوڑ، مرقومہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۷۴ء میں کس طرح استعمال کرتے ہیں، دیکھیے: ''اِس عزت افزائی کے لیے منت پذیر ہوں''۔

خاں صاحب نے ''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' (جلد اوّل) کے صفحہ ۱۴۷ پر ''پذیرا ہوا'' اور ''پذیرا نہ کیا'' کے الگ الگ معنی لکھے ہیں۔ اوّل الذکر کے معنی ہیں (عذر) مان لیا گیا اور دوسرے کے ہیں (عذر) قبول نہیں کیا، نہیں مانا۔

گو ذال اور زے دونوں ہم آواز حرف ہیں اگر تھوڑی سی کوشش اور مطالعے کے ساتھ اِن کا استعمال کیا جائے تو کوئی دقّت پیش نہیں آتی۔

الف اور ہ

یہ دو حرف ایسے ہیں جن کے لکھنے میں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ جب ان دونوں حروف میں سے کسی ایک حرف کو لفظ کے آخر میں لکھنا ہو تو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) اور املا اصلاح کمیٹی نے اپنی سفارشات وقتاً فوقتاً پیش کی ہیں، مگر اِن پر پابندی سے عمل اب بھی نہیں ہو رہا ہے۔ لوگ اب بھی ناشتہ، تماشہ، کمرہ، لھوڑہ، باجہ، راجہ، بنجارہ، بھروسہ، پاٹھ شالہ، دھرم شالہ، پٹاخہ، بھوسہ، پٹارہ، چکمہ، چونہ، مسالہ، نقشہ وغیرہ لکھتے ہیں۔

> یوں تو عہدِ عالم گیر میں ایسے الفاظ کے آخر میں الف لکھنے کی سفارش فضائل خاں نے کی تھی کہ ''ہندی رسم الخط میں اسم و کلمہ کے آخر میں 'ہ' نہیں آیا کرتی بل کہ الف ہوتا ہے جیسے 'کانا' کہا جاتا ہے اور الف ہی کی طرح تلفظ کیا جاتا ہے۔ اِس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو الف کے ساتھ لکھا جائے۔ عالم گیر نے یہ تجویز پسند کی اور حکم دے دیا کہ آیندہ ایسے کلمے الف کے ساتھ لکھے جائیں، یعنی مالوہ کو مالوا، بنگالہ کو بنگالا، وقس علیٰ ھذا۔ اِس فرمان کی تعمیل نہ صرف شاہی دفاتر اور ٹکسالوں میں ہوئی بل کہ اردو خواں لوگوں نے بھی یہی املا اختیار کرلیا اور آیندہ لھوڑا، چونا، سہرا، بکنا اور ہیرا لکھا جانے لگا''۔[۴۹]

خاں صاحب نے اپنے عہد تک کی تحریر کردہ تمام دستاویزوں (املا سے متعلق) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ اصولوں کو مختصر کر کے ''اردو املا''، ''اردو کیسے لکھیں'' اور ''عبارت کیسے لکھیں'' میں یک جا کر دیا ہے۔ اور عام قاری کو سمجھاتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ ''قاعدہ یہ ہے کہ ہ (یعنی ہائے مختفی) صرف عربی یا فارسی لفظوں کے آخر میں آتی ہے۔ ایسے باقی جتنے لفظ ہیں، وہ ہندی کے ہوں، انگریزی کے ہوں، یا کسی اور زبان کے؛ اُن کے آخر میں الف آتا ہے، جیسے ڈراما، کمرا، بھروسا، پسینا، کتھا، چونا، سندیسا (وغیرہ)''۔[۵۰]

اِسی اصول کی پیروی کرتے ہوئے مذکورہ بالا الفاظ کو یوں لکھا جائے گا: ناشتا، تماشا، کمرا، لھوڑا، باجا، راجا، بنجارا، بھروسا، پاٹھ شالا، دھرم شالا، پٹاخا، بھوسا، پٹارا، چکما، چونا، مسالا اور نقشا۔ عربی، فارسی کے الفاظ ہوں تو انھیں ہائے مختفی سے لکھا جائے گا، جیسے: بستہ، مرثیہ، گذشتہ، رتبہ، مرتبہ، طلبہ، صوفیہ، ادویہ، کعبہ، مکہ، مدینہ، شعلہ، غصہ، غنچہ، شگفتہ اور خاتمہ وغیرہ۔[۵۱]

خاں صاحب اپنے مکتوب بہ نام ڈاکٹر مختار احمد خاں مرقومہ ۲۱ راپریل ۱۹۸۰ء کے آخر میں لکھتے ہیں:

> ''مضمون کا تراشہ مل گیا، خوب ہے اور نہایت مفید۔ اِس سلسلے کو بہ ہر طور جاری رکھیے، یہ بہت ضروری ہے''۔

'تراشہ' بہ طورِ 'بستہ'، گذشتہ اور خاتمہ کی طرز پر ہی لکھا گیا ہے۔

ی کی جگہ الف کا استعمال

قدیم تحریروں کو غور سے دیکھا جائے (جن میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں) تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض الفاظ کے آخر میں ی لکھی جاتی ہے اور اُس پر ایک چھوٹا کھڑا الف لگا دیا جاتا ہے، جسے پڑھا بھی الف ہی جاتا ہے۔ یہ طریقہ عربی سے اردو میں رواج پایا۔ آج بھی بعض اُدبا و شعرا کی تحریروں میں اِس کا چلن نظر آتا ہے۔ پہلی اصلاح اردو رسم الخط کان فرنس، جنوری ۱۹۴۴ء میں ناگ پور میں منعقد ہوئی، اور اُس میں یہ تجویز پاس ہوئی کہ جن الفاظ کے آخر میں ی اور اُس پر چھوٹا کھڑا الف لکھا جاتا ہے اور پڑھا بھی الف ہی جاتا ہے تو ایسے تمام الفاظ کو سادے الف سے ہی لکھنا اور پڑھنا چاہیے (جیسے: مولیٰ، ادنیٰ، اعلیٰ، بشریٰ، تقویٰ، سلمیٰ، صغریٰ، لیلیٰ، ماجریٰ، مدعیٰ، عقبیٰ، کبریٰ، تعالیٰ، مُصفّیٰ، مقفّیٰ، وسطیٰ، مصطفیٰ)۔

آج کل اِن تمام الفاظ کو یوں لکھا جاتا ہے: مولا، ادنا، اعلا، بشرا، تقوا، سلما، صغرا، لیلا، ماجرا، مدعا، عقبا، کبرا، کسرا، تعالا، مصفا، مقفا، وسطا، مصطفا وغیرہ۔

اردو میں تین اور نام ہیں جو دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، جیسے عیسیٰ، (عیساؔ)، موسیٰ، (موساؔ) اور یحییٰ (یحیاؔ) وغیرہ۔ اصل میں یہ عربی نام ہیں۔

آج بھی بعض لوگ علاحدہ کو علیٰحدہ لکھتے ہیں جو تجویز کردہ اصولوں کے منافی ہے۔ انجمن ترقّیِ اردو (ہند) نے بھی انھی اصولوں کی سفارش کی تھی جب بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم اس کے سکریٹری تھے۔ خاں صاحب نے اپنی تمام تحریروں میں اِنھی اصولوں کی پیروی کی ہے۔ عربی کے کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کا اردو املا بالکل سادہ کیا جاتا ہے، جیسے: لقمان، شیطان، رحمان، سلیمان، ابراہیم، اسحاق، اسماعیل وغیرہ (عربی کا خاص املا: لقمٰن، شیطٰن اور رحمٰن ہے)۔

ت اور ط کا استعمال

عربی میں دو ت لکھی جاتی ہیں۔ ایک تاے دراز (ت) اور دوسری تاے مدوّرہ (ۃ)، یعنی

گول۔ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی املا کمیٹی نے یہ سفارش کی تھی کہ اردو میں صرف ایک تاے ہے، اِس لیے اِسی کا استعمال ہونا چاہیے۔ تاے مدوّرہ عربی کی چیز ہے۔ عربی کے جتنے لفظ تاے مدوّرہ سے لکھے جاتے ہیں، وہ سب کے سب اردو میں تاے دراز کے ساتھ مستعمل ہیں، جیسے نجات، حیات، زکات، تورات، بابت، مسمات، مشکات۔[۵۲]

املا میں ہم آواز حروف ہمیشہ اُلجھن پیدا کرتے ہیں، یہی حال ت اور ط کا ہے۔ اِس اُلجھن کو دور کرنے کے لیے خاں صاحب نے اردو املا کمیٹی کی طے کردہ سفارشات کو بڑی وضاحت سے اپنی کتب میں پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے ایک آسان سا اصول بتایا ہے کہ جن الفاظ میں چ شامل ہوتا ہے وہ عربی کے نہیں ہوتے، اِس لیے اُنھیں ط کے بجاے ت سے لکھنا چاہیے، جیسے: ''تمنچا'' فارسی میں یہ ''تپنچہ'' ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ط عربی کا خاص حرف ہے اور یہ عربی لفظوں میں آتا ہے اِس لیے درج ذیل لفظوں کو ت سے ہی لکھنا چاہیے:

تپش، تشتری، تماچا، تنبورہ، توتا، توتیا، تاشا، ناتا، تیار، تہران، تانے تشنے، اردو میں ''طعنہ'' اور ''طعنے'' بھی مستعمل ہیں، مگر ''تشنے'' کے ساتھ ''تانے'' آتا ہے۔

ہمزہ کا استعمال

ہمزہ جب بھی تحریر میں آتا ہے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اچھے پڑھے لکھے لوگ اِس کے استعمال میں غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اُن کی نظروں نے جیسا دیکھا ویسا ہی لکھا۔ یہ نہیں کہ اِس کے لیے کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں کیا گیا۔ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں نے اِس کے استعمال کے لیے قانون واضح کیے، مگر وہ عام قاری تک نہیں پہنچ پائے۔ انجمن ترقیِ اردو (ہند) نے اصلاحِ املا کی جس کمیٹی کی تشکیل کی اور اُس نے جو سفارشات تیار کیں یا اِس سے قبل جن لوگوں نے انفرادی طور پر اِس حرف کے استعمال سے متعلّق وقتاً فوقتاً مضامین لکھے، خاں صاحب نے اُنھیں یک جا کر کے ''اردو املا'' میں الگ سے ایک باب مقرر کیا اور تمام اصول و ضوابط مع مثالوں کے پیش کیے تا کہ اِس کے مطالعے سے قاری یہ اچھی طرح جان لے کہ ہمزہ کا استعمال کہاں جائز ہے اور کہاں نہیں۔

عربی میں ہمزہ حرف نہیں ہے بل کہ الف کا قائم مقام ہے۔ اِسے بعض صورتوں میں الف کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں اور الف کی جگہ اکیلا بھی۔ لیکن اردو میں یہ حرف بھی ہے اور علامت بھی۔ مثلاً ''جلوۂ یار''، ''نغمۂ دل'' میں یہ اضافت کی علامت کے طور پر آیا ہے اور جاۓ،

سائل، انشاء اللہ اور علاء الدین میں یہ حرف کے طور پر آیا ہے۔[۵۳]

خاں صاحب مزید لکھتے ہیں: ’’عربی کے کچھ مصدروں اور جمعوں اور کچھ لفظوں کے آخر میں اصلاً ہمزہ تھا، جیسے: ابتداء، علماء، انتہاء وغیرہ۔ مگر اردو میں انھیں ہمزہ کے بغیر لکھا جائے گا، کیوں کہ یہاں ہمزہ تلفظ میں نہیں آتا جیسے: ابتدا، علما، انتہا، انشا، حکما، اُدبا، شعرا، وزرا اور اولیا وغیرہ‘‘۔[۵۴]

ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ ’’اردو میں الف اور ہمزہ الگ الگ حرف مانے جاتے ہیں، اِس لیے یہ دونوں ایک ساتھ نہیں آسکتے، جیسے تأمل، تأثر، جُرأت اور مُتأثر‘‘۔ ساتھ ہی یہ اصول بھی بتایا گیا ہے کہ اگر لفظ کے درمیان میں الف آیا ہے اور اِس پر زبر ہے تو الف پر ہمزہ نہیں آئے گا۔

ہمزہ اور واو

ہمزہ اور واو کا مسئلہ بھی کافی پیچیدہ ہے۔ اکثر حضرات ان کے ایک ساتھ استعمال سے غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خاں صاحب نے ’’اردو املا‘‘ اور ’’عبارت کیسے لکھیں‘‘ میں چند اصولوں کی اِس طرح وضاحت کی ہے کہ ان پر عمل کرنے سے غلط نگاری سے بچا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ’’جن لفظوں کے آخر میں واو ہو اور اُس سے پہلے کوئی حرفِ علت ساکن ہو، تو اُس واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا، جیسے: ناو، تاو، بھاو، الاو، برتاو، پتھراو، پڑاو، گھاو‘‘۔

کیوں کہ اِن الفاظ میں الف ساکن ہے اور اِس پر جزم ہے واو موقوف ہے اور اِس پر بھی جزم ہے اس لیے دو ساکن حروف کے درمیان تیسرا متحرک حرف یعنی ہمزہ نہیں آسکتا۔

اِس بات کو سمجھنا آج کے طلبہ کے لیے آسان ہی نہیں بل کہ مشکل بات ہے۔ آج کل کی اسکولی تعلیم میں حرکات وسکنات کی پہچان بہت کم کروائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا نوجوان لکھتا چلا جاتا ہے اور حرکات وسکنات کے علاوہ علامات کا استعمال بھی نہیں کرتا۔ پھر بھی خاں صاحب کے بتائے ہوئے اصولوں پر اگر صدق دل سے عمل کیا جائے تو یہ باتیں ذہن نشیں ہوجاتی ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ بہت سارے حاصل مصدر بھی اوپر بتائے ہوئے طرز پر لکھے جاتے ہیں، جیسے: اُلجھاو، اٹکاو، بناو، بچاو، کٹاو، چھڑکاو۔ ایسے لفظوں میں واو کی آواز آدھی سے کم تلفظ میں آتی ہے۔

وہ اِس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ ’’جس قدر اسم وحاصل مصدر ہیں اُن میں واو

پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ لیکن جس قدر فعل ہیں یا اسم فاعل اور اسم مفعول اُن پر ہمزہ لکھا جائے گا، جیسے: آؤ، جاؤ، لاؤ، کھاؤ، لگاؤ، کماؤ پوت، تم تو اپنا رنگ جماؤ اور مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ"۔[۵۵]

خاں صاحب واو کے ساتھ ہمزہ کا نہ لکھا جانا کی تشریح یوں بھی کرتے ہیں: اگر لفظ میں واو سے پہلے ی ساکن ہے تو واو پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا، جیسے: دیو، بلدیو، خدیو۔

اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ جب دو لفظوں کے درمیان واو آتا ہے جسے مرکب عطفی کہتے ہیں اُس پر ہمزہ نہیں آتا، جیسے دل و جان، زندگی و موت، کعبہ و بت خانہ، ابتدا و انتہا، وفا و جفا، مے و جام، غنچہ و گل، مے و مینا، ہندو و مسلمان۔

ہمزہ اور ی

خاں صاحب نے انجمن ترقی اردو (ہند) اور ترقی اردو بورڈ کی املا کمیٹی (جس کے وہ خود بھی ایک رکن تھے) کی سفارشات اور تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے اِس بات پہ خاص طور سے زور دیا ہے کہ کیئے، لیئے، دیئے، کیجیئے، دیجیئے، لکھیئے، لیجیئے جیسے الفاظ میں ی کے ساتھ ہمزہ کا لکھا جانا مناسب نہیں کیوں کہ "کیے" میں تین حرف ہیں ایک کاف اور دو ی (کِ ی ے)، اِسی طرح "لیے" (لِ ی ے)، دیے (دِ ی ے)، کیجیے (کِ ی جِ ی ے)، دیجیے، لکھیے، پڑھیے، چلیے اور خریدیے۔

اِن مثالوں سے یہ بات کھُل کر سامنے آئی کہ جن الفاظ میں ی سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر ہوگا وہاں ہمزہ نہیں آئے گا۔ ہمزہ اُس صورت میں آئے گا جب اُس حرف پر زبر ہوگا، جیسے: "گئے" یہاں گ پر زبر ہے اس لیے گ کے بعد ہمزہ آئے گا۔

یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ لانا اور کھانا جیسے مصدر سے افعال کی جو صورتیں بنتی ہیں اُن پر ہمزہ آتا ہے: لانا سے لائے، لاؤ، لائیں اور کھانا سے کھائے، کھاؤ، کھائیں۔

جن لفظوں کے آخر میں ے سے پہلے الف ہے اُن پر بھی ہمزہ نہیں آئے گا، جیسے رائے، گائے، سرائے سہائے، بجائے، وائسرائے۔

جن لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے اضافت کی صورت میں اُن کے آگے ے کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے: ابتدائے عشق، انتہائے شوق، سزائے قید، دنیائے رنگ و بو۔ اِسی طرح جن لفظوں کے آخر میں واو ہوتا ہے اُن میں اضافت کی صورت میں واو کے بعد ے کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے: بوے گل، سوے مے خانہ۔ اِن دونوں صورتوں میں ے پر ہمزہ نہیں آئے گا۔

جن لفظوں کے آخر میں ی ہو، اضافت کی صورت میں اِس کے نیچے زیر آئے گا، ہمزہ نہیں، جیسے: زندگیِ جاوید، بندگیِ خدا، خوبیِ قسمت، گرمیِ قیامت، رعنائیِ خیال، بے وفائیِ دنیا۔ جن لفظوں کے آخر میں واو ہو اور اُس سے قبل حرف پر زبر، زیر یا ساکن ہو تب بھی اضافت کا زیر آئے گا، جیسے: دیوِ سفید، سروِ باغ۔

جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہو تو اضافت کی صورت میں ان پر ہمزہ آئے گا، جیسے: مدینۂ منورہ، کعبۂ مقصود، رتبۂ بلند وغیرہ۔

''مبدء'' اور ''سوء'' یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں۔ ہمزہ ان لفظوں میں شامل ہے، یعنی لفظ کا جُز ہے۔ اردو میں ان کو مع ہمزہ ہی لکھا جائے گا۔ اضافت کی صورت میں ان کے نیچے زیر لگا دیا جائے گا، جیسے: مبدءِ فیاض، مبدءِ فیض، مبدءِ اوّل، سوءِ ہضم، سوءِ ادب، سوءِ اتفاق، سوءِ ظن۔

یہ سب مثالیں خاں صاحب کی کتب ''اردو املا'' اور ''عبارت کیسے لکھیں'' سے لی گئی ہیں تا کہ یہ بات صاف ہو جائے کہ اُنھوں نے اپنی تمام تحریروں میں املا کے انھی اصولوں کی پابندی کی ہے چاہے وہ تصنیفی یا تدوینی کام ہوں یا پھر مکتوب نگاری۔

جمع بنانے کے اصول

ایسے لفظ جن کے آخر میں ''یا'' ہوتا ہے جب ان کی جمع بنائی جاتی ہے تو آخر میں الف کی جگہ ے آجاتی ہے، جیسے: دیا۔ دیے، کباڑیا۔ کباڑیے، کبابیا۔ کبابیے۔

محرّف صورت میں بھی یہی ہوتا ہے، جیسے: دیے کی بتّی، کبابیے کی دُکان، کباڑیے کا گھر۔ ایسے سبھی لفظوں کے آخر میں دو ی یک جا ہو جاتی ہیں۔ پہلی ی جزوِ لفظ ہوتی ہے اور دوسری ے کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے بھیڑیا (بھِ ے ڑ ی ا ۔ بھِ ے ڑ ی ے)۔ یہاں بھی ہمزہ نہیں آئے گا۔ جب جمع بنانے کے لیے ''وں'' کا اضافہ کیا جائے گا، ہمزہ وہاں بھی نہیں آئے گا، جیسے بنیا، بنیے، بنیوں ــــ دیا، دیے، دیوں ــــ تولیا، تولیے، تولیوں ــــ بھیڑیا، بھڑیے، بھیڑیوں۔

جن لفظوں کے آخر میں ''یہ'' (ی ۔ ہائے مختفی) ہوتا ہے، اُن کی جمع اِسی طرح بنتی ہے۔ مرثیہ، مرثیے، مرثیوں ــــ نظریہ، نظریے، نظریوں ــــ قافیہ، قافیے، قافیوں ــــ اشاریہ، اشاریے، اشاریوں۔ اسم مصدر کا طریقہ تھوڑا سا مختلف ہے، جیسے: ہم سایہ، ہم سائگی ہم پایہ، ہم پائگی بے مایہ، بے مائگی۔ یہاں بھی ہمزہ نہیں آئے گا، کیوں کہ ی سے پہلے الف آیا ہے۔

کچھ جمعیں الگ الگ طریقوں سے بنتی ہیں اور جمع کی صورت میں ہمزہ کا استعمال بھی کیا

جاتا ہے، جیسے: گاے، گائیں، گایوں ـــ راے رائیں، رایوں ـــ شمع رو، شمع روؤں، شمع رویوں سرائے، سرائیں، سراؤں۔

اردو میں بہت سے اسمِ جمع ہیں جن میں ہمزہ آتا ہے، جیسے: دلائل، مسائل، رسائل، وسائل، قبائل، ذرائع، صنائع، بدائع، نتائج، دوائر، نظائر، جزائر، جرائم، عزائم، علائم، عجائب، غرائب، شرائط، جرائد، فوائد، عقائد، عمائد، قصائد، نقائض، فرائض، حقائق، شقائق۔

انگریزی الفاظ کا املا

انگریزی کے بہت سے الفاظ اپنی اصلی آواز کے ساتھ اردو میں مستعمل ہیں، اُن کا املا کرتے وقت ہم اکثر غلطیاں کرتے ہیں۔ اُن میں ی جو تلفظ ہوتی ہے، مگر ہم اُس کے اوپر ہمزہ کا اضافہ کر دیتے ہیں، جو نہیں کرنا چاہیے۔ خاں صاحب نے ایسے لفظوں کے لکھنے کے لیے یہ اصول بتایا ہے کہ ''ایک لفظ ہے 'جونیر' اس میں ی پر زبر ہے اور اُس سے پہلے جو حرف ہے، اُس کے نیچے زیر ہے۔ اس وزن اور انداز کے بہت سے جو دوسرے لفظ ہیں، اُن سب میں ی ہے۔ ی کی جگہ ہمزہ نہیں آئے گا، جیسے: جونیر، سینیر، انجینیر، پانیر، کیشیر، برگیڈیر، میر، ہیرڈریسر، ایریر، سوی نیر، کیریر۔ ایرانین، ایشین، آرین، کمیڈین، لائبریرین، انڈین، چمپین، سویلین، پولین، کسٹوڈین، وکٹورین، سیریل، امپریل۔

انگریزی الفاظ جن میں ی نہیں آتا، جیسے: اڈیٹر، اڈیشن، اڈیشنل، امپائر، اگزامنر، اڈیسن، پبلشر، کلاسکی، کیرکٹر، ڈائرکٹر، ڈزائن، ڈرائنگ، سمینار۔

انگریزی الفاظ جن میں ی تلفظ میں شامل ہے اور لکھنے میں بھی آتا ہے، جیسے: پریسڈنٹ، پالیسی، یونی ورسٹی، پروفیسر، ایڈوکیٹ۔

انگریزی کے اور بہت سے الفاظ ہیں جو اصل تلفظ کے ساتھ اردو میں مستعمل ہیں، اِن سب میں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے اور ہر جگہ ہمزہ کے نیچے زیر ہوتا ہے، جیسے: آئِل، سائِکل، رائِفل، بائِبل، مائِکل، فائِل، موبائِل، مزائِل، لائِٹ، پائِپ، پرائِوٹ، بائِکاٹ، پائِلٹ، نائِلون، سائِز، کرائِم، ڈائِرکٹر، ڈائِرکٹری، ڈائِرکٹ، ڈائِرکشن، امپائِر، سائِنس، سائِڈ، سائِکالوجی، وائِن، پائِن ایپل، ہائِڈروجن، جوز فائِن، ڈائِنا۔

اردو میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن میں ی آتا ہے۔ بہت سے حضرات ی کے ساتھ ہمزہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ خاں صاحب نے ایسے الفاظ میں ہمزہ نہ لکھنے کی تلقین کی ہے، مثلاً نمایش،

آرائش، فرمائش، کشائش، بخشائش، پیائش، ستائش، گنجائش، آسائش، آزمائش، افزائش۔

اسی طرح آرائشی، نمائشی، ستائشی، پیائشی، فرمائشی وغیرہ بھی لکھے جائیں۔ اور نمائندہ، آئندہ، پائندہ بھی بغیر ہمزہ کے لکھے جائیں، کیوں کہ ی یہاں جزوِ لفظ ہے۔

عربی کے اسم فاعل جو اردو میں مستعمل ہیں ان سب میں آخری حرف سے پہلے ہمزہ آئے گا، جیسے: قائل سائل، مائل، قائم، دائم، صائم، لائق، فائق، تائب، نائب، صائب، غائب، دائر، سائر، زائر، طائر، صائع، شائع، فائز جائز، عائد، زائد۔

اردو میں کچھ ایسے لفظ اور بھی ہیں جن میں ہمزہ آتا ہے اور اِسے لکھنا بھی چاہیے، جیسے: کائنات، مطمئن، بکائن، اجوائن، آئنہ، تائید، جائفل، کائیاں، بائیں، دائیں، پائیں، ذائقہ، طائفہ، دائرہ، زائچہ، معائنہ، دائرہ، رائتا، چرائتا، چائتا، وائتا، رسائن۔

ان مثالوں سے یہ ثابت ہوا کہ جن الفاظ میں الف کے بعد ہمزہ آتا ہے تو اُس کے نیچے زیر لگانا ضروری ہے کیوں کہ یہ تلفظ میں آتا ہے۔

الف کا استعمال

الف کی دو قسمیں ہیں: الف مقصورہ اور ممدودہ۔ الف مقصورہ کو کھینچ کر نہیں پڑھتے، جیسے: اگر، سال، تاج۔

الف ممدودہ کو کھینچ کر پڑھتے ہیں اور اِس کے اوپر مد ہوتا ہے، جیسے: آگ، آج، آب۔ محمود شیرانی ''پنجاب میں اردو'' کے صفحہ ح پر لکھتے ہیں کہ ''گجرات میں بارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں الف ممدودہ دو الف کی شکل میں لکھا جاتا تھا''۔ اِس کی موجودہ شکل کب وجود میں آئی اِس سے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک الف کو اٹھا کر دوسرے پر رکھ دیا گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ کسی کاتب نے اپنے قلم کی جنبش سے اس کی موجودہ صورت بنا ڈالی۔

الف کے تین نام اور بھی ہیں، جیسے الف مفتوح، جس پر زبر کا نشان ہوتا ہے۔ عربی میں اِسے فتحہ یا فتح کہتے ہیں۔ مفتوح وہ ہوتا ہے جو فتح کیا گیا ہو۔ اِس لیے زبر ہمیشہ حرف کے اوپر آتا ہے، مثلاً اَب، اَن، اَس وغیرہ۔ دوسرا الف مکسورہ۔ عربی میں اِسے کسرہ کہتے ہیں، جیسے زیر ہمیشہ نیچے آتا ہے، اِدھر، اِس، اِن۔ تیسرا الف مضموم ہے، جسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں۔ اردو میں اِسے پیش کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حرف کے اوپر آتا ہے اور آواز ذرا گول ہو کر نکلتی ہے، جیسے اُس، اُن، اُدھر وغیرہ۔

لیکن الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو متحرک ہوتا ہے اور درمیان یا آخر میں آتا ہے تو ساکن ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ درمیان میں بھی متحرک ہوتا ہے، جیسے اَدب، اَب، اَن، جانا، جانور، جا، پا، کھا، متاثر، تامل۔

ایک بات دھیان رہے کہ ہندی الفاظ کے آخر میں ہمیشہ الف آتا ہے۔ ان کے آخر میں ہ (ہائے مختفی) نہیں آتا، جیسے: بھروسا، تماشا، راجا۔ انھیں بھروسہ، تماشہ اور راجہ لکھنا دُرست نہیں مانا جائے گا۔ ہاں ملکوں اور شہروں کے ناموں میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی انھیں، اَمریکہ، افریقہ اور کلکتہ ہی لکھا جائے گا۔

ہائے مخلوط (ھ) کا استعمال

یوں تو ہائے ہوز ہ یعنی گول، عربی کا حرف ہے، یہ فارسی اور اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لیکن ہندستان میں کچھ ایسی مخلوط آوازیں ہیں جو سبھی زبانوں میں رائج ہیں۔ اردو میں ان مخلوط آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے ہائے مخلوط یا دوچشمی ھ کا استعمال کیا گیا ہے، جیسے: بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ، وھ یھ۔ سندھی زبان میں دو حرف جھ اور گھ دوچشمی ھ سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں اور اِن کی صوتی صورت جھ اور گھ ہے۔

اردو ادب کی قدیم نظم اور نثر کو دیکھا جائے تو ہمیں بہت سے الفاظ دوچشمی ھ کے بجائے کہنی دار ہ اور ساتھ ہی لٹکن والے شوشے سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسے: مجھے، مجہ، مجھکو، تجھکو، تجھے، تمھیں، جنھیں، کمھار، کلھاڑی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ املا ٹھیک نہیں ہے، لیکن اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ اُس زمانے کا چلن تھا۔ اِن الفاظ کا جدید املا اس طرح ہے، جیسے: کلھاڑی، کمھار، کلھڑ، تنھا، چودھواں، سولھویں، جھاڑو، مجھے، مجھ کو، تجھ کو، انھوں، جنھیں، سیدھا، کھڑی، پڑھنا، چڑھنا، تجھے، تمھیں، تھا، بھی، بھن بھن، جھن جھن، دھک دھک، کھچاکھچ، ڈھونڈنا، ٹھنڈا، جھنڈا۔

اِس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ کو، تجھ کو، مجھ سے، تجھ سے، مجھ پر، تجھ پر، مجھ میں، تجھ میں سبھی کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔ انھیں ملا کر کبھی نہیں لکھنا چاہیے۔

خاں صاحب ہکارہ آوازوں سے متعلق اپنے مکتوب بہ نام راقم الحروف مرقومہ ۱۴ر نومبر ۱۹۹۶ء میں لکھتے ہیں:

> ''اب یوں دیکھو کہ ہندی کی ہکارہ آوازیں اردو میں آگئیں۔ مگر اردو میں
> رھ، لھ، مھ، نھ اس کی اپنی ہکارہ آوازیں ہیں، جو ہندی میں نہیں۔ ہندی

والا کلہاڑی لکھے گا، مگر اردو میں کلھاڑی ہے۔ بات وہی ہے کہ لھ کی آواز اردو میں ہے، ہندی میں نہیں۔

میرؔ کا یہ شعر:

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرھانے دھرے دھرے

اگر ہندی والوں کی تقلید میں اِس میں 'سرہانے' لکھا جائے (کیوں کہ ہندی میں 'رھ' کی ہکارہ آواز نہیں) تو یہ مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا، یوں کہ 'سرھانے' بروزن فعولن ہے اور 'سرہانے' بروزن مفعولن۔ ایسے اختلافات مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں اور یہ رہیں گے، یہ لسانی خصوصیات ہوتی ہیں''۔

اِس اقتباس سے یہ ثابت ہوا کہ ہندی کی تیرہ ہکارہ آوازیں ہیں جو اردو نے مستعار لی ہیں اور چار اِس کی اپنی ہیں۔ کل ملا کر سترہ ہکارہ آوازیں ہوئیں، جو دو چشمی ھ یعنی مخلوط ہ سے لکھی جاتی ہیں۔

اِس بات کی تصدیق خاں صاحب کے ایک اور مکتوب بہ نام راقم الحروف مرقومۂ ۳۰؍جون ۱۹۹۷ء سے بھی ہوتی ہے۔ راقم نے ہکارہ آوازوں کی وضاحت کے لیے اُنھیں خط لکھا تھا، جس کا جواب اُنھوں نے یوں دیا:

''' انشاؔ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اُن کی تیزیِ طبع کی ترجمانی کرتی ہے، مخلوط یعنی ہکار آوازیں ۱۷ ہی ہیں۔ واں اور یاں کی قدیم صورت یعنی عہدِ غالبؔ تک وھاں اور یھاں تھی۔ اِسی بنا پر انشاؔ نے وھ اور یھ کو ہکار آوازیں لکھا ہے۔ عہدِ غالبؔ کے بعد یہ تحلیل ہو گئیں اور واں اور یاں نے رواج پایا۔ [یہ وہاں اور یہاں کی مخفف صورتیں ہیں]۔ وھیل مگر اب بھی مستعمل ہے''۔

خاں صاحب نے جس املا کی سفارش اپنی کتب میں کی ہے، اُسی کا استعمال اُنھوں نے اپنے مکتوبات میں بھی کیا ہے۔ تمھاری، تمھارا اور دُلھن کو ہمیشہ دو چشمی ھ یعنی مخلوط ہ سے لکھا ہے۔

اپنے مکتوب بہ نام راقم مرقومۂ یکم جنوری ۲۰۰۴ء میں لکھتے ہیں: ''خدا تمھاری مدد کرے۔ اپنی دُلھن سے میری دعائیں کہو اور بچوں کو پیار۔ تمھارا خط پڑھ کر بہت جی خوش ہوا، دل سے دُعا نکلی''۔

خاں صاحب ہائے مخلوط یعنی دو چشمی ھ کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''گیارہ سے اٹھارہ تک جو گنتیاں ہیں اُن کے آخر میں ہائے ملفوظ ہے (وہ ہ جو تلفظ میں آتی ہے) صرف ایک عدد 'سولہ' کے آخر میں اُسے ملا کر لکھا جاتا ہے، وہاں اُس ہ کے نیچے شوشہ (جو ملفوظ ہ کی پہچان ہوتا ہے) لگانا ضروری ہے: گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ۔ جب ان سے اعداد بنائے جائیں گے تو دو چشمی ہ (ھ) لکھا جائے گا۔ گیارھواں، گیارھویں، گیارھوہں — بارھواں، بارھویں، بارھوہں — تیرھواں، تیرھویں، تیرھوہں — چودھواں، چودھویں، چودھوہں — پندرھواں، پندرھویں، پندرھوہں — سولھواں، سولھویں، سولھوہں — سترھواں، سترھویں، سترھوہں۔ 'اٹھارہ' کا ہندسہ استثنا ہے۔ اِسے 'اٹھارواں، اٹھارویں، اٹھارھویں' لکھا جاتا ہے۔

جب یہی اعداد استغراقی صورت اختیار کریں گے تو بھی اُن میں مخلوط ھ لکھا جائے گا: گیارھوں، بارھوں، تیرھوں، چودھوں، پندرھوں، سولھوں، سترھوں، اٹھاروں۔ سترھوں پر تشدید لکھی جائے گی۔

۶۹ سے ۷۸ تک کی گنتیوں میں کچھ میں ہائے مخلوط، کچھ میں ہائے ملفوظ آتی ہے اور کچھ میں ہ آتی ہی نہیں۔ اُنہتر، ستر، اکہتر، بہتر، تہتر، چوہتر، پچھتر، چھہتر، ستتر، اٹھتر۔

عدد 'چھے' کو پہلے 'چھ' بھی لکھا جاتا تھا۔ اب کچھ لوگ 'چھ' لکھتے ہیں۔ یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔ اِس لیے اِسے 'چھے' لکھنا چاہیے۔ اِس کے آخر میں ے ہے اور اِس سے اِسی قبیل کی اور گنتیاں بنتی ہیں، جیسے چھیواں، چھیاسٹھ، چھہتر، چھیاسی، چھیانوے اور چھما ہی وغیرہ''۔

پانْو، چھانْو، گانْو

خاں صاحب نے اپنی کتاب ''اردو املا'' میں اِن آٹھ الفاظ کو اِسی صورت میں لکھنے کی سفارش کی ہے: آنْو، پانْو، ٹھانْو، چھانْو، دانْو، کھڑانْو، گانْو، نانْو۔

اِس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اِن الفاظ کے آخر میں واو ہے اور اُس سے پہلے نونِ غنّہ ہے۔ کچھ لوگ پاؤں، گاؤں اور چھاؤں لکھتے ہیں جو دُرست املا نہیں ہے۔ ''پانا'' مصدر سے ''پاؤں''،

''گانا'' مصدر سے ''گاؤں'' اور ''چھانا'' مصدر سے ''چھاؤں'' افعال بنتے ہیں۔ جب کہ پانْو، گانْو اور چھانْو سب اسم ہیں۔ اِس لیے اِن الفاظ کو اِسی طرح لکھنا چاہیے۔

دوطرح کا املا

خاں صاحب نے ایسے الفاظ کی بھی نشان دہی کی ہے، جن کا املا دونوں طرح سے اردو میں مستعمل ہے، جیسے: گھائِل، گھائَل — پائِل، پائَل — گائِک، گائَک — نائِک، نائَک — سہاگِ، سہاگَک۔

ایسے الفاظ کے لیے اُنھوں نے یہ شرط لازم قرار دی ہے کہ جن الفاظ میں کاف سے پہلے یا لام سے پہلے زیر آئے گا وہاں ی کے دو نقطے لگائے جائیں گے اور یہاں کاف اور لام سے پہلے ہمزہ آئے گا، وہاں زیر نیچے لگایا جائے گا اور ایسے تمام الفاظ کا تلفظ بھی لکھاوٹ کے مطابق ہوگا۔

رشید حسن خاں کی نثری خصوصیات

رشید حسن خاں کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی تعداد تیس کے قریب ہے۔ اِن کے مضامین و تبصرے جو برصغیر ہندوپاک کے مقتدر رسائل میں بکھرے پڑے ہیں، وہ الگ ہیں۔ اِنھوں نے جو لکچر دونوں ممالک کی یونی ورسٹیوں، کالجوں، سمیناروں، اکادمیوں اور تعلیمی اداروں میں دیے اُن کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی. وی. کے لیے ان کے انٹرویو اور نشریات کی گنتی نہیں ہے۔

خاں صاحب نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا، جن میں تحقیق، تدوینی، لسانی، تنقیدی، اردو املا، کلاسکی ادب، قواعد و زبان اور عروض، لُغت سازی، دیباچے اور حواشی شامل ہیں۔ ان سب کا احاطہ کرنا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ آنے والے وقت میں کوئی اسکالر 'خاں صاحب کی نثری خدمات' پر کام کرے گا۔ ہم صرف اِس حد تک محدود رہیں گے کہ مجموعی طور پر خاں صاحب کی نثر میں وہ کون سی خصوصیات مضمر ہیں جنھوں نے قاری کو خشک سے خشک تر مضامین اور کتب کے مطالعے کے لیے مجبور کیا۔

خاں صاحب بیسویں صدی کی اوّل چوتھائی کے آخری سال کے آخری ماہ میں پیدا ہوئے اور قریب اکیاسی برس کی طویل عمر پائی۔ بیسویں صدی میں رونما ہونے والی سیاسی، سماجی (پہلی جنگِ عظیم اور جلیاں والا باغ کے واقعے کے علاوہ) اور ادبی تحریکوں کو اُبھرتے و مٹتے ہوئے دیکھا۔

اپنی ابتدائی ملازمت کے دوران آپ ٹریڈیونین کے سرگرم رکن رہے۔ کچھ دیر کے لیے مارکسزم کے اثرات بھی آپ نے قبول کیے مگر بعد میں دور ہوتے چلے گئے۔ جب آپ عربی مدرسہ بحرالعلوم سے فارغ ہوئے تو ترقی پسند تحریک ادبی دنیا کو متاثر کر رہی تھی۔ ہر زبان کے ادبا و شعرا اِنھی خیالات کی تشہیر کر رہے تھے۔ رومانیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو ابھرتے اور ماند پڑتے ہوئے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے روشن دماغ اور کھلی آنکھوں سے آپ نے بڑے بڑے ادبی ستونوں کو اٹھتے اور مٹتے ہوئے دیکھا۔

ابتدائی دور میں آپ نے نیاز فتح پوری کی تحریروں سے بہت کچھ سیکھا اور معتقدانہ حد تک قائل بھی ہوئے، لیکن دھیرے دھیرے یہ بھرم بھی جاتا رہا۔ تحقیق و تدوین کے اصول خاں صاحب نے حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولانا عرشی کی تحریروں سے سیکھے جو اِن کی زندگی کے آخری ایام تک ساتھ رہے۔

تحریری دنیا میں قدم رکھنے سے قبل آپ عربی و فارسی اور اردو کے کلاسکی ادب کا مطالعہ اچھی طرح کر چکے تھے، جس نے ان کے ذہن میں ذوق اور معیار کا ایک نقشا قائم کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسندی کے نعرے ان کے ذہن میں جگہ نہیں پا سکے۔

ایک جگہ رقم طراز ہیں:

”غرض کہ خاص خاص ورکروں اور لیڈروں میں خلیج بڑھتی گئی اور آخر کار مجھ ایسے نا آشنائے سیاست کارکن بالکل الگ ہوگئے۔ اِن دنوں ایسے تلخ تجربے ان رہ نماؤں کے ہوئے تھے کہ آج تک اِن کی یاد باقی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر یہ صورتِ حال رونما نہ ہوئی ہوتی تو شاید میں بھی آج ترقی پسندی کا لیبل لگائے ہوئے ہوتا“۔[۵۶]

ہر ادیب اور شاعر کو خاندانی اور مقامی روایات، جن کے زیرِ سایہ وہ پلا بڑھا ہوتا ہے، متاثر کرتی ہیں، چاہے وہ ہجرت کر کے کہیں بھی کیوں نہ چلا جائے۔ نسلی اثرات اُس کی رگ رگ میں سما جاتے ہیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی اُن سے انحراف نہیں کر سکتا۔ بزرگوں سے جو چیز وراثت میں ملتی ہے وہ ہمیشہ اُسے سینے سے لگائے رہتا ہے، یہی حال کچھ خاں صاحب کا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

”خاندانی روایت، نسلی اثرات اور مقامی خصوصیات نے شروع ہی سے صاف گوئی کا عادی بنا دیا تھا۔ اِسی نے تحقیق کی طرف مُتوجہ کیا اور اِس میدان میں آکر مجھے طبعی مناسبت کا اندازہ ہوا۔ لغت، زبان کے مسائل،

عروض اور قواعد جیسے موضوعات شروع میں میرے پسندیدہ موضوع تھے۔
ادبی تحقیق سے بھی تعلق خاطر تھا لیکن کچھ کم۔ ۱۹۶۰ء سے اس طرف زیادہ
توجہ مبذول ہوئی۔ شیرانی صاحب کی تحریریں اولین رہ نما کی حیثیت سے
پیش نظر رہیں اور پھر قاضی عبدالودود صاحب کی تحریروں نے متاثر کیا۔
اسی طرح ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی تحریروں نے بھی عرفان کی نئی روشنی
بخشی،، ۔ ۵۷

خاں صاحب کی ابتدائی دور کی نثری تحریروں میں نیاز فتح پوری صاحب کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن جلد ہی وہ اِس رنگ کو بہت پیچھے چھوڑ دیتے ہیں (جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے) اور ایک ایسا اسلوب اختیار کر لیتے ہیں جو نہایت سادہ اور صاف ہوتا ہے۔ جس میں اپنی بات کہنے کے لیے رنگین عبارت کا سہارا نہیں لیا جاتا اور نہ ہی ثقیل و دقیق الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہ اپنی تحریر کو وزنی بنانے کے لیے یا دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے عربی، فارسی یا انگریزی ادب کی بڑی بڑی اصطلاحیں کام میں نہیں لاتے۔ یہ مت سوچیں کہ اُن کا مطالعہ محدود تھا، وہ اپنے عمیق مطالعے اور افتادِ طبع کی وجہ سے اس مقام تک پہنچ چکے تھے کہ بڑے بڑوں کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں۔

تنقید ہو یا تحقیق، تخلیق ہو یا تدوین، تبصرہ نگاری ہو یا مکتوب نگاری، لسانی مباحث ہو یا لغت نگاری، املا کے مسائل ہوں یا زبان، عروض ہو یا قواعد ہر جگہ آپ کو ان کا اسلوب یکساں نظر آئے گا۔ اچھے اچھے عالموں سے لے کر خردوں تک کو ان کی بات سمجھنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ ان کی نثر سے متعلق ان ہی کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

"ادبی تحقیق اور تدوین اب میرے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ میں اس تنقید کا قطعاً قائل نہیں جس میں انشائیہ نگاری کا انداز ہو اور وہ اسلوب ہو جو منافق کی سخن آرائی کا ہوتا ہے۔ اِسی طرح میں اِس تحقیق کو فکرِ شاعرانہ کا بدل سمجھتا ہوں جس میں صاف گوئی کے بجائے پسینے پوتنے کا انداز ہو چوں کہ حالات نے اب بیشتر افراد کو دنیا داری کے پھیر میں مبتلا کر رکھا ہے اِس لیے تحقیق کا یہ سادہ و صاف انداز اِن کو پسند نہیں آتا اور اِس کے لیے اِن حضرات نے 'منفی اندازِ نظر' کی اصطلاح وضع کی ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ جھوٹ کو جھوٹ کہیں اور دو ٹوک انداز میں رائے ظاہر کریں وہ تو منفی انداز والے ہوئے اور جو لوگ ادب کے نام پر تجارت اور جہالت کو

فروغ دیں وہ مثبت انداز نظر والے ہوئے۔ آپ چور کو چور کہیں تو وہ بہت واویلا مچائے گا۔ یہی حال اِن تاجرانِ ادب کا ہے۔ میں صاف، سادہ، واضح اور دو ٹک انداز میں بات کہنا چاہتا ہوں اور اِس سے مجھے مطلق دل چسپی نہیں کہ لوگ اِسے مثبت سمجھیں گے یا منفی۔ ایسی فضول اصطلاحوں سے میں بہت دور رہنا چاہتا ہوں''۔[۵۸]

رشید حسن خاں کی تصنیفات و تالیفات کے موضوعات سرے سے خشک تھے اور اُس پر طرّہ یہ کہ اندازِ بیان بالکل صاف اور سادہ، کہیں عبارت آرائی نہیں، کہیں کوئی گھماو پھراو نہیں، صفحے کے صفحے پڑھ ڈالیے قلم یکساں طور پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ بات کہنے کا انداز مختصر، طوالت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ تحقیق، تنقید اور تدوین کے لیے وہ لچھے دار زبان کو بُرا خیال کرتے تھے۔ اسلم پرویز اپنے مضمون ''رشید حسن خاں ادب اور زندگی کی ایک متوازن شخصیت'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''رشید حسن خاں نے اِس بات پر بھی بجا طور پر زور دیا ہے کہ تحقیق کی زبان صاف، سادہ اور دو ٹوک ہونی چاہیے، اِن کے نزدیک تحقیق، دلائل اور ثبوت کی بنیاد پر مروّجہ حقائق کے ردو قبول اور نئے حقائق کی دریافت کا عمل ہے۔ اِس اعتبار سے عبارت آرائی، طول کلام، انشا پردازی، صفات اور منطق الفاظ کا استعمال تحقیق کے لیے غیر مناسب ہی نہیں نقصان دہ ہے۔ اُنھوں نے اپنی تحریر اور تقریر دونوں میں بارہا اِس بات پر زور دیا کہ اگر چہ ادبی تحقیق کا تعلق براہِ راست ادب سے ہے لیکن بجائے خود تحقیق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی ہی لچھے دار زبان میں گفتگو کرے جو 'سحر البیان'، 'گلزارِ نسیم'، 'فسانۂ عجائب' اور 'باغ و بہار' جیسی تخلیقات میں استعمال ہوئی ہے۔ اِن کے نزدیک تحقیق کی زبان دستاویزی ہونی چاہیے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آخر دستاویزی زبان اپنے قاری کو گرفت میں کیسے لے۔ جان دار تحقیق میں جاسوسی ناول کا سسپنس ہوتا ہے۔ حقائق کی اندھی گپھا میں ٹٹول ٹٹول کر چلنے کا سسپنس۔ جو محقق یہ سسپنس پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے پھر دستاویزی زبان ہی راس آتی ہے''۔[۵۹]

رشید حسن خاں کی نثر سے متعلق بات کو آگے بڑھانے سے پہلے آپ اُن کی موزونیتِ طبع، جسے سادگی میں حُسن نظر آتا ہے، کے بارے میں اُنھی کی زبانی گفتگو سنیے:

''میں مشرقی شعریات کے اِس بنیادی اصول کا، اِس سلسلے میں، اطلاق کرتا ہوں، جو لفظ و معنی کی بحث میں سامنے آتا ہے کہ خیال بھی اچھا اور بیان بھی۔ اِسی طرح چائے بھی اچھی ہو اور کپ بھی، سبک، خوش رنگ اور وسعت دار۔ چائے دانی کا سرپوش (ٹی کوزی) سادہ ہو تو بہتر ہے۔ کراچی میں سنہری لیس لگے ہوئے چمک دار سرپوش ملتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں، مگر سادگی میں جو حسن ہوتا ہے، وہ اُس میں کہاں۔ اس میں تکلف ہے، رکھ رکھاو ہے، اور بھی کچھ ہوگا، مگر امانت کی شاعری والی بات بھی ہوتی ہے، جو لفظی مناسبتوں کے بوجھ سے شعریت سے خالی نظر آتی ہے۔ پاوڈر زدہ چہرے حسن ذاتی کیسے ہو سکتے ہیں، جو تکلف سے بری ہوتا ہے''۔[۶۰]

مذکورہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں عبارت میں لفظی بازی گری کے قائل نہیں، وہ سادگی میں حسن کے متلاشی ہیں۔ اُن کے نزدیک معانی کی اہمیت مقدم ہے۔ وہ بوجھل اور ثقیل عبارت کے حق میں نہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مضمون کسی بھی طرح کا ہو اُس کا اسلوب رواں اور دل کش ہونا چاہیے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد، رشید حسن خاں کی نثر پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''کتاب کا موضوع اور اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، ایک خاصیت جو ان کی تمام تصنیفات اور تالیفات میں قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ ان کی رواں دواں اور دلکش نثر ہے جو پتھر کی طرح مضمون کو بھی اور خشک سے خشک مسائلِ علم و ادب کو دلکش اور سرسبز بنائے چلی جاتی ہے۔ رشید حسن خاں کی نثر کی امتیازی خصوصیت جسے Readabelity کہتے ہیں انھیں دوسرے محققین سے ممتاز کرتی ہے اور اِن کی تحقیق، تنقید اور تالیف کو تخلیقی ادب کی حدوں سے جاملاتی ہے''۔[۶۱]

رشید حسن خاں نے زندگی میں جو کچھ حاصل کیا، وہ ذاتی لگن، محنت، دل چسپی، علم کی جستجو اور دن رات کے ذوقِ مطالعہ سے کیا۔ اُنھوں نے گو کسی یونی ورسٹی سے کوئی ڈگری حاصل نہیں کی، لیکن وہ اُس مقام تک جا پہنچے جہاں اِن چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ ہماری ادبی دنیا میں کتنے فرد ایسے ہیں جنھوں نے ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد تحقیق، تنقید اور تدوین کے میدان میں اتنا کام کیا ہو جتنا خاں صاحب نے کیا۔

تحقیقی اور تدوینی کاموں کی خاطر اُنھوں نے اپنے ذاتی ذوق اور شوق کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ ایک کتاب کی تدوین پر برسوں مسلسل کام کیا۔ سب سے پہلے اِن کی پسندیدہ کتاب ''اردو املا'' کو لیجیے، اردو املا اور زبان کی سبھی خوبیوں کو اِس نثری انداز سے اِس میں سمو کر رکھ دیا ہے کہ اتنی ضخیم کتاب پڑھنے میں کہیں بھی اُکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی تسلسل ٹوٹنے پاتا ہے۔ آج ہندستان کی مختلف ریاستیں اپنی نصابی کتب تیار کرنے میں اِس کا سہارا لیتی ہیں، خاص کر املا اور زبان سے متعلق۔ جو قانون وضوابط اِس کتاب میں درج ہیں اب اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ بھی اِنھی کی پابندی کرنے لگے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان سے اُردو کا جو لغت کئی جلدوں میں چھپا ہے اُس کے املا میں اِس کتاب (یعنی 'اردو املا') کے اصولوں کی پیروی کی گئی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں خاں صاحب کو ماہرِ زبان اور ایک اچھا لغت نویس بھی مانا جانے لگا ہے۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری (کراچی) اپنے مضمون ''میرے محترم'' میں لکھتے ہیں:

> ''وہ زبان کے ماہر ہیں، لغات پر ان کی نظر بہت گہری ہے، قواعد کے مسائل سے اِن کے ذوق کو خاص مناسبت ہے، معانی و بیان کو انھوں نے جس طرح پڑھا ہے اب اِس کی کوئی مثال شاید ہی سامنے آئے، املا کے فن میں وہ مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ شاعر نہیں لیکن ان کا ذوقِ شعری بہت بلند ہے۔ سخن فہمی اور نکتہ رسی میں اِن کا کوئی جواب نہیں، وہ باریک بین اور تیز فہم ہیں، شعر کے حسن و قبح کو خوب سمجھتے ہیں۔ اِن کی فکر میں بلندی، تحریر میں بانکپن اور قلم میں بلا کی کاٹ ہے''۔[۶۲]

خاں صاحب عموماً تنہائی پسند واقع ہوئے (شاہ جہان پور چھوٹ جانے کے بعد)۔ عہدِ شباب میں بھی وہ مجلس آرائی سے دور رہے۔ ڈیوٹی کے علاوہ اُن کا زیادہ وقت گائر ہال کے ٹیچرس کورٹ کے کمرا نمبر ۹ میں لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتا۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد وہ سیدھے شاہ جہان پور چلے آئے اور اُن کی دنیا اسٹڈی روم تک سمٹ کر رہ گئی۔ اِس کی دو وجہیں تھیں اوّل اُن کا جسم مختلف امراض کی آماجگاہ بن چکا تھا، دوم وہ تحقیقی و تدوینی کاموں میں منہمک رہتے تھے، اِس میں وہ کسی کی بے وجہ مداخلت پسند نہیں کرتے تھے۔ فضول وقت ضائع کرنا اُنھیں پسند نہیں تھا۔ اپنے ایک تحریری انٹرویو میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''جی ہاں! کافی ہاؤس میں پابندی سے بیٹھا کرتا تھا، جب تک دہلی میں رہا، مگر ہمیشہ تنہا، کسی کے ساتھ نہیں، اِس سے وحشت ہوتی تھی۔ مجلس آرائی

کا میں قائل نہیں۔ فضول باتوں کا شوق نہیں۔ اتنا وقت ہی نہیں ملا کبھی۔ مزاج بھی یہ نہیں''۔[۶۳]

اسی صفحے پر آگے چل کر لکھتے ہیں:

''آج کل کے معمولات بس لکھنے پڑھنے تک محدود ہیں۔ میں تقریبات میں عموماً شرکت نہیں کرتا۔ رشتے داری میں بہت کم، کبھی کبھار جاتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔ چاہتا ہوں کہ مجھ سے ملنے کے لیے بھی لوگ نہ آئیں۔ وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اِسی لیے میں نے آج تک ٹیلی فون نہیں لگوایا کہ وقت ضائع ہوگا۔ لوگ عموماً فضول باتیں کرتے ہیں، غیر ضروری اور دیر تک۔ ذہن سے ساری سوچی سمجھی باتیں نکل جاتی ہیں۔ اب میرے بڑے صاحبزادے فون لگوانا چاہتے ہیں، میں نے اِس شرط پر اتفاق کیا ہے کہ اِس کو میرے کمرے سے دور رکھا جائے گا اور مجھے وہاں نہیں بلایا جائے گا، جب تک کہ واقعی کوئی اہم بات نہ ہو، جو بہت کم ہوتی ہے''۔[۶۴]

اِس اقتباس کی تصدیق سیّد مشہود جمال کی تحریر سے ہوتی ہے:

''اپنے جوانی کے دنوں میں خاں صاحب بھی اِن تمام مرحلوں سے گزرے جو ایک خوش ذوق اور ذہین انسان کی فطرت کا لازمی حصّہ ہوتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۹ء تک شاہ جہان پور میں تخلیقی سرگرمیوں کے علاوہ خوش ذوقی و خوش نظری، ہاکی کے کھیل میں انہماک، مقامی نشستوں اور مشاعروں میں جملے بازی اور شام کو حضرت عابد مینائی کے یہاں جناب اختر علی تلہری کے ساتھ ادبی محفل آرائی کے لیے بھی خاں صاحب کو یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں دہلی جانے کے بعد ان کے معمولات صرف لکھنے پڑھنے تک محدود ہو گئے اور انھوں نے سب کچھ چھوڑ کر اپنے آپ کو مکمل طور پر علمی اور ادبی کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مذہب کی طرح ادب میں بھی شرک حرام ہے۔

......۱۹۸۹ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد شاہ جہان پور میں بھی اِن کے اِس ٹائم ٹیبل میں آخر وقت تک کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی سوائے اِس کے کہ صبح کی چائے اب انھیں خود نہیں بنانا پڑتی تھی۔ محفل آرائی اور سماجی

تقریبات میں وہ یہاں بھی کبھی شرکت نہ کرتے۔ میرے علاوہ تین حضرات اور تھے جنھیں گھر آنے کی خاص اجازت تھی۔ لیکن ایک دن پہلے ٹیلی فون پر وقت طے کر لینے کی ہدایت کر رکھی تھی''۔[۶۵]

مذکورہ باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہنگامہ آرائی سے کوسوں دور رہتے تھے۔ اُن کی شخصیت بالکل صاف اور سادہ تھی، لہجہ شستہ، زبان شگفتہ، اسلوب رواں دواں، حقائق کو بے باکانہ طور پر بیان کرنا تاکہ قاری کے ذہن کے دریچوں تک پہنچ جائے۔ اُن کی تقریر اور تحریر میں کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی جاسکتی۔ جن لوگوں نے اُنھیں تقریر کرتے سنا ہے، وہ جانتے ہیں کہ خشک سے خشک موضوع کو بھی وہ اِس انداز سے بیان کرتے کہ ہال میں بیٹھے ہوئے سامعین کبھی بور نہیں ہوتے۔ طلبہ ہوں یا یونی ورسٹی کے اساتذہ کوئی بھی اُن کا لکچر چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنھیں تقریر کے فن پر تحریر کے فن کی طرح پوری قدرت حاصل تھی۔

اپنی نثر میں خاں صاحب نے ہمیشہ صحتِ زبان کا خاص خیال رکھا۔ نثر میں ایک ایک لفظ اور اُس کے تلفظ کو مروّج اصولوں کے مطابق استعمال کیا تاکہ کسی قسم کی جھول نہ پیدا ہونے پائے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے انھیں ''خدائے تدوین'' کہا ہے۔ وہ خاں صاحب کی زبان سے متعلق اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''صحتِ زبان کے سلسلے میں اُن کا پہلا شاہکار اُن کی ضخیم کتاب 'اردو املا' (ترقّی اردو بورڈ، دہلی، ۱۹۷۴ء) اور دوسرا شاہکار اِسی ادارے سے شائع شدہ اِن کے مضامین کا مجموعہ 'زبان اور قواعد' (دہلی، ۱۹۷۶ء) ہے۔ اِن کتابوں میں اُنھوں نے زبان کے مسائل پر جس علم و فضل اور قدیم کُتب میں جس گہری نظر کا ثبوت دیا ہے وہ ہمارے زمانے میں تقریباً نایاب ہے۔ 'اردو املا' میں اُنھوں نے متعدد الفاظ کے جس تلفظ اور املا کی سفارش کی ہے اِن میں سب سے اتفاق کرنا مشکل ہے لیکن انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں جو اسناد پیش کی ہیں انھیں رد کرنا آسان نہیں۔ 'زبان اور قواعد' کے مضامین میں جن قدیم کُتب اور رسالوں کے حوالے اور اقتباسات دیے ہیں اِن میں سے بعض کا ہم نام لیا کرتے ہیں، انھیں دیکھتے نہیں۔ دوسری طرف متعدد ایسے مآخذ ہیں جن کو ہم نے، کم از کم میں نے نہیں دیکھا۔ اردو کے کلاسکی دفینے پر ایسی نظر اِس دور میں شاید ہی کسی

دوسرے شخص کی ہو"۔[۶۶]

خاں صاحب کی نثر سے متعلق مکمل جان کاری حاصل کرنے کے لیے ہم اُن کی کتب سے کچھ اقتباسات نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں تاکہ قاری انھیں پڑھ کر کسی نتیجے پر پہنچ سکے کہ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے، اُن کی نثر اِس معیار پر پوری اُترتی ہے یا نہیں۔ سب سے پہلا نمونہ اُن کی سب سے پسندیدہ کتاب "اردو املا" سے پیش کیا جاتا ہے:

"اصلاح اور تغیّر میں جس طرح خلطِ مبحث ہوا تھا، اُسی طرح اصلاح اور صحت کے الفاظ میں بھی تشابہ لگا۔ یہ دونوں لفظ بھی عمل اور مقاصد دونوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اصلاح کا مقصد یہ ہوگا کہ کسی کمی کو دور کیا جائے، یا یہ کہ مزید آسانی فراہم کی جائے۔ صحت سے مراد یہ لی جائے گی کہ کسی وجہ سے کوئی غلطی راہ پا گئی ہے، اُس کو دور کرکے، مسلّمہ انداز کو واپس لایا جائے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لفظ بالکل صحیح ہوں، لیکن مزید آسانی یا یک سانی کی خاطر، اُن میں اصلاح کی جائے۔ جیسے یہی 'اعلا' کا الف سے لکھا جانا، کہ اصل مقصد یہ تھا کہ اردو میں ایسے سب لفظوں کو، اردو کے عام اندازِ نگارش کے مطابق، ایک ہی طرح لکھا جائے اور خواہ مخواہ کی ایک غیر ضروری صورت نویسی سے بچا جائے۔ یہ بات نہیں تھی کہ 'اعلیٰ' یا 'ادنیٰ' بہ جائے خود غلط ہوں اور اِس طرح اُن کی تصحیح کی گئی ہو۔ غلطی کی صحت ہوگی، اُسے اصلاح نہیں کہا جائے گا"۔[۶۷]

اِس اقتباس میں آپ نے دیکھا کہ رَموزِ اوقاف کے ساتھ ساتھ حرکات وسکنات اور علامات کا پوری طرح استعمال کیا گیا ہے۔ الفاظ سادہ اور صاف جنھیں سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں آتی۔

خاں صاحب کی نثر کی سادگی اور دل کشی کا ایک اور نمونہ مثنوی "گلزارِ نسیم" میں قصے کا محلِ وقوع سے متعلق ملاحظہ فرمائیں:

"اِس قصے کی اصل اور محلِ وقوع کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے، لیکن یہ سب سُنی سُنائی افسانوی انداز کی باتیں ہیں۔ اِن سب روایتوں کو پڑھنے کے بعد میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قصے کی اصل اور محلِ وقوع، دونوں کے متعلق قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں۔ یوں بھی کہ ایسی داستانی روایتوں میں، جو طویل مدّت تک زبانی سُنائی جاتی رہی ہوں اور سُننے

والوں کے ساتھ گردش کرتی ہوئی اِدھر اُدھر پہنچتی رہی ہوں، افسانے شامل ہو جایا کرتے ہیں اور اصلی اجزا کی صورت اِس حد تک بدل جاتی ہے کہ اُن کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے''۔[۶۸]

مثنوی ''گلزارِ نسیم'' کی زبان بھلے ہی کیسی بھی ہو، لیکن رشید حسن خاں کی نثری زبان میں کسی قسم کی کوئی گنجلک نہیں۔ یہ عبارت ویسی ہی سیدھی سادی اور عام فہم ہے جیسی ''اردو املا'' کی۔ اب ''فسانۂ عجائب'' کی نثر کا ایک ٹکڑا آپ کے مطالعے کے لیے پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ خاں صاحب کی نثر کی اچھی طرح پرکھ کر سکیں:

''مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی کتاب فسانۂ عجائب، مختصر داستانوں کے سلسلے کی مشہور کتاب ہے۔ یہ ہمارے کلاسکی ادب کا حصّہ بن چکی ہے۔ آج اِس کتاب کے متعلق [تاریخی حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کرکے] بعض حضرات جو رائے بھی ظاہر کریں اور اِس پر جس قدر اعتراضات کریں؛ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس زمانے میں یہ کتاب سامنے آئی تھی، اُس زمانے میں اِس کی یکتائی کی دھوم مچ گئی تھی اور بہت جلد اِس کو دبستانِ لکھنؤ کی نمایندہ تصنیف کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا تھا۔

صرف داستان کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اِس میں بہت سی خامیاں نکالی جاسکتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر تو یہی بات کہ داستان کا ہیرو اُن صفات سے بڑی حد تک محروم ہے جو کسی مرکزی کردار میں دل کشی کی چمک پیدا کیا کرتی ہیں۔ کئی جوڑ پیوند لگی ہوئی اِس داستان کے بوجھ کو سہارنے کی سکت اُس میں نظر نہیں آتی۔ سادہ لوحی میں بھی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جانِ عالم کی تخصیص نہیں، ضمنی کہانیوں کے نمایاں افراد بھی ایسے ہی ہیں۔ مثلاً وہ بادشاہ، جو ادنا تامّل کے بغیر، اپنی بیوی کو ایک اَن جان سوداگر کے ساتھ بھیج دیتا ہے، جس نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ میری بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور وہ سوداگر اُسے اپنے ساتھ اپنے ملک لے جاتا ہے''۔[۶۹]

''فسانۂ عجائب'' کے بارے میں عام رائے ہے کہ اِس کی زبان دقیق اور الفاظ ثقیل ہیں، لیکن جو ایک بار اِسے اچھی طرح پڑھ لیتا ہے، اُس کے لیے اردو ادب کی کوئی بھی کتاب پڑھنا مشکل نہیں رہ جاتی۔ خاں صاحب نے اِس کی تدوین کی، مقدّمہ اور حواشی لکھے، لیکن زبان وہی استعمال کی جس

کی انھوں نے تحقیقی و تدوینی کاموں کے لیے لکھنے کی سفارش کی ہے۔ اُن کے پیشِ نظر ہمیشہ عالم و فاضل ہی نہیں طلبہ بھی رہے ہیں۔

اب ایک اقتباس خاں صاحب کی نثر کا اُن کی کتاب ''زبان اور قواعد'' سے پیش کیا جاتا ہے جس کی پہلی اشاعت ۱۹۷۶ء میں ہوئی تھی:

''اِس سلسلے میں دل چسپ بات یہ ہے کہ خود فارسی میں صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔ ایرانی فارسی میں تو ظاہر ہے کہ عام ہندی الفاظ کے شامل ہونے کا سوال کیوں پیدا ہوتا، البتہ ہندستان میں اِس کی گنجایش تھی، اور گنجایش کیا، یوں کہیے کہ ایسا ہونا لازم تھا؛ اِس بنا پر کہ یہاں فارسی زبان صرف شاعری کی زبان نہیں تھی، وہ دفتری زبان تھی اور سارے کام اُسی میں انجام دیے جاتے تھے، اِس لیے اُس میں ادبی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ، دوسری سطح پر اُس کُھردرے پن کی نمود بھی لازم تھی جس کا تعلق کاروباری اسالیبِ بیان سے ہوا کرتا ہے اور جس کے اثر سے زبان میں کئی سطحیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کاروباری پن اِس کی ضمانت تھا کہ مقامی لفظوں کی کھپت اُس میں ہوتی رہے۔ جب ایک بار اجنبی لفظوں کے لیے راستہ کُھل گیا تو رفتہ رفتہ اُس میں مقامی لفظوں کا اجنبی پن کم ہوتا گیا۔ یہ اجنبیت جس قدر کم ہوتی گئی، اُسی نسبت سے بہت سے مقامی لفظ، فارسی قاعدوں کی نسبتیں حاصل کرکے، فارسی تراکیب کے سانچوں میں ڈھلتے رہے۔ مگر اِس کا اظہار ضروری ہے کہ آمیزش کا یہ عمل نثر میں فروغ پذیر نظر آتا ہے، نظم میں اُس کا تناسب کم ہے۔ نظم میں بھی صنفِ غزل اِس سے محفوظ رہی، البتہ مثنویوں میں اور پھر قصائد میں اُن کی نمود ہوئی''۔ [۷]

اب خاں صاحب کی ایک چھوٹی سی کتاب ''عبارت کیسے لکھیں''، جو کہ ''اردو کیسے لکھیں'' کی ترقی یافتہ صورت ہے، جسے خاص طور سے اسکولوں اور کالج کے طلبہ کے لیے تیار کیا گیا ہے، اِسے ہم ''اردو املا'' کی مختصر صورت بھی کہہ سکتے ہیں، سے ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے تاکہ اِس بات کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو کہ خاں صاحب کا قلم اساتذہ اور طلبہ کے لیے یکساں رہا ہے اور اِن کی نثر میں زبان کے اعتبار سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی، ملاحظہ فرمایئے:

''یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کو اچھی طرح یہ بات معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون سے حرف ہیں۔ آپ انگریزی کے لفظوں کی اسپیلنگ یاد کرتے ہیں، کیوں؟ اِسی لیے نا کہ یہ بات معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون سے حرف ہیں۔ اگر آپ انگریزی کے کسی لفظ میں کوئی حرف بدل دیں، مثلاً A کی جگہ E لکھ دیں، یا S کی جگہ C لکھ دیں تو اُس کو غلطی مانا جائے گا اور کہا جائے گا کہ لفظ کو صحیح طور پر لکھیے۔ انگریزی کی تخصیص نہیں، ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے۔ اردو میں بھی املا کا یہی قاعدہ ہے۔ اِس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم کو معلوم ہو کہ کس لفظ میں کون کون حرف لکھے جائیں گے اور یہ بھی معلوم ہو کہ کس طرح لکھے جائیں گے۔ اگر کوئی شخص کسی لفظ میں مثلاً ص کی جگہ س، یا ذال کی جگہ زے لکھ دے، تو کہا جائے گا کہ املا غلط ہو گیا''۔ [۱]

خاں صاحب نے اپنی تمام عمر تحقیق و تدوین کے کاموں میں صرف کر دی۔ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور امتیاز علی خاں عرشی کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اُنھوں نے تحقیق اور تدوین کے لیے خود بھی کچھ اصول وضع کیے جن پر اُنھوں نے سختی سے عمل کیا۔ تحقیق سے متعلق اُنھی کی عبارت میں اُنھی کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

''تحقیق بے حد صبر آزما کام ہے، عجلت اور خفیفُ الحرکاتی اُس کو راس نہیں آتی اور نُل ہوسی سے اُسے بَیر ہے۔ اِس سلسلے میں پرانے مصنّفین کی مثالوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جس زمانے میں طباعت عالمِ وجود میں نہیں آئی تھی یا اُس نے رواجِ عام نہیں پایا تھا؛ اُس زمانے میں ستایش کی تمنا تو ضرور ہوتی ہوگی، لیکن صلے کا تصوّر گویا نہیں تھا۔ علمی اور تحقیقی کارنامے اِس طرح عالمِ وجود میں نہیں آتے کہ کاتا اور لے دوڑی۔ فارسی کے معروف لغت بہارِ عجم کا نام سبھی نے سُنا ہوگا، اُس کے مولّف ٹیک چند بہار نے عمرِ عزیز کے بیس سال صرف کیے تھے جمع و ترتیب پر۔ حقائق کی بازیافت اور صداقت کی تلاش بجائے خود مقصد ہے؛ جب بھی دوسرے مقاصد کے حصول کے لیے تحقیق کو استعمال کیا جائے گا تو معیار تباہ ہو جائے گا اور آنکھیں ایمان داری کے نور سے محروم ہو جائیں گی''۔ [۲]

خاں صاحب کی نثر کی خوبی دیکھیے کہ اوپر کے اقتباس کے پہلے ہی جملے میں تحقیق کے تمام اصولوں کو سادہ و عام فہم الفاظ میں سمو کر رکھ دیا ہے، تشریح کی ضرورت ہی نہیں۔ ''مصطلحاتِ ٹھگی'' بھی خاں صاحب کے تدوینی کاموں کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ ٹھگوں کی اپنی ایک زبان رہی ہے، جس میں اُنھوں نے اپنی ہی اصطلاحیں قائم کر رکھی تھیں۔ اِن کی زبان کو، بولی کو یا اصطلاحوں کو قابلِ التفات نہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا۔ لیکن خاں صاحب اِن تمام چیزوں کو زبان کا جز مانتے ہیں اور انھیں اردو لغت میں شامل کرنا لازمی قرار دیتے ہیں۔ مذکورہ کتاب کے ابتدائیہ کی عبارت کا نمونہ آپ کے مطالعے کے لیے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

> ''جرائم پیشہ افراد اور گروہوں کو، اُن کے قابلِ تعزیر کاموں کے سبب بُرا سمجھا جاتا رہا ہے۔ سب کے سامنے وہ لوگ بھی اُنھیں بُرا ہی کہتے رہے ہیں جو در پردہ اُن کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ [آج بھی یہی صورتِ حال ہے؛ اِس فرق کے ساتھ کہ اب اُس سرپرستی نے سیاسی پُشت پناہی کے بل بوتے پر ایک متوازی نظام کی تشکیل کر لی ہے]۔ جرائم کو بُرا کہنا اور جرائم پیشہ لوگوں کو بُرا سمجھنا بجائے خود دُرست اور برحق؛ مگر اِس بُرا سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ وہ لوگ جس بولی میں 'کام' کی باتیں کیا کرتے تھے، وہ بھی کم توجہی کی نذر ہو گئی؛ یہ، بہت بُرا ہوا۔ کام بُرے؛ لیکن اُن کاموں سے تعلق اور نسبت رکھنے والے جس قدر لفظ ہیں، وہ سب زبان کا جُز ہیں۔ ایسے کسی ایک لفظ کو بھی ناقابلِ توجہ یا ناقابلِ قبول نہیں کہا جاسکتا۔ لسانی مباحث سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے اور اردو لغت نگاری سے متعلق افراد کے لیے ایسے سب لفظ لازمی اجزاے زبان کی حیثیت رکھتے ہیں''۔[۳۷]

خاں صاحب کی مرتّب کردہ ایک کتاب ''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' (جلد اوّل) میں سے اُن کی نثر کا ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ اِس بات کو تقویت ملے کہ اُن کی نثر واقعی سادہ اور عام فہم ہے، چاہے وہ کسی بھی کتاب سے کیوں نہ لی جائے:

> ''اصولِ تدوین کی مکمّل پابندی کے ساتھ اب تک پانچ کلاسکی متن میں نے مرتّب کیے ہیں: فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی گلزارِ نسیم، مثنویاتِ شوق [اِس میں مثنوی زہرِ عشق بھی شامل ہے]، مثنوی

سحرالبیان۔ یہ محض اتفاق ہے کہ یہ متن مختلف دانش گاہوں کے نصاب میں بھی شامل ہیں اور خیال یہ ہے کہ جزءً یا مکمل طور پر شاملِ نصاب رہیں گے۔

تدوین سے اور ادبی تحقیق سے جو لوگ تعلق خاطر رکھتے ہیں، ایسے اہلِ نظر نے ان متون کے متعلق بہت اچھی راے ظاہر کی۔ اِن کی اعلا قدر و قیمت کا، ناگزیر ضرورت کا اور اہمیت کا اعتراف کیا۔ وہ لوگ جو پڑھنے اور پڑھانے سے تعلّق رکھتے ہیں، اور وہ خوش ذوق قارئین بھی؛ جن کی تعداد زیادہ نہ سہی، مگر جن کی اہمیت کچھ کم نہیں؛ اِن سب نے خاص طور پر اِن متنوں کے متعلق اچھی رائیں ظاہر کیں۔

بہت سے اساتذہ اور طلبہ نے یہ راے ظاہر کی کہ اِن متنوں میں توقیف نگاری (پنکچو یشن) اور اعراب نگاری کا اہتمام کیا گیا ہے، اُس سے عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے میں اور سمجھنے میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر متن کے ساتھ جو مفصّل حواشی ہیں، جن میں متن سے متعلق ضروری تشریحات کے ساتھ ساتھ ایک مستقل ضمیمے میں تلفظ اور املا کے متعلّقات پر بھی گفتگو کی گئی ہے؛ اِن کی مدد سے بہت سی باتوں کو سمجھنے میں اور مشکلات کو حل کرنے میں آسانی ہوئی ہے''۔[۴۷]

''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' اور ''زٹل نامہ'' دونوں کی اشاعت ۲۰۰۳ء میں ہوئی۔ ۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو خاں صاحب ملکِ راہیِ عدم ہوئے۔ تب سے آج تک اُن کی کوئی مرتّب کردہ کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی۔ ہاں! ''گنجینۂ معانی کا طلسم'' کمپوزنگ کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔ اِس لیے ''زٹل نامہ'' سے اُن کی نثر کا ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، جس میں اُنھوں نے اِس بات سے انحراف کیا ہے کہ شمالی ہند میں شاعری کا آغاز غزل گوئی سے ہوا (یا ولؔی کے دیوان کے آنے سے دہلی میں غزل گوئی کو فروغ ہوا)۔ ساتھ ہی اُنھوں نے اِس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ احتجاجی شاعری کا آغاز نظموں کے ذریعے جعفؔر نے پہلی بار کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''دورِ اوّل کی اِس روایت نے، جس کا سب سے بڑا نمایندہ جعفر ہے، ایک بڑا کام یہ بھی کیا کہ اُس کے اثر سے لسانی سطح پر اُس کھردرے پن

نے فروغ پایا جس کے بغیر احتجاجی شاعری سر سبز نہیں ہو پاتی۔ لہجے کے بھاری پن کو برقرار رکھا، پُر شور لفظیات کا ذخیرہ فراہم کیا، بیان کو اُس ریشمی پن سے محفوظ رکھا جو لہجے میں تلوار کی جھنکار نہیں پیدا ہونے دیتا اور اُس آہنگ کی تشکیل کی جو رومانیت سے دور کا واسطہ رکھتا ہے۔ ادب کے طالبِ علموں کے لیے لازم ہے کہ کئی صدیوں پر محیط احتجاجی شاعری کا آغاز وارتقا اچھی طرح سمجھنے کے لیے شمالی ہند میں شاعری کے دورِ اوّل کی اِس روایت سے واقف ہوں جس کا بڑا نمائندہ اور بنیاد گزار جعفؔر ہے۔ اِس کے بغیر وہ روایت جس نے شہر آشوب میں اپنی اہمیت اور وسعت کو نمایاں کیا، پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکے گی، اُس کے ابتدائی نقوش آنکھوں سے اوجھل رہیں گے۔

یہاں تھوڑی دیر کے لیے رُک کر ایک اور پہلو پر بھی نظر ڈال لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ دہلی میں جب ولؔی کا دیوان آیا تو شمالی ہند (یا دہلی) میں غزل گوئی کا آغاز ہوا (یا محتاط لفظوں میں غزل گوئی کو فروغ حاصل ہوا)۔ اِس طرح دو غلط فہمیاں ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دہلی میں اردو شاعری کا آغاز غزل گوئی سے ہوا، اور دوسری بات یہ کہ شروع ہی سے غزل اردو شاعری کا اصل سرمایہ رہی ہے۔ جعفؔر کا زمانہ وہی ہے، جو ولؔی کا ہے؛ جعفؔر کا کلیات موجود ہے، اُس میں ایک بھی غزل نہیں۔ یہ بات بھی اِس سلسلے کی ہے کہ جعفؔر کا قتل (بہ قولِ مشہور) ۱۱۲۵ھ میں ہوا اور ولؔی کا دیوان مصحفؔی کی روایت (۱) کے مطابق سنہ ۲ (۲) جلوسِ محمد شاہی (۱۱۳۲ھ) میں دہلی میں آیا تھا یعنی جعفؔر کے قتل کے کم و بیش سات برس بعد اور جعفؔر اپنا دیوان اِس سنہ سے برسوں پہلے 'زٹل نامہ' کے نام سے مرتب کر چکا تھا (۳)؛ اِس طرح یہ بات مسلّم ہو جاتی ہے کہ دہلی میں اردو کی شعری روایت کی بنیاد رکھنے والوں میں جعفؔر کو تقدّمِ زمانی کا شرف حاصل ہے۔ (۴) اور یہ بھی کہ دہلی میں اردو شاعری کا آغاز غزل گوئی سے نہیں، سماجی حقیقت نگاری سے معمور شاعری سے ہوا جو سرتاسر نظموں میں مشتمل ہے''۔ ۵؎

رشید حسن خاں کی مکتوب نگاری

مکتوب نگاری کا فن اُتنا ہی قدیم ہے جتنی انسانی تہذیب کی تاریخ۔ رامائن کا زمانہ ہو یا مہابھارت کا، مصر کے فرعون ہوں یا ان سے کوئی قدیم تہذیب، ہمیں فرمانوں، اعلان ناموں، پیغاموں، مراسلوں اور دوسری دستاویزوں کا پتا چلتا ہے، جنھیں حاکمِ وقت دوسرے حاکموں اور عوام کے لیے جاری کرتے تھے۔ یہ دستاویز تاڑ کے پتوں، چمڑے کے ٹکڑوں، مٹی کی لوحوں، پتھر کی سلوں، دھات کی پلیٹوں، لوہے کی ستونوں اور چٹانوں پر لکھے اور کندہ کیے جاتے تھے۔ اگر ہم اِس سے بھی تھوڑا پیچھے جائیں، تو ویدک دور میں پہنچ جاتے ہیں۔ ویدوں کو دُنیا کی قدیم ترین کُتب مانا جاتا ہے۔ اِن کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُس دور میں حکمران ایک دوسرے سے خطوط کے ذریعے رابطہ قائم کرتے تھے۔ اُس وقت ملک کے طول وعرض میں روحانی، مادّی اور دوسرے فنونِ لطیفہ کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے آشرم قائم تھے، جن میں طلبہ ۶ برس کی عمر میں داخل ہوتے اور پچیس برس تک وہاں رہ کر تعلیم حاصل کرتے۔ یہاں بادشاہوں اور عوام سبھی کے بچے شامل ہوتے تھے۔ اِن آشرموں کے مہنتوں اور سنتوں سے مشورہ کرنے کے لیے یا تو بادشاہ خود اِن کے ہاں حاضر ہوتے یا خط لکھ کر اُنھیں دربار میں بلایا جاتا، اور بڑے احترام کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا جاتا، اور اپنے تخت کے برابر اُن کی نشست کا بندوبست کیا جاتا۔ ان لوگوں کو حکومت کے معاملات میں کافی دخل حاصل تھا۔

رامائن کے زمانے میں اجودھیا ریاست کے تعلقات کا سلسلہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ اگر کسی بھی ریاست کے راج کمار کی رسم تاجپوشی ہوتی یا کسی شہزادی کا سوئمبر تو دوسری ریاستوں کے سربراہوں کو اُس میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی تھی (بہ ذریعۂ خط)۔

مہابھارت کے زمانے میں ہستناپور ریاست (دہلی کے قریب) کے تعلقات گندھار (موجودہ قندھار) اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ کوروؤں کے ماما شکونی گندھار نریش کہلاتے تھے۔ یمن کا شہزادہ کوروؤں کی طرف سے کوروکھشیتر کی جنگ میں شامل ہوا اور شہادت پائی۔ اُس دور کی مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کے مراسلات کے دستاویزی ثبوت مذہبی اور تاریخی کُتب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ رامائن اور مہابھارت کے زمانے کو پانچ سے دس ہزار برس قدیم مانا جاتا ہے۔

جین مت اور بدھ مت کا دور ڈھائی ہزار برس سے زیادہ کا نہیں ہے۔ فاہیان اور ہیون سانگ اِسی دور میں یہاں وارد ہوئے اور اپنے دیش کے پیغامات مراسلات کی صورت میں یہاں

کے حکمرانوں کے لیے لائے اور یہاں کے پیغامات اپنے ساتھ لے گئے۔ ٹیکسلا اور نالندہ کی یونی ورسٹیاں ہندستان میں اپنے پورے عروج پر تھیں، جہاں اعلا سے اعلا تعلیم سے طلبہ کو سرفراز کیا جاتا تھا۔

یونان کے بادشاہ سکندر نے ۵۲۶ قبل مسیح میں ہندستان پر حملہ کیا اور بڑھتا ہوا کافی آگے نکل آیا۔ پورس نے اُس کا راستہ روکا۔ سکندر نے اس کو اطاعت قبول کرنے کے لیے خط بھیجا، جس کے جواب میں پورس نے انکار کا خط روانہ کیا، نتیجہ جنگ ہوئی، پورس ہارا، لیکن سکندر نے اُس کی بہادری کو دیکھتے ہوئے اُس کا علاقہ اُسے واپس کر دیا۔

ہندستان کے تعلقات زمانہ قدیم میں صرف کابل، گندھار تک ہی محدود نہیں تھے بل کہ ایران تک جا پہنچے تھے۔ ”اِس برصغیر کے تعلقات ایران سے کئی ہزار برس پرانے ہیں۔ ہماری طرح ایران کے لوگ بھی آرین ہیں اور ان کی زبان (فارسی) کو علماے لسانیات سنسکرت کی سگی بہن کہتے ہیں۔ اِن کے سیاسی اور تجارتی تعلقات بھی بہت قدیم ہیں۔ جب ہستاسپ کے بیٹے دریوش (۴۸۵-۵۲۱ ق م) نے وادیِ سندھ کے پورے علاقے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تو یہاں ایرانی تہذیب کی چھاپ اور گہری ہو گئی۔ صدیوں تک یہ علاقہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ رہا۔ چناں چہ خروشتی (خروشٹی، کھروشٹی) رسم الخط جو آرامی رسم الخط سے ماخوذ ہے اور جس پر ناگری لپی کی بنیاد ہے، ایرانیوں ہی نے اِس برصغیر میں رائج کیا تھا۔ یہ رسم الخط ہمارے ملک میں چوتھی صدی عیسوی تک استعمال ہوتا رہا (آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۳۷، مطبوعہ ۱۹۶۱ء) اِس لیے برصغیر کی زبانوں بالخصوص پنجابی، پشتو اور ہندی میں مسلمانوں کی آمد سے پیشتر فارسی الفاظ کا پایا جانا اچنبھے کی بات نہیں“۔[۶]

اِس اقتباس سے دو باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اوّل کہ بادشاہ ایران اور اُس کے گورنر صوبہ سندھ کے درمیان مراسلات کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ دوم یہاں (سندھ) کی جو بھی زبان رہی ہو اُس نے دھیرے دھیرے خروشتی رسم الخط اپنالیا، جو چوتھی صدی عیسوی تک یہاں رائج رہا، قریب نو سو برس تک۔

اِس رسم الخط میں ادب اور مراسلات کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہوگا، لیکن وہ اخفاے راز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے محققین اِس رسم الخط سے ناواقف ہیں اور ہماری سعی محدود۔ آج کا محقق انگریزی زبان سے اچھی طرح واقف ہے۔ اِس زبان میں جو بھی ذخیرۂ ادب یا تاریخی واقعات ہمیں دستیاب ہوتے ہیں ہم آنکھیں موند کر اُن پہ یقین کر لیتے ہیں اور اُنھی باتوں کو حوالے کے

لیے پیش کرتے ہیں۔ قرآن اور گیتا کو ہم انگریزی میں پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اِس کی سیدھی سی وجہ یہ ہے کہ آج ہم میں سے کتنے لوگ سنسکرت اور عربی کی جان کاری رکھتے ہیں۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل عرب اور ہندستان کے آپسی تعلقات بحری اور برّی راستوں سے قائم تھے۔ ساحلی علاقوں کی زبانوں میں ایک دوسرے کی زبانوں کے الفاظ شامل ہو چکے تھے۔ عرب اور ہندستان کے لوگ اچھے ملاّح تھے۔ گرم مصالوں، ریشم اور دوسرے قیمتی پتھروں کا بیوپار ہوتا تھا، اور بصرے کے موتی بکنے کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ تجارتی رشتوں کو بنائے رکھنے کے لیے اکثر تجارتی مراسلات کے سہارے کے علاوہ ایک دوسرے کے ملک میں تجارتی مراعات حاصل کرنے کے اجازت نامے بھی حاصل کیے جاتے رہے ہوں گے۔

۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے ہندستان پر حملہ کیا اور سندھ پر قابض ہوا۔ یہ علاقہ اپنے گورنر کے حوالے کرکے وہ اپنے وطن واپس چلا گیا۔ اِس کے بعد مسلم حملہ آوروں کا سلسلہ مسلسل آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ مغلوں کی ایک پائدار حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی معزولی اور جلاوطنی کے بعد اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور انگریزوں کی پورے ملک پر اجارہ داری قائم ہوگئی۔ ہندستانیوں نے آزادی کی ایک لمبی جنگ لڑی تو ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو یہ ملک آزاد ہوا۔ اِس دور کے سبھی حکمرانوں کے خطوط کے نمونے پرانی دستاویزوں یا آرکائیوز میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

راقم آپ کو آں حضرت کے دورِ حیات میں لے چلتا ہے۔ اُنھوں نے فتوحات حاصل کرنے کے بعد اپنے دین کی تبلیغ کے لیے عرب و اُس کے گرد و نواح میں قائم حکومتوں کے حکمرانوں کو مراسلات روانہ کیے۔ ان میں سے ایک کا عکس یہاں دیا جارہا ہے، جو کہ خطِ نسخ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ خط مقوقس عامل مصر کے نام ۷ھ مطابق ۶۲۹ء میں لکھا گیا۔ اُس وقت حروف پر نقطے دینے اور اعراب لگانے کا رواج نہیں تھا۔ اِس خط کی عربی نقل اِسی کے ساتھ شامل ہے۔ آں حضرت کے سات اور خطوط جو انھوں نے بادشاہوں اور امرا کے نام اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے روانہ کیے حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نجاشی شاہ حبش (۲) شاہ فارس خسرو پرویز (۳) قیصر چاہ روم (۴) مُنذر بن ساوی (۵) ہوذہ بن علی صاحب یمامہ (۶) حارث بن ابی شمر غسانی حاکم دمشق (۷) شاہِ عمان۔

ذیل میں مذکورہ بالا خط مقوقس عامل مصر کے نام کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اِس کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کی جانب

اِس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد!

میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے اور اسلام لاؤ اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ ہوگا۔ "اے اہلِ قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اِس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں"۔[۸]

اِس خط کو لے کر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، مقوقس کے دربار میں پہنچا۔ مقوقس نے اِس کی بڑی عزّت وتوقیر کی اور جواب میں جو خط روانہ کیا اِس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبداللہ کے لیے مقوقس عظیم قبط کی طرف سے

آپ پر سلام! اما بعد، میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں آپ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ اور آپ کی خدمت میں دو لونڈیں بھیج رہا ہوں جنھیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے، اور کپڑے بھیج رہا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں اور آپ پر سلام"۔[۹]

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "حضور اکرم کی سیاسی زندگی" میں حضورِ اکرم کے اور بہت سے خط جمع کیے ہیں، جن سے اُس دور کے سیاسی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

مکتوب سے مکتوب نگار کے سیاسی، سماجی، ادبی، تہذیبی اور نجی زندگی کے بہت سے پوشیدہ نقوش اُبھر کے سامنے آتے ہیں، اور جن حضرات کے ساتھ اُس کے مراسلات کا سلسلہ ہوتا ہے اُن کی شخصیتیں اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مکتوب نگار جن سے زیادہ قریب ہوتا ہے اُن سے وہ کُھل کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی ایسی باتیں بیان کر جاتا ہے جنھیں وہ دوسروں سے اخفائے راز میں رکھنا چاہتا ہے۔

اُسے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ اُس کا اہم راز ہے اور وہ اُس کی نجی زندگی کے واقعات کو کبھی وا نہیں کرے گا۔

آج ہم اگر عالمی شہرت کے سیاست دانوں کی نجی زندگی میں جھانکنا چاہتے ہیں تو ہمیں اُن کے خطوط کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ خطوط کے ذریعے ہی ہم اُن کی خامیوں اور کمزوریوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے فاتحین نے جب اپنی محبوباؤں کو خط لکھے تو وہ اِس حد تک زمیں بوس ہوگئے کہ اپنا دل اُن کے قدموں میں رکھ دیا۔ نپولین اور ہٹلر جیسے سنگ دل انسانوں کو خطوط میں موم کی طرح پگھلتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

حال ہی میں ہندستان کے اوّل وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن کے معاشقے کے واقعات لیڈی مونٹ بیٹن کی بیٹی میڈم پاملہ کے ذریعے تشت از بام ہوئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں لیڈی لارڈ مونٹ بیٹن نے پنڈت جواہر لال نہرو کو دونوں ملکوں یعنی ہند اور پاک کے بٹوارے میں کشمیر کے معاملے کو سکیورٹی کونسل میں لے جانے کے لیے سیاسی طور پر بہت متاثر کیا۔

غالب، شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط سے ہمیں اُن کی زندگیوں میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خطوط اپنے دور کا آئینہ ہی نہیں بل کہ ایک مکمل تاریخ ہوتے ہیں، جن میں تمام واقعات تاریخ وار درج ہوتے ہیں۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ''افسانے و ناول میں تاریخیں دُرست نہیں ہوتیں واقعات دُرست ہوتے ہیں، اور تاریخ میں تاریخیں دُرست ہوتی ہیں واقعات دُرست نہیں ہوتے''۔ راقم اس بات کو یوں کہے گا کہ خطوط میں تاریخیں اور وقعات دونوں دُرست ہوتے ہیں۔

اِن سب باتوں کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مکتوب نگاری کا فن زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔ دوسرے فنون کی طرح یہ بھی فنونِ لطیفہ کا ایک حصّہ ہے۔ ادبی دنیا میں اِس کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ غالب، شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر کو جاننے کے لیے اِن کے خطوط کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ ٹھیک یہی بات رشید حسن خاں پہ بھی صادق آتی ہے۔ اِن کی نثر، اِن کی ادبی، اِن کی سیاسی اور ان کی نجی زندگی کو قریب سے جاننے کے لیے اِن کے خطوط کا مطالعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ خاں صاحب کے خطوط سے ہمیں اِن کے تحقیقی، تنقیدی اور تدوینی کاموں سے متعلق یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ اِنھوں نے کون سا تدوینی کام کب شروع کیا، اِس کے ماخذ تک اِن کی رسائی کیوں کر ممکن ہوسکی، کن کن حضرات نے اِن کو مواد فراہم کیا اور وہ تدوینی کام اپنے پایۂ تکمیل تک کتنی دیر میں پہنچا۔

خاں صاحب کی مکتوب نگاری کا آغاز کب ہوا، اِس سے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد دوسرے ملازموں کے ساتھ اِنھیں بھی شاہ جہان پور کی آرڈی ننس فیکٹری سے نکال دیا گیا۔ کچھ دیر اِنھوں نے اسلامیہ اسکول میں ملازمت کی اور وہاں سے بریلی چلے گئے۔ قریب ساڑھے تین سال وہاں رہے۔ اس قیام کے دوران اِنھوں نے اپنے بزرگوں اور اہلِ خانہ کو ضرور خط لکھے ہوں گے، مگر اُن کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے ہے۔ کون جانتا تھا کہ آگے چل کر یہ نوجوان ادبی دنیا کے افق پر ایک درخشاں ستارے کی طرح اپنی روشنی سے دوسروں کو منوّر کرے گا۔

راقم الحروف نے ان کے فرزندان سے شاہ جہان پور رابطہ قائم کیا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ خاں صاحب کے نام مشاہیرِ ادب کے لکھے ہوئے جو خطوط محفوظ ہیں اُن کے عکس روانہ کریں۔ جواب ملا، ''خاں صاحب کو خطوط محفوظ کرنے کی عادت نہیں تھی وہ انھیں تلف کر دیا کرتے تھے''۔ راقم اِس بات کا قائل نہیں۔ جن حضرات کے نام خاں صاحب کے تحریر کردہ خطوط راقم جمع کرنے میں کامیاب ہوا ہے، وہ سب کے سب ادبی دنیا میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ خاں صاحب نے بعض حضرات کے خطوط کے تفصیل سے جواب لکھے ہیں جو زیادہ تر ادبی نوعیت کے ہیں۔ اگر اِن حضرات نے خاں صاحب کے خطوط کو محفوظ رکھا تو یہ کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ خاں صاحب نے اُن کے خطوط کو تلف کر دیا۔ اُن کی لائبریری کے کسی نہ کسی کونے میں یہ ضرور محفوظ ہوں گے۔ اِس کے لیے وقت اور سعی کی ضرورت ہے۔

کسی بھی شاعر یا ادیب کے حالاتِ زندگی مرتب کرنے میں خطوط کافی حد تک معاون ثابت ہوتے ہیں۔ راقم دست یاب خطوط کے ذریعے خاں صاحب کی ادبی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ مگر یہ کام تب تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اُن کے تمام خطوط یک جا نہ ہوجائیں۔ خدا نے چاہا اور زندگی نے ساتھ دیا تو یہ سعی جاری رہے گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی ادبی شخصیتیں اللہ کو پیارا ہوگئیں۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو خطوط کے جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھتے، اِس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کام کتنا دشوار ہے۔

خاں صاحب نے ہندستان کے بڑے بڑے کتب خانوں (جن کی فہرست کافی طویل ہے) کے علاوہ پاکستان میں لاہور، اسلام آباد اور کراچی، یورپ میں جرمنی اور انگلستان تک قدیم نسخوں کی تلاش اور اِن کے عکس حاصل کرنے کے لیے خطوط روانہ کیے۔ اِنھوں نے اپنے ہم عصروں، جن میں ڈاکٹر معین الدین عقیل (ٹوکیو، جاپان)، چودھری محمد نعیم (شکاگو، یو.ایس.

اے)، عبدالوہاب خاں سلیم (نیویارک، یو.ایس.اے) اور ڈاکٹر گیان چند جین (کیلی فورنیا، یو.ایس.اے) شامل ہیں، کو بھی خطوط لکھے۔ راقم ڈاکٹر گیان چند جین کے نام کے چند خطوط کے عکس حاصل کرسکا ہے۔ چودھری محمد نعیم اور عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کی خدمت میں خط روانہ کردیے ہیں، دیکھیے کب جواب آتے ہیں۔ (عبدالوہاب خاں سلیم صاحب کے خطوط پہنچ چکے ہیں)۔

خاں صاحب کا سب سے پُرانا خط (جواب تک دست یاب ہوئے ہیں) مرقومہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۶۲ء بہ نام سیّد عابد حسین کلیم بریلوی ہے، جسے بہ مقام رام پور رضا لائبریری، فورٹ، رام پور، یو.پی (انڈیا) سے دفتر اخبار 'ندرت' محلہ شاہ آباد کے پتے پر روانہ کیا گیا۔ اِس کے آخر میں مکتوب نگار کے نام کی جگہ صرف ''رشید حسن'' لکھا ہوا ہے۔ نام کی یہی صورتِ حال باقی ۹ مکتوبات میں ہے جو سیّد عابد حسین کلیم بریلوی کے نام ۱۲ر اگست ۱۹۶۵ء تک لکھے گئے۔ اِسی طرح عبدالرزاق قریشی، اڈیٹر سہ ماہی 'نوائے ادب' بمبئی کے نام تین خط (مرقومہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء، ۷ر دسمبر ۱۹۶۸ء، ۲۶ر مئی ۱۹۶۹ء)، سیّد نجیب اشرف ندوی کے نام دو خط (مرقومہ ۷ر دسمبر ۱۹۶۵ء، ۱۶ر اپریل ۱۹۶۸ء) اور ڈاکٹر خلیق انجم کے نام ایک خط (۱۳ر مارچ ۱۹۷۶ء) میں آخر نام کی جگہ بھی ''رشید حسن'' ہی لکھا ہوا ہے۔ رشید حسن نے ''خاں'' کا اضافہ اپنے نام کے ساتھ کب کیا وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، جب تک کہ بیسویں صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی کے تمام خطوط دست یاب نہ ہوجائیں۔

خاں صاحب کے مکتوبات سے ہمیں اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اگر کِسی نے اُن سے کوئی ادبی صلاح یا رائے طلب کی تو اُنھوں نے بڑے مخلصانہ انداز سے اپنی رائے سے نوازا۔ کبھی کِسی پہ اپنی رائے کو مسلّط کرنے کی کوشش نہیں کی، بھلے ہی وہ شخص اُن کا ہم عصر ہو، دوست ہو یا پھر نو وارد اسکالر۔ اِس بات کی تصدیق کے لیے راقم اُن کے مکتوب مرقومہ ۲۶ر جنوری ۱۹۸۱ء بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم سے چند اقتباسات پیش کر رہا ہے، ملاحظہ کیجیے:

> ''میری رائے یہ ہے کہ آپ املاے غالبؔ کو بدلنے کے پھیر میں نہ پڑیے۔ اِس سے دو بڑے نقصانات ہوں گے اور فائدہ ایک بھی نہیں ہوگا۔ پہلا نقصان تو یہ ہوگا کہ آپ ایسے اعتراضات کے لیے راستہ ہموار کردیں گے جس کا جواب کٹ حُجتی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر 'گذار' اور 'گزار' کا مسئلہ۔ اِس کا معقول جواب نہیں دیا جاسکے گا۔ یا پھر ویسا ہی جواب دیا جاسکے گا جیسا غالبؔ اپنے معترضین کو دیا کرتے تھے، اور

جس پر آج ہم ہنستے ہیں اور اُسے غالبؔ کی بے جا ضد سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ متعدد حضرات کے لیے آپ آسانی فراہم کر دیں گے کہ وہ اِس ترتیب کو غیر معتبر کہہ سکیں، اس بنا پر کہ مرتب نے اپنی پسند کو، مصنف کی پسند پر مقدم سمجھا ہے اور قدیم متن کو جدید بنایا ہے۔ اِس کا بھی معقول جواب بن نہیں پڑے گا۔ آپ بی۔اے کے لڑکوں کے لیے یہ کتاب مرتب نہیں کر رہے ہیں۔ اِس کے مخاطب اہلِ علم ہیں۔ جب لڑکوں والا کام کیجیے گا تو من مانی کر لیجیے گا۔

آپ اِس سلسلے میں ایک طریقۂ کار متعین کر لیجیے۔ میں مثال کے طور پر دو تین مثالیں پیش کروں: (۱) عربی اور فارسی کے ایسے لفظ جن کے آخر میں ہاے مختفی ہے (جیسے: نالہ، گلہ، اشارہ، پردہ، روانہ) غالبؔ نے اِن کو کہیں بہ ہاے مختفی لکھا ہے اور کہیں معِ الف (روانہ-روانا) ایسے الفاظ کے لیے اصول یہ بنایا جائے گا کہ چوں کہ [۱] یہ لفظ اصلاً بہ ہاے مختفی ہیں [۲] اِسی طرح آج بھی لکھے جاتے ہیں [۳] پہلے بھی اسی طرح لکھا جاتا تھا [۴] غالبؔ نے بھی مختلف مقامات پر اِن کو اِسی طرح لکھا ہے؛ اِن وجوہ سے، ایسے الفاظ کو ہر جگہ بہ ہاے مختفی لکھا جائے (البتہ حواشی میں اختلافِ املا کی نشان دہی کر دی جائے گی)۔

(۲) غالبؔ نے ایک خط میں وضاحت کے ساتھ اور قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ 'خرشید' لکھتا ہوں اور اِس کے مخفف کو 'خور' لکھتا ہوں۔ تو اب یہ لازم ہوگا کہ ایسے جملہ الفاظ کو فرمودۂ غالبؔ کے مطابق لکھا جائے۔

(۳) غالب نے ایسے الفاظ کو جو ہاے مختفی پر ختم ہوتے ہیں، محرف صورت میں کہیں بہ ہاے مختفی لکھا ہے اور کہیں بہ یاے مجہول (کعبہ سے- کعبے سے)۔ چوں کہ صحیح صورت 'کعبے سے' ہے اور غالبؔ نے اِس طرح بھی لکھا ہے؛ اِن دونوں قرینوں کی بنا پر، ایسے جملہ الفاظ کو محرف صورت میں بہ یاے مجہول لکھا جائے گا (اور حواشی میں اِس اختلاف کی نشان دہی کی ضرورت نہیں ہوگی)۔

اِس طرح سب لفظوں کے سلسلے میں بہ آسانی تعینات سے کام لیا جاسکتا

ہے۔ میری راے یہ ہے کہ اپنی طرف سے معترضین کے لیے ایسا مسالا جمع نہیں کرنا چاہیے جس کی مدد سے وہ بہ آسانی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکیں اور کہہ سکیں کہ ابھی اِس کام کو ازسرِنو کرنے کی گنجایش ہے۔ یہ میری مخلصانہ راے ہے۔ آپ اِسے خواہ نہ مانیں، لیکن ٹھنڈے دل سے ایک بار اِن امور پر غور ضرور کرلیجیے۔ اِس سے فائدہ ہوگا''۔

رشید حسن خاں نے اپنی آراء سے صرف ڈاکٹر خلیق انجم کو ہی نہیں نوازا بل کہ ڈاکٹر گیان چند جین کو بھی گاہے گاہے اپنی آراء و مشوروں سے نوازتے رہے۔ خاں صاحب کی تحریر کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ وہ ہر بات کو واضح طور پر اور تفصیل سے اِس طرح پیش کرتے تھے کہ دل آزاری کا کہیں بھی شائبہ نہیں ہوتا تھا۔ جین صاحب کے ساتھ اُن کے مراسم نہایت استوار تھے، وہ اِن کی قدر اور احترام دل سے کرتے تھے۔ لیکن اگر جین صاحب کی کوئی کتاب یا تحریر اُن کی نظر سے گزرتی اور اُس میں اُنھیں کوئی خامی نظر آتی جو جین صاحب کے شایانِ شان نہ ہوتی تو وہ بہ ذریعۂ خط اُس کی نشان دہی کرتے اور اُن کی توجہ اُس طرف مبذول کرتے۔ مثال کے لیے راقم اُن کے ایک مکتوب مرقومہ ۴؍نومبر ۱۹۸۸ء کی عبارت نقل کرتا ہے:

''آپ سے میرے جیسے مراسم تھے اور ہیں، اُن کے پیشِ نظر میں کئی بار خط لکھتے لکھتے رہ گیا، خیال آیا کہ کہیں اِسے آپ میری کافر طبیعتی پر محمول نہ کریں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں نے ساہتیہ اکیڈمی کے انعام کے سلسلے میں مبارک باد کا خط لکھا تھا، تو اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی اِس کتاب سے میرا جی خوش نہیں ہوا ہے، اِس لیے کہ اس میں ایسی ہلکی تحریریں بھی ہیں جنھیں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور آپ نے اپنے جوابی خط میں اِس سے اتفاق کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ ادبی وقار اور عام شہرت، دونوں کے لحاظ سے آپ اِس مرتبے پر فائز ہیں کہ اب یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہر طرح کی ہلکی اور گہری، معمولی اور عمدہ، ناقابلِ التفات اور بے حد قابلِ التفات تحریریں یکساں طور پر آپ سے منسوب ہوتی رہیں۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ آدمی دن بھر جو کچھ لکھتا ہے، یا کہتا ہے، وہ سب لازماً درجِ رجسٹر ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی ہر تحریر کو لازماً شائع کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بات میری راے میں نظرِ ثانی کی محتاج ہے۔

جو بات میں نے آپ کی اُس مطبوعہ کتاب کے متعلق لکھی تھی، وہی بات اِس غیر مطبوعہ کتاب کے سلسلے میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہر مہینے ہر طرح کی کتابیں چھپتی ہیں اور چھپتی رہیں گی، مگر میرا جی چاہتا ہے کہ اردو کی نثری داستانیں، شمالی ہند میں اردو مثنوی، تفسیرِ غالب اور لسانی مطالعے کے مصنف کے نامۂ اعمال میں اِس سے کم درجہ تحریریں مندرج نہ ہونے پائیں۔

یہ خواہش یوں ہے کہ میں آپ کا قدر شناس ہوں اور آپ کو محترم سمجھتا ہوں۔ ہر شخص سے ایسی باتیں نہیں کہی جاتیں۔

اِس مسوّدے میں جو تحریریں ہیں، اُن میں سے نصف ضرور ایسی ہیں جو بڑی حد تک غیر ضروری ہیں۔ مثلاً آپ ہی بتائیے کہ اُمید کے لبِ گویا کے تبصرے سے اہلِ نظر کی معلومات میں کیا اضافہ ہوگا، شاعر بھی معمولی اور اُس کے مجموعے پر تبصرہ اُس سے بھی زیادہ معمولی۔ یا مثلاً ارشد کی کتاب، کہ اِس سے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، وہ ایک عام سی تحریر ہے۔ علمی نہیں، صحافیانہ بحث کی متقاضی ہے اور اُس سے متعلق آپ کی تحریر بھی ویسی ہی ہے، یعنی وہ بلند علمی سطح پر نہیں۔ ایسی تحریریں نہ ادب کے طلبہ کے کام آئیں گی اور نہ آپ کے وزن و وقار میں اضافے کا سبب بنیں گی۔

بہ ہر حال، آپ چوں کہ اِن تحریروں کو چھپوانا ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں، اِس لیے میں کون ہوتا ہوں ٹوکنے والا اور روکنے والا۔ البتہ مجھے یہ ضروری معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے آپ کو واضح طور پر مطلع کردوں۔ اگر آپ اپنے ایک نیازمند اور قدر شناس کی رائے پر غور کرنا مناسب خیال کریں۔

یہ کتاب ضرور چھپے گی، اگر آپ نے اِس کے خلاف فیصلہ نہ کیا۔ اگر آپ اب بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ اِن تحریروں کو اِسی طرح چھپنا چاہیے، تو پھر چھپنے دیجیے، میں بھی تائید کرتا ہوں۔ مسوّدہ کل تک انجمن میں پہنچ جائے گا''۔

آپ دیکھتے ہیں کہ خاں صاحب ڈاکٹر جین جیسی ادبی شخصیت کی تحریروں کو، جنھیں وہ پسند نہیں کرتے، یا جین صاحب کے وقار و معیار کے مطابق اُنھیں مناسب نہیں سمجھتے، اُن کی نشان دہی بڑے احتراماً انداز میں کرتے ہیں، کوئی تبصرہ یا تنقید نہیں۔

اِسی خط کی پشت پر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے خاں صاحب یوں لکھتے ہیں:

''ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، اگر آپ بھی اِس کو مناسب سمجھیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اگر اپنے دو تین مقالے اِس میں شامل کردیں اور دو تین ہلکے تبصروں کو نکال دیں، تو پھر یہ کتاب دو حصّوں میں تقسیم ہوکر مفید تر ہوجائے گی۔ مثلاً اسلوبیاتی تنقید سے متعلق آپ کا مضمون، وہ مضمون جو ارمغانِ فاروقی میں ہے اور آجکل[۸] میں سرور پر جو مضمون چھپا تھا، یہ سب نہایت عمدہ مضامین ہیں۔ یہ محض میری ذاتی رائے ہے، اِس کا مان لینا قطعاً لازم نہیں، آپ کی صواب دید پر منحصر ہے''۔

خاں صاحب کی تحریر کا انداز کسی کی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا۔ دیکھیے کہ کمزور مضامین اور تبصروں کی نشان دہی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسے جملے بھی تحریر کرتے ہیں کہ ''یہ محض میری ذاتی رائے ہے، اِس کا مان لینا قطعاً لازم نہیں، آپ کی صواب دید پر منحصر ہے''۔ بھلا جین صاحب کیوں کر نہیں مانیں گے، جب کہ اُنھوں نے اپنا مسوّدہ خاں صاحب کی ذاتی رائے کے لیے اُن کے پاس بھیجا ہے۔

خاں صاحب کا یہ اصول رہا کہ اگر کسی نے اپنی تحریر یا تخلیق (شاعری) سے متعلق اُن کی رائے طلب کی تو وہ پہلے اُس کو اوّل تا آخر پڑھتے، تمام پہلوؤں سے جائزہ لینے کے بعد اپنا قلم اٹھاتے، چھوٹی سی چھوٹی غلطی کی نشان دہی کرتے، چاہے وہ غلطی مصنف سے سرزد ہوئی ہو یا کاتب سے، الفاظ کے دُرست استعمال پر ہمیشہ اُن کی نظر رہی۔

خاں صاحب نے اپنی آراء سے صرف ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر گیان چند جین کو ہی نہیں نوازا بل کہ وقتاً فوقتاً اپنے خطوط کے ذریعے انھوں نے جناب مخمور سعیدی، پروفیسر اے. اے. فاطمی، جناب تسلیم غوری بدایونی، ڈاکٹر شمس بدایونی، جناب راج بہادر گوڑ، پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اور یعقوب میراں مجتہدی (حیدرآباد دکن، جنھوں نے ۲۵ سال کی مسلسل محنت کے بعد اردو انگریزی لغت مرتب کیا اور جس کے اردو حصے کی ساری تصحیح خاں صاحب نے کی) کو بھی اُن کی تحریروں کی خوبیوں اور خامیوں سے آگاہ کیا۔ وہ ہر محقق، ادیب اور شاعر کی رہنمائی کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے اور اِسی کو عبادت۔

طوالت کے خوف سے راقم نے خاں صاحب کے خطوط سے چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کیں ہیں، تاکہ آپ اُن کے ذہن کے اندر جھانک سکیں کہ وہ کس طرح کُھلے دل و دماغ سے اپنی آراء سے دوسروں کو نوازتے تھے۔ اُن کی ہر تحریر سے شفقت اور خلوص کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اچھے سے اچھا ادب تخلیق ہو۔

القاب و آداب

فنِ مکتوب نگاری، فنونِ لطیفہ کا ایک خاص جز ہے۔ مکتوب نگار اپنے مکتوب کے ذریعے، اپنے مکتوب الیہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے تمام تر حجابی پردے ہٹا دیتا ہے تاکہ مکتوب الیہ اچھی طرح اُس کے اندر جھانک سکے۔ مکتوب نگار اپنی دوسری تحریروں میں اُس طرح کھل کر سامنے نہیں آتا جس طرح وہ اپنے مکاتیب میں نظر آتا ہے۔ تحریر کے وقت وہ ایسی ایسی باتیں بیان کر جاتا ہے کہ عام حالات میں ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اُس کا قریبی ہم عصر یا عزیز ہوتا ہے، اور اُسے پورا اعتماد ہوتا ہے کہ اُس کی باتوں کی تشہیر نہیں ہوگی۔ مکتوب نگار کبھی کبھی اپنے مکتوب پر نجی یا ذاتی لکھ دیتا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ دوسروں کے لیے نہیں۔ مکاتیب کے ذریعے ہم مکتوب نگار کے دل و دماغ کی عمیق گہرائیوں کے مطالعے کے علاوہ اُس کی پسند اور ناپسند کا پتا بھی لگا سکتے ہیں۔ مکاتیب کے توسط سے اُس کی پوری شخصیت کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

راقم یہاں دنیا کی عظیم شخصیتوں کے مکاتیب کا ذکر نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی شبلی، مولانا ابوالکلام آزاد یا غالب کے خطوط کا؛ میں بس اپنے آپ کو مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے خطوط تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے خاں صاحب کی نثری تحریروں کا مطالعہ کیا ہے (جن میں تحقیق، تنقید، تدوین اور لسانی بحثیں شامل ہیں) وہ اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ایسے خشک موضوعات پر کام کرنے والا اور کسی کو قلم کی کاٹ سے نہ بخشنے والا واقعی خشک طبیعت کا مالک ہوگا۔ اُس پر طرۂ امتیاز یہ کہ پٹھانوں کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

مگر اپنے مکتوبات میں مرحوم اِن سب باتوں کے برعکس نظر آتے ہیں۔ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے راقم پہلے یہاں اُن القاب و آداب کا ذکر کرتا ہے، جن سے وہ اپنے خطوط کی شروعات کرتے ہیں:

ڈاکٹر گیان چند جین کو یوں مخاطب کرتے ہیں: مکرّم بندہ! آداب، مکرّمی! تسلیم، مکرّمی!، مکرّمی! آداب، محبِّ مکرّم!، محبِّ مکرّم! آداب، اور خط کے اختتام پر ’مخلص رشید حسن خاں‘۔ کبھی

کوئی کتاب منگوا رہے ہوتے ہیں یا کسی لفظ کی قرأت کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں، تو ایسے جملے بھی لکھ دیتے ہیں: ''اِس زحمت کے لیے معذرت طلب ہوں'' یا ''آپ کے التفات کا طلب گار ہوں''۔

ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر اسلم پرویز اور رشید حسن خاں کو اگر ''ادبی مثلث'' کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ اِن کی دوستی ادبی حلقوں میں ۲۶ برس تک طشت از بام رہی ہے۔ مدتوں دلّی میں اِن کا ساتھ رہا، جب تک کہ خاں صاحب ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد شاہ جہاں پور نہیں چلے گئے۔

ڈاکٹر خلیق انجم کے نام خطوط کی شروعات اِس طرح کرتے ہیں: خلیق صاحب! سلام شوق، خلیق صاحب مکرّم، میرے بھائی!، برادرم!، ہاں میرے بھائی!، انجمن ترقّی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری صاحب کی خدمت میں پہلے تو آداب بجالاتا ہوں، مکرّمی!، خلیق صاحب! آداب، خلیق صاحب! نمستے، خلیق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، اختتام پر رشید حسن، مخلص رشید حسن، رشید حسن خاں، مخلص رشید حسن خاں اور نیازمند رشید حسن خاں، جیسے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔

پروفیسر نیّر مسعود رضوی کے خطوط کی شروعات اِن القاب سے کرتے ہیں: برادرم!، حضورِ والا، بھائی صاحب، نیّر صاحب!، ہاں صاحب!، میرے بھائی!، حضرت سلامت!، سیّد صاحب!۔ خط کے آخر میں رشید حسن خاں یا کبھی کبھی مخلص رشید حسن خاں لکھ دیا کرتے تھے۔

پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی کے خطوط کا آغاز یوں کرتے ہیں: حضورِ والا!، محبِّ مکرّم!، محبّی! اور ان الفاظ پر ختم کرتے: مخلص رشید حسن خاں، یا صرف رشید حسن خاں۔

شاہد ماہلی صاحب کو صرف شاہد صاحب! یا شاہد مکرّم! لکھنے کے بعد آخر میں مخلص رشید حسن خاں لکھ دیتے۔

نثار احمد فاروقی کو محبِّ مکرّم سے مخاطب کرتے اور خط کے آخر میں رشید حسن خاں لکھ کر ختم کردیتے۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کے نام خطوط کا آغاز مکرّمی! یا محبِّ مکرّم! جیسے القاب سے کرتے اور آخر میں مخلص رشید حسن خاں لکھ کر خط ختم کردیتے۔

یعقوب میراں مجتہدی (حیدرآباد) کے نام خطوط کا آغاز اِن کلمات سے کرتے: مکرّمی! آداب، حضرت سلامت!، مکرّمی مجتہدی صاحب! آداب، حضرت! آداب، مجتہدی صاحب! آداب، حضورِ والا!، محبِّ مکرّم!، مکرمی! آداب، محبّی مجتہدی صاحب! آداب، مجتہدی صاحب مکرّم!، صاحبِ کرم ہائے بے پایاں، غمگسارِ دور افتادگاں جناب یعقوب میراں مجتہدی بسلامت

باشد۔آپ دیکھ رہے ہیں اتنا لمبا القاب خاں صاحب نے اِس سے قبل کسی کو نہیں لکھا۔اختتام پر وہی دو لفظ مخلص رشید حسن خاں یا رشید حسن خاں۔ ایسا القاب دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ذہنی آسودگی کے لیے کبھی کبھی ایسا کرلیا کرتے تھے۔لیکن اِس کے اندر ایک بات اور پوشیدہ ہے کہ اپنے سے بڑوں کا احترام کرنا وہ اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ کیوں کہ یہ روایت انھیں ورثے میں ملی تھی۔

خاں صاحب کبھی کبھی خطوط کی شروعات مخاطب کا نام لکھ کر بھی کرتے تھے، مثلاً مخمور سعیدی کو، مخمور صاحب مکرّم!، مخمور صاحب!، مخمی مخمور صاحب!، سیّد عابد حسین کلیم بریلوی کو، عابد صاحب! ڈاکٹر سیفی بریلوی کو، سیفی صاحب مکرّم! سلام شوق، عبدالرزاق قریشی، اڈیٹر سہ ماہی 'نوائے ادب' کو، 'محبِ مکرم!، سیّد نجیب اشرف ندوی کو محترمی!، محمد ایوب واقف (بمبئی) کو واقف صاحب مکرّم!، سیّد شہاب الدین دسنوی کو، مکرمی! تسلیم، جی۔کے۔ مانک ٹالا (بمبئی) کو محبی!، پروفیسر ظہور الدین (شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی) کو، ظہور صاحب مکرّم!، ڈاکٹر شمس بدایونی کو، شمس صاحب!، عزیزِ مکرّم!، نعیم کوثر (بھوپال) کو، عزیز مکرّم نعیم کوثر!، پروفیسر اے۔ اے۔ فاطمی کو پیار سے عزیزم!، عزیز مکرّم، اطہر فاروقی کو اطہر صاحب!، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (حاجی پور، بہار) کو عزیزِ مکرّم، پروفیسر لئیق صلاح (حیدرآباد) کو محترمہ! آداب، مکرّمہ!، یا محترمہ لئیق صلاح صاحبہ!۔ راقم کے لیے خاں صاحب کا انداز باقیوں سے الگ تھا، مثلاً: عزیزم رینا صاحب!، عزیزی رینا صاحب!، رینا صاحب!، عزیز رینا صاحب! دعائیں، عزیزم رینا صاحب! بہت سی دعائیں۔ آخر میں اپنا نام لکھ دیا کرتے تھے۔ان القاب میں جو شفقت پنہاں ہے شاید ہی کسی اور مکتوب الیہ کے حصے میں آئی ہو۔ مجھے واقعی عزیز رکھتے تھے، میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن میں میں کچھ بیان کرسکوں یہ صرف محسوس کرنے کی چیز ہے۔

القاب کا طریقۂ کار خاں صاحب کا اپنے ہم عصروں کے لیے ایک سا ہی رہا ہے۔ چھوٹوں کے لیے زیادہ تر عزیزم، عزیزی یا عزیز جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے شفقت کا احساس ہوتا ہے۔ بہت کم خطوط ایسے ہیں جن میں القاب کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ مکتوب الیہ اُن سے بڑا ہو یا ہم عصر یا چھوٹا، وہ کسی القاب کے بغیر خط کی شروعات نہیں کرتے تھے۔

اخلاقی بلندی

مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے جتنے بھی خطوط آج تک میری نظر سے گزرے ہیں، کسی کو

بھی پڑھنے کے بعد ایسا نہیں لگتا کہ اُنھوں نے انھیں شوقیہ طور پر لکھا ہو۔ راقم انھیں الگ الگ قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلی قسم اُن خطوط کی ہے جو اُنھوں نے مکتوب الیہ کے جواب میں لکھے ہیں، ہر خط کا جواب دینا وہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ کوئی شخص جو اُن سے پہلے متعارف نہیں، وہ بھی اگر کسی سلسلے میں خط لکھتا تو اُس کا جواب فوراً دیتے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اُنھوں نے ہمیشہ میرے خط کا جواب دیا اور یہی اصول اُنھوں نے سبھی کے لیے اپنا رکھا تھا۔

ڈاکٹر شمس بدایونی اپنی کتاب بہ طورِ تحفہ خاں صاحب کو بھیجتے ہیں اور اُس میں جوابی کارڈ رکھ دیتے ہیں۔ کارڈ پاتے ہی وہ اپنے مکتوب مرقومہ ۹ رجون ۱۹۹۵ء میں جواب اِس طرح تحریر کرتے ہیں:

"آپ نے جواب یا رسید کے لیے کارڈ رکھا ہے کتاب میں، اُسے واپس کررہا ہوں۔ جوابی خط رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ شخص اِس کے بغیر رسید نہیں بھیجے گا یا جواب نہیں لکھے گا۔ یعنی بداخلاق ہے۔ یہ غیر مناسب طرزِ عمل ہے۔ میں خط کا جواب دینا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، اِس لیے آیندہ کبھی یہ زحمت گوارا نہ کیجیے گا۔ علمی معاملات میں ضرور میں اُس منافقانہ روش کا قائل نہیں جسے خوش اخلاقی کہا جاتا ہے، لیکن ویسے اخلاقی ضابطوں کو مانتا ہوں اور اپنے سے چھوٹوں سے تو کسی طرح کی بداخلاقی کرنا بڑا گناہ سمجھتا ہوں، اِس کے لیے دوسرے مناسب افراد موجود ہیں"۔

یہ بات بالکل دُرست ہے کہ ادبی معاملات میں وہ کسی کو نہیں بخشتے تھے، چاہے سامنے والا چھوٹا ہو، اُن کا ہم عصر ہو یا پھر اُن سے بڑا۔

اِسی طرح کا ایک اور واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ حیدرآباد سے ڈاکٹر لئیق صلاح نے انھیں ایک بار جوابی خط بھیج دیا۔ خاں صاحب نے اپنی ناراضی کا اظہار اپنے مکتوب مرقومہ ۱۹ رمئی ۲۰۰۰ء میں اِن الفاظ میں کیا:

"ہاں، آپ نے جوابی خط کیوں بھیجا؟ ارے صاحب! میں اِس قدر بداخلاق نہیں کہ جواب نہ لکھوں۔ آیندہ جواب کے لیے خط کبھی نہ بھیجیے گا"۔

محترمہ نے اِس بات پر عمل کیا اور ہمیشہ ادبی معاملوں کے سلسلے میں اُنھیں خط لکھتی رہیں۔

راقم کا ایک خط ڈاک کی بدانتظامی کی وجہ سے اُن تک نہیں پہنچا، تو دوسرے خط کے جواب

میں اپنے مکتوب مرقومہ ۲۷رمئی ۲۰۰۰ء میں یوں لکھتے ہیں:

''ایک زمانے کے بعد آپ کا خط ملا۔ میں خطوں کا جواب پابندی سے لکھتا ہوں۔ ایک تو یوں کہ یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ ہر خط کا جواب دیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مخلصین کے خطوں کا جواب لکھ کر مجھے دلی مسرّت ہوتی ہے اور یہ ایسی مسرّت ہے جس کا کوئی بدل نہیں، جو کسی اور طرح سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اِس سے پہلے کوئی خط ملا ہوتا تو میں اس کا جواب ضروری لکھتا''۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خاں صاحب تہذیبی اور اخلاقی ضابطوں پر پابندی سے عمل کرتے تھے۔

یہاں تک ہی بس نہیں، خط کے جواب میں اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو مکتوب الیہ اُن سے بڑا ہو، ہم عصر ہو یا چھوٹا، معذرت طلب کرنا بھی اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ اُن کے خطوط میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں، یہاں صرف ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پروفیسر علی احمد فاطمی جو اُن کے عزیزوں کی فہرست میں شامل ہیں، اپنے مکتوب مرقومہ ۲۹ردسمبر ۱۹۸۳ء میں اُن سے یوں معذرت طلب کرتے ہیں:

''میاں! میں تمھارا گنہ گار ہوں کہ خط کا جواب اب لکھ رہا ہوں، حالاں کہ خط بہت پہلے ملا تھا۔ معذرت کیا طلب کروں، تاخیر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تم اگر ناراض ہو، تو اِس کا حق پہنچتا ہے؛ لیکن چوں کہ ہو بہت مہذّب اور وضع دار، اِس لیے دل یہ کہتا ہے کہ جلد ہی من جاؤ گے۔ یہ تو دیکھو کہ اِس قدر اور اِس طرح کا اعتماد ہر ایک پر تو نہیں ہوتا''۔

چھوٹے بڑے سبھی کے خط پا کر خاں صاحب ہمیشہ خوش ہوتے اور جواب میں اِس کا ذکر ضرور کرتے، اور آیندہ بھی خط لکھنے کی تاکید کرتے۔ ملاحظہ ہوں اُن کے مکتوب مرقومہ ۱۰راپریل ۲۰۰۱ء کی آخری سطریں جو اُنھوں نے راقم کے لیے تحریر کیں:

''تم نے مفصّل خط لکھا، اِسے دیکھ کر اور پڑھ کر میرا جی بہت خوش ہوا اور پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ خط لکھتے رہا کرو کہ اِس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے اور یادیں تازہ ہوتی رہتی ہیں۔ گھر میں سب کو بہت سی دُعائیں''۔

راقم ماہ جولائی ۲۰۰۳ء میں مع بیگم کے کان پور جا رہا تھا، اِس لیے براستہ شاہ جہان پور

جانے کا پروگرام بنایا تاکہ خاں صاحب کے دولت کدے پر حاضری دی جاسکے۔ ایک رات کے لیے ہم شاہ جہان پور رُکے، اور اُن سے ملنے اُن کے ہاں پہنچے۔ ہمیں اپنے ہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، عمدہ قسم کی چائے اور مٹھائیوں سے تواضع کی، کہ اُس کی یاد ابھی تک باقی ہے۔ اُن کے ڈرائنگ روم میں گھر کے سبھی افراد جمع ہوگئے، قریب چار گھنٹے کا وقت اُن کے ساتھ گزارا۔

اُس ملاقات کا ذکر وہ اپنے مکتوب مرقومۂ ۸؍ستمبر ۲۰۰۳ء میں اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

''عزیزم رینا صاحب! دُعائیں۔

بہت جی خوش ہوا تھا تم دونوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر۔ آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی تھی۔ بہو کو پہلی بار دیکھا اور یقین ہوگیا کہ پُرانی گھریلو تہذیبی روایتوں کی قدر شناس ہیں۔ خدا اُن کو ہمیشہ خوش رکھے۔

یہاں سب لوگ اب تک تم دونوں کے آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ بہت مسرّت ہوئی تھی۔ سبھی کو تم کو دیکھ کر اور بے تکلفانہ باتیں سُن کر اور ایسی ہی گفتگو کرکے۔ جیتے رہو اور خوش رہو اور آیندہ بھی اِس روایت کو دُہرانے کی سعادت حاصل کرو۔ مجھے بہت خوشی ہوگی''۔

راقم نے پچھلے صفحات میں اِس بات کا ذکر کیا تھا کہ اُن کے وہ القاب جن سے اُنھوں نے مجھے نوازا تھا اُن میں شفقت جھلکتی ہے، اُس کا ثبوت آپ کو اُن کی اِس تحریر سے ہوگیا ہوگا۔

دوسری قسم کے خطوط

دوسری قسم کے خطوط وہ ہیں جن میں خاں صاحب نے دوسروں کی تحریروں اور کُتب پر اپنی آراء کے اظہار کے علاوہ زیادہ تر الفاظ کے دُرست استعمال پر زور دیا ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف حضرات نے اپنی ضرورت کے مطابق اِن سے رائیں طلب کیں اور اُنھوں نے اِن کا مناسب جواب دیا۔ سیّد شہاب الدین دسنوی کو اپنے مکتوب مرقومۂ ۱۰؍اگست ۱۹۸۵ء میں لکھتے ہیں:

''میں ہمیشہ 'فاش غلطی' لکھتا ہوں۔ بحث جو چلی تھی، وہ مجھے یاد ہے۔ 'فاحش' میں جو پہلو نمایاں ہے وہ گھری بُرائی کا ہے، جس سے لفظ 'فاحشہ' بنا ہے۔ اگر کوئی 'فاحش غلطی' لکھے گا تو میں اُسے غلطی نہیں کہوں گا، مگر خود نہیں لکھوں گا۔ 'فاش غلطی' کے معنی ہیں، کھلی ہوئی غلطی، اور عموماً یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اگر کسی مقام پر ایسا مفہوم ہے جس میں لفظ 'فاحش' اپنی معنوی وسعت

کی بنا پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے، تو الگ بات ہے، ورنہ عام طور پر جیسی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے؛ وہ فاش اغلاط کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں"۔

ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کوئی کتاب خاں صاحب کے لیے بہ طورِ تحفہ بھیجتے ہیں اور ساتھ ہی اُن کی رائے بھی طلب کرتے ہیں۔ خاں صاحب کتاب کے مطالعے کے بعد اِس کے مختلف پہلوؤں پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کے علاوہ ایک لفظ کی طرف ان کی توجہ خاص طور سے مبذول کراتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوب مرقومہ ۱۴/اگست ۱۹۹۶ء کی چند سطور:

"ہاں ایک دو جگہ نظر رکتی ہے، مگر یہ تو ہر کتاب کے ساتھ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ البتہ قاضی صاحب کے لیے ایک جگہ 'شرافت' کا جو لفظ قلم سے نکل گیا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ شرافت کا متقابل رذالت ہے؛ اگر یہ کہا جائے کہ یہ شرافت کے خلاف ہے تو مطلب یہی ہوگا کہ یہ رذالت کے مطابق ہے۔ چوں کہ آپ بزرگوں اور بڑوں کے لیے اندازِ بیان میں احتیاط کے قائل ہیں، اِس لیے اِس طرف اشارہ کیا گیا"۔

یعقوب میراں مجتہدی نے حیدرآباد سے، جنھوں نے اردو انگریزی لُغت مرتب کیا ہے، اردو کے تمام حصے تصحیح کے لیے خاں صاحب کے پاس بھیجے۔ خاں صاحب نے انھیں تصحیح کرکے واپس بھیج دیا۔ بعض اوقات وہ ایک ایک لفظ کے استعمال اور اُس کے معنی سے متعلق دریافت کرتے تو خاں صاحب اُن کا خاطر خواہ جواب دیتے۔ ملاحظہ فرمایئے اِسی طرح کا ایک جواب جو اُنھوں نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰/دسمبر ۱۹۹۸ء میں مجتہدی صاحب کو لکھا:

"'حظیرہ' (مع ظ) عام لفظ ہے۔ قبرستان کے معنوں میں انتقالِ معنی ہوا ہے۔ اصلی معنی ہیں: وہ باڑا (احاطہ) جو نرکل وغیرہ سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنایا جائے۔ پروفیسر عالم خوندمیری سے میں واقف تھا۔ بندگی۔ حضرت بندگی۔ بندگی میاں یہ سب پُرانے الفاظ ہیں جو مستعمل رہے ہیں اور اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہیں۔ تصوّف سے متعلق کتابوں میں خاص کر ملفوظات میں بندگی کا لفظ اِسی انداز سے مستعمل رہا ہے"۔

خاں صاحب الفاظ کے استعمال میں معمولی معمولی باتوں پر بھی خاص دھیان رکھتے تھے، جنھیں عام حضرات نظر انداز کردیتے ہیں۔ مجتہدی صاحب کو اضافت کا زیر لگانے کے لیے اپنے مکتوب

مرقومہ ۲۰ر فروری ۲۰۰۲ء میں اِس طرح تحریر کرتے ہیں:

''بس ایک بات عرض کرنا ہے: اِس پر آپ بہ طورِ خود غور کرلیجیے۔ یہ تجویز ہے اصلاح نہیں۔ انگریزی میں لغت کا نام مرکّبِ اضافی کی صورت میں ہے .... Mujtahedi's Urdu (مجتہدی کا اردو انگلش لغت)۔ اِسی ترکیب کو اردو میں بھی برقرار رہنا چاہیے، یعنی 'لغتِ مجتہدی' اضافت کی زیر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لغت میں اضافت کے زیر نہیں، نہ ہوں، مگر نام میں ضرور ہونا چاہیے، ورنہ قرائت دُرست طور پر نہیں ہو سکے گی۔ لوگ 'لغت مجتہدی' پڑھیں گے۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو صحیح طور پر 'لغتِ مجتہدی' پڑھ سکیں۔ آپ اِس پر غور کرلیجیے۔ میری رائے میں نام میں اضافت کے زیر کا ہونا ازبس ضروری ہے''۔

جناب اسلم محمود لکھنوی سے خاں صاحب کی خدمت میں ایک خط بھیجتے ہیں، اور اُس میں لفظ 'خشقت' کی وضاحت چاہتے ہیں۔ خاں صاحب اپنے مکتوب مرقومہ ۱۲ر فروری ۲۰۰۴ء میں دیکھیے کس تفصیل سے اِس کی وضاحت کرتے ہیں اور اتنے ثبوت لکھ بھیجتے ہیں کہ کسی شبہے کی گنجایش ہی باقی نہیں رہتی:

''ہاں صاحب! خشقت (مع قِ) کوئی لفظ نہیں۔ اصلی لفظ ہے 'خِشْتَک'۔ اِس کے معنی ہیں: کپڑے کا چَوکونا ٹکڑا، جسے پاجامے کی میانی کے طور پر، نیز کُرتے اور انگرکھے میں چَوبغلے کے طور پر لگاتے ہیں۔ اِسے چَوبغلا بھی کہتے ہیں۔ مگر بہ طورِ عموم 'خِشْتَک' میانی کے معنی میں مستعمل رہا ہے۔

بھانجا اُس کا، جوانی سے ہے اب گدرایا
جس کی خالہ تھی پھرے گلیوں میں پھاڑے خشتک
(سودا)

خشتک پھاڑے پھرے تھی، یعنی انتہاے شہوت میں یاروں کی تلاش میں گھومتی رہتی تھی۔

کسی نے کردیا کچھ اُن کو، کیا پری خانم
محل میں کل سے جو خشتک اُتارے پھرتے ہیں
(جانصاحب)''

ایسی سینکڑوں مثالیں اِن کے خطوط سے دی جاسکتی ہیں، لیکن اِن کی یہاں ضرورت نہیں۔ ہر آدمی اپنے ذوق کے مطابق اِن کے خطوط میں اِن کو دیکھ سکتا ہے۔ ایک بات خاص طور سے دھیان میں رہے کہ خاں صاحب چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی باریک بینی سے سمجھاتے تھے تاکہ وضاحت چاہنے والے کے لیے کسی قسم کے شبہے کی گنجایش باقی نہ رہے۔ اِن سے رجوع کرنے والوں میں نئے اسکالر، اِن کے ہم عصر اور یونی ورسٹیوں کے پروفیسر حضرات بھی شامل تھے۔

تیسری قسم کے خطوط

بحیثیت محقق خاں صاحب کے کام کرنے کا ڈھنگ دوسروں سے بالکل الگ تھا۔ وہ اپنے تحقیقی و تدوینی کاموں میں پیش آنے والے مسائل سے متعلق دوسروں سے پوچھنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے، چاہے سامنے والا اُن کا ہم عصر ہو، اُن سے چھوٹا ہو یا کوئی عزیز۔

آپ اِنھی کی تحریر اِنھی کے مکتوب مرقومہ ۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء سے ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے پروفیسر نیّر مسعود کو لکھا:

> "نیّر صاحب! میرا تجربہ یہ ہے کہ باغ و بہار، فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم اور اب یہ مثنویاں، اِن سب کے نتیجے میں کہ لگن سچّی ہو اور آدمی پوچھنے میں شرم نہ کرے اچھے طالب علم کی طرح، اور یہ کہ صبر کی توفیق رفیق رہے، تو پھر ہر نسخہ مل جاتا ہے اور ہر کام ہو جاتا ہے"۔

خاں صاحب نے سب سے زیادہ خط اپنے تدوینی کاموں کے مسائل کو حل کرنے اور نسخے حاصل کرنے کے لیے مختلف حضرات و مختلف لائبریریوں کے سربراہوں کو ملک کے اندر اور بیرونِ ملک لکھے، اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ اِسی سلسلے کا ایک طویل خط مرقومہ ۳۱ر جنوری ۱۹۸۶ء، خاں صاحب نے ڈاکٹر گیان چند جین کو لکھا، جس میں چند جملوں اور اُن کے الفاظ کے املا سے متعلق اُن کی رائے طلب کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

> "(۱) باغ و بہار کے دوسرے درویش کی کہانی میں، جہاں جوگی کا ذکر ہے، ایک جملہ یہ ہے:
>
> 'بالوں کا جوڑا باندھا۔ موچھوں پر تاو دے کر، چڑھواں جوتا اڑایا'۔ نسخہ فاربس اور نسخہ مولوی عبدالحق میں یہی ہے۔ نسخہ فورٹ ولیم کالج میں 'اڑایایا' ہے۔ یہاں واضح طور پر غلطیِ طباعت ہے۔ یا تو 'اڑایا' ہو گا یا

'اڑیایا'۔ روایتِ اوّل کا عکس میرے سامنے ہے، اُس میں 'اڑیایا' ہے۔ مگر مصدر 'اُڑیانا' مانا جائے تو اُس سے 'اڑیایا' بنے گا (جیسے: گھگیانا سے گھگیایا) اور اگر 'اِڑانا' مانا جائے تو 'اِڑایا' بنے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اڑیانا یا اڑانا، جوتا پہننے کے معنی میں (ایڑی میں ڈالنا کی نسبت سے غالبًا) کہیں آپ کی نظر سے گزرا ہے؟

(۲) قصہ خواجہ سگ پرست میں ایک جملہ یوں ہے: 'سب سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا، میری ہی دکان سے جاتا' (نسخۂ عبدالحق، ص ۱۲۵) نسخۂ ڈنکن فاربس میں بھی یہی ہے۔ مگر نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں 'چاہِتا' ہے۔ (جو 'تحفہ چاہِتا') میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ یہاں کیا ہونا چاہیے۔ آپ کی رائے اِس بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

مراد ہے 'جو تحفہ چاہیے ہوتا' سے، یوں 'چاہتا' تو بہ ظاہر بے محل معلوم ہوتا ہے، اور 'چاہِتا' میری نظر سے کہیں گزرا نہیں۔ پنجابی یا دکنی میں کیا یہ صورت پائی جاتی ہے؟

اِسی داستان میں ایک اور جملہ ہے: 'میں تمھارا غلام ہوں، بھائی چاری کا دعویٰ نہیں رکھتا' سب نسخوں میں 'بھائی چاری' ہے۔ میں نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ یہ 'بھائی چارے' ہوگا۔ یہاں بھی آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ 'بھائی چاری' میری نظر سے کہیں نہیں گزرا نہ کبھی سنا۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا''۔

اوپر کے خط کی شق نمبر ۲ کی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے خاں صاحب، ڈاکٹر گیان چند جین کو اپنے مکتوب مرقومۂ ۱۷ ستمبر ۱۹۸۶ء میں یوں رقم طراز ہیں (شاید پہلے خط کے جواب سے خاں صاحب پوری طرح مطمئن نہیں ہوئے):

''اِس سلسلے میں آپ کی رائے مطلوب ہے۔ یعنی یہاں آپ کی رائے میں مرجح صورت کیا ہونا چاہیے اور کیا 'چاہِتا' سے 'چاہیے ہوتا' مراد لیا جاسکتا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ: سب سرکاروں میں جو (شخص) تحفہ چاہتا.....؟

ہاں یہ عرض کردوں کہ میں نے 'چاہِتا' کو ترجیح دی ہے، یوں کہ معنیٰ 'چاہتا' اور 'چاہِتا' کے ایک ہیں۔ اگر 'چاہتا' بہ لحاظِ مفہوم یہاں آسکتا ہے تو 'چاہِتا'

بھی آسکتا ہے۔

ازراہِ کرم پہلی فرصت میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیے، ممنون ہوں گا''۔

خاں صاحب کو جب تک کسی تدوینی متن کے ایک ایک لفظ سے متعلق پوری طرح تحقیقی تسلی نہ ہوجاتی اُسے متن میں شامل نہیں کرتے تھے۔ لفظ 'چاہیتا' کی وضاحت حاصل کرنے کے لیے اُنھوں نے پروفیسر نیّر مسعود کو بھی خط لکھا اور اُس کا حوالہ ڈاکٹر گیان چند جین کو اپنے خط مرقومہ ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۶ء میں بھی درج کیا اور نیّر مسعود صاحب سے مزید وضاحت طلب کی، ملاحظہ ہو اِس خط کی عبارت:

''میں نے مسعود صاحب[۸۱] کو بھی خط لکھا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ پوربی یو. پی کی بولیوں میں اُنھوں نے 'چاہیتا' بہ معنیٰ 'چاہتا' سُنا ہے۔ مگر میر امّن کو پوربی یو. پی کی بولیوں سے کیا واقفیت ہوگی! یہ ذرا دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ نوراللغات میں 'چاہیتا' ہے، مگر یہ 'چہیتا' کی قدیم صورت ہے، یعنی اسم صفت ہے۔

مہذب اللغات میں مولّف نے لکھا ہے کہ 'چاہیتا' اب متروک ہے، اور 'چہیتا' مستعمل ہے؛ اِس سے بات صاف ہوجاتی ہے۔ پلیٹس نے بھی اِسے بہ طورِ اسم درجِ لُغت کیا ہے، فعل کے طور پر نہیں۔

میر امّن کے مختارات سے مجھے اختلاف کا حق حاصل ہے، اُن پر اعتراض کرنے کا بھی حق ہے، مگر اُن کی عبارت میں ترمیم کا حق نہیں۔ اِس سلسلے میں میرا ذہن بالکل روشن اور صاف ہے۔ واضح غلطی کو نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ میرا بھی اصول یہی ہے کہ متن میں صحیح صورت کو جگہ دی جائے؛ مگر 'غلطی' کی تعریف میرے نزدیک یہ ہے کہ قطعیت کے اور کامل یقین کے ساتھ اُس کا تعیّن کیا جاسکے۔ قدیم زبان اور بیان میں ایسی ایسی صورتیں سامنے آتی رہتی ہیں (خاص کر میر امّن کے یہاں) کہ ہر اجنبی اندراج کو غلط مان لینا، بڑے خطرے کی بات ہوگی۔

اب آپ سے گفتگو ہو تو اِس پر مزید بحث ہو۔ آپ ایک بار پھر اِس پر غور کرلیجیے۔ خط لکھیے۔

پسِ نوشت:

ایک اور لفظ بحث طلب ہے، ذرا اِس پر بھی غور کر لیجیے۔ یہ لفظ ہے 'سپنا'۔ آصفیہ میں 'سُپنا' ہے اور نوراللغات میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ صحیح بہ ضمِ اوّل ہے۔ فیلن نے بھی 'سُپنا' لکھا ہے اور 'سَپنا' کو گنوارو تلفظ بتایا ہے۔ پلیٹس نے البتہ دونوں تلفظ لکھے ہیں کسی تفریق کے بغیر اور دونوں کے دو مادّے سنسکرت کے لکھے ہیں ایک بہ ضمِ اوّل اور ایک بہ فتحِ اوّل۔

میرے سامنے باغ و بہار کے جو قدیم نسخے ہیں، اُن میں اِس لفظ پر اعراب موجود نہیں۔ البتہ مولوی عبدالحق کے نسخے میں س پر پیش لگا ہوا ہے۔ میں اِس لفظ پر اعراب نہ بھی لگاؤں (جس طرح نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں اور نسخۂ فوربس میں اعراب کے بغیر ہے) مگر ضمیمۂ تلفظ و املا میں اِس پر بحث تو لازماً کرنا ہوگی۔ ہندی والوں کو میں نے 'سُپنَن' 'سُندری' اور 'سُپنا' بولتے بارہا سنا ہے، البتہ دہلی میں جہاں تک سماعت ساتھ دیتی ہے، 'سَپنا' سننے میں آیا ہے۔ اب ذرا آپ بھی اِس پر روشنی ڈالیے''۔

رشید حسن خاں صاحب باغ و بہار کی تدوین کر رہے تھے۔ میر امن کی نثر سے اُن کا واسطہ پڑا۔ بعض مقامات پر ایسے ایسے الفاظ سے سامنا ہوتا جو اُلجھن میں ڈال دیتے تھے، اِس لیے اُن کی وضاحت کے لیے وہ دوسروں کی طرف رجوع کرتے، وہ سرسری طور پر گزر جانا نہیں چاہتے تھے۔ ملاحظہ ہو اُن کے ایک مکتوب مرقومہ ۴/نومبر ۱۹۸۸ء کا آخری ایک چھوٹا سا اقتباس، جو اُنھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین کو لکھا:

''اب ایک اور بات: میر امن نے قید خانے کے لیے 'پنڈت خانہ' لکھا ہے، متعدّد مقامات پر؛ مجھے اِس کی اصل نہیں ملتی۔ آخر پنڈت اور جیل خانہ کا تعلق کیا ہے؟ کیا آپ نے کہیں یہ لفظ (پنڈت خانہ) ان معنوں میں پڑھا ہے؟

آپ کے خط کا انتظار رہے گا''۔

اِسی ایک لفظ ''پنڈت خانہ'' کو لے کر ایک دوسرے مکتوب مرقومہ ۱۶/نومبر ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر جین کو لکھتے ہیں:

''لُغات میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ 'پنڈت خانہ' کے متعلق یہ عرض کروں کہ یہ ہر جگہ 'پنڈت خانہ' ملتا ہے، یعنی ت علاحدہ لکھی ہوئی ہے، یوں یہ

اشتباہ نہیں پیدا ہوسکتا کہ شاید یہ 'بند میخانہ' ہو۔ ایک بات اور: ابھی ایک طالبِ علم نے ایک کتاب دکھائی جو عہدِ ہمایوں کی ہے، اُس میں 'قید خانہ' کے مرادف طور پر 'پنڈت شالہ' مندرج ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہ قدیم لفظ ہے اور اِس کی اوّلین شکل 'پنڈت شالہ' تھی ('دھرم شالہ' وغیرہ کے انداز پر) بعد کو یہ 'پنڈت خانہ' بنا ہے۔ کوئی نہ کوئی نسبت ہے ضرور، آپ بھی ذہن میں رکھیے گا، میں بھی کوشش کرتا رہوں گا کہ اِس کی اصل معلوم ہوسکے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ 'میر امّن کے ذہن کی اُپج' نہیں۔ باغ و بہار کے متعدد لفظوں کے متعلق پہلے میرا خیال بھی تھا کہ وہ میر امّن کی خاص بولی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سب قدیم مستعمل لفظ ہیں''۔

خاں صاحب باغ و بہار کی تدوین مکمل کرچکے تھے۔ اب وہ اُس کا مقدمہ لکھنا چاہتے تھے، اِس کے لیے اُنھیں قصۂ چہار درویش (فارسی) کے سب سے قدیم نسخے کی ضرورت تھی جس کا حوالہ ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' (طبعِ دوم) میں دیا ہے۔ خاں صاحب اس نسخے کو دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ جین صاحب کو اپنے خط بہ تاریخ ۱۲/اپریل ۱۹۹۰ء میں لکھتے ہیں:

''یہ خط خاصی تاخیر سے لکھ رہا ہوں، حالاں کہ دریافت طلب مسئلے کے تعلق سے ذرا پہلے لکھنا چاہیے تھا۔ آپ نے اپنے ایک خط میں اب سے سال ڈیڑھ سال پہلے لکھا تھا کہ علی گڑھ یونی ورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ حبیب گنج میں قصۂ چہار درویش (فارسی) کا سب سے قدیم نسخہ ہے۔ یہی بات آپ نے اردو کی نثری داستانیں (طبعِ دوم) میں لکھی ہے۔ آپ نے سنہ بھی لکھا ہے اور عبارت کا ایک ٹکڑا بھی۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری (مرحوم) (سابق صدر شعبۂ فارسی دہلی یونی ورسٹی) نے مجھے بتایا تھا کہ علی گڑھ میں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اُن کی بیگم نے 'میر امّن دہلوی' پر پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جواب سے کچھ پہلے چھپا تھا۔ اُس میں بھی یہی بات لکھی گئی ہے کہ وہاں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اُس وقت تو بات رہ گئی، مگر اب جب میں نے باغ و بہار کے اپنے مرتبہ اڈیشن کا

مقدّمہ لکھنے کا پروگرام بنایا تو یہ مسئلہ پھر سامنے آیا۔ میں نے ایک نہایت ذمّے دار شخص کو وہاں بھیجا، اُنھوں نے پورا کتاب خانہ چھان مارا، مگر نہ حبیب گنج کلکشن میں اور نہ کسی دوسرے ذخیرے میں وہ نسخہ ملا جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ وہاں جو قدیم ترین نسخہ محفوظ ہے، وہ ۱۲۰۴ھ کا ہے۔ لائبریری کے پُرانے رجسٹروں کو بھی دیکھ لیا گیا۔

از راہِ لطف یہ بتائیے کہ کیا آپ نے بہ چشم خود اُس نسخے کو دیکھا تھا؟ یا کسی دوسرے ذریعے سے اطلاع ملی تھی؟ وہ ذریعہ کیا تھا؟ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا''۔

خاں صاحب کا تحقیق و تدوین میں ایک اصول رہا ہے، کہ جو کوئی بھی معلومات یا وضاحت اُنھوں نے جس شخص کے ذریعے حاصل کی، اُس کا حوالہ اُنھوں نے اُسی کے نام سے دیا ہے۔ ایسا بہت کم محقق کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے، اُن کے ایک مکتوب مرقومہ ۹ رمئی ۱۹۹۳ء کی عبارت، جو اُنھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین کو لکھی؛ جو ''قصہ گل بکاولی'' سے متعلق ہے جس کی اُنھیں حوالے کے لیے ضرورت تھی:

''یہ جوئی دریافت ہے؛ اِس کے متعلق یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قصہ گل بکاولی ہی ہے۔ 'شہ زین الملوک' قطعی بات نہیں۔ امکان تو یہی ہے کہ یہ وہی قصہ ہے، مگر صراحت ضروری ہے؛ اِس کے بغیر کچھ کہنا مشکل ہوگا۔ آپ از راہِ لطفِ خاص اگر گوہر نوشاہی صاحب سے یہ بات معلوم کرلیں کہ یہ وہی قصہ گل بکاولی ہے، تو مجھے اِس سے مدد ملے گی، یعنی اِس کا باضابطہ حوالہ دیا جاسکے گا۔ اِس زحمت کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر اِس کے بغیر میرا کام نہیں ہو پائے گا۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ اِس زحمت کو ضرور گوارا کرلیں گے۔ نوشاہی صاحب سے یہ کہیے کہ وہ جس قدر تفصیلات بھیجیں گے، وہ اُنھی کے الفاظ میں، اُنھی کے حوالے سے درجِ کتاب ہوں گی۔ میں اِس سلسلے میں بُخل کا ذرا بھی قائل نہیں۔ ہاں میں اُن کا شکر گزار بھی ہوں گا اور بہت''۔

خاں صاحب کی اصول پرستی اور ایمان داری کی ایک مثال اور پیش کی جارہی ہے، جو اسلم محمود صاحب نے لکھنؤ سے راقم کے نام اپنے مکتوب مرقومہ ۱۵ راگست ۲۰۰۷ء میں لکھ بھیجی ہے:

''ٹھگوں کے لغت کے سلسلے میں میں نے بہت سا بنیادی مواد اور اردو کتابوں کی فوٹو کوپیاں[۸۲] (خاص طور سے SLEEMAN کی RAMASEEANA) اُن کو فراہم کی۔ بہت ہی ایمان دار آدمی تھے اور اُنہوں[۸۳] نے مجھ سے ٹھگوں کی اردو اور انگریزی ببلیو گرافی بنانے کو کہا۔ بہت دقّت سے میں نے تیار کر کے اُنہیں[۸۴] بھیج دی۔ جب ٹھگوں کی بولی کا لغت چھپ گیا تو کاپی اُنہوں نے مجھے بھیجی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اردو والوں کے برعکس کتاب میں ببلیو گرافی میرے ہی نام سے چھپی تھی یہ اُن کا بڑا پن تھا''۔

اصل میں میں ذکر کر رہا تھا کہ خاں صاحب رائے طلب کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہی صورتِ حال اُن کے تدوینی کاموں میں رہی۔ حوالے اُنھوں نے ہمیشہ اوّلین ماخذ سے دیے، اور اِس سلسلے میں وہ مختلف حضرات کو مسلسل خط لکھتے رہتے، جب تک کہ اُن کا مسئلہ حل نہ ہو جاتا۔ بھلے ہی جواب کے لیے اُنھیں مدّتوں انتظار کیوں نہ کرنا پڑا ہو۔

خاں صاحب نے اپنے تدوینی کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہر ممکن ذریعے سے وضاحت حاصل کرنے اور رائے طلب کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کو اپنے مکتوب مرقومہ ۱۴؍ نومبر ۱۹۹۴ء میں لکھتے ہیں:

''ضروری بات:

جب بکاولی حوض میں پھول نہیں پاتی تو برہم ہوتی ہے، اُس وقت:

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام   تھی سبزے سے راست مو براندام

دوسرے مصرعے میں 'تھی' بھی پڑھ سکتے ہیں اور 'تھے' بھی یعنی یوں بھی:

تھے سبزے سے راست مو براندام

اور 'تھی' کی صورت میں زمین مبتدا ہوگئی۔ نسخۂ چکبست و نسخۂ قاضی عبدالودود میں 'تھی' ہے۔ آپ کی رائے میں مرجّح صورت کیا ہے؟ جواب جلد تر عنایت ہو''۔

خاں صاحب کو دوسروں سے کام نکلوانا خوب آتا تھا۔ وہ تب تک سامنے والے حضرت کو خط لکھتے رہتے جب تک اُنھیں کسی قدیم کتاب کا نسخہ نہ مل جاتا یا وضاحت واضح نہ ہو جاتی۔ ملاحظہ ہوں اِن کے ایک مکتوب مرقومہ ۹؍ مارچ ۱۹۹۵ء کی دو سطریں جو اُنھوں نے ڈاکٹر نیر مسعود رضوی کو لکھا:

"بھائی صاحب، دو خط لکھ چکا ہوں، جواب ندارد۔ اِسے کیا کہتے ہیں؟ میں ٹھہرا غرض مند، یوں خط نہ لکھوں گا تو کیا کروں گا؛ مگر آپ کی وضع داری پر جو حرف آئے گا، اُس کا کیا ہوگا"۔

ڈاکٹر نیر مسعود نے وقتاً فوقتاً خاں صاحب کو بہت سی قدیم کتابوں کے نسخے اور اطلاعات فراہم کیں، جس سے ان کے تحقیقی کاموں میں کافی مدد ملی۔ وہ کھلے دل سے اِس کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خط مرقومہ ۲۱؍اپریل ۱۹۹۵ء میں لکھتے ہیں:

"آپ کی بھیجی ہوئی اطلاعات آپ ہی کے الفاظ میں مع حوالہ درجِ کتاب ہوں گی، یوں کہ میر ٹھہرا سُنّی، اور سُنّی بھی پٹھان، جُلاہا نہیں، شیخ جی بھی نہیں؛ یوں ڈرتا ہوں کہ یار لوگ یہ، نہ کہیں کہ تم کیا جانو اِن اسرار و رموز کو"۔

اِس بات کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور اب تصدیق بھی ہو چکی کہ خاں صاحب حوالوں کو بھیجنے والوں کے نام کے ساتھ درجِ کتاب کیا کرتے تھے۔ اِس بات کی مزید تصدیق خاں صاحب کے خط ۳۰؍جون ۱۹۹۵ء کی ایک چھوٹی سی خوب صورت عبارت سے ہوتی ہے جو اُنھوں نے ڈاکٹر نیر مسعود کو لکھا:

"آج کی اصل بات: میں آج کل فریبِ عشق کے حواشی لکھ رہا ہوں۔ معتقداتی حوالوں سے متعلق میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر جگہ آپ کے خط کی عبارت واوین میں لکھ دی ہے مع حوالہ۔ (ایسے دس شعر ہیں) تاکہ داد ملے تو آپ کو اور بیداد ہو تو آپ پر۔ میں اہلِ دین کے جھگڑوں میں کیوں پڑوں اور پھنسوں، مجھ سے تو یہ قصہ چکایا نہ جائے گا۔ ٹھیک کہا نا"۔

متذکرہ بالا "تھی" اور "تھے" جیسے الفاظ کی قرائتوں سے متعلق دوسروں سے وضاحت طلب کرنا صرف خاں صاحب کی شخصیت کا امتیازی اصول اور وسیع القلبی رہی ہے، ورنہ عموماً محقق ایسی باتوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں، کیوں کہ ایسا کرنا وہ اپنی اَنا کے خلاف تصوّر کرتے ہیں۔

چوتھی قسم کے خطوط

اِس سے قبل راقم نے خاں صاحب کے مکتوبات کی تین اقسام کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کے مکتوبات کو ایک اور شق میں درج کرتے ہیں، جو اُنھوں نے مختلف نسخوں کی ترتیب و تدوین کے دوران قدیم مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے حاصل کرنے کے

لیے مختلف اوقات میں مختلف حضرات کو تحریر کیے ہیں۔ اِن مکتوبات سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ وہ کون سا نسخہ کب مرتب کر رہے تھے، اُنھیں کن کن قدیم نسخوں کی ضرورت تھی اور مستقبل میں اُن کے پلان کیا تھے۔

خاں صاحب خواجہ میر دردؔ کے دیوان کو مرتب کر رہے تھے، اُنھیں میر دردؔ کے دیوان کا قدیم ترین مطبوعہ اڈیشن چاہیے تھا، اِس کے لیے وہ عبدالرزاق قریشی اڈیٹر سہ ماہی ''نوائے ادب'' کو اپنے مکتوب مرقومہ ۲۶؍مئی ۱۹۶۹ء میں لکھتے ہیں:

> ''ہاں بھائی! ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ خواجہ میر دردؔ کے دیوان کا کوئی قدیم ترین مطبوعہ اڈیشن وہاں ہے اور اگر ہے تو کِس سنہ کا ہے۔ سخت ضرورت ہے۔ اور کیا آبِ حیات کا دوسرا اڈیشن کہیں دیکھنے کو مل سکتا ہے۔ آپ کے علم میں ہے؟ اِن دونوں امور کا جواب مطلوب ہے''۔

بعد میں ''دیوان خواجہ میر درد''، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔

خاں صاحب، خلیق انجم صاحب کو اپنے مکتوب مرقومہ ۱۴؍جولائی ۱۹۸۶ء میں، جب وہ ''باغ و بہار'' مرتب کر رہے ہوتے ہیں، لکھتے ہیں:

> ''میں نے باغ و بہار (نسخہ فورٹ ولیم کالج کے متعلق یہ کہا تھا کہ اُس کے آخر میں گلکرسٹ[۸۵] کا جو انگریزی پیش لفظ تھا، وہ نسخۂ انجمن میں موجود نہیں، صرف ایک صفحہ رہ گیا ہے، باقی حصہ ساقط ہوگیا ہے۔ لندن میں کِسی کو لکھ کر اُس کی فوٹو کاپی منگا دیجیے، میرے بھی کام آئے گی اور وہی کاپی نسخۂ انجمن میں شامل کردی جائے گی، اِس طرح یہ آپ کا نسخہ بھی مکمل ہوجائے گا، وعدہ کیا تھا مگر آپ بھول گئے''۔

خط کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر لندن سے نسخے کے آخری اوراق کی فوٹو کاپی آجاتی ہے تو اِس سے خاں صاحب کا کام بھی چل جائے گا اور انجمن میں جو نامکمل نسخہ ہے وہ بھی مکمل ہوجائے گا۔

اِسی سلسلے کا ایک خط خاں صاحب نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کو ۶؍اگست ۱۹۸۷ء کو لاہور، پاکستان کے پتے پر لکھا، نسخۂ فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے متعلق جو کہ نستعلیق میں چھپا تھا:

> ''سہیل بخاری صاحب کے یہاں سے اگر کچھ اطلاع ملی ہو تو مطلع فرمایئے۔ چشم براہ ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا مجھے صرف اُس نسخے

کے آخری صفحوں کے عکس کی ضرورت ہے، جن میں گل کرسٹ[۸۶] کا پیش لفظ ہے۔ یہ انگریزی میں ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے، اُس میں اِس پیش لفظ کا صرف ایک صفحہ ہے باقی صفحے (دو یا تین اندازاً) غائب ہیں"۔

خاں صاحب کو دیکھیے کہ وہ فورٹ ولیم کالج کلکتے کے نسخے کے آخری دو تین صفحات کے لیے کس طرح مختلف اطراف میں کاغذی گھوڑے دوڑا رہے ہیں تاکہ کہیں سے یہ صفحات اُنھیں مل جائیں اور اُن کا کام آگے بڑھے۔

خاں صاحب نے باغ و بہار کو مرتب کرنے کا کام کب شروع کیا وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اپنے ایک خط[۸۷] میں پروفیسر نیّر مسعود رضوی کو لکھتے ہیں: میں نے باغ و بہار کے سلسلے میں ہندی مینول کی تلاش میں مکمل ۲۰ سال تک صبر کیا اور تلاش کرتا رہا۔ آخر کو مل گیا؛ جب کہ سب کو اِس کا یقین آچکا تھا کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ جب تک وہ مل نہیں گیا، باغ و بہار کے متن کو مرتب نہیں کیا"۔ ہاں اُن کے ایک خط مرقومہ ۲۲رفروری ۱۹۸۷ء سے اِس بات کا سراغ ملتا ہے کہ انھوں نے باغ و بہار کو مرتب کرنے کا کام ۱۹۸۵ء میں شروع کیا۔ وہ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں (لکچرر شعبۂ اردو مظفر پور یونی ورسٹی، بہار) کو لکھتے ہیں:

> "آج کل باغ و بہار زیرِ ترتیب ہے۔ پچھلے تین برسوں سے اِسی ایک کام کو کررہا ہوں۔ جب آپ یہاں آئیں گے تو اُسے دیکھ سکیں گے، اور خوش ہوں گے"۔

اگر خاں صاحب کے ۲۲رفروری ۱۹۸۷ء والے خط کو بنیاد مان لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے مسلسل ۷ سال باغ و بہار کو ترتیب دینے میں صرف کیے، اور ۲۰ سال کا وہ عرصہ جو اُنھوں نے ہندی مینول کی تلاش میں گزارا، الگ سے ہے۔ اِن شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ تحقیق و تدوینی کاموں کے لیے صبر و تحمل کی جو شرط ہے، وہ آج ناپید ہے۔

باغ و بہار بہ یک وقت انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی اور انجمن ترقّی اردو لاہور سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی، اِسی سال انھوں نے مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین کا کام شروع کردیا۔

خاں صاحب کے خطوط کے مطالعے سے ہمیں اِس بات کا پتا چلتا ہے کہ گلزارِ نسیم کا کام (جس میں ترتیب و تدوین، کمپوزنگ اور تصحیح شامل ہیں) ۳۱ردسمبر ۱۹۹۴ء تک مکمل ہو چکا تھا۔[۸۸] وہ یکم جنوری ۱۹۹۵ء کے خط میں پروفیسر نیّر مسعود رضوی کو اِس بات کی خبر دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "آج گلزارِ نسیم چھپنے کے لیے چلی گئی۔ آخری صفحے کا نمبر شمار ۲۴۷ ہے۔

اِس میں ۱۲۳ صفحے فارسی متن کے بھی شامل ہیں''۔

اِن کے خطوط کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ گلزارِ نسیم کو مرتب کر رہے تھے تو اُسی دوران اِن کے مضامین کا مجموعہ تفہیم دو مختصر سی کتابیں انشا اور تلفظ و عبارت کیسے لکھیں اور انشاے غالب (جو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی ایک نا تمام تصنیف تھی اور جسے ''عرضِ مرتب'' کے ساتھ خاں صاحب نے مکتبہ جامعہ کو چھپنے کے لیے دیا تھا) بالترتیب ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئیں (آخری تینوں)۔

خاں صاحب کے خط مرقومۂ ۲۶ رستمبر ۱۹۹۴ء سے ایک نیا انکشاف ہوتا ہے، جو اُنھوں نے اسلم محمود صاحب کو لکھا:

''گلزارِ نسیم کے بعد میں نے اردو کے قدیم ترین لُغت (یعنی کسی ہندستانی کا مرتب کیا ہوا لُغت) سے متعلق کچھ کام شروع کیا تھا اور اِس سلسلے میں مولوی عبدالواسع ہانسوی (ہانسی، ہریانہ) کے لُغت غرائب اللّغات کو مرتب کرنے کا ڈول ڈالا تھا۔ یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ بیچ میں یہ کام رُک گیا، مہینے دو مہینے میں اِسے شروع کر سکوں گا''۔

لیکن ایسا نہیں ہوا —— جس دن گلزارِ نسیم چھپنے کے لیے چلی گئی اُسی دن شام کو خاں صاحب نے ''مثنویاتِ شوق'' کو مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ وہ ایک دن تو کیا آدھا دن بھی بے کار بیٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ وقت کی قدر جانتے تھے۔ اُن کے ذہن نے مستقبل کے لیے کچھ پلان ترتیب دے رکھے تھے۔

مثنویاتِ شوق کے بعد سحر البیان، املاے غالب، مصطلحاتِ ٹھگی، زٹل نامہ، کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلد اوّل) اور گنجینۂ معانی کا طلسم جیسے شاہکار ایک کے بعد ایک منظرِ عام پر آتے گئے۔ یہاں تک کہ خاں صاحب نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (لاہور) کے اشتراک سے اقبال کے اردو کلام کو مرتب کرنے کا کام بھی شروع کر دیا اور کچھ صفحات مکمل بھی کر ڈالے، لیکن غرائب اللّغات کا کام پسِ پشت پڑتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ خاں صاحب نے اِس جہانِ فانی سے سفرِ آخرت اختیار کر لیا۔ اب شاید یہ کام اشاعت کے مراحل سے کبھی نہیں گزر پائے گا۔

راقم اِس سال ۱۵ر جولائی ۲۰۰۸ء کو بعد دو پہر اُن کے دولت کدے پر پہنچا۔ گھر کے افراد میرے انتظار میں تھے۔ اُنھیں میرے آنے کی اطلاع پہلے مل چکی تھی۔ کھانے کے بعد اُن کا چھوٹا بیٹا خالد اور میں اُن کے مزار پر حاضری دینے گئے۔ واپس آکر اُن کے کُتب خانے میں بیٹھے وہاں

ہر کتاب صاف ستھری ویسی ہی رکھی تھی جیسی پہلے ترتیب دے رکھی تھیں۔ اُن کی لکھنے کی میز پر ہر چیز وہاں ہی موجود تھی جہاں اُنھوں نے اُنھیں اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ کارڈ بورڈ پر پُرانے کاغذ کے ٹکڑوں پر غرائب اللغات کے اُن سبھی نسخوں کے عکس سے متعلق نوٹ درج تھے جو اُنھوں نے حاصل کر لیے تھے، سوائے نسخۂ رام پور کے جس کے لیے اُنھوں نے خط لکھ دیا تھا۔

خاں صاحب نے اپنے خطوط میں اِس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ امراو جان ادا اور قصائدِ سودا کو بھی مرتب کرنا چاہتے ہیں، شرط یہ ہے کہ اِن کے بھی قدیم نسخے اُنھیں دستیاب ہو سکیں۔ مگر ایسا ہو نہیں سکا۔ اُن کے پلان میں نظیر اور انیس کے کلام کا اشاریہ بنانا بھی شامل تھا۔

پانچویں قسم کے خطوط

اب ذیل میں ہم خاں صاحب کے اُن خطوط کا ذکر کرتے ہیں جو اُنھوں نے پروفیسر نیّر مسعود رضوی کی دونوں بیٹیوں صائمہ اور ثمرہ کو گاہے گاہے لکھے ہیں۔ اِن خطوط کو لکھتے وقت خاں صاحب نے اپنے اندر کے ادبی محقق اور نقاد کو نکال باہر رکھ دیا ہے۔ اور ایک شفیق بزرگ کی طرح بچیوں کی سطح پر آگئے ہیں۔ خاں صاحب ۱۹۵۹ء میں دہلی آگئے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اہلِ خانہ اور بچوں کو ضرور خط لکھے ہوں گے۔ باوجود کوشش کے اُن کے بیٹوں سے جواب ملا کے اُن کا کوئی خط ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے۔ راقم نے بہ ذریعۂ خط پروفیسر نیّر مسعود سے رابطہ قائم کیا اور اُن کے اور اُن کی بچیوں کے نام کے خطوط کے عکس روانہ کرنے کی درخواست کی۔ ہر بار اپنی صحت کو لے کر معذرت کر لی۔ ذیل میں اُن کے آخری خط کا متن پیش کیا جا رہا ہے جو اُنھوں نے راقم کے نام ۲۲؍دسمبر ۲۰۰۷ء کو ادبستان، دین دیال روڈ، لکھنؤ-۲۲۶۰۰۳ سے تحریر کیا ہے:

”رینا صاحب! آداب عرض

میں نے اپنے نام آنے والے سارے خطوط انجمن کو دینے کے لیے پیک کر دیے ہیں۔ اِن میں جناب رشید حسن خاں کے بھی کُل خطوط ہیں، وہ بھی جو اُنھوں نے میری بچیوں کو لکھے تھے۔ خطوط کا بوجھ تین چار کلو سے کم نہ ہوگا۔ میں نے خلیق انجم صاحب کو لکھا ہے کہ اِس پورے بوجھ کو وہ کسی ذریعے سے منگوا لیں۔ میں خود اُنھیں بھیجنے کا انتظام نہیں کر سکتا۔

میرے پاس اب کسی کا کوئی خط نہیں ہے۔

اب آپ انجمن سے رابطہ کریں۔

آپ کا

نیرّ مسعود"

نیرّ مسعود صاحب کے نام، خاں صاحب کے ۵۶ خطوط سہ ماہی "اردو ادب" بابت ماہ جنوری، فروری اور مارچ ۲۰۰۷ء کے شمارے میں صفحہ ۱۹۷ تا ۲۴۶ بعنوان "رشید حسن خاں خطوں کے آئینے میں (رشید حسن خاں کے خط نیرّ مسعود کے نام)" شائع ہوئے ہیں، جن کے آخر میں اڈیٹر جناب اسلم پرویز کا یہ نوٹ بھی شامل ہے:

> "ان خطوط میں خال خال ایسے مقامات آئے ہیں جہاں خاں صاحب کے قلم سے کچھ ایسے بے تکلف جملے نکل گئے ہیں جنھیں مصلحتاً حذف کر دینا ضروری تھا۔ تاہم اِن خطوں کی اصل میں وہ جملے بدستور موجود اور محفوظ ہیں۔ ان میں بیشتر خطوط تو وہ ہیں جن کی نقول نیرّ صاحب کے مضمون میں شامل ہیں اور کچھ خطوط ایسے ہیں جو انجمن کے آرکائیوز سے لے کر شامل کیے گئے۔ اڈیٹر"

راقم نے انجمن کے آرکائیوز سے کچھ خطوط کے عکس حاصل کیے ہیں۔ اُن کا مقابلہ سہ ماہی "اردو ادب" میں شائع ہونے والے خطوں سے کیا۔ جن مقامات کو حذف کیا گیا تھا اُنھیں دُرست کر لیا گیا۔ مگر سبھی خطوط کے اصل آرکائیوز میں موجود نہیں ہیں۔

اِن باتوں کو یہاں پیش کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ میں جن خطوط کی مثالیں پیش کر رہا ہوں، وہ نیرّ صاحب کی بچیوں کے نام کے خطوط ہیں جنھیں نیرّ صاحب نے "خانُ چاچا (رشید حسن خاں)" کے عنوان سے "ایک شمارہ رشید حسن خاں کے نام" نیا دور، لکھنؤ بابت ماہ دسمبر ۲۰۰۷ء میں شائع کروایا ہے تا کہ کہیں حذف و اضافے کی بات آئے تو مجھے اِن باتوں سے الگ سمجھا جائے۔

اِن خطوط کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شفیق باپ اپنی بیٹیوں سے مخاطب ہو رہا ہے۔ بات دُرست بھی ہے، صائمہ کو اُنھوں نے واقعی بیٹی مان لیا تھا۔ اِس کی شہادت نیرّ مسعود صاحب کی یہ عبارت ہے:

> "صائمہ کی بیماری طول کھنچ گئی تھی۔ ایک بار اِس کی حالت کچھ زیادہ بگڑ گئی، بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے غفلت سے چونک کر کہا: ہمیں خان چاچا کے پاس بھیج دیجیے۔ جب خاں صاحب کو میں نے یہ واقعہ بتایا تو اُنھوں نے صائمہ کو بیٹی بنا لیا اور مجھے لکھا:

’صائمہ اب ٹھیک ہیں، اِس سے بے حد مسرّت ہوئی۔ خود آکر اِن کی ضدیں دیکھوں گا‘۔‘‘ ۵۹؎

نیّر صاحب کی چھوٹی بیٹی ثمرہ دس سال کی ہے، دیکھیے خاں صاحب اُسے کس طرح خط لکھتے ہیں۔ پڑھیے اور تحریر کا مزا لیجیے:

’’۸رجنوری ۱۹۹۷ء

ثمرہ بیٹی کو بہت سی دُعائیں۔ نیا سال مبارک۔

تمھارا بہت پیارا خط ملا۔ پڑھ کر میرا جی بہت خوش ہوا۔ تم نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ جیتی رہو اور خوش رہو۔ تمھاری سال گرہ پر تم کو بہت سے تحفے ملے، اِس کا حال پڑھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ میں تو وہاں تھا نہیں اور تم نے مجھے سال گرہ کا بتایا بھی نہیں، ورنہ میں بھی کوئی تحفہ دیتا۔ سال گرہ تو نکل گئی اب تو وہ ایک سال بعد آئے گی۔ مگر عید آنے والی ہے۔ تمھاری عیدی کے -/۲۰ اِس لفافے میں رکھ دیے ہیں۔ اِنھیں اپنے پاس رکھنا اور اپنی امی کو نہ دینا۔ نہیں تو وہ بینک میں جمع کر دیں گی۔

اِس گھر میں ہماری ایک اور بھتیجی بھی تھی۔ نام تھا صائمہ تم اِن کو جانتی ہو؟ اِن سے تمھاری ملاقات ہوتی ہے؟ اگر کسی دن ملاقات ہو تو میری طرف سے بہت سی دُعائیں پہنچا دینا۔ تمھارے ایسے ہی پیارے سے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں‘‘

خط کی تحریر بالکل سادہ، صاف اور رواں ہے۔ دس سال کی بچی اِسے آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتی ہے۔ اِس تحریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ خط شاہ جہاں پور سے لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد ۱۹۹۶ء میں خاں صاحب دہلی سے یہاں منتقل ہو گئے تھے۔ اب نیّر صاحب کی بڑی بیٹی صائمہ کے نام کا خط ملاحظہ فرمائیں:

’’۱۳رجنوری ۱۹۹۸ء

پیاری بیٹی صائمہ کو دُعائیں۔

آج ہی تمھارا بھیجا ہوا کارڈ ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ تم کیسی ہو؟ پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟ تمھارا تو نام ہی ’صائمہ‘ ۶۰؎ ہے۔ یوں تم تو روزے ضرور رکھ رہی

ہوگی۔ اب تو سردی کا موسم ہے۔ روزے رکھنا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔
اللہ میاں تو بہت اچھے اور مہربان ہیں، اسی لیے انھوں نے اپنے بندوں کو بہت سی آسانیاں دی ہیں۔ خاص کر بچّوں اور لڑکیوں کو، کہ وہ روزہ رکھ کر بھی چائے پی سکتی ہیں اور سب سے چھپ کر پانی بھی پی سکتی ہیں۔ بس کھانا نہیں کھا سکتیں۔ ہاں لڑائی جھگڑا کرنے پر پابندی ہے۔ مگر مار پیٹ پر کچھ پابندی نہیں۔

اور ہاں، تم نے کیا مضمون لکھنا اور کہانی لکھنا چھوڑ دیا ہے؟ تم نے اِدھر میرے پاس اپنی لکھی ہوئی کوئی چیز بھیجی نہیں۔ مجھے تو بہت انتظار رہتا ہے۔ کہانیاں لکھنا بہت اچھی بات ہے۔ اب جب کوئی مضمون یا کہانی لکھنا تو مجھے ضرور اطلاع دینا مجھے اِس سے بہت خوشی ہوگی۔ بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔[91]

رشید حسن خاں"

دیکھیے خاں صاحب بچّی سے کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اُسے کہتے ہیں "تمھارا تو نام ہی صائمہ ہے" یعنی روزہ، اِس لیے تم روزے تو رکھ رہی ہوگی۔ اور روزے رکھنا کوئی مشکل بھی نہیں کیوں کہ اب موسم سردی کا ہے۔ دوسری طرف اُسے باتوں ہی باتوں میں اللہ میاں کا سہارا لے کر چپکے سے چائے اور پانی کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہاں تک ہی بس نہیں بل کہ مار پیٹ کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ بچیاں نازک ہوتی ہیں اور وہ روزوں کی سختیاں برداشت نہیں کرسکتیں۔ یہ اِن کی شخصیت وفن کا کمال ہے کہ وہ کس مقام سے کس سطح تک نیچے اُتر آئے ہیں۔ حقیقتاً اُن کے دل میں بچیوں کے تئیں شفقت اور پیار کا جذبہ موجزن ہے۔

اب ان کا ایک اور خط ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا ہے۔ صائمہ کی شادی دہلی میں ہوچکی ہے اُس کے ہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوچکا ہے۔ دونوں نے نئے سال کا خط لکھنؤ سے لکھا اور اُنھوں نے لکھنؤ ہی کے پتے پر جواب تحریر کیا:

"۱۲؍جنوری ۲۰۰۵ء

پیاری بیٹیوں صائمہ اور ثمرہ کو بہت بہت دُعائیں۔

میں کئی دن سے سوچ رہا تھا کہ اب کے صائمہ نے بھلا ہی دیا اور ثمرہ نے بھی انھی کا ساتھ دیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہر سال

کے شروع ہی میں آنکھیں دروازے پر لگی رہتی ہیں کہ صائمہ اور ثمرہ کا لفافہ آتا ہی ہوگا جو اِس قدر خوب صورت ہوگا کہ اِسے دیکھتے ہی آنکھوں کی رشنی بڑھ جائے گی۔ کئی دن گزر گئے اور کوئی ایسا لفافہ نہیں آیا جسے دور ہی سے دیکھ کر آنکھیں پکار اٹھیں کہ اسے تو ہماری بیٹیوں نے بھیجا ہے۔ سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ پھر اچانک کل ۱۱ر جنوری کو وہ لفافہ آگیا۔ جی خوش ہوگیا اِسے دیکھتے ہی۔ دل سے دُعا نکلی کہ تم دونوں ہمیشہ خوش وخرم رہو۔ یہ سال بھی خوشی کا پیغام لانے والا بن جائے اور ہر سال زندگی میں کامیابی اور مسرّت کا اضافہ کرتا رہے۔ اپنی امی سے بھی میرا سلام کہو۔ بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔[۹۲]

رشید حسن خاں''

نیّر صاحب کی دوسری بیٹی ثمرہ کی شادی لکھنؤ ہی میں ہوچکی تھی۔ دونوں بیٹیوں نے ہر سال کی طرح دہلی اور لکھنؤ سے اِنھیں نئے سال کے کارڈ اور خط بھیجے۔ صائمہ کا لفافہ واپس آگیا اور ثمرہ کا جواب۔ نیّر صاحب لکھتے ہیں:

''اِس سال ۲۰۰۶ء میں ثمرہ نے لکھنؤ سے اور صائمہ نے دہلی سے خاں صاحب کو تہنیتی کارڈ بھیجے۔ ثمرہ کے کارڈ کا جواب آگیا (صائمہ کا لفافہ معلوم نہیں کیوں اِس کے پتے پر واپس آگیا)۔ ثمرہ کے نام خط میں ان کی تحریر ذرا بگڑی ہوئی ہے۔ اپنا نام بھی اِنھوں نے خلافِ معمول پورا نہیں لکھا۔ خط حسبِ ذیل ہے:

۶ر جنوری ۲۰۰۶ء

پیاری بیٹی ثمرہ! ہمیشہ خوش رہو۔[۹۳]

پرسوں تمھارا بھیجا ہوا بہت خوب صورت کارڈ ملا۔ بہت جی خوش ہوا۔ دل سے دُعا نکلی کہ تم ہمیشہ خوش وخرّم اور بامراد رہو۔ میری طرف سے بھی نیا سال تم کو اور گھر کے سب لوگوں کو مبارک ہو۔ دعا یہ ہے کہ آنے والا سال پچھلے سال کی طرح نہ ہو۔

صائمہ کہاں ہیں؟ اِن کو میں نے اب کے بہت یاد کیا۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ تم اور صائمہ دونوں اپنے متعلقین کے ساتھ عافیت کے ساتھ

رہو اور اپنی امّی اور اپنے ابّا سے میرا سلام کہو۔

تمھارا چاچا رشید حسن"

اب نیّر صاحب کے مضمون کا آخری اقتباس پڑھ لیجیے:

"یہ خط لکھنے کے ایک مہینہ بیس دن بعد رشید حسن خاں کی وفات ہوگئی۔ واقعی یہ سال پچھلے سال کی طرح نہیں ہے۔ وہ سال جس میں رشید حسن خاں نہ ہوں پچھلے سال کی طرح کیوں کر ہو سکتا ہے۔

خود میرے نام رشید حسن خاں کے بہت سے دل چسپ، بے تکلفانہ اور عالمانہ خطوط ہیں۔ اِس طرح کے خط اور بھی بہتوں کے نام ہوں گے لیکن یہ خط جو خان چاچا نے اپنی بھتیجیوں کو لکھے ہیں، مجھے اِن کے عام خطوں سے زیادہ عزیز ہیں"۔[۹۴]

اِن خطوط کے مطالعے سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو شخص اپنی سخت گیری کے لیے پوری ادبی دنیا میں مشہور تھا اِس کے سینے میں بھی ایک دھڑکتا ہوا دل تھا جس میں شفقت تھی، پیار تھا، ہمدردی تھی اور سال بھر معصوموں کے لفافے کا انتظار رہتا تھا۔

خاں صاحب بچیوں کو اکثر خط ہندی میں لکھا کرتے تھے اور وہ بھی ہندی میں جواب دیا کرتی تھیں۔ اِس کا ثبوت ہمیں خاں صاحب کے ۱۳رمئی ۱۹۹۵ء کے خط سے ملتا ہے جو انھوں نے نیّر مسعود صاحب کی خدمت میں لکھا:

"بڑی بچّی کے بخار کا احوال پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ خداے پاک (اگر وہ ہے کہیں) اِس پیاری بچّی کو جلد تر شفا دے۔ صائمہ کو دُعائیں۔ اُس سے کہیے کہ قومی زبان ہندی میں خط لکھیں۔ میں بھی ہندی میں جواب لکھ دوں گا (غلط سلط ہندی میں سہی) اُن سے باتیں تو ہو جائیں گی"۔

اِس بات کی مزید تصدیق ۳۰رجون ۱۹۹۵ء کے خط سے ہوتی ہے جو انھوں نے نیّر صاحب کو تحریر کیا:

"صائمہ کو خط مل گیا ہوگا۔ ہندی میں لکھا تھا تا کہ آپ پڑھ ہی نہ پائیں"۔

اِن دو جملوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیّر مسعود صاحب ہندی نہیں جانتے تھے، بچیوں اور خاں صاحب کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہندی میں ہوتا تھا۔

اِن کے خطوط کے مطالعے سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ عربی، فارسی، اردو، ہندی (لکھنے پڑھنے کی حد تک ہی سہی) اور انگریزی زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے۔

خاں صاحب کے خطوط زیادہ تر ادبی مسائل سے پُر ہیں، ایسے خشک مسائل سے ذہن کو ہٹانے کے لیے کبھی کبھی ایسی تحریروں کا سہارا بھی لے لیتے تھے۔ مثلاً ۲۱ر اپریل ۱۹۹۵ء میں نیّر مسعود صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آپ کی بھیجی ہوئی اطلاعات آپ ہی کے الفاظ میں مع حوالہ درج کتاب ہوں گی، یوں کہ میں ٹھہرا سنّی، اور سنّی بھی پٹھان، جُلاہا نہیں، شیخ جی بھی نہیں، یوں ڈرتا ہوں کہ یار لوگ یہ نہ کہیں کہ تم کیا جانو اِن اسرار و رموز کو۔ باغ و بہار میں میر امّن کے لیے میں نے لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے۔ مجاور حسین صاحب نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ شیعہ اثنا عشری لکھنا چاہیے تھا اور شیعہ حضرات کے اقسام لکھے۔ اب بھلا میں اِن باتوں کو کیسے جان سکتا تھا"۔

اِسی خط کے آخری حصے کی یہ تحریر ملاحظہ کیجیے اور لطف لیجیے:

"پرسوں ایک لطیفہ پڑھا تھا کسی رسالے میں۔ آپ بھی سن لیجیے (اگر نہ سنا ہو): چند عورتیں محوِ گفتگو تھیں۔ ایک نے کہا: بہن! جنّت میں مردوں کو تو حوریں ملیں گی، ہمیں تمھیں کیا ملے گا؟ دوسری نے کہا: ہمیں کیا ملے گا، وہی ہمارے مردوے ہوں گے۔ پہلی نے کہا: تو پھر جنّت میں جانے سے کیا فائدہ؟ جواب فی الفور عنایت ہو"۔

خاں صاحب کو "امراؤ جان" کے نسخے کی تلاش تھی۔ اُنھیں پتا چلا کہ قمر صاحب کے پاس یہ نسخہ ہے۔ اُنھوں نے خلیق انجم صاحب کو خط لکھا کہ وہ اُن سے دریافت کریں۔ قمر صاحب نے صاف انکار کر دیا، وہ خلیق انجم صاحب کو خط لکھتے ہیں:

"آپ آغا صاحب کا کچھ بگاڑ سکے تھے؟ نہیں نا، سو ہی احوال اب میرا ہے کہیں اور دیکھوں گا۔ آپ بھی توجہ کیجیے"۔

خط کے آخر میں نام کے بعد لکھتے ہیں:

"اُس مردود نے انکار کر کے اپنے علاقے کی روایت کی پاس داری کا حق ادا کیا ہے۔ مرتے وقت وہ اوندھا پڑا ہوگا اور شیطان اُس کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو جنّت میں بار پالینے والے ایرانی وہاں کے غلمانوں کے ساتھ کریں گے۔ آپ بھی آمین کہیے ایک بار نہیں، تین بار"۔

خاں صاحب کا قول ہے کہ تحقیق میں صبر اور سچی لگن کی ضرورت ہے۔ جو آج کل کے لوگوں میں ناپید ہے۔ وہ ہر کام کو جلد از جلد کرنا چاہتے ہیں بل کہ بھگتنا چاہتے ہیں۔ پروفیسر نیر مسعود رضوی کو اپنے مکتوب ۲۵ / جولائی ۱۹۹۵ء میں تحریر کرتے ہیں:

''میں نے باغ و بہار کے سلسلے میں ہندی مینول کی تلاش میں مکمل ۲۰ سال تک صبر کیا اور تلاش کرتا رہا۔ آخر کو مل گیا؛ جب کہ سب کو اِس کا یقین آچکا تھا کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ جب تک وہ مل نہیں گیا، باغ و بہار کے متن کو مرتب نہیں کیا۔ اب ہر شخص ڈاکٹر محمد حسن اور شاہ عبدالسلام بن گیا ہے۔ کہاں کا صبر اور کہاں کی تلاش اور کاہے کی لگن۔ کام ایسے کرو جیسے چونّی مار کا رنڈی کے ساتھ بُرا کام کیا جاتا ہے اور بہ قولِ نظیر:

ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اگر ڈیرے دار طوائف ان کے زمانے میں ہوتی تو یہ لوگ اور ایسے لوگ تو اُس کے ساتھ جنسی روابط کے آداب کی بھی تاب نہیں لا سکتے تھے''۔

کبھی کبھی اِسی لے میں اِن سے آگے کے بے تکلفانہ جملے بھی لکھ جاتے تھے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اِن کے خطوط میں کہیں کہیں ایسی تحریریں بھی نظر سے گزر جاتی ہیں جنھیں ہم روایت سے انحراف کرنا بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۶ / مئی ۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر عابد پیشاوری کو لکھتے ہیں:

''بھائی میرے!

خط ملا، معِ مبارک بادِ عید۔ شکریہ۔

تفصیل معلوم ہوئی، لیکن اُس مصیبت اور زحمت کا میں یہاں بیٹھ کر ذرا بھی اندازہ نہیں کر سکتا جو آپ کو اُٹھانا پڑی ہے اور اُٹھانا پڑ رہی ہوگی۔ اور کیا کہوں، خدا آپ کو اِس کی جزا دے گا اور موتی کے محل اور حوریں عطا کرے گا (اگر یہ سب کہیں موجود ہے)۔ اِس جنم میں آپ ہر لحاظ سے پریشان خاطر رہے ہیں، اِس لیے یہ تو لازم ہے کہ اگلا جنم اِس سے بہتر ہوگا، اور یوں آپ جنّتی بن جائیں گے۔ دل کے بہلانے کو ہی یہ خیال اچھا سہی، مگر پھر آدمی اور کرے بھی کیا!

میں جب اپنے اردگرد کے مادر زاد منافقوں کو اور بے تہ کچ پیندیوں کو

دیکھتا ہوں اور بھرتا بھگتتا ہوں، تب آپ کی بے لوث محبت اور بے کراں خلوص کا دل کو اندازہ سا ہوتا ہے؛ مگر صحیح طور پر اندازہ کیسے ہوگا۔ میں معترف ہوں اور احسان مند‘‘۔

خاں صاحب کے خطوط میں ہمیں مزاح کا پہلو کہیں نظر نہیں آتا، البتہ طنز کی ہلکی سی جھلک کہیں کہیں دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ جب سے وہ دہلی میں وارد ہوئے اور ادبی دنیا کے اُفق پر چمکنا شروع ہوئے، اُنھوں نے تہذیبی روایات کی سختی سے پابندی کی؛ مگر کبھی کبھی اُن کا قلم اِن روایات کی حدوں سے تجاوز کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اِس کی وجہ بے جا مصلحت کوشی و بے جا مروّت سے اُن کی کنارہ کشی تھی۔ وہ ایک مکتوب میں پروفیسر شارب ردولوی اور اُن کی بیگم پروفیسر شمیم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

’’میں بھی بندۂ مروّت ہوں، مگر مجہول مروّت سے بے تعلق اور سچی مروّت کا پرستار‘‘۔[۹۵]

ادب و تحقیقی معاملات میں حقیقت سے انحراف اُنھیں قطعی پسند نہیں تھا (ذاتی معاملات میں وہ بھی کبھی اپنے آپ پر ضبط کر لیتے تھے)۔ فیض کی شاعری ہو، جمیل جالبی کی تاریخِ ادبِ اردو ہو، علی گڑھ کی تاریخِ ادبِ اردو ہو یا مالک رام صاحب کا مرتّب کیا ہوا دیوانِ غالب کا صدی اڈیشن، اُن کا قلم بے اختیاری سے آگے بڑھ جاتا تھا۔ اُس وقت وہ کسی کے شخصی مرتبے سے متاثر ہوئے بغیر حقیقت اور سچائی کو سامنے لاکر رکھ دیتے تھے، چاہے اِس کے لیے اُنھیں کتنا ہی ذاتی نقصان کیوں نہ برداشت کرنا پڑا ہو۔ اُن کے مکتوبات میں ہمیں سینکڑوں ایسی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

خاں صاحب نے اپنے ہم عصروں کو ایسے خط بھی لکھے ہیں، جن میں نہ تو اُن کو کوئی ادبی رائے دی گئی، نہ اُن سے کوئی ادبی رائے طلب کی گئی اور نہ ہی کسی ادبی مسئلے پر کوئی گفتگو کی گئی، بس معمولی سی روزمرّہ کی باتیں لکھ دی ہیں۔ ۵؍ستمبر ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹر عابد پیشاوری کو اپنے مختصر خط میں لکھتے ہیں:

’’برادرم!

کیا احوال ہے؟ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہاں حالات معمول کے مطابق ہیں، ایسی کوئی بات نہیں جو لکھنے کے لائق ہو۔ بچّی کیسی ہے اور اُس آفتِ جاں کا احوال کیا ہے؟ یہ نوشتۂ تقدیر بھی خوب ہے۔ ہائے غالبؔ، کیا شعر کہا ہے:

بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر، دابتے ہیں راہ زن کے پانو

میری آنکھوں کا بھی وہی احوال ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔

رشید حسن خاں"

خاں صاحب نے ملازمت سے وظیفہ پانے کے بعد اپنے کتب خانے کا بڑا حصّہ جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کو بیچ دیا تھا۔ وہ اتنے بڑے ذخیرے کو شاہ جہان پور ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ اُن کے پاس وہاں جگہ کی تنگی تھی۔ اِسی سلسلے میں خاں صاحب نے ڈاکٹر عابد پیشاوری کو چند خط لکھے جو اُس وقت صدرِ شعبۂ اردو تھے۔ اِن میں سے کچھ بالکل کاروباری نوعیت کے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے ۱۲؍مارچ ۱۹۹۰ء کا کچھ حصّہ:

"برادرم!

آپ کا تار ملا تھا، مگر اُس میں جس خط کے لیے لکھا تھا، کہ آ رہا ہے، وہ آج کے دن تک نہیں پہنچا۔ ۹؍مارچ کو میں سیمانت کے دفتر خود گیا تھا۔ آج یعنی ۱۲؍مارچ کو اُن کا لڑکا آ کر سب کتابیں لے گیا، آپ کی فہرستوں کے ساتھ۔ یہ کہا ہے کہ وہ کل ہی انھیں ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے بھیج دیں گے اور بل مع فہرستوں کے اُس خاص ڈاک سے بھیج دیں گے جس میں ۲۴ گھنٹے کے اندر خط پہنچ جاتا ہے۔ (اسپیڈ پوسٹ) اور بلٹی بھی بھیج دیں گے۔ اُنھوں نے -/۵۰۰ مانگے تھے، وہ میں نے فی الفور دے دیے۔ آپ کی دی ہوئی فہرستیں، جو آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیں، وہ بھی سب اُنھی کو دے دی ہیں بل کے ساتھ بھیجنے کے لیے۔ یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر فہرست کی کتابیں الگ بنڈل میں ہوں گی اور اُس بنڈل پر اُس فہرست کا نمبر لکھا ہوگا، تاکہ کتابیں بہ آسانی چک کی جاسکیں۔

اِس لفافے میں ایک خط الگ سے ملفوف کر رہا ہوں، یہ گویا اتھارٹی لیٹر ہے؛ اگر کسی بل میں کسی طرح کی کوئی بات اصلاح طلب ہو، تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ خود ہی اُسے دُرست کر دیجیے گا، کمی بیشی جو بھی ہو۔ آپ کو اختیار حاصل ہے۔

میرے خط کا جواب باقی ہے۔ L. I. C. کی پالیسی میں نامینیشن[۹۶] کی تبدیلی کے لیے میں نے لکھا تھا کہ اُس کے مضمون پر مُشتمر ایک خط ٹائپ کرا کے لفافے میں رکھ کر بھیج دیجیے، میں دستخط کر کے واپس کردوں گا۔ میرا رجسٹرڈ لفافہ تو مل گیا ہوگا، اُسی میں یہ سب باتیں مندرج تھیں''۔

خاں صاحب کا ایک اور خط مرقومۂ ۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۰ء ملاحظہ فرمایئے، جس میں خاں صاحب کی بیٹی کی شادی ہونے اور اُن کی اقتصادی حالت کا ذکر ہے:

''مخمی!

میں دو ہفتے سے کچھ زیادہ وقت شاہ جہان پور میں گزار کر، اب آیا ہوں۔ بٹیا کی شادی کا مشکل کام بہ خیر و خوبی انجام کو پہنچا۔ آپ کو اور ظہور صاحب کو دعوت نامہ بھیجا تھا۔ ظہور صاحب کا خط ۱۶؍اکتوبر کو ملا، لکھا تھا کہ دعوت نامہ (وہاں کے حالات کی وجہ سے) خاصی تاخیر سے ملا۔ آپ تک شاید وہ دعوت نامہ پہنچ ہی نہیں سکا۔ بہ ہر حال، ۷؍اکتوبر کو میں اِس بڑی ذمّے داری سے سبک دوش ہوگیا، اگرچہ اِس سبک دوشی نے زیر بار بنانے میں ذرا بھی کمی نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے کہ شادی کے تیسرے دن کسی بھی شخص کا ایک روپیا بھی میری طرف واجبُ الادا نہ تھا۔ ہاں صاحب ۱۶؍کو واپس آیا ہوں تو میری جیب میں صرف -/۲۰ تھے۔

وہاں کا احوال کیا ہے۔ کرفیو ختم ہوا؟ بٹیا کیسی ہے، اب تو اُس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگی۔ گھر کا حال تو وہی ہوگا! شاید اِس مرض کی کوئی دوا موجود ہی نہیں، بس بھرنا بھگتنا ہے۔ خدا آپ کی مدد کرے! اپنی خیریت سے مطلع کیجیے''۔

خاں صاحب کے ایسے اور بھی خط ہیں جن میں کسی ادبی مسئلے کو زیر بحث نہیں لایا گیا، صرف معمول کے حالات سے متعلق چند باتیں لکھ کر چھوڑ دیا گیا ہے، یا خیر و عافیت دریافت کر لی گئی ہے۔

اب خاں صاحب کے ایک ایسے خط کا ذکر کیا جاتا ہے، جو تعزیتی زمرے میں آتا ہے، جو اُنھوں نے پروفیسر شارب ردولوی کی ۲۰ سال کی جوان بیٹی کے انتقال کی خبر سُن کر ۹؍جون ۱۹۹۵ء کو لکھا۔ اِس کی تحریر اِس قدر غم ناک ہے کہ اِسے پڑھنے کے بعد کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا:

''محبی شارب صاحب! آداب

عزیزۂ مرحومہ شعاع کے حادثے کی خبر مجھے خاصی تاخیر سے ملی، کہیں آنا جانا ہوتا نہیں، یوں کسی سے ملاقات بھی نہیں ہوتی۔

پھر آپ کا پتا میرے پاس نہیں تھا، بہ مشکل حاصل ہوا۔ اِس لیے اِس قدر تاخیر سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے کس قدر دُکھ پہنچا اور قلق ہوا۔ اُس بچّی کی صورت میری آنکھوں میں گھوم رہی ہے۔ میں تو اُسے بچّی ہی سمجھتا تھا، کیسی پیاری، ہنس مکھ، ہر وقت مسکراتی ہوئی اور بہت مہذّب۔ شمیم صاحبہ کی تربیت نے اُس بچّی کو ادب آداب کا مجموعہ بنادیا تھا۔ اُن کے غم کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ آپ دونوں کے لیے اور خاص کر اُن کے لیے تو وہ سب کچھ تھی۔ وہی ماضی، وہی حال، وہی مستقبل۔ اُس کے بعد اُن کے لیے تو یہ سارے لفظ بے معنی ہوکر رہ گئے ہوں گے۔

برادر! میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا اپنا غم ہے۔ خدائے پاک اُس بچّی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ دونوں کو صبر کی توفیق عطا کرے، اگرچہ ایسے حادثے پر صبر کی بات کرنا بڑی سنگ دلی ہے، مگر اِس کے سوا تو کچھ بھی اختیار میں نہیں رہتا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں وہاں آکر تعزیت کرتا اور کچھ دیر کے لیے سہی، آپ دونوں کے غم میں شریک ہوجاتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

اب تک خاں صاحب کے مختلف اقسام کے خطوط کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اِن کے خطوط ادبی ہوں، کاروباری ہوں یا نجی، اِن میں اِن کے لب و لہجے کی سادگی، زبان و بیان کی روانی، علامت نگاری، اعراب نگاری اور توقیف نگاری کے وصف نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، جو اِنھیں بحیثیت مکتوب نگار دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ مشکل پسندی اور عبارت آرائی سے اِنھوں نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔

چھٹی قسم کے خطوط

رشید حسن خاں صاحب نے طویل عمر پائی۔ دوسری جنگِ عظیم، ہندستان کی جنگِ آزادی کی جدوجہد، ملکی تقسیم (ہندو پاک کا بٹوارا)، ۱۹۶۲ء کی ہندو چین جنگ، ۱۹۶۵ء و ۱۹۷۱ء کی ہندو پاک جنگیں، بنگلہ دیش کا وجود میں آنا، ایران و افغانستان میں رونما ہونے والے واقعات، مشرقِ وُسطا

میں ہونی والی تباہ کاریاں، دہشت گردی کے اثرات، قومی اور بین الاقوامی تبدیلیوں کو اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اِن کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ اُن کی وسیع النظری نے اُن کے سوچنے کے انداز میں بھی وسعت پیدا کردی تھی۔ وہ قومی اور بین الاقوامی معاملات کو مذہب کے دائرے کے اندر رہ کر سوچنے کے عادی نہیں تھے بل کہ اُسے وسیع تناظر میں دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے خطوط میں کبھی مذہبی معاملات پر بحث نہیں کی اور نہ کسی کو اِس کی اجازت دی۔ اُن کا کہنا تھا کہ ''ایسے معاملات ہمارے سوچنے کے انداز کو محدود کردیتے ہیں، اور ایک دوسرے کے درمیان اختلافات کی گنجایش پیدا ہونے لگتی ہے''۔

ہاں، سیاسی معاملات پر وہ اکثر کھُل کر بات چیت کیا کرتے تھے۔ اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۲/جون ۱۹۸۸ء میں سیّد فریدالدین شاہ مسکینی کے خط کے جواب میں اپنے خیالات کا اظہار اِس طرح کرتے ہیں:

> مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ مصطفا کمال پاشا کے یہاں انتہا پسندی تھی، اور انتہا پسندی ہمیشہ بُری چیز ہوتی ہے اپنے اثراتِ مابعد کے لحاظ سے، مگر میں اِس کو اُس زمانے کے اُن حالات کی روشنی میں دیکھتا ہوں جن میں طبقۂ علما نے بادشاہت کی بے جا حمایت کر کے اور ہر ترقی پسند اقدام کی مخالفت کر کے بے حد عجیب صورتِ حال پیدا کردی تھی اور مغربی طاقتوں کے استیلا و استعماریت کے لیے زمین ہموار کر رکھی تھی۔ مصطفا کمال کے یہاں جو غیر مناسب اور سراسر ناروا اندازِ نظر پیدا ہوا، وہ اِنھی حالات کا ردِ عمل تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ ردِ عمل میں ہمیشہ انتہا پسندی شامل ہوتی ہے۔ اِس سے میرا مقصد اُس کا جواز پیش کرنا نہیں، صرف اُس کی وجہ پر گفتگو کرنا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہے کہ مصطفا کمال نے ترکی حکومت کو بچایا بھی اور آج اگر وہ ملک آزاد ہے، تو یہ اُنھی انتہا پسندوں کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک دوسرا پہلو ہے اور یہ بھی غور طلب ہے۔
>
> ایک بات اور عرض کروں: ہمارے زمانے میں یعنی اِس بیسویں صدی میں تاریخ نے ایک موقع فراہم کیا تھا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ خالص مذہبی حکومت بھی کام یاب ہوسکتی ہے؛ مگر آپ نے دیکھا کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اور ایرانی حکومت نے، یا یوں کہیے کہ مذہبی شدّت

پسندوں نے یہ ثابت کردیا کہ طبقۂ علما کے ہاتھ میں اگر عنانِ اختیار آجائے
گی تو کیا ہوگا۔ اب اگر ایران میں کوئی ردِّ عمل ہوا اور وہ کام یاب بھی ہوا،
تو وہ ایک دوسری انتہا کی نمایندگی کرے گا اور وہ انتہا پسندی بھی (اگر وہ
وجود میں آسکی) ویسے ہی حالات کا ردِّ عمل ہوگی"۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خاں[۹۷] اپنے ایک مکتوب میں ملکی حالات سے متعلق چند باتیں لکھ بھیجتے ہیں۔ خاں صاحب اُن کا جواب مختصراً اپنے مکتوب مرقومہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء میں یوں دیتے ہیں:

"رہے حالات، تو وہ اب مجھے سنبھلتے دکھائی نہیں دیتے۔ اِس لیے کہ فرقہ پرستی نے اب سیاسی پناہ گاہ بھی حاصل کرلی ہے۔ خدا ہی حافظ و ناصر ہے"۔

رشید حسن خاں صاحب کی سیاسی گفتگو کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے، جو اُنھوں نے اپنے مکتوب بہ تاریخ ۳۱ر مئی ۲۰۰۴ء کو نعیم کوثر کو لکھی۔ اِس تحریر سے آپ اُن کے ذہنی و دلی جذبات کا بڑی حد تک مطالعہ کرسکتے ہیں کہ اُن کے سوچنے کا انداز کیسا تھا اور وہ اِن تاثرات کو کس انداز میں بیان کرتے ہیں:

"بھائی! آپ نے جو طالبانِ دُنیا اور بے ضمیرانِ قوم کی نقاب کشائی کا کام شروع کیا ہے، یہ بہت ضروری تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے کیسے لوگ ہماری صفوں میں تھے۔ مجھے مرلی منوہر جوشی کے ہارنے کی خاص کر خوشی اِسی لیے ہوئی کہ اردو کے کئی منافق اور اقتدار پسند افراد کا سہارا ٹوٹ گیا۔ اِسی طرح عارف محمد خاں کی شکست سے بڑا اطمینان ہوا کہ ابھی لوگ اُتنے موقع پرست نہیں ہو پائے ہیں جتنے اور جیسے یہ صاحبان تھے۔ غور تو کیجیے، کیسے کیسے چہرے ہیں! وہ مولانا صاحب اور وہ امام صاحب اور وہ پروفیسر صاحب، کیسے کیسے لوگ سامنے آگئے اچانک! اور کیسے کیسے چہروں سے نقاب اُٹھ گئے۔ اب بشیر بدر جیسے "قلیل القامت" کا نام کیا لیا جائے، جب ایسے ایسے "طویل القامت" افراد نے اپنے قبلے کا رُخ بدل دیا۔ نصابی کتابوں میں آر ایس ایس کے نقطۂ نظر کو شامل کیے جانے کی لمبی پلاننگ کی گئی، گجرات کے فساد کو مثالی انداز بتایا گیا سبق سکھانے کا (وغیرہ) اور ان نئے عقیدت مندوں کے لیے یہ باتیں کچھ بھی نہیں تھیں، گویا فضول واویلا تھا۔ دلوں پر جب مُہریں لگ جائیں اور آنکھوں پر پردے پڑ جائیں اور طلبِ دنیا ہر قیمت پر مقصودِ حیات بن جائے تو پھر یہی ہوتا

ہے۔ اور تو اور، اُس محمودِ نامحمود و نامسعود کو دیکھیے، کہ جلسوں میں تقریریں کرتا پھرا بھاجپا کے حق میں۔ حد ہوگئی گم راہی اور گم راہ سازی کی۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے قلم کی حرمت کو اور ضمیر کی آواز کو با معنی الفاظ کے طور پر پیشِ نظر رکھا اور پیشِ نظر رکھنے پر اصرار کرتے رہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور اِن حرام زادگانِ ادب و سیاست کے اثرات سے ہمیشہ محفوظ رکھے"۔

مذکورہ بالا خطوط کے مطالعے سے ہمیں خاں صاحب کے سیاسی شعور کی بلندی اور مطالعے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جن حالات و واقعات کا اُنھوں نے اِن خطوط میں ذکر کیا ہے، وہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فرقہ پرستی اور انتہا پسندی کو سیاسی پُشت پناہی حاصل ہے اور اِس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ عوام اِس کا شکار ہو رہے ہیں اور قومیں بٹتی چلی جا رہی ہیں۔ تعصب اور نفرت کو بڑھاوا مل رہا ہے۔ موقع پرست اِس کا فایدہ اُٹھا رہے ہیں۔ ملک جہنم کے دہانے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہمارا ملک ہی نہیں بل کہ پوری دنیا فرقہ پرستی کی لپیٹ میں آ رہی ہے۔ اِس کا مُداوا کیا ہے، کوئی نہیں جانتا۔ آنے والی نسلیں کیوں کر اِن حالات کا سامنا کر پائیں گی؟ اِس کا اثر معاشرے پر ہی نہیں پڑ رہا ہے، بل کہ ادب بھی متاثر ہو رہا ہے، چاہے وہ کسی بھی زبان اور کسی بھی ملک کا کیوں نہ ہو۔ ادباء اور شعرا پر مُہریں ثبت ہونے لگی ہیں کہ فلاں ادیب و شاعر فلاں پارٹی و فرقے کا ہے۔ اِن باتوں نے ادب میں گروہ بندی پیدا کر دی ہے۔ ادب کی تاریخ کی اگر ورق گردانی کی جائے تو ہمیں معرکوں کا ذکر ملتا ہے۔ مگر یہ معرکے ادب کی ترقی کے حق میں ہوا کرتے تھے۔ اِن سے نئی نئی راہیں کُھلتی تھیں۔ لسانی و ادبی بحثیں ہوتی تھیں۔ مگر گروہ بندی ادب کے لیے سمِ قاتل ہے۔

اسفار

رشید حسن خاں صاحب نے ۸۱ برس کی طویل عمر پائی۔ جب تک شاہ جہان پور میں رہے کہیں زیادہ آنا جانا نہیں ہوا۔ لیکن جب انھیں اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول کی ملازمت کو چند مجبوریوں کی بنا پر ترک کرنا پڑا، تو اِنھوں نے پہلی بار بریلی کا رُخ کیا، وہاں قریب ساڑھے تین سال رہے۔ وہاں اِنھوں نے ہفتہ وار اخبار 'ندرت' میں ملازمت کر لی، جس کے مالک و مدیر سیّد ابراہیم حسن رسا تھے۔ وہاں سے شاہ جہان پور آنا جانا لگا ہی رہا۔

اگست ۱۹۵۹ء میں خاں صاحب دہلی تشریف لائے اور شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی میں اِن کا

تقرر بحیثیت ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر ہوگیا۔ ابتدا میں یہ تقرر عارضی تھا، لیکن ۱۹۶۴ء میں اِنھیں کل وقتی منظوری حاصل ہوگئی۔ اب دہلی اور شاہ جہاں پور کے بیچ کا سفر اِن کا معمول بن گیا۔

خاں صاحب کے خط ۴؍جولائی ۱۹۶۵ء بہ نام کلیم بریلوی سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ نینی تال کی سیر کر کے لوٹے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''برادرم!

اب سے بس کچھ دیر پہلے ہی لوٹا ہوں۔ بچے ساتھ آئے ہیں۔ شاہ جہاں پور جس دن پہنچا اسی دن رات میں بعض احباب بالجبر نینی تال لے گئے۔ دس پندرہ دن وہاں گزارنے کے بعد واپسی ہوئی''۔

اِس مختصر سی عبارت سے خاں صاحب کی آزادانہ زندگی کے رنگین پہلو پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ وہ دوستوں کے مجبور کرنے پر دس پندرہ دن کے لیے گھر و ملازمت دونوں سے غائب رہے۔ آپ اِس وقت عمر کے چالیسویں سال کے لپیٹے میں تھے، اور ابھی ایک سال قبل اِن کی ملازمت مستقل ہوئی تھی۔

لگتا ہے ادبی کاموں کی رفتار ابھی پوری طرح تیز نہیں ہوئی تھی، ورنہ اِتنے دن بے کار ضائع کرنا کوئی جواز پیش نہیں کرتا۔

لیکن بعد کی زندگی میں اِنھوں نے اپنے لیے سخت قسم کے اصول وضع کر لیے تھے۔ گائر ہال کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہ کر اِنھوں نے وہ ادبی کارنامے انجام دیے جن کی مثال ادبی دنیا میں اِن سے پہلے نہیں ملتی اور نہ آیندہ ملے گی۔ وہ ادبی کاموں میں اِس طرح منہمک رہتے تھے کہ کوئی شخص بغیر اجازت لیے اِن سے مل نہیں سکتا تھا۔ اپنی زندگی کے روزمرّہ کا اِنھوں نے ایک ٹائم ٹیبل مقرر کر لیا تھا۔ اُن کا ہر کام اُسی کے مطابق ہوتا تھا۔

اب خاں صاحب کی زندگی بہت مصروف ہو چکی تھی۔ تدوینی کاموں کے علاوہ سمیناروں، ورک شاپوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں، اکیڈمیوں اور تعلیمی اداروں میں (ملک کے اندر اور باہر) لکچر دینے اور اِن میں شرکت کرنے کا سلسلہ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

جن جن یونی ورسٹیوں، سمیناروں اور تعلیمی اداروں میں انھوں نے جن موضوعات پر لکچر دیے اور جب جب دیے ان کی تفصیل اس سے قبل آ چکی ہے۔ برصغیر ہند و پاک سے مختلف اوقات میں اِنھیں جو انعامات و اعزازات حاصل ہوئے تاریخ وار ان کی فہرست بھی پہلے درج کی جا چکی ہے، اِنھیں دوہرانا یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خاں صاحب کے خطوط کو سامنے رکھ کر (چھے سو کے قریب جو دست یاب ہوئے ہیں) اگر ان کے اسفار کو تاریخی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو قریب مزید سو صفحات درکار ہوں گے۔ لیکن ہمیں اِس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ کام کی زیادتی کے اثرات اِن کی صحت پر نمایاں ہونے لگے تھے، اور اکثر علاج کے سلسلے میں بریلی، دہلی اور ممبئی انھیں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ماہ کے لیے جانا پڑتا تھا۔ ممبئی میں اِنھیں کافی سہولتیں میسّر تھیں اس لیے یہ زیادہ تر وہاں ہی جایا کرتے تھے۔ دوسرے مقامات کی بہ نسبت وہاں علاج بھی بہتر طریقے پر ہوتا تھا۔

خاں صاحب کی دونوں آنکھوں کا آپریشن ہو چکا تھا۔ پہلا ہارٹ اٹیک انھیں اپریل ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا جب یہ دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال میں مقیم تھے۔

خاں صاحب کے گلے میں ایک گلٹی نکل آئی تھی جس کی تشخیص کے لیے انھیں ممبئی جانا پڑا، وہاں کے ڈاکٹروں نے کافی دیر تک انھیں تختۂ مشق بنائے رکھا، جس میں اِن کا بہت سا وقت اور روپیا برباد ہوا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ یہ کینسر نہیں بل کہ ٹی۔ بی کی بیماری ہے جو دوائی کھانے سے ٹھیک ہو سکتی ہے، اور دوائی کے استعمال سے یہ ٹھیک بھی ہو گئے۔

خاں صاحب کے خطوط سے یہ بات کھُل کر سامنے آتی ہے کہ مختلف امراض کے علاج کی خاطر انھیں بار بار ممبئی کے طویل سفر اختیار کرنے پڑتے تھے اور طویل مدت کے لیے وہاں قیام کرنا پڑتا تھا۔ مہنگے علاج کی وجہ سے اِن کی اقتصادی حالت متاثر ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دہلی میں اپنی قیام گاہ نہیں بنا سکے، حالاں کہ اِن کے بہت سے ہم عصر یہاں ہی مقیم ہو گئے تھے۔ اِنھیں دہلی چھوڑنے اور شاہ جہان پور منتقل ہونے کا قلق ضرور رہا۔ جوانی میں اِنھوں نے اِس طرف توجہ نہیں کی اور آخری عمر میں وہ اِس قابل نہیں رہے کہ اپنے لیے یہاں کوئی مکان تعمیر کر سکتے۔ دہلی چھوڑنے کے غم کا ذکر اِن کے بہت سے خطوط میں صاف دکھائی دیتا ہے۔

۲۷/اپریل ۲۰۰۲ء کو انھیں دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اِس نے انھیں بستر نشیں کر دیا تھا، جس کی وجہ سے اِن کا باہر آنا جانا یا دور دراز کا سفر کرنا قریب قریب ملتوی ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے بھی انھیں سختی سے گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی تھی۔ ضرباتِ قلب (بیٹس) کچھ "اِررِگلر"[۹۹] ہو گئی تھیں۔ اِن کی انگلیوں میں بے اختیاری آ گئی تھی، جس نے اِن کی تحریر پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ نقاہت کافی بڑھ گئی تھی۔ گھٹنے کے درد نے انھیں چلنے پھرنے سے معذور کر دیا تھا۔ ذرا سی حرکت سے حرکتِ قلب بڑھ جاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے پیس میکر لگوانے کی ہدایت کی تھی، مگر وہ ایسا نہیں کر پائے، وجہ صاف ظاہر ہے۔

خاں صاحب نے اپنی آنے والی زندگی کو بھانپ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کے خطوط میں کہیں کہیں مایوس کُن کلمات نظر آنے لگے تھے۔ اِنھوں نے کام کرنا نہیں چھوڑا، گو سفر چھوٹ چکے تھے۔

۱۶؍ جولائی ۲۰۰۵ء کو شاہ جہان پور سے ڈاکٹر خلیق انجم کو لکھتے ہیں:

''دیکھیے بھائی! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ میرے بعد مجھے کوئی یاد نہیں کرے گا اسلم بھائی کے اور آپ کے سوا۔ کسی سے بنا کر رکھی ہی نہیں، یاد کیوں کرے! مگر خدا کا شکر ہے کہ اِس پر فخر ہے، پشیمانی نہیں''۔

خاں صاحب کی طبیعت بھلے ہی خراب رہنے لگی تھی، مگر وہ بے کار بیٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ ساری زندگی اِس اصول پر عمل پیرا رہے۔ کام ہی عبادت ہے (ورک از ورشپ)۔ ملاحظہ فرمائیں اِن کے مکتوب مرقومہ ۲۸؍ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے جملے، جو اِنھوں نے شاہ جہان پور سے ڈاکٹر خلیق انجم کو لکھے:

''دن بھر بے کار نہ بیٹھا رہوں، اس لیے غرائب اللغات والے کام کا بستہ آج پھر کھول لیا ہے، جب کہ میں نے اُسے باندھ کر الگ رکھ دیا تھا''۔

۳؍ نومبر ۲۰۰۵ء کو راقم دوسری بار ان کے دولت کدے پر ایک ویڈیو انٹرویو کے لیے حاضر ہوا تھا، جس کا ذکر اِس سے قبل آچکا ہے۔ جب میں اِن سے رُخصت ہوا تو میری چھٹی حِس نے کچھ اور ہی محسوس کیا۔ اِن کے چہرے کی رونق ماند پڑ چکی تھی، لیکن حوصلہ بلند تھا۔ دورانِ گفتگو اِن کی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی جس سے اِن کی ہمت شکنی کا اندازہ ہوتا۔

۱۷؍ نومبر ۲۰۰۵ء کو شاہ جہان پور سے ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کو لکھتے ہیں:

''عزیز مکرم!

آپ کی صحت کا احوال پڑھ کر تشویش ہوئی، خدا کرے آپ جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں۔ میری صحت کا احوال بھی اچھا نہیں۔ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کی ہے کہ گھر سے باہر نہ جاؤں، کیوں کہ سانس کی رفتار اچانک بگڑ جایا کرتی ہے۔ کم و بیش ڈھائی برس سے ایک کمرے کا قیدی بن کر رہ گیا ہوں۔ آپ کے مضمون کا انتظار رہے گا۔ پرسشِ احوال کے لیے بہت ممنون ہوں۔ اصل میں اسّی ۸۰ برس کے بعد دیوار پر سے دھوپ تیزی کے ساتھ اُترنے لگتی ہے۔ بہ ہر طور، زندہ تو رہنا ہے جب تک اُدھر کا اشارہ نہ ہو''۔

اِن کی صحت اور اِن کے کام سے متعلق اِن کا ایک مکتوب مرقومہ ۶؍ دسمبر ۲۰۰۵ء ملاحظہ فرمائیں، جو

انھوں نے شاہ جہان پور سے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کو لاہور کے پتے پر روانہ کیا:

"مُحبّ مکرّم!

مکتوب مرقومہ ۲۴ر نومبر موصول ہوا، شکریہ۔

بھائی! ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ سردی کا موسم مجھے راس نہیں آتا، یہ پرانی بات ہے۔ اب پچھلے مہینے کے اواخر سے احوال یہ ہے کہ سر جھکا کر ذرا دیر بھی نہیں بیٹھ سکتا، ریزش، چھینکیں اور آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ لکھنا پڑھنا سب بند ہے۔ آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں، اِدھر بھی وہی احوال ہے جو اُدھر ہے۔ اب تو مہینا ڈیڑھ مہینا تعطل کی نذر ہو ہی جائے گا اور میرا خیال ہے کہ تب تک آپ بھی صحت یاب ہو جائیں گے انشاءاللہ! اقبال والا کام، دوسرے کاموں کے ساتھ رُکا ہوا ہے، یوں آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ موسم سنبھل جائے گا تو کچھ ہو سکے گا، فی الحال آرام۔ آپ ۶۵ برس کے ہیں، دسمبر میں نے اسّی برس پورے کر لیے۔ اب جتنا بھی کام ہو سکے غنیمت ہے۔ زیادہ کی توقع اب کرنا ہی نہیں چاہیے؛ بس ارادہ مضبوط رہنا چاہیے اور وہ ہے میرا بھی اور آپ کا بھی۔ پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہاں، میں نے غرائب اللغات والا کام مستقلاً ملتوی کر دیا ہے۔ اِس پر پھر گفتگو ہوگی۔

خدا کرے اب آپ پہلے سے بہتر ہوں اور جلد تر مکمل طور پر ہشاش بشاش ہو جائیں!"

اِس خط کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موسم کی شدّت نے اِنھیں بُری طرح متاثر کر رکھا تھا اور لکھنے پڑھنے کے سب کام رُکے ہوئے تھے، غرائب اللغات کا کام جو اِنھوں نے دوبارہ شروع کیا تھا، اُسے مستقلاً ملتوی کر دیا گیا تھا، لیکن اِن کے ارادے کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں آنے پایا تھا۔

میں اور میرا ایک ساتھی پونچھی زبان کی لغت مرتب کرنا چاہتے تھے، اِس کی ترتیب کے لیے اُن سے مشورہ طلب کیا گیا۔ وہ ۱۷ر فروری ۲۰۰۶ء کو راقم کو لکھتے ہیں:

"پونچھ کی زبان کے الفاظ کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے لکھو، پھر دیکھوں گا کہ اُن کو کس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے"۔

یہ خاں صاحب کا راقم کے نام آخری خط تھا۔ ٹھیک اِس کے نو ۹ روز بعد اِنھوں نے وہ طویل سفر

اختیار کیا جس کی آخری منزل بارگاہِ الٰہی ہے، اور یہاں سے کبھی لوٹ کے کوئی واپس نہیں آتا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

حواشی:

۱۔ ۳رنومبر ۲۰۰۵ء کو راقم شام کے وقت اُن کے دولت کدے پر حاضر ہوا، ایک انٹرویو کے لیے، مگر خاں صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور سردی شدّت کی پڑ رہی تھی۔ رمضان کا آخری روزہ تھا اور وقتِ افطار۔

۲۔ مکتوب بہ مرقومہ

۳۔ ''رشید حسن خاں تحقیق کا مردِ میدان'' پروفیسر رفیع الدین ہاشمی لاہور، پاکستان، ہفت روزہ 'ہماری زبان' رشید حسن خاں نمبر، یکم تا ۲۸رستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۶۔

۴۔ ''رشید حسن خاں کی یاد میں'' ڈاکٹر شمس بدایونی، ایضاً ص ۳۱۔

۵۔ ''رشید حسن خاں کا سوانحی خاکہ'' از اطہر فاروقی، ''کتاب نما'' کا خصوصی شمارہ ''رشید حسن خاں: حیات اور ادبی خدمات'' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۳ء، اشاعتِ اول، ص ۱۰۔

۶۔ ۲۶را پریل ۲۰۰۷ء کو رات قریب دس بجے بہ ذریعۂ فون ڈاکٹر شمس بدایونی سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ خاں صاحب بریلی میں قیام پذیر رہے، کیوں کہ رسا صاحب کے بھائی کلیم الدین ابھی حیات ہیں اور اُنھوں نے بھی تصدیق کی۔

۷۔ ''رشید حسن خاں کی یاد میں'' ڈاکٹر شمس بدایونی، مشمولہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی، ''رشید حسن خاں نمبر'' یکم تا ۲۸رستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۱۔

۸۔ ''بازیافت'' (۱) جنوری ۲۰۰۲ء، مدیر رفیع الدین ہاشمی، شعبۂ اردو پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور۔

۹۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔

۱۰۔ ''ممتاز محقق اور متنی نقاد: رشید حسن خاں'' ہفت روزہ ''ہماری زبان'' دہلی، ڈاکٹر خلیق انجم، یکم تا ۲۸رستمبر ۲۰۰۶ء، ''رشید حسن خاں نمبر'' ص ۳۔

۱۱۔ مکتوب رشید حسن خاں مرقومۂ ۱۲را کتوبر ۱۹۹۱ء بہ نام مخمور سعیدی۔

۱۲۔ مکتوبات رشید حسن خاں، مرقومۂ ۱۲را کتوبر اور ۱۱رنومبر ۱۹۹۱ء بہ نام مخمور سعیدی، میں نیاز لکچر کے سلسلے میں کراچی جانے کا ذکر ہے۔

۱۳۔ ۱۰ر سے ۱۳ر دسمبر سال معلوم نہیں۔

۱۴۔ رشید حسن خاں کا مکتوب بہ نام اے۔ اے۔ فاطمی، مرقومۂ ۲۷رنومبر ۱۹۹۵ء، ۲۷ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو وہاں سے رشید حسن خاں، پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور نثار احمد فاروقی کی واپسی ہوئی۔

۱۵؎ رشید حسن خاں کا مکتوب بہ نام ڈاکٹر گیان چند جین، مرقومہ ۲۸ر جولائی ۱۹۹۸ء، عرشی صاحب پر مقالہ پڑھا ''تدوین کی روایت''۔

۱۶؎ مکتوب بہ نام اسلم محمود، ۱۵ر دسمبر ۲۰۰۱ء، ڈاکٹر خلیق انجم کے ساتھ ۲۶ر دسمبر کو دہلی سے روانگی ہوگی۔

۱۷؎ مکتوب بہ نام پروفیسر شارب ردولوی، مرقومہ ۲۳ر مئی ۱۹۸۳ء۔

۱۷؎B مکتوب بہ نام ڈاکٹر ظہور الدین، شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی، ۱۳ر ستمبر ۱۹۸۹ء۔

۱۸؎ ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کا خط بہ نام راقم، مرقومہ ۷ر دسمبر ۲۰۰۷ء، عبارت ملاحظہ فرمایئے: ''میرے J.N.U کے قیام میں میرے ایم۔اے کے کلاس میں متنی تنقید کا مضمون وہ دہلی یونی ورسٹی سے J.N.U پڑھانے کے لیے آتے تھے اور تقریباً دو ماہ تک طلبہ کو درس دیا''۔

۱۹؎ ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے۔ ڈاکٹر اشفاق محمد خاں نے جو خط راقم کے نام ۳۰ر نومبر ۲۰۰۷ء کو لکھا اُس میں رقم ایک لاکھ پچیس ہزار درج ہے۔

۲۰؎ ایک لاکھ پچیس ہزار روپے۔ اِس انعام کو پانے کے لیے خاں صاحب خود نہ جا سکے، وجہ خرابیِ صحت۔ (راجا رام موہن رائے اعزاز سے سرفراز کیا گیا، رشید حسن خاں یہ انعام پانے والے اردو کے پہلے محقق اور ادیب ہیں، یہ انعام ایک لاکھ پچیس ہزار روپے اور ایک توصیفی سند پر مشتمل ہے)۔ بحوالہ ہفت روزہ ''ہماری زبان'' ۸ تا ۱۴ر جنوری ۲۰۲، ص ۵۔

۲۱؎ 'فنِ تحریر کی تاریخ' محمد اسحاق صدیقی، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، بارِ اوّل ۱۹۶۲ء، ص ۲۰۴۔ آں حضرت کے خط کا عکس ص ۲۰۶ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۲؎ ایضاً، ص ۲۰۹۔

۲۳؎ ایضاً، ص ۲۱۰۔

۲۴؎ فنِ تحریر کی تاریخ محمد اسحاق صدیقی، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، بارِ اوّل ۱۹۶۲ء، ص ۲۴۶-۲۴۵۔

۲۵؎ فسانۂ عجائب مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۰ء، ص ۹۵-۹۴۔

۲۶؎ اردو املا رشید حسن خاں، نیشنل اکادمی، ۹-انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی، ۱۱۰۰۰۲، اشاعتِ اوّل ۱۹۷۴ء، ص ۲۸۰۔

۲۷؎ عبارت کیسے لکھیں از رشید حسن خاں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۷۔

۲۸؎ ایضاً، ص ۱۰۳، ۱۰۵۔

۲۹؎ کلاسکی ادب کی فرہنگ جلد اوّل، مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۶۵۰-۶۴۸۔

۳۰؎ عبارت کیسے لکھیں رشید حسن خاں، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۵۲۔ (یہی طریقۂ کار

املا نامہ مرتب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۱۹۷۴ء کے ص ۴۷ پر اپنایا گیا ہے)

۳۱۔ ''اردو املا'' جلد اول، رشید حسن خاں، ص ۱۹۲، ۱۹۳۔

۳۲۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ جلد اوّل، ص ۷۸۔

۳۳۔ ایضاً

۳۴۔ اردو املا جلد اوّل، ص ۲۴۶۔

۳۵۔ اردو املا اشاعتِ اوّل ۱۹۷۴ء، ص ۴۷-۵۴۶۔

۳۶۔ مصطلحاتِ ٹھگی مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۳۸۔ قواعد اردو مولوی عبدالحق، سالِ اشاعت ۱۹۹۴ء، ص ۲۴۷۔ اردو املا، رشید حسن خاں، اشاعتِ اوّل ۱۹۷۴ء، ص ۵۵۷۔

۳۹۔ اردو املا ص ۵۵۴۔

۴۰۔ گلزارِ نسیم مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی-۲، ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۸۔

۴۱تا۴۵۔ ایضاً، شعر نمبر ۹۹۷، ۱۳۹۱، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۳۸۲۔

۴۶۔ اردو املا ص ۴۶۲-۴۶۱۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۴۶۳۔

۴۸۔ عبارت کیسے لکھیں رشید حسن خاں، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ص ۴۷، مارچ ۱۹۹۴ء۔

۴۹۔ پنجاب میں اردو، محمود شیرانی ، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء، ص ح، ط۔

۵۰۔ عبارت کیسے لکھیں ص ۲۸۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۵۲۔ املا نامہ مرتب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی۔

۵۳۔ عبارت کیسے لکھیں ص ۸۵۔

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً، ص ۷۹-۷۷۔

۵۶۔ کتاب نما کا خصوصی شمارہ ''رشید حسن خاں: حیات اور ادبی خدمات'' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، مرتبہ اطہر فاروقی ، پہلی بار جولائی ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۔

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ خصوصی شمارہ کتاب نما رشید حسن خاں: حیات اور خدمات، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ص ۱۳، ۱۴۔

۵۹۔ ہفت روزہ ہماری زبان یکم تا ۲۸ ر ستمبر ۲۰۰۶ء، رشید حسن خاں نمبر، ص ۶۔

۶۰۔ بازیافت مدیر رفیع الدین ہاشمی، شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، جنوری ۲۰۰۲ء،

ص ۱۶۴۔
۶۱۔ رشید حسن خاں پروفیسر جگن ناتھ آزاد، مشمولہ خصوصی شمارہ کتاب نما ''رشید حسن خاں: حیات وادبی خدمات''، ص ۲۴۔
۶۲۔ میرے محترم ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری (کراچی) ایضاً ص ۲۹۔
۶۳۔ بازیافت مدیر رفیع الدین ہاشمی، اورینٹل کالج، لاہور، ص ۱۶۴۔
۶۴۔ ایضاً ص ۱۶۵-۱۶۴۔
۶۵۔ ''رشید حسن خاں'' سید شہود جمال، اسلامیہ انٹر کالج شاہ جہان پور، نیا دور لکھنؤ، ایک شمارہ رشید حسن خاں کے نام، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۳۷۔
۶۶۔ خصوصی شمارہ ''کتاب نما'' رشید حسن خاں: حیات اور ادبی خدمات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۶۵۔
۶۷۔ اردو املا رشید حسن خاں، ترقی اردو بورڈ، دہلی، ۱۹۷۴ء، ابتدائیہ، ص ۱۴، ۱۵۔
۶۸۔ گلزارِ نسیم مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۱۹۹۵ء، تمہید، ص ۲۸۔
۶۹۔ فسانۂ عجائب مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، اشاعتِ اوّل ۱۹۹۰ء، ص ۳، ۴۔
۷۰۔ زبان اور قواعد مرتب رشید حسن خاں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، تیسرا اڈیشن ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۲۔
۷۱۔ عبارت کیسے لکھیں رشید حسن خاں، مکتبہ پیامِ تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵، فروری ۲۰۰۰ء، ص ۱۵، ۱۶۔
۷۲۔ ادبی تحقیق - مسائل اور تجزیہ رشید حسن خاں، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء، ص ۵۲۔
۷۳۔ مصطلحاتِ ٹھگی مرتب رشید حسن خاں، اشاعتِ اول ۲۰۰۲ء، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ص ۱۱۔
۷۴۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ مرتب رشید حسن خاں، اشاعتِ اوّل ۲۰۰۳ء، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ص ۱۱۔
۷۵۔ زٹل نامہ مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، اشاعتِ اوّل ۲۰۰۳ء، ص ۱۹، ۲۱۔
۷۶۔ فیروز اللغات مولفہ الحاج مولوی فیروز الدین، اکیسواں اڈیشن، ۱۹۸۲ء، جے. ایس. سنت سنگھ اینڈ سنز پبلشرز چوڑی والان، دہلی، ص ۸۔
۷۷۔ فنِ تحریر کی تاریخ، محمد اسحاق صدیقی، بارِ اوّل ۱۹۶۲ء، سرفراز قومی پریس لکھنؤ، پبلشر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، ص ۲۰۴، ۲۰۶۔
۷۸۔ الرّحیق المختوم مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، المجالس العلمی السعود، میڈیکل روڈ، علی گڑھ، طبعِ اول ۱۹۸۸ء، ص ۵۵۱، ۵۵۲۔

۷۹۔ ایضاً، ص ۵۵۳۔

۸۰۔ آجکل کو خاں صاحب نے یہاں ملا کر لکھا ہے جب کہ اکثر اِسے ''آج کل'' یعنی الگ صورت میں لکھتے تھے۔

۸۱۔ راقم نے پروفیسر نیّر مسعود رضوی کو ۱۴ر مئی ۲۰۰۷ء کو ایک خط لکھا کہ مرحوم خاں صاحب کے خطوط کے عکس روانہ کریں۔ اِنھوں نے جواب لکھا کہ مرحوم کے کچھ خط ضائع ہو گئے ہیں اور جو باقی بچے تھے وہ 'ہماری زبان' کے اردو آرکائیوز کو دے دیے ہیں۔ راقم نے خود دہلی جا کر جو عکس حاصل کیے وہ ۷ر اپریل ۱۹۹۴ء سے ۸ر دسمبر ۱۹۹۵ء تک کے ہیں۔ سہ ماہی اردو ادب میں خاں صاحب کے خطوط بہ نام نیّر مسعود صاحب (جنوری، فروری، مارچ) ۲ر مارچ ۱۹۹۱ء سے ۳۰ر مئی ۲۰۰۳ء کے کل ۵۶ خطوط شائع ہوئے ہیں۔

۸۲۔ یعنی فوٹو کاپیاں

۸۳۔ ''اُنھوں''

۸۴۔ ''اُنھیں''

۸۵۔ ''گلکرسٹ'' کو خاں صاحب نے یہاں ملا کر لکھا ہے۔

۸۶۔ ''گل کرسٹ'' کو خاں صاحب نے یہاں علاحدہ لکھا ہے۔

۸۷۔ مکتوب مرقومہ ۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء۔

۸۸۔ خاں صاحب ۱۸ر مئی ۱۹۹۴ء کے خط میں اسلم محمود صاحب کو لکھتے ہیں: مگر فی الحال تو میں خود شکن بستر بنا ہوا ہوں۔ مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین میں اُلجھا ہوا تھا''۔ اِس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مثنوی کی تدوین کا کام ماہ مئی ۱۹۹۴ء میں مکمل ہو چکا تھا۔

۸۹۔ خان چاچا (رشید حسن خاں) از نیّر مسعود، مشمولہ ''ایک شمارہ رشید حسن خاں کے نام، نیا دور لکھنؤ، ستمبر ۲۰۰۷ء، ص ۸۔

۹۰۔ صائم کا مخفف 'صائمہ' یعنی روزہ رکھنے والا۔

۹۱۔ نیا دور لکھنؤ، دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۹، ۱۰، جلد (۶۲)، نمبر (۹)۔

۹۲۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۹۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۹۴۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۹۵۔ مکتوب مرقومہ ۲۲ر جنوری ۲۰۰۱ء بہ نام پروفیسر شارب ردولوی و پروفیسر شمیم۔

۹۶۔ خاں صاحب نے عابد صاحب کے توسط سے .L.I.C کے ایک پالیسی تھوں کے ایک ایجنٹ مسٹر آنند گپتا سے لے لی تھی، جس میں ''نامنی'' اُن کی بیٹی ''نادرہ'' تھی۔ اب خاں صاحب ایک تو نامینیشن میں تبدیلی چاہتے تھے بیٹی کی جگہ وہ اپنی بیگم ''نفیس'' کا نام لکھوانا چاہتے تھے، دوسرے

پالیسی کی منتقلی وہ شاہ جہان پور کروانا چاہتے تھے کیوں کہ جموں میں بار بار قسط کی ادائیگی اُن کے لیے مشکل ہو رہی تھی۔

۹۷ ریڈر شعبۂ اردو، مظفر پور یونی ورسٹی، بہار۔

۹۸ نعیم کوثر، اڈیٹر ''صدائے اردو'' بھوپال (ایم. پی)۔

۹۹ خاں صاحب نے ''ارپرگُلر'' کو دو طرح لکھا ہے ''ارپرگلر'' اور ''ارپرگولر''۔

○○○

خطوط

خط: رشید حسن خاں
بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

رشید حسن خاں
بمبئی، ۱۶؍اکتوبر ۱۹۹۶ء

عزیزم!

آج خط ملا۔ "ٹین ٹین" اردو کا مستعمل لفظ ہے، اس میں "ٹین" تابع مہمل ہے (جیسے: روٹی ووٹی، پانی وانی)۔ اگر پوٹھوہاری میں بھی مستعمل ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ قدیم پنجابی سے یہ چلا ہے اور کشمیری تک اور دہلی پہنچا ہے۔ اصل صورتِ حال لغت دیکھ کر بتا سکوں گا۔

"بلفظہٖ" (اصلاً "بلفظہٖ") مستعمل لفظ ہے [بفضلہٖ، بعینہٖ، بجنسہٖ کی طرح] — "نقل بہ نشان" کی بات کا ترجمہ ہے۔

میں ۲۲؍اکتوبر کو بمبئی سے چلوں گا۔ دو دن دہلی میں رکوں گا اور ۲۴ کو شاہ جہاں پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ یہاں یونیورسٹی میں لیکچر دینا تھے۔

خوشی ہوتی ہے کہ گھر میں سب لوگ اچھی طرح ہیں۔ اپنی بیگم سے میری بہت سی دعائیں کہو۔ خدا ان کو ہمیشہ خوش رکھے۔

رشید حسن خاں
16/10/1996

بنام اخلاق اثر، ڈاکٹر

(۱)

۲۰ رجولائی ۱۹۷۷ء[1]

محبِ مکرّم!

آپ نے خط لکھ کر باضابطہ تعارف کی ابتدا کی، اِس کے لیے ممنون ہوں اور اِس پر متاسّف کہ اِس سے پہلے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اب کے جب آپ دہلی تشریف لائیں تو بہ راہِ کرم مطّلع ضرور فرمائیں۔

''اردو کیسے لکھیں'' آپ کو پسند آئی، اِس سے مسرّت ہوئی۔ آپ ہی جیسے حضرات کی ہمت افزائی سے کام کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ آپ نے جس مضمون کا ذکر کیا ہے، وہ بہت پرانا ہے۔ خاقانی کا کلیات تہران سے چھپ کر آیا تھا، میں نے اُس پر تبصرہ کیا تھا۔ یہ مضمون اصلاً اردو میں لکھا گیا تھا، نقوی صاحب مرحوم نے فرمایش کی کہ اسے فارسی میں شائع ہونا چاہیے۔ میں مدرسے کا پڑھا ہوا، کلاسیکی فارسی سے تو کچھ نہ کچھ واقف، مگر جدید فارسی سے ناآشنائے محض۔ مدرسوں میں عربی اور فارسی پڑھنا تو آجاتا تھا، نہ لکھنا آتا تھا اور نہ بولنا۔ درسِ نظامی میں اس کی گنجایش ہی نہیں تھی۔ کم از کم میرے زمانے میں تو یہی صورت تھی۔ مرحوم نے اُس کے ترجمے کا انتظام کیا اور اُس کے بعد وہ مضمون شائع ہوا۔ اب آپ نے فرمایش کی ہے تو اُسے تلاش کروں گا، اگر مل گیا تو بھیج دوں گا۔ اصل میں اُس کے بعد مجھے اُس مضمون کا خیال ہی نہیں آیا کبھی، شاید احتیاط سے رکھا بھی نہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''اردو املا اور اردو رسم الخط کے بارے میں مور د ندیم کے ادبی شمارے میں شائع کرا دیا تھا'' میں بات کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکا۔ ندیم یہاں نہیں آتا، غالباً آپ نے تبصرہ کیا ہوگا یا مستقل مضمون لکھا ہوگا، اگر ممکن ہو تو اُس تحریر کو میں بھی دیکھنا چاہوں گا۔ اگر آپ کے پاس کوئی زائد کاپی ہو تو بہ راہِ کرم عنایت فرمایئے، ممنون ہوں گا۔

ہاں صاحب! آپ نے ''اردو کی پہلی کتاب'' کی بشارت دی ہے اپنے خط میں، لیکن آج کی تاریخ تک تو وہ مجھ تک پہنچی نہیں۔ ممنون ہوں گا اگر آپ اُسے روانہ کر دیں۔ میں واقعتاً دل چسپی اور تعلّقِ خاطر کے ساتھ اُس کا مطالعہ کروں گا۔ چشم بہ راہ ہوں۔

زبان اور قواعد کے جس نوٹ کا آپ نے حوالہ دیا ہے، میں نے اب اُسے از سرِ نو پڑھا۔ اگر دو لکھنے والے، اپنے اپنے طور پر مطالعہ کر کے، ایک ہی نتیجے پر پہنچیں؛ تو یہ ایک دوسرے سے استفادہ نہیں، اور اِس صورت میں حوالہ ضروری نہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ میں نے معیار الاغلاط کے سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بہت سے اجزا دراصل لوامع النور سے ماخوذ ہیں، یہ بات میری دریافت تھی اور یہ بات بھی کہ معیار الاغلاط کا مخطوطہ، مہدی علی خاں تلمیذ امیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اِس سے آپ بہ خوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں نے رام پور جاکر بہ ذاتِ خود متعلقہ چیزوں کو دیکھا ہے۔ اِس صورت میں حوالے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھیے صاحب! میری عادت یہ ہے کہ میں جب دوسروں سے استفادہ کرتا ہوں تو اُس کا اعتراف ضرور کرتا ہوں۔ آپ نے اردو املا میں اِس کو دیکھا ہوگا کہ میں نے صراحت اور وضاحت کے ساتھ حوالے دیے ہیں۔ ابو محمد صاحب میرے مکرّم ہیں، اگر میں اُن کی کتاب سے کوئی چیز نقل کرتا، تو اُس کا حوالہ دیتا تو میرے لیے مزید باعثِ مسرّت ہوتا۔ مجھے توقع ہے کہ اِس صراحت سے آپ کا اطمینان ہو جائے گا۔ جب دو لکھنے والے ایک ہی موضوع پر خامہ فرسائی کریں گے تو بہت سے مقامات پر ماخذ کی تکرار ہوگی، البتہ یہ نہیں ہو سکتا کہ پس منظر کے نام سے، کسی کی کتاب کا پورا حصّہ ہی بہ تبدیلِ بعض الفاظ نقل کر لیا جائے۔ (جیسا کہ ایک صاحب نے کیا ہے اور اس کو آپ سے بہتر اور کون جانتا ہوگا)۔

یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تاخیرِ جواب پر معذرت طلب ہوں۔ کبھی کبھی خط لکھتا رہا کیجیے، اور کتاب ضرور بھجوایئے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۶/اگست ۱۹۸۲ء

مکرّم بندہ! آداب

جس دن آپ کا خط ملا تھا، اُسی دن تنویر علوی صاحب نے ذکر و فکر کا ایک نسخہ دیا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ میرا پچھلا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ میں نے کتاب کو از اوّل تا آخر پڑھ ڈالا۔ چوں کہ آپ کی عنایت میرے شاملِ حال رہی ہے، اِس لیے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا

ہوں کہ اِس مجموعے میں ناہمواری بہت ہے بہ لحاظِ مضامین وموضوعات۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے اِس باب میں متفق ہوں گے کہ ہم دن بھر جتنی باتیں کرتے ہیں، وہ سب درج رجسٹر ہونے کے لائق نہیں ہوتیں، یہی احوال تحریروں کا بھی ہے، بہت سے اخباری تبصرے اور ریڈیائی نشریے ایسے ہوتے ہیں جو کسی اچھے مجموعے کے اجزا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اب یہ تو کیا کہوں کہ ہر طرح کی تحریریں معرضِ وجود ہی میں کیوں آئیں۔ ہم سب کو اِس مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت کچھ لکھنا پڑتا ہے اور یہ ایسی مجبوری ہے جس کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوسکا ہے، مگر اُنھیں مجموعے میں کیوں شامل کیا جائے؟ ہر تحریر اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ زندہ رہے یا اُسے وہ درجہ دیا جائے جو اہم مقالوں کا ہوتا ہے۔ آپ اِس قدر اچھی تحریریں لکھ چکے ہیں اور ایسے پُرمغز مقالے تحریر کر چکے ہیں کہ اب ایسی پھُٹکر تحریروں کا انتساب آپ سے اچّھا نہیں معلوم ہوتا جن کی ادبی حیثیت یا اہمیت کم اور کم تر ہو۔ ایسی قلم برداشتہ تحریریں یہ تاثر بھی پیدا کرسکتی ہیں کہ جیسے اب لکھنے کے لیے کچھ اور باقی نہیں رہا ہے۔

میں معذرت طلب ہوں کہ یہ غیر مناسب باتیں لکھ رہا ہوں، لیکن توقّع یہی ہے کہ ایک نیازمند کی عرضِ نیاز کی روشنی میں اِسے دیکھا جائے گا اور یہ خیال نہیں کیا جائے گا کہ میں اعتراض کررہا ہوں۔ آپ کی ایسی اچھی تحریریں میں نے پڑھی ہیں کہ اب جی نہیں چاہتا کہ اُن کے مقابلے میں ہلکی پھلکی یا کم رتبہ تحریریں بھی آپ ہی کے نام سے پڑھوں اور وہ بھی ایک مجموعے میں۔ آپ کی نوازش کے لیے منت پذیر ہوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر اخلاق آثر

گائرہال

۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ءِ

عزیز مکرم!

آپ کے تین خط میرے ذمے واجب الجواب ہیں۔ آپ کی محبت کا معترف ہوں اور اپنی کوتاہی کا قائل اور معذرت طلب۔ یہ خیال آخر ذہن میں آتا ہی کیوں ہے کہ میں ناراض ہوں، ع:

یہ وہم کہیں تم کو گنہ گار نہ کردے

توبہ کیجیے اور آیندہ کے لیے ایسے وسوسوں سے اپنے قلب اور ذہن کو محفوظ رکھیے۔ اب تین بار معوذتین (دونوں قُل اعوذ) پڑھیے، تاکہ حفاظت کا حصار دل کے آس پاس کھنچ جائے۔

میں اِن دنوں موسم کا ستم ہائے بے حساب کا نشانہ بنا رہا۔ یہ موسم اب مجھے راس نہیں آتا، اگر چہ ایک زمانے میں اِس موسم کی راہ دیکھی جاتی تھی۔ کہانیوں کی شامیں اور لحاف کی راتیں اِسی موسم کی سوغات ہوتی تھیں۔ ابھی قُوا تو مضمحل نہیں ہوئے، لیکن عناصر میں اعتدال نہیں رہا اور یہ سارے کرشمے اب اسی بے اعتدالی کے ہیں۔ دو تین ہفتوں کے بعد آخر کار وہی نسخۂ بیاضِ مسیحا کام آیا جس کو پہلی بار جمشید نے مرتب کیا تھا اور جو اُس کے بعد سلطنت کی طرح دست بہ دست منتقل ہوتا رہا۔ اب بہتر ہوں اور "چنگا" ہو گیا ہوں اور خطوں کے جواب لکھ رہا ہوں اور پہلا خط آپ کے نام لکھا گیا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ شکوے شکایت کو بھلا دیں گے اور تاخیر کی معذرت قبول کر لیں گے اور فی الوقت اجازت دیں گے کہ ذرا کافی ہاؤس ہو آؤں (باقی آیندہ)۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں، آپ نے اپنے خط میں میرے کرم فرما اور بزرگ اور محترم، قبلۂ خدا پرستاں اور کعبۂ یقین و ایماں، ہادیِ صراطِ مستقیم اور مُبشّر جنات النعیم، حامیِ ملّتِ بیضا اور ماحیِ بدعاتِ سیئہ، واعظ صورت اور محتسب سیرت بسمل صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی میں وہ جب تک تھے، اُن کی شفقتیں میرے شاملِ حال تھیں۔ اکثر اپنے گھر سے کباب بنوا کر یونی ورسٹی دینے چلے آتے تھے۔ ہر محفل میں میرا ذکر کرتے تھے اور ہر انجمن میں میری ثنا خوانی ہوتی تھی؛ لیکن فلکِ نا ہنجار کو یہ ہنجار پسند نہ آیا اور ایک بار یہ ہوا کہ کسی کم بخت اور مردود، بل کہ نطفۂ دو پہری نے اُن سے کہہ دیا کہ یہ شخص جو آپ کا ہم وطن ہے، درسِ نظامی کا طالب علم رہا ہے اور آپ کی عنایتوں کا مرکز، یہ بد بخت تو ایک بار شراب پیتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ بسمل صاحب نے سنتے ہی یقین کر لیا (سُنّی مسلمان جو ٹھہرے) اور مجھ سے پوچھے بغیر فتوا دے دیا کہ یہ شخص بدترینِ خلاق ہے۔ گویا امام خمینی کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، کہ انھوں نے معاف نہیں کیا ہے۔ میں چوں کہ گھرے مذہبی لوگوں کو تنگ نظر سمجھتا ہوں اور معذورِ محض، اِس لیے میں نے سنجیدگی سے اُن کی غلط فہمی کو رفع کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس سے وہ اور چڑ گئے مگر میں نے اس پورے قصے کو قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ یہ ہے داستان اُن کی ناراضی کی۔ بہ ہر حال، وہ میرے بزرگ ہیں اور رہیں گے۔ البتہ مذاقِ سلیم سے محروم ہیں اور حسنِ خیال سے اُن کی ادنا شناسائی نہیں۔ ایسے لوگوں سے ہمدردی کرنا چاہیے، اُن کی باتوں کو سنجیدگی سے سن کر اُن پر غور نہیں کرنا چاہیے، سو میں بھی اسی اصول پر عمل کرتا ہوں۔ کاش کسی نے اُن کو یہ شعر سنا دیا ہوتا:

زاہد! اُمیدِ رحمتِ حق اور ہجوِ مَے!
پہلے شراب پی کے گنہ گار بھی تو ہو

اُن سے میں کہوں کیا، بہ قولِ ساغر:

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد!
ہائے کم بخت! تو نے پی ہی نہیں

میں بھی ایسے 'کم بختوں' سے کچھ نہیں کہتا۔ اُن کو دیکھ کر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ قولِ مشہور کے برخلاف، اسلام باعثِ زحمت ہے۔

(۴)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر
ٹی بی ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۱۳ر نومبر ۱۹۸۳ء

ہاں صاحب! آپ کی بھیجی ہوئی کتاب مجھے پرسوں ملی تھی۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ میں ۱۹ر نومبر کو غالباً پٹنہ جاؤں گا؛ قاضی عبدالودود صاحب کے سلسلے میں ایک جلسہ ہے، غالب انسٹی ٹیوٹ اُن کی خدمت میں ایک گولڈ میڈل پیش کرے گا۔ وہ تو سفر کر نہیں سکتے، اِس لیے یہ جلسہ وہیں ہوگا، گورنر بہار قدوائی صاحب کی صدارت میں۔ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے مجھے بھی جانا ہے۔ واپس آکر کتاب کو پڑھوں گا۔

میں بھوپال بھلا کیوں نہیں آؤں گا! آؤں گا اور ضرور آؤں گا، لیکن پہلے آپ کے اُستادِ محترم اور اپنے کرم فرما دسنوی صاحب سے اجازت تو لے لوں۔ بات یہ ہے کہ دوسروں کو مبتلاے رشک کرنے اور اپنے کو ہدفِ رقابت بنانے کا حوصلہ اب پہلے جیسا نہیں رہا، اگرچہ اِن دونوں کا لذت آشنا ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔

شیونگ مشین کا مژدہ ملا، احتیاط سے اُسے محفوظ رکھیے۔ شیونگ مشین کی قدر تو اِسی عمر میں معلوم ہوئی ہے، کیوں کہ کچھ دیر کے لیے چہرے پر رونق اب اِسی کی بدولت آجایا کرتی ہے۔

خوشیوں کی کمی کی شکایت نہ کیجیے، ہم بھی بہ قدرِ ذوق وظرف اِس کا شکار رہیں گے۔ میں نے کئی بار کہا ہے کہ جس شخص کو کبھی کسی قسم کی سزا نہیں ملی، جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس شخص نے ایک بار بھی سچ نہیں بولا۔

ہاں، راستہ بھوپال سے ہوکر ضرور گزرتا ہے، لیکن میں سرِ رہ گذر کا قائل ہی نہیں۔ توفیق رفیق ہوئی تو کبھی وہیں کا ارادہ کر کے آؤں گا۔ اسلام کا بس ایک ہی اصول تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے کہ اُس میں شرک کی گنجایش نہیں۔ اور جب آؤں گا، تو ظاہر ہے کہ محیط اور مرکز، دونوں آپ ہی ہوں گے (اِس قدر جلد دلوں کو جیتنے والے میں نے کم دیکھے ہیں)۔ رہا 'بزرگوں' کا

تذکرہ، تو حصولِ ثواب کی حد تک اُسے بھی ہوتے رہنا چاہیے؛ اِسی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
بچّوں کو پیار، بیگم کو دعائیں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر اخلاق آثر
۱۸؍جنوری ۱۹۸۴ء

بس یہ کہنا ہے کہ یہ دوسرا خط ہے، میں نے چوں کہ تین خطوں کے یہ جواب دیا تھا، اِس لیے ابھی مجھے جواب کا بھی انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ جتانا یہ ہے کہ یہ دوسرا خط ہے، تیسرا خط اس کے بعد کچھ وقفے سے لکھا جائے گا، تب جواب کا انتظار کروں گا۔

(یا اللہ! کیسے بنیوں سے سابقہ پڑا ہے جو ہمہ وقت ترازو ہاتھ میں لیے بیٹھے رہتے ہیں کہ پلّہ برابر ہوا یا نہیں، توبہ توبہ! قُربِ قیامت کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے)۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر اخلاق آثر
۱۵؍مارچ ۱۹۸۴ء

عزیز مکرم!

آپ کا ایک خط بہت پہلے ملا تھا، جس میں والد صاحب کی ناسازیِ طبع کی بابت مختصراً آپ نے لکھا تھا، اُس کے بعد سے پھر کوئی خیر خبر نہیں ملی۔ بھائی! خط فوراً لکھیے اور یہ بتائیے کہ والد صاحب کیسے ہیں، آپ کیسے ہیں اور بچّے کیسے ہیں! جی لگا ہوا ہے۔ میں اِن دنوں N.C.E.R.T. کی ورک شاپ میں پھنسا ہوا تھا، ۲؍کو ختم ہوئی ہے، اُس میں چھٹے درجے کی کتاب مکمل ہو پائی ہے (جو بنگلور میں بہ قدرِ نصف کے میں نے اور اطہر پرویز صاحب نے دیکھی تھی)۔ ساتویں کی کتاب کو بھی دیکھا گیا۔ میرے پاس وہ اگلی ورک شاپ میں آئے گی۔ نارنگ صاحب کہہ رہے تھے کہ اِس کا امکان ہے کہ اگلی ورک شاپ بھوپال میں ہو، اُنھوں نے غالباً دسنوی صاحب کو کچھ لکھا بھی ہے، لیکن ابھی یہ بالکل ابتدائی صورت ہے خیال اور قیاس کی، کچھ طے نہیں ہوا ہے۔ میں ۹؍مارچ کو جوشؔ سمینار کے سلسلے میں دو دن کے لیے لکھنؤ جاؤں گا۔

خط فوراً لکھیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر
۷/اپریل ۱۹۸۴ء

دنوں سے خیریت نہیں معلوم ہوئی، تشویش ہے۔ بہ راہِ کرم اپنی اور متعلقین کی خیریت سے مطلع کیجیے۔

چشم براہ ہوں

مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر
۱۵/اکتوبر ۱۹۸۴ء

کیوں صاحب! یہ کون سی ادا ہے کہ جانے کے بعد خیریت کا خط بھی نہیں بھیجا۔ بہ ہر حال، میں ابھی اُس خط کے آنے سے نا اُمید نہیں ہوا ہوں۔ میں کراچی سے اِسی ہفتے واپس آیا ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر
۳۱/دسمبر ۱۹۸۴ء

برادرم!

میرا یہ تیسرا خط ہے، اتفاق سے ڈاکٹر آفاق پچھلے ہفتے یہاں آئے تھے، شعبے میں اُن سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی اور اُن سے آپ کی اور بچّوں کی خیریت معلوم ہوگئی تھی، جس سے اطمینان ہوا تھا۔ اُنھی نے بتایا تھا کہ ڈاک کی تقسیم کا نظام وہاں درہم برہم رہا، اِس طرح یہ خیال ہوا کہ میرے خط آپ تک پہنچ ہی نہیں سکے ہوں گا۔

اب آپ خط لکھیے، جس سے مزید تشفّی ہو۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر اخلاق اثر

۱۹؍دسمبر ۱۹۸۸ء[9]

برادرم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۳؍دسمبر ۱۹۸۸ء ملا تھا، شکریہ۔

وہ مضمون میں نے دہلی اردو اکیڈمی کے سمینار منعقدہ ۲۷، ۲۸؍نومبر ۸۵ء میں پڑھا تھا۔ سمینار کا موضوع تھا 'دہلی کے اسکولوں میں ...... کے مسائل'۔

ایک پُرانا مضمون نظر آ گیا، اُسے ملفوف کر رہا ہوں، شاید آپ کے کام کا ہو؛ مگر اِسے پڑھ کر واپس ضرور کر دیجیے۔

میں ابھی سال بھر تو یہیں دہلی میں رہوں گا۔ آنکھوں میں تکلیف ہے، موتیابند کی، آپریشن ہونا ہے، یوں لکھنا پڑھنا کم سے کم ہو گیا ہے۔ دسنوی صاحب نے کس محبت سے مضمون مانگا تھا مولانا آزاد سے متعلق زیرِ ترتیب کتاب کے لیے، معذرت کرنا پڑی۔ بہ ہر حال می گذرد۔

نیر مسعود صاحب سے مفصّل ملاقات اُسی وقت ہوگی جب میں لکھنؤ جاؤں گا، کوئی صورت نکلنے کی دیر ہے، اُس وقت اُن سے بات کروں گا۔ خیال کرتا ہوں کہ ہوک اب تک نکل چکی ہوگی۔ "اپنا اپنا نامۂ اعمال ہے"۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر اخلاق آثر

۲۴؍اپریل ۱۹۹۸ء[10]

ہاں صاحب! آپ کا پوسٹ کارڈ بھی مل گیا، جس میں آپ نے اطلاع دی ہے کہ "ہماری زبان" کا وہ شمارہ آپ کو مل گیا، جس کے لیے میں نے لکھا تھا۔ اِس اِطّلاع میں اگرچہ شکوہ گزاری اور تعریض تہ نشیں ہے، پھر بھی جی خوش ہوا، خاص کر یوں کہ میں عالمِ بدحواسی میں اُس تراشے کو کسی محفوظ جگہ رکھ کر بھول گیا تھا، ڈھونڈھا، مگر نہیں ملا۔ ملے گا تو، مگر معلوم نہیں کب۔

ابھی جوانی کا کچھ خمار باقی ہے، یوں یہ موؤدب شوخیاں تو ہونا ہی چاہیے، مجھے بھی محض فرماں بردار پسند نہیں، اِس لیے بھی میرا جی خوش ہوا۔ کچھ تو اندازِ حُرکانہ باقی رہے، میں اِس ادا کو ہمیشہ پسند کرتا ہوں۔ بے نمک عمروں کا میں کبھی خریدار نہیں رہا۔

اب دوسری بات: اِس کا امکان ہے کہ میں اکتوبر یا نومبر میں چند روز کے لیے بمبئی جاؤں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ واپسی میں دن بھر کے لیے (صرف دن بھر، رات اِس میں شامل نہیں)۔ بھوپال رک جاؤں اور اپنے کرم فرما دسنوی صاحب سے نیاز حاصل کروں۔ کیا اِس کا انتظام ہو سکتا

ہے؟ یعنی دن بھر ٹھہرنے کا۔ اور یہ کہ آپ اسٹیشن پر آکر مجھے زحمتِ تلاش سے بچالیں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر اخلاق آثر

۳۱؍جنوری ۱۹۹۵ء[۱۱]

اخلاق آثر صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۱۷؍جنوری، مجھے ۲۹؍جنوری کو ملا، جب میں بمبئی سے واپس آیا۔ میں بہ عافیت ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آپ بھی مع متعلقین بہ خیریت ہوں گے۔

نذیر احمد صاحب فارسی کے معروف اُستاد، عالم اور محقق ہیں، میرے کرم فرما ہیں۔ اُن سے میری ملاقات علی گڑھ میں غالباً ۱۹۶۴ء میں ہوئی تھی، تب سے مراسم ہیں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ اپنے فرائضِ منصبی کو بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پہلی سطر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۲۔ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج ہیں۔

۳۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۔ مکتوب الیہ کا نام و مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۰۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

بنام ارجمند آرا، ڈاکٹر

(۱)

باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
یکم جون ۱۹۹۶ء

عزیزہ ارجمند! خط ملا، مجھے مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ تم خط بھی لکھ لیتی ہو۔ خدا توفیق میں اضافہ کرے۔ جواب زبانی دے سکوں گا۔ لمبی بات ہے، اگر تم کو مزید توفیق مل سکی ملاقات کرنے کی۔ خدا کرے تم بہ عافیت ہو اور کلر کی میں مصروف ہو اور مطمئن۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ارجمند آرا
یکم جون ۱۹۹۶ء

عزیزہ ارجمند!

تمھارا خط اطہر کے لفافے میں ملفوف تھا۔ اُن کے خط کا جواب آج ہی 203 پری ہار ہوسٹل کے پتے پر لکھا ہے، اگر اطہر وہاں نہ ہوں تو تم وہ خط وہاں سے لے لو۔ یونی ورسٹی کس تاریخ کو کھلے گی، اطہر سے کہو کہ اس کی بابت لکھیں اور یہ کہ اسلم صاحب دہلی میں ہیں یا دہلی سے باہر؟

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۶؍جون ۱۹۹۶ء

ارجمند!

میں نے تم کو اور اطہر کو الگ الگ خط لکھے تھے، کسی کے یہاں سے رسید نہیں ملی۔ کیا تم کو میرا خط نہیں ملا؟ یا تم جوابِ خط کی قائل نہیں ہو۔

اسلم صاحب کو گھر کے پتے پر خط لکھا تھا اور ایک ضروری بات پوچھی تھی، اُن کا بھی جواب اب تک نہیں آیا۔ تم اسلم صاحب سے پوچھو کہ ان کو میرا خط ملا یا نہیں، اگر ملا ہو تو اُن سے کہو اُس بات کا جواب فوراً لکھیں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۱؍ستمبر ۱۹۹۶ء

ارجمند آرا بیگم!

تمھارا خط ملا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ تم اب تک بہت کچھ کرتی رہی ہو، یعنی کچھ کام نہیں کیا ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم کو کام نہ کرنا آتا ہے۔ یہ بڑی صفت ہے، سب کو نہیں ملتی۔ جب کلرکی کی عادت پڑ جاتی ہے تو عالمِ خیال میں بھی آدمی وہی کرتا ہے۔ تم کو دوسروں کی فکر بہت رہتی ہے۔ آدمی کی یہ بڑی خوبی ہے کہ دل میں سب کا درد رہے، اپنے سوا۔ اتنا بڑا دل، جس میں سب کا غم سما جائے، کسے ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساری جگہ تو دوسرے کے غم نے گھر لی ہے، تمھارا اپنا غم بے چارہ کہاں رہے؛ سو وہ بے ٹھکانا ہی رہے گا۔ اب تم تحقیق و حقیق چھوڑو، روٹی ہانڈی دیکھو اور سوشل ورک کرو۔ اِس طرح بھی بہتوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ اللہ بڑا مسبب اور کارساز ہے۔

میں ۱۶؍ستمبر کو دہلی میں ہوں گا، مگر اُسی دن بمبئی روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں ۳۰؍۱اکتوبر تک رہوں گا۔ واپسی میں دو دن کے لیے دہلی میں ٹھہروں گا۔ اطہر سے کہو کہ وہ مجھے بمبئی کے پتے پر خط لکھیں، شاہد صاحب سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد۔ جب میں دہلی آؤں تو مجھ سے مل لیں، یعنی نومبر کے پہلے ہفتے میں۔ تاریخ آنے کی مجھ سے خط لکھ کر پوچھ لیں۔ سنیچر کی شام کو میں سکندر آباد میں تھا، یعنی ۷؍ستمبر کی شام کو۔ بمبئی سے واپس آکر اپنے حاضری کے رجسٹر سے تمھارا نام کاٹنے پر غور کروں گا۔ اسلم صاحب سے دہلی میں میں نے ۶؍ستمبر کو فون پر بات کی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ تمھارا خانہ اب تک خالی ہے کام کے لحاظ سے، یوں مجھے صورتِ حال کا زیادہ علم ہو سکا۔ اطہر کو میں نے سکندر آباد کے پتے پر خط لکھا تھا۔ پوچھ لینا کہ ملا یا نہیں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ارجمند آرا
بمبئی
۳۰؍ستمبر ۱۹۹۶ء

عزیزہ ارجمند!

تمھارا خط مل گیا۔ فی الوقت اصل کام ہے مرزا مظہر جان جاناں سے متعلق تحریکِ اصلاح

کا، یعنی ایہام گوئی کے خلاف اُن کی اور اُن کے تلامذہ (بہ شمولِ بیانؔ) کی خدمات۔ عبدالرزاق قریشی کی کتاب مرزا مظہر جانِ جاناں انجمن کی لائبریری میں ہے، اُسے دیکھ کر، اُس میں سے ضروری اجزا پر مشتمل ایک نوٹ مرتب ہونا چاہیے۔ شعرالہند جلد اوّل میں بھی ضروری باتیں ملیں گی اور جالبی کی تاریخ کی دوسری جلد میں بھی۔ کچھ باتیں ڈاکٹر محمد حسن کی کتاب دہلی میں اردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر میں ملیں گی اور چند باتیں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کی کتاب دہلی کا دبستانِ شاعری میں ملیں گی۔ یہ سب کتابیں ہر جگہ ملیں گی، خاص کر انجمن کے کتاب خانے میں۔ اِن کو پڑھ کر دس پندرہ صفحے کا ایک نوٹ مرتب کرنا چاہیے۔ مہینا بھر میں یہ بہ آسانی مرتب ہو سکتا ہے۔

کراچی والا نسخہ خود تم کو منگوانا پڑے گا، اور کسی طرح نہیں ملے گا۔ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس کے کیٹلاگ دہلی یونی ورسٹی لائبریری میں ہیں، اطہر کو ساتھ لے کر وہاں جا کر انھیں دیکھ سکتی ہو۔ اُن میں مخطوطے کے نمبر شمار مل جائیں گے۔ میں گھر جا کر اپنا نسخہ بھیج دوں گا، یا دہلی آیا تو ساتھ لیتا آؤں گا، وہ غالباً سب سے اچھا نسخہ ہوگا۔

میں بمبئی سے ۳۱ر اکتوبر کو راجدھانی سے چلوں گا، یکم نومبر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ دو دن رکوں گا اور اتوار کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ تم ۲ر نومبر سنیچر کی صبح کو گائر ہال آ سکتی ہو اطہر کو ساتھ لے کر، یا تنہا، جس طرح مناسب ہو۔ وہ ساتھ ہوں تو اچھا ہوگا۔ وہ پاسبانِ عقل نہ سہی، پھر بھی ساتھ رہیں تو اچھا ہے۔

ایک بات سمجھ لو: اِس بار کاہلی یا مصروفیت کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہو سکے گا۔ رات تھوڑی ہے اور سوانگ بہت۔ دل لگا کر کام کرو اور پیر توڑ کر بیٹھو۔ آنکھوں کا تیل ٹپکائے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ باقی ''فرائض'' ادا کرنے کو عمر پڑی ہے (اس میں عملی، خدماتی اور نقل نویسی؛ سب فرائض شامل ہیں)۔ مثل ہے: موچی کو عرش پر بھی بیگار ہی کرنا ہوگی۔ وہی احوال اُن سب مسلمان لڑکیوں کا ہے جن کا تعلق چھوٹے شہروں یا علاقوں سے ہے؛ مشقِ سخن بھی اور چکّی کی مشقت بھی؛ اس لیے اِس سلسلے میں مناجاتِ بیوہ قسم کی فریاد بے کار ہے، اُس کا کچھ حاصل نہیں۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ارجمند آرا

بمبئی، ۹ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

عزیزہ ارجمند!

میرا پچھلا خط ملا ہوگا، جس میں میں نے دہلی آنے کا پروگرام لکھا تھا۔ کسی وجہ سے پروگرام

بدل گیا ہے۔اب میں بمبئی سے ۲۴؍اکتوبر کو (جمعرات کے دن) راجدھانی سے چلوں گا اور ۲۵؍اکتوبر کی صبح کو نئی دہلی پہنچوں گا۔اب تم ۲۶؍اکتوبر کو سنیچر کے دن صبح گاڑ ہال آسکتی ہو۔ اطہر کو بھی اِس تبدیلی سے مطلع کردینا۔

میں اتوار کی صبح کو اودھ آسام اکسپریس سے شاہ جہان پور جاؤں گا۔خاکہ مل گیا تھا۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۳۱؍مارچ ۱۹۹۷ء

عزیزہ ارجمند!

تمھارا خط مجھے پرسوں ملا تھا۔ میں ڈیڑھ ماہ کے بعد بمبئی سے ۲۹؍مارچ کو یہاں آیا ہوں۔ ۲۸؍کو دہلی میں تھا۔ معلوم نہیں تھا کہ تم کہاں ہو، اس لیے اطلاع نہیں دی۔ اگر تم خط لکھتی رہتیں تو یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ میں بہ غرضِ علاج بمبئی میں مقیم رہا، جس کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور چھے ماہ تک جاری رہے گا۔ یہی مجھ سے ڈاکٹروں نے کہا ہے۔

جذبات، انسانی دولت ہوتے ہیں، مگر جذباتیت اچھی چیز نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ تم اِسی کی ماری ہوئی ہو۔ بہت جذباتی ہو۔ یہ تو ایک بات ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آدمی جیسا بھی ہو، جذباتی یا غیر جذباتی، جو فیصلہ ایک بار کرے، اُس پر نہ تو پشیمان ہونا چاہیے اور نہ اُس پر اظہارِ افسوس کرنا چاہیے۔ میرا تو یہی وتیرہ رہا ہے۔ جو فیصلہ کرلیا، کرلیا، پھر کبھی اُس پر پچھتایا نہیں۔ یہی تم کو کرنا چاہیے۔ جو کرلیا سو کرلیا اب سوچنا کیا۔ اطہر پریشان خاطر ضرور ہیں، اور یہ نتیجہ ہے اُن کی غیر مستقل مزاجی کا، مگر آدمی بُرے نہیں۔ دل صاف ہے اور یہ بڑی دولت ہے جس سے آج کل بیش تر لوگ محروم ہیں۔ بے پروائی اور سیماب مزاجی، یعنی تلوّن، اُن کی زندگی کا یا یوں کہو کہ طبیعت کا جز ہے، اِس کی شکایت بے کار ہے۔ اُن کی بعض خوبیوں کی بنا پر میں اُن کی ان خامیوں کو نظر انداز کردیتا ہوں۔ تم بھی یہی کرو۔ مستقبل بہ ہر حال بنے گا ضرور، کسی بھی شکل میں ہو۔ وہ لندن میں رہیں یا سکندرآباد میں، رہیں گے وہی اطہر فاروقی۔ یہ اُن کی کمزوری بھی ہے اور یہی اُن کی خوبی بھی ہے۔

مقالۂ تحقیق ضرور مکمل کرلو، یہ کبھی بہت کام آئے گا۔ تحقیق نہیں کروگی، تو پھر کروگی کیا۔ روٹی ہانڈی اب تمھارے بس کی نہیں، اُس سے تو یہی تحقیقی کام بہتر ہے۔ ایک مشغلہ تو ہے۔ تمھارے

اندر ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ذہین ہو اور کام کرنے کا سلیقہ بھی ہے۔ یہ صفات بھی اب کم یاب ہیں۔ اِنھی کی وجہ سے تمھاری قدر کرتا ہوں۔ اِس سلسلے میں اطہر تمھاری برابری تو کیا، تصوّرِ برابری بھی نہیں کر سکتے۔ اِس کا مجھے یقین ہے کہ ذرا سا دل لگالو گی تو کام مکمل ہو جائے گا۔ ارے بھائی! جب تم اطہر جیسے اوبڑ کھابڑ شخص سے دل لگا سکتی ہو تو تحقیق جیسی صبر آزما چیز سے بھی دل لگ سکتا ہے۔ بس ایک بار طے کر لینے کی بات ہے۔ اس کے بعد باقی کام تو تریا ہٹ کر ہی لے گی، عورتیں ضدی تو ہوتی ہی ہیں اور اسی لیے تحقیق بھی کر سکتی ہیں۔ طے کر لیا سو کر لیا۔ ضد میں تو بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔ تم نے وہ لطیفہ سنا ہے کہ ایک پٹھان صاحب محلے کی مسجد میں گئے، دیکھا کہ محلے کے شیخ صاحب نماز پڑھ رہے ہیں، مگر ہر دو رکعت کے بعد پھر نیت باندھ لیتے ہیں۔ پوچھا کہ شیخ جی! کتنی نمازیں پڑھو گے۔ وہ سیدھے آدمی، کہنے لگے کہ ۲۰ رکعت نفل پڑھنا ہیں۔ خان صاحب کو بڑا غصہ آیا کہ میں تو چار رکعت پڑھوں اور یہ ۲۰ رکعت۔ کھڑے ہو گئے، نیت کی: نیت کرتا ہوں میں ایک ہزار رکعت نماز نفل کی، ضد میں اس جُلاہے...... کی، اللہ اکبر!!

علی گڑھ کا عکس مل گیا، کافی ہے۔ کراچی کا عکس نہ ملے تو کچھ ہرج نہیں۔ مگر جیسا بھی ہو اور جس طرح بھی ہو، اکتوبر سے پہلے مقالہ جمع ہو جائے، ورنہ سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ وہ منحوس شخص تم کو ڈگری نہیں لینے دے گا؛ کسی اور وجہ سے نہیں، محض اپنی جہالت کی وجہ سے اور بغضِ معاویہ کی وجہ سے۔ بدبخت تبرّائی ہے، سیدھا جہنم میں جائے گا انشاء اللہ!!

اسلم صاحب سے میرا سلام کہو اور میرا سارا احوال کہہ دو۔ پھر اُن کا سلام مجھے پہنچادو تم کو توفیق ہو تو تم بھی اپنا سلام لکھ سکتی ہو۔ جمبئی میں مجھے بتایا گیا کہ اطہر فاروقی صاحب نے کلیاتِ اختر الایمان ہندی میں چھاپا ہے۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کسی کو یقین نہ آیا کہ مجھے بھلا نہیں معلوم ہوگا! لوگ بھی کس قدر خوش گمان ہوتے ہیں۔

اب تم مجھے فوری طور پر لکھو کہ تم کیا کر رہی ہو اور کتنے صفحات لکھ لیے ہیں مقدّمے کے۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں، صاف اور سچی بات لکھو۔ میں تو یہاں ہوں، نہ ڈانٹ سکتا ہوں نہ پھٹکار سکتا ہوں، اِس لیے تامّل کی ضرورت نہیں۔ پوری بات لکھو۔ سعدیہ تم کو بہت یاد کرتی ہے۔ معلوم نہیں تم کس کو یاد کیا کرتی ہو۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۹/اپریل ۱۹۹۷ء

عزیزہ ارجمند!

۱۳/اپریل کا تمھارا خط ملا۔ تم جس ذہنی کشمکش سے گزر رہی ہو، اُس پر مجھے ذرا بھی تعجب نہیں۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوتا، تب ضرور تعجب ہوتا۔ ذہانت اور جذبات کا جب ایک نقطے پر اجتماع ہو جاتا ہے تو مزاج میں یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمھاری قدر تمھاری ذہانت کی بنا پر کرتا ہوں۔ تمھاری جذباتیت کی یوں قدر کرتا ہوں کہ ایسا شخص اور جو بھی ہو، منافق نہیں ہو سکتا اور یہ صفت اب کم یاب ہے۔

تم میں ایک اور خوبی بھی ہے اور وہ ہے عورت، کا تصوّرِ وفاداری۔ بس ذرا سی بات یہ ہے کہ استقامت کی کمی ہے۔ اگر تم ایک بار اِس صفت کو پیدا کر لو تو تمھارا کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ عارضی طور پر سہی، دل کو ذرا سخت کر لو اور آنکھوں کو بے نم۔ رونا محروم زدہ لوگوں کو راس آتا ہے، تم کو کیوں راس آئے؟ رونے والے مضبوط ارادے سے محروم ہو جاتے ہیں اور قوتِ عمل سے بھی۔ یگانہ نے کہا ہے:

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جُرم اپنے نام لکھوانا نہیں آتا

تو اب رونا اور کڑھنا کچھ دنوں کے لیے چھوڑ دو اور مضبوطی کے ساتھ کام میں لگ جاؤ۔ تم کو یہ موضوع اِسی لیے دیا گیا تھا کہ ''ٹیبل ورک'' ہے، دوڑ دھوپ اِس میں نہیں۔ اکتوبر کون سا دور ہے، بس آنے ہی والا ہے؛ اِس لیے اِس خط کے ملتے ہی نئے عزم کے ساتھ کام شروع کر دو۔

میرا دہلی آنا اب ذرا سا دقّت طلب ہے؛ آؤں گا ضرور، مگر ایک دو ماہ کے بعد، جب تم یہ لکھو گی کہ تم نے سو صفحے مکمل کر لیے ہیں۔ جب تک یہ نہیں لکھو گی، میں اُدھر کا رُخ نہیں کروں گا۔ اگر آؤں گا بھی، تو تم کو مطلع نہیں کروں گا۔ جب تم میری بات ہی نہیں مانتی ہو تو میں تمھاری بات کیوں سنوں اور کیوں مانوں۔ جب تم خط لکھو گی، تو خواہ وہاں کا کوئی کام ہو یا نہ ہو، میں دو چار دن کے لیے آ جاؤں گا، ضرور آؤں گا۔

میں شاید دو ماہ کے بعد چک اَپ کے لیے پھر بمبئی جاؤں گا، دہلی ہوتا ہوا۔ اگر تم نے کچھ کام اُس وقت تک کر لیا، یعنی کم سے کم سو صفحے لکھ لیے، تب پروگرام سے تم کو مطلع کروں گا۔ بہ صورت دیگر خاموشی سے چلا جاؤں گا۔ تم اگر یہ چاہتی ہو کہ مجھے تمھاری طرف سے تکلیف پہنچے اور میرا دل دُکھے، تو ٹھیک ہے کام نہ کرو۔ اگر یہ نہیں چاہتی ہو تو پھر کام میں لگ جاؤ۔

اسلم صاحب سے میرا سلام کہو اور کہو کہ ابھی میرا مرحوم ہونے کا ارادہ نہیں، اگرچہ عوارض کا

تقاضا یہی ہے اور شاید تمنا بھی۔ چھے ماہ کے بعد جب مفصل چک اَپ ہوگا، تب صحیح بات کہہ سکوں گا۔ چھے ماہ بھی کچھ دور نہیں۔ اگر اِس دوران، یعنی چھے ماہ میں تمھارا مقالہ مکمل ہو جائے تو مجھے بہت سکون ملے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِس کا اچھا اثر میری صحت پر بھی پڑے اور مجھے فائدہ پہنچے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ارجمند آرا
۱۶۷- باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۳۰؍جون ۱۹۹۷ء

ارجمند!

تم کہاں کھوگئی ہو؟ کیا پولیس میں گم شدگی کی رپورٹ لکھانا ہی ہوگی۔ کام نہ کرو، خط تو لکھو۔ اطہرؔ نے بھی خط کا جواب نہیں دیا۔ اِس اندازِ تحرکانہ کو کیا کہوں! اسلمؔ صاحب بمبئیؔ میں ہیں یا دہلیؔ میں؟

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۶؍ستمبر ۱۹۹۷ء

تمھارا ۱۲؍جولائی کا خط مجھے اب پرسوں ملا، یوں کہ میں یہاں تھا ہی نہیں۔ ۱۳؍ستمبر کو پورے دو ماہ بعد بمبئیؔ سے واپسی ہوئی ہے۔

میں نے تمھارے خط کو دوبار توجہ سے پڑھا۔ تم سے مجھے شروع سے ہی ہمدردی رہی ہے اور اب بھی ہے۔ تم نے وہ مثل سنی ہے: خصم کیا، بُرا کیا، کر کے چھوڑا، اور بُرا کیا۔ میں کبھی اپنے کیے پر پشیمان نہیں ہوا، خواہ کتنا ہی پریشان رہا ہوں۔ خواجہ احمد فاروقیؔ سے جھگڑا کرلیا، جو ۲۷ سال تک برقرار رہا۔ بہت نقصان اٹھایا، مگر پچھتایا نہیں۔ آج تم کو بتا رہا ہوں کہ یہ جھگڑا ذکیہ انجمؔ کے سلسلے میں ہوا تھا۔ کبھی نہیں گھبرایا، کبھی نہیں شرمایا اور کبھی پشیمان نہیں ہوا۔ بہت نقصان اٹھایا، گریڈ نہیں ملا۔ نہ ملے، نقصان ہوتا ہے تو ہو، کر کے پچھتانا شیوۂ دوست داری کے خلاف ہے۔ اطہرؔ کے مزاج کو تم خوب جانتی تھیں، اُس کے باوجود جب تم نے اُن سے رشتہ جوڑا، تو اب توڑنے یا گھبرانے یا پچھتانے کی کیا بات ہے۔ رہیں پریشانیاں، تو وہ تو اُسی دن تمھارے مقدّر کا حصّہ بن گئی تھیں جس دن تم نے اُن کو چُن لیا تھا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔ پریشان اور

سراسیمہ رہوگی تو اپنا ہی نقصان کروگی اور حوادث سے مقابلہ کرنے کی طاقت کھوتی رہوگی۔ بس بہت ہوگیا، اب آج سے اپنے ذہن کو جھٹک دو اور کام شروع کرو۔ زمانہ سب سے بڑا اُستاد ہے، وہ اطہر کو بھی اپنے ڈھب پر لگالے گا۔ اُن کا خط بھی آیا ہے جو میرے سامنے ہے۔ انھوں نے کچھ باتیں لکھی ہیں اور اُن کو اپنی نامعقول طبیعت کا احساس ہے۔

میں ۱۲ ستمبر کو دہلی میں تھا۔ تم سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ تم ہو کہاں۔ اب میں دسمبر کے آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے غالب سمینار میں شرکت کے لیے وہاں آؤں گا جو ۲۳، ۲۴، ۲۵ رکو ہوگا۔ اُس وقت تم مجھ سے مل لینا، مگر اس شرط پر کہ اُس وقت تک تم نارمل ہو چکی ہو۔ تحقیق کرو یا نہ کرو، نارمل ضرور ہو جاؤ۔ تم اگر بمبئی مجھے خط لکھتیں تو شاید ۱۲ رکو دہلی میں ملاقات ہو جاتی؛ مگر تم تو جوگن اور بروگن بنی ہوئی تھیں، خط کون لکھتا۔ کیسی ہنسی آتی ہے تم پر، آگ کے دریا سے گزرے بغیر ہی کپڑے جلا چکیں۔ خوب! اب آدمی بنو اور زندگی میں ترتیب پیدا کرو۔ پُل کے نیچے سے پانی بہہ گیا ہے، مگر سب پانی نہیں بہا ہے، ابھی بہت کچھ باقی ہے، وقت بھی اور کام بھی۔ تم بہت جذباتی ہو، جذبات اور جذباتیت کے فرق کو سمجھو لڑنے جھگڑنے سے کبھی کسی کا کام بنا ہے جو تمھارا کام بنے گا۔ اطہر کے اندر مآل اندیشی نام کی کوئی چیز نہیں اور خوش فہمی بہت ہے، امیدیں باندھ لیتے ہیں جو نقش برآب ثابت ہوتی ہیں۔ ہر طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں۔ ایک طرف کے ہو رہیں تو کچھ ہو رہے۔ جب آرزوئیں بہت ہوتی ہیں تو حصے میں کم سے کم آتا ہے یا کچھ نہیں آتا۔ یہی اُن کا المیہ ہے۔ خیر، زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے بعد خود بہ خود راستے پر آجائیں گے۔ تم بھی اگر بکھرنے لگیں تو پھر اُن کو سمیٹے گا کون۔ وہ تو چاند کو ہمیشہ چھونا چاہتے ہیں، یوں زمین پر اُترتے ہی نہیں۔ بہتے ہوئے پانی پر تو رستم کے بھی قدم نہیں جمتے۔ جب وہ اِس رمز کو سمجھ لیں گے تو زمین پر چلنے لگیں گے اور کچھ کرنے بھی لگیں گے۔

تم مفصّل خط لکھو، تاکہ مجھے پوری بات معلوم ہو اور میں صورتِ حال کا صحیح طور پر اندازہ کرسکوں۔ منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ارجمند آرا

معرفت مسٹر بھوشن کمار

بی/۲۷-انکور ہاؤسنگ سوسائٹی

آنند نگر (سنتا کروز-ایسٹ)

ممبئی ۴۰۰۰۵۵

۱۹؍جنوری ۱۹۹۸ء

ارجمند!

توقع کرتا ہوں کہ تم بہ عافیت ہوگی، جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی۔ تم نے پچھلی بار یہ کہا تھا کہ تم اپنی لائبریری کی طرف سے مائکروفلم کا عکس بنوادوگی۔ میں نے اُسے رجسٹری سے تمھارے پاس بھجوادیا ہے۔ صدرِ شعبۂ اردو بمبئی یونیورسٹی ڈاکٹر یونس اگاسکر نے بھیج دیا ہے اُسے۔ خط بھی لکھا ہوگا۔ اگر بہ آسانی یہ کام ہوسکے تو کرالینا اور مارچ میں جب میں دہلی آؤں تو مجھے دے دینا۔ اگر نہ ہو تو کچھ ہرج نہیں، اپنی طرف سے مت کرانا۔ پھر میں انجمن سے کہوں گا۔

ایک کام اور، مگر وہ اطہر کے ذمّے کا ہے۔ جب وہ آئیں تو اُن سے میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ رسالہ آج کل کے ۱۹۴۵ء (یا ۴۶ء) کے شمارے میں میر حسن اور مثنوی سحرالبیان پر ایک مضمون چھپا تھا جس میں کچھ موسیقی کی اصطلاحوں کی بحث ہے، اُس کا عکس مجھے ضرور چاہیے ہے۔ اِسی لفافے میں اڈیٹر آج کل کے نام کا خط ہے، وہ ضرور تعاون کریں گے، مشین بھی غالباً وہاں ہے۔ اُسے ضرور بنوالیں، خواہ اِس کے لیے پریشانی اٹھانا پڑے۔ اور اِسے بھی اُس عکس کے ساتھ مارچ ہی میں مجھے دے دیں۔ اطہر کو اِس کے لیے بہت دعائیں دوں گا، اگرچہ دعاؤں کا نہ میں قائل ہوں اور نہ وہ؛ مگر مشکل یہ ہے کہ اور کچھ دینے کے لیے میرے پاس ہی نہیں، کیا دوں گا۔

ہاں اِس خط کا جواب فوری طور پر لکھو اور ضرور۔ ایک دو روزے بھی رکھ لو تو خوب ہو، اب تو آخری بہار ہے رمضان کی۔ عید کی پیشگی مبارک باد، مگر محض رسمی اور روایتی مبارک باد۔ دراصل اب ہم لوگوں کی زندگی میں مبارک باد جیسے لفظ اپنی معنویت کھو چکے ہیں اور خود زندگی معنویت سے دور ہوتی جارہی ہے۔

رشید حسن خاں

نیا پتا اوپر درج ہے۔ فون نمبر ہے: 6102068۔ آج کل کے اڈیٹر والا خط کسی سادے لفافے میں رکھ دینا۔

(۱۲)

بنام: ارجمند آرا

بمبئی

۱۳؍فروری ۱۹۹۸ء

عزیزہ ارجمند!

تم نے خط نہیں لکھا۔ میں نے خط لکھا تھا، مائکروفلم بھجوائی تھی، رجسٹری سے، دونوں کی رسید نہیں ملی۔ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو۔ میں بمبئی سے ۵ر مارچ کو راجدھانی سے چلوں گا۔ ۶ر مارچ کو جمعے کے دن وہاں پہنچوں گا اور ۷ر مارچ کو سنیچر کے دن شاہ جہان پور چلا جاؤں گا۔ کیا یہ ممکن ہوگا کہ تم ۶ر مارچ کو جمعے کے دن ۲ بجے تک گائڑہال آجاؤ۔ میں تین بجے تک تمھارا انتظار کروں گا اور پھر یہ سمجھ لوں گا کہ میرا خط تم کو نہیں ملا، یا تم دہلی میں نہیں ہو۔ پھر میں کناٹ پلیس جاؤں گا اپنی چاے لینے کے لیے۔ ہاں، وہ ٹاٹ یا کاغذ پیکنگ کے لیے ضرور لانا۔ اگر تم لیتی آؤگی تو خوب ہوگا کہ میں جانے سے بچ جاؤں گا۔ چائے کے پیسے میں فوراً دے دوں گا اور ضرور۔ یہ وہاں صرف جانکی داس ڈپارٹ منٹل اسٹور میں ملتی ہے، پالکا بازار سے بائیں طرف کو جو ونگ شروع ہوتا ہے، اس میں شاید تیسری دکان ہے۔ لپچو، آدھا کلو کا پیکٹ، لپچو کی دو قسمیں ہیں، اچھی قسم گولڈن آرنج پیکو ہوتی ہے۔ آدھا کلو کا پیکٹ -/144 کا ملے گا۔ چوں کہ یہ میں منگوا رہا ہوں، اس لیے یہ رقم لازماً ادا کی جائے گی۔ اطہر نے بھی خط نہیں لکھا۔

یہاں کا پتا پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ فون: 6102068

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: ابھی تمھارا ۹۱ر فروری کا خط مل گیا۔ ۶ر مارچ ۲ بجے تک اطہر کے ساتھ آنا۔ چاے لیتی آنا۔

(۱۳)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۹ر مارچ ۱۹۹۸ء

عزیزہ ارجمند!

معلوم نہیں تم اِس وقت کہاں ہو اور یہ کہ تمھارے والد صاحب کی طبیعت کیسی ہے۔ میں نے اطہر سے مفصل بات کی تھی، انھوں نے تم کو بتا دیا ہوگا کہ حبیب خاں کے انتقال سے میری مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ پنشن کیسے ملے گی۔ اُن کو میں چک بھیج دیتا تھا اور وہ مجھ کو بینک ڈرافٹ بنوا کر بھیج دیتے تھے یوں یہاں کا کام چلتا تھا۔

میں اس لفافے میں ایک چک بھیج رہا ہوں۔ اِسے تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کردو اور مجھے تین ہزار روپے کا بینک ڈرافٹ بنوا کر بھیج دو یہ جس قدر مجھے مل جائے گا اتنا ہی اچھا ہوگا۔ تمھارے اکاؤنٹ میں میرے چک کی رقم تیسرے دن آجائے گا، یہاں اسٹیٹ بینک، بینک آف انڈیا، پنجاب نیشنل بینک وغیرہ کی شاخیں ہیں، کسی بھی بینک کا ڈرافٹ ہو، کیش ہو جائے گا یہاں۔ بینک

خود بتادے گا کہ اُس کی برانچ شاہ جہان پور میں ہے یا نہیں۔ میں تم کو -/3025 کا چک بھیج رہا ہوں، تم بینک ڈرافٹ -/3000 کا بھیجوگی۔ باقی رقم ڈرافٹ کے کمیشن کی اور رجسٹری کی ہے۔ ڈرافٹ کو کراس ضرور کر دینا۔ اِس خط کی رسید فوراً بھیجو۔

سادہ کاغذ اس وقت ملا نہیں، کیا کرتا۔

رشید حسن خاں

اگر تم کو زیادہ پریشانی نہ ہو تو میں آیندہ چار پانچ چک آیندہ کی تاریخوں کی بھیج دوں۔ ہر ماہ بھیجتی رہنا بینک ڈرافٹ۔ کیا یہ ہوسکتا ہے؟

(۱۴)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲۲ر اپریل ۱۹۹۸ء

ارجمند!

آج تمھارا لفافہ ملا۔ میں نے گھبرا کر اطہر کو رجسٹرڈ خط لکھا تھا کہ ارجمند شاید دہلی میں ہیں نہیں، اب معلوم ہوا کہ میں نے عجلت برتی، ذرا انتظار کرنا تھا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ شاید تم سکندر آباد میں ہو عید کے بعد، اور دیر سے وہاں سے چلوگی۔ خیر، اب تم آج ہی اطہر کو خط لکھ دو کہ اب سب ٹھیک ہے۔

میں جون کے اواخر میں یا وسط میں دہلی آؤں گا سات، آٹھ دن کے لیے۔ تم کو تاریخ سے مطلع کر دوں گا۔ تب وہیں سارا کام دیکھ لوں گا۔

سعدیہ آج اپنی نانی کے یہاں گئی ہوئی ہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲۲ر مئی ۱۹۹۸ء

عزیزہ ارجمند!

تمھارا خط ملا تھا۔ میں ۲۱ر مئی کو دہلی آنے والا تھا، رزرویشن بھی کرالیا تھا، عین وقت پر ارادہ بدل گیا، ہمت نہیں پڑی، طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اب میں جون کے آخر میں وہاں آؤں گا اور تم

کو پہلے سے مطلع کردوں گا۔ تمھارے وہ تینوں باب میرے پاس محفوظ ہیں، اُنھیں دیکھ کر ساتھ لیتا آؤں گا اور اب میں سب سے پہلے متن دیکھوں گا جو اصل چیز ہے۔ مقدّمہ بعد کو دیکھوں گا اور تذکرہ والا حصّہ بھی دیکھوں گا۔ جتنے تذکرے مل سکیں، ٹھیک ہے، غیر ضروری طور پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اطہر کیسے ہیں، اِدھر اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ اب کے جب میں دہلی آؤں گا تو قیام اِس بار تو گائرہال ہی میں رہے گا۔ بمبئی سے واپسی پر قیام .J.N.U میں ہوگا اور تب چار، پانچ (دن) رُکوں گا تا کہ سارا کام دیکھ لوں وہیں رہ کر۔

''اطہر نے بتایا تھا کہ یوپی اکیڈمی نے ۵۱ ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے''۔ ہاں بی بی! یہی ہونا چاہیے تھا، جیتی رہو۔ ایک لاکھ گیارہ ہزار کو ۵۱ ہزار بنادیا، اچھا کیا۔ تمھاری مبارک باد بھی اِسی نسبت (ایشو) کے لحاظ سے قبول کی گئی۔ اطہر سے کہنا کہ مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے بھی اپنا آل انڈیا ایوارڈ ''پرویز شاہد ایوارڈ'' مجھے دیا ہے؛ وہ دس ہزار کا ہے۔ اب تم اِس کو بھی ڈھائی ہزار بنالو پہلے، پھر اِس کی مبارک باد بھیجو۔

سعدیہ بہت خوش ہیں لفافہ پا کر، اُن کا آداب قبول کرو۔ اطہر نے لکھا تھا کہ گھڑیاں خرید لی ہیں، اب اچھی طرح یاد نہیں کہ یہی لکھا تھا کہ یا کچھ اور۔ تم لکھو کہ صحیح صورت کیا ہے۔ اگر بالفرض خریدی ہیں تو میں جب آؤں گا، اُن کو لے لوں گا، مگر پوری قیمت پر، بغیر قیمت ہرگز نہیں۔

ایک بات یہ لکھو کہ تمھارے پاس کس مہینے کا چک بچا ہے، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے چک بھیجے تھے، یہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ مزید چک ساتھ لیتا آؤں اگلے مہینوں کے لیے۔

تم گرمیوں میں گھر تو ضرور جانا مگر زیادہ دن کے لیے نہیں، جلد واپس آجانا۔ خط لکھو۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲۶ر مئی ۱۹۹۸ء

ارجمند!

آج رجسٹری ملی۔ اب تک تم کو میرا مفصل خط مل چکا ہوگا۔ موسم نے حواس باختہ کر رکھا ہے۔ سارا کام کاج بند ہے، نہ قلم چلتا ہے نہ ذہن۔ ذرا کوئی چھینٹا پڑ جائے تو جان آئے اور قلم چلے۔ میں اب دہلی آؤں گا اگست میں، جب تپش کم ہوجائے گی۔ تین دن .J.N.U کے ہوسٹل

میں ٹھہروں گا تا کہ سارا وقت تم سے متعلق رہے۔ چوتھے دن گائر ہال چلا جاؤں گا۔ آنے سے پندرہ دن پہلے خط لکھ دوں گا۔

یہ ضرور لکھو کہ تمھارے پاس کوئی چک ہے یا نہیں، مجھے کچھ یاد نہیں۔ نہ ہو تو دو تین چک بھیج دوں۔ سعدیہ سلام کہتی ہیں۔

اطہر سے کہنا کہ دہلی آ کر مجھے خط ضرور لکھیں۔ اُن کی مجھے بہت فکر ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۶؍جون ۱۹۹۸ء

کل تمھارا خط ملا۔

طبیعت تو ٹھیک ہے مگر موسم اور بجلی کی کٹوتی نے بے حال کر رکھا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ اطہر نے ۳؍ یا ۴؍ مئی کو ایک خط رجسٹری سے بھیجا تھا۔ ضرور بھیجا ہوگا، یوں کہ تم نے لکھا ہے؛ مگر جو خط عالمِ خیال میں لکھا جاتا ہے، وہ اُسی عالم میں پہنچتا بھی ہے۔ یہ بڑی مجبوری ہے۔ اب تم ذرا اُن کی سروس کے بارے میں ضرور تفصیل لکھو تو مجھے کچھ معلوم ہو۔ منتظر ہوں۔

J.N.U. میں یوں دو تین دن ٹھہروں گا کہ وہ ترقی پسندوں کا گڑھ ہے (یا تھا) صبح کو وہاں مجھے چاے یا تو ملے گی نہیں، یا وہی کاڑھا وید جی والا۔ گائر ہال میں یہ آسانی ہے کہ کمرے میں سارا سامان موجود ہے، خود بنا لیتا ہوں۔ اور پھر سچ مچ کا کافی ہاؤس پاس ہی ہے، وہاں ہو آتا ہوں۔ یہ بورژوا چیزیں وہاں کہاں۔ وہی ایک ڈھابا اور وہی پنچایتی گانو کی چوپال، جسے وہاں کے لوگ کافی ہاؤس کہتے ہیں۔ چائنا برانڈ ترقی پسندی ایسی ہی ہوتی ہے۔ بہ ہر طور تمھارا کام مکمل کر کے ہی دہلی سے چلوں گا۔ کیوں کہ اِس بار مکمل نہ ہوا تو پھر نہیں ہو پائے گا، بار بار سفر نہیں ہو سکے گا۔

یکم دسمبر ۱۹۹۸ء تک کے چھے چک بھیج رہا ہوں۔ ان کی رسید فوری طور پر بھیجو۔ گھڑیاں حفاظت سے رکھے رہو۔ اُن میں سے ایک تو میرے کام آئے گی، میری گھڑی اب بہت پریشان کرنے لگی ہے۔

سعدیہ سلام لکھا رہی ہیں اور پیشگی شکریہ ادا کر رہی ہیں۔ مجھے ڈائریا ہو گیا تھا، اب ٹھیک ہوں اور ٹھیک رہوں گا۔ مفصل خط فوری طور پر لکھو، جس میں اطہر کی نئی ملازمت کی تفصیل ہو۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲؍جولائی ۱۹۹۸ء

عزیزہ ارجمند!

رجسٹری مل گئی۔ اطہرؔ کا کوئی خط اب تک نہیں ملا، کیا بات ہے؟ تم فوری طور پر یہ لکھو کہ اب تک تم نے کیا کام کرلیا ہے۔ متن مکمل ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ جس کام کو یہاں بیٹھ کر دیکھ سکتا ہوں، اُسے دیکھ لوں۔ سب کام تو وہاں بیٹھ کر نہیں دیکھ پاؤں گا۔ تمھارے تین باب میرے پاس محفوظ ہیں۔ کل سے اُن کو دیکھنا شروع کروں گا اور دیکھ کر بھیج دوں گا رجسٹری سے۔ اُس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ متن کو دیکھ لوں۔ مکمل تو ہوگا، اگر مکمل ہے تو تم فوری طور پر اُس کو رجسٹری سے بھیج دو۔ میں فوراً دیکھ کر واپس کردوں گا۔ خط فوراً لکھو۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: اطہر سے کہو کہ ترقی اردو کا کام فی الحال ضرور کرلیں۔ فیصلہ بعد کو ہو جائے گا۔

(۱۹)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲۹؍جولائی ۱۹۹۸ء

ارجمند!

رجسٹری لفافہ مل گیا، اس سے معلوم ہوا کہ تم آج کل کلرک بنی ہوئی ہو اور اگست تک یہی صورت رہے گی۔ اب یہی کرسکتا ہوں کہ اگست کے بعد دہلیؔ آنے کا پروگرام بناؤں۔ میں ۳۰؍کی رات میں یہاں سے چلوں گا، ۳۱؍کو دہلیؔ میں ہوں گا، مگر رکوں گا نہیں، شام ہی کو بمبئیؔ چلا جاؤں گا۔ وہاں سے اکتوبر میں واپسی ہوگی، تب دہلیؔ میں کئی دن رکوں گا تمھارے کام کے لیے۔ ایسا پروگرام محض تمھاری کلرکی کی وجہ سے بنانا پڑا ہے۔ میرا تمھارے ساتھ اب وہی احوال ہے کہ آ پھنسے تو یا حسین۔ تم کو خرافات سے فرصت نہیں، کام کیسے ہو۔

تم نے لکھا ہے کہ متن کا پیکٹ کل بھیج رہی ہوں، مگر یہاں تو آج کے دن تک کوئی پیکٹ نہیں آیا۔ اب آیا بھی تو رکھا رہے گا، جب واپس آؤں گا تبھی دیکھ پاؤں گا۔ تم اب بہت گڑبڑا کرنے لگی ہو۔ سارا پروگرام چوپٹ کرادیتی ہو۔ اگر اطہرؔ اِسی دنیا میں ہو تو اُن سے میرا اسلام کہو

(اور کہوں کیا)۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ارجمند آرا
معرفت مسٹر بھوشن کمار
بی/۲۷، اَنکر کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی
آنند نگر، سانتا کروز-ایسٹ،
ممبئی-۴۰۰۰۵۵
٦/اگست ۱۹۹۸ء

ارجمند!

تم کو شاہ جہان پور سے میں نے ایک خط لکھا تھا۔ میں یہاں یکم اگست کو آیا، بہ خیریت ہوں۔ تمھارے متن کا کیا ہوا؟ اگر مکمل کرلیا ہو تو یہاں میرے پاس رجسٹری سے بھیج دو۔ میں دیکھ کر واپسی میں ساتھ لیتا آؤں گا۔ میری واپسی غالباً اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ہو سکے گی۔ اطہر کہاں ہیں؟

رشید حسن خاں

یہاں کا فون نمبر: 6102068

(۲۱)

بنام: ارجمند آرا
B/27، انکر ہاؤسنگ سوسائٹی
آنند نگر، سانتا کروز (ایسٹ)
ممبئی 400055
۲۴/اگست ۱۹۹۸ء

ارجمند!

ابھی تمھارا بھیجا ہوا پیکٹ ملا۔ اسے میں دیکھوں لوں گا۔ میں ٹھیک ہوں، یار لوگوں نے خبر اُڑا دی اسپتال میں بھرتی ہونے کی، خیر، یوں بھی سہی۔

میں یہاں سے غالباً ۲٦/ستمبر کو چلوں گا راجدھانی سے، یہ صبح ۹ بج کر چالیس منٹ پر دہلی پہنچتی ہے۔ وہیں سے ڈیڑھ بجے کاشی وشوناتھ سے شاہ جہان پور روانہ ہوں گا۔ دہلی میں اِس

بار رکوں گا نہیں۔ میں نومبر میں تم کو شاہ جہان پور بلالوں گا ۸،۱۰ دن کے لیے۔ ڈرافٹ میرے ہی نام سے بھیجنا، وہ میرے حساب میں جمع ہو جائے گا۔

اطہر کا خط بھی پڑھ لیا۔ اُن سے بہت ہمدردی ہے۔ حالات کے دباو کو اور مدّو جزر کو انھوں نے سنجیدگی سے کبھی قبول نہیں کیا۔ لیکن اِس کی امید ہے کہ وہ اپنی محنت، کوشش اور سخت جانی کی مدد سے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے۔ تم نے تو لکھا تھا کہ وہ ترقی اردو بورڈ میں کچھ کر رہے ہیں۔ نصیر خاں سے بنا کر رکھو، یہ ضروری ہے۔ اُن سے ملتی رہو۔ آدمی کو ہر روز صبح کو بیت الخلا بھی تو جانا پڑتا ہے اور وہاں بیٹھنا بھی پڑتا ہے۔ اسلم صاحب سے بھی ملتی رہو۔

اطہر سے کہو کہ وہ اگر ۲۷ رستمبر کو دہلی میں ہوں تو اسٹیشن پر آجائیں، تم بھی اُن کے ساتھ آجانا۔ زبانی گفتگو بھی ہو جائے گی۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

یہ خط اطہر کو دکھا دینا۔ گھر پر فون لگ گیا ہے، نمبر ہے: 75204۔ وہاں کا کوڈ نمبر 01494 بمبئی کا فون: 6102068۔ خط لکھو۔

(۲۲)

بنام: ارجمند آرا
بمبئی
۳۱ راگست ۱۹۹۸ء

ارجمند!

تین حصّوں میں سے دو کو دیکھ لیا، بھیج رہا ہوں۔ انھیں فوری طور پر صاف کرلو۔ اسلم صاحب سے فوراً مل کر پوچھو کہ اختلافِ نسخ کے حاشیے ہر صفحے پر ہوں گے، یا الگ ضمیمے کی شکل میں۔ تاکہ دوبارہ بدلنا نہ پڑیں۔ اِس بار ان کو ٹائپ کرالو۔

سب مآخذ (خطّی نسخے، تذکرے وغیرہ) کے مخففات مقرر کرلو اور اختلافِ نسخ میں اُسی نشان کا حوالہ دو۔ پورے نام نہ لکھو۔

دو طرح کے نمبر شمار بھی نہ لکھو۔ سارے اختلافات ایک ہی سلسلے کے نمبر کے تحت لکھو۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں، انھیں اصل میں پھر دیکھو اور تصحیح کرو۔

مرزا مظہر کی تحریکِ اصلاحِ زبان سے متعلق تین چار صفحے کا ایک نوٹ تیار کرلو۔ قریشی کی کتاب اور جالبی کی تاریخ ادب بہت کافی ہوں گی۔ سنیچر تک یہ واپسی کی قطعی تاریخ معلوم ہو سکے گی کہ اُسی دن ٹکٹ آئے گا۔ تم اسٹیشن آجانا اطہر کے ساتھ، وہیں باقی صفحے دے دوں گا اور

ضروری باتیں بھی بتا دوں گا۔ میں راجدھانی سے آؤں گا جو ۹ بج کر چالیس منٹ پر پہنچتی ہے دہلی۔ وہیں سے ایک بجے کاشی سے شاہ جہان پور چلا جاؤں گا۔ میں نے تم کو پچھلے خط میں شاہ جہان پور کا فون نمبر لکھ دیا ہے، فون لگ گیا میری عدم موجودگی میں۔ احتیاطاً پھر لکھتا ہوں: 75204۔ کوڈ نمبر: 01494۔ کل اطہر کا بھی فون آیا تھا، تم نے صحیح بتایا نہیں، وہ تو دہلی ہی میں تھے۔ رسید فوراً بھیجو۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ارجمند آرا

بمبئی

۲؍ستمبر ۱۹۹۸ء

ارجمند!

پیکٹ رجسٹری سے بھیجا ہے جس میں دو جز ہیں۔ تیسرا جز (قصائد وغیرہ) دیکھ رہا ہوں۔ ساتھ لیتا آؤں گا اور اسٹیشن پر تم کو دے دوں گا۔

میں یہاں سے ۲۶؍ستمبر کو راجدھانی سے چلوں گا۔ ۲۷؍ستمبر اتوار کے دن صبح ۹ بج کر چالیس منٹ پر نئی دہلی پہنچوں گا۔ وہیں سے ایک بجے کاشی سے شاہ جہاں پور جاؤں گا۔ رزرویشن ہو چکا ہے۔ اگر اطہر دہلی میں ہوں تو اُن سے کہو کہ وہ تم کو ساتھ لے کر صبح اسٹیشن پر آجائیں دو ڈھائی گھنٹے تو ہوں گے، یوں ضروری باتیں ہو جائیں گی اور تیسرا حصہ بھی دے دوں گا اور ضروری ہدایات بھی۔

ڈاک کا حال عجیب ہے، اس لیے اس خط کے ملتے ہی خط لکھو کہ یہ خط تم کو مل گیا، تاکہ اطمینان ہو جائے۔ ہاں بچے اُن گھڑیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ارجمند آرا

بمبئی

۹؍ستمبر ۱۹۹۸ء

ارجمند!

میں نے تم کو دو خط بھیجے، تمھارا مقالہ رجسٹری سے بھیجا، مگر تمھارا کوئی خط نہیں ملا۔ تعجب ہے۔ اب یہ خط رجسٹری سے بھیج رہا ہوں کہ تم کو ضرور مل جائے۔

میں نے تم کو لکھا تھا کہ میں ۲۷؍ستمبر کو اتوار کے دن راجدھانی سے نئی دہلی پہنچوں گا اور

وہیں سے اُسی دن ایک بجے کاشی سے شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ راجدھانی نئی دہلی صبح ۹ بج کر چالیس منٹ پر پہنچتی ہے۔ تم اطہر کے ساتھ اتوار کو اسٹیشن پر آجانا۔ تمھارے مقالے کا تیسرا حصہ بھی دے دوں گا اور زبانی ہدایات بھی۔ اطہر نہ ہوں تو خود چلی آنا۔ اطہر سے کئی کام ہیں، اگر وہ ہوں تو خوب ہو۔

اِس لفافے میں -/150 روپے رکھے دے رہا ہوں، تم پہلے کی طرح لپچو چاے آدھا کلو کناٹ پلیس سے لے لینا۔ وہاں وہ صرف ایک دکان پر ملتی ہے۔ پالکا بازار کے بائیں طرف جو وِنگ ہے، اُس میں شاید تیسری دکان ہے: جانکی داس ڈپارٹ منٹل اسٹور۔ گولڈن ہو تو اچھا ہے، وہ نہ ہو تو آرنج پکو ہی لے لینا۔ لپچو کی یہی دو قسمیں ہیں۔ اگر 250 گرام کے دو پیکٹ مل سکیں تو اچھا ہے، ورنہ بڑا پیکٹ ہی سہی۔ بچوں کی گھڑیوں کے سِل اگر ختم نہ ہوئے ہوں اور بے کار نہ ہوئی ہوں تو وہ بھی لیتی آنا۔ اسٹیشن پر دو ڈھائی گھنٹے کا وقت ملے گا اور یہ بہت ہوگا گفتگو کے لیے۔

اسلم صاحب سے ضرور مل کر یہ پوچھ لو کہ حواشی ہر صفحے پر لکھے جائیں گے یا آخر میں، اس کے بعد ٹائپ کرالو۔ مسوّدے کے صفحات چاہو تو انھیں دکھا بھی دو۔ اسلم صاحب کا پرچہ اس لفافے میں ہے، انھیں دے دو۔ وہ نہ ہوں تو خلیق انجم صاحب کو دے دینا۔

تم جب اسلم صاحب سے ملنے انجمن جاؤ تو نیچے بک ڈپو میں باری صاحب سے مل لینا۔ میں نے اُن کو خط بھی لکھا ہے۔ سحرالبیان کے جتنے صفحوں کی کمپوزنگ ہوگئی ہو، وہ مع مسوّدہ ساتھ لیتی آنا تا کہ میں تصحیح کرسکوں۔ تصحیح بنا کے رجسٹری سے واپس کردوں گا۔ باری صاحب سے کہنا کہ یہ بات میں نے لکھی ہے اور صفحے منگوائے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۱رنومبر ۱۹۹۸ء

عزیزہ ارجمند!

آج اطہر کا خط لندن سے آیا تو معلوم ہوا کہ تم دہلی میں ہو، ورنہ میں یہ سمجھتا تھا کہ تم سکندر آباد میں ہو۔ تم نے خط نہیں لکھا، انتظار رہا۔ میں ۱۵رنومبر کو دہلی میں ہوں گا انجمن کی میٹنگ میں۔ ۱۶رکو واپسی ہوگی ڈیڑھ بجے دن میں۔ دوبارہ دسمبر میں آنا ہوگا غالب سمینار میں۔

بینک ڈرافٹ مل گیا تھا۔ لفافے میں تمھارا خط نہیں تھا، اِس سے تعجب ہوا تھا۔ اب خط لکھو۔

میں نے دوبارہ سکندرآباد فون کرنا چاہا، رابطہ قائم ہی نہیں ہوسکا۔ تمھارے گھر کا فون شاید خراب تھا۔ میرا فون نمبر 27804 ہے اور ایریا نمبر 05842 ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۳؍جنوری ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند! دعائیں

لفافہ مل گیا، جیتی رہو، دل سے دعا نکلتی ہے تمھارے لیے، مگر مشکل یہ ہے کہ میرا دل، تمھارے دل سے اِس قدر مختلف ہے کہ اُس کا چاہا ہوتا ہی نہیں۔ بہت جی چاہتا ہے کہ تم سنجیدہ ہو کر کام کرو، مگر تمھارا دل تمھیں بہکاتا رہتا ہے اور مختلف بہانوں کے وسوسے دل سے خیالوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔

خیر، اِس بار تمھارا خط پڑھ کر سچ مچ میرا جی خوش ہوا۔ تم نے گوڑ صاحب سے جس تیور سے بات کی، اُس کی تعریف کرتا ہوں۔ اگر یہی تیور اور جگہ بھی رہیں تو کیا کہنا ہے! توقع کرتا ہوں کہ اِس بار کچھ نہ کچھ ہو رہے گا۔

تمھیں حرارہ تو آیا، یہ بڑی بات ہے۔ تم بہت آسانی سے سارا باب خود لکھ سکتی ہو۔ بریکٹ والے ''خان'' کی نقل تو مجبوری کی بات تھی، جیسے تین فاقوں کے بعد مردار حلال ہو جاتا ہے۔ میں اُس گھڑی کا انتظار کروں گا جب مجھے تمھارے خط ملے تو تم نے ابتدائی کام کہنے کے مطابق مکمل کر لیے ہیں۔ پھر میں وہاں آؤں گا۔

فوری طور پر مفصل خط لکھو کہ ترقی اردو بورڈ میں کیا ہوا، اطہر کا خط نہیں آیا، اُن کی بڑی فکر ہے۔ وہ تو خط لکھیں گے نہیں، تمھی لکھو کہ وہ اِس وقت کیا کر رہے ہیں، بل کہ کیا کیا کر رہے ہیں۔

نئے سال کی مبارک باد اُس وقت دوں گا جب تمھارا وہ مفصل خط ملے گا جس کا تم نے تحریری وعدہ کیا ہے۔

خط ضرور لکھو، وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اطہر کا احوال لازماً لکھو۔ مجھے بہت فکر ہے۔ چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں میں نے دوبار سکندرآباد تم کو فون کرنا چاہا، رابطہ ہی قائم نہیں ہوا۔ تم سکندرآباد کا گھر کا پتا بھی

لکھواور فون نمبر بھی۔ میرا فون نمبر ہے:27804 اور ایریا نمبر ہے:05842۔

(۲۷)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۶ رفروری ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند!

تم کہاں ہو۔ دوبار فون کیا۔ ایک بار گھنٹی بجتی رہی، یعنی تم نہیں تھیں۔ دوبارہ کل رات میں گیارہ بجے فون کیا۔ معلوم ہوا کہ کمرے میں کوئی ہے تو مگر تم نہیں ہو۔ شاید چندریکا نام بتایا تھا۔ معلوم نہیں تم کہاں رہتی ہو۔ اب طے کرلیا کہ کبھی فون نہیں کروں گا۔ اجنبی لڑکیوں سے رات کے گیارہ بجے بات کرنا اب زیب نہیں دیتا۔ لوگ کیا کہیں گے اور وہ لڑکی بے چاری کیا سوچتی ہوگی، توبہ توبہ!!

تم نے مطلع نہیں کیا کہ ملازمت جوائن کی یا نہیں، جوائن کی تو کب سے اور کس طرح۔ اب یہ بھی لکھو کہ تم رہتی کہاں ہو، یعنی اصلی پتا لکھو۔ کیا منیر کا وہار میں رہتی ہو؟ فوری طور پر مفصل خط لکھو۔ ہاں اطہر کہاں ہیں، اُن کی ملازمت کا کیا ہوا۔ اُن کا بھیجا ہوا پیکٹ ملا تھا مگر رسید کہاں بھیجوں، اُن کا بھی اصلی پتا میرے پاس نہیں۔ خوب ہو تم لوگ بھی۔ شیعہ ہوتا تو تبرا بھیج لیتا۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۲۵ رفروری ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند!

آج ہی تمھارا خط ملا۔ یہ پڑھ کر اطمینان ہوا اور مسرّت بھی کہ تم کو زیادہ کام دیا گیا ہے۔ تم نے خط پر ۲۵ پیسے کا ٹکٹ لگایا تھا، بیرنگ کا ایک روپیہ دینا پڑا، یہ میں نے تمھارے حساب میں لکھ لیا ہے۔ یہ قاعدہ ہے سدا کا کہ گریز پا قیدی کو ہتکڑیوں کے ساتھ بیڑیاں بھی پہنائی جاتی ہیں۔ اطہر کی تقلید مت کرنا اور کمال صاحب کے مشورے کے مطابق کام کیا کرنا۔ اُن کی بقراطیت سے انکار نہ کیا جائے تو وہ عمدہ آدمی ہیں اور کام آنے والے اور سرد و گرم چشیدہ۔

ہاں اب P.H.D. کا کام ہو جانا چاہیے؛ مگر جب تک کنفرم نہ ہو جانا، بغیر تنخواہ کی چھٹی ہرگز

ہرگز نہ لینا۔ یہ تاکید ہے۔ کیا گوڑ صاحب اور بھٹ صاحب وہاں ہمیشہ رہیں گے! پہلے قدم جمالو، پھر اور سب کچھ۔

میری ایک تجویز ہے، تم غور کر کے اِس کا جواب لکھنا۔ تم اگر اب .P.H.D نہ ہو پائیں، تو پھر آگے چل کر مشکل ہوگی، نئے سرے سے رجسٹریشن کرانا ہوگا۔ تم نے لکھا ہے کہ مکان بدلنے والی ہو؛ چوں کہ اب اطہر بھی ملازمت میں کسی نہ کسی نوعیت سے آہی جائیں گے (وہی مثل: بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی) اِس لیے تم باضابطہ مکان کرایے پر لے سکتی ہو، جس میں دو کمرے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر عملی طور پر مناسب صورت یہ ہوگی کہ میں بمبئی سے واپسی پر ۱۵، ۲۰ دن کے لیے تمھارے ساتھ ٹھہر جاؤں اور کام مکمل ہو جائے۔ میری مشکل بس گھٹنے کے درد کی بنا پر مغربی غسل خانے کی ہے (کموڈ کی)، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ دکانوں پر لوہے کے فولڈنگ اسٹینڈ ملتے ہیں، جنھیں ہندوستانی نشست پر رکھا جاسکتا ہے اور ہٹایا جاسکتا ہے۔ بمبئی میں اسی طریقے سے میں نے کام لیا تھا۔ یہ آسان تر اور بالکل درست طریقہ ہے۔ یوں یہ کوئی مشکل نہیں رہا۔ تم اس پر غور کرلو۔

اطہر سے کہو کہ فوراً خط لکھیں اور جُزوقتی کام قبول نہ کریں، معلوم نہیں کل کیا ہو، باضابطہ ملازمت کو ترجیح دیں۔ ملازمت ملنا مشکل ہے، مگر اُس کا چھوڑنا آسان تر ہے۔ جب چاہیں گے، استعفا دے سکتے ہیں۔

اب ایک الگ بات: پچھلا ڈرافٹ ۶ ہزار کا تھا۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ ایسا کیوں ہوا۔ بہرطور مجھے سخت ضرورت تھی، اِس لیے میں نے واپس کرنے کے بجائے اُسے بھُنا لیا اور خرچ کرلیا۔ اور اُدھار کے کھاتے میں وہ رقم لکھ لی جسے مع سود واپس کرنا ہے، ضرور، بالضرور۔ اب آیندہ ہمیشہ تین ہزار ہی کا ڈرافٹ بھیجنا۔ بات یہ ہے کہ مجھے پنشن -/3200 ملتی ہے۔ ہر مہینے -/200 بینک میں چھوڑ دیتا ہوں۔ جب رقم پوری ہو جائے گی تب میں وہ تین ہزار واپس کردوں گا۔ آیندہ میں ایسے کسی بوجھ کو برداشت نہیں کرسکتا، کیوں کہ میں اب کسی بڑی رقم کو ادا نہیں کرسکتا۔ کہاں سے ادا کروں گا۔ آمدنی تو وہی تین ہزار۔ مولانا آزاد والی رقم میں سے اب ایک نیا پیسا میرے پاس نہیں۔ اب جب تم فون کروگی، تب بتاؤں گا کہ وہ رقم مجھے کسے دینا پڑی۔ اس بات کو کاغذ پر لکھ نہیں سکتا۔ اب میری بیٹی نادرہ غالباً دو ماہ کے بعد اپنے گھر چلی جائے گی چھے سال کے بعد۔ پچھلے مہینے سے اُس کا مکان بننا شروع ہو گیا، اگلے مہینے تک شاید مکمل ہو جائے گا۔ میرے ذہن کا بڑا بوجھ شاید اب ہٹ جائے گا۔ مارچ کا ڈرافٹ جلد بھیجو، سخت انتظار ہے، مگر وہی تین ہزار کا اور پچھلے تین ہزار اُس وقت ادا کروں گا جب بینک میں ہر ماہ کی بچت سے وہ رقم جمع ہو جائے گی شاید ۸، ۱۰، یا ۱۱ مہینوں میں۔ تم کو

اتنا انتظار تو کرنا ہی ہوگا۔ ہاتھ میں پیسے آکر رُکتے نہیں، یوں واپس نہیں کر سکا تھا۔
تمھارے اور اطہر کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

اس خط کے جملہ مندرجات قطعی طور پر ذاتی ہیں۔

(۲۹)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۹؍مارچ ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند!
میرا خط مل چکا ہوگا، اُس کے بعد اطہر کا بھیجا ہوا لفافہ رجسٹرڈ ملا، جیتی رہو اور خوش رہو۔ بروقت لفافہ ملا۔ تم نے میرے خط کا جواب کیوں نہیں لکھا۔۔

اب میری پریشانی یہ ہے کہ اطہر کا احوال مجھے نہیں معلوم۔ اُن کی ملازمت کا کیا ہوا۔ اُن کی خیالی قیاس آرائیاں اور غیر مستقل اندازِ فکر ونظر اُن کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور وہ اِس بات کو سمجھتے نہیں۔

تم ایسا کرو کہ مفصّل خط لکھو، اور جب یہ خط ملے تو اُسی دن رات میں مجھے فون کرلو، یا پھر اتوار کو فون کرو اور پوری بات بتاؤ کہ اُن کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے۔ میں فون کرلیتا، مگر مشکل یہ ہے کہ فون پر تم تو ملوگی نہیں، کسی اور سے بات ہوگی، اُس سے کیا بات کروں گا۔ تمھارے گھر کا کیا رہا، کوئی ایسا دن، ساعت یا گھڑی ہے پورے ہفتے میں، جب فون پر تم سے بات ہو سکے۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۲۵؍مارچ ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند!
تم کو دو خط لکھے، جواب ایک کا نہیں ملا، کیا تم واقعتاً اِتنی ہی مصروف ہو آج کل! تم کو لکھا تھا کہ مجھے فون کرلو، تم نے وہ بھی نہیں کیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں!!

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ارجمند آرا
یکم مئی ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند!

تم نے میرے دو خطوں کا جواب نہیں لکھا۔ میں نے لکھا تھا کہ بمبئی سے آتے وقت میں تمھارے کام کے لیے دہلی میں چند روز ٹھہر جاؤں، تم نے اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں لکھا۔ فون بھی نہیں کیا۔ خیر، جیسی تمھاری مرضی۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ اطہر سے کہہ دو کہ میں بمبئی سے ۲۱ر کو چلوں گا۔ سنیچر کے دن ۲۲ر مئی کو اگست کرانتی اکسپریس سے (یہ راجدھانی اکسپریس کا دوسرا نام ہے) آؤں گا۔ یہ گاڑی دن میں دس بج کر چالیس منٹ پر نظام الدین اسٹیشن پر آتی ہے۔ وہاں سے میں نئی دہلی اسٹیشن چلا جاؤں گا، کیوں کہ ڈیڑھ بجے کاشی سے شاہ جہان پور جانا ہے۔ اگر اُن کو فرصت ہو تو وہ نظام الدین اسٹیشن پر آجائیں، تاکہ میں اُن سے حالات معلوم کرسکوں۔ اُن کی طرف سے بہت فکر ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۷ر جون ۱۹۹۹ء

خط ملا، میں جولائی کے آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے داغ سمینار میں دن بھر کے لیے آؤں گا۔ کمال صاحب سے کہیے کہ مجھے اپنے خط کے جواب کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

دو چک ملفوف ہیں۔

(۳۳)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۴ر اگست ۱۹۹۹ء

ارجمند!

میں نے اِس خط کے ساتھ ہی رجسٹری سے ایک لفافہ بھیجا ہے، جس میں چھے چک ہیں۔ پتا

میرے پاس وہی ہوسٹل کا ہے۔ آرڈنری ڈاک تو ڈاکیا دے جاتا ہوگا، رجسٹری تو کسی دوسرے کو دے گا نہیں، اس کی فکر ہے۔ خیال تھا کہ آر. کے. پورم کے پتے پر بھیجوں گا، پھر مناسب نہیں معلوم ہوا۔

یہ خط بہ غرضِ اطلاع لکھ رہا ہوں۔ اُس کی وصول یابی کا کچھ انتظام کرو۔ دو روپے خواہ مخواہ خرچ ہوئے، یہ میں نے تمھارے نام حساب میں لکھ لیے ہیں۔

ہاں اور وہ میری پریشان نگاری کہاں ہے؟ کیا کمال صاحب دفتر آئے تھے؟ خط لکھو فوراً۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۷ر ستمبر ۱۹۹۹ء

عزیزہ ارجمند! دعائیں

پیکٹ مل گیا تھا۔ سب اجزا کو دیکھ لیا۔ بھیجا یوں نہیں کہ اگلا پیکٹ، جس کے بھیجنے کا تم نے حوالہ دیا ہے خط میں، وہ بھی آجائے تو ایک ساتھ بھیجوں؛ اُسے کب بھیجوگی۔ میں اب دسمبر ہی میں وہاں آسکوں گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تم دفتر میں بہت کام کر رہی ہو۔ منگل کی رات میں گیارہ بجے سے ذرا پہلے میں نے فون کیا تھا، گھنٹی بجتی رہی۔ معلوم ہوا کہ تم نہیں ہو۔ میں سمجھ گیا کہ آج کل آفس میں دیر تک کام کرنا ہوتا ہوگا۔ یہ تو اچھی بات ہے۔

ہاں بی بی! میں نے تم کو اپنا مضمون دیا تھا کمال صاحب کو دینے کے لیے، اُس کا کیا ہوا؟ تم نے کچھ لکھا ہی نہیں۔ کمال صاحب تو اب دفتر میں آتے نہیں ہوں گے، پھر اُس مضمون کا احوال کیا ہوا۔ اگر تمھارے پاس ہو اور محفوظ بھی ہو تو اُسے میرے پاس بھیج دو، یوں کہ میرے پاس اُس کی نقل نہیں۔ کمال صاحب کا احوال ہے کیا اور وہ ہیں کہاں، کچھ معلوم ہی نہیں۔ اطہر کے آنے کا مجھے بے طرح انتظار ہے۔ جب وہ آئیں تو اُن سے کہنا کہ فون کرلیں۔ تم بے حد مصروف نہ ہوتیں تم سے بھی کہتا کہ کسی دن فون کرلو۔ خیر، خط ہی لکھ دو؛ اِس میں بھی کچھ ہرج نہیں، یہ بھی کچھ بُری بات نہیں۔ خط فوراً لکھو، منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

ارجمند!

لفافہ ملا، بہت بہت دعائیں۔ دیکھو بی بی! کل علی گڑھ سے ڈاکٹر مختار الدین احمد کا خط آیا، اُس سے معلوم ہوا کہ پاکستان میں ظفر اقبال صاحب نے (جو وہاں لکچرر تھے اور پھر جاپان چلے گئے تھے) دیوانِ بیان کو شائع کر دیا ہے ابھی پچھلے دنوں۔ اب اگر تم دیر کروگی، تو اُس کا بُرا اثر پڑے گا اور یار لوگوں کو ایک بہانہ مل جائے گا کہ کام تو ہو چکا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اب تم دو ہفتے کے لیے اور سب کچھ چھوڑ کر (دفتر کے علاوہ) اس کام کو مکمل کر لو۔ اب کرنا ہی کیا ہے، سب کچھ تو ہو چکا ہے۔ اصل چیز متن ہوتا ہے، اور وہ مکمل ہو ہی گیا ہے۔ جلدی سے کچھ صفحے بھیجو، میں راہ دیکھوں گا۔ دسمبر میں اِسے جمع ہو جانا چاہیے، ورنہ پھر کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اطہر کو یہ خط پڑھا دینا۔

تمھارے خط کا نہیں، پیکٹ کا منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

کسی اتوار کو دن میں فون کر لو، یا شام کو، جب بھی تم کو آسانی ہو۔ میں فون کرتا ہوں تو تم دفتر میں ہوتی ہو۔

زبان اور قواعد کے چھپنے کی کوئی صورت نکالو، یعنی جلد چھپنے کی۔

(۳۶)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۷/ دسمبر ۱۹۹۹ء

ارجمند!

تم نے خط لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟ فون بھی نہیں کیا۔ رمضان کا چاند تو اُس علاقے میں نکلتا نہیں، پھر کیا پریشانی ہے۔

میر سمینار میں نہیں آیا۔ انجمن کے جلسے میں بھی (جنوری میں) نہیں آسکوں گا۔ گھٹنے کا درد بہت تکلیف دہ ہے۔ خیال تھا کہ تم کچھ صفحات اور بھیجوگی، مگر نہیں آئے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ تم سے جس طرح لکھا جائے، جو لکھا جائے، تم ایک بار لکھ دو، پھر میں دیکھ لوں گا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم

پہلا مسودہ خود لکھو، وقت کم سے کم رہ گیا ہے، فوراً صفحات بھیجو۔
ہاں کنجوسی کرنے لگی ہو کہ دفتری کاغذوں کی پشت پر لکھتی ہو، اس پر اصلاح کیسے ہوگی۔ لائن دار کاغذ پر لکھو اور ایک سطر چھوڑ کر، تاکہ میں اصلاح کرسکوں۔ میرا خط اطہر کے نام کا ملا ہوگا۔ فوراً خط لکھو یا فون کرو اور صفحے بھیجو، چشم براہ ہوں۔ ہاں سنا ہے کہ تمھاری کوئی کتاب چھپی ہے، کوئی کہہ رہا تھا، یہ کون سی کتاب ہے؟

رشید حسن خاں

پس نوشت:

کتاب ابھی ملی ہے۔ مبارک ہو۔ جی میرا بہت خوش ہوا۔ اب تم فوری طور پر اجے چند نامہ کو مرتب کرنے کا پروگرام بناؤ۔ وہ بھی سکندرآباد یعنی سکندرآبادی ہے اور اُس کا تم پر حق ہے۔ کوئی اور اس کام کو کرے گا نہیں۔ نسخۂ کراچی تمھارے پاس ہے اُسے فوری طور پر نقل کرلو پھر اُس نقل کو میرے پاس بھیج دو۔ تمھاری ایک اور کتاب چھپنا ضروری ہے اور چھپنے کا انتظام ہو جائے گا۔ خط فوراً لکھو، منتظر ہوں۔ سنا ہے کہ یو. پی کے نئے چیف منسٹر بھی سکندرآبادی ہیں۔ ہاں ارجمند، ایک کاپی مثنوی کی بمبئی کالی داس گپتا رضا کو ضرور بھیج دینا اور ایک بمبئی میں ترسیل کے اڈیٹر ڈاکٹر یونس اگاسکر کو۔

(۳۷)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۱۳رجنوری ۲۰۰۰ء

ارجمند!

ابھی تمھارا خط ملا، جس میں لکھا ہے: ''ایک دن کی تاخیر سے خط کا جواب دے رہی ہوں''۔ چوں کہ ذہین بھی اور سمجھ دار بھی، اس لیے خط پر تاریخ تحریر لکھی نہیں، اِس طرح حساب کتاب ہو ہی نہیں سکتا کہ خط کب لکھا گیا۔ ترقی اردو کونسل میں جا کر تم نے واقعتاً ترقی کی ہے۔
آج عید کو کئی دن ہو گئے؛ تمھارا کام کب شروع ہوگا، معلوم نہیں۔ فرقۂ علامیہ کا احوال کتابوں میں پڑھا تھا، اب مجسّم صورت میں بھی دیکھ لیا۔ اجے چند نامہ کا نسخۂ کراچی میرے پاس تو ہے نہیں۔ اطہر نے اپنے کسی بھائی سے عکس منگوایا تھا، یہ رسالہ اردو میں چھپا تھا، جو انجمن ترقی اردو پاکستان کا رسالہ ہے، اب اُسے پھر منگانے کا انتظام کرو۔ تم نے اُس کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے سکندرآباد کے علمی ماضی کے تحت، مقدّمے میں، اُسے دیکھو کہ حوالہ کیا ہے، اُسی حوالے سے اُسے منگاؤ۔ غالب نامہ والا متن ضرور میرے پاس ہے۔ اور کیا لکھوں، جب کچھ بھیجوگی، تب

کچھ لکھوں گا۔ میں نے بھی طے کرلیا ہے کہ اس کام چورنوالہ حاضرلڑکی سے سارا کام لوں گا، تاکہ کچھ تو عادت پڑے کام کرنے کی۔ زندگی صرف باتیں بنانے کا نام نہیں۔

اور ہاں، اصل بات تو رہی جا رہی ہے۔ کل مخمور صاحب کا خط ملا کہ رسالے کے لیے کوئی تحقیقی مضمون بھیجیے۔ یعنی میرا مضمون وہاں نہیں پہنچا۔ اب میں حیران ہوں کہ تم نے اُن اوراق کو کیا کیا۔ تم نے تو یہ لکھا تھا کہ مخمور صاحب کو دے دیا ہے یا دے دوگی۔ اب اِس مصیبت کو تم ہی سمجھو اور پھر مجھے سمجھاؤ۔ میرے پاس اُس مضمون کی نقل نہیں۔ انجمن کے جلسے میں نہیں آسکتا۔ موسم اور گھٹنے کا درد مانع ہیں۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہاں پور

۲۴؍جنوری ۲۰۰۰ء

عزیزہ ارجمند!

آج تمھارا پیکٹ ملا۔ تم نے بہت اچھی عبارت لکھی ہے، میرا جی خوش ہوا۔ سب کام کی باتیں ہیں، فضول بات کوئی نہیں۔ حوالے بھی سب مناسب ہیں۔ اب جلدی سے اِس کا دوسرا حصّہ بھیجو، جو آخری حصّہ ہوگا۔

اِس میں تمھارا کوئی خط نہیں تھا، کیوں؟ یہ روش تم نے کس سے سیکھی ہے؟ اطہر کیسے ہیں۔ وہ دفتر کب جانا شروع کریں گی؟

دو ضروری باتیں: (۱) تمھارے پاس اب کوئی چک ہے یا نہیں۔ اِس کا جواب فوری طور پر لکھو۔

(۲) تم کو جو مضمون میں نے دیا تھا، وہ کیا ہوا؟ تم نے کسے دیا؟ اس کا احوال بتاؤ۔ معلوم تو ہو کہ وہ کہاں ہے!

تمھارے خط کا اور اُس کے بعد تمھارے پیکٹ کا منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہاں پور

۲۸؍جنوری ۲۰۰۰ء

عزیزہ ارجمند!

کل پیکٹ ملا۔ تم تو اب واقعی کام کرنے لگی ہو، خدا برکت دے اور مزید توفیق بھی کہ تم آجؔ چندنامہ کو بھی اِسی طرح مکمل کر لو۔ تین بار آمین کہو۔

اب تمھارے ذمّے صرف دس صفحے اور ہیں بیاںؔ کے شعری محاسن کے، جلدی سے انھیں بھی لکھ ڈالو اور فوراً بھیج دو، میں بھی فی الفور سارا مسالا بھیج دوں گا۔ آخری صفحے کل سے دیکھنا شروع کروں گا۔

موسم کچھ ٹھیک ہو رہا ہے، اگر گاڑ ہال سلامت ہوتا تو میں ۸؍دن کے لیے وہاں آہی جاتا اور سارا کام نپٹ جاتا وہیں، مگر کیا کروں، مجبوری ہے۔ اور تم بھی کیا کرو، ایہام کی فکر نہ کرو، ایہام اور ابہام میں کچھ دور کی نسبت نہیں، کچھ نہ کچھ ہو رہے گا، خواہ ایہام ہو یا ابہام۔ دونوں خطوں کا جواب ایک ساتھ لکھو۔

(۱) اب کتنے چک ہیں تمھارے پاس، ہیں کہ نہیں؟

(۲) میرا مضمون کہاں ہے، تم نے اُسے کہاں ڈال دیا ہے؟

جواب کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

فرہنگ آخر میں ہوگی، مگر ہوگی۔ تذکروں کی عبارتیں بیاںؔ سے متعلق ضمیمے کے طور پر آخر میں یک جا کی جائیں گی۔ مقدّمے میں یہ لکھ دیا جائے گا کہ یہ ضمیمہ آخر میں شامل ہے۔ ضرب الامثال اور محاورے فرہنگ کے تحت آجائیں گے۔ پہلے باقی اجزا بھیجو، پھر فرہنگ کا احوال بتا دیا جائے گا۔ مظہر اور معاصرین والا حصّہ بھی بھیجو اور بیاںؔ کی شاعری پر بھی۔ جالبیؔ کی تاریخ دیکھ لینا وہاں بہت کچھ مل جائے گا۔

(۴۰)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۸؍فروری ۲۰۰۰ء

ارجمند!

ابھی تمھارا خط ملا، میں پرسوں تم کو ایک اور خط لکھ چکا ہوں۔ خیر، اب یہ چھے چک بھیج رہا ہوں۔ اب کے -/500 بڑھ گئے ہیں۔ کیا کروں، مجبوری ہے، خرچ چلتا ہی نہیں تھا اُس رقم میں۔

تم نقل اور اصل جو بھی ہو، بھیج دو۔ میں اُسے اپنے طور پر دیکھ لوں گا۔

ہاں یہ لکھ چکا ہوں کہ میں ۲۵؍فروری کو حیدرآباد جاؤں گا ایک شادی میں شرکت کے لیے۔ سمینار تھا وہاں اردو یونی ورسٹی میں پچھلے مہینے، اُس سے انکار کردیا۔ اب جانا پڑ رہا ہے، کیا کروں، وہی بات: آ پھنسے تو یا حسین۔ یہ لکھو کہ نئی کمیٹی سے تم دونوں کو تو کسی طرح کی الجھن سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا؟ مجھے اِس کی بہت فکر ہے۔ اطہر کی خرابیِ صحت سے اور پریشانی بڑھ گئی ہے۔ خیر، وہ خاصے سخت جان ہیں، جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گے، مگر اُن کی اس عارضی ملازمت کا کیا ہوگا۔ یہ بات ضرور لکھو اور لازماً لکھو۔ مضمون کا احوال پڑھا۔ ایک کام ضرور کردو، یاد کر کے، دفتر میں مخمور صاحب سے میرا شکریہ ادا کرنا اس تاخیر پر۔ ضرور ضرور۔

اور ہاں وہ زبان اور قواعد کو بھی سے طبعِ ثالث کے لیے نکلوایا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ تم نے کہا تھا کہ اب چھپنے چلی جائے گی، ذرا اُسے بھی کسی دن دیکھ لینا۔

اور ایک بہت ضروری بات تو رہی جاتی ہے۔ فکر و تحقیق میرے پاس آتا تھا، اب نہیں آتا، فراق نمبر بھی نہیں آیا، کیا میرا نام رجسٹر سے کاٹ دیا گیا ہے؟ اگر تم کہو تو میں انوار رضوی کو خط لکھوں اگر نام کٹ گیا ہو، ورنہ فراق نمبر آخر کیوں نہیں آیا۔ تم ناراض نہ ہونا کہ اتنے کام ایک ساتھ بتادیے، اور کس سے کہوں!! جب تم وہاں نہیں تھیں، تو کسی سے نہیں کہتا تھا۔ اندازہ ہوا کہ مخمور صاحب کے آنے سے بہت سی تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ خیر، یہ بھی یاد رہے گا۔ کمال صاحب ہوتے تو اور جو بھی ہوتا، یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ میرے نام رسالہ بند کردیا جائے۔ اتفاقات ہیں زمانے کے!

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۵؍فروری ۲۰۰۰ء

ارجمند!

آج بھی تمھارے پیکٹ کا انتظار کیا۔ میرا خط ملا ہوگا، رجسٹرڈ۔ میں ایک پھیر میں آگیا ہوں، حیدرآباد میں میرے ایک کرم فرما کی لڑکی کی شادی ہے اور بات کچھ ایسی ہے کہ شرکت کرنے پر مجبور ہوں۔ وہاں سے بمبئی قریب ہے اور مجھے سالانہ چک اَپ کے لیے وہاں جانا ہی تھا، یوں خیال کیا کہ حیدرآباد سے بمبئی چلا جاؤں گا۔ میں ۲۵؍فروری کو حیدرآباد کے لیے روانہ ہوں گا۔ وہاں سے ۲؍مارچ کو بمبئی جاؤں گا اور وہاں سے مارچ کے اواخر میں واپسی ہوگی، تب دہلی میں دو دن رُکوں گا اسلم پرویز صاحب کے گھر پر۔ انھوں نے ایک کمرا نیا بہ طور مہمان خانہ بنوایا ہے ابھی۔

تمھارا شاعری والا پیکٹ آجاتا تو اصلاحِ زبان کے دونوں اجزا کے ساتھ ملا کر اُسے دیکھ لیتا۔ اب کیا کروں! خیر، جو باب میرے پاس تھے جو الگ سے دیکھے جاسکتے ہیں، انھیں دیکھ لیا۔ اب تم ان کو صاف کر کے منظوری لے لو اور ٹائپ کرالو۔ کام تمھارا واقعہ یہ ہے کہ عمدہ ہے، مجھے سچ مچ پسند آیا۔ تیز جملوں کو ذرا نرم کردیا ہے۔ مرے کو ہم کیوں ماریں!

تم یہ کرنا کہ شاعری والا حصہ (یا جو بھی ہو) میرے پاس رجسٹری سے بھیج دینا بمبئی کے پتے پر۔ پتا یہ ہے: (لیکن جلد تر)

رشید حسن خاں

معرفت جناب انور قمر

73-A, Gul Appartments

St. Andrews Road, Bandr (w)

Mumbai-400050

میں اُس کو دیکھ کر دہلی آؤں گا تو ساتھ لیتا آؤں گا اور تم کو دے دوں گا۔ اب اس کام کو ہو ہی جانا چاہیے۔ اطہر کا حال فوری طور پر لکھو اور میں نے خط میں جو کچھ پوچھا ہے، اُس کا جواب لکھو۔

رشید حسن خاں

جالبی والا اقتباس ٹھیک ہے، چلے گا۔ تمھارا اصل کام دیوان کی ترتیب ہے اور وہ عمدگی کے ساتھ ہو چکا، باقی یہ اجزا تو نقش و نگارِ پردۂ در ہیں، اِن کو بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اسی قدر کافی ہیں۔

(۴۲)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہاں پور

۲۹/اپریل ۲۰۰۰ء

ارجمند!

تمھارا بھیجا ہوا پیکٹ ملا تھا، خط میں تم نے لکھا تھا کہ ایک ہفتے میں باقی کاغذ بھیجو گی۔ یہ خط ۱۱/اپریل کا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ تمھاری جنتری میں ہفتے میں کے دن ہوتے ہیں؟

میں ۱۰/مئی کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ تم اطہر سے کہو کہ دن میں کسی وقت فون کر کے ملنے کا وقت مقرر کرلیں۔ میں اسلم صاحب کے یہاں ٹھہروں گا۔ فون یوں کرنا ہے کہ میں دن میں اِدھر اُدھر رہوں گا، کئی کام ہیں۔ اُن سے بات ہو جائے گی تو وقت کا تعین ہو جائے گا۔ تمھارے کاغذ

رکھے ہوئے ہیں، جب باقی کاغذ بھیجو گی تم، تب دیکھنا شروع کروں گا، یوں کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ کب بھیجو گی۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
۳۰/اپریل ۲۰۰۰ء

ارجمند!

کل خط لکھا تھا، اب یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ میں نے تاریخ کیا لکھی تھی۔ ۱۰، یا ۱۱ر۔ بھول گیا۔ اِس لیے فوراً خط لکھ رہا ہوں کہ میں یہاں سے ۱۰ر مئی کی رات میں چلوں گا، ۱۱ر مئی کی صبح کو وہاں پہنچوں گا۔ ۱۳ر مئی کی صبح کو واپسی ہوگی۔ اسلم صاحب کے یہاں ٹھہروں گا۔ ۱۱ر کو کسی وقت وہاں فون کر لینا۔

ہاں حیدرآباد سے تین تراشوں کا مجموعہ کل یا پرسوں ملا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ تمھارے رسالے میں آجائے تو محفوظ ہو جائے گا، اگر ایسا ہوتا ہو، یعنی ایسے تراشے شامل کیے جاتے ہوں۔ تمھارا ''ایک ہفتہ'' کس تاریخ کو مکمل ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ارجمند آرا
شاہ جہان پور
یکم مئی ۲۰۰۰ء

ارجمند!

میرے خط ملے ہوں گے۔ آج تمھارا لفافہ ملا۔ ڈرافٹ بھی مل گیا۔ شکریہ۔ میں ۱۰ر مئی کو وہاں آؤں گا۔ اطہر سے کہو کہ کسی دن رات میں (یا دن میں) فون کر لیں۔

یہ خط محض بہ طورِ رسید لکھ رہا ہوں۔ ہاں تم نے زبان و قواعد (طبعِ دوم) کے لیے کہا تھا کہ تمھارے پاس ہے، اب جب تم آنا اسلم صاحب کے یہاں تو اُسے لیتی آنا۔ اس کی تیسری اشاعت کا کیا ہوا؟ تم نے کسی خط میں اِس کے متعلق کچھ لکھا تو تھا۔ چھپنے گئی یا ابھی نہیں۔ سعدیہ سلام کہہ رہی ہیں۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہاں پور

۲۸ر دسمبر ۲۰۰۰ء

ارجمند اور اطہر کو بہت سی دعائیں، عید اور نئے سال کی بادھائی اور پیشگی لفافہ مل گیا، دل سے دونوں کے لیے دعا نکلی کہ تم دونوں نے میری ضرورت کو ملحوظ رکھا اور وقت سے پہلے ڈرافٹ بھیج دیا۔ غالبؔ کا مصرعہ یاد آیا: ایسا کہاں سے لاؤں کہ تم سا کہیں جسے۔ اب اِس طرح خیال اور کون رکھے گا اور اِس طرح پریشانی کون اٹھائے گا۔ تم دونوں بہت دن تک زندہ رہو اور خوش رہو علی الرغمِ حرام زادگانِ ادب۔ توقع کرتا ہوں کہ ۳۱ر دسمبر کو تم نئی ذمّے داری سنبھال لوگے اور اُس نطفۂ دوپہری اور ولد الحیض کے شر سے محفوظ رہوگے۔ جوشؔ ملسیانی نے خوب کہا تھا کہ: بشر میں بھی ہے شر دو بٹا تین۔

ارجمند نے لکھا تھا کہ تم فون کروگے، اب تک انتظار کر رہا ہوں۔ اور ہاں، خوب یاد آیا: وہ کلیم الدین کے لغت کا کیا ہوا؟ تم نے تو کہا تھا کہ وہ کل مل جائے گا۔ صحیح بات کیا ہے؟ تم گھر سے اب تک واپس آچکے ہوگے اور ارجمند بھی، اس لیے موقع نکال کر جواب ضرور لکھنا۔ مجھے زیادہ فکر ۳۱ر دسمبر کی ہے۔

ہاں ارجمند! تمھارے مقالے کا کیا ہوا؟ اکزامنروں کے نام تو لکھ بھیجو۔ آجائے تو خلیق سے بات کروں۔ اُس لغت کے بارے میں اُس شخص نے کیا وعدہ خلافی کی؟ اگر ایسا ہے تو پھر اُس کا خیال چھوڑ دو۔ خط لکھو۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہاں پور

۱۶ر مئی ۲۰۰۱ء

ارجمند!

خط مع ڈرافٹ ملا۔ میں تم سے ناراض قطعی نہیں، ہاں ناخوش ہوسکتا ہوں۔ تم نے لکھا ہے کہ ’’اپنے آپ کو ڈسپلن میں لانے کی کوشش کروں گی‘‘۔ میں اُس دن کی راہ دیکھوں گا۔ میں تمھاری قدر کرتا ہوں، مگر ناہمواری مجھے ہمیشہ مبتلائے پریشانی کرتی ہے، وہ زندگی میں ہو، لکھنے پڑھنے میں،

ہو یا روزمرہ کے معاملات میں۔ تم اِس پر قابو پالو گی تو مجھے سب سے زیادہ مسرت ہوگی۔

اطہر کی طرف سے بہت پریشان خاطر ہوں۔ اپنی بے بسی کا احساس اِس معاملے میں میرے لیے ہمت شکن ہے۔ اُن سے کہو کہ خط لکھیں اور علی گڑھ کی صورتِ حال سے مطلع کریں۔ میرا دل لگا رہے گا۔ تمھارے بھائی کے لیے ''فقہِ ہندی'' کے نسخے بھیجے تھے، اُن کا کیا ہوا؟ کیا وہ موضوع سپروائزر نے منظور کر لیا؟

زبان اور قواعد کا نیا اڈیشن چھپنا تھا، کچھ پتا ہے کہ کب تک وہ پریس جائے گی؟ اطہر نے کہا تھا کہ اپریل میں چلی جائے گی۔ کیا تمھارا کوئی اور پتا نہیں جس پر خط لکھا جا سکے حسبِ ضرورت۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے خط تمھارے نام دفتر میں آئیں، جوڑ توڑ کا احوال تو تم دیکھ ہی رہی ہو، ایسے میں احتیاط ضروری ہے۔ کمینے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ارجمند آرا

شاہ جہان پور

۱۴؍جنوری ۲۰۰۳ء

عزیزہ ارجمند!

تم کہاں ہو؟ فون گھر پر لگا؟ اِن ۱۱۱ صفحوں کی تصحیح بنوا کر فائنل کاپی نکلوا لو اور دو نقلیں بنوا لو۔ فون نہ لگا ہو تو ہوائی فون تو ہے، وہی سہی۔ یہاں بچے، بڑے سب تم کو پوچھ رہے ہیں۔ تم خوب آئیں کہ دن بھر میں سب کو جادو کی چھڑی سے اپنا والہ وشیدا بنا لیا۔ یہ کام تو میں ستر برس میں نہیں کر سکا۔ جیتی رہو اور خوش رہو اور فون کرتی رہو۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ پشت پر لگی ڈاک خانے کی مہر سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط بازوزئی، شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ ارجمند آرا کا پتا خط کی پشت پر یوں درج ہے: ارجمند آرا، ۱۲۳-سابرمتی ہوسٹل، جے۔این۔یو، نیو دہلی-۱۱۰۰۶۷۔

۲۔ یہ خط خاں صاحب نے شاہ جہان پور سے ۳۱؍مارچ ۱۹۹۷ء کو لکھا۔ اس میں بمبئی سے ڈیڑھ ماہ کے بعد واپسی کا ذکر ہے اور ''علاج کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور چھے ماہ تک جاری رہے گا''۔ اسی طرح

کی تحریر ان کے مکتوب مرقومہ ۲۴؍اپریل ۱۹۹۷ء بہ نام سید محمد عقیل رضوی میں بھی درج ہے۔ ''علاج شروع ہوگیا ہے۔ چھے ماہ کا کورس بتایا گیا ہے''۔ دونوں خطوط کے متن سے یہی تاریخ ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ خاں صاحب نے اسی خط میں ''آجکل'' اور ''آج کل'' دو طرح لکھا ہے۔ حالاں کہ وہ ہمیشہ الگ لکھنے کی تاکید کرتے رہے۔ اسی طرح بعض خطوط میں انھوں نے ''آیندہ'' اور ''آئندہ'' بھی دو طرح لکھا ہے۔

☆☆☆

بنام اسلم پرویز، ڈاکٹر

۳۱ر اگست ۲۰۰۰ء

اسلم بھائی! آداب

میرا خط ملا ہوگا۔ یہ خط محض چھاپے کے پھیر میں آکر لکھ رہا ہوں۔

پہلے تو یہ عرض کروں کہ آپ کا ''اداریہ'' میں نے پھر پڑھا، اور اِس بار یہ طے کر کے بیٹھا تھا کہ داد نہیں دوں گا؛ مگر کیا کروں، آپ نے واقعتاً ایسا عمدہ اداریہ لکھا ہے کہ داد دینے کے سوا اور کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ایک بار پھر اس نیازمند کی طرف سے کلماتِ تحسین و آفرین کی سوغات قبول کیجیے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ صاحب .J.N.U میں رہے ہیں اور نصیر احمد خاں کے ساتھ۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

اب ایک دو باتیں بسمل سعیدی مرحوم کی زبان میں: ''اس کی تنقیدی تعبیرات بھی غیر معتبر اور ناقابلِ ردوقبول ہوگی''۔ یہاں ''رد'' نے بات کو بگاڑ دیا صرف ''ناقابلِ قبول'' کا محل ہے۔ ''ناقابلِ رد'' کا مطلب تو یہ ہوا کہ اِس قدر برحق اور دُرست ہیں کہ اُن کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ٹکڑا اسی صفحے پر ایک اور جملے میں بھی اِسی طرح آیا ہے۔

''حقائق کی دریافت تحقیق کا سروکار ہے''۔ سروکار برمحل نہیں رہا۔ ہاں ''کا'' کی جگہ ''سے'' لکھ دیں، تب برمحل ہوگا۔ اور اصلی بات تو یہ ہے کہ یہاں مقصود کا محل ہے۔ یا یوں: تحقیق حقائق کی دریافت سے سروکار رکھتی ہے۔ سروکار کئی جملوں میں صحیح طور پر نہیں آسکا، اِسی صفحے پر: ''تحقیق اور تنقید دونوں کا سروکار ہے''۔ دونوں کا موضوع ہے، دونوں کا مقصود ہے، یا پھر متن ..... سے تحقیق اور تنقید، دونوں کو سروکار ہے (اگر چہ یہ بھی اچھا جملہ نہیں ہوگا)۔

''اس کے مقابلے ٹکنالوجی'' — ''میں'' کے بغیر جملہ بنے گا نہیں۔ اس کے مقابلے میں (ص ۶)۔ چاک پر..... جو چیز اُتر کر آتی ہے ''پر'' نے یہاں جملے کو خراب کر دیا۔ ''بن کر اترتی ہے'' ہوتا، تب بات بنتی اور ''پر'' برمل ہوتا — ص ۷: سطر ۱۰: برادر! محقق اگر وہ عقیل رضوی یا خواجہ احمد فاروقی ہے، تب تو ''عارضی نتیجے پر پہلے ہی پہنچ جاتا ہے''۔ اگر شیرانی، عرشی اور قاضی صاحب ہے تو نہیں پہنچے گا۔ نتیجے پر تو وہ آخر ہی میں پہنچے گا۔ ص ۹: دوسرا پیرا: ''فارسی متون کے مقابلے'' — مقابلے میں۔ ''تدوین میں متن کے نفسِ مضمون، متن کے مصنف اور اُس کے عہد سے متعلق اہم

تاریخی نکات بروے کار لانے کی کوشش کی جاتی ہے"۔ میرے بھائی! یہ تحقیق کا عمل ہے، تدوین کا نہیں۔ تدوین تو صرف متن کے متعلقات کی نشان دہی ہے۔ ہاں چوں کہ تحقیق اور تدوین کا ساتھ رہتا ہے، یوں واقعات (جو بھی ہوں، جس کے بھی ہوں) کا تعین تحقیق کے اصولوں کے تحت کیا جائے گا۔ اِسی لیے اچھی تدوین کے دو حصے ہوتے ہیں۔ تحقیقی حصہ جو چھوٹا حصہ ہوتا ہے، تصحیح متن، جو اصل مقصودِ تدوین ہے اور جو مقصود بالذات ہوتا ہے۔ اصل میں متنی تنقید کی اصطلاح نے یہ ساری خرابیاں پھیلائی ہیں۔ فصیل جعفری نے (جو انگریزی کے استاد ہیں) ایک مضمون میں اس کی وضاحت کی ہے کہ ٹکسوئل کریٹی سزم کا مطلب تدوین نہیں، اِس کا مطلب دوسرا ہے اور یہ دراصل تنقید کا ایک طریقۂ کار ہے جس میں صرف متن پر تنقیدی رایوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے؛ متن کو مرتب نہیں کیا جاتا۔ گویا یہ تنقید کا ایک اسلوب اور ایک طریقۂ کار ہے۔

ص ۱۰، سطر ۳: "یہاں پیش ہیں" ـــــ دُم کٹا جملہ ہے یہ۔ "یہاں پیش کی جاتی ہیں" ہونا چاہیے۔ اور "نہ ہی معیار املا کا" ہے۔ اسلم بھائی! "نہ ہی" آپ نہ لکھیں تو خوب ہو۔ "نہ" کافی ہے ـــــ یہ باتیں یوں لکھی گئیں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ ایسی باتوں پر نہ ناراض ہوتے تھے اور نہ ناراض ہوتے ہیں، بل کہ اِن کو پسند کرتے ہیں، اِس کا مجھے تجربہ ہے۔ اِسی بنا پر بے تکلفانہ یہ سب کچھ لکھا گیا۔

مخلص

رشید حسن

سحرالبیان کے تبصرے کا کیا ہوا؟ یہ پشم الجھک کام بھی کیا نہیں ہو سکے گا؟ ـــــ اِس کا جواب ضرور لکھیے۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا، سچ مچ، اور واقعتاً۔ فوراً خط لکھیے۔

اگر تبصرہ فوری طور پر نہ چھپا، پھر ایک لاکھ ۲۵ ہزار بار لفظِ لعنت کا ورد کرنا ہوگا مجھے، شیعوں کی طرح۔

(۲)

بنام: ڈاکٹر اسلم پرویز

شاہ جہان پور

۱۸؍اپریل ۲۰۰۴ء

اسلم بھائی! نمشکارم

کل سے بجلی غائب ہے، گرد و پیش اندھیرا ہی اندھیرا ہے، (یوں بھی روشنی کم ہوتی جا رہی ہے)۔ انکل سے یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ انتظار صاحب والا تراشہ آج بھیج پایا ہوں، کوئی تھا ہی

نہیں یہاں جسے پوسٹ آفس بھیجتا۔ تاخیر کی معذرت۔

ہاں رسالہ کل ملا، یہ شمارہ بلا تکلف کہتا ہوں کہ پچھلے سبھی شماروں سے عمدگی میں بڑھ گیا ہے، واہ واہ اور سبحان اللہ! کاش سرورؔ صاحب زندہ ہوتے اور وہ بھی اِس کارگزاری کو دیکھ لیتے! خلیقؔ صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ میں وائرل فیور کا شکار تھا اور اُس کے اثراتِ مابعد کو اب بھگت رہا ہوں کئی دن سے۔

رشید حسن خاں

ہاں انتظار حسین کا تعارفی نوٹ کیسا ہے؟ مجھے تو اچھا لگا۔ دفتر سے فون پر اس خط کی رسید ضرور بھیجیے گا اور اپنی رائے بھی۔

(۳)

بنام: ڈاکٹر اسلم پرویز
شاہ جہان پور
۱۰ راگست ۲۰۰۵ء

اسلم بھائی!

لفافہ مل گیا۔ کس مُنہ سے شکر کیجیے اِس لطفِ خاص کا۔ مُقفا اور مُسجع جملے کا کیا کہنا! اب مجھے ایسی عمدہ زبان میں آپ کے سوا کوئی دوسرا مخاطب نہیں کرے گا، بل کہ یوں کہوں کہ نہیں کر سکے گا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے، لطف آگیا اور بیتے ہوئے دن یاد آ گئے۔

بمبئی کا احوال آپ کی زبانی فون پر سُن کر مولانا شبلی کی وہ غزل پڑھی جس کے مطلعے کا پہلا مصرع ہے:

نثارِ بمبئی کن ہر متاعِ کُہنہ و نو را

اور جس کا ایک شعر یہ ہے:

بہر سو از ہجومِ دلبرانِ شوخ بے پروا
گزشتن از سرِ رہ مشکل افتاد است

رہرورا؛ کیسا تقابل ہے اور کیسا تضاد ہے اِس حالیہ تجربے میں! اچھا ہی ہوا کہ شبلی کی بمبئی کا نام بدل گیا، اب تو ممبئی ہے اور یہ تو اب ایسی ہی رہے گی۔ اب ممبئی تو اسمگلروں کی، داداؤں کی، تاجروں کی اور آفات کی بستی ہے اور یہ ابھی اور بگڑے گی۔ آپ کی بہ سلامت اور بہ عافیت واپسی پر محاورتاً خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور حقیقتاً آپ کی مشکل پسندی اور سخت جانی کی داد دیتا ہوں۔

اب ایک غیر اہم اور غیر جواب طلب بات: ۳۰ رجولائی کو عبدالرشید صاحب کا بھیجا ہوا ایک

پیکٹ ملا تھا جس میں اُن کا خط بھی تھا۔ میں نے اُن کے خط کا جواب لکھ دیا تھا۔ اب محض احتیاطاً آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ پیکٹ مل گیا تھا، میں نے اُن کے خط کا جواب جبھی لکھ دیا تھا جو ملا ہوگا اُن کو اور آخری بات یہ کہ اب ۳۰ راگست کو ایک پیکٹ کا منتظر رہوں گا۔

ہاں، آپ کا خط ملنے سے پہلے (آپ کے الفاظ میں) آپ کی آواز نہیں سُن پایا؛ حالاں کہ میرا فون اِن دنوں بالکل ٹھیک ہے۔ خیر، پھر سہی۔

رشید حسن خاں

★★★

بنام اسلم محمود

(۱)

ٹی بی .۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۷/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۲ء[۱]

مکرمی! آداب
مکتوب مرقومہ ۵/۱۰ اکتوبر، مجھے ذرا تاخیر سے ملا، یوں کہ میں شاہ جہان پور میں تھا۔ لکھنؤ میں آپ سے ملاقات نہ ہونے کا واقعی افسوس ہے۔ دراصل مجھے یہ بات معلوم ہی نہیں تھی کہ آپ وہاں ہیں۔ خیر، پھر سہی۔

آپ کے ذخیرے کی فہرستِ عنوانات[۲] دیکھ کر آنکھوں کی روشنی بڑھ سی گئی۔ آفریں ہے آپ کی ہمت پر اور مرحبا کہتا ہوں آپ کی خوش ذوقی اور تنوّع پسندی پر۔ اب جب بھی اُدھر کا پھیرا ہوا، اِس ذخیرے کو ضرور اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔ ہاں ''مطائبات'' کا ذخیرہ بھی آپ کے پاس ہے اور بہت، اِس سے متعلق کئی بار سُن چکا ہوں۔ اُسے بہ طورِ خاص دیکھوں گا۔ کلکتے سے ایک انتخابی مجموعہ گلدستۂ نشاط شائع ہوا تھا، نستعلیق ٹائپ میں، اُس کے آخر میں ایک مختصر ساحصّہ ''ہزلیات'' کا بھی ہے، کیا وہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ میرے پاس اُس حصّے کی نقل ہے۔

شان الحق حقّی صاحب سے آپ خوب واقف ہوں گے، وہ دوسرے انداز کی شاعری بھی کرتے ہیں اور بعض اوقات مزے کے شعر کہہ جاتے ہیں۔ کیا اُن کا کچھ کلام ہے آپ کے پاس۔ مجھے اُنھوں نے ایک چھوٹی سی نوٹ بک اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی جو ایسے ہی کلام پر مشتمل ہے۔ اگر آپ کے پاس اُن کی شاعری کا یہ نمونہ نہ ہو تو میں اُسے بھیج دوں، اس طرح محفوظ بھی ہو جائے گا۔

جہاں تک میری بیماری کا تعلق ہے تو یہاں ''ماہرین'' کا تختۂ مشق بنا ہوا ہوں۔ بمبئی جانے کی فی الوقت کوئی صورت نظر نہیں آتی، دیکھا جائے گا، ایں ہم می گزرد۔ زندگی کو بہ ہر طور ایک منزل پر ختم ہونا ہی ہے، سو ہو جائے گی، بہ قولِ سعدی:

گل بخواہش چید بیشک باغباں
وانچہ ماند، خود فرد ریزد آباد

آپ کا خط پڑھ کر جی خوش ہوا اور تعلقِ خاطر میں اضافہ ہوا۔ کاش مفصّل ملاقات کی صورت جلد تر نکل سکے۔ میرا ارادہ نومبر میں شاہ جہان پور جانے کا ہے، اِس کا قوی امکان ہے کہ اُسی دوران کسی دن چند گھنٹوں کے لیے (اتوار کے دن) لکھنؤ آجاؤں اور لطفِ ملاقات حاصل کروں۔ خدا وہ دن کرے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: اسلم محمود

گاڑہال

۸/نومبر ۱۹۹۲ء[۳]

مُحبِ مکرّم!

خط ملا تھا۔ میں پرسوں ہی مڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے آیا ہوں۔ ۸ دن تک وہاں رہا۔ تفتیشی آپریشن تو ہوگیا، اب رپورٹ کا انتظار ہے۔ دیکھیے کیا رہتا ہے۔

مطلوبہ چیزیں بھیج رہا ہوں۔ گلدستۂ نشاط کی نقل ایک صاحب سے تیار کرائی گئی تھی، تعارفی نوٹ مختصر سا میں نے لکھا تھا، ہزلیات[۴] کا حصّہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اِسے اور میر حسؔن کے واسوختوں کو میں نے محفوظ کرلیا تھا۔ وہ پورا حصّہ بھیج رہا ہوں۔ اِسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمؔی صاحب کی بیاض بھی ملفوف ہے، اِسے البتّہ واپس کر دیجیے گا۔ رشید سے مطّلع فرمائیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

میرا ارادہ آغازِ جنوری میں شاہ جہان پور منتقل ہو جانے کا ہے۔

(رشید حسن خاں)

(۳)

بنام: اسلم محمود

۱۱/جنوری ۱۹۹۳ء[۵]

مکرّمی! آداب

سالِ نو کا کارڈ ملا تھا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے شکر گزار ہوں۔ جو حالات ہیں، ان میں کیسے کہوں کہ آنے والا سال پیامِ مسرّت لائے گا۔ مگر خدا کرے ایسا ہی ہو۔ کیا اُس بیاض کا کام مکمّل ہوگیا؟

توقع کرتا ہوں کہ آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: اسلم محمود

ٹی.سی.۹، گائرہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۱۵ر فروری ۱۹۹۳ء

مکرّمی! آداب

کل پارسل مل گیا، شکر گزار ہوں۔ میری نظر میں اِس زمانے میں اعلا درجے کے فحش نگار محشر عنایتی مرحوم تھے، رام پور کے۔ میری راے میں تو بعض اعتبارات سے وہ رفیع احمد خاں مرحوم سے بھی آگے تھے۔ میں نے اُن کا کلام مختلف لوگوں سے سنا ہے، مگر ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا جس کے پاس وہ ذخیرہ ہو۔ آپ رام پور میں کسی معتبر شخص سے دریافت کیجیے۔

ایک صاحب کے، جن کا نام اب یاد نہیں، مجھے ایک بار اُن کی ایک غزل سنائی تھی، ''مرصّع'' تھی۔ ایک شعر تو ایسا تھا کہ پورے فارسی ادب میں اُس کا جواب نہیں ملے گا، قدِ محبوب کی ایسی تشبیہ کہیں دیکھی ہی نہیں۔ وہ شعر مجھے یاد ہے:

شاعر ثناے قامتِ دلدار کے لیے
لوڑے کو میرے دیکھیں، صنوبر کی ماں کی چوت

اور اِس کا مقطع تو ایسا استادانہ ہے کہ کسی بھی بڑے استاد کو اُس پر رشک آسکتا ہے۔ قافیہ ہے: نظر، منظر۔ اِس میں ''محشر'' کا قافیہ سامنے کا ہے، شاعر نہیں کہے گا تو کوئی دوسرا کہہ دے گا۔ مگر شاعر کیسے کہے، ردیف مانع ہے؛ مگر مرحوم نے کہا ہے اور اِس طرح، مقولۂ غیر بنا کر:

دیکھنا! ماں کے لوڑے نے گھر جاکے کہہ دیا
محشر نے میری ماردی، محشر کی ماں کی چوت

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: اسلم محمود
۵؍مارچ ۱۹۹۳ء

مخمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۲۸؍فروری مل گیا، شکریہ۔

تقریباً ہر جگہ ایسے ذہین افراد تھے جو اِس فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، مگر ایسے اجزا کو محفوظ نہیں کیا گیا۔ مثلاً دہلی میں بسملؔ سعیدی اور گوپال متّل اور گلزار دہلوی؛ یہ سب اِس میدان کے شہ سوار تھے۔ اب اِن کے شعر شاید ہی کسی کو یاد ہوں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک زمانے میں آپا حمیدہ سلطان اور گلزارؔ کی چل گئی۔ شام کو جب احباب مولوی سمیع اللہ صاحب کی دکان پر جمع ہوئے تو ایک پنچایتی قصیدہ کہا گیا، جس کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا:

"ہر دم لبوں پہ نعرۂ 'ھَل مِن مزید' ہے
دوزخ بنا ہوا ہے حمیدہ کا بھوسڑا

پورا قصیدہ تھا۔ شاید اِس کے کچھ شعر مخمورؔ سعیدی کو یاد ہوں، جو بسملؔ صاحب کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ ممکن ہے کہ بسملؔ کا ایسا کچھ کلام بھی اُن کی یادداشت میں محفوظ ہوں۔ وہ آج کل دہلی اردو اکیڈمی میں ہیں، مگر اندازِ بے پرواخرامی بہت پایا ہے۔ ویسے بہت عمدہ آدمی ہیں۔ آپ انھیں لکھ کر دیکھیں۔

مولوی سمیع اللہ کی دکان اڈا تھی۔ ۹ بجے رات کے بعد اصلی محفل جمتی تھی۔ مرحوم ذوقِ ایرانی کے مارے ہوئے تھے، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولوی حفظ الرحمٰن صاحب کی طرح۔ مولانا گلزارؔ پر خاص نظر تھی۔ خیر، ایک شام کو عبداللہ فاروقی نے کہا:

پڑھ کے اِلا اللہ اک دیں دار نے
مار دی مولوی سمیع اللہ کی

جواب ملا:

تھا اندھیرا اِس لیے سوجھا نہیں
مارنے کو تھا وہ عبداللہ کی

یہ گویا روز کی باتیں تھیں۔

ہاں مخمورؔ کے نام پر یاد آیا کہ اُن کو بھی بڑا سلیقہ ہے ایسے شعر کہنے کا۔ میں ایک زمانے میں اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول شاہ جہان پور میں اردو فارسی کا استاد تھا۔ رفیقوں میں ایک صاحب تھے جو جماعتِ اسلامی کے فعّال رکن تھے، مگر امرد پرستی میں بھی فاعلیت کو کمال پر پہنچا چکے تھے۔ ان کی

شادی ہوئی، یعنی کی گئی۔ میں دہلی آچکا تھا میں نے مخموؔر سے فرمائش کی ایک سہرا کہہ دیں، پرانی زمین میں! ہمشیر مبارک ہووے، تدبیر مبارک ہووے۔ مخموؔر نے کہہ دیا اور میں نے اُسے بھیج دیا کہ مجمعِ احباب میں پڑھا جائے اور وہ پڑھا گیا۔

بہت اچھا سہرا تھا اپنے انداز کا۔ قافیے اِس پہلو سے بٹھائے تھے کہ معنویت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ شاید آپ اُسے پسند کریں:

حلقۂ پشم گرہ گیر مبارک ہووے — پڑ گئی خایے میں زنجیر مبارک ہووے
فرج کی سان پہ اب چڑھ کے جلا پائے گی — زنگ خوردہ تری شمشیر، مبارک ہووے
چھن گئی سلطنتِ گانڈ، تو کچھ فکر نہ کر — مل گئی فرج کی جاگیر، مبارک ہووے

اور ہمشیر کا قافیہ تو اِس طرح نظم کیا تھا کہ کیا کہوں:

چوت کہتے ہیں جسے، غیر نہیں ہے کوئی — یہ، بھی ہے گانڈ کی ہمشیر، مبارک ہووے
دور افتاد ترا دوست یہ، دیتا ہے دُعا — گانڈ میں فکر کا اِک تیر مبارک ہووے

شہاب جعفری نے ایک بار ایک نہایت عمدہ مطلع سنایا تھا:

خایے کے گرد حلقۂ پشمِ سیاہ ہے — کمبل میں ایک مست بہ حالِ تباہ ہے

اسلامیہ اسکول میں ایک ہندی کے استاد تھے، جو فوج میں نوکری کر چکے تھے، خوب شعر کہتے تھے۔ ایک مستزاد کے انداز کی نظم سنائی تھی، تین بند ذہن میں رہ گئے ہیں:

اے چوزۂ نمکین، ترے چاہنے والے — اب ہم نہیں سالے
جا اور تو جا کر اُسی بڈھے سے مرالے — اے بھوسڑی والے
وہ دن گئے جب ہم تھے خوشامد تری کرتے — اور تجھ پہ تھے مرتے
کہتے تھے جلیبی بھی قلاقند بھی کھالے — پیسے بھی اُٹھالے
کیا یاد ہے تجھ کو وہ غسل خانہ کا قصا — کیسا دیا گھِستا
ہر چند کیے تو نے بہت حیلے حوالے — بے کار تھے نالے

خاص طویل تھا یہ مستزاد۔

تذکروں میں متفرق شعر ملتے ہیں، انھیں دیکھیے۔ مثلاً تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا میں ایسے کئی شعر ہیں (اِسی تذکرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ اپنے زمانے کے بہت بڑے لونڈے باز تھے)۔ ضاحک اِس فن کا امام تھا، افسوس کہ کلام ملتا نہیں، جو ملتا ہے، وہ معمولی ہے اور مزاحیہ ہے۔ لیکن اِسی تذکرے میں اُس کے دو شعر ایسے درج ہیں؛ جن سے اُس کے ذہن کی برّاقی کا احوال معلوم ہو جاتا ہے۔ سودا سے ملنے گئے تھے اور ناراض ہو کر آئے تھے (یہ بیان ہے) سودا کا نہایت مشہور مطلع ہے:

رستم سے کہو سر تو ٹک تیغ تلے دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو، ہرکارے و ہرمردے

ضاحکؔ نے اِس کی بے مثال تضمین کی ہے:

سودا نے اُٹھا چوتڑ کیا پاد دیا بھڑ دے
پیارے یہ تجھی سے ہو، ہرکارے و ہرمردے

سوداؔ کا بہت مشہور قصیدہ ہے قافیہ، اِس میں ''عینک'' کا قافیہ بھی آیا ہے۔ ضاحکؔ نے اِس قافیے کی تضحیف میں اپنا کمال اِس طرح دکھایا ہے:

پانو کھڈّی پہ دھرو، ہاتھ میں لو آئینہ
بال مقعد کے چنو، منہ پہ لگا کر عینک

رنگینؔ بھی اِس میدان کے مرد تھے۔ مجالسِ رنگین میں ایسے کئی شعر ہیں، یہ کتاب وہاں مل جائے گی، دیکھ لیجیے۔ ایک شعر مجھے یاد ہے۔ فرمایشی غزل کہی ہے اُنھوں نے، جس کا مطلع یہ ہے:

یہ تل ہیں یوں اُس کے چیچے کے اوپر
کلونجی ہو جیسے کلیچے کے اوپر

اِس میں ایک شعر ایسا کہہ دیا ہے کہ اِس کا جواب شاید ہی مل سکے:

نہیں فرج پر اُس کی جھانٹوں کا چھجّا
یہ خس کا ہے پردہ دریچے کے اوپر

نادر تشبیہ[9] ہے۔ یہ خیال رہے کہ یہ پٹیالے میں گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اِس شعر سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی سِکھنی سے مراسم تھے۔ جھانٹوں کا چھجّا وہی بنایا کرتی ہیں۔ اب اذان ہونے ہی والی ہے، یعنی افطار کا وقت آ پہنچا ہے۔ اِس لیے یہیں پر اس گفتگو کو چھوڑتا ہوں بقیہ پھر کبھی۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: اسلم محمود
۵؍جون ۱۹۹۳ء[11]

مکرّمی!

۳۰؍مئی کا خط ملا، شکریہ۔

بومؔ کا نام ضرور سُنا ہے، ایک آدھ شعر بھی سنا تھا، مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ اُن کا فحش کلام کہاں ہے۔ زندہ شاعروں کے متعلق میری معلومات بہت ناتمام اور محدود ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ کن لوگوں

کے پاس ایسے ذخیرے ہوں گے۔

ربابؔ رشیدی نے مجھے بتایا تھا کہ محشرؔ عنایتی کا کلام اُن کے ایک اُستاد بھائی کے پاس مل سکتا ہے جو حج پر گئے ہوئے ہیں، رئیس رام پوری، آپ ذرا ربابؔ سے پوچھیے۔ ربابؔ اُستاد رشید رام پوری کے شاگرد ہیں، یوں وہاں کے متعلق بہتر طور پر جانتے ہوں گے۔ وہیں لکھنؤ میں ہیں 126-Tazi Khana۔ مبارک باد کا شکریہ۔ توقع کرتا ہوں آپ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

اور ہاں میرا خیال ہے کہ شجاع خاورؔ بھی اِس انداز میں کچھ کہتے ہیں۔ اُن کا پتا میرے پاس نہیں۔ ہیں دہلی میں۔ وہ آپ سے بہ خوبی واقف ہیں۔

(۷)

بنام: اسلم محمود

گائر ہال

۱۸ رمئی ۱۹۹۴ء

مکرمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۹ رمئی ملا، شکریہ۔

میں پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بیمار تھا۔ بخار اور اُس کے متعلقات۔ اب دو تین دن سے نجات ملی ہے، لیکن نقاہت ابھی تک بہت ہے۔ ہاں صاحب! امراؤ جان کی فرمائش نیرؔ صاحب کی ہے، مگر فی الحال تو میں خود شکنِ بستر بنا ہوا ہوں۔ مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین میں الجھا ہوا تھا۔ امراؤ جان کا پہلا اڈیشن ابھی تک نہیں مل سکا ہے۔ جب وہ مل جائے گا تب پروگرام بنا سکوں گا۔

مدّت کے بعد آپ کا خط پاکر بے حس مسرّت ہوئی۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ کبھی کبھی یاد کرتے رہیے کہ کرم فرماؤں کے خط پاکر طبیعت کو بڑا سہارا ملتا ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام اسلم محمود

ٹی. سی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۶ ستمبر ۱۹۹۴ء

مکرمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۲۱ ستمبر ملا، شکریہ۔

عالمی ڈائرکٹری سے متعلق اطلاع پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ سچ یہ، ہے کہ قاعدے قرینے کے کام وہی لوگ کر رہے ہیں۔ ہم لوگ تو بس مشاعرے کرتے ہیں، قوالی سنتے ہیں اور عرس مناتے ہیں زندوں کے بھی اور مرحومین کے بھی۔ آپ کا ذخیرہ واقعہ یہ، ہے کہ کتاب دوستوں کے لیے اور اہلِ نظر کے لیے ایک گنجینے کی حیثیت رکھتا ہے۔

پچھلے کئی مہینوں سے صحت ڈانواڈول سی رہتی ہے، یوں سارے کام گویا معطل ہیں۔ گلزارِ نسیم کے بعد میں نے اردو کے قدیم ترین لغت (یعنی کسی ہندستانی کا مرتب کیا ہوا لغت) سے متعلق کچھ کام شروع کیا تھا اور اِس سلسلے میں مولوی عبدالواسع ہانسوی (ہانسی، ہریانہ) کے لغت غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا ڈول ڈالا تھا۔ یہ اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ بیچ میں یہ کام رُک گیا مہینے دو مہینے میں اِسے شروع کر سکوں گا۔ بیچ میں انشائے غالب کا کام نکل آیا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم اِس کام کو نا تمام چھوڑ گئے تھے۔ چھوٹا سا رسالہ ہے۔ اسے مرتب کر کے چھپنے کے لیے مکتبۂ جامعہ کو دے دیا ہے۔

جعفر زٹلی کا دیوان مرتب کرنے کی چیز ہے، مگر اُس کے نسخے بکھرے ہوئے ہیں یہاں سے لے کر لندن تک۔ اُن سب کے عکس جمع کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ اگر کوئی ادارہ ان نسخوں کے عکس منگا دے تو میں یقیناً سب سے پہلے اُسی کو مرتب کروں گا۔ نعیم احمد والا اڈیشن تو اِس قابل ہے کہ اُس پر مرتب کو "لیبر کیمپ" میں بھیج دیا جانا چاہیے۔ وہ متن کو پڑھ ہی نہیں سکے ہیں، مرتب کیا کرتے۔ اِس کے لیے ذوق اور نظر، دونوں کی ضرورت ہے اور وہاں دونوں کی کمی ہے۔

امراؤجان کا پہلا اڈیشن ہنوز دست یاب نہیں ہو سکا ہے۔ کبھی حیدرآباد جاؤں تو شاید کام بنے۔ لکھنؤ میں بھی ملنا چاہیے مگر تلاش کون کرے۔ اگر آپ اُسے تلاش کر لیں تو میں ہمت باندھوں۔

لکھنؤ آنا ہو نہیں پاتا۔ اس میں خرابیِ صحت کو زیادہ دخل ہے۔ دیکھیے کوئی بہانہ ہاتھ آیا تو ضرور آؤں گا اور آپ کو مطلع کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: اسلم محمود

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۹؍دسمبر ۱۹۹۴ء[۱۳]

مُحبِ مکرّم!

میری طرف سے نیا سال مبارک ہو!

کارڈ ملا۔ یادآوری کا شکریہ۔ یہ آپ کی وضع داری ہے کہ مجھے یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں۔ خداے پاک آپ کو خوش رکھے۔

میں بہ عافیت ہوں اور خیر طلب۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: اسلم محمود

ٹی بی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷

۴؍اپریل ۱۹۹۵ء[۱۴]

مُحبِ مکرم!

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

یہ خط ایک طرح سے زحمت نامہ ہے۔ اگر کوئی اور صورت ہوتی تو میں آپ کو مبتلاے زحمت نہ کرتا۔ میری درخواست ہے کہ میری خاطر آپ اِس زحمت کو گوارا فرمائیں۔ میں اِس کے لیے بہت معذرت طلب ہوں۔

میں نوّاب مرزا شوق لکھنوی کی تینوں مثنوی[۱۵]: فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق کو مرتّب کر رہا ہوں۔ ان مثنویوں کے قدیم اڈیشن درکار ہیں۔ اِس کا امکان ہے کہ لکھنؤ میں ندوے کی لائبریری میں یہ ہوں۔ قدیم اڈیشن سے میرا مطلب اُن نسخوں سے ہے جو ۱۲۶۰ھ سے ۱۲۸۰ھ تک کے چھپے ہوئے ہوں۔ وہاں کا انتظام، سنا ہے، بس یوں ہی سا ہے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔ بہ ہر طور، اگر کوئی قدیم اڈیشن ہوا تو پھر اُس کے عکس کا انتظام ضروری ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے کا سارا خرچ میرے ذمّے ہوگا۔

میری یہ فرمایش خاصی پریشان کُن ہوگی آپ کے لیے، لیکن آپ کو مجھ سے جو تعلّقِ خاطر ہے، اُس کے پیشِ نظر اِس کا یقین ہے کہ آپ کے لیے یہ کام بارِ خاطر نہیں ہوگا۔ میں نے گیان چند جین صاحب کو ایک خط لکھا تھا، خلافِ معمول جواب نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیا صورت ہے۔ نیّر صاحب کے پاس دو نسخے تھے، وہ اُنھوں نے پچھلے ہفتے بھیج دیے۔

ہاں لکھنؤ ڈاکٹر شاہ عبدالسلام نے بھی کلیاتِ شوق کو مرتّب کیا ہے۔ یہ نسخہ میرے پاس

ہے۔ میری اُن سے شناسائی نہیں۔ اُن کے پاس ایک دو نسخے ضرور ہوں گے۔ کوئی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ اُن سے وہ نسخے عارضی طور پر مل سکیں۔

آپ کے خط کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: اسلم محمود

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی- ۱۱۰۰۰۷

۱۷ ر مئی ۱۹۹۵ء

مُحبِ مکرّم!

۱۵ ر مئی کا خط آج ہی ملا، شکریہ۔ جی ہاں، حیدری صاحب نے مجھے خط لکھا تھا کہ کشمیر جانے سے پہلے وہ اُس نسخے کا عکس بھیج دیں گے۔ اُن کو کشمیر اچانک جانا پڑا، یوں وہ نہیں بھیج سکے۔ دوسرے خط میں لکھا تھا کہ واپسی پر لکھنؤ سے اُس عکس کو بھیج دیا جائے گا۔ اب مجھے اُن کی واپسی کا انتظار ہے۔ میری مشکل یہ ہے کہ اُس نسخے (یا اُس کے عکس) کے بغیر میرا کام مکمل نہیں ہو سکے گا، یوں منتظر بیٹھا ہوں۔ جب وہ عکس آئے گا، تب کام شروع ہو سکے گا۔ آپ بھی ذرا اُن کی واپسی کا خیال رکھیے گا۔

اُن کے خط میں کئی باتیں کام کی ہیں۔ آپ نے امراؤ جان ادا کی تدوین کے لیے لکھا تھا۔ اُن کے خط میں اُس پر ایک تبصرے کا ذکر ہے جو رسالہ 'ادیب' میں چھپا تھا۔ غالباً یہ تبصرہ اشاعتِ اوّل پر ہوگا۔ یوں اِس کی اہمیت ہے۔ جب وہ لکھنؤ آئیں تو آپ اِس تبصرے کی نقل بھی اُن سے لے لیجیے گا، یہ کام آئے گی۔

ہاں حیدری صاحب کا ذہن بنیے کی دُکان جیسا ہے، جہاں بادام اور زعفران اور ایسی ہی اور چیزیں بھی ہوتی ہیں اور ہلدی مرچیں بھی ہوتی ہیں۔ مختی بہت ہیں۔ اِس کا قوی امکان ہے کہ امراؤ جان کی اشاعتِ اوّل کے متعلق اُن کو کچھ معلوم ہو، یعنی یہ نسخہ کہاں ہے۔ قوی امکان ہے۔ ذرا اِس کا بھی خیال رکھیے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اُن کے محبوب کُتب خانہ راجا صاحب ہی میں ہو۔ اگر مل گیا تو کام بن جائے گا اور پھر وہ کام بھی تکمیل کو پہنچ سکے گا۔

ہر شخص ڈاکٹر محمد حسن اور شاہ عبدالسلام بن گیا ہے۔ کہاں کا صبر اور کہاں کی تلاش اور کاہے کی لگن۔ کام ایسے کرو جیسے چونی مار کا رنڈی کے ساتھ بُرا کام کیا جاتا ہے اور بہ قولِ نظیر: ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے۔ اگر ڈیرے دار طوائف اِن کے زمانے میں ہوتی تو یہ

لوگ اور ایسے لوگ تو اُس کے ساتھ جنسی روابط کے آداب کی بھی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ یہ تو اِن کی خوش قسمتی ہے کہ اُس زمانے میں کارفرما ہیں جب ہر طرف ''طفلانِ بے تہ'' کا دور دورہ ہے اور خفیف الحرکاتی نے معیار کا عنوان اختیار کرلیا ہے، دلّی کا کرخندار غصّے میں آکر نئے کاریگر سے کہتا ہے: لوڑا پکڑنے کا ڈھنگ آیا نہیں اور گانڈوؤں کی فہرست میں نام لکھانے چلے آئے۔

زہرِ عشق وغیرہ کے متعلق حیدری صاحب نے جن مختلف کتاب خانوں کی تفصیلات لکھی ہیں، وہ سب پہلے سے میرے پاس موجود ہیں۔ خدا بخش، رام پور، حیدر آباد کے بھی نسخے میری نظر میں ہیں۔

نیرّ صاحب کہتے ہیں کہ مثنویاں واپس نہیں ملیں۔ حیدری صاحب کہتے ہیں کہ واپس کردیں؛ میں ٹھہرا ''پردیسی'' کیا کہہ سکتا ہوں؛ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ نیرّ صاحب کم از کم مجھ سے غلط بیانی نہیں کرسکتے۔ اُن کے پاس ہوتی وہ مثنوی، تو وہ لازماً بھیج دیتے۔ وہ اہم کتابیں بلاتکلف مجھے بھیجتے رہے ہیں۔ میرے ساتھ اُن کا معاملہ یہی رہا ہے۔ کہاں گرہ پڑگئی ہے، معلوم نہیں۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ حیدری صاحب کی واپسی کب ہوگی؟ یہ بات معلوم ہو تو ضرور لکھیے گا۔

کاغذ کا بھاو بے طرح اُتار چڑھاو کا شکار رہا، یوں ناشرین نے ہاتھ روک لیا تھا۔ اب کچھ ٹھہراو آیا ہے، یوں اِس کا قوی امکان ہے کہ اگلے ماہ کے وسط تک گلزارِ نسیم چھپ جائے۔

ہاں، آپ نے تبادلے کے متعلق کچھ لکھا تھا، اُس کا کیا ہوا؟ کیا واقعی تبادلہ ہوگا؟ ہوگا تو کہاں اور کب؟

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: اسلم محمود

۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۷؍مئی ۱۹۹۵ء

مُحبِ مکرم!

مکتوب مرقومہ ۲؍مئی ملا، شکریہ۔ بہت انتظار کرنا پڑا۔

اکبر حیدری صاحب کا خط کشمیر سے آیا ہے۔ یہ وعدہ کیا ہے کہ جب لکھنؤ آئیں گے، تو وہ مطلوبہ نسخہ بھیج دیں گے۔ اب سوائے انتظار اور کیا کرسکتا ہوں۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ لکھنؤ کب آئیں گے۔

شاہ عبدالسلام صاحب سے میری ملاقات نہیں، یوں تکلف ہوتا ہے۔ ویسے یہ مجھے معلوم ہے کہ اُن کے پاس کوئی قدیم نسخہ نہیں۔ اُن کا مرتبہ کلیاتِ شوق میں نے دیکھا ہے، ہے میرے پاس، معمولی درجے کا کام ہے۔

امراؤ جان والا کام ضرور کروں گا، بہ شرطے کہ اس کا پہلا اڈیشن مل جائے۔ آپ بھی توجہ کیجیے۔ چھپّن چھری کا دیوان میں نے دیکھا نہیں، ہاں جانکی بائی کا نام سنا ہے اور پڑھا بھی ہے۔ غالباً ظریف لکھنوی کا شعر ہے:

ختم اِس مصرعے پہ ہوگی ہر غزل استاد کی
سُنیے، میں ہوں جانکی بائی الٰہ آباد کی

ہاں صاحب! دو کام ایسے ہیں جو آپ کے التفاتِ خاص سے انجام کو پہنچ سکتے ہیں۔

(۱) ڈاکٹر سیّد محمد حیدر (زید پور، بارہ بنکی) نے حیاتِ شوق کے نام سے اپنا تحقیقی مقالہ شائع کیا ہے، یہ میرے سامنے ہے۔ اِس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ مثنوی بہارِ عشق کا ۱۲۶۸ھ کا اڈیشن (کان پور کا) لکھنؤ یونی ورسٹی کی ٹیگور لائبریری میں ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں چھپی ہے، یعنی بات پُرانی نہیں۔ میں نے نیّر صاحب کو بھی لکھا ہے۔ کیا اِس سلسلے میں آپ معتبر اور مصدقہ اِطلاع حاصل کر سکتے ہیں؟ اگر موجود ہو تو اُس کا عکس بنوایا جاسکتا ہے۔ یہ بہت ضروری اور اہم کام ہے۔

(۲) نظامی بدایونی نے مثنوی زہرِ عشق ۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء میں چھاپی تھی۔ دوسری بار ۱۹۲۱ء میں چھاپی۔ مجھے اِس نسخے کی بھی تلاش ہے۔

ہاں، کیا ڈاکٹر سیّد سلیمان حسین (اُستادِ شعبۂ اردو، لکھنؤ یونی ورسٹی) کا پتا آپ کے پاس ہے۔ مجھے چاہیے ہے۔ اُن کو خط لکھنا چاہتا ہوں۔

ہاں صاحب! تبادلہ کہاں کا ہوا ہے؟ میری درخواست ہے کہ نئے پتے سے ضرور مطلع کیا جاؤں۔ اِس کا افسوس رہے گا کہ لکھنؤ کے طویل زمانۂ قیام میں آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ اِس میں اصل حصّہ میری کوتاہی کا ہے۔

اِس بار خط کا جواب جلد عنایت ہو۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: اسلم محمود

ٹی بی.۹، گائر ہال[۱۸]
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۶رمئی ۱۹۹۵ء

مخمی! آداب

مکتوب مرقومۂ ۱۶رمئی ملا تھا، شکریہ۔ پہلی بات تو یہ کہنا ہے کہ بدایونی نسخہ میرے پاس آگیا ہے، بل کہ دو نسخے مل گئے۔ ایک شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بھیجا اور ایک نسخہ بدایوں سے ایک عزیز نے؛ اِس لیے اب آپ اِس نسخے کے حصول کی فکر نہ کیجیے۔ ہاں یونی ورسٹی والا کام جب ہو جائے تو ضرور مطلع کیجیے گا۔ نیرؔ صاحب کو بھی خط لکھا تھا، خلافِ معمول ابھی تک اُن کا جواب نہیں آیا۔ اگر آپ کسی وقت ٹیلی فون کریں تو یہ بات بھی کہہ دیں۔

فحش کلام کی بات میرے ذہن میں ہے۔ جب بھی کوئی چیز ہاتھ آئی، بھیجوں گا۔ دیکھیے آپ سے ملاقات کب ہوتی ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: اسلم محمود
۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال[۱۹]
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵رنومبر ۱۹۹۵ء

مُحبِ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا۔ میں فی الحال بہت مصروف ہوں۔ جنوری کے آخر تک مجھے شاہ جہان پور منتقل ہونا ہے، یوں سارے پھیلے ہوئے کاموں کو سمیٹ رہا ہوں۔ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات ضرور ہوگی۔ لکھنؤ سے اکبر حیدری کا خط آیا تھا اور اُنھوں نے آپ کا پتا معلوم کیا تھا۔ میں نے پرسوں اُن کے خط کا جواب لکھ دیا تھا جس میں لکھا تھا کہ مجھے پتا معلوم نہیں۔ اب آپ اُن کو خط لکھ دیجیے۔

آپ کی فرمائش میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں، جنوری کے بعد میرا پتا یہ ہوگا:

R. H. Khan
167-Baroozai-II
Shah Jahan Pur, Pin 242001

(۱۵)

بنام: اسلم محمود
ٹی.سی.۹، گائر ہال نارتھ
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۲ر جنوری ۱۹۹۶ء

مُحبِ مکرّم!

آج ہی آپ کا خط ملا۔ ارے صاحب! میں نے جس دن کتاب کے متعلق خط لکھا تھا، اُسی دن کتاب بہ ذریعۂ رجسٹری بھیج دی تھی۔ پھر یہ ہوا کہ آٹھ، دس دن کے بعد واپس آگئی۔ اب میں حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ ایک خاص بات یہ دیکھی کہ پتے میں جو ''بسنت لین'' لکھا تھا، اُس پر کسی نے سیاہی پھیر دی ہے۔ اللہ جانے یہ حرکت کس نے کی!

اُس کتاب پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے اور میں نے اُسے احتیاط سے رکھ لیا ہے۔ چوں کہ کتابیں سب شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوگئی ہیں، اس لیے وہ بھی بنڈلوں میں بندھ کر وہیں پہنچ گئی۔ اب میں شاہ جہان پور جاؤں اور جگہ کا انتظام کرکے اُن بنڈلوں کو کھولوں، تب آپ کی کتاب وہاں سے آپ کے نام بھیجوں گا۔ اُس پر تو آپ کا نام لکھا ہوا ہے۔

میں نے نیر مسعود صاحب کو بھی اِس کی اِطلاع دی تھی کہ کتاب واپس آگئی ہے۔ معلوم نہیں کیا ہوا۔ میں ۲ر فروری کو شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوں گا۔ وہاں پہنچ کر کچھ وقت لگے گا، مگر کتاب ضرور پہنچے گی۔ پتے کا وہ کاغذ بھی اُس کے ساتھ ہی بھیج دوں گا تاکہ آپ بہ طورِ خود اُسے دیکھ لیں۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے۔

جعفر زٹلی پر ایک مضمون مفصل لکھا تھا میں نے جو میری کتاب تلاش و تعبیر میں شامل ہے۔ دیوان کے نسخے بکھرے ہوئے ہیں، بعض تو لندن میں ہیں (۲ نسخے) وہاں سے عکس منگانا اب میرے بس میں نہیں۔ میں اسے مرتب کرنا چاہتا ہوں مگر نسخوں کو جمع کرنا اب میرے لیے مشکل ہے۔ کوئی ادارہ اِس کا ذمہ لے تو کام کرنا میرا ذمہ۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

اب آپ خط شاہ جہان پور کے پتے پر لکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۵؍فروری ۱۹۹۶ء[۲۱]
محبی!

میں ۲؍فروری کو بہ عافیت شاہ جہان پور پہنچ گیا۔ اب یہ فرمائیے کہ کتاب (دوبارہ) کس پتے پر بھیجوں؟ میں نے وہ جلد اور اُس کی رجسٹری کی رسید نکال کر رکھ لی ہے۔ یہ رسید ۲۸؍دسمبر ۱۹۹۵ء کی ہے دہلی یونی ورسٹی کے ڈاک خانے کی۔

اب آپ خط لکھیے تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ جو پتا میں لکھتا ہوں، وہ درست ہے اور یہ بھی کہ کتاب لکھنؤ کے پتے پر بھیجوں یا دہلی کے پتے پر۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۰؍فروری ۱۹۹۶ء[۲۲]
محبی!

کل آپ کا خط ملا اور آج گلزارِ نسیم بہ ذریعۂ رجسٹری لکھنؤ کے پتے پر بھیج دی گئی ہے۔ جب یہ وہاں سے آپ تک پہنچ جائے تو اِس کی وصل یابی سے ضرور مطلع فرمائیے گا۔

میں یہاں رہ کر ادبی کام نہیں کروں گا تو اور کیا کروں گا! اور کوئی کام تو مجھے آتا ہی نہیں۔ اطمینان رکھیے کہ میرے ادبی کام حسبِ سابق ہوتے رہیں گے۔ یہی تو میری اصل زندگی ہے۔ کتابیں ابھی تک بندھی پڑی ہیں۔ یہاں جگہ کی کمی ہے بہ ہر طور دس بیس دن میں ان کو کسی نہ کسی طرح ٹھکانے سے لگا کر، مثنویاتِ شوق کا مقدمہ لکھنا شروع کروں گا۔ متن اور ضمیموں کی کتابت ہو رہی ہے۔ اسے بھی انجمن ترقی اردو شائع کرے گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں، اِس کتاب کی جلد (جو پہلے ہی کچی تھی) خراب ہو گئی۔ اِس کی معذرت۔ معلوم نہیں ڈاک

خانے والوں نے دہلی میں اسے کس طرح پٹکا اور پھینکا تھا۔ خدا ہی اُن کم بختوں سے سمجھے۔

(۱۸)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۸/مارچ ۱۹۹۶ء [۲۳]

مخلصی!

خط ملا، شکریہ۔

قرار شاہ جہان پوری کی کتابیں میں نے دیکھی ہیں، معمولی درجے کی ہیں۔ اُن کا قرار اللغات تو میرے پاس تھا بھی۔ اب بازار میں اِن کے ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ بعض لائبریریوں میں ہوں گی۔ یہ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔

جعفر زٹلی کا کلیات میں ضرور مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کے سارے ضروری نسخے مل جائیں اگر، یہ آسان مرحلہ نہیں۔ بہ ہر حال یہ کام میری فہرست میں شامل ہے۔ آج کل میں مثنویاتِ شوق کا مقدّمہ لکھ رہا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: اسلم محمود
۱۶۷-بازوزئی-دوم
شاہ جہان پور-۲۴۲۰۰۱ (یوپی)
۲۵/اگست ۱۹۹۶ء [۲۴]

مُحبِ مکرّم!

۲۰/اگست کا خط مل گیا۔ یاد آوری اور عزّت افزائی کے لیے ممنون ہوں۔ کتابوں کی فہرست دیکھی، خوب ہیں۔ آپ کی کاوش کی داد دیتا ہوں۔ اِن میں ''اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ'' پر نظر ٹھہری۔ کبھی دیکھوں گا، میرے ڈھب کی کتاب معلوم ہوتی ہے بہ ظاہر۔ اصل بات دیکھنے پر معلوم ہوگی۔ کبھی دہلی آنا ہوا تو حاضری دوں گا اور کتابیں بھی دیکھوں گا۔

شاہ جہان پور بہ قولِ غالب اب ''کیمپ'' ہے۔ وہ پُرانی بات گئی۔ اب تو گھروں میں اردو جاننے والے بھی کم ہوتے جارہے ہیں۔ سارے پرانے کتاب خانے یا دیمک نے کھالیے یا بازار

کی نذر ہو گئے اور اب تو بازار میں بھی کوئی دکان ایسی کتابوں کی نہیں، بہ ہر حال خیال رکھوں گا۔

امراو جان کا ابھی تک پتا نشان نہیں ملا، مگر میں نا اُمید نہیں۔ فی الوقت میں نے مثنوی میر حسن (سحر البیان) کو شروع کر دیا ہے۔ مثنویاتِ شوق شاید اِس سال کے آخر تک چھپ سکے گی۔ آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔ اُس میں آپ کا مفصّل حوالہ موجود ہے آرکائوز کے سلسلے میں۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو لندن کی انڈیا آفس لائبریری کو ایک خط لکھ دیں، اُن کے یہاں مطبوعہ کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ خیال ہے کہ وہاں ضرور ہوگی۔ وہ لوگ جواب تو لکھیں ہی گے، اِس کی توقّع ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: اسلم محمود

۱۶۷-باڑوزئی-دوم

شاہ جہان پور، پن: ۲۴۲۰۰۱ (یو. پی)

۲۵ / ۲ رنومبر ۱۹۹۶ء

مُحبِ مکرم!

آپ کے دونوں لفافے یہاں محفوظ تھے۔ میں ڈیڑھ مہینے بمبئی میں رہا۔ ۲۷ راکتوبر کو واپسی ہوئی، اِس غیر حاضری کے سبب آپ کے خطوط کی رسید نہیں بھیج سکا، معذرت طلب ہوں۔

آپ نے بہت زحمت گوارا فرمائی، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ امراو جان ادا کا پہلا اڈیشن کس سنہ کا ہے۔ میں اِس تلاش میں ہوں کہ کسی طریقے سے اِس کی بابت صحیح بات معلوم کر سکوں۔ معلوم تو ہو جائے گی، بس ذرا دیر لگے گی۔ کاغذات کو میں نے سنبھال کر رکھ لیا ہے، مناسب وقت پر اِن سے کام لوں گا۔ آپ کی زحمت فرمائی کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فی الوقت میں مثنویِ میر حسن (سحر البیان) کو مرتب کر رہا ہوں اور اِس کے خطّی نسخے جمع کر رہا ہوں۔ امراو جان والا کام اِس کے بعد شروع ہو سکے گا۔ مثنویاتِ شوق شاید اواخر دسمبر تک چھپ سکے گی اور سب سے پہلے آپ کے پاس پہنچے گی۔

آپ کی فرمائش ہمہ وقت میرے ذہن میں رہتی ہے۔ جیسے ہی کچھ ملا، پیش کروں گا۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۱۹/اکتوبر ۱۹۹۷ء[۲۶]

مُحبِ مکرّم! آداب

دنوں کے بعد آپ کے دو خط ملے۔ میں اِس زمانے میں بیش تر باہر رہا۔ دو ماہ تو مکمل طور پر بمبئی میں رہا علاج کے سلسلے میں۔ ہنوز علاج جاری ہے اور شاید جاری رہے گا کچھ دنوں تک۔ دسمبر میں پھر بمبئی جانا ہوگا۔

کتابیں آپ نے نہایت عمدہ جمع کی ہیں، آپ پر رشک آیا۔ ایسا ذخیرہ اب شاید ہی کسی شخص کے کتاب خانے میں ہو۔ جی خوش ہو گیا فہرست دیکھ کر۔ کوشش کروں گا کہ کبھی بہ چشمِ خود اِس بیش بہا ذخیرے کو دیکھوں۔

طوائفوں کے دواوین سے متعلق میری معلومات صفر کے درجے میں ہے، اُسی طرح جس طرح خود طوائفوں کے متعلق۔ بہ ہر طور اِس بات کو ذہن میں رکھوں گا۔ اگر کہیں کوئی چیز سامنے آئی تو آپ کو مطّلع کروں گا۔

شکیب صاحب رام پور میں ہیں، ایڈوکیٹ ہیں، مگر اُن کا پتا میرے پاس نہیں۔

خواب اور خواجہ، اِسی طرح خوار، خواہش، خواندگی: ان لفظوں کا تلفظ دو طرح سُننے میں آیا ہے اور آتا ہے: خاب (وغیرہ) اور خواب (مع واوِ مخلوط)۔ اہلِ لکھنؤ خاب، خاہش وغیرہ کہتے سنے گئے ہی؛ مگر بہت سے لوگ (جن میں میں بھی شامل ہوں) خواب، خواہش، خوار وغیرہ کہتے ہیں۔ میں دونوں کو صحیح اور فصیح تلفظ مانتا ہوں۔

جعفر زٹلی والا کام میں خود بھی کرنا چاہتا ہوں، مجھے اِس شاعر کے کلام سے بہت دل چسپی ہے۔ سحر البیان سے فرصت پالوں تو اِدھر لازماً توجہ کروں گا۔ آپ ۱۲۷۱ھ والے نسخے کا عکس ضرور بھیج دیجیے۔ میرے پاس ۱۲۸۵ھ کا مطبوعہ نسخہ ہے، اِس طرح تقابل ہی کرلوں گا اور کام کا آغاز ہو جائے گا۔

امراو جان والا کام بھی نظر میں ہے، ذرا فرصت ملے تو اُسے بھی کرنا ہے، مگر جعفر کے بعد۔

آج کل تو سحر البیان کے قدیم ترخطی نسخوں کے عکس حاصل کرنے میں مصروف ہوں۔ سحر البیان کے تیرہ[۲۷] نسخے اب تک جمع کر سکا ہوں یعنی خطی نسخوں کے عکس۔ ایک دو کی اور کمی ہے۔ اب شاید اگلے ماہ سے اِس کام کا آغاز ہوگا۔ اب تک کا وقت تو نسخے جمع کرنے میں نکل گیا۔ کبھی کبھی یاد کرتے رہا کیجیے۔ آپ کے خط سے بڑا حوصلہ ملتا ہے اور کام کرنے کی امنگ جاگ اُٹھتی ہے۔

خدا کرے آپ[۲۸] بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۷رنومبر ۱۹۹۷ء[۲۹]

مُحبِ مکرّم!

خط ملا تھا، اُس کے بعد دیوانِ جعفؔر کا عکس ملا۔ اس نوازش کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ سحرالبیان میں اُلجھا ہوا ہوں فی الوقت، اِس سے فرصت پا کر جعفؔر کی طرف توجہ کروں گا۔ اِس دوران اس کے کلام کے خطی نسخوں کا پتا بھی لگاتا رہوں گا۔ میرے پاس پہلے سے ۱۲۸۴ھ کا مطبوعہ دیوان ہے۔ ڈاکٹر نعیم احمد نے علی گڑھ سے اسے مرتب کر کے شائع کیا تھا اب سے ۲۰ برس پہلے، مگر بے حد ناقص کام ہے وہ، وہ عبارت کو صحیح طور پر پڑھ ہی نہیں سکے۔

ایک مشکل یہ ہے کہ جعفؔر کے دیوان میں بعد والوں نے دوسروں کا کلام بھی شامل کر دیا ہے۔ اِس کو الگ کرنا ہے اور یہ بہت مشکل کام ہے۔ بہ ہر حال، دیکھا جائے گا، اِس کام کو کرنا تو ہے۔ اگر یہ کام مکمل ہوا تو یہ محض آپ کی فرمائش اور اصرار کا نتیجہ ہوگا۔[۳۰]

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۲۱رنومبر ۱۹۹۷ء[۳۱]

مُحبِ مکرّم!

۱۲رنومبر کا خط ملا تھا۔ جواب میں ذرا سی تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ جالبی صاحب ایک زمانے سے جعفؔر کے کلام کو مرتب کر رہے ہیں۔ مجھ سے اُنھوں نے اب سے تقریباً آٹھ سال پہلے یہ بات کہی تھی۔ تاریخ ادب میں اُنھوں نے جعفؔر کے آٹھ دس شعر درج کیے ہیں، اُن میں سے بیشتر کا متن صحیح نہیں۔ وہ کیا کریں گے، مجھے معلوم نہیں۔ جعفؔر کے دیوان میں الحاقی کلام شامل ہے، اصل مسئلہ اُس کا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔

نونی، پھُنّو وغیرہ مستعمل الفاظ ہیں؛ مگر بچیوں کی شرم گاہ سے متعلق کوئی لفظ میں نے کبھی نہیں سنا، نہ کہیں دیکھا۔

چوت اور بُر میں شہر اور دیہات کا فرق نہیں، دونوں علاقوں میں دونوں لفظ مستعمل ہیں۔
چوت مرانی فارسی میں بھی آیا ہے (چوت مارانیانِ ہندستان) اور چوتیا شہید تو عام ہے۔ یہ فائز دہلوی کے یہاں بھی آیا ہے اُس کے سنجیدہ کلام میں۔ جعفر زٹلی نے ایک قطعے میں اِن کے فرق مدارج کو بیان کیا ہے، اِس کا عنوان ہے: ''اسمہاے کُس بہ تفصیل ذیل''۔ یہ آپ کے نسخے میں جس کا عکس آپ نے مجھے بھیجا ہے، ص۲۱ پر ہے۔ اُس کے مطابق شادی سے پہلے پونی، ٹینی، ٹنا اور پھر چیچا کہیں گے۔ پھر پھوسو، حمل کے بعد چوت، ایک بچّے کے پیدا ہونے کے بعد بھوسڑی۔ ۳۰ سال کے بعد چوت کو چُو کہیں گے۔ ۵۰ سال کی عمر کے بعد بُر (بُل) اور ساٹھ کے بعد بھوسڑا۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۸/اکتوبر ۱۹۹۸ء[۳۲]

مُحبِ مکرّم!

۱۲/اپریل کے خط کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ جیسے مخلصین خوش نہیں ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا۔

سحر البیان کا کام ہو رہا ہے۔ بہت کچھ ہو چکا ہے۔ مگر ابھی سال بھر اور لگے گا یا پھر ڈیڑھ سال۔ اُلجھا ہوا کام ہے۔ حواشی کا کام بہت ہے۔ آپ کی کتابوں کی فہرست پڑھ کر جی بہت خوش ہوتا ہے۔ آپ کا ذوق اور آپ کی دل چسپی قابلِ داد ہے۔ میری کتاب مثنویاتِ شوق شاید مہینا بھر میں آجائے، ناشر کا تو یہی کہنا ہے۔ جیسے ہی آئی، آپ کے پاس پہنچے گی۔ آپ سے بڑھ کر اِس کتاب کا مستحق اور کون ہوگا۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۰/اکتوبر ۱۹۹۸ء[۳۳]

مُحبِ مکرّم!

آپ کے دونوں خط ملے، جس تعلقِ خاطر کے ساتھ آپ نے پرسشِ حال فرمائی ہے، اُس سے جی تو خوش ہوا ہی، ہمت بھی بندھی اور حوصلہ بھی بڑھا۔ جس شخص کے ایسے مخلص اور غم گسار اور خبر گیر موجود ہوں اُس کو اپنے پر رشک آنا چاہیے۔ ایسے ہی مواقع پر یہ دنیا کچھ اور حسین لگنے لگتی ہے اور زندگی کی قدر و قیمت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

میں ویسے تو ٹھیک ہوں، چلتا پھرتا ہوں، کھاتا پیتا ہوں، اپنا کام بھی کچھ نہ کچھ کرتا ہوں؛ مگر دل میں چور بیٹھ گیا ہے کہ شاید کچھ ہو۔ یہ وہم ہو یا حقیقت، ہر صورت میں اِس خیال کو دل سے نکلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ جس شخص کو کئی ڈاکٹروں نے مہینوں تک یہ سمجھایا ہو کہ ٹسٹ کراتے رہنا اور دوا کھاتے رہنا ضروری ہے، وہ یہ نہ سوچے تو کیا سوچے۔ مگر مجھے اپنی سخت جانی پر سب سے زیادہ اعتماد ہے، یہ عارضی صورتِ حال بھی گزر جائے گی؛ یہ خیال دل میں رہتا ہے اور اِسی نے میری مدد کی ہے۔

کتاب آپ کو پسند آئی، اس کا شکریہ۔ سحرالبیان کی کتابت ہورہی ہے، خیال یہ ہے کہ اگلے سال کے وسط تک چھپ جائے گی، آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔

جعفر زٹلی کا دیوان میں خود مرتب کرنا چاہتا ہوں، مگر اِس وقت لندن میں میرا کوئی ایسا شناسا نہیں جو انڈیا آفس کے ایک قدیم نسخے کا عکس بھجوادے۔ میں نے بمبئی میں انڈیا آفس کا کٹلاگ دیکھا، معلوم ہوا کہ وہاں چار نسخے ہیں، مگر میرے کام کا ایک ہی نسخہ ہے۔ دیکھیے کوئی صورت نکلے تو اُسے منگاؤں، تب یہ کام شروع ہو سکے گا۔ آپ کی فرمایش ہے یہ اور اِس لیے اسے تو مجھے کرنا ہی ہے، بہ شرطے کہ اِس نسخے کا عکس مل جائے۔ اِدھر اُدھر لوگوں سے کہہ تو رہا ہوں۔

نیّر مسعود[۳۴] صاحب نے جس زبان میں وہ تحریر لکھی ہے، اُس کو کیا کہوں۔ تبرّا اِسی زبان میں بھیجا جاتا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اور اختلاف کرتے رہے ہیں، علم و ادب میں ایسا ہونا لازم ہے اور ضروری بھی؛ مگر اختلاف کا اظہار علمی زبان میں ہونا چاہیے، یہ نہ معلوم ہو کہ نثر میں ہر سیہ لکھا ہے۔ ذاتی تعلقات میرے اُن سے ویسے ہی ہیں جیسے تھے، آج بھی اُن کا ایک خط آیا ہے، مگر اُنھوں نے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے جو اندازِ بیان اختیار کیا، اُس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ میں اِس سے زیادہ بُری زبان میں تحریر لکھ سکتا تھا، مگر اُن سے جو میرے مراسم رہے ہیں اور ہیں، اُنھوں نے اجازت نہیں دی۔ میں کچھ نہیں لکھوں گا مگر یہ اندازہ ضرور ہوا کہ میر صاحب ہونا بجائے خود ایک چیز ہے، جو باقی سب چیزوں پر حاوی آجاتا ہے۔ اُن سے مجھے اِس کی توقع تھی نہیں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۰ردسمبر ۱۹۹۸ء[۳۵]

مُحبِ مکرّم! آداب

مکتوبِ محبت ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی، اِس کی معذرت۔

کلیاتِ جعفر چھاپے گا کون؟ انجمن ترقیِ اردو، جو میری کتابیں چھاپتی ہے، وہ تو چھاپے گی نہیں۔ پھر کون چھاپے گا۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو جائے، عکس منگا کر کیا کروں۔ پھر لائبریری والے فوٹو اسٹیٹ دیتے نہیں، مائکروفلم بناتے ہیں اور وہ بھی بہ مشکل۔ مائکروفلم سے میرا کام چل نہیں سکتا۔ اِس کی تدبیر جب تک نہ نکلے، سب بے کار۔ مائکروفلم کے عکس بنوانے میں اچّھا خاصا خرچ آتا ہے۔

الف لیلہ کا احوال معلوم ہوا، خوب ہے۔ معلومات میں اضافہ ہوا۔ پچھلے دو سال میں میرے علم میں کوئی خاص چیز اُس سلسلے کی نہیں آئی۔ شاید اعصاب شل ہو گئے ہیں اور ذہن مفلوج ہو گئے ہیں۔ زرِ جعفری معتبر کتاب تو نہیں، شیرانی صاحب نے اِس پر بحث کی ہے۔ مگر پھر بھی جب کام کروں گا، تو اُسے دیکھوں گا ضرور۔ اچّھا ہے کہ یہ آپ کے پاس ہے۔ کام آئے گی جب ضرورت ہوگی۔

انڈیا آفس کٹلاگ کے متعلقہ صفحے کا عکس میں نے منگوایا تھا، وہاں چار خطّی نسخے ہیں، مگر بہت کام کا نسخہ ایک ہی ہے، جو فہرست کے مطابق نمبر ۱۳۵ پر درج ہے۔ یہ ۱۸۰۴ء (۱۲۱۸ھ) کا لکھا ہوا ہے۔ کاتب کا نام ہے: میر شجاعت علی حسینی۔ اِس میں ۱۶۳ صفحے ہیں۔ کلیاتِ زٹلی کے نام فہرست میں اندراج ہے۔

فہرست میں ۱۳۶ پر ایک نسخے کا اندراج ہے۔ یہ ۱۸۴۳ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ بھی کام کا ہو سکتا ہے، یوں کہ ایک انگریز کے لیے اِس کی کتابت کی گئی ہے۔ اِس میں پہلے نسخے کے مقابلے میں اختلافات بھی ہیں۔ اگر یہ بھی سامنے ہو تو متن کی تصحیح شاید بہتر طور پر ہو سکے۔

آپ اگر اِن دونوں نسخوں کا عکس کسی طرح حاصل کر سکیں تو کام میں کر لوں اور متن کو مرتب کر لوں۔ اِس میں حیدرآباد، گول کنڈا وغیرہ کی جنگوں کے حوالے آتے ہیں اور عالم گیر کے بہت سے سرداروں کے نام بھی آئے ہیں، ان پر مفصّل حواشی لکھنا ہوں گے، یوں یہ دل چسپ کام ہو سکتا ہے۔ اب آپ جس طرح چاہیں، اُس طرح خاکہ بنایا جائے۔ میں آپ کی فرمائش کی تعمیل کے لیے ہر طرح حاضر ہوں۔

خدا کرے آپ[۳۶] بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۲۴؍دسمبر ۱۹۹۸ء[۳۷]

محبی!

میں ۱۱؍دسمبر کو دہلی میں تھا، مگر اِس قدر عجلت میں کہ آپ سے رابطہ قائم نہیں کر سکا۔ اِس کا افسوس رہا۔ خیر، پھر سہی۔ میں شاید فروری یا مارچ میں ایک دو دن کے لیے وہاں آؤں گا۔

یہ میں پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ مائکرو فلم سے کام نہیں چلتا، یوں کہ یہاں مائکرو فلم ریڈر کہیں نہیں۔ یوں بھی عکس کے بغیر کام ہو نہیں پاتا۔

سوانح جعفر زٹلی یعنی زرِ جعفری کا احوال شیرانی صاحب نے تفصیل سے لکھا ہے۔ میں نے تو اِسے دیکھا نہیں، غیر معتبر کتاب ہے، بہ ہر طور ضرورت ہوئی تو دیکھوں گا۔ آپ کے پاس ہے، اِس طرح بہ آسانی مل جائے گی۔

آپ کی دریافتوں اور یافت پر رشک آتا ہے۔ اب اِس ملک میں تو ایسا باذوق کوئی دوسرا ہوگا نہیں۔

خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۲؍جنوری ۱۹۹۹ء[۳۸]

محبی! آداب

نئے سال کی مبارک باد کا شکریہ۔ میری تمنا ہے کہ یہ نیا سال آپ کے لیے بھی سکونِ خاطر، صحت و عافیت اور کام رانی کا پیغام لے کر آئے۔

میں کل ہی سحر البیان کے مقدّمے کی تکمیل سے فارغ[۳۹] ہوا ہوں۔ اب اِس مثنوی کا کام مکمل ہو گیا۔ خیال یہ ہے کہ ۶، ۷ مہینے میں چھپ بھی جائے گی۔ کمپیوٹر کتابت ہو رہی ہے۔

جعفر کا دیوان میں ضرور مرتب کروں گا، اگر نسخے مل گئے۔ میں کام کو جلدی نہیں کر پاتا۔

خاصا وقت لگتا ہے مجھے، اِسی لیے میں عام فرمایشی کام نہیں کرتا۔ اِسے میں دل لگا کر انجام دوں گا، مگر جلدی نہیں، کم سے کم سال بھر یا ڈیڑھ سال کا عرصہ تو ضرور ہی لگے گا۔ جعفر کے کلام میں الحاقی اجزا بھی ہیں، اُنھیں الگ کرنا ہوگا۔ پُرانے لفظوں کی قرائت کی اُلجھنوں سے نمٹنا ہوگا اور حواشی میں بہت سی وضاحتیں کرنا ہوں گی۔ یہ کام بھی اُسی انداز پر ہوگا جس طرح میں نے دوسرے کام کیے ہیں۔

فرمایش آپ کی ہے، اِس لیے اِسے تو مکمل کرنا میرا اخلاقی فرض بھی ہے، اور یہ علمی مسئلہ تو ہے ہی۔ میں فروری کے وسط میں یا آخر میں بمبئی جاؤں گا شاید دو ماہ کے لیے، اِس دوران میں مزید نسخے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۲۵ رمئی ۱۹۹۹ء

مُحبِ مکرّم!

میں نے اپنی نئی کتاب تدوین، تحقیق - روایت کی ایک جلد انجمن ترقی اردو نئی دہلی کے دفتر میں رکھ دی تھی آپ کا نام اپنے قلم سے لکھ کر اور میں بمبئی چلا گیا تھا۔ اب جو سوا مہینے کے بعد واپس آیا ہوں تو اُس کتاب کی رسید اب تک یہاں نہیں آئی، اِس کا مطلب یہ ہوا کہ کتاب آپ تک نہیں پہنچی۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ صحیح صورتِ حال سے مطلع فرمائیں۔

کتاب ڈاکٹر اسلم پرویز کے توسط سے آپ تک پہنچنا تھی۔ میں بمبئی سے ابھی پرسوں ہی آیا ہوں۔ آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۳۱ رجنوری ۲۰۰۰ء

مُحبِ مکرّم!

پرسوں امراو جان ادا کا پیکٹ ملا تھا اور آج خط ملا، اِس لطفِ خاص کے لیے سراپا سپاس

ہوں۔ اپنی کوتاہیوں کو دیکھتا ہوں اور آپ کی نوازشوں پر نظر ڈالتا ہوں، تو شرمندہ ہوتا ہوں۔ بہ ہر طور، ممنون ہوں اور شکر گزار۔

آج کل میں ٹھگوں کی زبان پر کام کر رہا ہوں، اُن کی زبان کا لُغت[۴۳] مرتب کرنا ہے۔ اِس سلسلے کی سبھی ضروری کتابیں مل گئی ہیں، بس ہنری ولیم سلیمن کی انگریزی کتاب ''رَمسیانا'' نہیں مل سکی ہے، اُس کی تلاش جاری ہے، کہیں نہ کہیں تو ملے گی۔ اِس میں سال بھر تو لگ جائے گا۔ اُس کے بعد جعفر زٹلی والا کام شروع کروں گا۔ اُسے تو ضرور کرنا ہے، کہ وہ آپ کی خاص فرمایش ہے اور میری اپنی خواہش بھی ہے۔ امراؤ جان کو اُس کے بعد دیکھوں گا۔

سحر البیان ابھی چھپی نہیں، شاید اگلے سال چھپے گی۔ ناشر کے اپنے معاملات و مسائل ہیں، کیا کیا جائے۔

اور ہاں صاحب! ترقی پر مبارک باد قبول کیجیے۔ مٹھائی اِس کی اُدھار رہی، جو مع سود ملے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ دہلی میں دو سمینار ہوئے، دونوں میں مدعو تھا، صحت نے سفر کی اجازت نہیں دی، ورنہ ملاقات ہو جاتی۔ بہ ہر طور، مارچ میں اگر بمبئی گیا تو دہلی دن بھر کے لیے رُکوں گا۔ آپ کو پہلے سے مطلع کر دوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۸ر فروری ۲۰۰۰ء[۴۴]

مُحبِ مکرم!

۳ر فروری کا خط مل گیا، بہت ممنون ہوں اور بہت زیادہ شکر گزار؛ خاص کر یوں کہ آپ کے اس خط نے ایک بڑی اُلجھن سے نجات دلا دی۔ مگر پہلے میں یہ عرض کروں کہ میرا موضوع کیا ہے۔ میرا موضوع ہے ٹھگوں کی زبان کا ایک مکمل لُغت مرتب کرنا (اب کوئی دوسرا اِس کام کو کرے گا نہیں، یوں خاص کر) ٹھگی اور اِس کی تاریخی حیثیت اور اُس کے متعلقات میرے دائرے میں نہیں آتے۔ میرے موضوع کے لحاظ سے صرف ۵ کتابیں میرے کام کی ہیں: مصطلحاتِ ٹھگی (علی اکبر الٰہ آبادی)، (۲) مصطلحاتِ ٹھگی کا خطی نسخہ بہ قلم مصنف، (۳) سلیمن کی کتاب رامسیانا، (۴) رامسیانہ کا فارسی ترجمہ جو چھپا نہیں اور (۵) فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں۔ مصطلحات کا خطی نسخہ حیدر آباد میں ہے (اِس کی دو اور خطی نقلیں ہیں: ایک عثمانیہ یونی ورسٹی میں

اور ایک انڈیا آفس لندن) اِس کا عکس میرے ایک کرم فرما نے حیدرآباد سے بھیج دیا۔ مصطلحات کا مطبوعہ نسخہ (۱۸۳۹ء) ملتا ہی نہیں تھا، بہت پریشان رہا، آخر میں معلوم ہوا کہ کراچی میں ہے۔ میرے ایک کرم فرما مشفق خواجہ نے اس کا عکس بھیج دیا۔ رامسیانا کے فارسی ترجمے کا خطی نسخہ آکسفورڈ کی لائبریری میں ہے۔ لندن سے ایک صاحب نے کرم کیا اور اُس کا عکس بھیج دیا۔ (اسلم محمود صاحب! میں اِس لحاظ سے بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے آپ جیسے دو تین کرم فرما ملے ہیں جو میری اِس سلسلے میں مدد کرتے رہتے ہیں، جس طرح آپ مدد کرتے رہے ہیں اور مدد کر رہے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ایک کام بھی نہیں کرسکتا تھا۔ عالم میرا بے سروسامانی کا اور بیٹھا ہوا ہوں اِس شہر میں جہاں پورے شہر میں ایسا ایک شخص نہیں جسے کتاب سے تعلقِ خاطر ہو)۔

اصطلاحاتِ پیشہ وراں پہلے سے میرے پاس ہے۔ یوں چار کتابیں مل گئیں۔ اب بس ایک کتاب رہ گئی ہے سلیمن کی رامسیانہ۔ اِس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے، ایک پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور میں ہے۔ اور اب آپ کے خط سے اس کے نسخۂ دہلی کا نشان ملا۔ آپ کا خط پڑھ کر میں تو کچھ دیر کے لیے حیران رہ گیا کہ جس کتاب کے لیے میں نے اِتنے کاغذی گھوڑے دوڑائے وہ دہلی میں موجود ہے! اب آپ یہ بتائیے کہ میں اِس کا عکس کیسے حاصل کروں؟ کچھ مسیحائی کیجیے۔ آپ تو میری مدد کرتے رہے ہیں! آپ سے بڑھ کر وہاں کے لیے مجھے کون ملے گا جس کو مجھ سے اور اِس کام سے تعلقِ خاطر بھی ہو۔ کچھ کیجیے، تاکہ میرا یہ کام مکمل ہوسکے، میں بہت احسان مانوں گا آپ کا۔ اِس کام کو یوں کرنا چاہتا ہوں کہ اب ایسے کام کرنے والے اُٹھ گئے ہیں، کوئی نہیں کرے گا۔

ہاں ٹیلر کی کتاب بمبئی سے ایک صاحب نے بھیج دی۔ اس کا اردو ترجمہ (امیر علی ٹھگ) پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ اِس میں میرے کام کی کوئی ایک بات بھی نہیں ملی۔ فکشن غالب رہا ہے ہر چیز پر۔ یہاں ایک دوسرا انگریزی ناول ٹھگوں سے متعلق مل گیا جان ماسٹر کا، مطبوعہ لندن، یہ اِس کا چھٹا اڈیشن ہے، کتاب کا نام ہے: The Deceivers، اِس میں بھی میرے کام کی کوئی چیز نہیں، اور بہت کچھ ہے۔

ہاں، آپ نے لکھا ہے کہ "علی اکبر کی کتاب بڑے بے ڈھنگ طریقے سے ۱۹۸۶ء میں چھپی ہے۔ یہ میر کرامت علی خاں کی چھاپی ہوئی کتاب ہے اور یہ میرے پاس ہے۔ ان صاحب نے اسے تباہ کر کے چھاپا ہے۔ غضب یہ کیا کہ مصطلحات کے اُس خطی نسخے کو چھاپ دیا ہے جو حیدرآباد میں ہے، جب کہ علی اکبر نے جب ۱۸۳۹ء میں اِسے مرتب کیا تو اس میں بہت اضافے کیے۔ مجھے بھی یہ بات پہلے نہیں معلوم تھی۔ اب جب حیدرآباد سے اُس خطی نسخے کا عکس آیا اور کراچی سے مطبوعہ نسخے کا عکس ملا اور مقابلہ کیا، تب یہ بات معلوم ہوئی۔ اب ایک اور بات

جو بہت ضروری ہے: میں چاہتا ہوں کہ مصطلحاتِ ٹھگی کے اِس نئے اڈیشن میں ٹھگوں سے متعلق کتابوں کی ایک ببلوگرافی بھی ہو۔ میں اِس کام کو نہیں کر سکتا، مگر آپ بہ خوبی اور بہ آسانی کر سکتے ہیں۔ تو جنابِ من! میری دلی آرزو ہے کہ میری اِس کتاب میں دو، تین یا چار صفحے الگ سے آپ کے نام سے ہوں، جس میں ببلوگرافی ہو۔ اِس کی وضاحت کی جائے گی کہ میری درخواست پر آپ نے ازراہِ لطف یہ ببلوگرافی مرتب کی ہے۔ مقدمۂ مرتب کے بعد اور اصل کتاب سے پہلے یہ صفحات جن پر بہ حیثیتِ مرتب آپ کا نام مرقوم ہوگا، شامل کیے جائیں گے اعتراف اور تشکّر کے ساتھ۔ توقّع کرتا ہوں کہ یہ درخواست شرفِ قبول سے محروم نہیں رہے گی۔ میں آپ کے خط کا بے چینی سے منتظر ہوں۔

چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں شاید یہ لکھ چکا ہوں کہ جرمنی کے ذخیرۂ اشپرنگر میں محفوظ دیوان جعفر زٹلی کا عکس مل گیا ہے۔ جاپان سے ایک صاحب نے کرم کیا کہ وہاں سے منگوا کر بھیج دیا۔ رضا لائبریری رام پور سے دیوان کے دو خطّی نسخوں کا عکس مل گیا۔ تکمیل کے بعد یہ سب ذخیرہ آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا کہ وہاں محفوظ[۴۵] رہے گا۔ میں کیا کروں گا اور یہاں محفوظ بھی نہیں رہے گا۔

پسِ نوشت:

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کشف الاسرار الاشرار اور واقعات عجیبہ وغریبہ، معروف بہ غریب نامہ؛ یہ دونوں کتابیں کہاں محفوظ ہیں۔

(۳۲)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۲۹ مارچ ۲۰۰۰ء[۴۶]

مُحبِ مکرّم!

میں کل، ۲۸ مارچ کو ایک مہینے کے بعد یہاں واپس آیا ہوں۔ حیدر آباد اور ممبئی میں رہا۔ جانے سے پہلے میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔ ممبئی میں کئی حضرات سے گفتگو کی۔ نشتر ترکی، مائل لکھنوی اور زیب صاحب کا احوال تو معلوم ہوا، مگر کلام گویا نہیں ملا۔ تحریر میں تو وہ کلام آیا نہیں، زبانوں پر رہا۔ پیش تر کو لوگ بھول گئے۔ بعض اشعار بس یاد رہ گئے۔ ایک صاحب نے مائل کے چند اشعار لا کر دیے۔ اِس میں بھی کئی شعر رفیع احمد خاں کے نکلے۔ خیر، جو کچھ ملا، وہ رکھ لیا ہے آپ کو بھیجنے کے لیے۔

ہاں فیضی صاحب نے، جنھوں نے یہ اشعار فراہم کیے ہیں، عریاں کے دیوانِ مطبوعہ کا ذکر کیا۔ میں اُن سے واقف نہیں تھا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کے ذخیرے میں تو یہ دیوان ضرور ہوگا۔ پھر بھی ازراہِ احتیاط اِس دیوان کا عکس حاصل کرلیا۔ اگر آپ کے پاس یہ نہ ہو، تو اِسے بھیج دوں۔ کلیاتِ عریاں: فُرجیات - اسرار و الفروج مع تجرباتِ عریاں ـــــ سالِ طبع درج نہیں۔ کلام واقعتاً عمدہ ہے۔

آپ کا خط آتے ہی یہ سب بھیج دوں گا۔ اگر کلیاتِ عریاں[۴۷] آپ کے پاس ہے، تو پھر وہ متفرق اشعار ہی بھیجوں گا۔ ہاں صاحب، وہ سلیمن کی کتاب کا کیا ہوا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۲۷ر اپریل ۲۰۰۰ء[۴۸]

مُحبِ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا، کیا عرض کروں کہ اُسے پڑھ کر کیسی راحت ملی اور سکون حاصل ہوا۔ یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ میں برملا بھیج چکا ہوں، بس یہ خیال تھا کہ بھیجنا ہے۔ جب یہاں تلاش کیا تو وہ بیاض نہیں ملی، اور ملتی بھی کیسے، میں تو خود اُسے بھیج چکا تھا اور اِس بات کو پوری طرح بھول چکا تھا۔ کس قدر پریشان ہوا ہوں وعدہ خلافی کے احساس سے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اب آپ کا خط پا کر اطمینان ہوا اور اپنی یادداشت کا حال بھی معلوم ہوگیا۔

وہ شخص ۱۵، ۲۰ دن میں تو آہی جائے گا، آپ مطلق پریشان نہ ہوں۔ مئی کے آخر تک تو مل ہی جائے گی اور میرا کچھ ہرج نہیں ہوگا۔ رام پور والی کتاب (اسرار الاشرار) کے لیے آج ہی رام پور خط لکھا ہے۔ اگر یہ امیر علی جیسا ناول ہے، تب تو میرے کام کا نہیں۔ ہاں لغت ہے تو پھر کام کا ہے۔

چند روز میں وہاں سے اِس کا مفصل حال معلوم ہوجائے گا، پھر آپ کو بھی مطلع کروں گا اور دوسری کتاب (مدرسۃ الواعظین والی) کے متعلق اُس کے بعد کچھ کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

میں ۱۱ر مئی کو دہلی میں ہوں گا اور ڈاکٹر اسلم پرویز کا مہمان ہوں گا۔ میں اُنھی کے گھر سے

آپ سے فون پر بات کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ ہریانوی اِس دوران میں آجائے تو پھر وہ عکس آپ انجمن ترقی اردو (اردو گھر) بھجوا سکتے ہیں، اِس طرح بہ حفاظت مل جائے گا۔ بہ ہر طور جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔ ڈاکٹر اسلم پرویز کا فون نمبر ہے: ۳۲۶۹۱۱۴۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور ببلو گرافی بنا رہے ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۰ رمئی ۲۰۰۰ء[۴۹]

مُحبِ مکرّم!

آپ نے لکھا تھا کہ رضا لائبریری رام پور میں سیّد واجد علی کا لُغت ٹھگوں کی زبان سے متعلق ہے۔ آج رام پور سے خط آیا، جس میں لکھا ہے:

"کشف الاسرار نام کی دو کتابیں رضا لائبریری میں ہیں جو تفسیر سے متعلق ہیں۔ آپ کو جن سیّد واجد علی کی کشف الاسرار درکار ہے، وہ رضا لائبریری کے ذخیرے میں نہیں"۔

محض اطلاعاً یہ خط لکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور[۵۰]

مُحبِ مکرّم!

آج آپ سے فون پر بات ہوئی تھی، اُس کے ایک گھنٹے کے بعد آپ کا بھیجا ہوا لفافہ ملا، جس میں تصویری کاغذ ملفوف تھا۔ میں نے اُسے احتیاط سے رکھ لیا ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے نسخۂ دیوانِ جعفر کو میں نے دیکھا تھا لائبریری میں بیٹھ کر۔ خطِ شکستہ میں لکھا ہوا ہے، پڑھنا اُس کا خاصا مشکل ہے، مگر وہ ۱۲۰۶ھ (۹۲-۱۷۹۱ء) کا لکھا ہوا ہے، یعنی خاصا پُرانا ہے۔ اُس سے خواہ متن کی تصحیح میں مدد نہ ملے، مگر اِس میں ضرور مدد ملے گی کہ الحاقی کلام کو الگ کیا جا سکے۔ پُرانے نسخوں میں الحاقی کلام کم ہے، جتنا زمانہ گزرتا گیا، اُتنا ہی اُس کا اوسط بڑھتا گیا۔ اسی لیے چھپے ہوئے نسخوں میں اِس کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ میری یادداشت میں

اس کا نمبر ''(A)٦٦'' درج ہے۔ وہاں اردو مخطوطات کا چھوٹا سا رجسٹر ہے، اِس میں سب کا اندراج ہے۔ وہاں اردو مخطوطات تقریباً ۱۳۱ ہیں۔ اس لیے بہ آسانی یہ نسخہ مل جائے گا۔ دیوانِ جعفؔر کا یہ ایک ہی نسخہ ہے وہاں۔

اگر دیوانِ جعفؔر مرتب ہوسکا، تو یہ صرف آپ[۵۱] کی وجہ سے ہوگا، کیوں کہ میں اِس کے سب نسخے حاصل کر ہی نہیں پاتا۔ ہاں زرِ جعفری (سوانح جعفر) بھی تو آپ کے پاس ہے۔ یہ معتبر کتاب نہیں، اِس میں سب خیالی اور فرضی باتیں ہیں، مگر جب کام کروں گا تو اِسے دیکھنا تو ہوگا۔ اُسی وقت آپ کو لکھوں گا۔

ہاں یہ تو لکھ چکا تھا کہ رضا لائبریری رام پور سے دیوانِ جعفؔر کے دو قلمی نسخوں کے عکس مل گئے تھے، مگر دونوں گویا بیکار[۵۲] ہیں۔ بہت کم پڑھے لکھے لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں، یوں سارا متن تباہ ہوگیا ہے۔ خیر، نظر سے تو گزر گئے۔ یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ دیکھا نہیں۔

رشید حسن خاں

(۳٦)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۴ر جولائی ۲۰۰۰ء[۵۳]

مُحبِ مکرّم! آداب

ڈاکٹر معین[۵۴] الدین عقیل اب سے چند ماہ پہلے تک ٹوکیو یونی ورسٹی (جاپان) میں اردو کے اُستاد تھے۔ اب کراچی یونی ورسٹی واپس چلے گئے ہیں، بہت کام آنے والے شخص ہیں۔ اُنھوں نے مجھے کئی عکس بھیجے۔ جرمنی سے ذخیرۂ اشپرنگر میں محفوظ دیوانِ جعفؔر زٹلی کا عکس بھی اُنھی نے بھیجا تھا۔ اُنھوں نے میڈوز ٹیلر کے ناول کے نئے اڈیشن کا عکس بھی بھیجا تھا، اُس کے سرورق پر ٹھگوں کی تصویریں بھی ہیں۔ یہ عکس ہے، مگر عکس اچھا نہیں بنا۔ بہ ہر طور میرے کام کی نہیں یہ چیز۔ خیال آیا کہ آپ کو بھیج دوں، شاید آپ کی دل چسپی کی چیز ہو۔

میرا پیکٹ اب تک مل چکا ہوگا، اُس میں ٹھگوں کی تصویروں کے اُس عکس کی رسید بھی ہے جو آپ نے میرے لیے بھیجا تھا۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

ابھی آپ کا لفافہ ملا، جس میں ٹھگوں کا دوسرا فوٹوگراف ہے۔ خوب ہے۔ جو ٹھگ زہر دے کر مارا کرتے تھے، اُن کا گروہ الگ تھا، اُن کو ''مٹھوال'' کہا جاتا تھا۔ ''دھتوریا'' ان سے الگ گروہ

تھا جو نشہ آور چیزیں کھلا کر مارتا تھا۔ مگر یہ دراصل چور اور رہ زن ہوتے تھے۔ ٹھوال بھی ٹھگوں کی اعلا ذات نہیں، معمولی درجے کا گروہ ہے۔ مصطلحاتِ ٹھگی پڑھ کر یہ تصویریں بنائی گئی ہیں۔

(۳۷)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۲۶رجولائی ۲۰۰۰ء[۵۵]

محبی! آداب

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ ٹھگوں والے کام میں بہ دستور مصروف ہوں۔ خیال آیا کہ ہفتے میں ایک گھنٹا میر جعفر کی نذر بھی کرتا رہوں۔ اِس طرح ہر ہفتے ایک نظم مکمل ہوتی رہے گی۔[۵۶] ایک فائدہ اِس سے یہ بھی ہوگا کہ اِس طرح متن کی ترتیب وتصحیح کا خاکہ بھی بن جائے گا۔ پہلی نظم آج مکمل ہوئی۔ اِس میں سارا دن لگ گیا۔ چوں کہ یہ کام آپ کی فرمائش پر ہو رہا ہے اِس لیے جی چاہا کہ اِس پہلی نظم کو، جو نمونہ بنے گی ترتیبِ متن کا، آپ کے پاس بھیجوں اور آپ کی راے معلوم کروں۔ کہیے کیا راے ہے؟

ایک زحمت: فوٹو اسٹیٹ مشین یہاں صرف کچہری میں ہے اور وہ میرے گھر سے بہت دور ہے (الحمدللہ!)۔ یہاں اِس وقت کوئی ایسا نہیں جسے بھیج سکوں، اِس لیے اصل صفحے بھیج رہا ہوں۔ ازراہِ لطف اِنھیں واپس کرنے کی زحمت گوارا فرمایئے، ممنون ہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۲۴راگست ۲۰۰۰ء[۵۷]

مُحبِ مکرّم! آداب

۱۰راگست کا خط ملا تھا، پھر لفافہ ملا جس میں جعفر کی نظم تھی۔ اِس عنایت، بل کہ عنایات کے لیے شکر گزار ہوں۔

آپ نے متن اور حواشی سے متعلق جو تجویز پیش کی ہے، وہ میرے پیشِ نظر رہے گی۔ جی ہاں، جعفر نارنول کا تھا۔ زٹلی اُس کے بھائی کا نہیں، کسی ملاقاتی کا نام تھا، دوست کا، جو ہم وطن تھا۔ شیرانی صاحب نے ایک جگہ پر راے ظاہر کی ہے کہ جعفر ہی کا یہ دوسرا (فرضی) نام تھا۔ اِس پر مفصل گفتگو بعد کو کروں گا۔ جعفر کے حالات سے متعلق زرِ جعفری نام کی جو کتاب ہے، وہ تحقیق

نہیں، گنجِیس ہیں اُس میں۔ وہ تو آپ کے پاس ہے۔ جب مقدّمہ کلام لکھوں گا، تب اُسے دیکھوں گا۔ فی الحال ٹھگوں والی کتاب کا مقدّمہ شروع کرنا ہے، کل سے یا پرسوں سے، اِس میں دو چار مہینے تو لگ ہی جائیں گے۔

عابدی صاحب والے مضمون کا عکس فراہم کرنے کی بات لکھی تھی آپ نے ایک خط میں۔ اگر یہ ہو سکے تو خوب ہو۔ پھر میں اُس نسخے کو بھی بہ طورِ خود دیکھوں گا پٹنے میں کئی لوگ ہیں جو میرے کام آسکتے ہیں اِس سلسلے میں۔

عیال و مال نے..... یہ شعر میری نظر میں تھا۔ اِسے میں نے مقدّمہ کتاب میں لکھنے کے لیے ایک پرچے پر لکھ لیا تھا اور وہ پرچہ میرے سامنے ہے، مگر دوسرا مصرع میرے پاس اِس طرح ہے: یہ ٹھگ ہٹیں، تو مسافر کو راستہ مل جائے۔ جب آپ لکھنؤ تشریف لے جائیں تو مصحفی کے کلیات میں اِسے دیکھ لیجیے گا۔

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ شعر کس کا ہے۔ یہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مصحفی کا ہے۔ ازراہِ لطف اِسے ضرور نوٹ کر لیجیے گا کہ دوسرا مصرع کلیات میں کس طرح ہے۔ یہ میرے لیے ازبس ضروری ہے۔

آپ کی خواہش کے مطابق نیز مسعود صاحب کی بڑی بیٹی کو میں نے پرسشِ احوال کا خط لکھ دیا تھا چند روز پہلے۔ مجھے ویسے بھی لکھنا تو چاہیے تھا۔ آپ کے توجہ دلانے پر خیال مضبوط ہو گیا۔

لکھنؤ میں بڑا سا گھر بنانے کا خیال مجھے پسند آیا۔ خدا کرے یہ جلد تر عمل میں آئے۔ ایک بار تو وہاں آ کر اُسے ضرور دیکھوں گا۔ میرے لیے وہ بیش قیمت لحۂ مسرت ہوگا۔

ہاں صاحب! مرزا غالبؔ کا وہ شعر میرے حسبِ حال ہے:

نہ کہوں آپ سے، تو کس سے کہوں   مدّعائے   ضروری   الاظہار

آپ غافل نہیں، معلوم ہے؛ بس یوں ہی پوچھ رہا ہوں کہ کلکتے اور حیدرآباد کی خبریں کیا ہیں۔ اگر نومبر میں وہاں آنا ہوا تو حاضری دوں گا اور اپنی آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کروں گا آپ کو دیکھ کر، آپ کے ذخیرے کو دیکھ کر۔ آپ سے بہت سی باتیں کر کے قلب و نظر کی وسعت میں اضافہ کروں گا۔ یہ توقع بھی ہے اور تمنا بھی۔ ۳۰ ستمبر کے بعد آپ کو نسبتاً زیادہ فرصت ملے گی، یوں ملاقات بھی مفصّل ہو سکے گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہاں پور
۴رفروری۲۰۰۱ء[۵۸]
مُحبِ مکرّم!
نیّر مسعود صاحب کا خط دو دن پہلے ملا تھا، اُس سے آپ کے والدِ مرحوم[۵۹] کے حادثے کی اطلاع ملی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین لکھنؤ میں ہوئی۔ یہ قطعی طور پر اچانک اطلاع تھی جو مجھے ملی۔ تفصیلات کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکیں۔ بہت دُکھ ہوا۔ آپ کو کس قدر غم ہوا ہوگا، اُس کا کچھ اندازہ یوں کر سکتا ہوں کہ برسوں پہلے میں بھی اِس حادثے سے دوچار ہو چکا ہوں۔ جس کے اثرات اب بھی کارفرما نظر آجایا کرتے ہیں۔

میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں اور دست بہ دُعا ہوں کہ خدائے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا کرے۔

یہ خط دہلی کے پتے پر لکھ رہا ہوں، اِس خیال سے کہ اب تک شاید آپ دہلی آچکے ہوں گے۔
رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہاں پور
۱۳رمارچ۲۰۰۱ء[۶۰]
مُحبِ مکرّم! آداب
۲۶رفروری کا خط ملا تھا۔ کل میں نے فون پر کراچی میں مشفق خواجہ صاحب سے بات کر لی۔ وہی سب سے بہتر اور کام کے آدمی ہیں وہاں۔ آپ سے واقف ہیں۔ ضروری تعارف میں نے کرادیا۔ کل اُن کو خط بھی لکھوں گا۔ آپ کراچی پہنچ کر اُن سے رابطہ قائم کر لیجیے گا، اُن کا فون نمبر نیچے لکھتا ہوں، اِس پر آپ اُن سے بات کر سکتے ہیں۔ اُنھوں نے محسن کلام فراہم کرنے کا فون ہی پر وعدہ کر لیا۔ کچھ کلام اُن کے پاس بھی ہے، وہ بھی آپ کو مل جائے گا۔ مشفق خواجہ کا فون نمبر: ۶۶۱۰۶۴۸۔

زٹلی کے کلام کے سلسلے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے، وہ پیشِ نظر رہے گا۔ ۵ نظمیں ایسی ہیں جن کے متعلق مجھے شک ہے، زبان کی بنا پر، کہ وہ بہت بعد کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ بہ ہر طور حیدرآبادی نسخے سے مقابلہ کرنے پر صحیح صورتِ حال کا اندازہ ہو سکے گا۔

اشاریۂ کلامِ غالب نام کی میری کوئی کتاب نہیں۔ خواجہ فاروقی صاحب نے اپنی بیٹی کو کسی کام میں شامل کرنے کے لیے اِس کتاب کو مرتب کر لیا تھا۔ یعقوب صاحب تھے ایک ریسرچ

اسسٹنٹ، وہ تھے اور اُن کی صاحب زادی۔ انھی دونوں نے یہ کام کیا تھا۔

خواجہ صاحب نے یہ کیا کہ چھپتے وقت میرے علم کے بغیر نیچے میرا نام بھی لکھ دیا۔ کیا کر سکتا تھا۔ بہ ہر طور یہ کتاب شعبے کی طرف سے چھپی تھی۔ میرے پاس یہ نہیں، میں نے اسے اِس قابل ہی نہیں سمجھا تھا کہ اپنے پاس رکھتا۔ اقبالؔ کا نحش کلام مشفق خواجہ صاحب کی معرفت مل سکتا ہے اگر موجود ہوا۔ وہ ایسے شعر کہتے تو تھے، مگر یہ مجھے مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اب تک وہ کلام محفوظ ہو۔

مشفق خواجہ صاحب نے میری کتاب املاے غالب وہاں بھی چھاپی ہے، رات میں فون پر اُنھوں نے بتایا کہ اُس کی دس کاپیاں اُنھوں نے میرے لیے بھیجی ہیں، شاید دو چار دن میں آجائیں۔ کراچی جانے سے پہلے ازراہِ لطف مجھے ایک خط ضرور لکھ دیجیے گا تا کہ مجھے آپ کا پروگرام معلوم ہو سکے۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۹/ مارچ ۲۰۰۱ء

مُحبِ مکرّم! آداب

میرا خط ملا ہوگا، جس میں میں نے لکھا تھا کہ میں نے فون پر مشفق خواجہ سے بات کر لی ہے مفصل، پرسوں خط بھی لکھوں گا رجسٹرڈ۔

پہلے میں اپنا پروگرام لکھتا ہوں۔ میں ۱۵/ اپریل کو لکھنؤ جاؤں گا ایک جلسے میں شرکت کے لیے۔ ۱۹/ اپریل کو جمعرات کے دن شام کو دہلی پہنچوں گا۔ ۲۱/ اپریل کو راجدھانی سے بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ بمبئی سے واپسی ۱۲/ مئی کو ہوگی۔ دہلی میں قیام ڈاکٹر اسلم پرویز کے گھر پر ہوگا۔ ازراہِ لطف مطلع فرمایئے کہ آپ کا پروگرام کیا ہے؟ کس تاریخ کو کراچی جائیں گے اور واپسی کب ہوگی۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

ہاں، وہ اشاریہ کب تک مکمل ہو سکے گا۔ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔

(۴۲)

بنام: اسلم محمود
۲۲- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور
۱۱ر اگست ۲۰۰۱ء [۶۲]

مُحبِ مکرّم! آداب

معافی چاہتا ہوں کہ خط بروقت نہیں لکھ سکا۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ بارہ دن پہلے میرے چھوٹے بھائی کو دل کا شدید دورہ پڑا، اسپتال میں داخل کر دیا گیا، بس اِس سلسلے میں ساری ذہنی یک سوئی ختم ہوگئی اور ہمہ وقت پریشان رہا۔ اب جا کر ذرا سا سکون ملا ہے۔

پیکٹ مل گیا تھا اور اُس کی رسید میں نے فون پر دے دی تھی۔ آپ غسل خانے میں تھے، صاحب زادے سے بات ہوئی تھی۔ آپ نے اِس کام کے لیے جیسی مصیبت اُٹھائی، ذہنی اذیّت برداشت کی اور جس قدر اُلجھنوں سے دوچار ہوئے، اِس کے لیے میں شرمندہ ہوں اور معذرت طلب، مگر وہی بات کہ:

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں   ہر طرف حرام زادے براجمان ہیں

اب اِس کہانی کو بھی سُن لیجیے: اب جب اِس عکس کا پوری طرح مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ترقیمے میں کاتب نے نقل کا سنہ غلط لکھا ہے اور اِس کے لیے میرا خیال ہے کہ اُس نے دانستہ یہ نہیں کیا، محض لغزشِ قلم ہے۔ اِس کو ۱۲۷۵ھ لکھنا تھا، وہ ۱۱۷۵ھ لکھ گیا، اِس طرح سو برس کا فرق پڑ گیا۔ اُس نے خود یہی لکھا ہے کہ میں نے یہ نقل نواب افضل الدّولہ کے زمانے میں تیار کی ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ نواب افضل الدّولہ ۱۲۷۳ھ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ تخت نشینی کا قطعۂ تاریخ بھی اُس نے لکھا ہے۔ اُسے لکھنا تھا کہ میں نے ۱۲۷۵ھ میں اِسے نقل کیا، بے خیالی میں ۱۱۷۵ھ لکھ گیا اور جلدی میں میں نے اُسی عبارت کو پڑھا اور یہ مان لیا کہ یہ سب سے پُرانا نسخہ ہے۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ وہاں پوری طرح اِسے دیکھ سکتا۔ اِس طرح یہ نسخہ اب کوئی اہمیّت یا حیثیت نہیں رکھتا، یوں کہ بہت بعد کا ہے۔ اِس سے پہلے کے دس بارہ نسخے موجود ہیں۔ مجھے اپنے اوپر بہت غصّہ آیا اور اِس قول پر ایمان تازہ ہوگیا کہ جلدی کا کام شیطان کا۔ خود بھی اُلجھا، اور آپ کو بے طرح مبتلائے پریشان کیا، بہت زحمت دی۔ بہت شرمندہ ہوں۔ بہ ہر طور دوسرے متعدّد نسخوں کی طرح یہ بھی سامنے رہے گا۔ ہاں یہ بھی عرض کر دوں اب جب اچھی طرح جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ نسخہ بمبئی کے ایک مطبوعہ نسخے سے نقل کیا گیا ہے (بمبئی والا نسخہ میرے سامنے ہے)۔ بہ ہر طور اِس طرح ایک نئے تجربے سے دوچار ہونا پڑا اور میں نے اِس تجربے کو گرہ میں باندھ لیا —— اور ہاں، اب کہہ سکتا ہوں کہ ایسے نسخے پر جس قدر فخر تھا اُن حیدر آبادی صاحب کو، تو یہ ایسا ہی معاملہ تھا

جیسے اُتری ہوئی طوائف جوانی کے نخرے دکھائے۔ آپ سے ملاقات کو بہت جی چاہتا ہے، شاید ایک دو مہینے میں اُدھر آنا ہو، اگر ایسا ہوا تو حاضر ہوں گا اور تب باتیں ہوں گی بہت سی اور باجماعت تبرا بھی بھیجا جائے گا۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۲/اگست ۲۰۰۱ء[۶۳]

مُحبِ مکرّم!

میرا خط ملا ہوگا۔ بدحواسی میں جان ماسٹر کے ناول سے متعلق لکھنا بھول گیا تھا۔ میرے پاس چھوٹا سا نوٹ ہے اُس سے متعلق۔ کتاب یہاں کالج کی لائبریری میں ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو وہاں سے منگا کر آپ کے پاس بھیج سکتا ہوں اگر آپ بہ طورِ خود اُسے دیکھنا چاہیں۔

ناول کا نام	:	THE DECEIVERS
مصنف	:	John Master
طبعِ اول	:	لندن، اگست ۱۹۵۲ء
دوم	:	دسمبر ۱۹۵۲ء
سوم	:	دسمبر ۱۹۵۴ء
چہارم	:	مئی ۱۹۵۵ء
پنجم	:	اکتوبر ۱۹۵۵ء
ششم	:	جون ۱۹۵۶ء

میرے سامنے چھٹا اڈیشن تھا۔ اِس کے بعد بھی یہ کتاب ہوسکتا ہے کہ چھپی ہو۔ مقبول کتاب معلوم ہوتی ہے کہ پانچ سال میں چھے بار چھپی۔ یہ تفصیلات طبعِ ششم سے لی گئی ہیں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۹/اگست ۲۰۰۱ء[۶۴]

مُحبِ مکرّم!

پہلے کی طرح اِس بار بھی خط لکھنے میں دیر ہوئی، سوائے معذرت طلب کرنے کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ صحت کی خرابی نے اِدھر کچھ زیادہ پریشان کر رکھا ہے۔ پھر بجلی کا عالم یہ ہے کہ صبح آٹھ بجے جاتی ہے اور ڈھائی تین بجے شام کو آتی ہے اور یہی وقت میرے کام کرنے کا ہے۔ سخت بیزار ہوں اِن حرام زادگانِ سیاست سے۔ خدا (اگر وہ کہیں ہے) اِن کو غارت کرے۔

سلیمن نے رماسیانا میں سب سے پہلے لُغت کا حصّہ شامل کیا ہے۔ پھر اُس کی فرمائش پر اُس کے محرّرِ خاص (روبکارنویس) علی اکبر الٰہ آبادی نے سلیمن کے اُس لُغت کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ بات خود علی اکبر نے مقدمۂ کتاب میں لکھی ہے۔ اُس نے یہ بھی وضاحت کردی ہے کہ یہ فارسی ترجمہ ستمبر ۱۸۳۴ء میں مکمل ہوا۔ یہ ترجمہ چھپا نہیں۔ اِس کا واحد خطی نسخہ آکسفورڈ یونی ورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ سرولیم روسلے میں محفوظ ہے۔ اِس کا عکس میرے پاس ہے۔ اِس میں کل ۶۸۵ الفاظ ہیں، یعنی یہ دراصل رماسیانا میں شامل حصّۂ لُغت کا اختصار ہے۔

مصطلحاتِ ٹھگی کی ترتیب علی اکبر الٰہ آبادی نے سلیمن کے حکم کے مطابق جون ۱۸۳۶ء میں کی۔ اس کے تین خطی نسخے ملتے ہیں۔ ایک نسخہ جو آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں تھا، اب آندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل منسکرپٹس لائبریری میں ہے۔ اِس کا دوسرا خطی نسخہ عثمانیہ یونی ورٹی حیدرآباد کی لائبریری میں ہے اور تیسرا نسخہ انڈیا آفس لندن میں ہے۔ بعد کو اِس کتاب پر علی اکبر نے مفصّل نظرِ ثانی کی تھی اور بہت اضافے کیے تھے اور یہ نسخہ مصطلحاتِ ٹھگی کے نام سے پہلی (اور شاید آخری بار) ۱۸۳۹ء میں کلکتے سے چھپا تھا۔ اِس کی ترتیب کا کام ۱۸۳۸ء میں مکمل ہوا تھا۔ حیدرآباد سے جو کتاب مصطلحاتِ ٹھگی کے نام سے چھپی ہے، وہ اُس خطی نسخے پر مبنی ہے جو اورینٹل منسکرپٹس لائبریری میں ہے اور جو ناتمام کتاب ہے، کیوں کہ مکمل کتاب تو بعد کو مرتب ہوئی تھی۔ مصطلحاتِ ٹھگی مطبوعہ کم یاب ہے۔ اِس کا ایک مکمل مطبوعہ نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتاب خانے میں ہے (میرے پاس اِسی نسخے کا عکس ہے)۔ جان ماسٹرس کی کتاب سے متعلق ضروری باتیں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ ہنسی کی بات یہ ہے کہ حیدرآباد سے جو کتاب مصطلحاتِ ٹھگی کے نام سے چھپی ہے، اُس کے مرتّب بے چارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس کا جو خطی نسخہ حیدرآباد میں ہے، وہ مکمل کتاب نہیں، وہ اِس کتاب کی پہلی روایت ہے، جس پر علی اکبر نے بعد کو نظرِ ثانی کی، اضافے کیے اور تب اُسے ۱۸۳۹ء میں کلکتے سے چھپوایا۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ جو خطی نسخہ ہے وہاں، وہی اصل کتاب ہے۔ حالاں کہ وہ اصل کتاب کی پہلی روایت ہے۔ فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں کی آٹھویں جلد میں ایک باب ٹھگوں کی زبان کے الفاظ کا بھی ہے ص ۱۶۶ سے ص ۲۰۷ تک ہے۔ مگر اِس میں چوری، ڈکیتی، ٹھگی کی اور جُوے کی اصطلاحوں کو گڈمڈ کردیا گیا

ہے، اِس لیے افادیت کم ہوگئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مصنف نے حیدرآباد کی آصفیہ لائبریری والے خطی نسخے سے الفاظ لیے ہیں اور وہ تو ناتمام نسخہ ہے۔ یہ لغت، یعنی یہ آٹھواں حصہ ۱۸۴۴ء میں انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے چھاپا تھا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۳ر ستمبر ۲۰۰۱ء[۶۵]

مُحبِ مکرّم!

لفافہ مل گیا۔ انگریزی کا حصہ مکمل ہے۔ رہا اردو کا حصہ، تو اُسے دیکھا جائے اُس وقت جب اِس کے چھپنے کی نوبت آئے گی۔ کتاب چھپے گی ضرور، بس ذرا سی تاخیر ہوگی۔ بات یہ ہے کہ سابقہ پڑا ہے حرام زادگانِ ادب سے۔

کلکتے والے کام کے ہوجانے کی بشارت دی ہے آپ نے، اِس سے اطمینان ہوا۔ اِس کا یقین دلاتا ہوں کہ زٹلی والا کام ضرور مکمل ہوگا اور چھپے گا بھی اور یہ محض آپ کی کاوش اور کوشش کا نتیجہ ہوگا۔

خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۳۰ر ستمبر ۲۰۰۱ء[۶۶]

مُحبِ مکرّم! آداب

۲۲ر ستمبر کا خط ملا، شکریہ۔

عبدالغنی صاحب کے تحقیقی مقالے پر شیرانی مرحوم نے مفصل تبصرہ کیا تھا، اور ثابت کردیا تھا کہ اُن کو تحقیق سے دور کا واسطہ تھا۔ اُن کی پوری کتاب ثانوی (سکنڈری) حوالوں پر مبنی ہے۔ آپ نے جو عبارت بھیجی ہے، اِس کا احوال بھی یہی ہے کہ یہ سب کچھ آبِ حیات سے نقل کرلیا گیا ہے بغیر تحقیق کیے۔ آپ نے زحمت گوارا کی، اِس کے لیے ممنون ہوں اور شکرگزار۔ آزاد نے آبِ حیات میں اس سلسلے میں جو کچھ بھی لکھا ہے، اُس کی حیثیت محض گپ کی ہے۔ کوئی بات بھی

معتبر نہیں۔

لکھنؤ کی عمارتوں کی تاریخیں مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں، خاص کہ شعرا کے دواوین میں۔ کچھ تاریخی تاریخ کی کتابوں میں بھی ہیں۔ جیسے نجم الغنی خاں کی تاریخِ اودھ یا کمال الدین کی تاریخ۔ یہ کام کسی لائبریری میں بیٹھ کر کرنے کا ہے۔ میں اگر دہلی میں ہوتا تو بہت آسانی کے ساتھ اِس کام کو انجام دے سکتا تھا۔ اِس ویرانے میں وحشت کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ اور آپ کی طرح دو حضرات اور، اگر یہ نہ ہوتے میں یہاں بیٹھ کر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ آپ لوگ ساری چیزیں فراہم کر دیتے ہیں، یوں میں اپنا کام کر پاتا ہوں۔ آپ لوگ نہ ہوتے تو یہ کام بھی نہ ہو پاتے۔

جابر صاحب کو میں شخصی طور پر نہیں جانتا۔ اور کیوں جانوں، میرا اُن سے کچھ واسطہ ہی نہیں، یوں اُن سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہ ہر طور، فی الحال انتظار کروں گا کسی موقعے کا۔

خلیق انجم صاحب کی فرمائش تھی دنوں سے کہ میری مرتّب کی ہوئی کتابوں کے آخر میں جو الفاظ کی فرہنگ ہے، ان سب کو کتاب کی صورت میں یک جا کر دیا جائے۔ میں ٹالتا آ رہا تھا۔ اُن کے اصرار کے سامنے بے بس ہو گیا اور اُس کام کو کر لیا۔ اِن سب پر مکمّل طور پر نظرِ ثانی کی گئی، کچھ الفاظ کا اضافہ کیا گیا اور یوں کلاسکی ادب کی فرہنگ کے نام کتاب مرتّب ہوئی۔ اُس کی کمپوزنگ شروع ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ چار مہینے میں کتاب چھپ کر آ جائے گی۔ آپ دیکھ کر خوش ہوں گے۔

ٹھگوں والے لغت کی صورت یہ ہے کہ مطبوعات کی کمیٹی کے چیرمین شمس الرحمان فاروقی صاحب ہیں اور نارنگ صاحب نائب صدر ہیں اردو کونسل کے، دونوں کی رقابت کا احوال تو آپ کو معلوم ہوگا۔ فاروقی اُسے چھاپنا چاہتے تھے، یوں اُس کی مخالفت ہونا ضروری تھا۔ بہ ہر طور، نارنگ صاحب کا فون آیا تھا۔ کونسل سے ایک فارم آیا ہے کہ کونسل اِس کی طباعت کے لیے گرانٹ دے سکتی ہے۔ ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے نہ اُس خط کا جواب لکھا ہے۔ تامّل اس میں ہے کہ مجھے اِس نوازش کو قبول کرنا چاہیے یا نہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ میری بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں، ایک کتاب نہ چھپی تو اُس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہ ہر طور، ابھی میں اِس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا ہوں۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ اگر میں نے فاروقی صاحب کے بجائے دوسرے صاحب سے رابطہ قائم کیا ہوتا تو کتاب اب تک چھپ چکی ہوتی؛ مگر ایسا ہوتا ہی کیوں!!

ہاں، جن کتابوں کے نام آپ نے لکھے ہیں، اُن میں سے میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں۔ شرمندہ ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

میرے داہنے پیر میں بھی وہی شدید تکلیف پیدا ہوگئی ہے جو کئی سال سے بائیں پیر میں[67] ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پریشانی کے دن آرہے ہیں۔ خیر، ہاتھ ابھی محفوظ ہیں اور قلم میں سیاہی بھی خشک نہیں ہو پائی ہے، یوں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہو سکے گی۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
یکم نومبر ۲۰۰۱ء[68]

مُحبِ مکرّم! آداب

کئی دن پہلے فون پر آپ سے بات ہوئی تھی۔ آپ نے جس خط کا ذکر کیا تھا، وہ مجھے ابھی تک نہیں ملا۔ (۱) ڈاکٹر معین الدین عقیل نے ٹوکیو سے مجھے میڈوز ٹیلر کے ناول کا عکس بھیجا تھا، مگر بدحواسی میں اُنھوں نے چوں کہ خود عکس مشین پر بنایا تھا، یوں صفحات کے اُلٹے عکس بنا لیے۔ خیر، اُس میں صفحۂ اوّل کا جو عکس ہے، اُس میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس نیویارک ۱۹۹۸ء درج ہے، یعنی یہ طباعت ۱۹۹۸ء کی ہے نیویارک کی۔ آپ نے ببلو گرافی میں آخری اڈیشن نئی دہلی ۱۹۹۶ء کا حوالہ دیا ہے۔ کیا ۱۹۹۸ء والے اڈیشن کے حوالے کا اضافہ ہونا چاہیے؟

(۲) میڈوز ٹیلر کے تحت اُس کے ایک مقالے کا حوالہ ہے جو ٹھگی سے متعلق ہے، کیا اِس کا بھی اضافہ کیا جانا چاہیے؟

میں متعلقہ دو ورق اِس لفافے میں بھیج رہا ہوں، اِنھیں دیکھ لیجیے اور واپس بھی کر دیجیے مع ہدایات۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ میں اِن دنوں مصطلحاتِ ٹھگی کا مقدمہ لکھ رہا ہوں، طویل نہیں، نسبتاً مختصر۔ جس کو تفصیلات دیکھنا ہوں گی، وہ آپ کی مرتبہ ببلوگرافی میں دیکھ سکتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۷/دسمبر ۲۰۰۱ء[69]

مُحبِ مکرّم! آداب

خط مل گیا، شکر گزار ہوں۔

جو الفاظ آپ نے بھیجے ہیں، وہ سب اصل کتاب (مصطلحاتِ ٹھگی) میں موجود ہیں۔ ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری ایک تو نئے شخص ہیں وہاں کے لیے، چند ماہ قبل گئے ہیں وہاں، اِس سے بڑھ کر یہ کہ سُنی العقیدہ ہیں، اُن کے کہنے سے تو ملتا ہوگا تو نہیں ملے گا۔ فی الوقت میرے پاس ایسا کوئی شخص نہیں جس سے کہہ سکوں وہاں کے لیے۔ انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

سرورق کی تصویر کا جہاں تک تعلق ہے تو رویا والی کتاب پر اصل تصویر آگئی، یوں اب اُس کا خیال میں نے چھوڑ دیا ہے۔ ایک تو یوں کہ دوسری تصویر اُتنی اچھی نہیں، دوسرے یہ کہ اُس میں صرف ٹھگ نہیں، اور تیسرے یہ کہ اُس پر لکھا ہوا ہے کہ ''ہندو ٹھگ'' یہ مناسب نہیں۔ ویسے تصویر بھی سرورق بن جائے گا۔

چودھری محمد نعیم صاحب سے فون پر بات ہوئی تھی، اُنھوں نے بتایا تھا کہ وہ مارچ تک یہاں رہیں گے، اُن سے ایک بار پھر بات کروں گا۔ ہاں غالبؔ سمینار میں میری شرکت کچھ مشکوک ہوگئی ہے۔ اگر شرکت ہوئی تو میں وہاں آکر آپ کو فون کروں گا۔ اگر فون نہ پہنچے تو یہ سمجھ لیجیے گا کہ اِس سمینار میں شرکت نہیں کرسکوں گا۔ نیز مسعود صاحب کا جوابی خط آیا تھا، میں نے چند سطری جواب لکھ دیا ہے، اُس میں آپ کا حوالہ تھا کہ جعفر کا کام قریب اُلختم ہے۔ میری یہ کمزوری ہے کہ تقیہ کرنا مجھے نہیں آتا؛ اِسے کمزوری کہیے یا خاندانی اثر یا تقاضاے شرافتِ نسبی۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۸؍دسمبر ۲۰۰۱ء

مُحبِ مکرّم!

آپ کے خط کا جواب کل بھیج چکا ہوں۔ بعد کو خیال آیا کہ دو باتیں تو رہ گئیں۔ ا- ''۱۲'' کا ہندسہ پرانی خطی اور بعض مطبوعہ تحریروں میں انگریزی علامتِ ختم جملہ ڈیش (ـ) کے طور پر مستعمل رہا ہے۔ یہ عددی علامت ہے لفظِ ''حد'' کی۔ ''حد'' کے عدد ۱۲ ہیں (ح:۸۔ د:۴)۔ مرزا غالبؔ نے ایک خط میں اِس سے تفریحاً ایک بات پیدا کی ہے۔ مرزا صاحب شیعہ تھے، شیعوں کو اثنا عشری بھی

کہا جاتا ہے، یوں کہ یہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ اثنا عشری عربی میں بارہ کے لیے آتا ہے (اثنا: دو۔ عشر: دس)۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے: ''بندہ اثنا عشری ہوں، ہر مطلب کے خاتمے پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں'' (مکاتیب غالب، مرتبہ عرشی صاحب، ص ۲۲۳)۔

۲- کج یا کبی کو میں نہیں سمجھ پایا، یوں کہ اِن سے میرا سابقہ کبھی نہیں پڑا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض قلمی اور بعض مطبوعہ کتابوں میں ایسے نشانات صفحات پر اعداد کے لیے دیکھے ہیں، رومن ہندسوں کی طرح۔ جیسے: کج صفحہ نمبر ۲۳ کے لیے (ک: ۲۰۔ ج: ۳)۔ صفحات کے شمار کے لیے اعدادی علامتیں لکھنا بعض حالیہ اور بعض پچھلی تحریروں میں ملتا ہے۔ یہ علامتی شکلیں اعدادِ ابجد کے مطابق ہوتی ہیں۔ مثلاً مولانا عرشی مرحوم کے مرتب کیے ہوئے انتخابِ غالب (فارسی) پر جو اُن کا دیباچہ ہے، اُس کے جملہ صفحات پر ایسے ہی اعدادی صفحات نمبر کے نشانات ہیں۔ ی: ۱۰۔ یا: ۱۱۔ یب: ۱۲۔ یج: ۱۳۔ یح: ۱۸۔ کب: ۲۲۔ کج: ۲۳۔ کد: ۲۴ (وغیرہ)۔

توقع کرتا ہوں کہ میرا کل والا خط آپ کو اِس خط سے ایک دن پہلے ہی ملے گا۔

ہاں، ایک صورت ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ خلیق انجم صاحب کے اصرارِ بے حد پر شاید کراچی جانا پڑے نیاز فتح پوری سمینار میں۔ اگر ایسا ہوا تو دہلی پہنچ کر آپ کو فون کروں گا۔ اُس صورت میں غالب سمینار میں شرکت نہیں کرسکوں گا۔ اگر کراچی گیا تو روانگی ۲۶، یا ۲۷ر کو ہوگی اور آپ سے ملاقات واپسی پر ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۵۰)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۱۵ر دسمبر ۲۰۰۱ء

مُحبِ مکرّم!

۷ر دسمبر کا خط مل گیا۔ بلوگرانی میں نشان دار تصحیح بنادی گئی ہے۔ جی ہاں، خلیق انجم صاحب نے نیاز سمینار کی منظوری میری گردن پر گویا تلوار رکھ کر لے لی۔ میں ۲۲ر دسمبر کی شام کو دہلی پہنچوں گا اور ۲۶ر دسمبر کو وہاں سے روانگی ہوگی۔ واپسی کا پروگرام ابھی طے شدہ نہیں۔ آپ سے ملاقات دیکھیے کب ہوتی ہے۔ اسلم پرویز صاحب پر یہ منحصر رہے گا۔

ٹھگوں سے متعلق علی اکبر الٰہ آبادی کی جو کتاب ہے: مصطلحاتِ ٹھگی، اُس کی پہلی روایت

مختصر رسالے کی شکل میں ہے اور اُس کے تین خطّی نسخوں کا مجھے علم تھا۔ سب سے بہتر نسخے کا عکس بھی میرے پاس ہے۔ اب پروفیسر محمود الٰہی کے خط سے معلوم ہوا کہ جرمنی میں (کتاب خانہ برلن، ذخیرۂ اشپرنگر) میں بھی اُس کے دو خطّی نسخے ہیں۔ وہاں سے کٹلاگ میں اُن کا اندراج ہے۔ اُنھوں نے ضروری تفصیل بھیج دی ہے۔ اِن میں سے ایک نسخہ اردو کا ہے: مصطلحاتِ ٹھگی، اور دوسری خطّی نسخہ فارسی کا ہے: مصطلحاتِ ٹھگاں۔ اِس کا ایک نسخہ لندن میں ہے اور اُس کا عکس میرے پاس ہے۔ بہ ہر طور، اِن دونوں خطّی نسخوں کا احوال میں نے حصّۂ اردو میں شامل کرلیا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۹ر جنوری ۲۰۰۲ء ۳ے

مُحبِ مکرّم!

۲۹ر دسمبر کا خط ملا، شکریہ۔

شعرا کی بیش تر تصویریں بہ لحاظِ تحقیق غیر معتبر ہیں، میرؔ، ذوقؔ، سوداؔ، میر حسنؔ وغیرہ سب کی تصویریں اِسی ذیل میں آتی ہیں۔ سکینہ کے مرقّعِ شعرا کا بھی یہی احوال ہے۔ اِنھیں فنِ مصوّری کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے، اصل تصویر کے طور پر نہیں۔ غالبؔ کی جو تصویر عرشیؔ صاحب نے اپنے نسخۂ دیوانِ غالب میں شامل کی ہے، وہ قابلِ اعتبار ہے۔ اِس موضوع پر نقدِ غالب مرتبۂ مختار الدّین احمد میں ایک مضمون ہے، اُسے دیکھا جا سکتا ہے۔ جس طرح نظیرؔ اور جعفرؔ کی سوانح عمریاں یار لوگوں نے لکھ دی ہیں، جو قطعاً غیر معتبر ہیں، اُسی طرح تصویریں بنالی ہیں۔ اُنھیں دیکھیے ضرور، ماننے کی ضرورت نہیں۔

شاہ جہان پور یا روہیل کھنڈ سے متعلق کوئی کہاوت میرے ذہن میں نہیں۔ جعفرؔ والا کام ضرور ہوگا، بس ذرا لغت ۴ے سے چھٹکارا مل جائے، یہ خلیق انجم صاحب کی لگائی ہوئی مصیبت ہے اور اِن حضرات کی لگائی ہوئی مصیبتیں معمولی نہیں ہوتیں، یہ تو آپ خوب جانتے ہیں۔ تب تک یہ بھی طے ہوجائے گا کہ پٹنے والا نسخہ ملے گا یا نہیں۔ جعفرؔ والا کام ہوگا تو ضرور، یوں کہ وہ آپ کی فرمایش ہے اور یوں میری دلی خواہش ہے۔ بس اُس میں جو اُلجھنیں ہیں، اُن کا خیال اکثر پریشان کیا کرتا ہے۔ خیر، دیکھا جائے گا۔

آخر میں نئے سال کی باسی مبارک باد قبول فرمائیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

شاید مارچ میں اُدھر آنا ہو، اُس وقت نسخۂ دیوانِ غالب (لاہوری نسخہ) ساتھ لیتا آؤں گا۔ اُسے نکال کر آپ کے لیے الگ رکھ لیا ہے۔

(۵۲)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۱۸ر مئی ۲۰۰۲ء[۵۷]

مُحبِ مکرّم! آداب

۹ر مئی کا خط ملا۔ آج پہلا دن ہے جب میں پلنگ پر نیم دراز یہ خط لکھ رہا ہوں۔[۵۸] پہلے سے بہتر ہوں، مگر کم زوری بہت ہے۔ علاج جاری ہے۔ پوری طرح صحت یاب ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

پرسشِ حال کے لیے شکر گزار ہوں۔ جب فون آجائے تو نیا نمبر ضرور لکھ دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۸ر اپریل ۲۰۰۲ء[۷۷]

مُحبِ مکرّم!

یہ خط طلبِ معذرت کے ساتھ شروع کر رہا ہوں۔ بعض پریشانیوں کی وجہ سے میں آپ کے پچھلے خط کا جواب نہیں لکھ سکا اور اِس خط کا جواب بھی ناروا تاخیر کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔ آپ سے شرمندہ ہوں اور معذرت طلب۔

کلیاتِ زٹلی کی کمپوزنگ ابھی مکمل نہیں ہو سکی ہے، شاید مہینے ڈیڑھ مہینے میں مکمل ہو سکے۔ چھپنے سے متعلق گفتگو اُسی وقت ہو سکے گی اور جیسی صورت ہوگی، میں آپ کو مطلع کروں گا۔

صحت میری اچھی نہیں رہتی اور اب کیا سُدھرے گی، ایسی ہی رہے گی۔

سکنڈ اور منٹ انگریزی حساب کی دین ہیں۔ ہمارے یہاں لمحہ اور وقفہ؛ یہ دو لفظ مستعمل

رہے ہیں انھی دونوں انگریزی لفظوں کے مفہوم میں، مگر اِس میں فرق کے ساتھ کہ انگریزی لفظوں میں وقت کا تعین، ہے اور اِن لفظوں میں ویسا تعین نہیں، ہاں مفہوم ویسا ہی ہے۔ پہلی تاریخ کے چاند کے طلوع کے وقت سے رات کا آغاز مانا جاتا ہے۔ قمری کیلنڈر میں رات پہلے آتی ہے جب کہ انگریزی کیلنڈر میں وہ درمیانِ شب سے شروع ہوتی ہے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا چاند جس وقت نکلے گا، اُسی وقت سے پورے مہینے کے لیے رات کے تعین کا وقت مانا جائے گا۔ رمضان میں جس طرح ہر شام کا اختتام ذرا سے فرق کے ساتھ ہوتا ہے، بس اُسی طرح پورے سال میں پہلی تاریخ کے چاند کا جو وقت ہے اور جو پورے مہینے جاری رہتا ہے چند منٹوں کے تغیر کے ساتھ، تو ہر رات اُسی کے مطابق اُسی وقت سے شروع ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہ مغرب کی اذان کے وقت سے رات کا آغاز مانا جائے گا اور اگلے دن آغازِ شب کے وقت تک ۲۴ گھنٹے پورے ہوں گے۔

شیشے کے ظرف میں ریت بھری جاتی تھی مقررہ وزن کے مطابق، اُس میں ایک باریک سوراخ ایسا بنا دیا جاتا تھا کہ مقررہ وقت میں ساری ریت باہر نکل جائے۔ (جس طرح کٹورے میں پانی بھر جاتا تھا) اِسے ''شیشہ ٔساعت'' کہتے تھے۔ یہ دونوں عمل وقت کے تعین کے لیے رائج تھے اور بہت زمانے سے رائج تھے۔ اِس وقت یہ نہیں بتا سکتا کہ کب سے، مگر خلجی، غوری اور مغل دور میں اِن کے حوالے ملتے ہیں۔

کلاسکی ادب کی فرہنگ، کی ترتیب میں وقت لگے گا، ایسے کام جلد تو نہیں ہو سکتے ہاں میں نے جو متن مرتب کیے ہیں، اُن کی فرہنگوں کو، بہت سے اضافوں کے ساتھ مرتب کر دیا گیا ہے، ناشر کی فرمائش پر، اِسے اِس سلسلے کی پہلی جلد بنایا گیا ہے، یہ پہلی جلد کمپوز شدہ رکھی ہوئی ہے، شاید دو تین مہینے میں چھپ سکے گی۔ لکھنؤ کے مکان میں فون کب لگے گا؟ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ واجد صاحب کا خط آیا تھا، جواب لکھ دیا گیا۔ اُن کی کتاب میرے کسی کام کی نہیں نکلی، مجھے اُس سے ذرا سی بھی مدد نہیں ملی۔ بہ ہر طور، ہر شخص کا اپنا انداز ہوتا ہے کام کرنے کا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔[۸]

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۲۰ر مئی ۲۰۰۳ء[۹]

مُحبِ مکرّم!

آج دوپہر کی ڈاک سے آپ کے دو خط ملے: ایک ۹ر مئی کا اور ایک ۱۲ر مئی کا۔ تیسرا خط، جو

گویا سب سے زیادہ ضروری تھا، وہ نہیں پہنچا۔ آپ نے کہا تھا کہ اُس کی نقل آپ کے پاس ہے، ازراہِ لطف اُسے بھیج دیجیے۔

بھائی اردو والے بس شاعری کرتے رہے ہیں اور عرس مناتے رہے ہیں یا پھر سال بھر ماتم کرتے رہتے ہیں؛ سائنسی اندازِ نظر مفقود ہے، کیسے آسکتا ہے ایسے لوگوں میں۔ آج کے دن تک زبان، الفاظ، استعمالِ عام، تلفظ، تذکیر و تانیث سے متعلق کوئی سروے ہوا ہی نہیں، پھر کیسے معلوم ہو کہ کس علاقے میں کون سا لفظ کس طرح استعمال میں آتا ہے۔ اِس لیے اردو میں انگریزی لُغات کے انداز پر کوئی کتاب مرتب کیسے کی جا سکتی ہے؟ بہت مشکل ہے۔ اندازے اور اٹکل سے جس کا جو جی چاہے، وہ لکھ دے۔ پھر کلاسکی متن سب کے سب (چند کو چھوڑ کر) اصولِ تحقیق کے مطابق مرتب نہیں ہوئے۔ وہی نول کشوری نسخے ہیں یا پھر اُن سے بھی کم درجہ نسخے؛ جب تک متن مرتب نہ ہو، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کس لفظ کا حقیقی احوال کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ خدائے سخن میر اور استاد الشعرا سودا کے دواوین اصولِ تحقیق کے مطابق مرتب نہیں ہو سکے ہیں، دوسروں کا کیا ذکر۔ کرے کون؛ لوگ جاہل ہیں یا پھر فائدے کے دھندوں میں لگے ہوئے ہیں، فرصت کسے ہے۔ مجھ جیسے ایک دو کم، زمانہ ناشناس، ناسمجھی کے مارے ہوئے اور زندگی کے تقاضوں سے ناآشنا سر پھوڑتے رہتے ہیں، اور یہ بھی کب تک۔ آپ اور ہم خواب دیکھتے رہے ہیں اور یہی ہمارا حاصلِ حیات ہے شاید۔

مقتدرہ کی جو فہرست آپ نے لکھی ہے، اُن میں سے کام کی جو ایک دو کتابیں ہیں، وہ ہیں میرے پاس۔ حکیم صاحب کے تذکرے سے میں بے خبر ہوں۔ مصوّری کی الف ب سے میں واقف نہیں، کیا لکھوں؟

نیّر مسعود صاحب کی بیٹی کی شادی کا دعوت نامہ، اُن کی تحریر کے ساتھ ملا تھا، یہ بچی مجھے بہت عزیز رہی ہے۔ نیّر صاحب نے بھی اسی نسبت سے لکھا ہے کہ آپ کی بیٹی رخصت ہو رہی ہے، اُسے دعائیں دیجیے۔ یہ بچّی پابندی سے مجھے عید اور نئے سال کے موقعوں پر بہت خوب صورت کارڈ بھیجتی رہتی تھی۔ اگر ذرا بھی سکت ہوتی، تو میں چند گھنٹوں کے لیے جاتا ضرور محض اُس بچّی کے واسطے سے؛ مگر کیا کروں، کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

خدا اُسے خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۵۵)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۲۸ر جون ۲۰۰۳ء ۸۰

مُحبِ مکرّم! اسلم صاحب

کئی خط آپ کے جمع ہو گئے اور میری بے توفیقی میرا ساتھ دیتی رہی۔ آج ہمّت کر کے چند سطریں لکھنے بیٹھ ہی گیا۔ ا۔ چکا۔ اصلاً ہندستانی فارسی کا لفظ ہے: اِس کے معنی ہیں: تعلقہ، تحصیل، ضلع، علاقہ۔ اِسی سے چکلابندی کی دفتری اصطلاح بنی: زمینداری یا علاقے کو کئی چکلوں میں تقسیم کرنا۔ چکلے دار: حاکم، افسرِ مال۔

پھر یہ بازاری عورتوں کے علاقے کے معنی میں مستعمل ہو گیا، جہاں کسبیاں، پیشہ ور رنڈیاں رہا کرتی تھیں اِسے ''کسبی خانہ'' بھی کہا گیا ہے۔ کسی دوسرے ہم معنی لفظ سے میں واقف نہیں۔

نائکہ: وہ پُرانی رنڈی، جو کئی نوچیوں کو ساتھ رکھتی تھیں۔ رنڈیوں کے کسی گھرانے کی سربراہ کار، مختار کار جس کی نگرانی میں نوچیاں گانا بجانا بھی سیکھتی تھیں۔

چودھرائن کے اصل معنی ہیں: خودمختار اور بااختیار عورت۔ لکھنؤ میں (چوک میں) ایک گھرانا رنڈیوں کا ایسا بھی تھا جس کی سربراہ کو چودھرائن کہا جاتا تھا۔ یہ رنڈیوں میں اونچا گھرانہ مانا جاتا تھا اور اُس کی نائکہ کو چودھرائن کہا جاتا تھا۔ کسی اور گھرانے کے لیے میں نے چودھرائن کا لفظ نہیں دیکھا۔ چودھرائن، لکھنؤ کی معروف شخصیت ہے جس کا حوالہ میں نے کئی جگہ دیکھا ہے۔ اُس عہد کی طوائفوں میں یعنی نائکاؤں میں چودھرائن سب سے ممتاز تھی۔

شَرَر نے گذشتہ لکھنؤ میں لکھا ہے کہ: ''یہاں کی رنڈیاں عموماً تین قوموں کی تھیں: اوّل کنچنیا جو اصل رنڈیاں تھیں اور اُن کا پیشہ علی العموم عصمت فروشی تھا۔ دہلی اور پنجاب ان کے اصل مسکن تھے، جہاں سے اِن کی آمد شجاع الدولہ ہی کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ شہر کی نامی رنڈیاں اکثر اسی قوم کی ہیں۔

دوسرے چونے والیاں۔ ان کا اصل کام چونا بیچنا تھا، مگر بعد کو بازاری عورتوں کے گروہ میں شامل ہو گئیں اور آخر میں اُنھوں نے بڑی نمود حاصل کی۔ چونے والی حیدر، جس کے گلے کا شہرہ تھا... اِسی قوم کی تھی اور اپنی برادری کی رنڈیوں کا بڑا گروہ رکھتی تھی۔ تیسری: ناگرنیاں۔ یہ تینوں وہ شاہدانِ بازار ہیں، جنھوں نے اپنے گروہ قائم کر لیے ہیں اور برادری رکھتی ہیں...''

''کنچن'' کنجڑہ کو کہتے ہیں۔ کنچنی: کنجڑن (کنجر کی عورت) ہوئی۔ مگر لفظ ''کنچنی'' بازاری عورت کے لیے مستعمل تھا جسے کسبی اور رنڈی بھی کہا جاتا تھا۔

نائکا (نائکہ): نایک کی تانیث ہے۔ اصلاً تو وہ عورت ہوئی جسے (نایک کی طرح) موسیقی میں کمال حاصل ہو، مگر شروع ہی سے یہ لفظ کسی گھرانے کی ایسی سینیر طوائف کے لیے مستعمل رہا ہے جو اُس گھر، یا گھرانے کی سربراہ ہو، جس کی نگرانی میں نوچیاں رقص و موسیقی کی تعلیم اساتذہ سے حاصل کرتی تھیں اور اِس پیشے کے اسرار و رموز سے وہ نوچیوں کو واقف کراتی تھی اور نگرانی بھی کرتی

تھی۔ شب باشی کی یا مجرے کی فیس بھی وہی طے کرتی تھی اور اُس رقم کا بڑا حصہ اپنے پاس رکھتی تھی اور وہ موسیقی میں بھی باکمال ہوتی تھی۔

نائکا، چکلے کی انچارج نہیں ہوتی تھی (جیسا کہ آپ نے لکھا ہے)۔ چکلا تو بڑا علاقہ ہوا۔ ہاں چکلے میں وہ کسی بڑے گھر یا گھرانے کی انچارج ہوتی تھی۔ (جیسے امراو جان ادا میں خانم ہیں)۔ سب رنڈیاں کسی ایک سینیر رنڈی کو بھی سربراہ مان لیتی تھیں، جو برادری کے معاملات میں مشورے دیتی تھی، مگر گھروں کے اندر پیشہ ورانہ کاروبار یا محض رقص وسرود کا کام ہر گھر کی انچارج نائکا کی نگرانی میں انجام پاتا تھا۔ ہاں، طوائفوں کے نام فی الوقت مجھے یاد نہیں۔

ٹخیائی، ٹکیائی، ٹکاہی، ٹکیہائی: ادنا درجے کی کسبی، معمولی رنڈی (جس کی فیس بہت کم ہوتی تھی)۔

خانگی تو گھریلو عورت ہوئی جو چھپ کر پیشہ کراتی تھی، کٹنیاں مددگار ہوتی تھیں۔ لکھنؤ میں اِن کی بڑی تعداد تھی (اور اب تو ہر جگہ ہیں)۔

ڈیرے دار: خاندانی طوائف، جو صاحبِ حیثیت ہو، جس کے ساتھ اُس کا عملہ بھی رہتا تھا۔ شرر نے لکھا ہے: ''شجاع الدولہ دورے پر نکلتے تو اُس وقت بھی ڈیرے دار طوائفیں اُن کے ساتھ رہتی تھیں''۔

ڈیرے دار، اُس باحیثیت طوائف کو بھی کہا جاتا تھا جس کی مستقل رہایش گاہ پر ناچنے گانے کی خاص کر تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر عموماً اِس سے مراد وہ طوائف ہوتی تھی جو اپنی برادری میں صاحب حیثیت ہو، خاص درجہ رکھتی، اور جس کے ساتھ اُس کا عملہ بھی ہو۔

امساک کا بالکل صحیح احوال کسی حکیم صاحب سے پوچھیے۔ عیاش حضرات کے لیے یہ لازم ہوتا تھا کہ اپنی قوتِ مردمی مردانہ طاقت کو عام لوگوں کے مقابلے میں بہتر ثابت کریں۔ ایک تو یہ احساس، دوسری طرف عیاشی کے اثر سے جنسی عمل کی کثرت اعصاب پر اچھا اثر نہیں ڈالتی تھی؟ اِسی لیے ایسی دواؤں کا استعمال کیا جاتا تھا جس کی مدد سے انزال دیر میں ہو۔ یہ گویا مردانگی کی پہچان بن گئی تھی۔ ہر نواب یا راجہ[۸۱] کے یہاں ایک حکیم صاحب ضرور ملازم یا مشیر ہوتے تھے جن کا کام ہی یہ تھا کہ وہ عیاشی کی صلاحیت برقرار رکھنے اور ممکن حد تک بڑھانے کے لیے دوائیں تجویز کرتے رہیں اور بنواتے رہیں۔

جریان وغیرہ کے اشتہارات کی کثرت کا طوائفوں سے لازمی تعلق نہیں۔ یہ عام بیماریاں ہیں جو بے احتیاطی اور بداحتیاطی کی وجہ سے، خاص کر جلق کی وجہ سے نوجوانوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یوں ایسی دواؤں کے اشتہارات کی کثرت لازمی تھی۔ باقی آیندہ۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: اسلم محمود
شاہ جہان پور
۱۲رفروری ۲۰۰۴ء[82]

مُحبِ مکرّم!

دو بار فون کیا، معلوم ہوا کہ آپ دہلی میں ہیں، ۲۴رکو واپسی ہوگی، لہٰذا اب خط لکھ رہا ہوں۔ ایک دن فون کیا تو معلوم ہوا معہ بیگم صاحبہ بازار گئے ہوئے ہیں۔ کیا کرتا۔

ہاں صاحب! خشقت (مع ق) کوئی لفظ نہیں۔ اصل لفظ ہے: خِشتک۔ اِس کے معنی ہیں: کپڑے کا چوکنا ٹکڑا، جسے پاجامے کی میانی کے طور پر، نیز کُرتے اور انگرکھے میں چوبغلے کے طور پر لگاتے ہیں۔ اسے چوبغلا بھی کہتے ہیں۔ مگر بہ طورِ عموم خِشتک، میانی کے معنی میں مستعمل رہا ہے۔

بھانجا اُس کا، جوانی سے ہے اب گدرایا
جس کی خالہ تھی پھرے گلیوں میں پھاڑے خشتک

(سوداؔ)

خشتک پھاڑے پھرے تھی، یعنی انتہائے شہوت میں یاروں کی تلاش میں گھومتی رہتی تھی۔

کسی نے کردیا کچھ اُن کو، کیا میری خانم
محل میں کل سے جو خشتک اُتارے پھرتے ہیں

(جانصاحبؔ[83])

یعنی نفس بہ دست، آمادہ۔ (نَفَس: عضوِ تناسل۔ غالباً صاحبقرانؔ کا شعر ہے:

آپ سے آپ آ چُداتی تھی جب تلک نفس میرا چاق رہا

سوداؔ اور جانؔ صاحب کے شعر اردو لغت سے ماخوذ ہیں—— ہاں پٹھانوں کے خاندانوں میں (یعنی پُرانے اصلی پٹھانوں کے گھروں میں—— آج کے مبینہ بدقومے پٹھانوں کے یہاں نہیں) عورتوں کی زبان سے ''خِشخت'' بھی برابر سُننے میں آیا کرتا تھا۔ (اب تو کوئی عورت یا مرد اِس کے معنی شاید ہی جانتا ہو)۔ میں خود ''خِشتک'' کہوں گا اور لکھوں گا، اور ''خِشخت'' کسی کی زبان سے سنوں گا تو اُسے پرانی یادگار سمجھوں گا اور پُرانی بول چال کا صحیح لفظ۔

پرانے لفظوں کا عجب احوال رہا ہے، میں نے اپنے لڑکپن میں 'جبل'' نہ سنا نہ کہا، نلا غُنڈ سب پٹھان کہتے تھے۔ اب ہم بھی جبل کہتے ہیں۔ پرانی مثل ہے: جبل پکّا تو کوّے کے باپ کا کیا۔ یا جیسے اب امرود کہتے ہیں، قسم لیجیے جو لڑکپن میں کبھی کہا ہو، زَرغَت کہتے تھے۔ ایک مصرع میرے استاد مرحوم پڑھا کرتے تھے: زرغت کھایا، کھاٹ پہ بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا۔ تاخیر کی معذرت۔

دہلی سے آکر فون تو کیجیے گا یا خط لکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: اسلم محمود

شاہ جہان پور

۱۵/اگست ۲۰۰۴ء

مُحبِ مکرّم!

آپ کا خط مجھے بہت تاخیر سے ملا تھا، میرا یہ خط آپ کو کب ملے گا، معلوم نہیں اور صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اَنفِیت (آواز کا غنہ پن) کا تعلق لہجے سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً دہلی میں دتی والے عموماً ''کونچہ'' کہتے ہیں، لکھتے ہیں: کوچہ۔ مرزا غالب نے اپنی کتاب تیغ تیز میں لکھا ہے: ''چانول... ہندی لفظ ہے۔ ثِقات اور شُرفا مع النون بولتے ہیں۔ بقّال بنیے بے نون بولتے ہیں''۔ (یعنی مرزا صاحب کے حساب سے ہم سب بنیے بقال ہوئے کہ ''چاول'' کہتے ہیں۔ بہ قولِ مرزا صاحب شُرفائے دہلی ''چانول'' کہتے تھے)۔

جلال لکھنوی نے اپنے لغت سرمایۂ زبانِ اردو میں لکھا ہے کہ جو لوگ ''گھاس'' بولتے ہیں (نونِ غنہ کے بغیر)، یہ اُن کی غلطی ہے۔ یعنی ''گھانس'' کہنا چاہیے۔ اِس کے برخلاف مولّف نوراللغات نے لکھا ہے کہ ''عوام 'گھانس' نونِ غنہ کے ساتھ بولتے ہیں''، یعنی خاص لوگ اور پڑھے لکھے لوگ ''گھاس'' کہتے ہیں۔ فرہنگِ آصفیہ میں ''گھاس'' اور ''گھانس'' دونوں ہیں اور کسی طرح کی وضاحت یا ترجیح کے بغیر۔ نفائس اللغات میں بھی اِسے دونوں طرح لکھا گیا ہے۔

عرض کہ بہت سے لفظوں میں غنائیت کا عمل دخل عام طور پر رہا ہے اور اب بھی ہے ایک حد تک۔ اِس کا تعلق لہجے سے ہے، افیم سے نہیں۔

پرانے رسالے میرے پاس موجود نہیں۔ افیم کا ذکر اور کہاں ملے گا، میرے لیے اِس سلسلے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ ہاں فسانۂ عجائب کے ایک اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں لکھنؤ میں فیض آبادی افیم کو بہت عمدہ سمجھا جاتا تھا۔ رجب علی بیگ سرور نے اہلِ لکھنؤ کی برتری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''افیون فیض آبادی گلاب باڑی والے لالے کی وہ رنگین جس نے تریاکِ مصر کے نشے کِرکِرے کیے..... اِدھر چُسکی پی، یا اشکِ بلبل کا دورِ تسلسل ہوا، آنکھوں میں گُل کِھلا، پھر ایک دم کے بعد حُقے کا دم کھینچا، حجاب کا پردہ اُٹھ گیا'' ___ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خاص مشاعروں میں بھی

پہلے افیون کا ایک دور چل جاتا تھا۔ لکھنؤ کے نہایت معروف فرد مرزا محمد رضا برقؔ کے گھر پر ہونے والے مشاعرے کا حال لکھا ہے (''شبِ ماہ صحبتِ مشاعرہ بہ دولت خانہ، مرزا معین ہے''):

''قبل از غزل خوانی افیون کا چرچا ہو جاتا ہے۔ کوئی پیتا ہے کوئی کھاتا ہے''۔ (ص ۱۸)

(لالہ: معروف پھول کے سوا، افیون کے پودے میں جو سرخ پھول آتا ہے اور جس کے پیالے میں افیون جمع ہوتی ہے، اُسے بھی کہتے ہیں)۔ (گلاب باڑی: فیض آباد کا معروف علاقہ)۔ (اشکِ بلبل: افیون کی تھوڑی سی مقدار)۔ اشکِ بلبل: لکھنوی افیون نوشوں کی خاص اصطلاح تھی۔ چھنال پن کے واقعاتی احوال کے لیے آپ نواب مرزا شوقؔ کی مثنوی فریبِ عشق کو پڑھ لیجیے، مثلاً یہ شعر:

رنڈیاں گو کہ ساری آفت ہیں　　بیگمیں اور بھی قیامت ہیں
کھُلتا ہر اک پر اِن کا حال نہیں　　کون ہے اِن میں جو چھنال نہیں
ڈھونڈھتی پھرتی خود حسین ہیں یہ　　ہم سے دونی تماش بین ہیں یہ

حیدری بیگم نے واجد علی شاہ سے جب کہا تھا کہ:

کہا حمل ثابت علی خاں کا ہے　　خطا کی، خطا کام انساں کا ہے
نہیں میں فقط ایک تقصیر وار　　کہ اس دام میں اور بھی ہیں شکار

تو سچائی بیان کی تھی۔ آپ واجد علی شاہ کی خود نوشت بنی پڑھ لیجیے۔ درگاہِ حضرت عباس، امام باڑۂ حسین آباد، کربلا، عیاشی کے اڈے بن کر رہ گئے تھے۔ بہارِ عشق کی ہیروئن کہتی ہے:

ہم بھی درگاہ آج جائیں گے　　ہوگی فرصت تو واں بھی آئیں گے

بہ قولِ شوق:

رات ہنس بول کر گزارتے تھے　　صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے

اگر یہ خط مل جائے تو رسید فون پر دے دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ تاریخ خط کے آخر میں خاں صاحب کے دستخط کے نیچے تحریر ہے۔

۲۔ اسلم محمود، اے-۸۸۵۔ اندرا نگر لکھنؤ، ۲۲۶۰۱۶ (یوپی) کے رہنے والے ہیں۔ ریلوے میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھے۔ انھیں ہر قسم کے موضوعات پر کتابیں جمع کرنے کا شوق ہے۔ ان کا ذاتی کتب خانہ کافی بڑا ہے۔ جس میں ہزاروں کتابیں ہیں۔ صرف خطاطی پر ۲۵۰ کتابیں اِس ذخیرے میں موجود ہیں۔ راقم نے اِن کی فرمائش پر ''خوش نویسانِ کشمیر'' (مصنف پروفیسر محمد ابراہیم) انھیں ارسال کی۔

۳۔ یہ مکتوب ٹی سی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۱۱۰۰۰۷ سے تحریر کیا گیا، یہاں سرنامے پر صرف ''گائر ہال'' تحریر ہے۔ تاریخ بھی نیچے درج ہے۔

۴۔ اسلم محمود ''ہزلیاتی'' کلام بھی جمع کر رہے ہیں۔ خاں صاحب نے اِنھی کی فرمایش پر زٹل نامہ جعفر زٹلی اور مصلحاتِ ٹھگی علی اکبر الٰہ آبادی بھی مرتب کیے ہیں۔

۵۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ تحریر نہیں۔ تاریخ نیچے تحریر ہے۔ مکتوب کی پُشت پر بھی مکتوب الیہ کا پتا تحریر ہے۔ مکتوب نگار کا نہیں۔ ہاں دہلی ڈاک خانے کی مہر ۱۱ر جنوری ۱۹۹۳ء کی ضرور ثبت ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مکتوب دہلی سے تحریر کیا گیا۔

۶۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ تحریر نہیں۔ تاریخ نیچے تحریر ہے۔ مکتوب کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، اور مکتوب نگار کی مہر ثبت ہے، جو اوپر کے پتے کو ظاہر کرتی ہے۔

۷۔ مرحوم رشید حسن خاں کو تحقیق، تنقید اور تدوین میں ہی دل چسپی نہیں تھی، بل کہ اُن کی نظر ہر قسم کی نثر اور شاعری پر بھی رہتی تھی۔ مذکورہ بالا اشعار میں اُنھوں نے جو فنی خوبیاں دیکھیں، اُنھیں اِس مکتوب میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ مرحوم کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی ادب کا فحش کلام بھی اُن کی نظر سے گزرا ہے۔

۸۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ تحریر نہیں ہے۔ تاریخ آخر میں درج ہے۔ یہ خط چار صفحات پر مشتمل ہے، اس کے لفافے کا عکس ساتھ نہیں، اس لیے مکتوب الیہ و مکتوب نگار کے پتے معلوم نہیں۔ ہاں مکتوب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا اسلم محمود صاحب کے نام لکھنؤ کے پتے پر۔

۹۔ اشعار بھلے ہی 'فحش کلام' کے زمرے میں آتے ہیں مگر خاں صاحب کو ان میں جو فنی خوبیاں نظر آتی ہیں اُن کو بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ خاں صاحب کے حافظے کی داد دینی پڑے گی کہ اُنھیں ہر قسم کا کلام زبانی یاد تھا۔ جعفر زٹلی کے زٹل نامے کو جس ڈھنگ سے خاں صاحب نے تدوین کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۰۔ تاریخ نیچے تحریر ہے۔

۱۱۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ تحریر نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ اِن لینڈ لیٹر کی پُشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکتوب دہلی سے لکھا گیا۔ دہلی میں خاں صاحب ٹی سی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی میں رہتے تھے۔

۱۲۔ مکتوب کے سرنامے پر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ اِس کی پشت پر مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں کے پتے درج ہیں اور تاریخ خاں صاحب کے دستخط کے نیچے درج ہے۔ مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غرائب اللغات کے علاوہ خاں صاحب کا جعفر زٹلی کا دیوان اور امراؤ جان مرتب کرنے کا ارادہ ہے، اگر اِن کے بھی نسخے دست یاب ہو جائیں تو۔ (زٹل نامہ تو بعد میں مرتب ہوا، لیکن امراؤ جان نہ ہو سکا۔ خدا نے انھیں اپنے پاس بلا لیا)۔

۱۳ تاریخ مکتوب کے نیچے تحریر ہے۔

۱۴ تاریخ اور مقام خط کے سرنامے پر نہیں۔ مکتوب الیہ و مکتوب نگار کے پتے مکتوب کی پُشت پر ہیں اور تاریخ آخر میں نیچے تحریر ہے۔

۱۵ ''تینوں مثنوی'' تحریر ہے میں نے انھیں ایسا ہی رہنے دیا ہے۔ یہاں ہونا چاہیے تھا ''تینوں مثنویاں''۔

۱۶ مکتوب کے سرنامے پر تاریخ و مقام تحریر نہیں۔ مکتوب الیہ و مکتوب نگار کے پتے مکتوب کی پشت پر تحریر ہیں اور تاریخ آخر میں۔

۱۷ مکتوب کے سرنامے پر مقام و تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار کے پتے خط کی پشت پر تحریر ہیں۔ تاریخ آخر میں تحریر ہے۔ مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب امراؤ جان ادا کو مرتب کرنا چاہتے ہیں بہ شرطے کہ اُنھیں اِس کا پہلا اڈیشن مل جائے۔

۱۸ مکتوب کے اوپر صرف گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی تحریر ہے، مکمل پتے مکتوب کی پشت پر ہیں۔ تاریخ آخر میں تحریر ہے۔

۱۹ مکتوب کے اوپر صرف گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی تحریر ہے، مکمل پتے مکتوب کی پشت پر ہیں۔ تاریخ آخر میں تحریر ہے۔ مکتوب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب جنوری ۱۹۹۶ء کے آخر میں شاہ جہان پور منتقل ہو جائیں گے۔

۲۰ مکتوب کے اوپر سرنامے کی جگہ صرف گائر ہال اور اُس کے نیچے تاریخ تحریر ہے۔ ہاں مکتوب کی پشت پر مکتوب الیہ اور مکتوب نگار کے پتے تحریر ہیں۔

۲۱ سرنامے پر صرف شاہ جہان پور لکھا ہوا ہے اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں کے پتے مکتوب کی پشت پر تحریر ہیں۔ اسلم محمود کا پتا لکھنؤ والا ہی ہے۔ مگر خاں صاحب کا پتا: ۱۴۷- بازوزئی - دوم، شاہ جہان پور- پن: ۲۴۲۰۰۱ (یوپی) تحریر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاں صاحب شاہ جہان پور منتقل ہو چکے ہیں۔

۲۲ تاریخ آخر میں تحریر ہے اور مکمل پتے مکتوب کی پشت پر۔ مکتوب کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں ایک ۱۲ر فروری اور دوسری ۱۶ر فروری ۱۹۹۶ء کی۔

۲۳ تاریخ مکتوب کے آخر میں تحریر ہے۔ مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب جعفر زٹلی کا کلیات مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ آخر یہ کام ہوا بھی۔

۲۴ سرنامے پر پتا انگریزی میں تحریر ہے۔ راقم نے اِسے اردو میں بدل دیا ہے۔ تاریخ آخر میں تحریر ہے۔ خاں صاحب سال ہمیشہ صدی کے بغیر لکھتے ہیں۔ میں صدی کے ساتھ مکمل سال لکھ دیتا ہوں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔ اِس مکتوب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب نے میر حسن کی مثنوی سحر البیان کی تدوین کا کام شروع کر دیا ہے۔

۲۵؎ یہ پہلی بار ہے کہ خاں صاحب نے سرنامے پر اپنا پورا پتا معِ تاریخ ماہ و سال صدی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ مکتوب کے آخر میں صرف خاں صاحب کے دستخط ہیں۔

۲۶؎ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۲۷؎ خاں صاحب کے کام کرنے کے ڈھنگ کو ملاحظہ فرمائیں۔ قدیم ترین ۱۳ خطی نسخوں کے عکس جمع کر چکے ہیں اور ایک دو اور کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ نسخے جمع کرنے میں کتنا وقت لگا ہوگا اور کام کرنے میں کتنا وقت لگے گا، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تب جا کر کام مکمل ہوگا۔ یہ ان کے اپنے مقرر کردہ اصول ہیں جن کی اُنھوں نے ہمیشہ پابندی کی۔

۲۸؎ اسلم محمود کا پتا یوں درج ہے: Janab Aslam Mahmood Cheif Commercial Manager, Northern Railway, BARODA House, New Delhi-110001

۲۹؎ تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۳۰؎ رشید حسن خاں صاحب نے اسلم محمود کی فرمائش پر آخر جعفر کے دیوان کو زٹل نامہ کے عنوان سے تدوین کر ہی دیا جو بعد میں شائع بھی ہوا۔

۳۱؎ مقام اور تاریخ اوپر تحریر ہے۔ اصل پتے مکتوب کی پشت پر تحریر ہیں۔

۳۲؎ مقام اور تاریخ اوپر تحریر ہے۔ اصل پتے مکتوب کی پشت پر تحریر ہیں۔

۳۳؎ مقام اور تاریخ مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں کے پتے پشت پر تحریر ہیں۔

۳۴؎ مکتوب کے آخری اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر نیر مسعود صاحب نے کوئی ایسی تحریر لکھی ہے جو خاں صاحب کو ناگوار گزری۔ حالاں کہ دونوں کے مراسم اچھے رہے ہیں۔

۳۵؎ مقام اور تاریخ اوپر تحریر ہے۔ مکتوب میں تین جگہ ہندسے 135، 163، 136 انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں، راقم نے انھیں اردو ہندسوں میں بدل دیا ہے۔

۳۶؎ اسلم محمود کا نیا پتا: Mr. Aslam Mahmood, Bangla No-2, State entry Road, New Delhi-110055

۳۷؎ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۳۸؎ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۳۹؎ مکتوب کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ میر حسن کی مثنوی سحر البیان رشید حسن خاں صاحب نے ۱۱ر جنوری ۱۹۹۹ء کو مکمل کی، جس کا اُنھوں نے ۲۵ر اگست ۱۹۹۶ء کے خط میں اسلم محمود کے نام شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔

۴۰؎ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۴۱؎ اسلم محمود کا نیا پتا: Mr. Aslam Mahmood, A-885, Indira Nagar, opp. Old Thana ghazi pur, Lucknow - 226016 (UP) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط خاں

صاحب نے لکھنؤ کے پتے پر لکھا۔

۴۲ تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۴۳ خاں صاحب نے اِس کتاب کو مصطلحاتِ ٹھگی کے نام سے بعد میں مکمل کیا۔

۴۴ تاریخ و مقام اوپر تحریر ہے، اصل پتے مکتوب کی پشت پر تحریر ہے۔

۴۵ رشید حسن خاں صاحب کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلم محمود کے پاس اردو، انگریزی اور فارسی وغیرہ کتابوں کا ایک بڑا ذاتی ذخیرہ موجود ہے، جس میں ہر موضوع سے متعلق کتابیں ہیں اور اسلم صاحب کو انھیں سنبھالنے کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ اِس لیے وہ چاہتے ہیں کہ کام مکمل ہونے کے بعد یہ سارے عکس اور کاغذات وہاں بھیج دیے جائیں۔

۴۶ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔ اصل پتے مکتوب کی پشت پر ہیں لیکن ''147-باڑوزئی'' کے بجائے ''۲۲-باڑوزئی'' ہوگیا۔

۴۷ اسلم محمود ''نخش کلام'' جمع کر رہے ہیں۔

۴۸ تاریخ و مقام اوپر تحریر ہے۔ فون نمبر انگریزی ہندسوں میں لکھا ہے۔ راقم نے اِسے اردو ہندسوں میں بدل دیا ہے۔

۴۹ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۵۰ مقام تحریر ہے، تاریخ نہیں، نہ اوپر نہ نیچے۔ لیکن پشت پر شاہ جہان پور اور دہلی کے ڈاک خانے کی مہریں بالترتیب ۱۳ر جولائی اور ۱۵ر جولائی ثبت ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۳ر جولائی کو لکھا گیا۔

۵۱ خاں صاحب نے دیوانِ جعفر اسلم محمود کی فرمایش پر مرتب کیا تھا۔

۵۲ خاں صاحب نے ''بیکار'' یہاں ملا کر لکھا ہے جب کہ عموماً اِسے وہ الگ ''بے کار'' لکھا کرتے تھے۔

۵۳ مقام و تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۵۴ دیوانِ جعفر زٹلی کا عکس جو جرمنی کے ذخیرۂ اشپرنگر سے ڈاکٹر معین الدین نے حاصل کر کے رشید حسن خاں کو بھیجا تھا، یہ پہلے ٹوکیو (جاپان) میں اردو کے استاد تھے، جواب واپس کراچی پاکستان چلے گئے۔

۵۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۶ دیوانِ جعفر زٹلی کا کام رشید حسن خاں صاحب نے شروع کر دیا، مصطلحاتِ ٹھگی کے ساتھ ساتھ۔

۵۷ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۸ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ مکتوب کی پشت پر دونوں پتے درج ہیں، ساتھ ہی شاہ جہان پور اور دہلی کے ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں شاہ جہان پور کی ۵ر فروری اور دہلی کی ۷ر فروری۔

۵۹ یہ مکتوب خاں صاحب نے اسلم محمود کے والدِ مرحوم کی تعزیت میں لکھا، جس کی اطلاع انھیں

نیز مسعود صاحب کے خط سے ہوئی۔

۶۰۔ سرنامے پر مقام کے نیچے رشید حسن خاں صاحب نے ''۱۳؍فروری ۲۰۰۱ء'' لکھا ہے۔ مکتوب شروع کرتے ہیں تو لکھتے ہیں ''۲۶؍فروری کا خط ملا تھا'' اصل میں یہ قلم کا سہو ہے۔ مکتوب کی پشت پر شاہ جہان پور اور دہلی کے ڈاک خانے کی مہروں پر مارچ کا مہینا دِکھائی دیتا ہے۔ اِس لیے یہ مکتوب ۱۳؍مارچ کو لکھا گیا۔

۶۱۔ تاریخ اور مقام مکتوب کے سرنامے پر تحریر ہیں۔ پشت پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۹؍مارچ کی ہے اور دہلی کے ڈاک خانے کی ۲۵؍مارچ کی۔

۶۲۔ سرنامے کا پتا انگریزی میں تحریر ہے، راقم نے اِسے اردو میں بدل دیا ہے۔

۶۳۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ مکتوب میں سنین انگریزی ہندسوں میں تحریر ہیں، راقم نے اُنھیں اردو میں بدل دیا ہے۔

۶۴۔ رشید حسن خاں صاحب نے ایک ہی مکتوب کی عبارت میں ایک لفظ کا الگ الگ املا تحریر کیا ہے، مثلاً ''علی اکبر الٰہ آبادی''، ''علی اکبر الہ آبادی''۔

۶۵۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔

۶۶۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ مکتوب کی عبارت سے لگتا ہے کہ ٹھگوں کا لُغت مرتب ہو چکا ہے۔

۶۷۔ خاں صاحب مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہیں، جن میں دل، آنکھوں کی، پراسٹیٹ اور پیروں کی تکلیف شامل ہے۔

۶۸۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہیں۔ اس کی پشت پر کوئی پتا نہیں ہے۔ یہ مکتوب سفید کاغذ پر لکھا ہوا ہے، لگتا ہے اِسے لفافے میں بند کر کے بھیجا گیا۔ اس میں سنین انگریزی ہندسوں میں لکھے ہوئے تھے جنھیں راقم نے اردو ہندسوں میں بدل دیا ہے۔

۶۹۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ یہ مکتوب سادہ کاغذ پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اِس کی پشت پر کوئی پتا نہیں۔ وہ لفافے پر ہوا ہوگا۔ اُس کا عکس ساتھ نہیں۔

۷۰۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔

۷۱۔ خاں صاحب نے بریکٹ کے اندر (ج:۸-و:۶)، عدد انگریزی میں لکھے ہیں باقی تمام اردو میں۔ راقم نے انھیں بھی اردو میں بدل دیا ہے۔

۷۲۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ اس مکتوب میں خاں صاحب و خلیق انجم صاحب کا کراچی جانے کا پروگرام درج ہے، نیاز سیمینار میں۔

۷۳۔ تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔

۷۴۔ ''لغت'' سے مراد کلاسکی ادب کی فرہنگ ہے۔

۷۵ے تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے، لیکن تاریخ صرف ۱۸ر مئی لکھی ہے سال نہیں۔ پشت پر ڈاک خانے کی مہر سے سنہ کا پتا چلتا ہے۔

۷۶ے مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاں صاحب زیادہ بیمار ہیں۔

۷۷ے ۱۸ر مئی ۲۰۰۲ء اور ۸ر اپریل ۲۰۰۳ء کے درمیان سال کا وقفہ ہے۔ اِس مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلیاتِ زٹلی کی کمپوزنگ ہو رہی ہے۔

۷۸ے ''خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں'' یہ جملہ آخری پیراگراف میں دو بار لکھ دیا گیا ہے۔ اِسی پیراگراف سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلاسکی ادب کی فرہنگ کی پہلی جلد کمپوز شدہ چھپنے کے لیے تیار رکھی ہے۔ اسلم محمود صاحب کا دہلی والا پتا بھی بدل گیا ہے، اُنھوں نے لکھنؤ میں اپنا مکان بنالیا ہے۔

Mr. Aslam Mahmood, A-885, Indira Nagar, Lucknow -226016 (UP)

۷۹ے تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔

۸۰ے تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ یہ مکتوب دو صفحے کے پورے سائز کے سادہ کاغذ پر ہے جو لفافے میں بند کر کے بھیجا گیا ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں ہے۔ اِس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی اسلم محمود صاحب کو لکھنؤ ہی کے پتے پر بھیجا گیا، جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

۸۱ے خاں صاحب نے ''راجہ'' لکھا ہے جب کہ اِس کا املا عموماً وہ ''راجا'' لکھا کرتے تھے۔

۸۲ے تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔

۸۳ے ''جان صاحب'' کا املا دو طرح لکھا ہے، ''جانصاحب''۔

۸۴ے تاریخ و مقام مکتوب کے اوپر تحریر ہے۔ خاں صاحب کا پتا: بارٗوزئی - دوم، شاہ جہان پور - ۲۴۲۰۰۱ ہے۔ جب کہ اسلم محمود صاحب کا اے-۸۸۵، اندرانگر، لکھنؤ (یوپی) - ۲۲۶۰۱۶ ہے۔

۸۵ے ''درگاہ'' کا املا خاں صاحب نے دو طرح کیا ہے ''درگا حضرت عباس''، ''ہم بھی درگاہ آج جائیں گے''۔ لگتا ہے یہ لغزشِ قلم ہے، کیوں کہ ۲۱ر اپریل ۱۹۹۵ء کو نیر مسعود صاحب کے نام مکتوب میں بھی اِسی ''درگاہِ حضرت عباس'' کا ذکر آیا ہے۔ اِس لیے راقم نے ''درگا حضرت عباس'' میں ''ہ'' کا اضافہ کر دیا ہے تا کہ املا ایک سا رہے۔

بنام اشفاق حسن خاں

(۱)

ا/بی، لکھنو روڈ، دہلی-۶
۳رجولائی ۱۹۶۴ءؔ

مکرّمی! سلامِ شوق

لفافہ ملا تھا۔ کچھ بے توفیقی، کچھ بے حد مصروفیت، اور کچھ ذہنی الجھنوں میں مبتلا رہنے کی بنا پر جواب جلد نہ دے سکا، معذرت طلب ہوں۔ اس وقت ایک عالم کشاکش ہے۔ اربابِ یونی ورسٹی، مقامی احبا اور میرے رفیقانِ کار مصر ہیں، کہ میں یہیں رہوں۔ لیکن میرا دل اس بُری طرح اچاٹ ہوگیا ہے، کہ کسی طرح یہاں رہنے پر آمادہ نہیں۔ گھر والوں کا تقاضا یہ ہے کہ یا تو میں ان کو دہلی بلاؤں،یا خود واپس چلا آؤں۔ اُن کا مطالبہ بھی برحق ہے۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت اس دو سال میں بل کل تباہ ہوگئی۔ یہاں دو کمروں کا نہایت مختصر مکان نہیں، کسی مکان کا ایک حصہ، کم سے کم ۱۰۰ روپیہ ماہانہ پر ملتا ہے۔ ۱۵روپیہ بجلی، پانی، اور مہتر کے ہوئے۔ اب آپ ہی بتاءیے کہ یہ گاڑی کیسے کھنچے گی۔ بچّوں کی تعلیم یہاں بہت مہنگی ہے۔ اچھے اسکول میں کم سے کم ۴۰روپیہ مہینا ایک بچّے پر صرف ہوتا ہے۔ یونی ورسٹی کی ملازمت ایک آفت ہے کہ رہن سہن بھی اسی معیار کا ہونا چاہیے۔ ورنہ اچھوت بن جانا پڑتا ہے۔ دہلی کی سرزمین کچہری کی زمین سے کم نہیں بہر گام پیسہ۔ زندگی بل کل مصنوعی بل کہ بناسپتی، بس نمایش اور زیبایش! میری رخصت ۳۰رجون تک کی ہے۔ ان شاء اللہ، جولائی کو آؤں گا۔ اور حسبِ دستورِ قدیم اُنھیں خاک آلودہ راستوں، گرد پوش سڑکوں اور جھیل نما نالوں کے دیس میں، مکھیوں اور مچھروں کے جھرمٹ میں دن بسر کروں گا۔ دہلی تو بادشاہوں کو راس نہیں آئی، مجھے راس نہ آئی، تو کیا تعجب!

بس ایک بات کا افسوس رہے گا کہ نگاہوں میں یہاں کے جلوہ ہاے سر انگیز کے عکس محفوظ رہیں گے، جو پریشان خیالی کو جگاتے رہا کریں گے۔ بھلا اِس ''قصبۂ تہذیب'' میں وہ دور بے حجابانہ کہاں ملیں گی، اور برہنہ بازوؤں، گنبدی چھاتیوں، شفاف پنڈلیوں اور نمایاں شکموں کی جھلکیاں کیسے نظر آئیں گی۔ وہ ملبوس، جن پر دور سے آئینہ شفاف کا گمان گزرتا ہے، وہ بلاؤز جو محرم کی برابری، بل کہ اس سے بھی کچھ مختصر ہونے کی قسم کھاتے ہیں، وہ رفتار کہ ''موجِ مے'' جس کے سامنے پانی پانی ہوجاتی ہے، شکمِ صاف کی وہ متحرک جھیلیں، اور سینوں کے وہ روشن فانوس، عریاں

پنڈلیوں کی وہ روشن شمعیں، اور چمکدار بازوؤں کی متحرک کمانیں کہاں نظر آئیں گی، وہ پیکر خوبی جن کو شاخِ گل کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا اور وہ ہجوم مہوشاں، جس کو دیکھ کر کہکشاں کا جھرمٹ نگاہوں سے گر جاتا ہے، وہ بے باک جوانیاں، وہ بے جھجک نگاہیں، وہ نمود بے محابا کی سحرکاریاں، اور وہ انداز سپردگی کی چغلی کھاتا ہوا طرزِ بے نیازی، یہ سب کہاں ملے گا ہائے ہائے!!

نورچشمی گڑیا کی نظموں کے بارے میں یہ فرض کروں کہ اربابِ شمع سے میرا ادنیٰ تعلق بھی نہیں ہے۔ وہ خالص تجارت پیشہ بل کہ تجارت سرشت لوگ ہیں۔ اگر کسی شخص سے ادنیٰ ملاقات بھی ہوتی نا تو میں ضرور کہتا۔ ویسے اگر آپ ایسا بھی حکم دیں تو تعمیل ہوگی اور ضرور ہوگی۔ میں سخت منفعل ہوں کہ آپ کی ایک معمولی سی فرمائش پر پہلو بچا گیا لیکن یقین کیجیے کہ میں نے غلط بالکل نہیں کہا ہے۔

اور کیا حالات ہیں۔ مولوی آشفتہ اب کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ اب وہ طرحی مشاعرہ کہاں ہوگا اور کب آپ اگر اس میں دل چسپی نہیں لیں گے، تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

آپ کی غزل بہت پسند آئی، اس بار کیا پسند آئی وہ تو ہمیشہ قابلِ پسندیدگی ہوتی ہے۔

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو اس سے مطلع کیجیے۔ کراچی سے رئیس صاحب کا بھی ایک خط آیا تھا۔

نیازمند

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ خط پہ مقام و تاریخ درج نہیں ہے۔ ابتدائی دور میں خاں صاحب نے اس کی احتیاط بھی نہیں رکھی۔ ان لینڈ لیٹر ۱۰ ر پیسے کا ہے۔ پشت پہ دہلی اور شاہ جہان پور کی ڈاک خانوں کی دو مہریں ۳ ر جولائی ۱۹۶۴ء صبح ۱۱ بجے اور ۶ ر جولائی ۸ بج کر ۲۰ منٹ کی ثبت ہیں۔

۲۔ خاں صاحب کا قدیم املا: ''لفاف۔ ۳ بلاءوں۔ ۴ آءوں۔ ۵ بلکہ'' لفافے، بلاؤں، آؤں اور بل کہ کی جگہ یہ کے نیچے شکن نہیں اور نہ ہی بعض الفاظ پہ تشدید ہے۔

۳۔ مکتوب الیہ کا پتا: مکرمی اشفاق حسن خاں، ٹیکس سپر نٹنڈنٹ تارین ٹکلی، شاہ جہان پور (یو۔ پی)۔

★★★

بنام اشفاق محمد خاں، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۷
۲۰ راگست ۱۹۷۹ء

مُحِب مکرّم!

آپ کا بھیجا ہوا تحفۂ محبت کتاب کی صورت میں موصول ہوا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے شکر گزار ہوں اور یادآوری کے لیے منت پذیر۔ کتاب کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمائیے۔ میں اِس کتاب کو طالبِ علم کی نظر سے دیکھوں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کروں گا۔ یہ بھی دیکھوں گا کہ ایک مولوی کے متعلق غیر مولوی حضرات کی رائے کیا ہے اور یہ کہ انیسویں کے ایک بوریا نشیں کی تخلیقات اِس بیسویں صدی میں کس حد تک توجہ کی مستحق قرار دی گئی ہیں، اور کیا وہ کلاسکی ادب کے دائرے میں آگئی ہیں؟ ہائے کلاسکی ادب! اِس کو نظر انداز کرنے کی اب تک کوئی صورت کسی کے ذہن میں نہیں آپائی ہے۔

صاحب! آپ نے داخلِ حسنات ہونے کا انتظام کرلیا اِس کتاب کے واسطے سے۔ اب جب بھی کوئی مولوی نذیر احمد کا نام لے گا اور اُن پر کام کرے گا۔ آپ کا بھی نام لے گا۔ اِس طرح آپ نے تو اپنی شہرت کا دامن، گویا دامنِ قیامت سے باندھ لیا ہے۔ ہاں، نذیر احمد، قیامت سے تو شاید ڈرتے تھے؛ قیامت والوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ آپ دونوں سے ایک ہی انداز سے نباہ لے گئے۔ یہ آپ کی وہ خوبی ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہو پاتی۔ اب دیکھنا ہے کہ اِس وصفِ ذاتی اور صفتِ مشبہ کا رنگ کتاب میں کس طرح کھُلا ہے۔

میری طرف سے ایک بار پھر مبارک باد قبول کیجیے اور شکریہ بھی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر اشفاق محمد خاں
شاہ جہان پور
۲۱؍اپریل ۱۹۹۸ء

خاں صاحب!

کیوں اپنا جی جلاتے ہیں آپ[۲]، سگِ بانگ می زند، یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آدمی انھی باتوں سے پہچانا جاتا ہے، ورنہ معلوم کیسے ہو کہ یہ کچی پینڈی کا ہے اور وَلَدُ الحیض۔ بہ قولِ شخصے، ماں دھنیا، باپ پودینا؛ بیٹے جن کے مرزا دپنا۔ قومی آواز کے تراشے کو پڑھ کے کیا کروں گا، آپ نے پڑھ لیا، بس کافی ہے۔ ایک گدھا لات مار دے تو بہ قولِ غالبؔ، آپ بھی اُس کے لات ماریں گے؟ ہاں آپ کی وہ تجویز خوب ہے کہ آپ کا وہ مضمون اِس موقعے پر آجائے۔ یہ سب سے اچھا جواب ہوگا۔ جب چھپے تو اُس کی ایک کاپی ضرور بھیجیے گا۔ قدوائی صاحب وضع دار شخص ہیں۔ دوست آدمی ہیں، بشیشور پرشاد صاحب سے آپ کو تاریخ کا یا پروگرام کا حال ضرور معلوم ہو جائے گا، آپ مجھے مطلع کر دیجیے گا، ضابطے کی خبر تو دیر سے آئے گی۔ دہلی میں ۲۶ برس رہا۔ ایک خلیق انجم کے سوا، کسی ایک بندے بشر نے اِس موقعے پر التفات نہیں فرمایا؛ اِسے آپ کیا کہیں گے؟ اصل میں یہ اعلان اِس قدر غیر متوقع تھا کہ اب تک یار لوگوں کے حواس بجا نہیں ہو پائے ہیں، اور مجھے اِس کی خوشی اِسی لیے ہے کہ اِس سے ایسے لوگوں کی دو تین راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہوگی اور مقعدِ مبارک میں چنچنے کاٹتے رہے ہوں گے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ مکتوب ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کی کتاب ''نذیر احمد کے ناول تنقیدی مطالعہ'' کے موصول ہونے پر رشید حسن خاں نے اُنھیں لکھا، یہ ایک قسم کا تبصرہ ہے۔ اِس میں یہ تحریر کیا گیا ہے کہ نذیر احمد پر آنے والے وقت میں جو بھی ادبی کام ہوگا اُس میں اشفاق صاحب کا نام ضرور شامل کیا جائے گا۔
ڈاکٹر اشفاق محمد خاں جواہر لال نہرو یونی ورسٹی دہلی کے شعبۂ اردو سے منسلک رہے اور ملازمت کا زیادہ وقت وہاں ہی گزارا۔ رشید حسن خاں دہلی یونی ورسٹی سے .J.N.U میں اُن کی ایم.اے اردو وکلاس کو متنی تنقید کا مضمون پڑھانے آتے تھے اور تقریباً دو ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (مکتوب ڈاکٹر اشفاق محمد خاں بہ نام راقم، ۷؍دسمبر ۲۰۰۷ء)

۲۔ یہ مکتوب رشید حسن خاں صاحب نے ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کے نام ۲۱؍اپریل ۱۹۹۸ء میں لکھا۔

''اِس خط کا پس منظر یہ ہے کہ جب رشید صاحب کو اردو اکادمی لکھنؤ کی جانب سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہوا تو اِس کے ردِعمل میں کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچی اور اُنھوں نے اپنے حسد یا رشک کا اظہار میڈیا کے ذریعے فرمایا۔ مجھے اِن حضرات پر بڑا غصہ آیا اور میں نے بھی کچھ لکھ مارا، جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ یعنی حاسد خاموش ہو گئے۔ یہ سب کچھ جب میں نے رشید حسن خاں صاحب کو تحریر کیا تو موصوف نے یہ خط جس کی Zerox کاپی روانہ کر رہا ہوں، مجھے بھیجا''۔
ڈاکٹر اشفاق محمد خاں مزید اپنے مکتوب میں راقم کو لکھتے ہیں کہ ''مرحوم کا مزاج/کردار کبھی بھی کسی کو سب وشتم سے نوازنے کا نہیں تھا۔ وہ بے پناہ سنجیدہ، متعیّن اور ہمہ وقت غور وفکر میں رہنے والے انسان تھے''۔

بنام اصغر عباس، پروفیسر

(۱)

۱۶۷- باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۱۸ر جنوری ۱۹۹۷ء

محبِ مکرّم! آداب

پرسوں آپ کا بھیجا ہوا پیکٹ بہ حفاظت مل گیا۔ اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ کی بیگم صاحبہ اِسے اپنے ساتھ لائی تھیں، یہ اُنھوں نے بڑی زحمت گوارا کی؛ اُن کا خاص طور پر سپاس گزار ہوں۔ اُن سے میرا سلام کہیے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر اصغر عباس
شاہ جہان پور
۶ر جولائی ۱۹۹۷ء

محبِ مکرّم!

یکم جولائی کا رجسٹرڈ خط موصول ہوا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کا پہلا خط جب ملا تھا، میں نے دوسرے ہی دن اُس کا جواب لکھ دیا تھا۔ تعجب ہے کہ وہ اب تک نہیں پہنچا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں۔

میں نے پہلے خط میں لکھا تھا کہ میں بمبئی جانے والا ہوں، اِس لیے حاضر نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت تاریخ کا تعین نہیں ہو پایا تھا، کل یہ اطلاع دہلی سے آ گئی کہ ۱۱ر جولائی کا رزرویشن ہو گیا ہے۔ میرا قیام بمبئی میں کم سے کم دو ماہ رہے گا، یوں کہ بہ غرضِ علاج جا رہا ہوں۔ پہلے بھی ڈیڑھ مہینا اِس سلسلے میں وہاں رہ چکا ہوں۔ یہ فروری مارچ کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس صورت میں علی گڑھ حاضر نہیں ہو سکتا۔

میں آپ سے معذرت طلب ہوں کہ آپ نے یاد کیا اور میں آپ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے پر مجبور ہوں۔ وہاں آنا میرے لیے واقعتاً مسرّت کا باعث ہوتا۔ مگر کروں کیا، ایسی مجبوری ہے جس کا کوئی علاج ہی نہیں۔

احتیاطاً اِس خط کو رجسٹری سے بھیج رہا ہوں، تاکہ یہ پہلے خط کی طرح گم نہ ہو اور آپ میری بداخلاقی پر اِسے محمول کریں۔

اگر کبھی اُس دیار کا پھیرا ہوا تو سب سے پہلے آپ سے ملاقات کی مسرّت حاصل کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

۱۶۷- باڑوزئی دوم،

شاہ جہاں پور

۱۵ر ستمبر ۱۹۹۷ء

مخمی اصغر صاحب! آداب

آپ کا خط مرقومہ ۱۲ر ستمبر، مجھے آج ملا۔ یادآوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں دو ماہ کے بعد ۱۲ر ستمبر کو یہاں آیا تھا، یعنی تین دن پہلے۔ طبیعت میری پہلے سے بہتر ہے، اگرچہ علاج جاری ہے اور اکتوبر تک جاری رہے گا۔ آپ نے جس محبت اور اپنائیت کے ساتھ یاد کیا، اور پھر یاد رکھا، اس کے لیے ممنون ہوں۔

ہاں صاحب! سب سے پہلے مجھے پروفیسر شپ کی مبارک باد پیش کرنا چاہیے تھی۔ مجھے یہ اطلاع یہاں آکر ملی اور وہ بھی رفتار کے توسط سے، جواب میرے پاس آنے لگا ہے۔ یہ منصب اب سے بہت پہلے آپ کو مل جانا چاہیے تھا، کیوں کہ بہتوں کے مقابلے میں آپ اِس کے زیادہ حق دار تھے۔ بہ دیر ہی، حق بہ حق دار رسید۔

گلزارِ نسیم آپ کی بدولت دوسروں کو مل گئی، یہ اچھا ہوا؛ اِس کے لیے میں شکر گزار ہوں۔

میں اب مثنوی سحر البیان کی تدوین شروع کروں گا چند روز آرام کرنے کے بعد۔ اِس کے ۱۲ ضروری خطّی نسخے ہندستان، پاکستان اور لندن کے مختلف کتاب خانوں سے بہ مشکل حاصل ہو سکے ہیں۔ تین قدیم ترین مطبوعہ نسخے اِن کے علاوہ ہیں، بہ شمولِ نسخۂ فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۴ء)۔

مثنویاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی (بہارِ عشق، فریبِ عشق، زہرِ عشق) مرتب ہو چکی ہیں،

کتابت بھی ہوگئی ہے؛ چھپنے کے لیے انھیں بھیج دیا گیا ہے۔ دو چار مہینے میں یہ کتاب چھپ جائے گی اور آپ تک پہنچے گی۔

میرے پُرانے کرم فرما مسعود عالم صاحب اگر کبھی اور کہیں مل جائیں تو میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔ خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہیے کہ اِس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر اصغر عباس
شاہ جہان پور
۱۸/اپریل ۱۹۹۸ء

محبِ مکرّم!

۱۲/اپریل کا خط ملا۔ آپ نے جس گرم جوشی کے ساتھ اور جس تعلقِ خاطر کے ساتھ مبارک باد دی ہے، اُس کے لیے ممنون ہوں اور آپ کی قدر دانی میرے لیے باعثِ طمانیت ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

پاکستان کے سفر کے حالات جو آپ نے لکھے، اُن کو پڑھ کر بھی آپ ہی کی وسیع القلمی کا احساس ہوا۔ منصورہ کو خط لکھنا ہے، دو چار دن بعد لکھوں گا۔

میری کتاب مثنویاتِ شوق شاید ۱۵، ۲۰ دن میں آجائے گی، آپ کے پاس میری طرف سے پہنچے گی۔ اب پڑھنے والے رہ ہی کتنے گئے ہیں؛ کتابوں کے نام گنانے والے بہت ہیں۔ کتاب چھپنا اب ایسا مشکل نہیں رہا، مگر قاری کی تلاش اب سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر اصغر عباس
شاہ جہان پور
۵/اکتوبر ۲۰۰۱ء ؁

حضرت سلامت!

محبت نامہ ملا، پرسشِ احوال کے لیے شکر گزار ہوں۔ زیرِ علاج ہوں ابھی تک، ذرا دم لوں تو صورتِ حال بیان کروں۔ یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مثنویاتِ شوق بھیجوں گا۔ بمبئی کے طویل قیام نے اس سے باز رکھا۔ بمبئی میں چند کتابیں مل گئی تھیں وہ علی گڑھ بھیجی گئیں، آپ کا پتا تو یہاں محفوظ تھا، یوں آپ کو کتاب نہیں بھجوا سکا، اب اپنا وعدہ وفا کر رہا ہوں، خاص کر یوں بھی کہ اب مصنف کی بڑی مشکل قاری کی تلاش ہے۔ پہلے پبلشر کی تلاش ہوتی تھی۔ جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کتاب پڑھنے والا موجود ہے، تو بے اختیار جی چاہتا ہے کتاب بھیجنے کو۔ آپ کو سنجیدہ قاری سمجھتا ہوں، اِس لیے آپ کے پاس کتاب بھیجنا خود میرے لیے وجہِ اطمینان و تسکین ہے۔

ہاں صاحب! ساتھ ہی ایک زحمت بھی دینا چاہتا ہوں۔ میرے قدیم کرم فرما مسعود عالم صاحب علی گڑھ میں ہیں، مگر اُن (کا) پتا میرے پاس نہیں۔ پتا ہو کیسے، وہ خط لکھنے کے قائل نہیں، بس صوفیوں کی طرح دل میں یاد کرنے کے قائل ہیں، اگر آپ دوسری کتاب کو اُن تک پہنچا دیں گے تو میں بہت شکر گزار ہوں گا۔ اِس زحمتِ بے جا کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر میرے پاس اور کوئی وسیلہ تھا نہیں۔ آپ کے خط کی راہ دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۶/ اکتوبر ۲۰۰۲ء

کل ہی ایک خط اور ایک پیکٹ (رجسٹرڈ) بھیج چکا ہوں۔ دو ضروری باتیں بھول گیا تھا، اِس لیے یہ خط لکھ رہا ہوں:

(۱) مسعود عالم صاحب کا پتا اگر آپ بھیج دیں گے تو ممنون ہوں گا (کتاب تو آپ اُن کو دے ہی دیں گے)۔

(۲) بمبئی سے میں نے تین کتابوں کا ایک پیکٹ ایک صاحب کی معرفت بھجوایا تھا، ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے نام۔ اُس میں ایک کتاب ابوالکلام قاسمی صاحب کے لیے بھی تھی اور ایک قاضی صاحب کے لیے۔ صدیقی صاحب کا کوئی خط مجھے نہیں ملا، اب میں حیران ہوں کہ وہ کتابیں کیا ہوئیں۔ اُن کو خط لکھتا، مگر خیال یہ ہے کہ یونی ورسٹی میں موسمِ خزاں کی تعطیلات کا زمانہ ہوگا اور وہ وہاں نہیں ہوں گے، اپنے گھر چلے گئے ہوں گے۔ اگر آپ کی ملاقات قاسمی صاحب سے ہو تو اگر مناسب ہو تو آپ اُن سے پوچھ لیں کتاب پہنچی اُن تک۔ صدیقی صاحب سے حساب کتاب اُس وقت کر سکوں گا جب وہ آئیں گے۔ میں یہ بہت بے جا زحمت دے رہا ہوں، مگر آپ کے حُسنِ اخلاق سے توقع کرتا ہوں کہ آپ بدحظ نہیں ہوں گے اور مجھے معاف فرمائیں گے۔

ہاں بھائی! سحرالبیان کا کام ہو رہا ہے، مگر ایک بات واضح کردوں کہ تدوین کا مقصود صحیح متن کا پیش کرنا ہے متعلقاتِ متن کی ضروری تشریحات کے ساتھ۔ جملہ، لفظوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور لفظ، حرفوں کا مجموعہ؛ اِس لیے ہر لفظ اور ہر حرف کا صحیح طور پر تعیّن مدوّن کی ذمّے داری ہے، مگر تنقیدی مباحث اِس دائرے میں شامل نہیں۔ مدوّن اور ناقد دو مختلف شخص ہوتے ہیں، اِن کے راستے بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور طریقِ کار بھی۔ باغ و بہار ، فسانہ عجائب ، گلزارِ نسیم اور مثنویاتِ شوق ؛ اِن کی ترتیب و تصحیح میں اِس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ سحرالبیان کی قدر و قیمت اور اُس کے محاسن و معائب کا تعیّن آپ حضرات کا کام ہے، یہ میرا منصب نہیں۔ میں خود کو اِس کا اہل بھی نہیں سمجھتا (ضمنی باتوں سے قطعِ نظر)۔ ہاں صحتِ متن کی پوری ذمّے داری میرے اوپر عائد ہوتی ہے اور اُس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا امکان بھر؛ ہاں بشریّت کا خاصہ جو کوتاہیاں ہوسکتی ہیں، اُن کے اعتراف کے ساتھ، وہ تو ہمیشہ رفاقت کا حق ادا کرتی رہیں گی، ہم میں سے کسی کو اُن سے مفر نہیں۔ مجھے قاضی عبدالودود صاحب کا یہ قول یاد ہے: اگر ہم چاہتے ہیں کہ کبھی کوئی غلطی نہ کریں، تو اُس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم کوئی کام نہ کریں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۱۸ر جنوری ۱۹۹۹ء

محبِّ مکرّم! آداب

عید کی مبارک باد کا کارڈ کل ملا، یادآوری اور مبارک باد، دونوں کے لیے شکر گزار ہوں۔ ازراہِ لطف میری طرف سے بھی عید کی پُرخلوص مبارک باد قبول فرمائیے۔

خدا کرے آپ معِ متعلّقین بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۸ر جولائی ۱۹۹۹ء

محبِ مکرّم!

اِس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں، جواب سے محروم رہا۔ میں نے اپنی نئی کتاب تدوین۔ تحقیق۔روایت بھیجی تھی، اُس کی رسید ہنوز نہیں ملی، کیا کتاب آپ تک نہیں پہنچی؟

ڈاکٹر آذرمیدخت کے نام شعبۂ فارسی کے پتے پر پیکٹ بھیجا تھا، اُس میں آپ کے نام کی کتاب بھی تھی۔ نہ اُن کا خط آیا نہ آپ کا، حالاں کہ آپ پابندی سے جواب لکھتے ہیں اور رسید بھیجتے ہیں۔ اگر یہ خط آپ کو مل جائے تو ازراہِ لطف صورتِ حال سے مطلع فرمایئے، ممنون ہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۲۴ر دسمبر ۱۹۹۹ء

مُحبِ مکرّم! آداب

رجسٹرڈ خط ملا۔ اِس عنایت کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ اِس لطفِ خاص کا نقش میں نے اپنے دل پر مرتسم کرلیا ہے۔

پہلے بھی آپ اپنی کرم فرمائیوں میں شامل کر چکے ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ املاے غالبؔ کے سلسلے میں بھی آپ نے ایک تحریر کا عکس فی الفور روانہ کیا تھا۔ وہ بات بھی مجھے بہ خوبی یاد ہے؛ اور اُس سلسلے کا کام مکمل ہوگیا، اِس وقت یہی اطلاع دینا ہے۔ یہ کام تقریباً دوسو صفحوں پر مشتمل ہے۔ اِس میں مرزا صاحب کی صرف دستی تحریروں سے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ خیال ہے کہ ۶، ۷ مہینے میں یہ کتاب چھپ جائے گی اور یہ بھی خیال ہے کہ آپ کو پسند آئے گی۔ کتاب چھپنے کے لیے بھیج دی گئی ہے۔ اور ہاں مزے کی بات یہ ہے کہ اُس تحریر سے (جس کا عکس آپ سے میں نے منگایا تھا) ذرا بھی مدد نہیں ملی۔ آدمی جب ایسے کام بھی کرڈالتا ہے جو اُس کے دائرے کے نہیں ہوتے، تو پھر یہی ہوا کرتا ہے۔

سحرالبیان مکمل ہوچکی کئی مہینے پہلے؛ کب چھپے گی، معلوم نہیں۔ شاید اگلے سال کے آخر تک اُس کا نمبر آسکے۔ ناشرین کی اپنی مشکلیں ہیں اور اپنی مجبوریاں ہیں۔

ہاں، مثنویاتِ شوق کا کراچی اڈیشن چھپ کر آگیا ہے۔ آج کل ٹھگوں کی زبان پر کام کررہا ہوں۔ اُن کی زبان کا ایک مکمل لغت مرتب کررہا ہوں۔ اِس کام کی ضرورت یوں ہے کہ یہ "فن" اب کچھ ادیبوں کے ہاتھوں بڑا بے وقعت ہورہا ہے۔ اُس روایت کی توسیع تو کیا ہوتی، اُس کے جو آداب اور اصول اُن بے پڑھوں نے مرتب کرلیے تھے اور جن کی سختی کے ساتھ پابندی

کی جاتی تھی، اِن نئے ٹھگوں کو اُس کی توفیق نہیں، بس ٹھگی کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اِس کتاب کا انتساب بھی اِنھی ادبی ٹھگوں کے نام ہوگا (جب مکمّل ہوگئی)۔

یہ کارِ ثواب ہے ایک طرح سے اور اِس سلسلے میں ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کرنل سلیمن جسے انسدادِ ٹھگی کا انچارج بنایا گیا تھا، اُس نے اِس فن پر ایک کتاب لکھی ہے انگریزی میں، اُس کا نام ہندستانی رکھا، ٹھگوں کی ایک اصطلاح کو نام بنالیا۔ نام ہے:

Ramseeana (رامسیانہ)

مجھے اِس کتاب کی بہت ضرورت ہے یہ وہاں اگر ہو تو بڑا کام ہوجائے .... گئی ہیں اور حیدرآباد سے اصل خطّی نسخے کا عکس بھی آگیا ہے۔ کراچی میں ایک کتاب ہے اس کی اطلاع مشفق خواجہ صاحب نے دی ہے، اُن کو خط لکھ رہا ہوں، وہ بھی آجائے گی (یعنی عکس) اگر علی گڑھ میں سلیمن والی کتاب مل جائے تو کیا کہنا! آپ کہیں گے کہ اِنھوں نے تو گھر دیکھ لیا ہے! مگر آپ ہی بتائیے کہ اور کس سے کہوں۔ چوں کہ آپ سُن لیتے ہیں، اِس لیے زحمت دینے کی ہمت پڑتی ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

سلیمن کی کتاب غالباً ۱۸۳۶ء میں چھپی تھی۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۳۱ر جنوری ۲۰۰۰ء

مُحبِ مکرّم!

عنایت نامہ ملا، شکر گزار ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔ اب کے سردی اتنی شدید پڑی تھی چند روز، کہ میں بھی کئی دن تک صاحبِ فراش رہا۔

آپ کے خط میں یہ، مژدۂ ناگاہ بھی تھا کہ ٹھگوں سے مماثل کسی گروہ سے متعلق بھی آپ کچھ بھیجیں گے۔ چشم براہ ہوں۔

میں نے رمسیانا کو پاکستان اور ہندستان میں تلاش کرایا، کہیں پتا نشان نہیں ملا۔ اب بس انڈیا آفس ہی ایک جگہ رہ گئی ہے۔ توقّع کرتا ہوں کہ وہاں یہ کتاب ضرور ہوگی (یا ہونا چاہیے)۔ ہاں اِس سلسلے کی ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ سلیمن نے اپنی اِس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرایا تھا اپنے منشی خاص علی اکبر الٰہ آبادی سے، جنھوں نے مصطلحاتِ ٹھگی کو مرتب کیا تھا۔ مجھے تو اِس ترجمے کا علم تھا نہیں۔ ایک کرم فرمانے اِس سے مطلّع کیا اور پھر لندن سے اِس کا عکس بھی بھیج دیا۔

اِس طرح رمسیانا کا ضمنی بدل تو مل گیا اور میں نے کام بھی شروع کر دیا؛ مگر اصولِ تحقیق کے مطابق یہ ثانوی ماخذ ہے، یوں اصل کتاب کی تلاش ضروری ہے اور ملنے پر سارے مندرجات کا اُس سے ازسرِ نو مقابلہ کیا جائے گا۔ اِس بازیافت میں آپ کی سعی و کاوش کا حصّہ سب سے زیادہ ہوگا۔ چند صفحات کا عکس بھیج رہا ہوں، اِن سے آپ کو متن کے طریقِ کار کا اندازہ ضرور ہو جائے گا۔ مفصل مباحث مقدّمے میں آئیں گے لیکن میرا دائرہ صرف زبان تک محدود رہے گا۔ ٹھگی کا تاریخی مطالعہ میرے دائرے سے باہر کی چیز ہے، وہ الگ ایک موضوع ہے۔ اِس متن میں بڑی دل چسپ باتیں سامنے آئی ہیں، مثلاً یہ بات کہ دیوی کی بھینٹ میں کسی عیب دار شخص کو پیش نہیں کیا جا سکتا (یہ قربانی کا تصوّر ہوا) اور اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ شیڈول کاسٹ والوں پر ٹھگی نہیں ہو سکتی، یوں کہ دیوی اُس بھینٹ کو قبول نہیں کرے گی۔ وہی برہمن کا طلسم۔ غرض کہ بے حد دل چسپ رسموں کا احوال سامنے آئے گا۔

میں آپ کی صحت اور عافیت کے لیے دعا گو ہوں اور متمنّی۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۲؍اپریل ۲۰۰۰ء

مُحبِ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا۔ میں مہینا بھر سے زیادہ باہر رہا۔ حیدر آباد گیا تھا، پھر بمبئی جانا ہوا۔ اب واپسی ہوئی ہے۔ آپ کے التفاتِ خاص کے لیے ممنون ہوں۔ ایک کرم فرما نے مطلع کیا کہ سلیمن کی مطلوبہ کتاب دہلی کی انڈیا انٹرنیشنل سنٹر کی لائبریری میں ہے اور یہ کہ وہ اُس کا عکس بھیج رہے ہیں۔ اِس طرح اب اُس کتاب کے حصول کا معاملہ باقی نہیں رہا۔ آپ نے جس تعلّقِ خاطر کے ساتھ اِس سلسلے میں کاوش کی، اُس کے لیے منّت پذیر ہوں۔

ہاں، پنڈاریوں سے متعلق اصطلاحات کا ذخیرہ مل سکے تو خوب ہو، کہ اُس سے تقابلی مطالعے میں مدد ملے گی۔ خدا کرے آپ کے اُن کے کرم فرما کا نیا پتا آپ کو معلوم ہو سکے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

ہاں مکان نمبر میونسپلٹی والوں نے بدل دیا ہے۔ نیا نمبر 22 ہے۔

(۱۲)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۳۱؍مارچ ۲۰۰۱ء

مُحبِ مکرّم! سلام

بہ عافیت واپس پہنچ گیا۔ آپ نے جس تعلقِ خاطر کے ساتھ مہمان نوازی کی، اُس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس لطفِ خاص کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا اور یہ رابطہ برقرار رہے گا۔

یہ میری بدحواسی ہے کہ میں نام بھول گیا ہوں، ثاقب صاحب یا شہاب الدّین صاحب؛ کیا نام تھا، صحیح طور پر ذہن میں نہیں آرہا ہے۔ آپ کے شعبے کے رفیق اور میرے کرم فرما، جنھوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق ہر ممکن آرام پہنچانے کی کوشش کی، ساتھ رہے اسٹیشن تک، اُن کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اگلے خط میں اُن کا نام ضرور لکھ دیجیے گا۔ فی الوقت آپ میری طرف سے شکریہ ادا کیجیے۔

اب دوسری بات: کلّیاتِ جعفر زٹلی کا نمبر 687 (یونی ورسٹی اردو) ہے۔ سالِ کتابت: ۱۲۱۱ھ۔ کاتب کا نام: عبداللہ۔ اب میں آپ کی زحمت فرمائی کا منتظر رہوں گا۔ آپ کی مدد کے بغیر جعفر والا کام مکمل نہیں کرسکتا، اِس لیے آپ کی خصوصی توجہ درکار ہے۔

مشفق خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ وہ املاے غالب (کراچی اڈیشن) کا ایک نسخہ آپ کو بھیج رہے ہیں۔

آپ کے التفات کا طلب گار

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر اصغر عباس

شاہ جہان پور

۱۷؍جنوری ۲۰۰۲ء

مُحبِ مکرّم! آداب

دیوانِ جعفر زٹلی نسخۂ کلکتہ کا عکس کئی دن پہلے ملا تھا۔ ملتے ہی چار دن تک فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ گھنٹی بجتی تھی، اور بس۔ پھر میں نے مسعود عالم صاحب کو فون کیا اور یہ درخواست کی کہ اُس عکس کے مل جانے کی اطلاع کسی طرح آپ تک پہنچا دیں۔ توقع کرتا ہوں کہ

اُنھوں نے آپ کو مطلع کر دیا ہوگا۔

میں بے حد احسان مند ہوں کہ آپ نے معلوم نہیں کس طرح اِس عکس کو حاصل کر لیا۔ اِس زحمت کے لیے شکر گزار ہوں، میں تو اِس کی طرف سے ناامید ہو چکا تھا۔ یہ بڑا کام ہو گیا۔ کلامِ جعفؔر کے دو اہم نسخوں کا عکس آپ ہی کی وساطت سے ملا ہے۔ اگر آپ اِس زحمت کو گوارا نہ کرتے تو میں کلامِ جعفؔر کی تدوین کے کام کا خیال ہی چھوڑ دیتا۔ اِس کام کی تکمیل میں آپ نے جو مدد کی ہے، اُس کے لیے ممنون ہوں۔

ایک بات کہنا چاہتا ہوں، مگر ہمت ساتھ نہیں دیتی۔ دبی زبان سے یہ کہنا چاہتا ہوں (بہ شرطے کہ آپ ناراض نہ ہوں) کہ آپ کے خلوصِ بے پایاں کے اعتراف کے ساتھ یہ بھی تو ایک پہلو ہے کہ اِن دونوں نسخوں کی عکس بندی وغیرہ میں آپ زیرِ بار ضرور ہوئے ہوں گے۔ اگر آپ اِسے ادب آداب کے خلاف نہ سمجھیں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اِس پہلو کی نوعیت کیا ہے اور کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ آپ کے کرمِ بے پایاں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اِس پہلو میں میری شرکت گوارا کر لی جائے۔

میں کلامِ جعفؔر کی تدوین کا کام اگلے ہفتے سے شروع کروں گا۔ فی الوقت کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلدِ اوّل) کی پروف پڑھ رہا ہوں۔ یہ لغت تین جلدوں میں مرتّب ہوگا، جس کی پہلی جلد مکمل ہو چکی ہے اور پریس جانے کے مراحل میں ہے۔ اور ہاں ٹھگوں کی زبان کے لغت کی تکمیل ہو گئی تھی، اُس کی بھی کمپوزنگ (مشینی کتابت) ہو رہی ہے۔ ایک بار پھر احسان مندی کا اعتراف کرتا ہوں۔ کیا آپ کا فون نمبر بدل گیا ہے؟

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر اصغر عباس
شاہ جہان پور
۲۵؍جون ۲۰۰۲ء

مُحبِ مکرّم! آداب

کتاب کا تحفہ ملا۔ اِس لطفِ خاص کا شکریہ کیسے ادا کر سکوں گا۔ بہت ممنون ہوں اور بے حد شکر گزار۔

میں پہلے (سے) بہتر ہوں، مگر ابھی تک اس قابل نہیں ہو پایا ہوں کہ لکھنا پڑھنا شروع ہو سکے۔ نقاہت بہت ہے۔ اصل میں یہ دوسرا ہارٹ اٹیک تھا۔ پہلا ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا، جب میں دہلی میں تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ دو تین مہینے میں بازیافت ہو سکے گی۔ بیش تر پلنگ پر لیٹا رہتا ہوں۔

مفصل خط پھر لکھوں گا۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور اِسی طرح اپنے نیازمندوں کو یاد رکھیں اور یاد کرتے رہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر اصغر عباس
شاہ جہان پور
۱۲/اپریل ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرّم و محترم!

ایک زمانے کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر زندگی کی توانائی کچھ بڑھ گئی۔ ایسے لمحات میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابھی حال پوچھنے والے موجود ہیں اور زندہ رہنے کی تمنا بڑھ جاتی ہے۔

میری صحت بہت خراب رہنے لگی ہے۔ ڈاکٹر نے گھر سے باہر نکلنے سے سختی کے ساتھ منع کر دیا کہ دل کی رفتار کبھی اچانک بگڑ جایا کرتی ہے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کا قیدی بن کر رہ گیا ہوں۔ بس آپ جیسے مخلصین اور کرم فرماؤں کو یاد کر کے جی خوش کر لیا کرتا ہوں۔ غالبؔ والا کام رُکا ہوا ہے دو مہینے سے۔ ذرا صحت بحال ہو تو اُسے مکمل کروں۔ اسے بہ ہر طور مکمل کر لینا چاہتا ہوں۔

مشفق خواجہ میرے بڑے کرم فرما تھے۔ اُن کے اُٹھ جانے سے پاکستان (سے) تو میرا رابطہ بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ جس کتاب کی کبھی ضرورت ہوئی، کیسی ہی کم یاب اور نایاب ہوئی، اُنھوں نے فراہم کر دی۔ وہ نہ ہوتے (تو) میرے کئی کام محض حوالے کی کتابوں کی وجہ سے رہ جاتے۔ اُن کی یاد بھی بہت آتی ہے۔ بہت سی خوبیاں تھیں اُن میں۔ اب ایسے لوگ شاید ہی کبھی اور کہیں مل سکیں۔

سرسیّد سے متعلق تحریریں ضرور پڑھوں گا۔ عالمِ تنہائی میں بس ایک کتاب ہی تو مونس و غم گسار ہوتی ہے۔ ہاں سردار جعفری سے متعلق غالباً آپ نے کوئی کتاب مرتّب کی تھی، ایسا یاد پڑتا ہے۔ میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ پرسشِ احوال کے لیے بہت ممنون ہوں اور بہت شکر گزار۔ آپ کو یوں بھی بار بار یاد کرتا ہوں کہ آپ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی تو میرے کئی کام ادھورے رہ جاتے۔ جس فراخ دلی کے ساتھ آپ حوالے کی کتابوں کے سلسلے میں میری مدد کرتے رہے ہیں، اُسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ میں اور مشفق خواجہ مرحوم میں یہ فراخ دلی مشترک تھی، اب اُسی کا توڑا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر اصغر عباس[1]

مُحبِ مکرّم! آداب[3]

پیکٹ مل گیا، شکرگزار ہوں۔ میں بھی بیماریوں کی جکڑ بندی میں بے طرح رہا، یوں آپ کو خط نہیں لکھ سکا، معذرت طلب ہوں۔

کتاب دیکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کے پاس زائد وقت بہت ہے۔ خیر، یہ بھی سہی۔ ہاں، انتساب دیکھا آپ نے؟ مصطلحاتِ ٹھگی کی نقل ہے یہ تو۔ اب میں کیا کہوں کہ جو شخص دوسرے کے سرقے پر پوری کتاب لکھ رہا ہے، وہ انتساب کی عبارت اِس طرح لکھے!! بہ ہر طور، مسرّت اِس کی ہے وہ انتساب توجہ طلب ثابت ہوا اور کام آنے والا۔

مرزا حامد بیگ عجیب چیز ہیں۔ بھائی نے ایک مضمون میں (مشمولۂ نقوش) لکھا تھا کہ میر امّن کلکتے سے حیدرآباد بلا لیے گئے تھے ترجمے کا کام کرنے کے لیے۔ خوب ہیں یہ صاحب! غالباً افسانہ نگار بھی ہیں، اور افسانہ نگار تو کچھ بھی لکھ سکتا ہے۔

میں آج کل غالبؔ کے مکمل کلامِ نظم اردو کے الفاظ کا توضیحی اشاریہ مرتب کر رہا ہوں۔ آدھے سے زیادہ کام مکمل ہو چکا ہے۔ دعا کیجیے کہ یہ طول طویل اور اُلجھا ہوا کام مکمل کر سکوں۔ یہ ہندستان کی کسی بھی زبان میں کسی بڑے شاعر کے مکمل کلام کا پہلا توضیحی اشاریہ ہوگا۔

یاد آوری کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ صدّیق جاوید صاحب کو بھی آج ہی خط لکھا ہے، مطمئن رہیے۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں[2]

حواشی:

۱ پتا یوں درج ہے:

Prof. Asghar Abbas
Former Chairman Department of Urdu and
Director, Sir Syed Academy
Aligarh Muslim University,Aligarh

۲ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Prof. Asghar Abbas
Head Department of Urdu
Aligarh Muslim University, Aligarh (U.P)
Pin: 202001

۳ خط کے سرنامے پہ مقام و تاریخ درج نہیں۔ خط کی پشت پہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

★★★

بنام اطہر فاروقی، ڈاکٹر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائرہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی- ۱۱۰۰۰۷
۱۰رجنوری ۱۹۸۶ء

مکرّمی!

آپ کا خط مرقومہ ۲۵ردسمبر ۸۵ء موصول ہوا۔ شکرگزار ہوں۔

مخمور صاحب کے سلسلے میں سمینار یا جلسہ جو بھی ہوگا، میں اُس میں ضرور شرکت کروں گا۔ مگر آپ سے ایک بات کی اجازت چاہتا ہوں: میں نے اب سے دس بارہ سال پہلے مخمور صاحب سے متعلّق ایک مضمون لکھا تھا جو اُسی زمانے میں شاخسار (کٹک) میں شائع ہوا تھا۔ اب یہ تو اچھا نہیں معلوم ہوگا کہ ایک پُرانا اور وہ بھی شائع شدہ مضمون اب پھر پڑھوں، اور اپنی مصروفیات اور آنکھوں کی تکلیف کی بنا پر یہ آسان نہیں کہ کوئی نئی تحریر لکھ سکوں، اِس لیے اجازت دیجیے کہ میں بہ طور ایک سامع کے شریکِ بزم ہوسکوں اور اگر ضرورت ہو تو زبانی کچھ کہہ سکوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ یہ درخواست قبولیت سے محروم نہیں رہے گی، یادفرمائی کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ ایک اچھا کام کرنا چاہتے ہیں، اِس کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اپنے اچھے فن کاروں کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ضروری بھی ہے اور تقاضاے ادب بھی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: اطہر فاروقی
۳۱رمارچ ۱۹۸۸ء

اطہر صاحب!

میں آج دوپہر کی گاڑی سے شاہ جہان پور جارہا ہوں، ۵راپریل کو واپسی ہوگی۔
ایک زحمت یہ دینا چاہتا ہوں کہ شاہد علی خاں اپنے رسالے کتاب نما میں نقوش کی اُس

تقریر کے بعض اجزا چھاپنا چاہتے ہیں؛ میں ممنون ہوں گا اگر نقوش کا وہ شمارہ کسی طرح مجھ تک پہنچ جائے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُس تقریر کی فوٹو کاپی آپ ایک لفافے میں رکھ کر بھیج سکتے ہیں۔ یہ مجھے ۱۵راپریل سے پہلے مل جانا چاہیے۔ میں ۱۵ر کو صبح ۹ بجے جامعہ جاؤں گا۔ اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: اطہر فاروقی

۹راکتوبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

رجسٹرڈ خط ملا۔ ۱۹رستمبر کو یہاں منی آرڈر پہنچا، جس کی اطلاع مجھے یہاں آکر ملی۔

میں ۱۵راکتوبر کو دہلی پہنچوں گا۔ تمھاری تحریر یعنی مرتب کی تحریر ابھی تک یہاں نہیں پہنچی۔ اُسے گائڑ ہال کے پتے پر بھیج دو۔ میری بہو کا آپریشن ۲راکتوبر کو یہاں ہوگیا، آج گھر آگئیں۔ آپریشن کام یاب رہا۔ میں اِسی سلسلے میں مصروف رہا۔ ارجمند کا ہاتھ اب ٹھیک ہوگا اُن سے پوچھو کہ میرے قلموں کا کیا ہوا۔ تم ۱۷ر کو یا ۱۸ر کو یا ۱۹ر کو گائڑ ہال آسکتے ہو؟ تب تک وہاں کے معاملات بھی روبراہ ہو چکے ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: اطہر فاروقی

۵رفروری ۱۹۹۶ء

عزیزم!

بہ عافیت پہنچ گیا، تم نے بہت زحمت اٹھائی، اُس کے لیے بہت سی دعائیں۔ یہاں ابھی جمنے میں اور کام جمانے میں کچھ وقت لگے گا۔ کتابیں سب یوں ہی ہیں، اُن کی ترتیب شاید کچھ دنوں میں ہو سکے گی۔

توقع ہے کہ تم حسبِ قرارداد جامعہ نگر ضرور جاؤ گے۔ ہاتھ پتھر تلے دبا ہے، یوں سنجیدگی، آہستگی اور احتیاط سے کام لینا ہے۔

صدیقی صاحب والی کتاب کا مقدمہ بھی شاہد صاحب سے لے کر تصحیح کے لیے مجھے بھیج دینا۔

ارجمند نے غالباً اپنا مقالہ جمع کر دیا ہوگا۔ خط لکھو۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: اطہر فاروقی
۱۶۷- باڑوزئی دوم،
شاہ جہان پور-242001 یوپی
۹رمئی ۱۹۹۶ء

عزیزم!

خط مل گیا۔ میں ۱۵ راپریل سے ۱۹ رتک دہلی میں رہا، تمھارا پتا نشان معلوم نہیں تھا، کیا کرتا۔ اسلم صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہو سکی۔ ارجمند نے خط لکھا ہی نہیں کبھی، اس لیے انھیں اطلاع کیا کرتا۔ اب مئی میں آنا ممکن نہیں، جون یا جولائی میں ممکن ہو سکے گا، جب انجمن کا سالانہ جلسہ ہوگا۔

میرا جی بہت خوش ہوا تمھارے جواب کو پڑھ کر، یہی کہنا چاہیے تھا کہ اور اسی لہجے میں۔ اُنھوں نے انتہا کر دی ہے غیر معقولیت کی۔ آیندہ بھی اسی انداز کو برقرار رکھنا، جن لوگوں کی تحریریں ہیں اُن سے شرمندگی ہوتی ہے اور تو کوئی خاص بات نہیں۔ تمھاری ڈاکومنٹری بن گئی؟

اگر تم خط لکھتے رہو تو اس میں کچھ ہرج ہے؟ اب جب تم دہلی جاؤ اور اپنی کاوش اور کوشش سے کچھ کر سکو تو شاید وہ کام ہو سکے۔ میں تو خاصا بددل ہو چکا ہوں۔ بہ ہر صورت کام بنے یا نہ بنے، حالات کی اطلاع تو دے ہی سکتے ہو۔ رجسٹری کی ضرورت نہیں، سادہ خط لکھو اور آخر میں (اودھ) کیوں لکھا؟ کیا یہ چاہتے ہو کہ خط یہاں نہ پہنچے۔ اودھ تو لکھنؤ اور فیض آباد کا علاقہ ہوا۔ پتا خط کے اوپری، یعنی باہر حصے میں لکھا ہوا ہے، وہی کافی ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۱۷رمئی ۱۹۹۶ء

عزیزم!

تمھارے خط کے جواب میں نے تمھارے لکھنے کے مطابق سکندرآباد کے پتے پر خط لکھا تھا۔ اُس کے بعد سے تمھارا خط نہیں آیا۔

مجھے زیادہ فکر ارجمند کے کام کی ہے۔ وہاں کا احوال بھی کچھ معلوم نہیں۔ تم یہ لکھو کہ اُس کا کیا ہورہا ہے۔ اسلم صاحب غالباً دہلی میں موجود نہیں، یوں کہ اُن کے پاس سے خط کا جواب نہیں آیا۔ خط فوری طور پر لکھو اور مفصل۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: اطہر فاروقی

یکم جون ۱۹۹۶ء

عزیزم!

دونوں رجسٹرڈ خط ملے۔ آیندہ رجسٹری سے خط بھیجنے کی ضرورت نہیں، یہاں میری ڈاک بہ حفاظت آجاتی ہے۔

بمبئی والا خط ملا تھا، اُس میں تم نے لکھا تھا کہ جواب سکندرآباد کے پتے پر لکھا جائے، اُسی کے مطابق سکندرآباد کے پتے پر جواب بھیجا تھا اب اگر تم کو وہ نہیں ملا تو اِس کی ذمّے داری تم پر ہے۔ اب تم نے لکھا ہے کہ ہوسٹل کے پتے پر خط لکھوں، سو اُسی کے مطابق یہ خط بھیج رہا ہوں۔

تمھاری محنت اور کاوش اور دوا دوش برحق، مگر موسم اِس قدر نامعقول ہے کہ میں سفر کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ جولائی میں میں اُدھر آؤں گا۔ ارجمند سے متعلق کاغذات ۲۵ رمئی کو یہاں آئے تھے۔ ہفتہ دس دن میں متعلقہ کاغذ بھیج دوں گا، شاید ۱۵ رجون تک۔ چھپا ہوا فارم منسلک ہے، اُسی کو بھر کر بھیج دوں گا۔ الگ سے کچھ لکھنا فی الوقت نہ ضروری ہے اور نہ اُس کی فرصت ہے۔ میں ایک کتاب کا مقدّمہ لکھنے میں بے طرح مصروف ہوں۔ جولائی میں آنے سے پہلے مطّلع کردوں گا۔ جولائی کے پہلے ہفتے میں شاید آؤں گا یعنی ۱۰ رجولائی تک کسی تاریخ کو۔ دراصل انجمن کے جلسے کا انتظار ہے، چاہتا یہ ہوں کہ دوبار سفر نہ کرنا پڑے۔

فوری طور پر یہ لکھو کہ اسلم پرویز صاحب کیا دہلی سے باہر ہیں؟ دوسرے یہ کہ یونی ورسٹی باضابطہ کس تاریخ کو کھلے گی۔

ارجمند کا خط بھی ملا۔ اُن سے کہو کہ جب میں وہاں آؤں گا اور اُن سے ملاقات کی کوئی صورت نکلی تو زبانی اُن کے سوالات کا جواب دیا جاسکے گا؛ تحریر میں ساری باتیں سما نہیں پائیں گی۔ اسلم صاحب کو خط لکھا تھا، جواب ندارد، یوں پوچھ رہا ہوں۔

تم مجھ سے بہت زیادہ سمجھ دار، فعّال اور معاملہ فہم ہو۔ جو کروگے وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ جو مناسب سمجھو وہ کرو۔ میں اب اُدھر سے خاصا بے تعلّق سا ہوگیا ہوں اور پھر وہ مثل بھی تو ہے: آنکھ

اوجھل پہاڑ اوجھل۔

کیا تم نے کتاب نما میں مجتبیٰ حسین کا مضمون پڑھا تھا، اب پڑھ لینا، اپریل کے شمارے میں، بل کہ وہ شمارہ ارجمند کو دے دینا کہ بہ حفاظت رہے۔ اِس خط کا جواب فوراً لکھو۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۹ر جولائی ۱۹۹۶ء

عزیزم!

تم سکندر آباد پہنچ چکے ہوگے اور ڈاک کا نظام درست ہو چکا ہوگا۔ میں جمعے کے دن، یعنی ۱۹ر جولائی کو شام کو دہلی پہنچوں گا، قیام وہیں گا رہال میں رہے گا۔ ۲۱ر کو انجمن میں میٹنگ ہے۔ ۲۲ر کی صبح کو یعنی پیر کے دن اودھ آسام سے واپسی ہوگی۔ یوں تو تمھارا آنا کچھ ضروری نہیں، لیکن میں چاہتا تھا کہ دیوانِ بیاں کے دو نسخے ساتھ لیتا آؤں۔ باقی پھر یوں کہ معلوم نہیں پھر کیا ہو، کب آنا ہو۔ نقل کا کام تو مکمل ہو ہی جائے۔ اس لیے اگر تم یا ارجمند یا دونوں سنیچر کو یا اتوار کو آجاؤ تو تم کو دے دوں۔ سنیچر کو جامعہ اردو کا جلسہ ہے انجمن میں، یوں اُدھر نہیں جاؤں گا۔ البتہ ۹ بجے میں نظام الدّین ممتاز مرزا صاحب کے یہاں جاؤں گا۔ پھر دوپہر تک وہیں رہوں گا۔ ۲۱ر کو انجمن میں ہوں گا ۲ بجے تک، پھر نظام الدّین چلا جاؤں گا۔ آجاؤ تو اچھا ہی ہو۔ پیسوں کا خرچ تو ہے، مگر اور کوئی صورت بھی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۳ر اگست ۱۹۹۶ء

عزیزم!

خط مل گیا تھا۔ میرے پاس کوئی خط نہیں آیا، یوں میں کیا لکھتا۔ ایک اور معاملے پر خط لکھا تھا۔ تم ہی اُس مسئلے کو حل کر سکتے ہو تقاضوں کے بل پر بل کہ دھرنا دے کر دو تین دن بیٹھنا ہوگا وہاں۔ مجھے کچھ نہیں دیکھنا ہے، وہ میرا نام محض مزید تاخیر کے جواز کے لیے لے لیتے ہیں، اُسے

سنجیدگی سے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اُن لو اردو کی اِس مثل سے واقفیت ہے: آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل۔ تم بمبئی سے واپس آ کر اور ذرا دم لے کر اِس اُلجھن کو سلجھانے کی تدبیر کرو۔ میں ۲۲؍ستمبر سے ۳۰؍اکتوبر تک بمبئی میں رہوں گا۔ میرا پتا ہوگا:

C/o Mr. Bhooshan Kumar

(ابھی شیک) B-4-Abhishek, 2nd Cross

(لوکھنڈ والا) Lokhaṇd wala, Andheri (W)

Mumbay-400058

فون بھی ہے وہاں: 6261966

رات میں ۹ بجے یا اُس کے بعد ساڑھے نو تک بل کہ دس بجے رات میں پیسے چوتھائی پڑتے ہیں۔ اور دن میں اِدھر اُدھر جانے کا بھی جھگڑا ہو سکتا ہے۔

ارجمند کا خط آیا۔ شمہ بھر کام انھوں نے نہیں کیا ہے اب تک، جی کیا خاک خوش ہوگا۔ اُن کو تمھارا ہی کام کرنے سے فرصت نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالمِ خیال میں بھی تمھاری کلرکی کرتی رہتی ہیں۔ ڈانٹوں گا تو رونی صورت بن جائے گی۔ معلوم نہیں یہ پہاڑ کیسے کٹے گا اور دودھ کی نہر کیسے نکلے گی۔ تمھاری طرح باتوں میں بہلانے کا سلیقہ تو آتا ہی ہے، یوں سمجھتی ہے کہ نجات ہو جائے گی۔ اگر کچھ دن اور یہی احوال رہا تو میں اُن سے قطعی طور پر توقع منقطع کرلوں گا اور صبر کرلوں گا۔ اُن میں بھی تمھارے انداز آ گئے ہیں سب، ساری ادائیں وہی ہیں۔

خط فوراً لکھو تاکہ بمبئی جانے سے پہلے مل جائے۔ ۷؍ستمبر کو علی گڑھ جانا ہے، خلیق انجم صاحب کی مہربانی یا ستم ظریفی کی بدولت۔ تمھارا بمبئی کا کام تو مکمل ہو گیا ہوگا! خط لکھو۔

رشید حسن خاں

معلوم نہیں اُنھوں نے دیوانِ بیاںؔ کا عکس بنوایا یا نہیں۔ اُس کا سب سے اہم خطی نسخہ میرے ہی پاس ہے ابھی، اُس کا بھی عکس بنانا تھا، جب وہی کام نہیں ہوا اب تک تو نئے نسخے کو کس طرح بھیجوں۔ اُسے نکال کر رکھا تھا۔ دوبارہ الماری میں بند کر دیا۔ تم دونوں واقعی یک جان دو قالب ہو۔

(۱۰)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۱۴؍اگست ۱۹۹۶ء

عزیزم!

خط ملا (تاریخ ندارد حسبِ معمول)۔ میں ۲۰ دن کے بعد بمبئی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں تمھارا انتظار کرتا رہا۔ اختر الایمان مرحوم کے یہاں جانا تھا۔ میں ٹھیک ہوں۔ ارجمند کا کوئی خط نہیں آیا۔ اب تم بمبئی سے واپسی پر دہلی کا ایک پھیرا ضرور کرلینا۔ جانے سے پہلے اُن کو خط ضرور لکھ دینا۔ میں اکتوبر میں پھر بمبئی جاؤں گا۔ خط برابر لکھتے رہو۔

رشید حسن خاں

تم نے تو یہ کہا تھا کہ ۷راگست کو بمبئی میں ہوگے۔ میں نے اسی لحاظ سے اپنا پروگرام بنایا تھا۔ معلوم کرتا رہا گیسٹ ہاؤس میں، سارا پروگرام اس وجہ سے بگڑ گیا۔ شاید میری یادداشت نے دھوکا دیا یا تمھی نے پروگرام بدل دیا۔

(۱۱)

بنام: اطہر فاروقی

بمبئی

۱۱راکتوبر ۱۹۹۶ء

عزیزم!

میں بمبئی سے ۲۴راکتوبر کو راجدھانی سے چلوں گا اور ۲۵راکتوبر کو صبح نئی دہلی پہنچوں گا۔ ارجمند کا خط ملا تھا، میں نے اُن کو جواب لکھ دیا ہے، مگر ہوسٹل کے روم نمبر کے متعلق شک ہوگیا کہ میں نے غلط لکھا ہے یا صحیح؛ اِس لیے یہ خط تم کو لکھ رہا ہوں کہ احتیاطاً تم ارجمند کو میرے پروگرام سے مطلع کردو۔ پہلے میرا ارادہ ۳۱راکتوبر کو چلنے کا تھا اور یہی میں نے ارجمند کو بھی پہلے خط میں لکھا تھا۔ اب میں ۲۴رکو چلوں گا۔

ارجمند سے کہو کہ وہ (26-10) ۲۶راکتوبر کو سنیچر کے دن صبح گارڈ ہال آجائیں ساڑھے نو بجے تک۔ اگر تم اُس دن وہاں ہو تو تم بھی اُن کے ساتھ ہی آجاؤ۔ میں ۲۷راکتوبر کو اتوار کے دن صبح اودھ آسام اکسپریس سے شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوجاؤں گا۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

خط پوسٹ کرنے جارہا تھا کہ رجسٹری ملی۔ جو کچھ لکھا گیا ہے، مناسب ہے۔ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ البتہ ص ۷ پر اردو کی پہلی اور دوسری سطر "چوں کہ دیوان ...... پیدا نہیں ہوتا ہے" شامل نہ ہو تو اچھا ہو، بل کہ اس کا شامل ہونا غیر مناسب ہوگا۔ فہرست میں دیوانِ بیانؔ کے ایک بہت اچھے خطی نسخے کا اضافہ کردیا جائے۔ اِس نسخے کے وجود سے اب تک کوئی باخبر نہیں۔ یہ غالباً

بیانؔ کے زمانے کا مکتوبہ ہے اور میرے پاس ہے۔ اِس خط کی رسید بھیجو۔

(۱۲)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۲۹ر نومبر ۱۹۹۶ء

عزیزم!

رجسٹر خط ملا، جس پر تاریخِ تحریر نہیں تھی، معلوم نہیں ہوتا کہ تم نے کب بھیجا تھا۔ سادہ خط بھیجا کرو، یہاں میری ڈاک بہت حفاظت سے آتی ہے۔ محض تمھاری تقلید میں یہ خط رجسٹر بھیج رہا ہوں، مگر صرف اِس بار۔

علی گڑھ کا کیٹلاگ تو شائع ہوا نہیں، اِس لیے اُس مخطوطے کا نمبر مجھے معلوم نہیں۔ دیوانِ بیانؔ مطبوعہ کے مقدّمے میں اُس کا حوالہ ہے۔ ۱۹ر، ۲۰ر کو میں علی گڑھ میں تھا۔ سحر البیان کے ایک خطی نسخے کا عکس بہ مشکل حاصل کرسکا۔

میں نے مشفق خواجہ کو دو خط لکھے اُن میں دونوں نسخوں کے لیے، مگر اُنھوں نے خطوں کا جواب ہی نہیں دیا معلوم نہیں کیوں، لیکن میرا خیال ہے کہ اِس بار وہ مدد نہیں کرنا چاہتے۔ اگر شاہد صاحب کے واسطے سے یہ کام ہوسکے تو میرا بڑا کام بن جائے گا، کیوں کہ میں اُن دونوں نسخوں سے کسی اور طرح استفادہ نہیں کرسکتا۔ اُن کے نمبر لکھتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ نیشنل میوزیم والے آسانی سے عکس نہیں دیتے، بہت پیچھا لینا ہوگا۔ بہ ہر حال، وہ کوشش کرلیں یہ میری سب سے بڑی مدد ہوگی۔

قومی عجائب گھر کراچی

(۱) سحر البیان، اردو نظم، مصنف: میر حسن، قلمی نسخہ
نمبر: 974/1،1957۔ کل ورق: ۹۵
تاریخِ کتابت: ۲۸ر جمادی الاول ۱۲۱۴ھ۔ یہ باتصویر ہے۔

(۲) نسخۂ کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی (جواب نیشنل میوزیم میں محفوظ ہے)
نمبر: قا414/3، ورق: ۳۸۔ تاریخِ کتابت: ۷ر ذی الحجہ ۱۲۰۹ھ

(نوٹ: انجمن ترقی اردو کراچی کے سارے خطی نسخے نیشنل میوزیم میں محفوظ کردیے گئے ہیں)۔ اس کا ایک نسخہ معروف شاعر صباؔ اکبر آبادی کے پاس تھا۔ وہ تو مر گئے۔ اب اُن کے خاندان میں ہوگا۔ اب یہ، کیسے لکھوں کہ شاہد میاں ایک بار وہاں بھی کوشش کرکے دیکھ لیں۔ صباؔ اکبر آبادی سے وہ ضرور

واقف ہوں گے۔ معروف استاد تھے۔ اُن کے گھر کا پتا تھا:

اے-۲/۳۷/۲، ناظم آباد، کراچی-۱۸

مگر اصل نسخے نیشنل میوزیم والے ہیں۔ اُن دونوں کا عکس مل جائے تو میرا کام بن جائے گا۔ اُن کے حصول کی کوئی اور صورت نظر آتی نہیں۔

میں ۴ر دسمبر کو دہلی جاؤں گا۔ ارجمند کو کہلا بھیجا ہے کہ وہ ۵ر دسمبر کو انجمن میں آجائیں۔ نسخۂ دیوانِ بیاںؔ، جو مذہّب و مطلّا ہے، ساتھ لیتا جاؤں گا اور اُن کے حوالے کردوں گا۔ اِس نسخے کو میں نے بچا کر اور چھپا کر رکھا تھا۔ نادر نسخہ ہے۔

تمھاری پریشانی کو جو ذہنی بھی ہے اور عملی بھی، خوب سمجھ سکتا ہوں۔ میں بھی اس دور سے گزرا ہوں۔ آپ بیتی کسے یاد نہیں آتی۔ عبدالسلام کا مرنا بڑا حادثہ ہے، خاص کر تمھارے لیے۔ مگر مجھے ایک بات معلوم ہے کہ تم اِس قدر سخت جان ہو (میری طرح) اور اِس قدر فعّال ہو کہ کچھ نہ کچھ ضرور رہو رہے گا۔ میں تمھارے لیے بہت کچھ سوچتا ہوں، بس سوچتا ہوں، عملی طور پر کچھ نہیں کرسکتا۔ علامہ اقبالؔ جس طوائف پر مرتے تھے، اُس کے نائکہ نے غلام قادر گرامیؔ سے کہا تھا کہ ارے صاحب! آپ کے شاعر کے پاس ہے کیا، دو ردیفیں اور چار قافیے، اس سے میرا کیا بھلا ہوگا۔ وہی میرا حال ہے کہ صرف لفظ ہیں۔ میں ۴ر دسمبر کے بعد ۲۰ر دسمبر کو دہلی پھر جاؤں گا۔ ۲۴ر تک تو ضرور رہوں گا۔ غالبؔ سمینار ہے ۲۳ر دسمبر سے، اور اُس سے پہلے انجمن میں جامعہ اردو کی ایک کمیٹی کی میٹنگ ہے ۲۱ر اور ۲۲ر کو۔ تم آجاؤ تو خوب ہو، اگر بہ آسانی ممکن ہو، کسی بھی دن ان پانچ دنوں میں سے۔ باقی تسلّی کی باتیں زبانی ہوں گی۔

رشید حسن خاں

ہاں سحرالبیان کا جو دوسرا نسخہ ہے، یہ اصلاً انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں تھا۔ جب وہاں کے مخطوطات نیشنل میوزیم میں جمع کرادیے گئے (صدر پاکستان کے حکم سے) تو یہ نسخہ بھی نیشنل میوزیم میں پہنچ گیا۔ اب یہ وہیں ہے اور انجمن کے ذخیرۂ مخطوطات کے سکشن میں ہوگا۔

(۱۳)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۲۰ر اپریل ۱۹۹۸ء

عزیزم!

مجھے وہاں کا احوال کچھ نہیں معلوم کہ صورتِ حال کیا ہے۔ خدا کرے سب بہ خیر ہو۔ ارجمند

نے بینک ڈرافٹ بھیجا تھا، مگر یہاں بینک نے اُسے واپس کردیا، کیوں کہ اُس میں بہار اسٹیٹ کے شاہ جہان پور کے بینک کا کوڈ نمبر درج تھا۔ ارجمند نے شاہ جہان پور کے ساتھ (یوپی) نہیں لکھا ہوگا۔ پن کوڈ بھی نہیں لکھا ہوگا۔ خیر، میں نے اُسی دن رجسٹری سے اُسے ارجمند کے نام J.N.U. کے پتے پر واپس کردیا کہ اُس کا بینک کوڈ نمبر بدلوا کے بھیج دیں۔ لفافے میں اگلے تین مہینوں کے چک بھی رکھ دیے کہ وہ آیندہ ہر ماہ بروقت مجھے ڈرافٹ بنوا کر بھیجتی رہیں۔ آج ۲۰/تاریخ ہے اور اب تک ارجمند کا لفافہ نہیں آیا۔ اس سے مجھے تشویش ہے۔ یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ دہلی میں ہیں نہیں۔ اب تم ذرا جا کر دیکھ لو کہ کیا بات ہے۔ اگر سکندر آباد کسی وجہ سے اُن کا کچھ دنوں تک رُکنا ضروری ہو تو تم دن بھر کے لیے اُن کے ساتھ دہلی چلے جاؤ اور وہ ڈرافٹ مجھے بھیج دو۔ ورنہ مجھے کچھ مشکل ہوگی۔ اب بھی مشکل ہے۔ احتیاطاً اس خط کو رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: اطہر فاروقی
بمبئی
۱۳/ستمبر ۱۹۹۸ء

عزیزم اطہر!

کل تمھارا خط ملا، کل میں سارا دن ڈاکٹروں کے پھیر میں رہا۔ پہلے ریڈیو گرافی ٹسٹ ہوا ۲/ستمبر کو، پھر سی ٹی اسکین ٹسٹ ہوا ۷/کو، پھر خون کے تین مختلف ٹسٹ ہوئے، ان میں چار ہزار روپے لگ گئے۔ ابھی ایک ٹسٹ اور باقی ہے وہ کل ہوگا، یہ بھی خاصا مہنگا ہے۔ تب ڈاکٹر صاحبان کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔

میں نے کل ہی ارجمند کے نام رجسٹری سے لفافہ بھیجا ہے، اُس میں اپنا پروگرام لکھ دیا ہے۔ تم ۲۷/ستمبر کو صبح ساڑھے نو بجے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر آجانا، ارجمند کو بھی لیتے آنا۔ میں کاشی سے روانہ ہو جاؤں گا۔

تمھارے گھر کا احوال معلوم کر کے سخت کوفت ہوئی اور بہت قلق۔ اصل میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب میری اور تمھاری سخت جانی کا امتحان ہے، اور مجھے یقین ہے کہ آخرکار ہم دونوں سرخرو ہو کر نکلیں گے۔ تمھاری پریشانیوں کا اندازہ بہ خوبی کرسکتا ہوں، مگر یہی تو یومِ حساب ہے اور امتحان کی گھڑی، اِسی میں تو یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم نہ ہمّت ہاریں گے اور نہ اپنا راستہ چھوڑیں گے اور یہ

جتنے والد الحیض اور نطفہ دو پہری ہیں، یہ سب کچی پینڈی والے ثابت ہوں گے اور دِن ٹونٹی کے بدھنے۔ چاے خرید لینا اور آدھا کلو عمدہ ٹافیاں بھی (اس کے پیسے میں وہاں آکر دوں گا) بچّے راہ دیکھ رہے ہوں گے۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: پچھلی دفعہ تم نے ایک پیکٹ دیا تھا جس میں لال پیلے ہرے کلپ تھے، بہت کام آئے اگر مل جائے تو ویسا ایک پیکٹ اور لے لینا۔

(۱۵)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۲۴/اکتوبر ۱۹۹۸ء

عزیزم!

صرف یہ اطلاع دینا ہے کہ میرا فون نمبر بدل گیا ہے۔ نیا نمبر یہ ہے: 27802۔ اشفاق خاں صاحب کو بھی مطلع کر دینا اور انجمن میں باری صاحب اور خلیق انجم صاحب کو بھی۔ معلوم نہیں تم ہو کہاں، خدا کرے یہ خط تم کو بروقت مل جائے۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۲۶/اکتوبر ۱۹۹۸ء

عزیزم!

ابھی رجسٹری ملی۔ جیتے رہو اور خوش رہو اور پریشان نہ رہو! میں پرسوں ایک خط لکھ چکا ہوں سکندر آباد کے پتے پر، اُس میں نیا فون نمبر لکھا تھا۔ تمھارے جانے کے بعد اس علاقے کے نمبر بدل گئے۔ احتیاطاً دوبارہ لکھتا ہوں۔ نیا فون نمبر: 27802۔ ارجمند کے خط کا انتظار ہے۔ کیا تم دہلی گئے تھے؟

لفافے میں تمھارا خط نہیں تھا، اِس سے میں نے یہ خیال کیا کہ تم پہلے علی گڑھ گئے، دہلی اب جاؤ گے۔ پورا حال لکھو۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۱۵؍دسمبر ۱۹۹۸ء

عزیزم!

تمھارے جانے کے بعد میں نے یہ خیال کیا کہ چک کا واپس ہو جانا نہ مناسب ہوگا اور نہ معقول۔ اس لیے میں نے یہ کیا کہ پیر کے دن ۱۰ بجے بینک جا کر تین ہزار روپے جمع کر دیے اور کلرک کو سمجھا بھی دیا۔ اب وہ چک واپس نہیں ہوگا۔ ارجمند سے کہنا کہ وہ اب اِس مہینے مجھے چھے ہزار کا ڈرافٹ بھیجیں اور اب کے ذرا جلدی بھیجیں۔ اِس لفافے میں چار چک اور رکھ رہا ہوں، اب یہ جون تک کے لیے ہو جائیں گے۔

ارجمند سے کہو کہ مجھے خط لکھیں، اپنا سکندر آباد کا پتا لکھیں اور وہاں کا فون نمبر بھی۔

تم الگ سے خط لکھو کہ ترقی اردو بورڈ میں کیا ہوا، اور یہ بھی کہ جامعہ کا کام ابھی کر رہے ہو اور سب معاملات وہاں ٹھیک ہیں، یعنی جس حد تک ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ احتیاطاً یہ خط رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۲۵؍مارچ ۱۹۹۹ء

عزیزم اطہر!

دو خط ارجمند کے پتے پر لکھے تمھارے حالات معلوم کرنے کے لیے، ایک کا جواب نہیں ملا۔ لکھا کہ فون پر بات کرلو، کچھ نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صورتِ حال کیا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ فکر تمھاری طرف سے ہے، کیوں کہ حالات کا مجھے بالکل علم نہیں۔ معلوم نہیں تم نے کیا کیا اور وہاں تمھارے لیے کیا ہوا یا ہو رہا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں، فوراً خط لکھو۔ ارجمند کو بھی آج ہی تیسرا خط لکھا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۲۹؍جون ۱۹۹۹ء

عزیزم!

رجسٹرڈ لفافہ ملا تھا، جس میں ڈرافٹ تھا۔ اُس میں جس مفصل خط کا وعدہ تھا، وہ اب تک نہیں ملا، میں نے ارجمند کو ایک لفافہ بھیجا تھا، جس میں اُن کے خط کی رسید تھی اور دو چک رکھ دیے تھے (جولائی اور اگست کے) وہ اُن کو مل گیا؟

یہ میں لکھ چکا ہوں کہ جولائی کے آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے داغ سمینار میں دن بھر کے لیے آؤں گا۔

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اب فرصت ہے، اس سے بہت الجھن ہوئی۔ کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ اِس وقت کوئی ملازمت نہیں، ورنہ تمھاری زندگی میں ''فرصت'' کہاں۔ تمھارا خط آئے تو صورتِ حال کا علم ہو۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۶؍جولائی ۱۹۹۹ء

عزیزم!

آج ہی رجسٹرڈ لفافہ ملا، مجھے کچھ اندازہ ہوگیا تھا کہ تم 'بے کار' ہو چکے ہو یا بس ہونے ہی والے ہو، سو وہ اندیشہ درست ثابت ہوا۔ مگر چوں کہ یہ بات بھی مجھے معلوم ہے کہ تم تھک کر بیٹھنے والے نہیں، اِس لیے اس کا یقین ہے کہ جلد ہی یا ذرا سی دیر کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہو رہے گا۔ کونسل میں ہو جائے تو خوب ہو، کہ وہاں تمھارے ''ہر طرح'' کے جوہر کھل سکیں گے۔ یہ ضروری بھی ہے۔

کیا اچھا جملہ لکھا ہے کہ جُلاہا جلاہا ہی رہتا ہے، میں پہلے اِسے نہیں مانتا تھا، مگر شاید اب ماننا پڑے۔ دیکھو میاں! .P.H.D ایسے نہیں ہوتی، اس کے لیے کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے اور ارجمند کچھ نہ کرنے کی قسم کھائے بیٹھی ہیں۔ مزید یہ کہ اب انھیں کمال صاحب مل گئے ہیں، دن بھر بقراطیت بگھارتے ہوں گے دونوں۔ اِسے کہتے ہیں: کریلا اور نیم چڑھا۔ مگر کمال صاحب نے سب اب

کیا ہے جب اپنے لیے سب کچھ کر چکے ہیں۔ ارجمند کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس عالم میں میں بھی وہاں آ کر کیا کرلوں گا، کام تو اُنھی کو کرنا ہے۔

داغؔ سمینار غالب انسٹی ٹیوٹ میں جولائی کے آخر میں ہونا ہے، مگر تاریخ نہیں آئی۔ کسی دن اُدھر جاؤ تو شاہد ماہلی سے تاریخ بھی معلوم کرلو۔ رزرویشن بھی مجھے کرانا ہے۔

لفافے میں دو چک بھیجے تھے جولائی، اگست کے، وہ لفافہ ملا؟ میں بس دو دن کے لیے آؤں گا، قیام گائڈ ہال میں ہوگا۔ تم خط ضرور لکھو، مجھے انتظار رہے گا اور رجسٹری سے بھیجنے کی ضرورت نہیں، سادہ ڈاک سے بھیجو، سارے خط بہ حفاظت اِسی طرح آتے ہیں۔

رشید حسن خاں

پس نوشت: ابھی خط ملا، جس سے معلوم ہوا کہ سمینار ۳۰ر، ۳۱ر جولائی کو ہوگا۔ میں ۳۰ر کو پہنچوں گا اور یکم اگست کو واپسی ہوگی۔ کیا تم یہ زحمت گوارا کر سکتے ہو کہ واپسی کا رزرویشن کرادو اودھ آسام اکسپریس سے یکم اگست کا۔ A.C.II میں۔ ٹکٹ کی رقم وہاں آتے ہی دے دوں گا۔ نہ ہو سکے تو لکھو، میں دوسرا انتظام کروں گا۔

(۲۱)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۶ر جولائی ۱۹۹۹ء

ابھی ایک خط حوالۂ ڈاک کر چکا ہوں۔ وہی بات پھر لکھ رہا ہوں۔ میں ۳۰ر جولائی کو شام تک پہنچوں گا یا پھر صبح کے وقت، جس گاڑی کا ٹکٹ مل گیا۔ گائڈ ہال میں ٹھہروں گا، یکم اگست کو واپس ہونا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم واپسی کا رزرویشن کرادو A/C II میں، اودھ آسام اکسپریس سے، یکم اگست کا۔ A/C سکنڈ کلاس میں تھری ٹیر میں۔ ٹوٹیر میں کرایہ کچھ زیادہ پڑے گا۔ اگر تھری ٹیر میں نہ ہو سکے تو ٹوٹیر میں سہی۔

یہ بہ خوبی ممکن ہے کہ تم رزرویشن نہ کرا سکو، اُس صورت میں خط فوراً لکھ دو، میں انجمن میں کسی سے کہہ دوں گا فون پر اور یہ کام بہ آسانی ہو جائے گا۔ کرایے کی رقم وہیں آ کر دوں گا۔ میں کیا دوں گا، وہ تو غالب انسٹی ٹیوٹ والے دیں گے۔ خط فوراً لکھو، چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

بہ خیالِ غالب میں ۳۰ر جولائی کی صبح کو دہلی پہنچوں گا اور ۱۰ بجے انجمن کے دفتر جاؤں گا، ۲ بجے تک وہیں رہوں گا۔

(۲۲)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۲۸؍ستمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

آج ہی رجسٹرڈ لفافہ ملا، شکریہ۔ یہ پڑھ کر میرا جی بہت خوش ہوا کہ: ''کام کا بار بہت زیادہ ہے'' اونٹ پہاڑ کے نیچے آیا تو۔ اچھا شگون ہے یہ۔ اِس طرح شاید کچھ سانچے میں ڈھل سکو۔

مجھے ارجمند کے صفحات کا انتظار ہے، اُن سے کہو کہ دس، پندرہ، جتنے صفحے لکھے ہوں، اُنھیں بھیج دیں۔ دیکھتا رہوں گا۔ اس کا امکان ہے مگر پچاس فی صدی کہ میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے سمینار میں آؤں۔ بائیں پیر کے گھٹنے میں تکلیف بہت ہے۔ دیکھو، کیا رہتا ہے۔ تمھارے پیکٹ کا بھی انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

ارے بھائی! اشفاق صاحب کی خبر تو لے لو، وہ بہت پریشان خاطر ہیں۔ اُن کا وہاں جی نہیں لگتا ہے اب، جب سے شیما رضوی نے چچا بنانا چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے بھی تو ہتھنی سے خوش فعلیاں کرنا چاہی تھیں۔

(۲۳)

شاہ جہان پور
۵؍نومبر ۱۹۹۹ء

عزیزم اطہر!

ڈرافٹ ملا تھا۔ تم نے بڑا کام کیا، میں واقعی بہت پریشان تھا اور یہ مصرع پڑھ رہا تھا: کچھ لکیریں ہیں دستِ خالی میں۔ (کچھ دنوں سے یہی احوال ہے) اِس مہینے میں بھی اگر پچھلے مہینے کی طرح ڈرافٹ ذرا جلد بھیج دو گے تو اچھا ہوگا۔ تمھارے لیے دل سے دعا نکلی۔ جیتے رہو اور خوش رہو۔

صفحات بھی ملے تھے۔ مجھے اپنے لڑکپن کا زمانہ یاد آگیا۔ کہیں سیوم ہوتا تھا تو چنے پڑھے جاتے تھے اُن دنوں اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک مٹھی بھر کر اپنی ڈھیری میں ڈال لیتے تھے کہ معلوم ہو اِتنے پڑھے ہیں، ایک ایک دانہ کون پڑھے، سو ایسا ہی کام ارجمند کر رہی ہیں؛ مگر مجھے خوشی یہ ہے کہ کام تو کر رہی ہیں، میرے لیے یہ بہت ہے۔ اُن میں صلاحیت تو ہے، مگر تمھارے ساتھ نے بگاڑ رکھا ہے۔ وہ غریب بھی ایک وقت میں کیا کیا کرے۔ خیر، میں اُن کے بقیہ صفحات کا منتظر ہوں۔

ملتے ہی دیکھ کر اگلے پچھلے سب صفحے بھیج دوں گا۔ اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ٹھیک ہے۔ اُن سے کہو کہ دس دن کی چھٹی لے کر بیٹھ جائیں، کام ہو جائے گا۔ وہ لکھنے کا کام بہ خوبی کر سکتی ہیں۔

میری طبیعت بس یوں ہی سی ہے، اِس لیے دسمبر میں شاید وہاں نہ آسکوں۔ جنوری میں انجمن کا جلسہ ہے، اُس میں آسکتا ہوں۔ صحت اب پہلے کی طرح نہیں رہتی، ڈانواں ڈول رہتی ہے، اور یہ تو ہونا ہی تھا، مگر اطمینان کی بات یہ ہے کہ: ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوارِ گلستاں پر۔

ہاں، صفحات دیکھے، بہت جی خوش ہوا۔ اب لوگ خوشی سے نہیں، مجبوراً اعتراف کر رہے ہیں۔ میرے لیے یہ بہت مسرّت اور اطمینان کی بات ہے اور سچ کہوں تو فخر کی بھی۔ سچا اعتراف وہی ہے جس کے لیے لوگ مجبور ہو جائیں۔ دفتر میں کام کی زیادتی کا احوال پڑھ کر سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔ اونٹ کو کبھی تو پہاڑ کے نیچے آنا چاہیے۔ مگر اچھی بات یہ ہے کہ اِس طرح ٹریننگ مکمّل ہو جائے گی اور کچا پن نکل جائے گا اور میچوریٹی بھی شاید آجائے۔ کبھی فون کر لیا کرو، آواز سن کر خاصی تسکین ہو جاتی ہے۔ اب میرے لیے تسکین کے سامان کے نام پر ایسے ہی چند عنوان رہ گئے ہیں۔

ارجمند سے کہو کہ اچھا سا خط لکھیں۔ ہاں تم نے کہا تھا کہ اُن کی کتاب چھپ گئی۔ صاحبِ کتاب ہونے کی مبارک باد۔ میں اِسے اچھا شگون سمجھتا ہوں اگلے کام کے لیے۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۳/دسمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

میرا لفافہ ملا ہوگا، جس میں مجروح صاحب کا خط بھی تھا۔ اب تو تم کچھ فرصت پا چکے ہو گے اور ارجمند بھی، اب وہ صفحے اصل کام کے کب بھیجو گے، منتظر ہوں۔

ہاں میاں! لندن سے وہ جعفر کے دیوان کا عکس جو تم نے کہا تھا کہ مہینا بھر میں آجائے گا، کب آئے گا؟

خط لکھو اور کبھی موقع ملے تو فون بھی کر لو۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہاں پور
۲۸ر دسمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

رجسٹرڈ لفافہ مل گیا۔ بہت سی دعائیں۔ میرا جی بہت خوش ہوتا ہے جب میں تمھاری زبان سے یہ سنتا ہوں کہ کام بہت ہے، بے طرح تھک جاتا ہوں۔ تم نے غالبؔ کا یہ شعر سنا ہے:

بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہوکر اسیر، دابتے ہیں راہ زن کے پاؤں

مرزا صاحب نے یہ شعر تمھارے ہی لیے کہا ہے (وہ تو مستقبل کے شاعر تھے نا!) میں ہر روز راستہ دیکھتا ہوں ارجمند کے کاغذات کا۔ کیا تھانے میں رپٹ لکھانا پڑے گی! کسی دن اپنے آپ میں آجاؤ تو فون کرنا۔ اتوار کے دن تو آدھے پیسے لگتے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہاں پور
آخر دسمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

مجروحؔ صاحب کا خط بھیج رہا ہوں، تم اُن کو خط لکھ دو اور کتاب منگالو، اور اس پر اپنے نام سے تبصرہ کردو۔ اُن کی فرمائش ہے اور اُسے رد نہیں کرنا چاہتا اور تم سے زیادہ موزوں شخص اِس کے لیے میری دسترس میں کوئی نہیں۔ اِس میں اُنھوں نے وہ قطعہ بھی شامل کردیا ہے جو تمھاری فرمایش پر میرے لیے لکھا تھا۔ تمھارے نام کے نیچے ایک نوٹ بھی ہے۔

یہ کام ضرور کرنا ہے۔ تبصرہ نئی دنیا ہی میں چھپ سکتا ہے یا پھر کہیں اور بھی، یا اُنھی کو بھیج دو۔ خط فوراً لکھو۔

ارجمند کو اب تو فرصت ہوگئی ہوگی! املاے غالبؔ والی کتاب کو غالبؔ انسٹی ٹیوٹ چھاپے گا۔ تمھارے لیے ایک دوسرا کام کررہا ہوں، ٹھگوں کی زبان کا لغت مرتب کیا ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۷رفروری ۲۰۰۰ء

عزیزم!

پرسوں کسی رسالے میں کونسل کی نئی تشکیل کا احوال پڑھا، ذرا سی پریشانی ہوئی ایک نام دیکھ کر۔ تم یہ لکھو کہ تمھارے لیے تو کسی طرح کی اُلجھن پیدا نہ ہوگی؟ مجھے اس کی بڑی فکر ہے۔

میرا خط ملا ہوگا، اُس کے جواب کا انتظار ہے۔ ہاں، میں ۲۵رفروری کو حیدرآباد جاؤں گا راجدھانی اکسپریس سے، جو نظام الدّین سے چلتی ہے۔ واپسی ۳رمارچ یا ۲رکو ہوگی۔ واپسی میں تم سے ملاقات ہوسکتی ہے۔

تم اگر کسی دن فون کرلو تو خوب ہو کہ زبانی بات ہوجائے گی۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۴راگست ۲۰۰۰ء

عزیزم!

کئی باتیں ہیں اور چاہتا ہوں کہ تم ہر ایک کا الگ الگ جواب لکھو، تا کہ میری اُلجھن ختم ہوسکے۔

مگر پہلے یہ لکھ دوں کہ لفافہ مل گیا تھا، جس میں بینک ڈرافٹ تھا اور تمھارا آدھا سطری خط بھی۔

(۱) اب پہلے اِسی کی بات، لیکن میری خواہش یہ ہے کہ تم پوری بات بے تکلفی کے ساتھ لکھو، کسی طرح کے ادنا تذبذب کے بغیر۔ یہ ضروری ہے۔ مان لو، میں تمھاری جگہ ہوتا تو اب تک اوبھ چکا ہوتا اِس ہر مہینے کی بیگار سے۔ بات ہے بھی ایسی ہی۔ یہ تو لمبا سلسلہ ہوگیا۔ میری مجبوری سہی مگر یہ تو ضروری نہیں کہ تمھاری بھی مجبوری ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم اب تک بیزار ہوچکے ہوگے اِس ماہانہ مشقت سے۔ میں اوّل تو اس جگہ ہوتا ہی کیوں، اور ہوتا تو ضرور بیزار ہوچکا ہوتا۔ یہ انسانی مزاج ہے۔ ٹھیک ہے نا! کیا مجھے کوئی اور انتظام کرلینا چاہیے، یا ابھی دو چار ماہ اور یہ سلسلہ چل سکتا ہے؟ بلاتکلف صحیح بات لکھو۔

(۲) اگر نہیں تب تو کوئی بات ہی نہیں؛ اگر چند ماہ اور چل سکتا ہے تو یہ لکھو کہ اب تمھارے پاس اگلے مہینے کے لیے کوئی چک ہے؟؛ وہ سب ختم ہوگئے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ارجمند سے پوچھ لو، چک شاید اُنھی کے پاس رہتے ہیں۔

(۳) دو باتیں دفتر سے متعلق؛ مگر اِن کی حیثیت ضمنی ہے، غیر اہم؛ اِن کا جواب نہ لکھو تب بھی کوئی بات نہیں:

(الف) زبان اور قواعد کا کیا ہوا، کیا واقعتاً چھپے گی؟

(ب) مضمون جو میرا چھپا ہے 'فکر و تحقیق' میں، اُس کے معاوضے کی وصول یابی کی رسید بھیج دی تھی پیشگی، وہیں سے فارم آیا تھا۔ پھر کچھ خبر نہیں ملی، یعنی چک نہیں آیا؛ لیکن چک سے متعلق پوچھنا اگر دفتری آداب و معاملات کے لحاظ سے مناسب نہ ہو، تو پھر مت پوچھنا، آ ہی جائے گا۔ تم دِل میں کہو گے کہ روپوں کے معاملے میں یہ بہت اُتاولے ہیں؛ مگر تم یہ بھی جانتے ہو اور اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ میری مجبوری ہے، کروں کیا۔ تم ہو تو کہہ لیتا ہوں، ورنہ کسی اور سے تو کہتا نہیں۔

(۴) اب ایک غیر دل چسپ بات: میرا جی چاہتا ہے کہ اجے چند نامہ چھپ جائے۔ ارجمند تو اب ہاتھ آئیں گی نہیں، یہ آن والا کام بھی بس ہو ہی گیا۔ اُن سے کہوں گا تو وہ انکار تو نہیں کریں گی میری مروّت میں (اتنا پرانا پن ابھی اُن میں ہے اور اِسی کی قدر کرتا ہوں) لیکن بے دلی سے کام کریں گی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُس کام کو کر لو، یا تم دونوں مل کر اُس کام کو کرو۔ تمھاری رائے کیا ہے؟ اور یہ بھی کیا اُسے چھپنا چاہیے۔ ہاں تم اُن سے پوچھ لو، اگر وہ ایمان داری سے اور دل لگا کر کام کرنے کا وعدہ کریں تو پھر اُن سے کہوں۔ وہ یہ نہ خیال کریں کہ پیچھے ہی پڑ گئے ہیں!!

(۵) سب سے زیادہ ضروری: تمھارا یہ پتا کب تک برقرار رہے گا؟

تمھاری سخت جانی سے اِس کا یقین ہے کہ بہ عافیت ہو گے، اِس لیے خیریت کا احوال کیا پوچھوں۔

چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۱۰/اکتوبر ۲۰۰۰ء

عزیزم!

کل ۹/اکتوبر کو رجسٹرڈ لفافہ مل گیا، شکریہ۔ تمھارا پچھلا خط، جس کا جواب میرے ذمّے واجب ہے، خاصا پریشان کُن تھا۔ اندازہ یہ ہوا کہ تم ذہنی اور جذباتی طور پر خاصے پریشان خاطر

ہو۔ پریشانیوں کا اندازہ کچھ تو میں کر ہی سکتا ہوں۔ تمھارا پریشان ہونا فطری ہے اور برحق ہے، مگر اِس کا حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ تم نے جس طرح اب تک حالات کا پامردی سے سامنا کیا ہے، وہی ایک راستہ ہے سلامتی کا۔

ہاں، شاعر کے تازہ شمارے میں تمھارا مضمون دیکھا۔ اِس قدر جی خوش ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ خاص کر اِس بات نے مجھے بہت اطمینان دلایا کہ تم نے بات صاف صاف کہی ہے کتر بیونت کے بغیر، مگر کہیں بھی جھنجلاہٹ کا اثر شاملِ تحریر نہیں ہوا۔ یہ بڑی خوبی ہے۔ اِس سے میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ذہنی بلوغ نے اب اپنی روشنی تمھارے ذہن پر ڈالنا شروع کردی ہے۔ مگر مشق ضروری ہے۔ اِس انداز کی ایک دو تحریریں اور لکھی جانا چاہیے۔ یہ یوں بھی ضروری ہے کہ اِس وقت ہندستان میں اِس موضوع پر اِس نقطۂ نظر کے ساتھ اور اِس انداز سے لکھنے والا کوئی نہیں۔

دونوں لکچر مل گئے تھے۔ تمھارے نام کا پُر وقار حوالہ دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ جیسے مجھے اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ اب تو تم کو نظر انداز کیے جانے کی شکایت نہیں ہونا چاہیے۔ اِس سے بڑھ کر اعتراف اور کیا ہوگا اور کیسے ہوگا۔ دراصل ایسے ہی اعترافات اُن حرام زادوں کو احتیاط برتنے پر مجبور کریں گے جو ہر معقول شخص کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اور جن کی نظروں میں تم بھی کھٹکتے ہو۔

تمھارا ہوائی فون میرے بس کا نہیں، تمھی کبھی کبھی بات کرتے رہنا۔ میں کہاں صفر لگاتا پھروں گا۔ تم فون کرلیتے ہو تو کئی دن کے لیے بہت اطمینان ہو جاتا ہے۔

"ضرورت کسی لمبی جست کی ہے جو بیس برس کی قربانی مانگتی ہے"۔ اِس سے جو کچھ میں سمجھ پایا ہوں، اُس سے حالات کو سمجھنے میں اور الجھن پیدا ہوئی۔ یا تو تم خط میں کچھ وضاحت کردیا پھر فون پر بات کرو۔ یہ بہت ضروری ہے، ورنہ میں ذہنی طور پر بہت پریشان رہوں گا۔ میں انتظار کروں گا خط کا یا فون کا۔

اب ایک بات محض احتیاطاً

اب ایک دوسری بات محض احتیاطاً تمھارے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ فاروقی صاحب کا خط آیا تھا، یہ لکھا تھا کہ ٹھگوں کی زبان کا لغت ترقی اردو بورڈ چھاپ سکتا ہے، میں دیکھوں گا، آپ بھٹ صاحب کو تجویز بھیج دیجیے۔ میں نے جواباً لکھا کہ اب اِس عمر میں میں عرضِ نیاز کیا کروں گا۔ یہ کام تو میں نے اب سے پہلے بھی کبھی نہیں کیا۔ آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اِسے چھپنا چاہیے تو آپ بہ طورِ خود بات کیجیے۔ میں نے ٹھیک کیا نا!

تمھارے لیے بہت فکر مند ہوں، مگر بے دست و پا، کچھ نہیں کرسکتا خدا اگر کہیں ہے، تو وہی تمھاری مدد کرے گا۔ یہ میری دُعا بھی ہے اور تمنا بھی۔ منزلیں اُس کی، مرادوں کا نگر اُس کا لوح

اُس کی ہے، قلم اُس کا، مقدر میرا پانو[۷] میرے ہیں، تقاضائے سفر اُس کا ہے ہاتھ میرے ہیں، دعاؤں میں اثر اُس کا ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: اطہر فاروقی
شاہ جہان پور
۵ر فروری ۲۰۰۱ء

عزیزم!

ڈرافٹ کی رسید رات فون پر دی جا چکی ہے۔ اِس وقت مجھے دو باتیں خاص کر کہنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمھاری تحریر ایک ایسی طبیعت کی آئینہ داری کرتی ہے جو یکسر غیر مرتب ہے اور بکھراو سے بھری ہوئی۔ یہ غیر مناسب بات ہے۔ پڑھنے والے پر یہ تاثر طاری نہیں ہونا چاہیے، وہ میں ہوں یا کوئی اور، خاص کر کوئی اور۔ حرف ایسے بناتے ہو کہ کاغذ پر چیل بلّیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ذرا ہاتھ روک کر لکھو تو یہ صورت اِس طرح نمایاں نہ ہو۔ تحریر، انسانی مزاج اور اندازِ فکر کی نمائندگی اور عکاسی کرتی ہے۔ سب کا خط اچھا نہیں ہوتا، خود میرے خط میں کچا پن ہے اور بہت؛ مگر ہاتھ روک کر لکھنے سے وہ کچا پن ذرا دب جاتا ہے اور اُول جلول طبیعت کی آئینہ داری بھی نہیں ہو پاتی۔ اِس طرح ضرور توجہ کرو۔ یہ بھی کہ دو روپے والے بال پن سے نہ لکھو، کسی اچھے قلم سے لکھا کرو۔ بال پن ہی سہی، مگر اب تو جیل والے بال پن بھی آنے لگے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ تم کو اب تک جو کچھ ملا ہے، وہ اردو کی نسبت سے ملا ہے؛ اِس لیے ناشکری کا احساس اپنے اندر پیدا نہ ہونے دو۔ یہ منفی اندازِ نظر ہے۔ یہ انداز امتیاز احمد جیسے اصحاب کو خواہ راس آجائے، معقول لوگوں کو نہیں راس آئے گا اور آنا بھی نہیں چاہیے۔ حقارت سے یاد کرنا اپنے اندازِ نظر کو مجروح کرنا ہے، اِس سے بچو۔ تم کو جو کچھ بھی آیندہ ملے گا، بنیاد اُس کی اردو زبان ہوگی، چاہے تو دہلی میں ہو یا لندن میں۔

ہاں ٹھگوں کے لغت سے متعلق تو فون پر بتا ہی چکا ہوں۔ اور سب بس ٹھیک ہے۔ املاے غالب چھپ گئی، غالب انسٹی ٹیوٹ نے چھاپی ہے۔ کیا تبصرے کے لیے اُنھوں نے بھیجی؟ کسی دن فون کر لینا، کہ تم سے ذرا سی دیر باتیں کر کے جی خوش ہو جاتا ہے اور اس پر ایمان تازہ ہو جاتا ہے کہ ہر طرف حرام زادگانِ ادب ہی براجمان نہیں اور یہ کہ ابھی تک دنیا اطمینان کے ساتھ رہنے کی جگہ ہے، ہر شخص نہیں بدلا ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۱۶؍دسمبر ۲۰۰۲ء

عزیزم!

تم کہاں ہو؟ فون کرلو۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ فون پر بات ہوگی۔ میرے فون نمبر میں 2 کا اضافہ ہوگیا ہے، اب وہ 227804 بن گیا ہے۔ ارجمند کیسی ہیں؟

رشید حسن خاں

ایک خبر اُڑتی ہوئی، یعنی فون پر آئی تھی کہ تم دونوں یہاں آنے والے ہو، لکھنؤ جاتے ہوئے ـــ کیا یہ درست ہے؟ کب آؤ گے؟ آجاؤ تو اچھا ہے، ایک بار ملاقات تو ہو ہی جائے۔ طبیعت میری ٹھیک نہیں رہتی، معلوم نہیں کب کیا ہوجائے! فون ضرور کرو۔ آتے ہی۔

(۳۲)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۱۴؍جنوری ۲۰۰۳ء

عزیزم!

کیسے ہو! توقع کرتا ہوں بہ عافیت ہوگے۔ تمھاری دل چسپی نے، خلوص نے اور تعلقِ خاطر نے اِس کتاب کے چھپنے کی سبیل پیدا کردی۔ صرف دعا دے سکتا ہوں کہ خدائے پاک (اگر وہ کہیں ہے) تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔

اب کام کی بات: (۱) ص ۴۴ پر، سطر ۱۶ کے بعد دو پیراگرافوں کا اضافہ ہوگا۔ میں نے ارجمند کو عبارت لکھ کر دے دی تھی، اُنھوں نے شاید محمود کو دی نہیں، یوں یہ پیراگراف رہ گئے۔ اِنھیں شامل کرادو۔ (۲) انتساب کا صفحہ بھی رکھ دیا ہے، اِسے بھی کمپوز کرادو۔ (۳) صفحات نمبر اب نہیں بدلنا چاہیے، یوں کہ میں نے اِس حصۂ نثر کے ۱۱۱ صفحات کی فرہنگ بہ قیدِ صفحہ نمبر بنالی ہے۔ یوں اب صفحات کے نمبر بدلے نہیں جاسکتے۔ انتساب کے صفحے کو نمبر شمار کے بغیر ہی رہنے دو۔ آخر جعفر زٹلی کا دیوان ہے، کچھ تو گڑبڑ رہنا چاہیے۔ اِن ایک سو گیارہ (۱۱۱!) صفحوں کی تصحیح بنوالو۔ اب فائنل کاپی نکلے گی۔ اِن کی دو فائنل کاپیاں بنوا کر بھیج دو۔ ایک یہاں رکھ لوں گا مجموعے میں شامل کرنے کے لیے، ایک کراچی بھیج دوں گا چھپنے کے لیے (جب دوسرا حصّہ بھی کمپوز ہوکر آجائے گا)۔ (۴) مجھے

تمھارے فون کا شدید انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: اطہر فاروقی

شاہ جہان پور

۲۱؍ مارچ ۲۰۰۳ء[۱]

عزیزم!

رات فون پر بات ہوئی تھی تم سے، اِن تراشوں سے متعلق۔ بھوپال والا تراشہ (عکس بنوا کر) ممبئی بھیج دو انور قمر کے پاس، میں نے اُن سے کہہ دیا ہے فون پر۔ یہ کام فوری طور پر ہونا ہے، بمبئی عکس بھیجو یا پھر اصل ہی بھیج دو۔ دوسرا تراشہ تم خالصتاً اپنی طرف سے (میرے حوالے کے بغیر) انجمن میں رکھا دو خلیق صاحب کو۔ اُن سے کہو کہ یہ اگر "ہماری زبان" میں بھی آجائے تو خوب ہو، تبصرۂ کتاب کے تحت۔ منگل یا بدھ کی رات میں میں تمھاری آواز کا انتظار کروں گا۔

ارجمند، میرا امن والا کام کب شروع کریں گی؟ یہ اُن سے پوچھ کر بتاؤ۔ اُن کی کاہلی سے ڈر لگتا ہے۔ میرا کام جس توجہ سے وہ کرتی ہیں، اُس کی آدھی توجہ سے اگر اپنا کام کریں تو سب کچھ ہوسکتا ہے، مگر یہ بات اُن کے دل میں ڈالے کون۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے خط کی پشت پر لکھے ہیں۔ خاں صاحب نے یہ خط اپنے شاہ جہان پور کے پتے سے اطہر فاروقی کو: اطہر فاروقی پری ہار ہوسٹل، ۲۰۳، جے. این. یو، نئی دہلی - ۱۱۰۰۶۷۔

۲۔ اطہر فاروقی کا پتا خط کی پشت پر یوں درج ہے: اطہر فاروقی صاحب، ۲۷۱- رسالداری، سکندر آباد، ضلع بلند شہر، یو. پی، پن کوڈ: ۲۰۳۲۰۵۔

۳۔ خط کی پشت پر ارجمند آرا کا پتا درج ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطہر کا پتا خاں صاحب کے پاس نہیں تھا۔

۴۔ پشت پر انور قمر کا بمبئی کا پتا درج ہے۔

☆☆☆

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگار اُناوی

(۱)

شاہ جہان پور
۲۸/اگست ۲۰۰۰ء

افگار صاحب! آداب
۲۴/اگست کا خط ملا تھا، یادفرمائی کا شکریہ۔

مجھے افسوس ہے کہ راز پہانوی صاحب سے میں واقف نہیں۔ جس مشاعرے کا حوالہ آپ نے دیا ہے، میں اُس میں شریک نہیں تھا، یوں کہ میں مشاعروں میں شرکت نہیں کرتا۔ ویسے بھی میں ۵۹ء سے ۹۶ء تک دہلی یونی ورسٹی میں رہا ہوں اور یہاں آنا جانا گاہے گاہے ہوتا تھا۔ میری کتابیں انجمن ترقی اردو، نئی دہلی نے چھاپی ہیں، آپ اُن سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دانش محل میں مل سکیں گی یا نہیں۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگار اُناوی

شاہ جہان پور
۲۹/ستمبر ۲۰۰۰ء

مکرمی! آداب

گرامی نامہ موصول ہوا، یادآوری کے لیے ممنون ہوں۔ راز صاحب کا شعر مجھے پسند آیا۔ خاک، اکسیر، چٹکی؛ تینوں لفظوں میں جو معنوی مناسبت ہے، اُس نے شعر میں خوبی پیدا کردی ہے، خاص کر ''چٹکی'' کا لفظ کہ اکسیر بنانے والوں میں اِس کی حیثیت ایک طرح سے اصطلاحی لفظ کی تھی۔

گلزارِ نسیم کی پسندیدگی کا شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ اِس کے مندرجات اور مباحث بھی آپ کو پسند آئے ہوں گے۔ میری کوشش رہتی ہے کہ سخن فہمی پر طرف داری کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہ

پڑنے پائے۔

ایک مشکل یہ ہے کہ میرا موضوع تحقیق اور تدوین ہے اور یہ دونوں موضوعات خاصے غیر دل چسپ ہوتے ہیں۔ اِن میں شاعرانہ دل کشی کی رمق بھی نہیں ہوتی۔ اِس خیال سے میں سوچتا رہا کہ اپنی کوئی کتاب آپ کو بھیج کر آپ کو پریشان کیوں کروں۔ کیا ناسخؔ کی شاعری سے آپ کو کچھ دل چسپی ہے؟ میں نے انتخابِ کلام ناسخؔ مرتب کیا تھا۔ مقدمہ اِس کا بھی حسبِ معمول تحقیقی ہے، جس میں اِس سے بحث کی گئی ہے کہ یہ غلط طور پر مشہور ہوگیا ہے کہ ناسخؔ نے زبان کی اصلاح کی اور شاعری کے قواعد مرتب کیے۔ اِس کتاب کے پاکستانی اڈیشن کی ایک جلد اتفاقاً میرے پاس محفوظ رہ گئی ہے۔ اگر یہ آپ کی دل چسپی کی چیز ہو تو میں اِسے بھیج دوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: اُمیش بہادر شریواستوا فگارؔ اُناوی

شاہ جہان پور

۱۰/اکتوبر ۲۰۰۰ء

فگارؔ صاحب! آداب

معاف فرمایئے، کوئی دوسرا خط اُس وقت ہے نہیں، مجبوراً یہی بُرا سا خط لکھ رہا ہوں۔

رازؔ صاحب کے صاحب زادے آئے تھے، دیوانِ رازؔ ساتھ لائے تھے۔ میں نے شکریے کے ساتھ قبول کیا۔ احتیاط سے رکھ لیا ہے، ذرا فرصت ملے تو دیکھوں میں آج کل ٹھگوں کی زبان کا مکمل لُغت مرتب کر رہا ہوں، اُس میں اُلجھا ہوا ہوں۔

آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ یہ دیوان آپ کے واسطے سے مجھے تک پہنچا ہے۔

انتخابِ ناسخؔ ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ آپ نے لکھا ہے کہ قیمت معلوم ہوتی تو بھیج دی جاتی۔ حضورِ والا! قیمت لے کر کتابیں دیتے ہیں دانش محل والے، میں یہ کام نہیں کرتا۔ یہ تحفتاً پیش کر رہا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: اُمیش بہادر شریواستوا فگارؔ اُناوی

شاہ جہان پور

۴ر نومبر ۲۰۰۰ء
نگار صاحب! آداب
کل آپ کا خط ملا، کتاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: اُمیش بہادر شریواستوا نگار اُناؤدی
شاہ جہان پور
۲۹ر دسمبر ۲۰۰۰ء
محبی!

نئے سال کی مبارک باد قبول فرمایئے۔ آپ کا لفافہ ملا تھا، مگر ڈاک کے جھگڑے کی وجہ سے بروقت رسید نہیں بھیج سکا۔ ایسے میں بیش تر خط ضائع ہو جاتے ہیں۔
مشکور جیسے الفاظ اب اردو زبان کے لفظ ہیں۔ ان کو اردو میں چلن کے مطابق ماننا لازم ہے۔ جب عربی لکھیں گے، تب عربی قواعد کی پابندی کی جائے گی۔ الفاظ کا احوال افراد جیسا ہوتا ہے۔ فرد جب ہجرت کر کے کسی نئے ملک میں جابستا ہے، تو اُس پر اُس نئے ملک کے قوانین کا نفاذ ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ملک میں تو ایسا نہیں تھا یا ایسا تھا۔ ہمارے اساتذہ نرے شاعر تھے، زبان داں کم تھے، اور لسانیات کے اصولوں سے واقف نہیں تھے، ہاں اہلِ زبان ضرور تھے۔ زبان صرف شاعری کی زبان نہیں ہوتی، وہ وسیع الذیل چیز ہے۔ اس موضوع پر میری ایک کتاب ہے زبان اور قواعد اس کا تیسرا اڈیشن آنے والا ہے، ملنے پر اُس کی ایک جلد آپ کے لیے ضرور بھیجوں گا۔ چھوٹے چھوٹے دائروں کا قیدی ہمیں نہیں بننا چاہیے۔ مولانا شبلی تو عربی کے عالم تھے، اُن کا شعر ہے:

آپ کے لطف و کرم سے مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں، ممنون ہوں، مشکور ہوں میں

اصلاً ''عِیاں'' ہے، کوئی اردو والا عِیاں کہے تو معلوم ہوگا کہ نو وارد ہے۔ یہی احوال میّت، سیّد، جیّد، نیّر کا ہے کہ اردو میں یہ سب زبر کے ساتھ مستعمل ہیں۔ اب کوئی صاحب عربی کی تقلید میں عِیاں کہیں تو یہی کہا جائے گا: زبان بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجیے دہن بگڑا۔ سیّد انشا، مولانا حالی، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا شبلی، مولانا عبدالماجد دریابادی، شاد عظیم آبادی وغیرہ سب نے یہی کہا ہے، یوں کہ یہ لوگ فلسفۂ لسان سے واقف تھے، نرے شاعر نہیں تھے۔

جین صاحب میرے کرم فرما ہیں۔ اُن کے اِس خط میں جس کا عکس آپ نے بھیجا ہے، اُن کا جملہ رشید حسن خاں کے کسی مقرّب نے... میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہوا۔ جین صاحب کا انھوں نے ذکر کیا ہے، وہ ہمارے پرانے اسکول کے پرنسپل مرحوم کے صاحب زادے ہیں، یوں کبھی کبھی پھیرا کر لیتے ہیں۔ کچھ پوچھتے ہیں تو جو مجھے معلوم ہوتا ہے، وہ بتا دیتا ہوں۔ ان کے مقرّب ہونے کا احوال یہ ہے کہ یہ ایک مکمّل مضمون میرے خلاف لکھ چکے ہیں جو چھپا ہے اور رسالہ' شاعر میں چند ماہ پہلے میرے ایک مضمون کے بارے میں اڈیٹر کو لکھا تھا کہ آپ نے ان کا مضمون چھاپ کر رسالے کے صفحے ضائع کیے۔ یہ ہے احوال اُن کے مقرّب ہونے کا۔ مجھے جین صاحب کی اس بدگمانی سے بہت اذیّت پہنچی۔ آپ اگر ان کو کبھی خط لکھیں تو میرے تاثرات سے ضرور مطّلع کردیں۔ ایک شخص آپ کے گھر پر آکر آپ سے پوچھے کہ یہ لفظ یوں ہے یا یوں، اور علمی تقاضے کے تحت اُس کو جواب دیا جائے تو اِس سے مقرّب ہونا کیسے ثابت ہوگا جب کہ وہ شخص میرے خلاف ایک مفصّل مضمون لکھ چکا ہو۔ مجھے افسوس ہوا۔ جین صاحب سے مجھے یہ توقّع نہیں تھی، میں اُن کو اپنا کرم فرما جانتا ہوں اور مانتا رہوں گا۔ میں اُن کے خلاف مضمون لکھواؤں گا! اگر ایسا ہو تو لعنت ہو مجھ پر۔

مجھے بہت تکلیف پہنچی تھی، اِس لیے زبانِ قلم سے اس کا بے ساختہ اظہار ہوا۔ آپ چاہیں تو میرے اِس خط کا عکس اُن کو بھیج سکتے ہیں۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ خدا کو میں مانتا نہیں، ورنہ یہ لکھتا کہ خدا آپ کو بہ عافیت رکھے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگارؔ اُناوی

شاہ جہان پور

۲۲ جنوری ۲۰۰۱ء

افگارؔ صاحب مکرّم!

مکتوب مرقومہ ۱۱ جنوری مل گیا تھا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں اردو کو ایک مستقل زبان مانتا ہوں، پرانے شاعر اساتذہ کی طرح فارسی یا عربی کی محکوم نہیں، اِس لیے اِس موضوع پر آپ سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ یوں بھی کہ میں درسِ نظامی کا طالبِ علم رہا ہوں، ''مولوی'' ہوں (امتحان پاس کرنے کے لحاظ سے) یوں خوب جانتا ہوں کہ عربی میں دوسری زبانوں کے جو لفظ آئے، وہ سب عربی قواعد کے سانچے میں ڈھل گئے۔ اِسی طرح فارسی میں بے شمار عربی الفاظ

شامل ہیں، مگر سب لفظوں کو ایران والوں نے فارسی زبان کا تابع قرار دے کر تصرّفات کیے، معنی میں بھی، املا میں بھی اور ساخت میں بھی۔ اردو کے باخبر علمائے لسان نے بھی یہی کہا اور یہی کیا ہے۔ یہ بات یہاں ختم ہوتی ہے۔

توقّع کرتا ہوں کہ یہ سال آپ کے لیے اور آپ کے متعلّقین کے لیے امن وسکون کا اور شادمانی کا پیغام بر ثابت ہوگا۔

رشید حسن خاں

مکان کا نمبر آیندہ اگر 22 لکھیں تو بہتر ہوگا۔ میونسپلٹی والوں نے اور تو کچھ کیا نہیں، مکانوں کے نمبر بدل دیے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس طرح ہر چیز بدل جائے گی۔ مالک ہیں، جو چاہیں کریں۔ یہاں کے سپید وسیاہ میں ہم کو تو کچھ اختیار ہے نہیں۔

(۷)

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگار اُناوی

شاہ جہان پور

۱۳رفروری ۲۰۰۱ء

فگار صاحب! آداب

ہولی کی مبارک باد قبول فرمایئے۔ خط آپ کا ملا، یاد آوری کا شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں۔ ۱۸رکو لکھنؤ جانا ہے ایک لکچر دینے کے لیے۔ توقّع کرتا ہوں کہ سارے متعلّقین بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگار اُناوی

شاہ جہان پور

۱۲راپریل ۲۰۰۱ء

مکرّمی فگار صاحب! آداب

۷راپریل کا خط ملا۔ اردو املا میں ص ۳۰۸ پر ہ۔ے کا بیان موجود ہے، آپ کی نظر وہاں ٹھہری نہیں۔

قاعدہ یہی ہے کہ جو لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے یا ہاے مختفی، محرّف صورت میں، وہ آخری حرف ے سے بدل جاتا ہے۔ اِس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ تلفظ بدل جاتا ہے، اِس طرح کہ الف یا ہ کے حرفِ ماقبل کا زبر، زیر سے بدل جاتا ہے (لڑکا، لڑکے)۔ اِس بنا پر زبر کے ساتھ جو حرف تھا جو زبر کی آواز کو قائم رکھتا ہے، حرکت بدلنے کی صورت میں ے سے بدل جاتا ہے جو

زیرؔ کی معاون آواز ہوتی ہے۔ رشتے دار، جیسے: نانا، چچا وغیرہ محض لفظ اِس طرح نہیں بدلتے۔ لیکن بھتیجا، بھانجا، لڑکا، بیٹا جیسے لفظ بدل جاتے ہیں۔ اکثر اسمِ موئنث نہیں بدلتے، بعض نام نہیں بدلتے، جیسے: قسطنطنیہ، افریقہ، ایشیا، امریکا وغیرہ، مگر کلکتے میں، آگرے سے، پٹیالے جو جیسے ٹکڑوں میں بعض نام بدل جاتے ہیں۔ اِسی بنا پر میں نے اصول یہ مان لیا ہے کہ جب جمع کی صورت میں، یا کسی متعلق فعل (سے، کے، میں، نے وغیرہ) کے لفظ کے ساتھ آنے کی صورت میں جب حرفِ آخر پہلے والے حرف کا زبر، زیر سے بدل جائے (جیسے: مرثیہ، مرثیے۔ بیٹا، بیٹے وغیرہ) تب ایسے لفظ محرّف صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اُن کے آخر میں الفؔ یا ہؔ کی جگہ ےؔ لکھی جائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب بات واضح ہوگئی ہوگی۔

میں ۱۵؍اپریل کو لکھنؤ جاؤں گا، اِس کا ذکر آپ سے آچکا ہے۔ ۱۹؍اپریل کو بمبئی کے لیے روانگی ہوگی، جہاں سے تین ہفتے کے بعد واپسی ہو سکے گی۔

بیگم صاحبہ کو میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: اُمیش بہادر شریواستو افگار اُناوی

شاہ جہان پور

۱۸؍مئی ۲۰۰۱ء

محبِ مکرّم! آداب

یہاں آیا تو آپ کا خط محفوظ تھا۔

''نیتا'' جیسے دوسرے لفظ کون سے ہو سکتے ہیں، یہ بات لُغت کی مکمل ورق گردانی کے بغیر نہیں کہی جاسکتی۔ دو چار لفظ ہوں گے ضرور۔ کاموں کے ہجوم میں فرصت عنقا ہے۔ ذرا سی فرصت ہاتھ آجائے تو اِسے دیکھوں گا۔

(۱) ''ایسے الف الآخر الفاظ جو ہندی الاصل ہوتے ہیں، اپنے بعد حرفِ جار آنے پر یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں''۔

جی ہاں، ایسا ہی ہوتا ہے، اِس اضافے کے ساتھ کہ حرفِ جار مذکور ہو، خواہ محذوف ہو، خواہ مقدر ہو۔ (۲) مُنادا ہو (جیسے: لڑکے! تم کہاں ہو؟) (۳) جمع ہو (جیسے: سب لڑکے آئے)۔ اِن دونوں صورتوں میں حرفِ جار شامل نہیں ہوتا۔

(۲) ''ایسے الفاظ مذکر ہوں، لیکن رشتہ کے نام (کذا۔ رشتے کے نام)۔ جیسے: بابا، نانا... اِس قید سے مستثنیٰ ہیں''۔

جی ہاں، یہ بالکل درست ہے؛ لیکن اِس میں استثنا اچھا خاصا ہے، جیسے: بھتیجا، بھانجا، پوتا (وغیرہ)۔
(۳) ''مونث لفظ میں یہ تبدیلی واقع نہ ہوگی...''۔ بالکل درست، میں فی الوقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ اِس میں مستثنا لفظ کتنے ہیں، وہی لُغت کی ورق گردانی والی بات ہے، جو فرصت ملنے پر ہو سکتی ہے۔

اب مشکل یہ ہے کہ تحریف کے اِس قاعدے میں استثنا بہت ہے۔ مستثنا الفاظ کی تعداد زیادہ ہو تو قاعدۂ کلّیہ نہیں بن پاتا۔ اِسی اُلجھن کی وجہ سے میں نے اصول یہ قرار دیا تھا کہ تلفظ میں جن لفظوں کا حرفِ آخر محرّف ہو جاتا ہے (خواہ وہ لفظ کسی زبان کا ہو) اُن کے آخر میں الف/ہ کی جگہ ے لکھی جائے گی۔ اس میں ہر طرح کے لفظ آجائیں گے۔ میں اِسی کو ترجیح دوں گا۔

آپ نے اپنے مزاج کا احوال کچھ نہ لکھا۔ یہ لکھیے کہ آپ کیسے ہیں۔ میں پہلے ہی کی طرح ہوں، گھٹنے کے درد سے پریشان۔ کل سے ٹھگوں کے لُغت والا کام جو رُک گیا تھا، پھر شروع ہوگا۔
بیگم صاحبہ سے میرا سلام کہیے، اگر وہ اِس پر ناراض نہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: اُمیش بہادر سریواستوا فگار اُناوی
شاہ جہان پور
۱۷؍دسمبر ۲۰۰۱ء

محبی فگار صاحب! آداب

خط ملا، اِس زحمت کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں خطوں کو عام طور پر محفوظ نہیں رکھتا، مگر اِس خط کو میں نے بہ حفاظت رکھ لیا ہے، کام آئے گا۔

توقع کرتا ہوں کہ بڑھتی ہوئی سردی کے اِس موسم میں آپ صحت مند اور بہ عافیت ہوں گے۔ شریمتی جی کی خدمت میں آداب پہنچا دیجیے۔

رشید حسن خاں

★★★

بنام تسلیم غوری بدایونی

(۱)

ٹی بی. ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
یکم اگست ۱۹۹۵ء[1]

غوری صاحب!

آپ کی بھیجی ہوئی کتاب کئی دن پہلے یہاں آگئی تھی۔ رسید بھیجنے میں تاخیر ہوئی، اِس کی معذرت۔ مجھے مسرّت ہے کہ آپ نے ایک اچھے موضوع کو اختیار کیا۔ اِس بنا پر اگر میں یہ توقّع کروں کہ آیندہ آپ ایسے ہی موضوعات کو منتخب کریں گے تو بے جا نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضرور چاہوں گا کہ آیندہ آپ ایسے موضوعات کی نسبت سے ہمیشہ اوّلین مآخذ سے کام لیجیے۔ ثانوی مآخذ مقامی لکھنے والے جذبۂ طرف داری سے عموماً خالی نہیں ہوتے، اِس لیے ایسی تحریروں سے استفادہ بہت احتیاط کا طلب گار رہتا ہے۔ جب تاریخیں موجود ہیں تو پھر ثانوی تحریروں سے کیوں کام لیا جائے۔

اِس سے میرا مطلب آپ کی ہمت شکنی نہیں، مجھے تو اِس مختصر سی کتاب کو دیکھ کر سچ مچ مسرّت ہوئی، خاص کر یوں کہ اب ایسے صبر آزما موضوعات کو لوگ ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہ آپ کی خوبی ہے کہ آپ نے اِس کو اپنایا۔ میرا مقصد محض طریقۂ کار کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ تحقیق کی اصطلاح میں اوّلین مآخذ کے ہوتے ہوئے ثانوی مآخذ قابلِ قبول نہیں ہوتے، اِس طرح توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ یہ خط اِس توقّع کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ جلد ہی آپ کی ایسی ہی کوئی اور تحریر مجھے دیکھنے کو ملے گی۔

میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔

رشید حسن خاں

پتا: جناب تسلیم غوری:

Janab Taleem Ghouri, 244-Ghouri Manzil, Sarae Jalandhari,
BADAUN (UP)

(۲)

بنام: تسلیم غوری
شاہ جہان پور
۸/اپریل ۲۰۰۳ء

تسلیم غوری صاحب!

آپ کا تعزیت نامہ موصول ہوا، شکر گزار ہوں۔ آپ نے جس تعلقِ خاطر کے ساتھ کلماتِ تعزیت لکھے ہیں، اُن سے بہت سہارا ملا، خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

پتا: تسلیم غوری:

Janab Taleem Ghouri, 244-Ghouri Manzil, Sarae Jalandhari, BADAUN (UP) Pin- 243601

(۳)

بنام: تسلیم غوری
شاہ جہان پور
۳۱/اکتوبر ۲۰۰۴ء

تسلیم صاحب!

آپ کا خط ملا تھا۔ مبارک باد کا شکریہ۔ میں نے فون کیا تھا، مگر آپ گھر پر موجود نہیں تھے۔ دلاور فگار سے متعلق شگوفہ میں آپ کا مضمون دیکھا، یہ تحریر مجھے خاص طور پر پسند آئی، جی خوش ہوا۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: تسلیم غوری
شاہ جہان پور
۱۲/فروری ۲۰۰۶ء

عزیزم تسلیم صاحب!

آپ کا خط ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ کی تحریریں پڑھتا رہتا ہوں اور لطف اندوز ہوتا ہوں۔ جی

خوش ہوتا ہے یہ دیکھ کر کہ آپ نے لکھنے پڑھنے سے اپنا رابطہ برقرار رکھا ہے۔

بدایوں کے اصلی پیڑوں کا تحفہ میرے لیے تو بہت قیمتی تھا۔ دنوں کے بعد ایسے پیڑے کھائے، ورنہ دوسرے کئی صاحبان بازار میں بکتے ہوئے پیڑے لے آئے یہ کہہ کر کہ اب خاندانِ ممن کی تو کوئی دکان رہی نہیں، اب ایسے ہی پیڑے ملتے ہیں وہاں۔ آپ یہ تحفہ نہ لاتے تو میں ان اصلی پیڑوں سے محروم ہی رہتا۔

اپریل میں آپ نے آنے کی بشارت دی ہے، میں منتظر ہوں گا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ خاں صاحب کا پتا:

رشید حسن خاں

T-C-9, Gwyar Hall,

Delhi University, Delhi, pin: 11007

یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ۷۵ پیسے ہے۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر دونوں پتے درج ہیں۔ تسلیم غوری صاحب کا پتا یوں درج ہے:

Janab Tasleem Ghouri, 244-Ghouri Manzil, Sare Jalandhari (IP)

۲۔ خاں صاحب کے تینوں خط جناب تسلیم غوری بدایوں کے نام اِن لینڈ لیٹر پر لکھے گئے ہیں۔ تینوں پہ پتا وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ پہلے اِن لینڈ لیٹر کی قیمت دو روپے ہے، دوسرے اور تیسرے کی ڈھائی روپے۔ پہلا خط اُس تعزیتی خط کا جواب ہے، جو تسلیم غوری نے خاں صاحب کی بیگم کے انتقال پر لکھا ہے۔ خاں صاحب کا اپنا پتا اس طرح ہے: رشید حسن خاں، 22-باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور (UP) **Pin: 242001**

بنام ٹی. آر. رینا، ڈاکٹر

(۱)

شاہ جہان پور
۴؍اکتوبر ۱۹۹۵ء [۱]

عزیزم رینا صاحب!

میں یہاں بہ خیریت پہنچ گیا۔ شاید ۱۵؍اکتوبر تک دہلی جاسکوں گا۔

جس خلوص اور اپنائیت کے ساتھ آپ نے میرے ساتھ وقت گزارا، اُس کا معترف ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ ہمیشہ خوش وخرم رہیں۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
شاہ جہان پور
۱۲؍نومبر ۱۹۹۵ء [۲]

رینا صاحب!

آپ کا لفافہ ملا تھا، پھر زبانی پیغام بھی ملا۔

قواعد کے پھیر میں کہاں پڑو گے، اُس مقام کی عبارت لکھ کر میرے پاس بھیج دو، میں ضروری عبارت لکھ کر بھیج دوں گا۔ یعنی جہاں میری رپورٹ میں ایطا کا حوالہ آیا ہے۔ وفا صاحب کی عبارت لکھ دو، میں اُس کی تشریح لکھ دوں گا۔

میں نے پروانہ صاحب کو بھی خط لکھا تھا اور ڈاکٹر امریک سنگھ کو بھی۔ اگر ملاقات ہو تو پوچھ لینا کہ میرے خط اُن کو ملے یا نہیں؟

ہاں ایک ضروری بات: ذرا شعبے میں جا کر ظہور صاحب سے پوچھنا کہ میں نے اُن کو تین

خط لکھے، اُن تک پہنچے یا نہیں۔ خط لکھو۔

سوئی صاحب کا خط کل آیا ہے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ وہ جلد ہی وفا صاحب کے بعض اداریے تم کو بھیج دیں گے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۲۵ر مارچ ۱۹۹۶ء

عزیزی رینا صاحب!

آج آپ کا خط ملا (بغیر تاریخ کا)۔ خط پر تاریخ ضرور لکھا کیجیے۔

کام کی رفتار سے اطمینان ہوا۔ اپریل کے آخر تک میں پوری طرح فرصت پا جاؤں گا یہاں کے کاموں سے۔ ایک کمرا ٹھیک کر رہا ہوں اپنے لیے، بل کہ اپنی کتابوں کے لیے۔ وہ ہو جائے تو کتابیں مرتب ہوں اور پھر کام شروع ہو۔ اس لیے اپریل تک اپنا کام مکمل کر لیجیے اور مئی کے پہلے ہفتے میں میرے پاس رجسٹری سے بھیج دیجیے۔ میں دیکھ کر جلد تر واپس کر دوں گا۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا بہت صاف اور واضح ہوتا ہے، پڑھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ جموں مجھے آنا ہے، مگر ابھی تاریخ کا تعین نہیں کر سکتا۔ شاید مئی کے وسط میں یا آخر میں کوئی صورت نکلے۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں اور یہ خط پچھلے خط کی طرح ضائع نہ ہو، مل جائے آپ کو۔

اُس سپاس نامے کو شامل کر لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۲ر مئی ۱۹۹۶ء

عزیز رینا صاحب!

آپ کا لفافہ مل گیا۔ یہ ابتدائی اوراق بھیج رہا ہوں۔ پورا باب چند روز بعد دیکھنا شروع کر دوں گا۔ اُس میں ذرا سا وقت لگے گا۔ بہ ہر حال، میں اُسے دیکھ کر رجسٹری سے بھیج دوں گا۔ اِس خط کی رسید ضرور بھیجیے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ اپنے پوسٹ مین سے اپنا تعارف کرا دیجیے،

تاکہ پہلے کی طرح خط ضائع نہ ہو۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
شاہ جہان پور
۱۰رمئی ۱۹۹۶ء

رینا صاحب!

آپ کے سوال نامے کا جواب بھیج چکا ہوں۔ تاکید کردی تھی کہ اُس کی رسید فوراً بھیجنا، لیکن آج تک نہیں ملی۔ تم لوگ اس قدر بے پروا کیوں ہو۔ اب میں پریشان ہوں کہ وہ لفافہ پہنچا یا نہیں۔

اب مقالے کا یہ باب دیکھ کر بھیج رہا ہوں۔ موسم بہت بُرا ہے یہاں، دن میں چار چھے گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے۔ اِس خیال سے کہ کام رُکنے نہ پائے، سب کام چھوڑ کر اِسے دیکھ لیا۔ اب اس کی رسید فوراً بھیجو اور یہ بھی لکھو کہ وہ لفافہ ملا یا نہیں۔ کاہلی سے کام نہ لینا۔

پروانہؔ کا احوال کیا ہے، اُن کی طبیعت خراب تھی۔ سردار صاحب سے میرا اسلام کہو۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
شاہ جہان پور
۱۸رمئی ۱۹۹۶ء

رینا صاحب!

آپ کا مقالہ رجسٹری سے واپس کردیا گیا تھا، آپ نے اُس کی رسید نہیں بھیجی۔ کاپی والا کلام، جس کی کہیں اور سے تصدیق نہیں ہوتی، اُسے الگ اور آخر میں یک جا کردیجیے، نوٹ کے ساتھ۔ تراشوں کا فوٹو شامل کرنا ضروری نہیں۔ خدا کرے اب آپ پہلے سے بہتر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
شاہ جہان پور
۵رجون ۱۹۹۶ء

عزیزم!

کل خط ملا، اب اطمینان ہوا۔ تار بھی مل گیا تھا۔ جب دوسرا چیپٹر مکمل ہوجائے تو اُسے بھیج

دینا۔ خدا کرے اب طبیعت پہلے سے بہتر ہو۔

میں آج کل یہاں بہت مصروف ہوں، کہیں نہیں جا سکتا، اس لیے دعوت کا شکریہ، مگر فی الحال نہیں آسکتا، آؤں گا تو ضرور مگر اکتوبر کے بعد۔ بیگم اور بچوں کو دعائیں۔

پروانہ ملیں تو اُن سے کہیے کہ خط لکھیں اور یہ لکھیں کہ سردار صاحب کا کام کس منزل پر ہے، کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اُن کی بھی بہت فکر ہے۔

ذرا کالرا صاحب سے مل لینا۔ میں نے اُن کو دو خط لکھے، جواب نہیں ملا، پوچھ لینا اور پھر مجھے مطلع کرنا۔ مجھے اُن کے خط کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور
۱۰ر ستمبر ۹۶ء

رینا صاحب!

۲۳ر اگست کا خط ملا، شکریہ۔

مجھے معلوم ہوتا تو میں خود اسٹیشن پر آجاتا۔ کم سے کم بدھ گیا سے لایا ہوا پرشاد تو مل ہی جاتا اور بیگم صاحبہ کو بالمشافہ بہت سی دعائیں بھی دے سکتا۔ خیر، پھر سہی۔

آپ نے لکھا ہے: ''میں کتنا لاپرواہ انسان ہوں''۔ ''لاپرواہ'' کوئی لفظ نہیں، لاپروا لکھیے یا بے پروا۔ اصل لفظ ''پروا'' ہے، ''پرواہ'' نہیں۔ ''چھ بجے'' غلط، صحیح: چھے بجے۔ ''رزرویشن'' مذکر بہتر ہے۔ ''رشتہ دار ہیں''۔ صحیح: رشتے دار ہیں۔

ہاں حرفوں کی ابتدائی صورتوں سے متعلق ایک مفصل کتاب اردو میں لکھی گئی ہے، میں کوشش کروں گا کہ اُسے حاصل کر کے بھیج دوں۔

صحیح لفظ ''اِلتتمش'' ہے۔ اِس میں الف اور لام دونوں حرف اصلی ہیں یعنی جزوِ لفظ ہیں۔ شمسی اور قمری حروف میں الف یا الف لام کے گرنے کا تعلق عربی ترکیب سے ہوتا ہے، جیسے: عبدالرب، الف لام دونوں گر گئے (عبد-ال-رب)۔ یا عبدالعلی (عبد-ال-علی) کہ حرف الف گرا۔ بالکل (بِ-ال-کُل) حرف الف گرا۔ علی الصباح (علی-ال-صباح) الف لام دونوں گر گئے۔

بارش یہاں بھی بہت ہو رہی ہے۔ خط پا کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ اپنی بیگم سے میری بہت سی دعائیں کہو۔ ایک وائوا کے سلسلے میں شاید نومبر دسمبر میں آنا ہو۔

مگر یہ ابھی کہنے کی بات نہیں۔ ایسے کام دفتری لحاظ سے کانفڈنشل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر امریک سنگھ سے مل کر میرا سلام کہو اور اُن کا احوال پوچھ کر مجھے لکھو کہ اب اُن کی صحت کا حال کیا ہے۔ یہ ضروری ہے۔

میں ۱۶ر ستمبر کو بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ واپسی ۳۰ر اکتوبر کو ہوگی۔ ظہور صاحب کو ضرور پتا دینا۔ کالرا صاحب سے ذرا مل کر میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میرے دو خطوں کا جواب واجب الادا ہے، آخر مجھ سے اتنے ناراض کیوں ہیں۔ میری دو نئی کتابیں انشاء اور تلفظ اور عبارت کیسے لکھیں مکتبۂ جامعہ نے چھاپی ہیں۔ اُن کو ضرور دیکھو۔ ''اردو کیسے لکھیں'' اب پرانی ہوگئی۔ ''عبارت کیسے لکھیں'' اُس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ طلبہ کے لیے اب اِسی کی سفارش کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کا حال بالکل نہیں لکھا۔ وہ بیمار تھے، اُن کا حال ضرور لکھو۔ ہاں پروانہ صاحب سے کہو کہ اُن کے رجسٹرڈ خط کا جواب میں نے لکھ دیا تھا، وہ انھیں مل گیا؟ اُن کا کوئی خط ہی اُس کے بعد نہیں آیا۔ اُن سے کہو کہ خط لکھیں۔ تم بھی خط لکھو۔

رشید حسن خاں

بمبئی کا پتا:

C/o Mr. Bhooshan Kumar
B-41, ABHISHEK
2nd-Cross, LOKHAND WALA, Andheri (W)
Mumbay-400058

(۹)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
بمبئی، ۱۶ر اکتوبر ۹۶ء

عزیزم!

آج خط ملا۔ ''مَکین مَین'' اردو کا مستعمل لفظ ہے، اِس میں ''مین'' تابعِ مہمل ہے (جیسے: روٹی ووٹی، پانی وانی)۔ اگر پونچھ میں بھی مستعمل ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ قدیم پنجابی سے یہ چلا ہے اور کشمیر ہوتا ہوا دہلی پہنچا ہے۔ اصل صورتِ حال لغت دیکھ کر بتا سکوں گا۔

''بہ لفظہٖ'' (اصلاً ''بلفظہٖ'') مستعمل لفظ ہے (بفضلہٖ، بعینہٖ، بجنسہٖ کی طرح)۔ ''نقل'' پر نشان کتابت کا کرشمہ ہے۔

میں ۲۴ر اکتوبر کو بمبئی سے چلوں گا۔ دو دن دہلی میں رکوں گا اور ۲۷ر کو شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ یہاں یونی ورسٹی میں کچھ لکچر دینا تھے۔

توقع کرتا ہوں کہ گھر میں سب لوگ اچھی طرح ہوں گے۔ اپنی بیگم سے میری بہت سی

دعائیں کہو۔ خدا اُن کو ہمیشہ خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

یکم نومبر ۱۹۹۶ء[10]

رینا صاحب!

میں ۲۷/اکتوبر کو یہاں آیا۔ بمبئی سے میں نے آپ کو خط لکھا تھا، ملا ہوگا۔ یہاں آپ کا ایک خط ۲۳/ستمبر کا رکھا ہوا تھا۔ وہی اِس وقت پیشِ نظر ہے۔

پچھلے خط میں ساری ضروری باتیں لکھ چکا ہوں، یہ خط محض اِس ۲۳/ والے خط کی رسید ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۲۴/نومبر ۱۹۹۶ء[11]

عزیزم!

۱۲/نومبر کا خط ملا، شکریہ۔ پروانہ کا تار تو کیا آتا، خط بھی نہیں آیا۔ وہ بہ خیریت ہیں، یہ بات آپ کے خط سے معلوم ہوگئی اور میرے لیے یہی بہت ہے۔ آپ لوگ بہ عافیت رہیں اور خوش رہیں، یہی میری تمنا ہے۔

لفظوں کا حال اشخاص جیسا ہوتا ہے، ویسی ہی شخصیت، ویسی ہی صفات اور ویسی ہی صلاحیتیں۔ جب ایک زبان سے دوسری میں الفاظ منتقل ہوتے ہیں (اور یہ عمل مسلسل ہے، جاری رہتا ہے) تو اُن کا احوال اُن مہاجرین جیسا ہوتا ہے جو نقلِ وطن کر کے کسی دوسرے ملک میں آباد ہوجاتے ہیں۔ ان مہاجرین پر قاعدے قانون تو اُسی نئے ملک کے جاری ہوتے ہیں، مگر اُن کی شکل صورت نہیں بدلتی، صرف طور طریقے بدلتے ہیں۔ اِسی طرح ایسے مہاجر لفظوں کا تلفظ بدلتا ہے، معنی بھی بدل سکتے ہیں، اُن میں اضافہ ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے، مگر اُن کی صورت، یعنی املا اُس طرح نہیں بدلتا۔ اگر بعض تبدیلیاں ہوتی ہیں تو وہ ضمنی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ عربی سے جو لفظ آئے، تو وہ اپنے حروفِ تہجی کو، یعنی اپنے املا کو ساتھ لے کر آئے۔ ث، ص، ض، ظ، ع، غ ایسی ہی آوازیں ہیں۔ اِس

لیے وہ نہیں بدلیں۔ بدل بھی نہیں سکتیں۔ اب یوں دیکھو کہ ہندی کی ہکارہ آوازیں اردو میں آ گئیں۔ مگر اردو میں رھ، لھ مھ، نھ اِس کی اپنی ہکار آویزیں ہیں، جو ہندی میں نہیں۔ ہندی والا کلہاڑی لکھے گا، مگر اردو میں کلھاڑی ہے۔ بات وہی ہے کہ لھ کی آواز اردو میں ہے، ہندی میں نہیں۔

میرؔ کا یہ شعر:

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرھانے دھرے دھرے

اگر ہندی والوں کی تقلید میں اِس میں ''سرہانے'' لکھا جائے (کیوں کہ ہندی میں ''رھ'' کی ہکار آواز نہیں) تو یہ مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا، یوں کہ ''سرھانے'' بروزنِ فعولن ہے اور ''سرہانے'' بروزنِ مفعولن۔ ایسے اختلافات مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں اور یہ رہیں گے۔ یہ لسانی خصوصیات ہوتی ہیں۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

میرا آنا دیکھو کب ہوتا ہے، ایک والوا کے لیے آنا تھا، مگر معلوم نہیں وہ پروگرام بدل گیا یا نہیں بدلے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۳۰ر جون ۱۹۹۷ء[۱۲]

عزیز رینا صاحب!

خط ملا۔ پریشانی کا احوال پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ مقالہ آپ مکمل کر لیجیے، اُس کے چھپنے کا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور ہو جائے گا۔ آپ اُسے لکھنؤ فخرالدین علی احمد کمیٹی کو بھیج دیجیے گا، میں اپنی طرف سے خط لکھ دوں گا۔ ملک زادہ منظور احمد آج کل چیرمین ہیں، وہاں سے طباعت کی گرانٹ ضرور مل جائے گی، اِس کا اطمینان رکھیے۔

میری بچّی کی شادی ۳۰ سال کی عمر کے ذرا بعد ہی ہو سکی، جب کہ وہ بی. اے تھی۔ ایسا ہو جاتا ہے، اِس کا غم نہ کیجیے، ہو رہے گا کچھ نہ کچھ..... میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ جولائی میں جمبئی جاؤں گا۔ آپ سے ملاقات تبھی ہو گی جب میں جموں آؤں گا۔ یہاں میرے رہنے کا کچھ ٹھیک نہیں ہوتا۔ آتا جاتا رہتا ہوں۔

آپ نے بہت دنوں کے بعد خط لکھا۔ اِس خط کو پڑھ کر احوال تو معلوم ہوا۔ دل کا دُکھ بیان

کرنے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ آپ مجھے بہت عزیز ہیں اور عزیزوں کی پریشانی، اپنی پریشانی ہوتی ہے۔ بچّی کی شادی کی تھی۔ اب چار سال سے وہ میرے ہی پاس رہتی ہے۔ تو ایسے حالات اس زندگی میں اکثر گھروں میں ملیں گے، اُن سے ذہنی طور پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ورنہ آدمی پھر کسی کام کا نہیں رہتا۔

انشاؔ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اُن کی تیزی طبع کی ترجمانی کرتا ہے، مخلوط یعنی ہکار آوازیں ۱۷ ہی ہیں۔ واں اور یاں کی قدیم صورت یعنی عہدِ غالبؔ تک وھاں اور یھاں تھی۔ اسی بنا پر انشاؔ نے وھ اور یھ کو ہکار آوازیں لکھا ہے۔ عہدِ غالبؔ کے بعد یہ تحلیل ہو گئیں اور واں یاں نے رواج پایا۔ (یہ وہاں اور یہاں کی مخفف صورتیں ہیں)۔ وھیل مگر اب بھی مستعمل ہے۔ خط لکھتے رہیے۔ بیگم کو بہت سی دعائیں۔ اب کے جموں آیا تو آپ کے گھر ضرور چلوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۱۶ر ستمبر ۱۹۹۷ء[۱۳]

رینا صاحب!

میں پورے دو ماہ بعد ۱۳ر ستمبر کو بمبئی سے آیا ہوں۔

آپ کا خط یہاں محفوظ تھا۔ میرا علاج جاری ہے۔ دو چار دن آرام کرلوں، تب آپ کو خط لکھوں گا۔ اِسے محض اپنے خط کی رسید سمجھیے۔ مسوّدہ آپ تیار کر لیجیے۔ پوری طرح، پھر دیکھوں گا کہ کیا کرنا ہے۔ بیگم کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۳ر دسمبر ۱۹۹۸ء[۱۴]

عزیزم رینا صاحب!

کل آپ کا خط ملا، جی بہت خوش ہوا کہ آپ نے یاد کیا۔ میری طبیعت بس یوں ہی سی رہتی ہے۔ بہ ہر طور سارا کام تو پہلے ہی کی طرح ہوتا رہتا ہے۔ دوائیں کھاتا رہتا ہوں اور کام کرتا رہتا ہوں اور آپ سب کی یاد بھی آتی رہتی ہے۔

فروری میں آپ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، یوں کہ میں بمبئی میں ہوں گا۔ ۱۵رجنوری سے ۱۵رمارچ تک وہیں رہوں گا۔ وہی سلسلہ ہے علاج کا۔ پروانہ کیسے ہیں۔ ظہور صاحب سے ملاقات ہو تو میرا اسلام بھی کہہ دیجیے گا۔ بیگم کو بہت سی دعائیں۔ خط لکھتے رہا کیجیے کبھی کبھی کہ اس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۳رجنوری ۱۹۹۹ء[۱۵]

عزیزم رینا صاحب! دعائیں

تار ملا تھا، دل سے دُعا نکلی کہ تم نے یاد رکھا اور یاد کیا۔ جیتے رہو اور خوش رہو۔

آج کل سردی نے پریشان کر رکھا ہے، بُرا حال ہے۔ کچھ کام نہیں ہو پا رہا ہے۔ جنوری کے آخر میں بمبئی جانے کا ارادہ ہے۔ بیگم کو دعائیں۔ بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۲۷رمئی ۲۰۰۰ء[۱۶]

عزیزم رینا صاحب!

ایک زمانے کے بعد آپ کا خط ملا۔ میں خطوں کا جواب پابندی سے لکھتا ہوں۔ ایک تو یوں کہ یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ ہر خط کا جواب لکھا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مخلصین کے خطوں کا جواب لکھ کر مجھے دلی مسرّت ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں، جو کسی اور طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اس سے پہلے کوئی خط ملا ہوتا تو میں اُس کا جواب ضرور لکھتا۔ ہاں ایک بات یہ ہے کہ مجھے طویل وقفوں کے لیے باہر جانا پڑتا ہے۔ ابھی دو ماہ کے لیے حیدرآباد اور جے پور گیا تھا۔ سال میں ایک بار بمبئی جانا ہوتا ہے چیک اپ کے لیے۔ اپریل میں گیا تھا، مگر میرے ڈاکٹر باہر گئے ہوئے تھے، اب میں وسطِ جون میں ۱۵/۱۶رتاریخ تک جاؤں گا۔ یہاں موسم بہت پریشان کن ہے۔ اِس سے بھی اِس بہانے نجات مل جائے گی۔ میری واپسی کم وبیش دو ماہ کے بعد ہوگی۔ افسوس اِس کا رہے گا کہ جولائی میں آپ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔

لکھنؤ میں اردو اکیڈمی اور فخرالدین کمیٹی، دونوں کا سارا کام معطّل پڑا ہوا ہے۔ جب بھی کام شروع ہوا، میں آپ کو مطّلع کروں گا کہ مسوّدہ وہاں بھیج دیں۔ فارم بھی میں منگا دوں گا اور آپ کے پاس بھیج دوں گا، مگر ابھی اِس میں وقت لگے گا دو چار مہینے کا، مگر یہ کام ہوگا ضرور اور اِسے ضرور ہونا بھی چاہیے۔ ساری بات یہاں کے سیاسی حالات کی ہے۔ یہ اُنھی کا اثر ہے۔ ذرا اُن میں بدلاو آئے، تب کچھ ہوگا۔

خط پا کر مجھے دلی مسرّت ہوئی، بہت جی خوش ہوا۔ میں پرانی روش کا آدمی ہوں اور جس سے ایک بار جو رابطہ قائم ہو جائے، اُسے بھولتا نہیں۔ اس لیے پروانہ سے اور آپ سے دلی تعلق ہے اور وہ رہے گا۔

اور ہاں ہمارے ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ اُن کی قدردانی اور محبت کا قائل ہوں اور اُن کی یاد بھی آتی رہتی ہے۔ اگر ملاقات ہو تو میرا سلام کہیے اور پرسشِ حال کیجیے اور کہیے کہ میں اُن کو بھولا نہیں۔ ہاں اس کا غم ہے کہ اُن کا P.H.D کا کام نہیں ہو سکا، مگر اس میں میرا دخل نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔

بیگم سے دعائیں کہیے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور ممکن حد تک غموں سے محفوظ رکھے۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۱۰/ اپریل ۲۰۰۱ء

عزیز رینا صاحب! دعائیں۔

بہت جی خوش ہوا خط پڑھ کر۔ خاص کر یوں کہ اُس میں علمی باتیں تحریر کی گئی ہیں اور ایسے خط اب کم لکھے جاتے ہیں۔ میں نے ہر خط کا جواب لکھا تھا، میں اِس کا اہتمام کرتا ہوں کہ خط کا جواب لازماً لکھا جائے۔ یہ ڈاک کی ذمّے داری ہے کہ وہ نہ پہنچ سکے۔ معلوم نہیں یہ خط بھی پہنچے گا یا نہیں۔

(۱) مرزا صاحب[۱] جن باتوں کو مانتے تھے، اُنھیں درست سمجھ کر مانتے تھے، یوں اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے۔ اس کا تعلق ''زور دے کر منوانے'' سے نہیں۔ ہر صاحبِ نظر اور ذہن شخص کا اپنا اندازِ نظر ہوتا ہے۔ ہم خواہ اُس سے اتفاق نہ کریں، مگر ہم ہر شخص کے اِس حق کو مانتے ہیں کہ وہ اپنی رائے رکھ سکتا ہے جو دوسروں کی رائے سے مختلف ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اختلاف اور غلطی، یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہم جس بات سے اختلاف کرتے ہیں، اُس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دوسرے کی رائے غلط ہے۔ علمی معاملات و مسائل میں عموماً اتفاقِ رائے کم ہی ہو پاتا ہے۔ مرزا صاحب یہ

مانتے تھے کہ فارسی میں ہم آواز حروف نہیں، اِس بنا پر وہ یہ کہتے تھے کہ ذال اور زے ہم آواز حرف ہیں، وہ بھی نہیں ہوسکتے۔ ہم آواز عربی زبان کی خصوصیت ہے۔ یہ اُن کی رائے تھی، وہ زندگی بھر اِسی کو مانتے رہے، یہ علمی بحث ہے، مرزا صاحب کی اِس رائے سے اختلاف کیا گیا ہے، لیکن مرزا صاحب کے کلام میں الفاظ مرزا صاحب کے طریقِ نگارش کے مطابق لکھا جائے گا۔ مرزا صاحب کے کلام میں آگ کے معنی میں "آدر" ہی لکھا جائے گا، "آذر" نہیں، جب کہ دوسرے لوگوں کے کلام میں آذر اِس معنی میں آسکتا ہے۔ یا جیسے گذشتن، گزاشتن سے بننے والے فعل سب اصلاً ذال سے ہیں، مگر مرزا صاحب یہ مانتے تھے کہ اِن میں زے ہے۔ اُن کے کلام میں گزشتہ ہی لکھا جائے گا، ویسے گذشتہ لکھا جاتا ہے۔ گذاردن اور گزاردن میں ذال اور زے سے جو فرق معنی پیدا ہوگا، اُس کا تعلق عام لکھاوٹ سے ہے، مرزا صاحب کے کلام میں طریقِ نگارش سے نہیں اِسی فرق کو لازماً ذہن میں رکھا جانا چاہیے۔

ذرا، ذرّہ ہی کی دوسری صورت ہے۔ ذرّہ سی بات بہ معنی چھوٹی سی بات پرانے شعرا کے یہاں بہت ملتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ استعمال بدل گیا اور اب عموماً ذرا لکھا جاتا ہے، معنی وہی ہیں۔ اصل لفظ تو ذرّۃ ہے، اُس سے فارسی میں ذرّہ بنا اور اُسی سے اردو میں ذرا بن گیا۔ معنی ہر جگہ ایک ہی رہے۔ چوں کہ ذرا اردو میں بنا ہے، یوں مولوی نذیر احمد، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، بعض اور لوگ بھی اور مرزا صاحب بھی اِسے زرا لکھتے تھے۔ یہ اختلاف ہے، اُن لوگوں کی تحریروں میں اِسی کی پابندی کی جائے گی۔ عام تحریر میں ذرا ہی لکھا جائے گا۔

تم نے ذرّہ اور زِرہ میں گڑبڑ کی ہے۔ زرہ دوسرا لفظ ہے، اس کا ذرّہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی مرزا صاحب عربی لفظوں میں ذال لکھنے کے قائل تھے، عام تحریر کی طرح؛ فارسی لفظوں میں نہیں لکھتے تھے، اِس لیے اعدادِ تاریخ کا جھگڑا پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دال کی جگہ ذال یا زے لکھنے سے عروض میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تم نے عجیب سوال کیا ہے۔ ارے بھائی! آدر اور آذر کا وزن ایک ہے، پھر عروضی فرق کیوں پیدا ہونے لگا۔ فارسی میں ذال موجود تھا، اِس پر بہت بحث ہو چکی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مرزا صاحب اسے نہیں مانتے تھے اس اصول کی بنا پر کہ کوئی اور ہم آواز حرف فارسی میں نہیں تو ذ اور زے بھی نہیں ہوسکتے۔ یہاں صحیح غلط کی بحث نہیں۔ بحث یہ ہے کہ مرزا صاحب اِس بات کو مانتے تھے اور اُن کے زمانے میں بعض اور اہلِ علم بھی اِس کو مانتے تھے جن میں بعض لُغت نویس بھی تھے۔ اس مسئلے کو اِسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ "مرزا صاحب اڑے ہوئے تھے" یہ غیر علمی اندازِ گفتگو ہے۔ مرزا صاحب اِس بات کو مانتے تھے اور اس کا اُن کو حق حاصل تھا۔ ہم نہیں مانتے اور اِس اختلاف کا حق ہم کو حاصل ہے۔ علمی مسائل میں ہمیشہ اختلافات رہے ہیں اور رہیں گے۔ یہ تمھاری نری غلط فہمی ہے

کہ مرزا صاحب کسی احساسِ کم تری کا شکار تھے۔ وہ جینیس تھے اور اُن کی ذہنی رفعت اِن عام اور عامیانہ باتوں سے بلند تر تھی۔

مرزا صاحب ہندستانی فرہنگ نگاروں کو مستند نہیں مانتے تھے، یوں وہ اَنشا کو کیا مانتے۔ کاغذ کو یوں مان لیا کہ اُن کی رائے میں یہ مفرّس ہو چکا تھا۔ اِس پر اُنھوں نے بحث بھی کی ہے۔ اِس کی عربی جمع کواغذ بھی رائج ہو چکی تھی۔ دوسرے لفظوں کی یہ صورت نہیں تھی۔

بعض دفعہ تم بڑی اوٹ پٹانگ بات لکھتے ہو۔ ارے بھائی مرزا صاحب کے زمانے میں انگریزی لفظوں نے زیادہ رواج نہیں پایا تھا۔ میر اَمّن نے ہر جگہ ''لارڈ'' لکھا ہے۔ اُن کی زبان پر جو لفظ جس طرح تھا، اُنھوں نے اُسی طرح لکھا۔ اِس میں دیسی اور بدیسی زبان کی بحث تم خواہ مخواہ لے آئے۔ مرزا غالبؔ ہی نہیں، اُس زمانے کے بعض اور لوگ بھی انگریزی لفظوں کو اُس طرح نہیں لکھتے تھے جس طرح ہم آج لکھتے ہیں۔ یہ چلن، کا مسئلہ ہے، جب چلن بڑھا تو لفظوں کی شکلیں درست ہونے لگیں، مگر یہ بتاؤ کہ لالٹین اور اسپتال اور اسٹیشن وغیرہ آج بھی کیا تم اُسی طرح لکھتے ہو جس طرح وہ اصل زبان میں ہیں۔ بات کو صحیح تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرو۔

دکنی میں سیں ہے، تو کیا اب اُسے سے لکھو گے؟ نہیں لکھو گے نا، سیں ہی لکھو گے۔ جب شمالی ہند کا کلام لکھو گے تو اُس میں سے لکھو گے۔ یہی اصول املاے غالبؔ کے تحت اپنایا جائے گا۔

املا نامہ کی نئی اشاعت کی مجھے خبر ہی نہیں تھی، اُس کی کسی میٹنگ میں مجھے نہیں بلایا گیا، جو چاہا لکھ دیا، میں اُس کے مندرجات کا ذمّے دار نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے غلط فہمی کو بہت فروغ ملا ہے کہ پہلے ایک بات کہی گئی اور پھر خواہ مخواہ اُسے بدل دیا گیا، محض اِس لیے کہ اب یہ ایک نئی چیز بن جائے۔ بہ ہر طور اس سے میرا کچھ تعلق نہیں۔

میں ۱۵/اپریل کو لکھنؤ جاؤں گا، وہاں ایک لکچر دینا ہے، پھر اپریل کے آخر میں مہینا ڈیڑھ مہینے کے لیے بمبئی جاؤں گا۔ تم نے مفصّل خط لکھا، اِسے دیکھ کر اور پڑھ کر میرا جی بہت خوش ہوا اور پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ خط لکھتے رہا کرو کہ اِس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے اور یادیں تازہ ہوتی رہتی ہیں۔ گھر میں سب کو بہت سی دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۱۸/ستمبر ۲۰۰۳ء [۱۸]

عزیزم رینا صاحب! دعائیں

بہت جی خوش ہوا تھا تم دونوں کو اپنے گھر میں دیکھ کر۔ آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی تھی۔ بہو کو پہلی بار دیکھا اور یقین ہو گیا کہ پرانی گھریلو تہذیبی روایتوں کی قدر شناس ہیں۔ خدا اُن کو ہمیشہ خوش رکھے۔ یہاں سب لوگ اب تک تم دونوں کے آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ بہت مسرّت ہوئی تھی سبھی کو تم کو دیکھ کر اور بے تکلفانہ باتیں سن کر اور ایسی ہی گفتگو کر کے۔ جیتے رہو اور خوش رہو اور آئندہ بھی اِس روایت کو دُہرانے کی سعادت حاصل کرو۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔

جینؔ صاحب پر میرا مفصّل مضمون کئی برس پہلے آج کلؔ میں چھپا تھا۔ اور میں نے اپنی ایک کتاب بھی اُن کے نام معنون کی ہے۔

میری دونوں بہوئیں، بہنیں نہیں، مگر بہنوں کی طرح رہتی ہیں، کسی طرح کا اختلاف آج تک پیدا نہیں ہوا۔ دونوں جی جان سے میری دیکھ بھال میں مصروف رہتی ہیں۔ پرانے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں یوں وہی پُرانا پن ہے اُن میں بھی۔

تم نے یہ نہیں لکھا کہ پروانہ کی بیگم کا احوال کیا ہے؟ جی لگا ہوا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

یکم جنوری ۲۰۰۴ء ۱۹؎

عزیزم رینا صاحب!

سب سے پہلے نئے سال کی مبارک باد قبول کیجیے۔ دُعا کرتا ہوں کہ یہ سال آپ کے لیے اور گھر والوں کے لیے اور آپ کی بیٹی کے لیے خاص طور پر مبارک ثابت ہو۔

بھائی! ہندو ہوں یا مسلمان، اب سبھی اِس مشکل سے دوچار ہیں کہ اچھے لڑکے کم ہیں اور جو ہیں، اُن کی ڈیمانڈ بہت ہے، یوں اُن کا بھاؤ بھی بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ کل ہی میرے عزیزوں میں ایک لڑکے نے شادی سے پہلے ایک لاکھ روپے لے لیے اور پھر یہ شرط رکھی کہ ایک کار بھی دی جائے۔ اوسط درجے کے لوگ، کہاں سے لاتے کار۔

مجھے تعجب اس پر آج تک کوئی کوئی ریفارمر ایسا نہیں اُٹھا جو جہیز کی لعنت کے خلاف جہاد کرتا۔ جو لوگ ہندوؤں کی پاس داری کے بڑے دعوے کرتے ہیں، وہ محض سیاسی کھیل ہے۔ آخر سماجی اصلاح کے لیے کمربستہ کیوں نہیں ہوتے۔ اِس کے لیے کوئی تیار نہیں، نہ کوئی لیڈر اور نہ کوئی سنت سادھو اور ملا مولوی۔

میں دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ بیٹی کا مسئلہ کسی صورت سے طے ہو جائے۔ یہ واقعی

بڑی اذیت ناک چیز ہے۔

خدا تمھاری مدد کرے۔ اپنی دُلھن سے میری دُعائیں کہو اور بچوں کو پیار۔ تمھارا خط پڑھ کر بہت جی خوش ہوا، دل سے دعا نکلی۔ اب ایسے یاد رکھنے والے اور یاد کرنے والے کتنے رہ گئے ہیں۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا

شاہ جہان پور

۱۹ر دسمبر ۲۰۰۴ء

عزیزم رینا صاحب! بہت سی دعائیں

دنوں کے بعد خط ملا، جی بہت خوش ہوا۔

سب سے پہلے آنے والے نئے سال کی مبارک باد! ہم سب یہی اُمید کر سکتے ہیں کہ شاید آنے والا سال ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔ رہی بات کہ اُمید پر دنیا قائم ہے۔

گرو جی کے انتقال کی خبر سے مجھے دُکھ ہوا۔ ہر چند کہ موت برحق ہے، ہم سبھی کو وہاں جانا ہے؛ مگر ایسے نیک اور پاکیزہ حضرات کا اُٹھ جانا خیر و برکت کے اُٹھ جانے کے برابر ہوتا ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اُس جہان میں اُن کی روح کو سکون اور شانتی ملے۔

بیٹیوں کا مسئلہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہے۔ مسلم سماج میں بھی اب نئے حالات میں جہیز کی لعنت نے جگہ بنالی ہے۔ اوسط درجے کے ماں باپ کے لیے یہ بڑی ذہنی پریشانی کی بات ہے۔ بہ ظاہر اِس کا کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ بس یہ کہ دُعا کی جائے کہ کوئی مناسب صورت پیدا ہو جائے۔

یہاں سردی بے تحاشا پڑ رہی ہے۔ مارچ سے پہلے یہاں موسم اچھا نہیں ہوگا۔

شعبۂ اردو کا احوال پڑھ کر افسوس ہوا۔ آزاد صاحب اور کالرا صاحب ہوتے تو یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نکمے پن کے سوا اور کیا کہا جائے۔ کیسا شان دار شعبہ اور اُس کا یہ حال، افسوس! جین صاحب کے دو خط میرے پاس آئے تھے اور پچھلے مہینے اُنھوں نے دو بار فون بھی کیا تھا، بات اچھی طرح نہیں کر پا رہے تھے۔ بہت دُکھ ہوا آواز سن کر۔ کیسا شخص اور بیماری نے کیا حال کر دیا! میں اُنھیں خط لکھتا رہتا ہوں۔

تم سب کے لیے بہت دعا کرتا ہوں کہ تم پہلے کی طرح یاد رکھتے ہو۔ یہ تمھاری ذہنی شرافت کی نشانی ہے۔ جیتے رہو اور خوش رہو، بیگم کو بہت سی دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر ٹی. آر. رینا
شاہ جہان پور
۱۷ر فروری ۲۰۰۶ء [۱]

عزیزم!

تمھارا خط مجھے کل ملا تھا، جیتے رہو اور خوش رہو۔ تم جس خلوص اور تعلقِ خاطر کے ساتھ خط لکھتے ہو اور یاد رکھتے ہو، یہ بات اب کم یاب ہے۔ بہت سی دعائیں۔

جین صاحب کو میں نے خط لکھا تھا، اُن کے دو خط آئے تھے اور دوبار اُنھوں نے فون بھی کیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ فون پر الفاظ اُن کے منہ سے اِس طرح نکلتے ہیں کہ گڈمڈ ہو جاتے ہیں، بات سمجھ میں نہیں آپاتی۔ تحریر تو خیر پھر بھی پڑھ لی جاتی ہے۔ میں نے اپنی کتاب سحرالبیان کا انتساب اُنھی کے نام کیا ہے۔ وہ میرے حال پر بہت مہربان رہے ہیں۔

تحقیق کا فن پر کچھ نہ لکھنے کی شکایت اُنھوں نے مجھ سے بھی کی تھی۔ میں کرتا کیا، مرحوم کالرا صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اس پر تبصرہ میں لکھوں گا، یوں میں نے کچھ نہیں لکھا، یہ بات میں نے جین صاحب کو بتا دی تھی۔ وہ لکھتے ہی رہ گئے اور چلے گئے، پھر بات پُرانی ہو گئی۔

پونچھ کی زبان کے الفاظ کو حروفِ تہجی کی ترتیب کے ساتھ لکھو، پھر دیکھوں گا کہ اُن کو کس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے۔

ظہور صاحب نے فون کیا تھا، اُن سے گفتگو ہوگئی۔ اُن کا خط بھی آیا تھا۔

تم کو عزیز رکھتا ہوں اور تمھاری یاد دل میں رہتی ہے۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے اور تمھاری پریشانیوں کے دور ہونے کا کوئی وسیلہ پیدا کرے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ تاریخ خط کے سرنامے پر اردو میں اور نیچے انگریزی میں لکھی ہے۔

۲ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مقام کی مہر ڈاک خانے کی پشت پر ثبت ہے۔

۳ مقام اور تاریخ سرنامے پر درج ہے۔ مقام خط کی پشت پر ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔

۴ مقام خط کے باہر اور تاریخ اندر نیچے درج ہے۔

۵ مقام خط کے باہر اور تاریخ اندر نیچے درج ہے۔

۶۔ مقام درج نہیں ہے، تاریخ خط کے نیچے درج ہے۔ راقم نے ایک تحریر شاہ جہان پور کے پتے پر روانہ کی تھی۔ یہ خط اُسی تحریر کی پشت پر ہے، جو واپس مجھ تک پہنچی۔

۷۔ سرنامے پر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۔ تاریخ و مقام سرنامے پر درج ہیں۔ اِس خط میں ۱۶ر ستمبر کو بمبئی جانے کا ذکر ہے۔ وہاں وہ ڈیڑھ ماہ تک رُکیں گے۔ واپسی ۳۰ر اکتوبر کو ہوگی۔

۹۔ خاں صاحب کا نام، مقام اور تاریخ سرنامے پر درج ہیں۔ نیچے تاریخ انگریزی میں بھی درج ہے۔

۱۰۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ تاریخ خط کے نیچے اور پشت پر مقام بھی درج ہے۔

۱۲۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۳۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۷۔ ''مرزا صاحب'' یعنی مرزا غالب، مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۸۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۰۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ راقم کے نام خاں صاحب کا یہ آخری خط ہے۔ ۲۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو اُن کا انتقال ہوگیا۔

بنام جگن ناتھ آزاد، پروفیسر

(۱)

ایف/۴، جوبلی ہال[1]
مال روڈ، دہلی-۶
۲۳/اکتوبر ۱۹۷۰ء

مکرمی!

خط ملا، میں مبتلائے انفلوانزا ہوں، یونی ورسٹی سے غیر حاضر۔ کئی دن کے بعد آج ڈاک ملی ہے۔ اس میں آپ کا خط بھی تھا۔

میں اس موذی مرض سے نجات پاتے ہی تعمیلِ حکم کروں گا۔ یادآوری کا شکریہ۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: جگن ناتھ آزاد
ٹی. سی. ۹، گائر ہال[2]
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۵/اگست ۱۹۸۴ء

محبِ مکرم!

کل دس بارہ دن کے بعد شعبے کی طرف جانا ہوا تو آپ کا لفافہ رکھا ہوا ملا۔ بات یہ ہے کہ میرا کمرا ٹے ٹوریل بلڈنگ میں ہے، اِس لیے آرٹس فیکلٹی کی عمارت کی طرف آنا ذرا کم ہوتا ہے۔ شعبے کے کچھ کمرے آرٹس فیکلٹی کی عمارت میں ہیں، اور چھے کمرے ٹے ٹوریل بلڈنگ میں ہیں، جو سامنے ہی ہے۔ میرا کمرا بھی وہیں ہے۔

اس سے پہلے گائر ہال میں آپ کا پُرزہ ملا تھا، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ آپ کب تک دہلی میں رہیں گے۔ اگر آپ یہ بات اُس پُرزے میں لکھ دیتے تو میں دوسرے ہی دن آپ کے

لکھے ہوئے پتے پر پہنچ جاتا۔ یہ بات لکھی آپ نے خط میں، جو کل ملا ہے۔ آپ سے ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس ہے۔ اگر آپ آنے سے پہلے ایک خط لکھ دیتے تو لازماً ملاقات ہو جاتی، اب جب بھی آپ یہاں آئیں، خط ضرور لکھیں، تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ بڑی کوفت ہوئی اور بہت قلق ہوا۔

اِس کا امکان ہے کہ میں ستمبر کے تیسرے ہفتے میں کراچی جاؤں، وہاں نیاز فتح پوری کے سلسلے میں ایک مذاکرہ ہے۔ قطعی طور پر فیصلہ تو ابھی نہیں کیا ہے، مگر زیرِ غور ضرور ہے۔ شاید چلا جاؤں۔

آپ سے ملاقات کو کئی مہینے گزر گئے ہیں۔ اب جب بھی آپ دہلی آئیں تو ملاقات ضرور ہونا چاہیے اور اِس کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ آپ ایک خط چلنے سے پہلے ضرور لکھ دیں۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ ''پرسنل لیٹر فائل'' آزاد صاحب کے ہاتھ سے انگریزی میں لکھا ہوا ہے نیچے دستخط ہیں۔

۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ایضاً

بنام جی. کے. مانک ٹالا

(۱)

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۱]

۱۲رمئی ۱۹۸۹ء

مکرمی! آداب

آپ کا لفافہ مجھے کل ملا، اس میں لطیف الزماں خاں صاحب کا خط بھی ملفوف تھا۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے پبلشر نے رجسٹری کے ذریعے آپ کی نئی کتاب بھیجی تھی؛ مگر آج کے دن تک تو مجھے وہ کتاب ملی نہیں۔ رجسٹرڈ پارسل گم نہیں ہوتا۔ ذرا پھر اُن سے پوچھیے کہ انھوں نے کیا واقعتاً کتاب بھیجی تھی۔

مجھے اشتیاق ہے آپ کی کتاب کا، ملتے ہی توجہ کے ساتھ پڑھوں گا، شکریہ پیشگی ادا کر رہا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: جی. کے. مانک ٹالا[۲]

۲۱ردسمبر ۱۹۸۹ء

محبی!

آپ کا خط ملا۔ نومبر میں میری بائیں آنکھ کا آپریشن ہوا تھا موتیابند کا، ابھی تک اُس آنکھ میں ذرا سا کچا پن باقی ہے، یوں لکھنے پڑھنے کا کام پوری طرح نہیں کرسکتا، بس ضروری خطوں کی چند سطریں لکھ لیا کرتا ہوں۔ ٹھیک ہوتے ہی دیکھوں گا کہ میں نے اُس کتاب کو کہاں رکھ دیا ہے، اگر وہ میرے پاس آئی ہے، اب مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔

حسنِ اتفاق سے میں ۱۷ر سے ۲۰رجنوری تک بمبئی میں رہوں گا۔ میرا قیام کالینا میں یونی ورسٹی کے مہمان خانے میں ہوگا۔ اگر کوئی صورت آپ سے ملاقات کی نکل سکے تو خوب ہو۔ میں تو اس

بے کراں اور بے اماں شہر کے جغرافیے سے اچھی طرح آشنا نہیں، ہاں عبدالستار دلوی صاحب کے یہاں فون ہے، اگر آپ فون پر اُن سے رابطہ قائم کرسکیں تو مجھے آپ کے پروگرام کا علم اُن کے واسطے سے بہ آسانی ہوسکتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: جی. کے. مانک ٹالا

شاہ جہان پور[۳]

۱۷ر ستمبر ۱۹۹۷ء

مکرّمی! آداب

آپ کا ۱۳ر ستمبر کا خط پیشِ نظر ہے۔ میں یہاں ۱۳ر ہی کو پہنچا تھا۔ خیال تھا کہ دہلی سے کتابیں آجائیں تو خط لکھوں گا، پھر سوچا کہ آپ کے خط کی رسید تو بھیج ہی دوں۔ جب کتابیں آئیں گی تو اُن کی رسید بھیجوں گا۔

میری طبیعت بہ ظاہر ٹھیک ہے، مگر دوا کھا رہا ہوں اور ابھی دو ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ دسمبر میں وہاں دو سو سالہ غالبؔ سمینار ہے، اُس میں شرکت کا ارادہ ہے، یوں آپ سے ملاقات کا موقع نکل آئے گا۔ تب تک کے لیے رخصت۔

خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: جی. کے. مانک ٹالا

شاہ جہان پور[۴]

۲۵ر ستمبر ۱۹۹۷ء

مکرّمی! آداب

آج ابھی دونوں کتابوں کا پارسل مل گیا۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ بمبئی سے

واپسی پر میری طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی، ابھی تک وہ سلسلہ چل رہا ہے۔ طبیعت ذرا سنبھلے تو انھیں آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کروں گا۔ ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: جی. کے. مانک ٹالا

شاہ جہان پور[۵]

۲۸ر مئی ۱۹۹۹ء

مکرّمی! آداب

ابھی ڈاک سے آپ کے کتاب ملی، اِس عنایت اور لطفِ خاص کے لیے شکر گزار ہوں۔ بے طرح الجھا ہوا ہوں چند روز کے لیے۔ فرصت پاتے ہی توجہ کے ساتھ اِسے پڑھوں گا اور مسرّت حاصل کروں گا۔

میں ۲۱ر مئی کو ممبئی سے چلا تھا، ۱۶ر اپریل کو وہاں پہنچا تھا۔ اِس دوران ڈاکٹر کے سوا اور کہیں نہیں جا سکا، اِسی وجہ سے آپ سے بھی ملاقات نہیں ہو پائی، اِس محرومی کا افسوس رہا۔ خیر، پھر سہی۔ یادآوری کا ایک بار پھر شکریہ۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ یہ پہلا خط ہے جس کے سرنامے پر خاں صاحب نے اردو میں اپنا نام سب سے اوپر لکھا ہے۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۲ اس خط کا جوزیراکس مجھے ہماری زبان دہلی کے آرکائیوز سے موصول ہوا ہے اس کے پشت کا عکس شامل نہیں، اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے پتے کیا ہیں۔ ہاں تاریخ نیچے درج ہے۔

۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

بنام جمیل الدین عالی

رشید حسن خاں
۱۶۷-باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور (یوپی)
(ہندستان)
۲۱/اکتوبر ۱۹۹۸ء

مکرمی![1] آداب

میں اپنی کتاب مثنویاتِ شوق کے حقوقِ اشاعت پاکستان میں انجمن ترقیِ اردو پاکستان (کراچی) کے حوالے کرتا ہوں۔ انجمن جب چاہے، اِسے چھاپ سکتی ہے۔ اِس سلسلے میں رائلٹی کے متعلق سکریٹری انجمنِ مذکور جو فیصلہ کریں گے، وہ مجھے منظور ہوگا۔

رشید حسن خاں

برائے جمیل الدین عالی صاحب
جنرل سکریٹری انجمن ترقیِ اردو پاکستان
(کراچی)

---

[1] یہ خط رشید حسن خاں صاحب نے جمیل الدین عالی صاحب، جنرل سکریٹری انجمن ترقیِ اردو پاکستان (کراچی) کے نام لکھا ہے، جس میں مثنویاتِ شوق کے حقوقِ اشاعت انجمن کے حوالے کیے گئے ہیں۔

بنام حنیف نقوی، ڈاکٹر

(۱)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007

۲۰ر فروری ۱۹۸۰ء

مکرّمی حنیف نقوی صاحب! تسلیم

مجھے آپ سے باضابطہ شرفِ تعارف حاصل نہیں (البتہ غائبانہ شناسائی ضرور ہے) اِس کے باوجود، توقع کرتا ہوں کہ یہ خط، محرومِ جواب نہیں رہے گا اس کی عنایت کے لیے منت پذیر ہوں گا۔

میں آج کل فسانۂ عجائب کا متن مرتب کررہا ہوں۔ یہ شعبۂ اردو کی ایک اسکیم کا پہلا جز ہے۔ اِس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ میں نے بجائے خود یہ خیال باندھ لیا ہے کہ آپ اِس سلسلے میں استعانت سے دریغ نہیں کریں گے۔

فسانۂ عجائب کے حقوقِ اشاعت منشی نول کشور نے مصنف سے خرید لیے تھے؛ یہ ۱۸۶۷ء (۱۲۸۳ھ) کی بات ہے اور اُسی سال اُنھوں نے اِس کتاب کا ایک اڈیشن (غالباً مصوّر) شائع کیا۔ یہ گویا اِس پریس سے پہلا باضابطہ اڈیشن نکلا تھا۔ (اگرچہ اس سے پہلے بھی یہ کتاب وہاں سے چھپ چکی تھی) میں باوصفِ تلاش اِس اشاعت کو حاصل کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ لکھنؤ میں بھی کہیں نہیں ملی۔

خیال آیا کہ بنارس سے سُرورؔ کا جو تعلق رہا ہے، اُس کے پیشِ نظر یہ امکان ہے کہ وہاں کسی کتاب خانے میں یہ اشاعت محفوظ ہو۔ اس سلسلے میں آپ کو زحمت دینا چاہتا ہوں۔ اگر آپ زحمت گوارا کرکے یہ معلوم کرسکیں کہ کیا وہاں کسی کتاب خانے میں یہ اڈیشن موجود ہے، تو ممنون ہوں گا۔

اِس سلسلے میں اگر آپ کوئی اور مشورہ یا اطلاع دے سکیں تو اُس کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں گا۔ اِس زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں اور آپ کے خط (کے) لیے چشم براہ۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۱۸؍مارچ ۱۹۸۰ءؔ

محبِ مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا، آپ نے جس تعلقِ خاطر کے ساتھ کتاب تلاش کی، اُس کے لیے منت پذیر ہوں۔ آپ کے حسنِ اخلاق سے یہ بھی توقع کرتا ہوں کہ آیندہ بھی مجھے آپ سے گراں قدر مدد ملتی رہے گی۔ مہاراجا کی لائبریری میں تلاش کرنا یوں بیکار ہے کہ اگر وہ کتاب وہاں ہو بھی تو میں اُس سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اُس کا خیال ہی کیوں کیا جائے۔

بھائی! آپ سے ایک اور مسئلے میں مدد لینا چاہتا ہوں۔ فسانۂ عجائب میں شعر بہت سے ہیں اور میرا احوال یہ ہے کہ میں اِس معاملے میں بہت پس ماندہ ہوں، یعنی مجھے یہ یاد نہیں رہتا کہ کون سا شعر کس کا ہے۔ آپ نے اس موضوع پر کام کیا ہے اور آپ کے مضامین کی ایک دو قسطیں اب سے کئی سال پہلے میں نے پڑھی تھیں۔ اس لیے چاہتا یہ ہوں کہ میں اپنے خط میں بالاقساط کچھ اشعار لکھتا رہوں اور اُن میں سے جن اشعار کا انتساب آپ کے ذہن میں ہو، آپ اُس سے مجھے مطلع کر دیں۔ یہ مسلّم ہے کہ سب اشعار کی تخریج مشکل اور بہت مشکل ہے، بس جن اشعار کا انتساب معلوم ہو سکے، وہ کم سہی، وہی بہت ہے۔ آسمان کے تاروں کو کون گن سکا ہے۔

میں کچھ اشعار اس خط میں لکھ رہا ہوں، زحمت گوارا کر کے یہ دیکھیے کہ ان میں سے کسی ایک یا چند اشعار کا انتساب معلوم ہو سکتا ہے۔

ہاں صاحب! میں نے شاعر میں آپ کا تبصرہ پڑھا۔ خوب ہے۔ آپ نے حسبِ معمول اور حسبِ عادت محنت کی ہے اور تلاش و تفحص سے کام لیا ہے، لیکن اتنی طویل تمہید کی ضرورت نہیں تھی، دو سطروں میں معذرت طلبی کا حق ادا کیا جا سکتا تھا۔ تبصرے اور تنقید اور تحقیق کو طویل معذرت طلبی سے ذرا دور کا تعلق ہے اور دور ہی کا رہنا چاہیے۔ بہ ہر حال، اِس تبصرے سے میری معلومات میں اضافہ ہوا اور کئی نئی باتیں معلوم ہوئیں اور اس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ میں نے تذکروں سے متعلق آپ کی کتاب نہیں دیکھی، اُس کی تعریف سنی ہے۔ تنویر علوی صاحب کے پاس ہے اُن میں سے کئی بار فرمایش کر چکا ہوں، دیکھیے وہ کب کرم کرتے ہیں۔ پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات سے آپ کو مطلع کروں گا۔ آپ جس طرح کام کرتے ہیں، اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ

توقع ضرور ہے کہ معلومات افزا کتاب ہوگی اور قاعدے قرینے کا کام ہوگا۔

ایک ضروری بات: یہ کتاب دو جلدوں میں مرتب کی جائے گی، پہلی جلد متن اور متعلقاتِ متن پر مشتمل ہوگی اور دوسری جلد میں تحقیقی اور تنقیدی مضامین ہوں گے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کا مضمون بھی اس میں شامل ہو۔ ''سرور اور بنارس'' کے عنوان سے آپ نہایت کارآمد مضمون لکھ سکتے ہیں۔ اور جس اطلاع کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے، اسے اپنے مضمون میں شامل کر سکتے ہیں۔ آپ کی دریافت، آپ ہی کے نام سے آنا چاہیے۔ یہ بے انصافی ہوگی اگر میں اس کو اپنے حواشی میں شامل کروں اور حق تلفی بھی ہوگی۔ یہ مضمون کتاب کے آٹھ دس صفحات سے زیادہ نہ ہو۔ اور دو مہینے کا ابھی وقت ہے، اس زمانے میں آپ اُسے بھیج سکتے ہیں۔ یا اگر کوئی اور پہلو آپ کے ذہن میں اس سے بہتر ہو، تو وہ سہی، لیکن مجھے اس سے مطلع ضرور کر دیجیے تاکہ اُسے درجِ فہرست کرسکوں۔ میں مختلف حضرات سے فرمائش کر رہا ہوں اِس جلد کے لیے۔ چاہتا یہ ہوں کہ کام کے اور ٹھکانے کے مضامین ہوں، آخور کی بھرتی نہ ہو۔ اس لیے منتخب حضرات ہی کو زحمت دینے کا ارادہ ہے۔ چشم براہ ہوں۔

<u>علاحدہ صفحے پر اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو مزید زحمت نہ ہو اور اسی صفحے کو واپس کر دیں</u>

(۱) تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس — یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا الٹا
سرور نے اسے آتش سے منسوب کیا ہے لیکن کلیات میں مجھے نہیں ملا۔

(۲) کارِ دنیا کے تمام نہ کرد — ہرچہ گیرید، مختصر گیرید

(۳) کس نگوید کہ دوغِ فن تُرش است

(۴) ہرچہ از دوست میرسد، نیکوست

(۵) بیکار مباش، کچھ کیا کر

(۶) بے جُرم تہِ تیغ ہی رکھا تھا گلے کو — کچھ بات بُری مُنہ سے نہ نکلی تھی بھلے کو
سرور نے اسے میر سے منسوب کیا ہے، لیکن مجھے نہیں ملا۔

(۷) چناں بموسمِ سرما دوشالہا بخشید — کہ گرم شد ہمہ بنگالہ سرد شد کشمیر

(۸) سُنا رِضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے — وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

(۹) در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را — افسردہ دل، افسردہ کند انجمنے را

(۱۰) سُنا یوسف کو، حسینانِ جہاں بھی دیکھے — ایسا بے مثل طرح دار نہ دیکھا نہ سُنا

(۱۱) میں وہ نہیں جو کروں سیر بوستاں تنہا بہشت ہو تو نہ مُنہٖ کیجیے باغباں تنہا
وہ ہم نہیں جو کریں (سودا)

(۱۲) کسی کی شب وصل سُوتے کٹے ہے کسی کی شبِ ہجر رُوتے کٹے ہے
ہماری یہ شب کیسی شب ہے الٰہی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے
نواب آصف الدولہ (قاسم)

(۱۳) نہ مونسے، نہ رفیقے، نہ ہمدمے دارم حدیثِ دل بکہ گویم، عجب غمے دارم
(۱۴) وای برما و گرفتاریِ ما
(۱۵) سوائے اندُوہ ویاس وحرماں ہوا نہ حاصل جہاں سے ہم کو
اٹھائیں کاندھے پہ بارِ ہستی سفر ہے بہتر یہاں سے ہم کو
مرزا محمد تقی ہوس

(۱۶) یار سے ہے لطف مے کا آہ یہ ہو وہ نہ ہو یہ کوئی صحبت ہے ساقی، واہ یہ ہو وہ نہ ہو
(۱۷) چہ گویم از سروسامانِ خودعمریست چوں کاکل سیہ بختم، پریشاں روزگارم، خانہ بردوشم
(۱۸) وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد
(۱۹) عجیب واقعۂ طرفہ ماجرایے ہست
(۲۰) سفر رخصت مبارک باد سلامت روی و باز آئی
(۲۱) جی کی جی ہی میں رہی، بات نہ ہونے پائی حیف ہے، اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی
(۲۲) تا سر نہم، پا نکشم از سر کویت نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد
(۲۳) قدم عشق پیشتر بہتر
(۲۴) تجھ بن ہے خراب زندگانی ہے مجھ کو عذاب زندگانی
اتنا تو نہ چھپ کے لے کفن کا گھبرا کے نقاب زندگانی
(۲۵) کمال ضبط کو عاشق اگر کرے پیدا کہاں کی آن، کرے بات ہی اثر پیدا
خدا کو مان نہ لے نام عاشقی کا سرور کہ منفعت میں بھی اس کی ہیں سوضرر پیدا
(پانچ شعر کی غزل ہے) سرور

(۲۶) چہ خوش گفت سعدی در..... الایا ایہا الساقی اور کا ... .
(۲۷) سچ ہے، اوچھے کا بھی احسان بُرا ہوتا ہے

ان میں سے چند اشعار کا انتساب بھی معلوم ہو سکے تو بہت ہے۔ باقی اشعار پر کسی موقعے پر بھیجوں گا

(۳)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۲۱/اپریل ۱۹۸۰ء

محبِ مکرّم!

آپ کا خط مل گیا تھا، مجھے اچانک ایک اُلجھن میں مبتلا ہو کر شاہ جہان پور جانا پڑا۔ واپسی پر اچانک سخت بیمار ہو گیا اور بستر پر گویا قید ہو گیا۔ اب بھی پوری طرح نجات نہیں ملی ہے، بہ ہر حال، پہلے سے بہتر ہوں۔

میں شکرگزار ہوں آپ کی اِس عنایت کا کہ آپ نے زحمت گوارا کی اور اِس عالم میں۔ اب براہِ کرم مطلع کیجیے کہ آنکھوں کا احوال کیا ہے۔ اب جب آپ کا خط آئے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں، تب میں زحمت دوں گا۔

حسرت پر اُس مسافرِ بے کس کی روئیے... اس کا انتساب میری نظر میں تھا۔ قاضی صاحب اس کی نشان دہی کر چکے ہیں معاصر میں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ:

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہوتا رفو

یہ شعر زکی کا ہے۔

صاحب! آپ کے لطفِ خاص سے کئی اشعار کے انتساب کا علم ہوا، ان سب اشعار کے ذیل میں آپ کا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ متوقع ہوں کہ آیندہ بھی اس التفات میں کمی نہیں ہوگی۔ اب آپ یہ بتائیے کہ باقی اشعار کب بھیجوں۔ چشم براہ ہوں۔

تعطیل کے زمانے میں آپ کا قیام کہاں ہوگا؟

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۳/ستمبر ۱۹۸۰ء

مُحبّی!

ایک زمانے کے بعد خط لکھ رہا ہوں۔ ان دنوں بہت پریشان خاطر رہا، تفصیل زبانی کہوں گا۔
آج ایوانِ غالب میں غالب سمینار کمیٹی کی میٹنگ تھی۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں ایک انٹرنیشنل سمینار غالبؔ پر ہوگا۔ میں نے خاص طور پر آپ کا نام تجویز کیا اور منظوری لے لی۔ دعوت نامہ جلد ہی پہنچے گا۔ آپ فی الفور اپنی منظوری دے دیجیے گا۔ اِس بہانے ملاقات کی صورت نکل آئے گی۔ جی چاہتا تھا کہ آپ سے بہت سی باتیں کروں اور مناسب وقت کا متلاشی تھا، سو اس سمینار نے وہ موقع فراہم کرلیا۔ میں نے اس پر زور دیا کہ ٹھپا لگے ہوئے افراد کے بجائے اب اُن لوگوں کو بلایا جانا چاہیے جن کو عموماً ایسے مواقع پر بھلا دیا جاتا ہے، اور جو اپنے کام کی بنا پر ہماری ستایش اور اعتراف کے مستحق ہیں اور آپ کا نام اس میں سرِفہرست آنا چاہیے۔ مجھے مسرّت ہے کہ یہ تجویز منظور کرلی گئی۔ آپ اِس خط کی رسید سے فی الفور مطلع کیجیے۔ عنوان آپ کی پسند پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چند عنوانوں کی فہرست بھیجی جائے گی، لیکن آپ اگر چاہیں تو کسی اور عنوان پر بھی لکھ سکتے ہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

محبِ مکرّم! سلّمہٗ

خط ملا، جو کچھ آپ نے لکھا ہے اُس سے میں پورے طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اِس خط کو پڑھ کر آپ کی وقعت میرے دل میں دوچند ہوگئی۔ خدا آپ کو اِسی طرح اس راہ پر چلتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور خرم و کام یاب و کام راں رکھے۔

اب متعلقہ بات: غالب نامہ کا ایک شمارہ زیرِ ترتیب ہے، اگر آپ کے پاس کوئی مضمون لکھا ہوا رکھا ہو اور آپ اُسے یہاں بھیج دیں تو خوب ہو۔ نہیں ہے تو فی الوقت نہ سہی، آیندہ کام آئے گا۔ مگر اچھا ہی ہوگا کہ اِسی شمارے کی زینت بن سکے۔

میں اب چند روز میں فسانۂ عجائب کا کام پھر سے شروع کرنے والا ہوں اور اُس سلسلے میں دوچار بار مسلسل زحمت دوں گا اور اِس سلسلے کا خط جلد ہی لکھوں گا، شاید دوچار دن میں۔ آپ دونوں خطوں کا جواب ایک ساتھ دیں، اس میں آپ کو بھی آسانی ہوگی اور مجھے بھی۔ میں آج کل یہاں

باسکٹ بال کے ایک ٹورنامنٹ میں پھنسا ہوا ہوں۔ اور پھر اکتوبر میں فٹ بال کا ایک ٹورنامنٹ ہے۔ کیا کروں؟

لہو ولعب، زندگی کا ایک حصہ بن کر رہ گیا ہے، چہل سال عمرِ عزیز گزر جانے کے بعد بھی وہی احوال ہے۔ اور اب آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۳/ اکتوبر ۱۹۸۰ء

برادرم!

توقع کرتا ہوں اب آپ کی طبیعت ہر لحاظ سے ٹھیک ہوگی اور موسمی اثرات ختم ہو چکے ہوں گے۔ لاہور سے بلاوا آیا تھا، لیکن میری کاہلی میرے کام آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ اب سفر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی، دیگر مواقع مزید برآں۔ اور یہ بات بھی ہے کہ شروع ہی سے محفلوں سے گھبراتا رہا ہوں۔

دست بہ دعا ہوں کہ والدۂ محترمہ کا آپریشن بہ خیر و خوبی ہو جائے۔ میں اب اصل خط آپ کو ۱۰/ اکتوبر کے بعد لکھوں گا، جس میں اشعار بھی ہوں گے۔

غالب نامہ دسمبر میں شائع ہوگا۔ اگر آپ ۱۵/ اکتوبر تک بھی مضمون بھیج دیں تو خوب ہو۔ اب خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ نکلے گا، لیکن بھائی! اس کا پیٹ کیسے بھرا جائے گا؟ مضامین ڈھنگ کے ملتے نہیں۔ بہ ہر حال، ایک دو شمارے تو ضرور نکلیں گے اور پھر یہ فیصلہ ہو سکے گا کہ کیا ہو۔ اگر آپ بھی فکر کریں گے تو ہمت بندھی رہے گی۔ ادارہ تو چاہتا ہے کہ اب یہ رسالہ جاری رہے۔

خلیق انجم صاحب اپنی ذات سے انجمن ہیں۔ وہ میری کیا سنیں گے، لیکن میں اُن سے تقاضا ضرور کروں گا اور بہت جلد۔ اصل میں انجمن کا دفتر اب یتیم خانے کا آفس بن کر رہ گیا ہے۔ مولوی عبدالحق مرحوم زندہ ہوتے تو سر پھوڑ لیتے۔ اتفاقات ہیں زمانے کے — نیا دور کے اڈیٹر صاحب مجھ سے واقف نہیں اور میں بھی اُن سے آشنا نہیں، اس لیے رسالہ نہیں آتا۔ پہل کرنا میری عادت نہیں۔ اگر آپ کے پاس آپ کے مضمون کی زائد کاپی آئی ہو تو بھیجیے، پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۱۳/اکتوبر ۱۹۸۰ء

محبِ مکرّم!

آپ کا مضمون 'غالب کا سفر کلکتہ' موصول ہوگیا۔ اس عنایت کے لیے منت پذیر ہوں۔ مضمون دفتر بھجوا دیا گیا ہے۔ میں نے ایک لفافہ رجسٹرڈ بھیجا تھا۔ اب وہ بھی آپ تک پہنچ چکا ہوگا۔

توقع کرتا ہوں کہ والدۂ محترمہ بہ عافیت ہوں گی اور رو بہ صحت۔ اُن کاغذوں کی کچھ جلدی نہیں۔ آپ اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں بھیج دیجیے گا۔ میں ۲۶/کو یہاں سے پٹنے کے لیے روانہ ہوں گا اور غالباً نومبر کی ۲/یا ۳/تک واپسی ہوگی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
گائر ہال
۲۲/اکتوبر ۱۹۸۰ء ش

برادرم!

ابھی آپ کا خط ملا۔ مضمون کی رسید میں بھیج چکا ہوں، تعجب ہے کہ آپ تک نہیں پہنچی۔

بہ ہر حال، مضمون مل گیا تھا۔ کتابت کے لیے دے دیا گیا ہے۔ آپ نے بہت محنت کے ساتھ اور دل لگا کر مضمون لکھا ہے اور مجھے واقعتاً پسند آیا۔

میں ۲۶/اکتوبر کو ایک ہفتے کے لیے پٹنے جاؤں گا۔ یومِ شیرانی میں شرکت کا بہانہ نکل آیا ہے۔ لاہور نہ جانے کا کفارہ بھی ادا ہو جائے گا۔ ۲/نومبر کو واپسی ہوگی۔ آپ کی والدہ کا آپریشن کام یاب رہا، اس سے اطمینان ہوا۔ خدائے پاک اُن کو جلد ترصحتِ کامل عطا فرمائے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۹؍نومبر ۱۹۸۰ء

برادرم!

میں ۲۶؍کو پٹنے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ۵؍نومبر کو واپسی ہوئی۔ آتے ہی سخت زکام اور بخار میں مبتلا ہوگیا۔ آپ کا خط مل گیا تھا، لیکن اُس دن ملا جس کی شام کو میں روانہ ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے کہ میرا خط آپ کو بروقت نہیں مل سکتا تھا۔ واپسی وکرم شیلا سے ہوئی اور یہ ٹرین بنارس رات میں ایسے وقت پہنچتی ہے کہ میرا جی نہیں چاہا کہ آپ کو مبتلاے زحمت کروں۔ اگرچہ اشتیاق ملاقات بہت تھا۔

اب شاید جلد ہی ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے۔ نیز مسعود صاحب سے بات ہوئی تو ہے کہ وہ اس ماہ کے آخر میں یا دسمبر کے شروع میں آپ کو اور مجھے وہاں بلائیں۔ اگر ایسا ہوسکا تو پھر خوب گزرے گی۔

بہرصورت، آپ کے خلوص کا نقش دل پر ہے۔ خدا کرے آپ کی والدہ صاحبہ اب بہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں اور آپ بھی مع متعلقین بخیریت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۱۱؍نومبر ۱۹۸۰ء

برادرم!

کل آپ کا لفافہ ملا، میں پرسوں ایک خط لکھ چکا تھا۔ بھائی، جس محبت اور دل سوزی کے ساتھ آپ خط لکھتے ہیں اور جس خلوص کے ساتھ پیش آتے ہیں، اب وہ جنسِ کم یاب ہے، نایاب کی حد تک؛ اس لیے میں اب آپ کو اپنے ہی گم شدہ قبیلے کا ایک فرد سمجھنے لگا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ

جلد آپ سے ملاقات ہو، بہرحال وہ دن بھی آئے گا۔

پٹنے میں نوازش کا دیوان ہے، اُسے از اوّل تا آخر پڑھا، کئی باتیں نئی معلوم ہوئیں۔ کئی اشعار کا انتساب واضح ہوا۔ سرورؔ جس قدر بُرے نثر نگار ہیں، اُتنے ہی غیر معتبر راوی ہیں، اشعار کے انتساب کے سلسلے میں۔ اِس سلسلے میں اُنھوں نے بہت سے مغالطے جمع کر دیے ہیں اپنی اِس کتاب میں۔

(۱) بھاگ ان بردہ فروشوں سے... یہ شعر دیوان سوزؔ میں موجود ہے (پوری غزل ہے) اس لیے میں نے اِسے رند کے بجائے سوزؔ ہی کے نام لکھا ہے۔ رند کے اشعار یا تو سوز کے ہیں یا سودا کے۔ وہ خود تو اِس سلسلے میں غیر مکلف تھے۔

(۲) بجرمِ عشق توام می کشند وغوغائیب... اِسے آپ نے عبدالرحیم خاں خانخاناں کے نام لکھا ہے۔ خیال میرا بھی یہی ہے، لیکن آپ نے حوالہ نہیں دیا۔ کس تذکرے میں آپ نے اِسے دیکھا ہے؟

(۳) قاضی صاحب نے بتایا تھا کہ دلگیرؔ کا دیوان بنارسؔ میں ہے۔ میں یہ پوچھنا بھول گیا کہ کس جگہ۔ کیا یونی ورسٹی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں تو نہیں؛

(۴) جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی... اب معلوم ہوا کہ یہ دردؔ کا ہے، دیوانِ مطبوعہ میں موجود ہے۔

(۵) جو دو شخص خنداں بہم دیکھتے ہیں... آصف الدولہ کی غزل اِس زمین میں ہے لیکن اُس غزل میں یہ شعر موجود نہیں۔

(۶) برگ درختانِ سبز... کی دریافت خوب ہوئی۔ میں نے جس کلّیات کو دیکھا، اُس میں یہ شعر نہیں تھا۔ ذرا اِس غزل کا مطلع لکھ دیجیے۔

کیا آپ کے کلّیات میں سعدیؔ کا یہ شعر موجود نہیں:

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند　　　سعدیؔ از دستِ خویشتن فریاد

مجھے یہاں کلّیات میں نہیں ملا۔

دہخدا کی کتاب امثال وحکم (چار جلدوں میں) میرے پاس ہے۔ اُس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ متعدد اشعار تو ہیں لیکن انتساب کے بغیر، اور انتساب کا احوال یہ ہے کہ مثلاً لکھا ہوگا کہ رومی یا فردوسی یا عطار۔ یعنی صرف شاعر کا نام۔ اب کیسے تلاش کیا جائے۔ بہت وقت درکار ہے اس کے لیے۔ حوالہ مکمل اس میں نہیں۔ مثلاً "حبِ وطن از ملکِ سلیماں" والا قطعہ اس میں ہے، لیکن شاعر کا نام مندرج نہیں۔ وعلیٰ ھذا...

اِس کام میں بے طرح الجھ کر رہ گیا ہوں۔ کاوِرک جملے اور فضول لفظی رعایتوں نے بیسیوں

مقامات پر الجھاوے پیدا کردیے ہیں۔ بہر حال، اوکھلی میں سر دیا ہے تو...

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۱۵/نومبر ۱۹۸۰ء

برادرم!

کل آپ کا خط ملا تھا۔ میرا لفافہ مل چکا ہوگا۔

''تنہا'' ردیف میں دواوینِ رِند میں کوئی غزل نہیں۔ آثر مرحوم نے یادداشت کے سہارے وہ شعر رِند سے منسوب کیا ہوگا۔ ''یہ ہو وہ نہ ہو'' محض اتفاق ہے کہ گلشن بے خار میں یہ شعر نظر سے گزر چکا تھا، پھر دوسرے تذکروں سے مقابلہ نہیں کیا تھا، اب آپ کے خط سے دوسرے دو تذکرے کا حوالہ بھی معلوم ہوگیا۔

امثال و حکم کے متعلق میں اُس خط میں اپنی رائے لکھ چکا ہوں جواب آپ کو ملا ہوگا۔ سعدی کے جس مطلعے کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ اُسے نقل کردیجیے، وہ اب مل گیا، لہٰذا اب اُس کی ضرورت نہیں۔ یہاں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ کوئی کتب خانہ ڈھنگ کا نہیں۔ اور اس وجہ سے بہت سے ضروری کام نہیں ہو پاتے۔ مجبوری ہے اور اِس کا بہ ظاہر علاج بھی نظر نہیں آتا۔

بھائی! دیکھتے رہیے، شاید کسی اور شعر کا انتساب بھی معلوم ہوجائے۔ انتسابِ شعر کا معلوم ہونا محض اتفاقی امر ہوتا ہے۔ ہاں امثال و حکم (دہخدا) میں یہ مصرع ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' سعدی کے نام لکھا گیا ہے لیکن مجھے کلیات میں نہیں ملا، اور غالباً سعدی سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔

سرور نے فسانۂ عجائب میں ایک غزل اپنے نام سے لکھی ہے، مقطعے میں تخلص بھی موجود ہے، لیکن اُس غزل کے دو شعر دیوانِ نوازش میں موجود ہیں۔ سرور انتسابِ اشعار کے معاملے میں سخت بے پروا تھے اور بہت ناقابلِ اعتبار ہیں۔ دیوانِ نوازش اِس بہانے سے مکمل دیکھ لیا گیا، بے حد بے مزہ شاعر تھا، بہت کوفت ہوئی، لیکن کئی اشعار کا انتساب معلوم ہوگیا، جو فسانہ میں ''لاأعلم'' کے ذیل میں تھے یا کسی حوالے کے نہیں تھے۔ مثلاً یہ شعر: کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا..... یہ بھی نوازش کا ہے، (بعض لفظ بدلے ہوئے ہیں)۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔ آپ کی کرم فرمائی کا بدل ممنون ہوں اور معترف۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

۲۳ر دسمبر ۱۹۸۰ء

برادرم!

ابھی خط ملا۔ بھائی! غالب نامہ تو پریس جا چکا، نگیٹو بن گئے، بل کہ پلیٹیں بھی بن گئیں، اُسے تو ۲۶ر کو تقسیم ہونا ہے۔ اب تصحیح کیونکر ہوسکتی ہے؟ اب آپ ایسا کیجیے کہ جب مضمون چھپ کر آپ کے پاس پہنچے تو "استدراک" کے عنوان سے ایک مفصّل یادداشت تیار کر دیجیے، اُسے اگلے شمارے میں شامل کرلیا جائے گا۔

"سچ ہے اوچھے کا بھی احسان برا ہوتا ہے" یہ مصرع اشاعتِ اوّل میں موجود ہے، اس لیے فدا کا نہیں ہوسکتا، غالباً تضمین ہے۔ کیسی حسرت ہے آپ کے اِس سمینار میں نہ آنے پر، ملاقات کا بہانہ تھا۔ ایسے لوگ کم اور بہت کم ہیں جن سے ملنے کو جی چاہے یا مل کر جی خوش ہو؛ میں تو اپنی اِس حسرت کی تلافی کرنا چاہتا تھا، بہت سی باتیں ہوتیں۔ خیر، پھر سہی، زندگی ہے تو ملاقات بھی ہو رہے گی۔

اور سنیے: فسانۂ عجائب کے متن کی کتابت مکمّل ہوگئی اور اب معلوم ہوا کہ جس نسخے پر متن مبنی ہے، وہ آخری اڈیشن نہیں۔ ۱۲۷۶ میں مطبع افضل المطابع سے جو نسخہ شائع ہوا تھا، ہم سب اُسی کو اب تک آخری معتبر اڈیشن سمجھتے تھے۔ اب پٹنے جا کر معلوم ہوا کہ اسی مطبعے سے ۱۲۸۰ھ میں پھر یہ چھپا تھا اور اِس اشاعت میں سرورؔ نے بہت سی ترمیمیں اور تبدیلیاں کی ہیں۔ میں تو حیران رہ گیا۔ اب کیا کروں! دل پر پتھر رکھ لیا اور سال بھر میں جو کتابت ہوئی تھی (آفسٹ کی) اُسے رد کر دیا اور آج سے ازسرِ نو کتابت شروع کرائی ہے۔ اِس الجھن نے مجھے بدحواس کر رکھا تھا، اِس لیے خط بھی نہیں لکھ سکا تھا۔ اب ایک سال اور لگے گا، لیکن دل نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اِس نسخے سے دوسروں کو بے خبر رکھا جائے اور یہ کہ اصولِ تدوین کے خلاف کام کیا جائے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں میں امید کرتا ہوں کہ محترمہ والدہ صاحبہ بھی اب پوری صحت یاب ہوچکی ہوں گی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007

۵؍جنوری ۱۹۸۱ء

برادرم!

بارک باد کا شکریہ۔

آپ کا خط ملا تو اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ میں نے جو خط آپ کے پچھلے خط کے جواب میں لکھا تھا، وہ آپ کو نہیں ملا۔ جس دن آپ کا پچھلا خط مجھے ملا تھا (جس میں تصحیح مضمون کا ذکر تھا) اُسی دن میں نے اُس کا جواب لکھ دیا تھا۔ ذرا دیکھیے تو، شعبے میں کہیں ہوگا ضرور۔ میں نے وہ خط غالباً ۲۵؍دسمبر کو لکھا تھا۔

رسالہ چھپ گیا۔ ۲۶؍کو سیمینار میں تقسیم بھی ہوگیا۔ آپ کا خط ۲۵؍دسمبر کو ملا تھا، تصحیح کیسے ہوتی۔ میں نے لکھا تھا کہ آپ اب مفصل ''استدراک'' مرتب کر کے مجھے بھیج دیجیے، اگلے شمارے میں اُسے شائع کر دیا جائے گا۔

دو تین دن میں وہ شمارہ مضمون نگار حضرات کے پاس ضرور پہنچ جائے گا۔ دفتر میں تاکید کردی تھی میں نے اب کل پوچھوں گا کہ وہ روانہ ہوا یا نہیں۔ مضمون کا معاوضہ بھی اسی کے ساتھ روانہ کردیا جائے گا، یا شاید اس میں دو چار دن کی مزید تاخیر ہو۔ اگلا شمارہ اب جون میں شائع ہوگا۔ اِس میں بیش تر مضامین وہ ہوں گے جو سیمینار میں پڑھے گئے تھے۔ آپ جب بھی کوئی مقالہ لکھیں، مجھے بھیج دیں، وہ لازماً شائع ہوگا اور مجھے مسرّت ہوگی۔

آپ کی تذکروں والی کتاب میرے پاس نہیں۔ میں نے تو اِس سے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ اُس کتاب کو دیکھنے کا ارمان ہے۔

جلد اوّل کے پچھلے دو شماروں کے سوا اور کوئی شمارہ اِس سے پہلے شائع نہیں ہوا تھا۔ اب یہ گویا تیسرا شمارہ ہے۔ ہاں عابدی صاحب سے مراد ڈاکٹر امیر حسن عابدی (صدر شعبۂ فارسی) ہی ہیں۔

صاحب! اگر ممکن ہو تو نول کشور والے مضمون کا آف پرنٹ مجھے ضرور بھیجیے گا۔ نیا دور میرے پاس نہیں آتا۔ اس کے اڈیٹر صاحب سے نہ میں واقف ہوں اور نہ وہ مجھ سے۔ آئے تو کیونکر۔ صباح الدین عمر صاحب کے زمانے تک وہ رسالہ میرے پاس آتا رہا، اس کے بعد سے میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ کہوں تو کس سے کہوں۔

اب میری داستانِ پریشانی بھی سن لیجیے: فسانۂ عجائب کی کتابت اور تصحیح مکمل ہو چکی تھی۔ یہ ڈیڑھ سال سے زیادہ کی محنت کی کمائی تھی۔ پٹنے جو گیا تو وہاں ایک نیا مطبوعہ نسخہ ملا، ۱۲۸۰ھ کا۔ اب تک ہم سب کا خیال یہ تھا کہ آخری نسخہ ۱۲۷۶ھ کا ہے مطبع افضل المطابع کان پور کا۔ یہ بھی اُسی مطبعے کا ہے لیکن گویا اس مطبعے سے دوبارہ چار سال کے بعد چھپا ہے اور اسی اشاعت میں سرورؔ نے جی بھر کے ترمیمیں اور تبدیلیاں کی ہیں۔ اس طرح وہ ساری کتابت بیکار گئی۔ میں بہ آسانی یہ لکھ سکتا تھا کہ کام کی تکمیل کے بعد فلاں نسخہ ملا، لیکن یہ ایمان داری اور اصول، دونوں کے خلاف ہوتا۔ طبیعت کو یہ بے ایمانی گوارا نہیں ہو پائی اور اس سارے کام کو کالعدم قرار دے کر، اب ازسرِ نو پرسوں سے اس کام کو شروع کیا گیا ہے۔ سخت کوفت ہوئی لیکن یہ اطمینان بھی ہوا کہ اب اصولِ تدوین کے مطابق کام ہوگا اور یہ متن گویا قابلِ اعتبار ہوگا۔ تعجب اس پر ہے کہ اس نسخے کا حال اب تک معلوم نہیں ہو پایا تھا، اگرچہ مطبوعہ ہے۔ دوسرے لوگ کچھ بھی کہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ اِس پریشانی گوارا کرنے پر ضرور مطمئن ہوں گے اور ایسے ہی چند اور حضرات ہوں گے اور میں سب کے لیے نہیں، ایسے ہی چند حضرات کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں۔ جلدی کا میں قائل نہیں۔ جب بھی چھپے گا چھپ جائے گا۔ البتہ سارے کیے ہوئے کام کو ازسرِ نو مرتب کرنے میں اور ازسرِ نو حواشی لکھنے میں اور اختلافِ نسخ تیار کرنے میں اُلجھن ضرور ہے اور بہت ہے، لیکن یہ ناگزیر ہے، اس کا شکوہ کیا۔ پچھلے دو تین ہفتے اسی ناگزیر اُلجھن میں گزرے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

۲۶؍جنوری ۱۹۸۱ء

برادرم!

کتاب مل گئی، اس سے پہلے خط ملا تھا۔ شکر گزار ہوں۔ کتاب اطمینان سے پڑھوں گا۔ چھپی تو واقعی اچھی نہیں، لیکن اردو کا مصنف بدنصیب ہے اور مجبور، کچھ نہیں کر سکتا۔ میری کتاب علی گڑھ والوں نے چھاپی تھی، ستیاناس کر دیا، اور معاوضے کے نام پر پھوٹی کوڑی نہیں۔ اب تو لکھنے کو جی نہیں چاہتا، جب کتابوں کا یہ احوال دیکھتا ہوں۔ کتاب کے دو تین صفحے ایک جگہ سے پڑھے تھے، اتفاقاً وہی صفحے سامنے آ گئے اور آپ کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اندازہ ہوا کہ محنت بھی کی ہے اور سلیقے سے بھی کام لیا ہے۔ اب دونوں کا توڑا ہے۔

غالب نامہ اب مل چکا ہوگا۔ اگلا شمارہ جون میں شائع ہوگا۔ استدراک اگلے مہینے تک ضرور

بھیج دیجیے گا، اگر کوئی مفصل مقالہ ہوتو وہ بھی، اگر کوئی اور صاحب آپ کی نظر میں ہوں اور لکھ سکتے ہوں تو اُن سے بھی کچھ لکھوایئے۔ معاوضہ شاید ابھی نہیں گیا، اس میں مزید دو چار دن کی تاخیر ہوگی۔ دفتر کا حال ابتر ہے، سیاسی لوگوں نے چوپٹ کر رکھا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بدکرداری اور بے ایمانی اپنے عروج پر ہے۔ بہر حال ہو رہے گا کچھ نہ کچھ... اگلا شمارہ تو نکلنا ہی ہے۔ معاوضہ کی صورت یہ ہے کہ -/75 سے -/150 تک کا تعین ہے مختلف اعتبارات سے۔ آپ کے مقالے کا معاوضہ -/150 بھیجا جائے گا۔ کل پھر تاکید کی ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر اگلے سال غالب سمینار ہو تو اُس میں ضرور آیئے گا، ملاقات کا بہانہ سہی (اگر سمینار ہوا)۔ ہاں، فروری یا مارچ میں لکھنؤ میں شیرانی سمینار میں شاید ملاقات ہو جائے، نیز مسعود صاحب نے کہا تو تھا۔ اُس میں تو آ ہی جایئے۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۳/ مارچ ۱۹۸۱ء[9]

برادرم!

دنوں سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی، تشویش ہے۔ غالب نامہ تو مل چکا ہوگا۔ اس سلسلے میں جس استدراک کے بھیجنے کے لیے آپ نے لکھا تھا، اُس کا بھی انتظار ہے۔ خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

ضروری

ہاں، اگلے شمارے کے لیے اگر آپ کوئی مفصل مقالہ بھیج سکیں تو ممنون ہوں گا۔

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۲۶/ مارچ ۱۹۸۱ء[10]

برادرم!

خط ملا تھا، نیا دور کا نول کشور نمبر مل گیا، اِس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے، ورنہ مجھ غریب الوطن کو وہ لوگ بھلا کیوں یاد کرتے۔

آپ کا مضمون پڑھ لیا، آپ نے محنت کی ہے اور احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے متعلقات کا۔ یہ بڑی خوبی ہے۔ مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اڈیٹر کو اڈیٹنگ کا فن نہیں آتا۔ بڑا انتشار ہے رسالے میں اور بڑی تکرار ہے۔ پہلے سے مناسب طور پر پلاننگ نہیں کی گئی۔ اچھی چیزیں بھی ہیں اور معمولی بھی اور سب گڈمڈ ہوگئی ہیں۔ بہرصورت، کام کی چیز ہے اور رکھنے کی چیز ہے۔ اِن کو خط لکھوں گا۔

اب یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مضمون نگاروں کو دس آف پرنٹس بھیجے جائیں۔ یہ بات پچھلی میٹنگ میں طے کی گئی ہے، اِس لیے آیندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔ اب میں آپ کے استدراک اور مقالے، دونوں کا منتظر ہوں۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں آپ کہاں رہیں گے؟ مطلب یہ ہے کہ آپ کا پتا کیا ہوگا؟

اگر کوئی واقعی اچھا مقالہ آپ کے توسط سے غالب نامے کے لیے مل سکے تو مزید شکر گزار ہوں گا، ذہن میں رکھیے گا، کوئی ایسی جلدی نہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

۳۰ر ستمبر ۱۹۸۱ء [11]

برادرم!

آپ نے مہینوں سے خط نہیں لکھا اور وجہِ ناراضگی نہیں معلوم، اگر کوئی تھی بھی تو اُسے اب ختم ہوجانا چاہیے۔ می آرم اعتراف گناہ بنودہ را۔

میں نے اِس خط کے ساتھ حکم چند نیر صاحب کو ایک خط لکھا ہے۔ مجھے راجا اسیری پرشاد (بنارس والے) کے سنینِ ولادت وانتقال ومسند نشینی درکار ہیں۔ نیز اُن کے باپ کا نام۔ فوری ضرورت ہے۔ نیر صاحب جہانیاں جہاں گرد ٹھہرے، معلوم نہیں وہاں ہیں بھی یا نہیں۔ اگر آپ ہی اِس کام کو کردیں تو ممنون ہوں گا۔ چشم براہ ہوں آپ کے خط کے لیے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۳۰ر دسمبر ۱۹۸۱ء
نیا سال مبارک

برادرم!

حکم چند نیّر صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ ریڈر ہو گئے، بے حد مسرّت ہوئی۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

یہ سطریں لکھ چکا تھا اور لفافے میں اسے بند ہی کر رہا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ جی خوش ہوا۔ معلوم نہیں کیوں آپ نے سلسلۂ مراسلت کچھ کم کر دیا تھا، جیسے خدا نہ کردہ کچھ شکررنجی کی بات درمیان آ گئی ہو۔ حالاں کہ میرے علم و خبر میں اس کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ میں تو خیر طلب اور دعا گو ہوں، وہی رہا اور رہوں گا۔ اب اس خط کو پا کر تسکین ہوئی اور اطمینان ہوا۔

آپ مضمون ضرور بھیجیے، اِسے میں فسانۂ عجائب کی دوسری جلد میں شامل کروں گا جو تنقیدی اور تحقیقی مقالات پر مشتمل ہوگی۔ اب اس کا پروگرام میں نے بنالیا ہے۔ اب تک کچھ تذبذب تھا، لیکن اسے طے شدہ سمجھیے۔ آپ مضمون ضرور بھیجیے اور کچھ بہت جلدی نہیں، اطمینان سے اور مکمل کر کے بھیجیے، لیکن بھیجیے ضرور اور اِس خط کی رسید بھیجیے۔

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
T.C.9, Gwyer Hall
۷ر فروری ۱۹۸۲ء

عزیز مکرم!

خط ملا، شکر گزار ہوں۔ شریف قاسمی صاحب دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی سے متعلق ہیں، آپ اُن کو شعبۂ فارسی کی معرفت خط لکھ سکتے ہیں۔

آفتاب علمتاب پر اُن کا ایک مفصّل مضمون آیندہ شمارے میں شامل ہوگا۔ مجھے آپ کی رائے سے مکمل اتفاق ہے اُس مضمون کی کم معیاری کے متعلق جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن برادر! اس کے انتخاب میں میرا مطلق دخل نہیں تھا اور اس بے چارگی کا مجھے بجائے خود احساس ہے۔ تفصیل پھر کبھی۔ میں ۱۰ر فروری کو چار دن کے لیے پٹنہ جاؤں گا۔ ۱۵ر کو واپسی ہوگی۔ کبھی کبھی خط

لکھتے رہا کیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

پسِ نوشت:
ابھی ابھی ریڈیو سے یہ اندوہ ناک خبر سنی کہ عتیق صدیقی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ افسوس صد افسوس! مجھے بے حد صدمہ پہنچا ہے اور قلق ہوا ہے۔

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء[۱۳]

عزیز مکرم!
خط ملا۔ بھائی! کیوں ناراض ہوتے ہو۔ دوا آج کل بید لیہائے تمنا اور بیکسی ہائے تماشا کا مرحلہ درپیش ہے، اس سے نجات پا کر سارے سوالوں کے جوابات لکھا کروں گا۔ ایوانِ غالب دو مہینے سے جانا نہیں ہوا۔ میں نے ایک باران لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ پچھلا شمارہ بھیج دیں لیکن کوئی سنتا ہے فغانِ درویش۔ اب جب بھی گیا پھر کہوں گا۔ وہاں صورتِ حال وہ نہیں جو ہونا چاہیے تھی اور جس کا آپ سب کو تصوّر کرنا چاہیے۔

خاندانِ لوہارو کے شعرا کی ذمّے داری اُن پر ہے جنھوں نے اُسے چھاپنے کی منظوری دی تھی۔ میرا اُس سے مطلق واسطہ نہیں۔ یہ خاصی پُرانی یادگار ہے، چھپی اب ہے۔ البتہ میرے زمانے کی کتاب سیر المنازل ہوگی جسے میری فرمایش پر شریف قاسمی نے مرتّب کیا ہے۔ شاید دو چار مہینے میں چھپ جائے گی۔

اور دیکھو برادر! ہر کتاب اِس قابل نہیں ہوتی کہ اُس کا جائزہ لیا جائے۔ 303 رائفل سے چڑیا کا شکار نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر آپ یہ چاہیں کہ ایسی کتابیں سرے سے نہ چھپیں تو یہ بھی نہیں ہوسکتا، ضرور چھپیں گی۔ آخر ایسے لوگ بھی تو اِسی دنیا میں رہتے ہیں۔ اللہ میاں جب ایسے لوگوں کو پیدا کر سکتے ہیں تو بندے کیا کریں۔ صرف اُن کتابوں کو اہمیت دیجیے جو اِس قابل ہوں۔

میں نے ایک فہرست دی تھی ایسے افراد کی جن کو مستقلاً غالب نامہ ملنا چاہیے۔ ایک ہمارے بزرگ ہیں، اُن کو اس میں کئی ناموں پر اعتراض تھا اور ہے اِس لیے بات الجھ گئی۔ بہر حال آپ کے نام آیندہ غالب نامہ جاتا رہے گا توقع یہی ہے۔ رہا پچھلا شمارہ تو اس کے لیے بھی کچھ کیا جائے گا۔ اگر نہ ملا تو پھر میں قیمتاً خرید کر بھیج دوں گا۔ اور شاید یہی ہوگا۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کا میرا تجربہ کچھ خوشگوار نہیں، اس لیے میں نے اپنے آپ کو اب ایک

کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اس بار سیمینار بہت بُرا ہوا، بدترین، میں کہتا رہا اور کسی نے نہیں سنی میری بات اور بھانڈوں کی چوپال بنا ڈالا اُسے۔

دیکھیے اگلے دو تین ماہ میں شاید وہاں کچھ تبدیلیاں ہوں، وہ تبدیلیاں کیسی ہوں گی، میرا رابطہ اُن پر منحصر ہے۔ اگر صورتِ حال یہی رہی جو ہے تو ما بخیر و شما بسلامت والا معاملہ ہوگا۔ ہر جگہ ایک جیسا حال ہے۔ گروپ بندی نے تباہ کر رکھا ہے۔ اِس شمارے میں وہ جو ایک مضمون ہے، جس کا آپ نے حوالہ بھی دیا تھا، کیا میں بہ خوشی اُسے چھاپ سکتا تھا؟ لیکن بات وہی ایک اور تین کی ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ میں نے گوشہ گزینی کو لوگوں کے کہنے پر اِس لیے تجا تھا کہ شاید کوئی قاعدے کا کام کرسکوں گا وہاں، لیکن معلوم ہوا کہ خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم۔

تو میرے بھائی! یہ ہے صورتِ حال، اس لیے بہت سی باتیں وہ ہو رہی ہیں جن کو نہیں ہونا چاہیے اور وہ نہیں ہو رہی ہیں جن کو ہونا چاہیے۔ توقع کرتا ہوں کہ اب آپ کا اطمینان ہو گیا ہوگا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۲۱ / اکتوبر ۱۹۸۲ء[۱۴]

عزیزِ مکرم!

رجسٹرڈ لفافہ ملا، جس میں دو مضامین ملفوف تھے۔ شعلہ والا مضمون کل غالب نامے کے لیے بھیجوں گا اور غالباً وہ اِسی شمارے میں شامل ہو سکے گا۔ کل مجھے خود بھی اُدھر جانا ہے۔ سرور والا مضمون بہ حفاظت رہے گا اور غالب نامہ کے آیندہ شمارے میں شامل کیا جا سکے گا۔ میں نے جس کتاب کو مرتب کرنے کی نیت باندھی تھی، وہ توڑنا پڑی، یوں سمجھیے کہ آں دفتر را گاو خورد۔ اصل متن ہی نہیں چھپا اور اب مجھے اُس کے چھپنے کی بہ ظاہر کوئی صورت بھی نہیں معلوم ہوتی۔ ساری عرق ریزی اور جگر کاوی بے کار گئی؛ اِس کا مجھے بہت قلق ہے، لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔

داستان اُس کی مختصراً یہ ہے کہ صدر شعبہ نے بالکل آخری لمحات میں، جب کتاب پریس جانے والی تھی، بعض لوگوں کے بہکانے میں آکر، یہ فرمائش کی کہ بہ حیثیت مرتب اُن کا نام بھی داخلِ کتاب ہو۔ ظاہر ہے یہ بات ماننے کی نہیں تھی، اور پھر میرے ماننے کی؛ انکار کر دیا گیا۔

یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق صدر شعبہ اصل چیز ہوتا ہے، وہ بچّہ سقا ہی کیوں نہ ہو؛ اور اِس طرح ریت کی دیوار کی طرح وہ تجویز گویا کالعدم قرار پائی۔ یہ میری بے بسی کا مظاہرہ بھی تھا اور نظامِ کار کی برتری اور تباہ کاری کا بھی؛ صبر کرلیا اور اُن سات سو اوراقِ کتابت شدہ کو الماری میں بند کر دیا۔ کیا اِسے ''گاؤ خورد'' نہیں کہیں گے؟ اِس نامعقولیت کا صرف ایک نتیجہ نکلا کہ آیندہ کے لیے یہ طے کرلیا گیا کہ اب کوئی کام نہیں کرنا ہے، خواجہ احمد فاروقی صاحب کے زمانے میں جس طرح اور جیسا کام ہوا کرتا تھا، بس ویسا ہی اور اُسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہ میری پہلی کوشش تھی سلیقے کے ساتھ ایک کام کرنے کی، اُس میں ناکامی ہوئی۔

آپ نے خط لکھنا گویا چھوڑ دیا تھا، اب اُس کی شکایت کیا کروں، لیکن آیندہ کے لیے یہ ضرور کہوں گا کہ یہ رسم بُری نہیں۔ اب ایسے چند لوگ ہیں جن سے میں یہ کہہ سکوں کہ بھائی! کبھی کبھی خط لکھا کرو، اور کیا لکھوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University

Delhi-110007

۲۹ر نومبر ۱۹۸۲ء [۱۵]

عزیز مکرم!

خط ملا تھا، تصحیح کی ہدایت کردی گئی۔ جوابِ خط میں یوں تاخیر ہوئی کہ میں یہاں تھا ہی نہیں، کرناٹک یونی ورسٹی نے اردو املا پر ایک ورک شاپ کا اہتمام کیا تھا، وہاں گیا تھا، بارہ دن کے بعد واپسی ہوئی ہے۔ پچھلے سال یہ ورک شاپ جموں یونی ورسٹی نے کی تھی، بہت اچھا اور کام یاب پروگرام رہا۔

رسالے کے نہ پہنچنے کی شکایت سر آنکھوں پر۔ میں نے جب بھی دفتر والوں سے پوچھا، یہی کہا گیا کہ جو نام آپ نے لکھائے تھے، اُن سب کو بھیجا گیا ہے۔ دفتر کا یہ احوال میرے لیے کچھ غیر متوقع نہیں۔ ایک بار پھر کوشش کروں گا۔ بات یہ بھی ہے کہ مجھے اُدھر جانے کا موقع کم اور بہت کم ملتا ہے، میرے بھائی! اِس حمام میں سبھی ننگے نظر آتے ہیں۔ میرا ان سے اختلاف قطعاً علمی تھا۔ میں نے تذکرۂ سرور کے متعلق دو بار طویل یادداشتیں لکھ کر دیں کہ اِس تذکرے کو کسی طرح مرتب

ہونا چاہیے، ایک کو بھی درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ کیوں کہ ان کا مقصد صرف کتاب چھاپنا اور اس کے سرورق پر اپنا نام چھپوانا تھا اور بس۔ تحقیق اور اُس کے متعلقات سے اُن کو مطلق دل چسپی نہ تھی اور نہ ہے۔ یہیں سے اختلاف شروع ہوا تھا۔ ان خطوں کی نقلیں میرے پاس محفوظ ہیں۔ چوں کہ میرا نام اُس سے وابستہ نہیں تھا، اِس لیے تعمیل حکم بلا تامل کی گئی۔ اس کے بعد بھی یہی صورت رہی۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اِن میں سے کسی کو بھی واقعتاً کام سے دل چسپی نہیں۔ اور اب یہ صورت تکلیف دہ حد تک پہنچ چکی ہے۔ پہلی بار ایک کام میں نے اپنے طور کیا تھا، کہ شاید اسی طرح پچھلی غلط کاریوں کا کفارہ ادا ہو جائے، کم از کم میری حد تک، سو اُس کا یہ حال ہوا کہ اب چھاپنے والا کوئی نہیں۔ تو یہ ہے داستان، اب کام کس طرح کیا جائے اور کس توقع پر، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء

برادرم!

آج آپ کا خط ملا۔ میں آج ہی شاہ جہان پور جا رہا ہوں اور وہاں سے لکھنؤ جاؤں گا۔ غالباً یکم جنوری کو واپسی ہوگی یا ۲ر کو۔ واپسی پر ایوانِ غالب جا کر حالیہ شمارہ اور مطلوبہ شمارہ (جولائی ۸۱ء کا) بھجوا دوں گا۔ حالیہ شمارے میں آپ کا مقالہ شامل ہے۔ اس کا معاوضہ بھی جلد ہی بھجوانے کی کوشش کروں گا، لیکن اس میں شاید دو تین ہفتے کا وقت لگ جائے۔

مضمون کے آف پرنٹس کے لیے میں دریافت کروں گا کہ نکلوائے گئے ہیں یا نہیں! یہ بات کئی بار کہی جا چکی ہے، لیکن کارکن جو ہیں، اُن کی نامعقولیت کی بنا پر ہر بار شرمندگی ہوتی ہے، اصلاً دفتری نظام خاصا خراب ہے اور یہ سب اسی کا اثر ہے، میرا اُدھر جانا گاہے گاہے ہوتا ہے، بہر حال دیکھا جائے گا۔

میں بھی ان دنوں موسم کا مارا ہوا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۱۷ر جنوری ۱۹۸۳ء

عزیز مکرم!

یہ خط شاہ جہان پور سے لکھ رہا ہوں۔ ۲۲ر جنوری کو دہلی پہنچوں گا۔ میں ۱۴ر جنوری کو غالب انسٹی ٹیوٹ گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ حالیہ شمارہ دو روز قبل بھیجا جاچکا ہے۔ تاکید کے باوجود اربابِ دفتر نے آف پرنٹس کا انتظام نہیں کیا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ وہ شمارے جس کے لیے آپ نے لکھا تھا، اور جس میں ''استدراک'' بھی شامل ہے، اُسے اپنے سامنے نکلوا کر دفتر والوں کے حوالے کردیا تھا کہ فوراً بھیج دیں۔ توقع کرتا ہوں کہ چند روز میں وہ ضرور پہنچ جائے گا۔ معاوضے کی بھی تاکید کردی ہے، اصل میں دفتری احوال وہاں کا بھی وہی ہے جو پورے ہندستان کا ہے اور بہ ظاہر اِس کا علاج بھی نظر نہیں آتا، مفت میں شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور اب میں اِس شرمندگی سے عاجز آچکا ہوں۔ دیکھیے شاید اگلے ایک دو ماہ میں بعض اصلاحات یہاں ہوسکیں۔ آپ کا دوسرا مضمون میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ خط محض احتیاطاً لکھ رہا ہوں کہ صحیح صورتِ حال آپ کے سامنے آجائے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۵ر فروری ۱۹۸۳ء [۱۶]

عزیز مکرم!

ابھی آپ کا خط ملا جس پر تاریخ تحریر ''۲۰ر فروری'' درج ہے۔ ارے بھائی! آپ نے اِس سے پہلے خط میں مجھے اطلاع دی تھی کہ تازہ شمارہ تو آپ کے پاس پہنچ گیا، تو پھر ''دونوں شمارے'' کا کیا محل ہے؟ ہاں آپ کا دوسرا مطلوبہ شمارہ اُس وقت تک دفتر سے نہیں گیا تھا۔ ۲ر فروری کو میں دفتر گیا، جب معلوم کیا تو نہایت معصومیت سے جواب دیا گیا کہ ارے! بھول ہوگئی۔ غرض اُسی دن یعنی ۲ر فروری کو آپ کا وہ دوسرا مطلوبہ شمارہ نکلوا کر ڈسپیچ کے حوالے کردیا گیا اور میرا خیال ہے کہ میرے اِس خط کے ساتھ ہی وہ آپ کو ملے گا، یا مل چکا ہوگا۔ براہِ کرم صورتِ حال سے مطلع

فرمائیے۔ اپنے اس سے پہلے خط میں آپ نے صرف یہ لکھا تھا جولائی ۸۱ء کا شمارہ آپ کو نہیں مل سکا اور وہ مطلوب ہے، وہی شمارہ ۲؍فروری کو بھیجا گیا ہے، حالیہ شمارہ اُس سے چند روز قبل بھیجا جا چکا تھا۔

''تصویر شعرا'' ضرور پہنچے گی، لیکن اس کے لیے مجھے غالب انسٹی ٹیوٹ جانا ہوگا، یہ کتاب وہیں کی ہے۔ میں دو چار دن میں اُدھر جاؤں گا اور اُسے حاصل کر کے، آپ کے پاس بھیج دوں گا، مطمئن رہیے۔ ہاں، آپ کا مضمون سرور اور بنارس والا غالب نامہ کے لیے دفتر بھیج دیا گیا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

۱۴؍نومبر ۱۹۸۳ء

عزیز مکرم!

کل لفافہ ملا تھا، آج دوپہر کو غالب انسٹی ٹیوٹ خود گیا اور مضمون کاتب کے حوالے کر دیا۔ جس قدر کتابت ہو جائے گی، وہ شاملِ شمارۂ دسمبر ہو جائے گا۔ اِس بار مشکل یہ ہے کہ غالب نامے کو دسمبر میں چھپ کر آ جانا چاہیے، تاکہ وہ سمینار کے موقعے پر تقسیم ہو سکے۔ صحیح صورتِ حال سے بعد کو مطلع کروں گا، ۱۹؍ماہ حال کو پٹنہ جانا ہے، غالب انسٹی ٹیوٹ قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں ایک طلائی تمغا پیش کرے گا۔ چوں کہ وہ سفر کر نہیں سکتے، اِس لیے ہم لوگ وہاں جائیں گے۔ واپسی ۲۳؍کو ہوگی، تب میں آپ کو صحیح طور پر اطلاع دے سکوں گا۔ پچھلے معاوضے کے لیے تاکید کر دی گئی ہے۔ اِس مقالے کے معاوضے کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اُس سے سو فی صدی متفق ہوں، اڈیٹوریل بورڈ کی میٹنگ میں اس کو رکھ دوں گا— مضمون کے پانچ آف پرنٹس کے لیے آج کہنا بھول گیا، ذہن سے بات ہی نکل گئی، لیکن کہ ضرور دوں گا۔

ہاں بھائی! مندرجاتِ مضمون سے مجھے مکمل اتفاق ہے، ہاں، فضلی یا اُن کے والد کے متعلق چوں کہ محض قیاسی سلسلہ ہے، اِس لیے ظاہر ہے کہ کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔ محمود الٰہی صاحب سے میں بہت پہلے کہہ چکا تھا کہ اُن کے ''مفروضات'' سے مجھے قطعاً اتفاق نہیں۔ آپ کی یہ تحریر، پچھلی تحریروں کے مقابلے میں، خاص طور پر پسند آئی اور واقعتاً مسرّت ہوئی۔

معاف کرنا بھائی! اِس وقت بہت جلدی میں اِس پرزۂ کاغذ پر یہ سطریں لکھ نہیں رہا ہوں، گھسیٹ رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ آج D.C.M فٹ بال ٹورنامنٹ میں ایک معرکے کا فٹ بال میچ ہے اور بس ۲۰ منٹ رہ گئے ہیں، اِس لیے بھاگم بھاگ جانا ہے۔ اِس کی معذرت۔ جلدی یوں ہے کہ آپ رسید کے منتظر ہوں گے، ورنہ کل اطمینان سے بھی لکھ سکتا تھا۔

ایک بات: کیا آپ کی نظر میں نوطرزِ مرصع کا کوئی قدیم مخطوطہ یا مطبوعہ نسخہ ہے؟ براہِ کرم اِس سے مطلع کیجیے۔ اطمینان ہوا کہ اب آپ رو بہ صحت ہیں۔ آپ مجھے اس طرح خط لکھیے کہ وہ ۲۳ رتک مل سکے، اُس میں آف پرنٹس کی یاد دہانی بھی کرا دیجیے گا۔ میر نمبر مجھے نہیں ملا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

ٹی سی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی

دہلی۔۷

۹رتمبر ۱۹۸۵ء[۱۸]

عزیز مکرم!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ راگست موصول ہوا۔ اِس یادآوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ میں تو اپنے خط کے جواب کا منتظر بیٹھا تھا۔ اب اِس خط سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میرا وہ خط آپ کو ملا ہی نہیں، اِس لیے کہ اُس میں کئی جواب طلب امور بھی تھے، نیز آپ کے مقالے کے متعلق بعض توجہ طلب باتیں لکھی گئی تھیں۔ میں نے وہ مفصّل خط گرمیوں کی چھٹیوں کے زمانے میں لکھا تھا، یوں کہ اُنھی دنوں رسالہ اکادمی آیا تھا۔ آپ کا مضمون پڑھ کر فوری طور پر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ یہ خیال کیا کہ اگر اِس وقت خط نہیں لکھا تو پھر یہ باتیں ذہن سے نکل جائیں گی اور یہ بھی خیال تھا کہ چھٹیاں سہی، مگر ڈاک تو محفوظ رہے گی۔ اب معلوم ہوا کہ یہ دوسرا خیال غلط تھا۔ وہ خط 'گاؤخورد' کا مصداق بن گیا۔ خیر،

بھائی! آپ کا مضمون پڑھ کر جی خوش ہوا تھا، بہت جی لگا کر اور نظر جما کر لکھا گیا تھا۔ اب اِس قدر توجہ کے ساتھ بہت کم تحریریں لکھی جاتی ہیں۔ اُس وقت جو کچھ لکھا گیا تھا، وہ سب تو ذہن میں نہیں۔ کئی باتیں ایسی تھیں کہ جن کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ اب جو باتیں یاد آرہی ہیں، وہ پھر اِس خط میں لکھ رہا ہوں محض اِس خیال سے کہ جب آپ اِس مضمون پر نظرِ ثانی کریں تو یہ باتیں آپ کے سامنے رہیں۔

آپ نے بہت صحیح بات لکھی ہے کہ "فسانۂ عجائب کا اب تک شائع شدہ کوئی نسخہ معیاری اور قابلِ اعتنا قرار نہیں دیا جاسکتا"۔ میں اِس سے سوفی صدی متفق ہوں۔ یار لوگ اِدھر اُدھر کی تنقیدی باتیں لکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ تدوین کا حق ادا ہوگیا۔ تدوین کیا ہے، اس سے بہت کم سروکار رکھتے

ہیں اور نہیں جانتے کہ تدوین کا مطلب ہے حرف حرف اور لفظ لفظ کا حساب دینا اور خیالات پر دعووں کی بنیاد نہ رکھنا۔ تعجب ہوا اس پر کہ میرے کرم فرما جین صاحب نے آجکل والے مضمون میں دو ایسے نسخوں کی تدوین کے لحاظ سے تعریف کی ہے، جو تدوین کے معیار پر کسی طرح پورے نہیں اُترتے، اِس کے برعکس غلط نگاری اور غلط اندیشی کی مثالوں سے یہ نسخے بھرے ہوئے ہیں۔ اب کے رہ نما کرے کوئی! سچ یہ ہے کہ تدوین، تحقیق سے آگے کی چیز ہے۔

آپ نے لکھا ہے: ''جناب اطہر پرویز نے اپنے پیش کردہ متن کی بنیاد مطبع افضل المطابع کان پور سے ۱۲۷۶ھ میں اور مطبع مصطفائی دہلی سے ۱۲۷۹ھ میں شائع شدہ اڈیشنوں پر رکھی ہے'' (ص ۶۵-۶۶)۔

بنیادی متن والا مقالہ جب بھی شائع ہو تو اُس کی ایک کاپی مجھے ضرور بھجوا دیجیے گا۔

میں عرض کروں کہ یہاں ذرا سی چوک ہوگئی۔ دوسرا نسخہ، نسخۂ مصطفائی نہیں، نسخۂ ''مطبع احمدی شاہدرہ دلہائی ضلع میرٹھ'' ہے۔ نسخۂ مصطفائی تو ۱۲۶۲ھ میں شائع ہوا تھا۔ اطہر پرویز نے مطبع احمدی والے نسخے کا حوالہ دیا ہے، مصطفائی کا نہیں (مقدمہ نسخۂ اطہر پرویز، ص ۴۵)۔

ایک بات آپ نے یہ لکھی ہے کہ ۱۲۷۶ھ میں مولوی محمد یعقوب کے زیر اہتمام شائع ہونے والا اڈیشن ''پہلا نہیں، دوسرا اڈیشن ہے۔ سرور کے یہ الفاظ کہ دوسری بار پھر مولوی صاحب کا ارادہ ہے اور مصنف بھی بہ شرطِ زیست نیا کر دینے پر آمادہ ہے، اِسی طرف اشارہ کرتے ہیں'' (ص ۶۲)۔

یہاں بھی ذرا سی غلط فہمی ہوگئی ہے۔ ''بہ شرطِ زیست'' سے مراد آیندہ کے لیے ہوتی ہے، حال کے لیے نہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ مولوی محمد یعقوب نے ۱۲۷۶ھ کے بعد ۱۲۸۰ھ میں پھر فسانۂ عجائب کو اپنے اِسی مطبعے سے چھاپا اور سرور نے اس پر مکمل نظرِ ثانی کی۔ یہی وہ دوسرا نسخہ ہے۔ یہ نسخہ کسی نے اب تک دیکھا نہیں تھا، کسی کو علم ہی نہیں تھا۔ یہی نسخہ مصنف کا آخری نظرِ ثانی کردہ نسخہ ہے، جس میں مصنف نے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ میں نے اپنے نسخے کے متن کی بنیاد اِسی نسخے پر رکھی ہے (یعنی اپنے مرحوم نسخے کی) اِس نسخے کے بعد مصنف نے کسی اور نسخے پر نظرِ ثانی نہیں کی۔ یہ جو خیال ہے کہ نول کشوری اڈیشن ۱۲۸۳ھ والا مصنف کا نظرِ ثانی کردہ نسخہ ہے، بالکل غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یار لوگوں نے اِس نول کشوری نسخے کو بھی دیکھا نہیں ہے، وہاں سے جو بعد میں اس نسخے کی نقلیں شائع ہوئیں، اکثر لوگوں نے اُنھی کو دیکھا ہے اور خاتمے کی عبارت سے ساری معلومات اخذ کی ہے۔ خیر یہ دوسری بات ہوئی اس پر پھر کبھی گفتگو ہوگی۔

۱۲۸۰ھ کے جس نسخے کا میں ذکر کر رہا ہوں، اِس کے آخر میں سرور نے خود ''نثرِ خاتمہ'' لکھی ہے، اور اس میں ساری باتیں لکھ دی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے مولوی صاحب کے کہنے سے اِس نسخے پر نظرِ ثانی کی ہے: ''دوسری بار پھر جناب مولوی صاحب کا ارادہ ہوا اور مصنف بھی نیا

کر دینے پر آمادہ ہوا''۔

اور ہاں آپ نے جو فیروز صاحب کی عبارت میں ایک گرفت کی ہے (اور بجا طور پر) اس سلسلے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اِس ''نثرِ خاتمہ'' میں سرور نے اس کی وضاحت کر دی ہے: ''وہ نسخے اور مصنّف نے تازہ لکھے ہیں... ایک اس میں الف لیلہ ہے... انشاء اللہ اب اس کے چھپنے کا اہتمام ہوگا۔ اگر فلک بر سرِ ساز رہا تو چھ مہینے میں انجام ہوگا''۔ اِس کی آخری دو سطریں یہ ہیں:

''الحمد اللہ کہ یہ صنمِ رعنا محبوب زیبا ستائیسویں رمضان ۱۲۸۰ ہجری شہر لکھنؤ محلّہ فرنگی محل افضل المطابع میں چھپ کر منظور نظر ہوا۔ سخن شناسوں سے یہ التماس ہے کہ کثرتِ سن سے ہوش بجا نہ ٹھکانے حواس ہے، اگر کچھ مزہ ملے تو راقم اور شائع کرنے والے کو دعاے خیر سے یاد کریں۔ اس واسطے خاتم بر اختتام ہے کہ اِس نسخے پر عصر ہے، کمی بیشی کا اہتمام ہے''۔ اِس کے بعد مصنّف کی مُہر ہے ''مرزا رجب علی بیگ سرور''۔

اس نسخے کے خاتمے پر ایک نہایت دل چسپ اور مفید قطعۂ تاریخ طبع ہے، اس کے اِن شعروں کو دیکھیے:

دوسرا شعر:

چھپا تھا میر حسن کے یہ پہلے مطبعے میں زمانہ اس کو ہوا بیس سال سے بھی سوا

(یہ ۱۲۵۹ھ میں چھپا تھا)

آٹھواں شعر:

غرض کہ بیس دفعہ شہرِ لکھنؤ میں چھپا نہ کچھ صحیح و غلط کا مگر خیال کیا

دسواں شعر:

کیا درست فسانے کو اب جو چوتھی بار ہوئی دو آتشہ پھر یہ مے سرور افزا

گیارھواں شعر:

پھر اپنے ہاتھ سے اک نثر خاتمے پہ لکھی جو اعتبار ہوا سب کو اِس کی صحت کا

''اب جو چوتھی بار'' بالکل صحیح بات ہے۔ پہلا اڈیشن مطبع میر حسن رضوی سے ۱۲۵۹ھ میں چھپا تھا۔ دوسری بار اسی مطبعے میں ۱۲۶۳ھ میں مصنّف کی نظرِ ثانی کے ساتھ چھپا۔ یہ گویا پہلی بار نظرِ ثانی ہوئی۔ پھر حاجی محمد حسین نے ۱۲۶۷ھ میں اِسے چھاپا، اس پر مصنّف نے نظرِ ثانی کی تھی (بہت زیادہ تبدیلیاں کی تھیں) یہ دوسری بار نظرِ ثانی ہوئی۔ پھر مولوی محمد یعقوب نے ۱۲۷۶ھ میں افضل المطابع میں چھاپا، نظرِ ثانی کے بعد، یہ تیسری بار ہوئی اور پھر مولوی صاحب ہی نے اِسی مطبعے میں ۱۲۸۰ھ میں چھاپا نظرِ ثانی کے بعد، یہ ''چوتھی بار'' ہوئی۔ گویا اِس کتاب پر مصنّف نے کل چار بار نظرِ ثانی کی ہے۔ اشاعتِ اوّل کو شامل کیجیے تو پانچ نسخے ایسے ہوئے جو مصنّف کے دیکھے ہوئے ہیں۔

باقی سب اشاعتیں نقل یا نقل در نقل ہیں۔ دیوانِ جانصاحب کے حاشیے پر بھی یہ کتاب چھپی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس پر بھی نظرِ ثانی کی تھی۔ جین صاحب نے اس کا ذکر اپنے مضمون (آجکل) میں کیا ہے، مگر میرا ذہن اس بات کو ماننے پر تیار نہیں ہوتا کہ یہ سرور کا کام تھا۔ اس پر چوں کہ مفصل بحث کی ضرورت ہے، اس لیے یہاں اِس نسخے کی بحث سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

وطنی نسبت کی بحث کے سلسلے میں آپ نے لکھا ہے: ''لیکن مطبع نول کشور کے اڈیشنوں میں... اس مقام پر 'متوطن خطۂ بے نظیر' کے بجائے 'متوطن حال خطہ بے نظیر' لکھا ہوا ملتا ہے''۔ حوالہ دیا ہے آپ نے نیز مسعود صاحب کی کتاب کا۔

میں عرض کروں کہ ۱۲۸۳ھ میں اخذِ حقوق کے بعد جو پہلا اڈیشن اس مطبعے سے شائع ہوا تھا، اُس میں اِس عبارت میں لفظِ ''حال'' شامل نہیں۔ یہ بعد کی کارستانی ہے کسی کی۔ یہ بھی عرض کروں کہ ۱۲۸۳ھ سے پہلے بھی یہ کتاب مطبعِ نول کشور سے چھپ چکی ہے۔ ۱۲۶۴ھ کا ایک اڈیشن فی الوقت میرے سامنے ہے۔ اس میں بھی اِس عبارت میں لفظِ ''حال'' موجود نہیں۔ جہاں تک میری نامکمل معلومات کا تعلق ہے، نول کشور سے ۱۲۹۲ھ میں ایک نسخہ شائع ہوا تھا، جس کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ یہ اشاعت ۱۲۸۳ھ کی نقل ہے، مجھے پہلی بار لفظِ ''حال'' اِس اشاعت میں ملا ہے۔ اِس اشاعت میں ''متوطنِ حال'' لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مطبعے کے کسی کاتب یا کسی مصحح کا کام ہے۔

اصل بات وہی ہے کہ ۱۲۸۳ھ والا نول کشوری نسخہ عموماً لوگوں نے دیکھا نہیں۔ خود مجھے یہ نسخہ بالکل آخر میں ملا، جب میں اس کے ملنے سے ناامید ہو چکا تھا اور ایک دوسرے نول کشوری نسخے سے اختلافِ نسخ میں استفادہ کر چکا تھا۔ چوں کہ اب وہ سب کام ''گاؤ خورد'' کے ذیل میں آگیا ہے، اس لیے میں نے اُس کام کو وہیں پر چھوڑ دیا، ورنہ میرا ارادہ تھا کہ اِس نسخے کے ملنے کے بعد میں اب اُس دوسرے نسخے کے اختلافات نکال کر، اِس نسخے کے اختلافات شامل کرلوں۔

خط خاصا طویل ہوگیا، اس کی معذرت۔ برادر! اس کی رسید سے فوراً مطلع کریں تاکہ یہ اطمینان ہوجائے کہ اِس بار یہ خط آپ تک پہنچ گیا۔

اب دو گزارشیں میری طرف سے:

میرامن نے باغ و بہار کے دیباچے میں یہ لکھا ہے کہ بے کاری کے زمانے میں کلکتے میں ''نواب دلاور جنگ'' کے بھائی میر محمد کاظم خاں کی اتالیقی کا کام کچھ دنوں کیا تھا۔ ان نواب دلاور جنگ کا کچھ احوال معلوم ہے آپ کو؟

یہ شعر:

خدا اس پاس، یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈورا شہر میں، لڑکا بغل میں

یہ کس کا ہے؟ اس کا بھی امکان ہے کہ خود میر امنؔ کا ہو۔
پہلے درویش کی سیر میں:

نہیں محتاج زیور کا، جسے خوبی خدا نے دی
کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

یہ کس کا شعر ہے؟ آبِ حیات کے مقدّمے میں بھی یہ شعر ہے مگر شاعر کا نام مذکور نہیں۔

ایک بات اور: میر امنؔ ''کنویں کے مینڈ'' لکھا ہے (''کے'' کا ہونا مسلّم ہے یہاں) پہلے انھوں نے ''کنویں کے من پر'' لکھا تھا۔ اِس معنی میں ''من'' اور ''مینڈ'' دونوں اب بہ تانیث مستعمل ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اور کہیں ''مینڈ'' کو بہ تذکیر پڑھا یا سنا ہے؟ ''کھیت کی مینڈ'' سے بحث نہیں، ''کنویں کی مینڈ'' ہے۔ ہماری طرف تو ''کنویں کی من'' اور ''کنویں کی جگت'' کہتے ہیں۔ تذکیرو تانیث کے لحاظ سے باغ و بہار میں متعدد لفظ موجودہ استعمال کے خلاف ملتے ہیں، اس لیے ''مینڈ'' کی تذکیر پر تعجب تو نہیں، مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں اور بھی اس کی مثال ملتی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

اور ہاں، ریٹائرمنٹ میں ابھی تقریباً چار سال باقی ہیں۔ بہ ہر حال رہائی کا انتظار ہے۔ اب جی اوبھ گیا ہے۔ آپ کے اور میرے مشترک کرم فرما اور دوست حکم چند نیر صاحب کا یہ بیان ہے ایک محفل میں کہ خاں صاحب تو محض احساسِ کم تری کا شکار ہیں اسی لیے وہ لوگوں پر جا بے جا اعتراض کرتے رہتے ہیں خاص کر یونی ورسٹی والوں پر۔ اس بات کے اشتہار سے کچھ فائدہ نہیں، اِس لیے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے احباب کا احوال! افسوس! تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

اس جرأت اور جذبۂ حق گوئی کی قدر نہیں کی جاتی، جس کی پاداش میں آج تک بے انتہا خسارے کا شکار ہوں اور جس پر نہ منفعل ہوں اور نہ پشیمان۔ آیندہ بھی اسی کا ارادہ ہے۔ آپ جیسے چند قدر دانوں کے سہارے قلم ابھی تک چلے جاتا ہے اور چلا جائے گا انشاء اللہ! لوگ کچھ بھی کہیں۔ مجھے ایسے اقوال کی مطلق پروا نہیں۔ لیکن جی ضرور دُکھ گیا۔ اِس قول کا احوال اُس پھول جیسا ہے جو منصور پر پھینکا گیا تھا اور جس کی چوٹ پتھر سے زیادہ اُنھوں نے محسوس کی تھی۔

پسِ نوشت:

آبِ حیات میں شعر کی ردیف ''گہنا'' ہے اور یوں ہے:

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے
کہ آخر بدنما لگتا ہے دیکھو چاند کو گہنا

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی -۱۱۰۰۰۷
۷/مارچ ۱۹۹۱ء[۱۹]

مخی!

ابھی آپ کا خط ملا۔ مجھے بھی احمد آباد جانا تھا، وعدہ بھی کرلیا تھا، مگر نہیں جا پایا۔ ورنہ مفصل ملاقات کی صورت نکل آتی۔ ملاقات کے یہ مواقع نکل گئے، اِس کا افسوس ہے۔ میں کل، یعنی ۸/مارچ کو دو ہفتے کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا، ۱۷/مارچ کو واپسی ہوگی۔

۹/جنوری کو میری دوسری آنکھ کا آپریشن ہوا تھا۔ ابھی کل ہی ڈاکٹر نے آخری چک اپ کیا، ٹھیک بتایا، اب چشمہ بننے کو دیا ہے۔ اُس کے بعد باضابطہ لکھنا پڑھنا شروع ہو سکے گا۔ اِس قضیے میں باغ و بہار کی طباعت میں تاخیر ہوگئی، کیوں کہ مقدّمے کی کتابت ہو رہی تھی، اُس کی تصحیح کرنا تھی۔ خیر، اب جلد ہی، یعنی دو مہینے کے اندر شاید چھپ جائے۔ انتخابِ سرور، حبیب خاں صاحب نے مجھے خاصی تاخیر سے دیا، اُس کی رسید مولانا صدیقی کے خط میں بھیج چکا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور ملاقات کی کوئی صورت جلد تر نکل سکے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی -۱۱۰۰۰۷
۵/اپریل ۱۹۹۱ء[۲۰]

برادرم!

کتاب آج ہی ملی، شکریہ۔ بعدِ ختمِ ماہِ صیام پڑھوں گا اور استفادہ کروں گا۔ فی الحال شاہ جہان پور جانے کی تیاری میں لگا ہوا ہوں۔ اتفاقاً کتاب جہاں سے فوری طور پر کھلی، وہاں غالب کے شاگرد بیصبر کا ذکر تھا۔ اُن کی مثنوی لختِ جگر کے متعلق آپ نے دو قول نقل کر دیے ہیں۔ مجھے فی الوقت صرف یہ کہنا ہے کہ یہ مثنوی واقعتاً مطبوعہ ہے اور حُسنِ اتفاق سے اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ بیصبر کی صراحت کے مطابق یہ ۱۲۵۳ھ میں مکمل ہوئی تھی، پھر ۱۲۷۵ھ میں اس پر

نظرِ ثانی کی اور غالبؔ کے سامنے بہ غرضِ اصلاح پیش کیا۔ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۷۱ء میں یہ (پہلی بار) مطبع خورشیدِ جہاں تاب سہارن پور میں چھپی تھی:

"لختِ جگر" اس نے نام پایا　　نام و سنِ (کذا) اختتام پایا
۱۲۵۳
فکر سنِ (کذا) عیسوی جو آیا　　"بالغ خرد" اس کا سال پایا
(فکر مذکر)　　۱۸۳۷

اب ہے جو یہ سال سالِ مسعود　　بارہ سو پر پچھتر افروز
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے　　ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
غالبؔ کی نگاہ سے گزر کر　　بے عیب یہ ہوگئی سراسر
تصنیف کا سال تھا "جگر لخت"　　ترمیم کا سن "زہے میرا بخت"

تاریخِ طبع:

چھپی جب کہ بیصبرؔ "لختِ جگر"　　مجھے فکر تھی اُس کی تاریخ کی
(فکر مونث)
یہ دی سالِ ہجری میں دل نے صدا　　رہا نا یہ کیا خوب ہے مثنوی

ایک قطعہ تاریخ طبع بیصبرؔ صاحب زادے کرشن سروپ منیرؔ کا بھی ہے، سات شعر کا، آخری شعر:

تلاش ہجری میں تاریخ کی تھی اس کی مجھے
ندا یہ غیب سے آئی چھپی ہے لختِ جگر
۱۲۸۸

اِس میں اُنھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کی کہی ہوئی تاریخ تکمیل بھی نقل کی ہے: "مرغوبہ" کہا کہ اس کا ہے سال۔ آغاز میں اڑتالیس اشعار "در شانِ مجمع کمالات صوری و معنوی حضرت اوستادی جناب مولانا اسداللہ خاں صاحب" ہیں، اِن میں یہ شعر بھی ہیں:

آپ اُس نے ہی، ہوں میں جس کا مدّاح　　دیوان کو میرے دی ہے اصلاح
تفتہؔ کے سبب بہ خواہشِ دل　　رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل
غالبؔ کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے　　میں ہوں کہیں اور وہ مہیں ہے

دتاسیؔ نے جو تاریخِ طبع مثنوی لکھی ہے وہ تو یقیناً غلط ہے۔

ایک طالبِ علم نے میری فرمایش پر اِس مثنوی پر ایک مختصر سا تعارفی مضمون بھی لکھا تھا، غالباً ۲، یا ۳ سال پہلے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی سی ۹۔ گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷
۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۲ء[۲۱]
مخبی!

مولانا کا خط آیا تھا، بھائی! نسیم صاحب کا مقالہ کئی مہینے پہلے بھیجا جا چکا ہے اکیڈمی کے دفتر میں کہیں ہوگا۔ وہاں کا احوال ٹھیک نہیں۔ آپ اُن کو فوراً خط لکھیے۔ نسیم صاحب کو میرے سبب سے بہت پریشانی اٹھانا پڑی، اُس کے لیے میں اُن سے بہ طورِ خاص معذرت طلب ہوں۔

میری صحت ٹھیک نہیں، علاج جاری ہے۔ بہ ہر طور، جو ہونا ہے وہ تو ہو رہے گا، کام کیوں بند رہے۔ آج کل میں نے گلزارِ نسیم کی تدوین کا خاکہ بنالیا ہے اور اُس کے متعلقات جمع کر رہا ہوں۔ اگر اِس سلسلے کی کوئی چیز آپ کی نظر میں ہو، تو اُس سے مطلع کیجیے گا۔ کیا مجلسِ ترقیِ ادب لاہور کی شائع کردہ مذہبِ عشق ہے آپ کے پاس؟ یا اِس کا پہلا اڈیشن۔ اِسی کے سلسلے میں اس ماہ کے آخر میں حیدرآباد جانے کا ارادہ ہے۔

موجیم کہ آسودگیِ ما، عدمِ ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۱۷ر نومبر ۱۹۹۲ء[۲۲]

نقوی صاحب! آداب

خط ملا تھا۔ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں تفتیشی آپریشن ہوا تھا۔ ایک ہفتے تک داخل رہا۔ رپورٹ آگئی ہے، شکر ہے کہ وہ خدشہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ علاج ابھی جاری ہے۔

نسیم صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ خیر، پھر کبھی سہی۔ سرسیّد سمینار میں اگر ملاقات ہوئی تو بہت سی باتیں ہوں گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں، مولانا سے کہیے کہ اُن کا خط مل گیا۔ میرے لیے یہ، اطلاع بے حد تعجب خیز ہے کہ وہ راستہ نہیں

ڈھونڈ پائے۔ میں تو اُن کے کمالات کا قائل تھا، کیا اب تصوّف میں کچھ دخل دینے لگے ہیں۔

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۲۴ر جنوری ۱۹۹۳ء
محبی!

اطہر فاروقی صاحب (نے) بتایا کہ کان پور میں آپ کی غالباً ہمشیر تھیں اور وہاں کچھ پریشانی پیدا ہوئی تھی۔ تفصیل وہ بتا نہیں پائے۔ مجھے بہت تشویش ہے۔ آپ ذرا تفصیل سے خط لکھیے۔

میں آج کل گلزارِ نسیم کی ترتیب میں الجھا ہوا ہوں۔ الجھنیں مختلف النوع ہیں۔ مثلاً ایک شعر ہے:

دودھ اُن کا دوہا، پیا، کہا لو　　　گوبر کی انھی کے چھوت پھینکو

سخت حیران تھا کہ یہ چھوت پھینکنا کیا ہوا، جب کہ دودھ پیا جا چکا ہے۔ کئی دن کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ''چھوت'' بہ واوِ مجہول ہے اور مذکر ہے۔ یہ ''چوتھ'' کا ایک روپ ہے۔ گائے، بیل وغیرہ کے اُس گوبر کے ڈھیر کو کہتے ہیں جسے وہ ایک بار کرتا ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی۔ آپ کا خط آجاتا تو پھر بعض شعر جو مشورہ طلب ہیں، لکھوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی. بی. ۹، گاڑ ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۹ر فروری ۱۹۹۳ء

برادرم!

۳ر فروری کا خط مل گیا۔ پڑھ کر قلق اور سوا ہو گیا۔ معلوم نہیں اور کیا ہونا ہے۔ ذہن اور دل بجھ کر رہ گئے ہیں۔ سخت جانی کے فیض سے جی رہا ہوں اور کام بھی کرتا ہوں لیکن دل ٹوٹ سا گیا ہے کیوں کہ یہ انتہا نہیں، ابتدا ہے۔ بہ بینم چہ زاید، شب آبستن است۔ کبھی ایک شعر پڑھا تھا، مطلب اب سمجھ میں آیا ہے:

آشیاں ایک شاخ کا پابند
بجلیاں قیدِ ابر سے آزاد

مولانا سے کہیے کہ اُن کے خط کا انتظار ہے۔
اب بعض مشورہ طلب امور: مکتبہ جامعہ والا اڈیشن شاید آپ کے پاس ہو، اُسی کے صفحہ نمبر لکھے ہیں:

اٹھ جائیں یہ چاروں ست بنیاد　　داغے ہوئے ہیں غلام آزاد　　(ص ۳۹)
داغی

چاروں بھائیوں کا ذکر ہے جن پر مہر غلامی لگ چکی ہے کہ یہ اٹھ جائیں تب میں آؤں گی۔ دوسرے مصرعے کی قرائت کا مسئلہ ہے۔
قاضی صاحب اور چکبست نے داغی لکھا ہے۔ غلام کے بعد کاما؟

ع: دونوں کے رہی نہ جان تن میں
کی　　(ص ۴۸)

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے　　درماں ہے کہ درد لا دوا ہے　　(ص ۱۷)

ابتدا میں:

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر　　نیرنگِ نسیم باغ کشمیر
نیرنگِ نسیمِ باغِ کشمیر　(ص ۶)

نسیم باغ کشمیر کے مشہور باغ کا نام ہے۔
طائر کہتا ہے، جب صیاد نے اُسے چھوڑ دیا ہے:

ہمت نے مری تجھے اُڑایا　　غفلت نے تری مجھے چھڑایا
مجھے　(ص ۳۵)

اصل نسخے میں: تجھے۔ قاضی صاحب نے "مجھے" لکھا ہے۔

بولی وہ بنی بگاڑ کیا ہے　　چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے　　(ص ۴۶)
بنے

خدا کرے ۱۹ر فروری اور پھر ۲۵ر فروری بہ خیریت گزرے۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۵ر فروری ۱۹۹۳ء ۲۵
مخلصی!
میرا خط مل چکا ہوگا۔ مولانا اور آپ، دونوں کے خطوں کا انتظار ہے۔ پوسٹ کارڈ یوں لکھ رہا

ہوں کہ سنا ہے اِن دنوں پوسٹ کارڈ بہ حفاظت پہنچ جاتا ہے۔

مولانا (سے) پوچھیے کہ عنیزہ (ع ن ی ز ہ) کے معنی کیا ہیں؟ ایک صاحب نے اپنی بچی کا نام رکھا ہے۔

عزیز مکرم نسیم صاحب سے پوچھیے کہ کیا یہ شعر سودؔا کا ہے:

"چکھا اُنھوں نے جو اے یار دوستی کا شہد
وہ تلخ کام کبھی زہرِ دشمناں نہ کرے"

چکبستؔ نے "چکھا" کی سند میں اِسے پیش کیا ہے، میں نے بلفظہ نقل کر دیا ہے۔ مجھے بہ ہر حال سودؔا کے کلام میں نہیں ملا۔

پچھلے خط اور اِس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۵ رفروری، یوم الرّیلی[۲۶]

نقوی صاحب مکرّم!

میں نے ایک ضروری خط لکھا تھا، اُس کا جواب نہیں ملا۔ اس میں سودؔا کے ایک شعر سے متعلق استفسار تھا۔ جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔

گل و گل چیں کا گلہ بلبلِ خوش لہجہ نہ کر — تو گرفتار ہوئی اپنی نوا کے باعث

کیا آپ کے ذہن میں اِس شعر کے کہنے والے کا نام ہے؟

مولانا کہاں ہیں، ان سے میرا سلام کہیے۔ خط فوراً لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی
۱۸ رمئی ۱۹۹۳ء[۲۷]

نقوی صاحب مکرّم!

لفافہ مل گیا۔ اطہر فاروقی صاحب سے مہینوں سے ملاقات نہیں ہو سکی ہے۔ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں، یہ بھی معلوم نہیں۔ بہ ہر حال تحریر کو بہ حفاظت رکھ لیا ہے۔ وہ جب آئیں گے تو اُن کو

دے دی جائے گی۔

اِس خط سے معلوم ہوا کہ ابھی تک آپ بنارس ہی میں ہیں۔ کب تک رہیں گے؟

ایک لطیفہ: آپ کو یاد ہوگا کہ یہ شعر:

گل و گل چیں کا گلہ بلبلِ خوش لہجہ نہ کر   تو گرفتار ہوئی اپنی نوا کے باعث

زیرِ گفتگو رہا تھا، نیز مسعود صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ یہ تو نوازش کا ہے اور خود میں اِس کو مع حوالہ حواشیِ فسانہ عجائب میں درج کر چکا ہوں۔ بہت ہنسی آئی اپنے اوپر۔ اب معلوم ہوا کہ بار بار یہ شعر کیوں ذہن میں چُبھ رہا تھا۔ سعدی کے اِس شعر کا مطلب بھی بہ خوبی سمجھ میں آگیا:

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم   گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

میں آج کل بچّی کی بیماری کے سلسلے میں پریشان خاطر رہتا ہوں، یوں سارا کام یوں ہی بڑا ہوا ہے۔ ریحان لکھنوی کی مثنوی باغ و بہار کا عکس کل کراچی سے آگیا اور یہ بڑا کام ہوگیا۔ ذرا سکون نصیب ہو تو اُسے لے کر بیٹھوں اور گلزارِ نسیم سے مقابلہ کروں۔

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

۱۶ رمئی [۲۸]

برادرم!

اس بار تو سخت جانی نے آبرو رکھ لی۔ بس بچ ہی گیا۔

۲۵ دن کے بعد گا ئر ہال آیا ہوں اور آج یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں۔ ۱۸ رمئی کو شاہ جہان پور جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ جولائی تک وہیں رہنے کا ارادہ ہے۔ نقاہت از حد فزوں ہے۔ مولانا سے شرمندہ ہوں، مگر اُن کے مسوّدے سے متعلق چند سطریں جلد ہی (منظوری کی) بھیجنے کی کوشش کروں گا، بس ذرا سی توانائی اور آجائے۔ ان سے میرا اسلام کہیے۔ پرسشِ حال کا شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر حنیف نقوی

عزیزِ مکرّم! [۲۹]

خط ملا تھا، مضمون کو واپس کرنا اِس کاروبار کی روایت کے خلاف ہے، لیکن آپ کی فرمائش کو روایت پر ترجیح دیتے ہوئے مقالہ واپس کر رہا ہوں۔ اس کی رسید سے مطلع کیجیے۔

اب آپ کے ذمّے دو مضمون واجب الادا ہیں (۱) سُرور اور بنارس (۲) غالب نامہ کے

لیے کسی موضوع پر۔
توقع کرتا ہوں کہ سر ورق والا مضمون آپ جلد از جلد بھیج دیں گے، تا کہ کتابت میں دقت نہ ہو۔
خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

شاہ جہان پور
۳۰ر ستمبر ۲۰۰۲ء[۳۰]

محبِ مکرم!

فارسی کلیاتِ غالب واپس کر رہا ہوں، اِس کی رسید فون پر ضرور دیجیے گا، تا کہ اطمینان ہو جائے کہ یہ کتاب آپ تک پہنچ گئی۔ دہلی سے کلیاتِ فارسی کا پہلا نول کشوری اڈیشن ۱۸۶۳ء کا آ گیا، یوں اب اِس کی ضرورت نہیں رہی۔

ہاں بھائی! نسیم صاحب جب آئیں تو اُن سے ضرور کہہ دیجیے گا کہ اِن کا لفافہ مجھے مل گیا تھا اور وہ میرے کام آیا۔ شکریہ بھی میری طرف سے ادا کر دیجیے گا۔ ان کا فون نمبر میرے پاس نہیں ہے، ورنہ فون کر دیتا۔

کیا غالب انسٹی ٹیوٹ کا دعوت نامہ آیا ہے؟

اور ہاں، کیا بنارس میں اردو کمپوزنگ کا کوئی عمدہ سنٹر ہے۔ یہاں دو جگہیں ہیں، مگر کم بد بخت (کذا) اردو بھی ٹھیک سے نہیں جانتے، فارسی کیا پڑھیں گے۔ زٹلی کا مسئلہ۔ دہلی بھیجنا نہیں چاہتا۔ وہاں آپ ہیں، یوں مجھے اطمینا رہتا۔

آج گلے کے ڈاکٹر کے یہاں جانا ہے۔ گلے میں بہت تکلیف ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مکتوب الیہ کا پتا لفافے کی پشت پر یوں تحریر ہے: ڈاکٹر حنیف نقوی، شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونی ورسٹی، وارانسی (یوپی) پن کوڈ: ۲۲۱۰۰۵۔ لفافے کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۰ر فروری ۱۹۸۰ء کی ثبت ہے۔

۲۔ خط کی پشت پر وارانسی ڈاک خانے کی مہر ۱۹ر مارچ ۱۹۸۰ء کی ثبت ہے۔

۳۔ خط کی پشت پر وارانسی ڈاک خانے کی مہر ۲۳ر اپریل ۱۹۸۰ء کی ثبت ہے۔

۴۔ خط کے اوپر نیچے تاریخ درج نہیں ہے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے لفافے کے باہر 19/80 لکھا ہے۔ لیکن خط کے لفافے پر وارانسی ڈاک خانے کی مہر سے ۱۷ر تاریخ صاف نظر آتی ہے۔

۵ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔لفافے کی پشت پر وارانسی کے ڈاک خانے کی ۲۵؍اکتوبر ۱۹۸۰ء کی مہر ثبت ہے۔

۶ خط کے لفافے پہ لگی ٹکٹ کو کاٹ لیا گیا ہے لفافے کے بائیں نیچے کونے میں دائرے کی صورت میں صد سالہ تقریب ولادت محمود شیرانی ۱۸۸۰ء چھپا ہے۔اور بنارس کے ڈاک خانے کی مہر ۸۰/۱۱/۱۳ ثبت ہے۔

۷ لیٹر پیڈ سے ظاہر ہوتا ہے ک یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۸۰/۱۲/۲۴ء کی ثبت ہے۔

۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی ۲۸؍جنوری ۱۹۸۱ء کی مہر ثبت ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی ہی سے لکھا گیا ہے۔

۹ لفافے کی پشت پر وارانسی ڈاک خانے کی مہر ۷؍مارچ ۸۱ء کی ثبت ہے۔

۱۰ لفافے پہ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۶؍مارچ ۱۹۸۱ء کی ثبت ہے۔ دوسری طرف مہر میں صرف وارانسی صاف پڑھا جاتا ہے۔

۱۱ لفافے پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳۰؍ستمبر ۱۹۸۱ء کی ثبت ہے۔

۱۲ خط کے اوپر مقام نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔لفافے کی پشت پر نیو دہلی ڈاک خانے کی مہر ۳۰؍ستمبر ۱۹۸۱ء ثبت ہے۔

۱۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔خط کی پشت پر وارانسی ڈاک خانے کی مہر ۲۵؍فروری ۱۹۸۲ء کی ثبت ہے۔

۱۴ لفافے پر دہلی کے ڈاک خانے کی مہر ۲۱؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کی ہے اور ہندو یونیورسٹی وارانسی کے ڈاک خانے کی ۲۵؍اکتوبر ۸۲ء کی ہے۔

۱۵ لفافے کی پشت پر ہندو یونیورسٹی وارانسی کے ڈاک خانے کی مہر ۸۲/۱۲/۶ء کی ثبت ہے۔

۱۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔لفافے پہ نیو دہلی ڈاک خانے کی مہر ۸؍فروری کی ثبت ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۱۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔لفافے پہ مہر بھی نیو دہلی ڈاک خانے کی ثبت ہے۔

۱۸ صفحہ ایک پر تاریخ ۹؍ستمبر ۸۵ء اور صفحہ ۵ پر ۱۰؍ستمبر ۸۵ء درج ہے۔اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سہوِ قلم ہے۔

۱۹ یہ خط خاں صاحب نے چشمے کے بغیر لکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ الفاظ سائز سے بڑے ہیں۔خاں صاحب کے پتے کی مہر خط کی پشت پر لگی ہوئی ہے۔

۲۰ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔البتہ لفافے کی پشت پر رشید حسن خاں صاحب کی ٹی.سی.۹،

گائر ہال والی مہر ثبت ہے۔

۲۱۔ مکتوب نگار کے پتے کی مہر لفافے کی پشت پہ ثبت ہے۔

۲۲۔ خط کے اوپر مقام نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۴۔ مکتوب نگار کے پتے کی مہر لفافے کی پشت پر ثبت ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں تحریر ہے: ڈاکٹر حنیف نقوی، ہڈ ڈیپارٹ منٹ آف اردو، بنارس ہندو یونی ورسٹی، وارانسی (یو۔ پی)۔۲۲۱۰۰۵۔

۲۵۔ مقام اوپر، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۶۔ پتے کی مہر لفافے کی پشت پہ ثبت ہے۔ اوپر تاریخ ۲۵؍مارچ، یوم الزیلی درج ہے اور نیچے ۲۵/۲/۹۳۔ اصل میں یہ فروری ہے مارچ نہیں۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے لال سیاہی سے فروری لکھا ہے۔

۲۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۸۔ مکتوب نگار کا پتا درج نہیں۔ مکتوب الیہ کا یوں درج ہے: ڈاکٹر حنیف نقوی، سی ایچ-۶۹......۲۷، دال منڈی روڈ، وارانسی (یو پی)۔۲۲۱۰۰۱۔

۲۹۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔ البتہ خط کی پشت پہ حنیف نقوی صاحب نے لکھا ہے: ''مضمون 'رجب علی بیگ سرور اور بنارس' جولائی ۱۹۸۳ء کے 'غالب نامہ' میں شائع ہوا تھا۔ یہ خط اِس سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔ دستخط حنیف نقوی۔

مضمون ۵/۲/۸۳ کو مل گیا تھا۔ اس لیے اسے خط نمبر ۲۵ سے پہلے آنا چاہیے''۔

۳۰۔ اِس خط کی نقل بنارس سے پروفیسر حنیف نقوی نے بھیجی ہے۔

بنام خلیق انجم، ڈاکٹر

I-B لکھنو روڈ

دہلی-۶

۲۲رفروری ۱۹۶۳ء

خلیق صاحب! سلامِ شوق

یہ سُن سُن کر کان پک گئے، کہ آج آپ کا خط فلاں صاحب کے پاس آیا ہے آج فلاں صاحب کے پاس۔ جس کو دیکھو خط لیے چلا آرہا ہے اِسے آنکھوں سے لگا رہا ہے۔ صبر کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔ سوچا خود ہی خط لکھوں، اور بالجبر جواب حاصل کروں۔ اور پھر اعلان کروں کہ بھائیو ہم بھی حلقۂ خاصان میں شامل ہوگئے۔

کہیے صاحب! مرزا سودا کا مزاج کیسا ہے اور مرزا مظہر کس حال میں ہیں؟ برادر! سو پشت سے واقعی اگر پیشۂ آبا سپہ گری ہو، تب بھی یہ لازمی نہیں ہے کہ برخوردار سعادت آثار اِس کا سہارا لے کر کچھ کر دکھائیں۔ اب تو توبہ بول گئے ہوگے؟ بڑے بڑے پڑھے لکھے استادوں سے سابقہ پڑ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہاں تو پستش بغایت پست، کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہوگا۔ عورتوں کی ایک مثل ہے کہ ''جس کا کام اُسی کو ساجے، اور کرے تو ٹھینگا باجے''، یہ آپ نے کبھی کاہے کو پڑھی ہوگی (کیوں کہ یہ تو کلاسکل ادب کا جز ہے۔) اب سُن لیجیے اور یاد رکھیے کہ تیلی کا کام تنبولی سے نہیں ہو پاتا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آرہی ہے کہ واپسی پر جب ملاقات ہوگی، تو حدودِ اربعہ کیا ہوگا۔ اور اب اردو کس لہجے میں سننے کو ملے گی۔ ہائے ہائے! کیسے کیسے کام کے آدمی ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں۔

تازہ اطلاع یہ ہے کہ مس شمیمہ نکہت نارنگ صاحب کی جگہ پر آگئی ہیں۔ شارب کے ساتھ اکثر دیکھا ہوگا۔ یہ تو سُن چکے ہوگے کہ عرشی صاحب پر قلب کا شدید حملہ ہوا تھا، ہنوز چارپائی سے اُٹھ نہیں پاتے ہیں۔ راز یزدانی اللہ کو پیارے ہوگئے اور محمد علی اثر رام پوری بھی چل بسے۔ اور اِن سب سے بڑی اطلاع یہ ہے کہ اسلم صاحب نے ۵۰ شعر کی ایک نظم کہہ لی ہے۔ یا اللہ!! معلوم نہیں کب سنا بیٹھیں۔

مزید اطلاع یہ ہے کہ آج ستائیسواں روزہ ہے (یہ محض قیاس سے کہہ رہا ہوں تحقیق ذمے

داری کے ساتھ نہیں) اور اِس کے بعد عید آیا کرتی ہے۔ کم از کم یہاں تو ایسا ہی ہوتا ہے، وہاں کا حال نہیں معلوم۔ وہاں تو شاید رمضان کا مہینہ بھی ابھی نہیں آیا ہوگا۔

مبارک باد عید پیشگی۔ ہاں بہادر سنگھ کو کئی بار ایک ''طلسم ہوش ربا'' کے ساتھ دیکھا جا چکا ہے۔ اب تو وہ باضابطہ ڈاکٹر ہو گئے۔ بہت خوش ہیں۔ کل راستے میں اِس طرح اچانک تصادم ہوا کہ غریب شرما گئے اور اِن سے زیادہ وہ ان کی اصطلاحی ''کزن''۔ لیکن اِس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ باقی آیندہ۔

رشید حسنؔ

(۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پورؔ

۲۱ر جون ۱۹۶۸ء

خلیق صاحب مکرّم!

افسوس ہے کہ چلتے وقت آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ نے وہ کام مکمل کر دیا ہوگا جس کی میں نے درخواست کی تھی اور متعلقہ صاحب کے حوالے کر دیا ہوگا۔ میں سفر کی عجلت میں تھا، اِس لیے آپ کو یہ زحمت دی تھی۔ میں ۲۶ر کی صبح کو دہلی پہنچ رہا ہوں۔ باقی زبانی گفتگو ہوگی۔

یارانِ مے کدہ کو سب کچھ۔ کاروبارِ شوق کا کیا رنگ ہے؟ اسلم صاحب کو کافی والسلام۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

دہلی ؔ

۱۳ر مارچ ۱۹۷۳ء

میرے بھائی!

یہ صاحب تو بہت زیادہ پڑھے لکھے نکلے۔ اور ایسے پڑھے جن کو شیشے میں اُتارنا مشکل ہوتا ہے۔ سو وہی صورت ہے۔ اشعار کی موجودہ صورت میں ذہن کام نہیں کرتا۔ یا تو یہ صاحب بہت بڑے تاریخی معمّا گو تھے، یا پھر اپنے زمانے کے مالک رام صاحب تھے۔ اور دونوں صورتوں میں مجھ جیسے اوسط درجے کے آدمی کو اعتراف عجز کرنا پڑتا ہے۔

معذرت طلب ہوں کہ تعمیلِ حکم نہیں کرسکا، لیکن کیا کروں قافیہ تنگ ہے۔ ہاں برادر! مکان بدلنا پڑا۔ سامان اِدھر سے اُدھر لے جانے میں دو دن تباہ ہوگئے، اِس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اِس کی معذرت علاحدہ۔ شریف صاحب کو خط لکھ دیا ہوگا؟

مخلص

رشید حسن

(۴)

بنام: خلیق انجم

۱۵؍فروری ۱۹۷۷ء

میرے بھائی، کیوں ہوا سے لڑتے ہو اور غریب غربا پر بگڑتے ہو۔ آپ نے جس جدید ضابطے کا حوالہ دیا ہے، میں اُس سے قطعاً واقف نہیں تھا، اِسی لیے حرفِ یاددہانی زبانِ قلم پر آیا تھا، جسے آپ شکایت سمجھے۔ چوں کہ ہماری زبان میں پہلے اِس قماش کی خبریں بہ افراط ہوا کرتی تھیں، اِس لیے یاددہانی کی تھی۔ اب جب یہ معلوم ہوا کہ ایک ضابطہ کی رو سے ایسی جملہ خبروں کو ناقابلِ قبول قرار دیا گیا ہے، تو یہ بھی ٹھیک ہے، اب میری یاددہانی یا شکایت دونوں واپس۔ یہ ضابطہ مجھے واقعتاً پسند آیا۔

رہا تبصرہ، سو اُس کا شکریہ ادا کر چکا ہوں اور ایک بار پھر ادا کرتا ہوں۔ دیکھیے صاحب! شکایت اُسی سے کی جاتی ہے جس سے توقع ہوا کرتی ہے، سو میری تحریر، اگر وہ شکایت بھی تھی، اِس پر دلالت کرتی ہے کہ مجھے آپ سے توقع تھی، اور توقع اُسی سے ہوتی ہے جس سے ربطِ خاص ہو، تو جناب! میری تحریر تو اُس ربطِ خاص کی عکاس تھی، اِس پر ناراضی کی تو کوئی بات ہونا نہیں چاہیے۔ اِس بے کراں اور بے اماں شہر میں، ایسے بس چند احباب ہیں جن کو بے تکلفی کے ساتھ چار سطریں لکھ دیا کرتا ہوں، اِسی ذیل میں آپ کو بھی خط لکھا تھا، اب اگر آپ مجھے اِس مسرّت اور اِس امتیاز سے محروم کرنا چاہتے ہیں تو میری قسمت! مگر میری نیازمندی بہ ہرحال اپنی جگہ پر رہے گی، کیوں کہ میرے ایسے احباب کا دائرہ اِس قدر مختصر ہوگیا ہے، اِس قدر تنگ ہوگیا ہے، کہ میں اب مزید اِس کو محدود کرنا نہیں چاہتا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی کھونا نہیں چاہتا۔ جس شخص کے شناسا بہت سے ہوتے ہیں، یہ آسانی اُسی کو حاصل ہوتی ہے کہ جب جس کو چاہا، چھوڑ دیا۔ ایسے لوگ زود آشنا بھی ہوتے ہیں اور فوراً اُس نقصان کی تلافی کرلیا کرتے ہیں میں نہ زود آشنا اور نہ کثیرالاحباب، اور بے دماغی مزید برآں؛ میں اِس ''عیاشی'' کو کیسے گوارا کرسکتا ہوں۔ اور برادر! ناراض کروں تو سرور صاحب اور فاروقی صاحب کو، آپ جیسے مخلصین کو کیوں یہ زحمت دی جائے۔ یہ بھی وضع داری کا ایک انداز ہے، اور اِس سلسلے میں میں خاصا قدامت پرست واقع ہوا ہوں۔ حاصلِ کلام یہ کہ نہ میں

شا کی اور نہ خفا، اور نہ آپ کے لیے اِس کی گنجایش ہے اور ضرورت بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
دہلی
۵ر جنوری ۱۹۸۱ء[8]

خلیق صاحب مکرّم!

توقع ہے کہ میرا پچھلا خط مل گیا ہوگا۔ خطوطِ غالب کی تجویز بھی آپ نے بھیج دی ہوگی۔ ۱۱ر کو ملاقات ہوگی۔ میں ۱۴ر فروری کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور ۲۰ر کو واپسی ہوگی۔ اطلاعاً عرض ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[9]
دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷
۲۶ر جنوری ۱۹۸۱ء

برادرم!

دو باتیں کہنا ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ مزید غور کرنے پر یہ محسوس ہوا کہ اُس شعر میں اگر ''پُری'' کے معنی وہ لیے جائیں جو ''پراگندگی'' یعنی انتشار کی ضد ہوتے ہیں، تو انسب ہوگا۔ خدا کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''کیف'' اور ''کم'' (''کیسا'' اور ''کتنا'') سے مبرّا ہے۔ اور ''پُری'' اور ''پراگندگی'' کو یہاں اسی کیف و کم کے مفہوم میں لیا جائے تو بہتر صورت ہوگی۔ ''پُر'' کے معنی ''بھرا ہوا'' بھی ہیں۔ اور اِس معنی کے لحاظ سے یہ ''پراگندہ'' کی ضد ہے۔ ایک ضمنی بات اور پہلے مصرعے میں ''خداوند'' کو مع اضافت اور بغیرِ اضافت، دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ''خداوند، بے نسبتِ بندگی''۔ (یعنی وہ خدا جو...) اِس صورت میں ''خداوند'' موصول ہوگا، اور ''بے نسبتِ بندگی'' اُس کا صلہ اور ''خداوندِ بے نسبتِ بندگی'' (ایسا خدا جو...) اِس صورت میں ''خداوند'' موصوف ہوگا اور ''بے نسبتِ بندگی'' اُس کی صفت۔ میں دوسری صورت کو مرجح قرار دوں گا، اور اِس کے لیے نظیر سعدی کا یہ شعر ہوگا جو بوستاں میں ہے:

خداوندِ بخشندہٗ دستگیر کریم خطابخشِ پوزش پذیر

یہاں "خداوند" موصوف ہے اور "بخشندہ" اور "دستگیر" اُس کی صفتیں ہیں۔ یہ فارسی کا عام انداز ہے۔ اِسی طرح "کریم" موصوف ہے اور "خطا بخش" اور "پوزش پذیر" اُس کی صفتیں ہیں۔

اب دوسری بات: میری رائے یہ ہے کہ آپ املاے غالبؔ کو بدلنے کے پھیر میں نہ پڑیے۔ اِس سے دو بڑے نقصانات ہوں گے اور فائدہ ایک بھی نہیں ہوگا۔ پہلا نقصان تو یہ ہوگا کہ آپ ایسے اعتراضات کے لیے راستہ ہموار کردیں گے جس کا جواب کٹ حُجتی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر "گذار" اور "گزار" کا مسئلہ۔ اِس کا معقول جواب نہیں دیا جاسکے گا۔ یا پھر ویسا ہی جواب دیا جاسکے گا جیسا غالبؔ اپنے معترضین کو دیا کرتے تھے، اور جس پر آج ہم ہنستے ہیں اور اُسے غالبؔ کی بے جا ضد سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ متعدّد حضرات کے لیے آپ آسانی فراہم کردیں گے کہ وہ اِس ترتیب کو غیر معتبر کہہ سکیں، اِس بنا پر کہ مرتّب نے اپنی پسند کو، مصنف کی پسند پر مقدم سمجھا ہے اور قدیم متن کو جدید بنایا ہے۔ اِس کا بھی معقول جواب بن نہیں پڑے گا۔ آپ بی۔اے کے لڑکوں کے لیے یہ کتاب مرتّب نہیں کررہے ہیں۔ اِس کے مخاطب اہلِ علم ہیں۔ جب لڑکوں والا کام کیجیے گا تو من مانی کرلیجیے گا۔

آپ اِس سلسلے میں ایک طریقہ کار متعیّن کرلیجیے۔ میں مثال کے طور پر دو تین مثالیں پیش کروں:

(۱) عربی اور فارسی کے ایسے لفظ جن کے آخر میں ہاے مختفی ہے (جیسے: نالہ، گلہ، اشارہ، پردہ، روانہ) غالبؔ نے ان کو کہیں بہ ہاے مختفی لکھا ہے اور کہیں مع الف (روانہ-روانا) ایسے الفاظ کے لیے اصول یہ بنایا جائے گا کہ چوں کہ (۱) یہ لفظ اصلاً بہ ہاے مختفی ہیں (۲) اِسی طرح آج بھی لکھے جاتے ہیں (۳) پہلے بھی اِسی طرح انھیں لکھا جاتا تھا (۴) غالبؔ نے بھی مختلف مقامات پر اِن کو اِس طرح لکھا ہے؛ ان وجوہ سے، ایسے الفاظ کو ہر جگہ، بہ ہاے مختفی لکھا جائے۔ (البتہ حواشی میں اختلافِ املا کی نشان دہی کردی جائے گی۔)

(۲) غالبؔ نے ایک خط میں وضاحت کے ساتھ اور قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ میں "خرشید" لکھتا ہوں اور اِس کے مخفف کو "خور" لکھتا ہوں اور اِس کو صحیح سمجھتا ہوں۔ اِس طرح کی وضاحتیں متعدّد الفاظ کے سلسلے میں اُن کے خطوط میں محفوظ ہیں۔ تو اب یہ لازم ہوگا کہ ایسے جملہ الفاظ کو فرمودۂ غالبؔ کے مطابق لکھا جائے۔

(۳) غالبؔ نے ایسے الفاظ کو جو ہاے مختفی پر ختم ہوتے ہیں، محرّف صورت میں کہیں بہ ہاے مختفی لکھا ہے اور کہیں بہ یاے مجہول۔ (کعبہ سے-کعبے سے) چوں کہ صحیح صورت "کعبے سے" ہے اور غالبؔ نے اِس طرح بھی لکھا ہے؛ اِن دونوں قرینوں کی بنا پر، ایسے جملہ الفاظ کو محرّف صورت میں

بہ یاے مجہول لکھا جائے گا (اور حواشی میں اِس اختلاف کی نشان دہی کی ضرورت نہیں ہوگی)۔

اِس طرح سب لفظوں کے سلسلے میں بہ آسانی تعینات سے کام لیا جاسکتا ہے۔ میری راے یہ ہے کہ اپنی طرف سے معترضین کے لیے ایسا مسالا جمع نہیں کرنا چاہیے جس کی مدد سے وہ بہ آسانی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکیں اور کہہ سکیں کہ ابھی اِس کام کو ازسرِ نو کرنے کی گنجایش ہے۔ یہ میری مخلصانہ راے ہے۔ آپ اِسے خواہ نہ مانیں، لیکن ٹھنڈے دل سے ایک بار اُن امور پر غور ضرور کرلیجیے۔ اِس سے فائدہ ہوگا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

دہلی

اگست ۱۹۸۲ء[۱۰]

خلیق صاحب!

میں آپ کا، آپ کے آدمی کا اور فہرستِ راے دہندگان کا ہنوز منتظر ہوں۔ ۱۳ر کی میٹنگ کا دعوت نامہ مل چکا ہوگا، اِس سلسلے میں بھی ملاقات ضروری ہے۔ اب اُن لوگوں سے ملاقات ضروری نہیں۔ آپ اور سب کو چھوڑیے، اور خود ہی مل لیجیے۔

اب میں پیر کے دن (9-8-82) صبح ۱۰ بجے انجمن کے دفتر میں آؤں گا، ٹھیک دس بجے، توقع کرتا ہوں کہ آپ موجود ہوں گے۔

رشید حسن

(۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۱۱]

دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۱۰ر جون ۱۹۸۳ء

مکرمی!

آپ کا خط دوبارۂ سکندر علی وجد (مرحوم) ملا، شکریہ۔

وجد صاحب سے متعلق میں نے ایک مضمون جو لکھا تھا، وہ اورنگ آباد کی کمیٹی نے منگالیا، وہ غالباً کسی مجموعے میں اُسے شامل کریں گے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ سب سے

پہلے آپ کے حکم کی تعمیل کی جاتی۔
مجھے واقعتاً افسوس ہے کہ میں اِس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد فی الوقت نہیں کر سکتا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم [۱۲]

گائر ہال
۱۳ر نومبر ۱۹۸۴ء

ہاں میرے بھائی! ابھی لفافہ ملا، شکریہ۔

آج بارہ دن کے بعد شعبے میں جانا ہوا۔ ٹے ٹوریل بلڈنگ بند پڑی تھی۔ آج کھلی ہے۔ آپ کا مسودہ بھی ۳۰ر کو میرے پاس آیا تھا اور دوسرے ہی دن سے تالے پڑ گئے تھے۔ اب کل سے اُسے دیکھوں گا اور چند روز میں اُسے واپس بھیج دوں گا۔

جنگ ابھی تک نہیں آیا۔ اُس سے متعلق کچھ معلوم ہے۔

ایک ضروری بات: جمیل الدین عالی صاحب کے گھر کا پتا درکار ہے، خط لکھا ہے شکریے کا۔ براہِ کرم فوراً بھیج دیجیے۔ چشم براہ ہوں۔

ہاں: روزنامہ جسارت میں میرا انٹرویو آیا تھا، علی حیدر ملک والا، اطلاعاً عرض ہے۔ اُنھوں نے اب کے دس بارہ دن پہلے بھیجا تھا ـــــ مجلسِ عام کے نتائج اب کب آئیں گے؟ براہِ کرم اُس سے بھی مطلع فرمائیے۔

دوسری ضروری بات: ایک پُرزے پر آپ نے ۱۲ر نومبر لکھ کر اپنی میز کے شیشے کے نیچے اُسے رکھ لیا تھا۔ وہ تاریخ کل گزر گئی، محض اطلاعاً عرض ہے۔ کیا دو یا تین دن کے اور اُس کا انتظار کروں، ملے گا؟ لکھ تو چکے ہوں گے آپ؟

خط فوراً لکھیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال
۹ر جنوری ۱۹۸۵ء [۱۳]

خلیق صاحب مکرّم!

خط ملا۔ بُحران معلوم نہیں کیا ہوا، لیکن اصل مسوّدہ موجود ہے۔ اُس کو آپ کی خاطر صاف کرنا شروع کر دیا ہے۔ اِس طرح نظرِ ثانی بھی ہو جائے گی۔ دو یا تین دن میں بھیج دوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۱۱ر مارچ ۱۹۸۵ء

خلیق صاحب مکرّم!

کچھ غلط فہمی ہوئی آپ کو۔ جو فارم آپ نے مجھے دیا ہے، اُس میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ چک دکان دار کے نام سے تھا، بل کہ یہ لکھا ہے کہ اگر بینک کو معلوم ہوا کہ جس چیز کے لیے قرض لیا گیا ہے، اُس کے علاوہ کسی اور مصرف میں اُس کا صرف ہوا ہے تو اسے خلاف قاعدہ سمجھا جائے گا اور اس کا واضح طور پر مطلب یہی ہے کہ چک قرض لینے والے کو ملے گا۔

براہِ کرم زحمت گوارا کر لیجیے ایک بار پھر اور بینک جا کر اِس کی وضاحت کر لیجیے اور پھر مجھے مطلع کر دیجیے۔ چشم براہ ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۲۳ر ستمبر ۱۹۸۵ء

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کا خط ملا، جس سے معلوم ہوا کہ مشفق خواجہ صاحب نے تخلیقی ادب کا ایک شمارہ بھیجا ہے۔ ۲۸ر ستمبر، سنیچر کی شام کو آپ کے یہاں آنا بھی ہے، (اگر ظہیر صاحب کی بات درست ہے) اِس صورت میں آپ ازراہِ کرم اُس شمارے کو گھر لا کر رکھ لیجیے، میں وہیں سے لے لوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۳ر نومبر ۱۹۸۵ء

خلیق صاحب مکرّم!

-/۲۰۰ بھیج رہا ہوں، اسلم بھائی آ گئے ہیں۔ فیاض محمود ملتا یا نہ ملتا۔ آپ بھابی سے کہیے کہ ایک خوب صورت سا سوئٹر خرید لیں اور میری طرف سے پیش کر دیں۔[۱۵]

اگر روپے کم پڑیں، تو ڈال دیجیے اپنے پاس سے، میں جس دن آؤں گا، اُسی دن دے دوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۲۳ر جنوری ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کے مرسلہ شعر کا دوسرا مصرع اِس طرح پڑھا جائے گا:

نہ پُرّی درو نے پراگندگی

"پُرّی" بمعنیِ کثرت۔ "پُر" بہ معنیِ 'کثرت' بھی آتا ہے (غیاث اللغات)۔ اور مشدّد ہونا فارسی کے معمولات میں سے ہے۔ احتیاطاً میں نے پروفیسر نذیر احمد صاحب سے بھی اس کی تصدیق کی، موصوف نے بتایا کہ فارسی میں انھوں نے "پُرّی" اس معنی میں متعدّد جگہ دیکھا ہے۔ اب مفہوم یہ ہوگا کہ وہ اکثر کثرت اور انتشار، دونوں سے بری ہے۔

رشید حسن خاں

(عودِ ہندی کے پہلے اڈیشن کے سرورق پر شعر ہے:

خداوند بے نسبتِ بندگی نہ پرّے در و نہ پراندگی

"پرّے" میری سمجھ میں نہیں آیا تھا — خلیق انجم)

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی – ۱۱۰۰۰۷[۱۵]

۸ر فروری ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کا لفافہ مع صفحات مل گیا۔ شکر گزار ہوں۔

اسلم بھائی آ گئے تھے، یوں پچاس پیسے بچانے کی ترکیب ذہن میں آ گئی اور یہ دستی خط بھیج رہا

ہوں۔

انہی کے ہاتھ تین کتابیں ملیں، کیوں برادر! آپ نے تو پانچ کتابوں کا وعدہ کیا تھا؟ مجھے آپ کے یہاں سے کوئی بنڈل کتابوں کا اس سے پہلے نہیں ملا، از راہِ کرم باقی دو کتابیں بھی اب بہ ذریعہ ڈاک بھجوا دیجیے۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی والا مقالہ تیار ہے، دو چار دن میں صاف کرلوں گا اور بھیج دوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی سی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷[۱۶]

۲۲ر فروری ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کا خط ملا۔ مجھے اپنی کاہلی اور کوتاہی، دونوں کا اعتراف ہے اور میرا خیال ہے کہ شُرفا میں یہ دستور رہا ہے کہ جب کوئی شخص اعتراف کرلے تو اُسے معاف کردیتے ہیں۔ اب آپ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں، اِسے آپ جانیں۔

میں آج ہی بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا، سارے کاغذ اور کتابیں ساتھ لیے جا رہا ہوں۔ وہاں فرصت بہت میسّر ہوگی، اس لیے یونی ورسٹی شہر سے اِس قدر دور ہے کہ وہاں تک شاید ہی کوئی صاحب پہنچ سکیں، اس لیے تحریر کا کام وہاں سے کرتا لاؤں گا اور آتے ہی آپ کی نذر کردوں گا۔ ہاں ترتیبِ فہرست میں اِس تاخیر کی کسر نہ نکالی جائے۔ جہاں اِتنی تاخیر ہوئی، وہاں چند روز اور سہی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم[۱۷]

۱۷ر مارچ ۱۹۸۶ء، صبح ۹ بجے

خلیق صاحب مکرّم!

رات کے تین بجے سے بیٹھا لکھ رہا تھا۔ آنکھوں نے پانچ بجے صبح کے قریب ساتھ دینے سے

انکار کردیا۔ چار صفحے مکمل ہو چکے تھے اور پانچواں صفحہ آدھے کے قریب لکھا جاچکا ہے۔ بس تین صفحے اور لکھنا ہیں اور یہ تینوں صفحے آج ہی تین بجے تک یا چار بجے تک آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ میں خود آؤں گا یا پھر کسی کو بھیجوں گا۔ اِن چار صفحوں کی کتابت شروع کرادیجیے۔ میں آج رات میں جاؤں گا اور پرسوں واپس آجاؤں گا اور آتے ہی کاپیاں پڑھنے کے لیے دفتر کی طرف آؤں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں برادر! ذرا پہلے دو صفحوں کو پڑھ لیجیے۔ پہلی بار مولانا شبلی کا یہ اقتباس پیش کیا جارہا ہے اور پہلی بار یہ بات کہی جارہی ہے کہ اردو والے جو عربی سے واقف نہیں وہ تو لفظوں کو عربی کے مطابق بولنے کی تلقین کرتے ہیں اور جو واقعتاً عربی سے واقف ہیں، وہ اردو میں چلن کے مطابق استعمال کو ترجیح دیتے ہیں کیا کسی اور نے یہ بات لکھی ہے اس کتاب میں؟ لسانی بحثوں پر تو کئی مضمون ہوں گے۔

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۲۸/اپریل ۱۹۸۶ء[۸]

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری صاحب کی خدمت میں پہلے تو آداب بجالاتا ہوں اور اُس کے بعد یہ استغاثہ پیش کرتا ہوں کہ تین دن تک مسلسل آپ نے ''اسلامی کھانا'' کھانے پر سب کو مجبور کیا۔ لذّتِ کام و دہن تو حاصل ہوئی اور ایسی کہ واہ واہ اور سبحان اللہ! مگر چار دن تک اُس کھانے کے اثرات اپنا کام کرتے رہے کہ کاہلی اِس دنیا کی سب سے گراں مایہ چیز معلوم ہوتی رہی اور یہ محسوس ہوتا رہا کہ آرام کرنے کے سوا اور سب کچھ حرام ہے۔ وہی قورما، وہی بریانی، وہی تندوری روٹی اور وہی زردہ؛ سبحان اللہ! مگر اچھے خاصے آدمی کو نکما بنانے کے لیے اِن سے بہتر مسالا کہیں نہیں مل سکتا۔ اب سمجھ میں آیا کہ بنی اسرائیل نے من وسلوا کھاتے رہنے سے کیوں انکار کردیا تھا اور مسور کی دال مع پیاز کیوں طلب کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ بنی اسرائیل اگر اُسی کھانے کو کھاتے رہتے تو آج پوری قوم عربوں کی طرح کاہل اور آرام طلب بن چکی ہوتی۔ من وسلوا میں نے تو دیکھا نہیں، مگر یہ فرض کرلیا ہے کہ وہ بھی ہمارے قورمے اور بریانی کی طرح کا ہوگا۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ آیندہ سال جب تین دن کا ایسا ہی جلسہ ہو تو اُس میں ہر دوپہر کو کھانے کا انتظام انجمن کی طرف سے کیا جائے اور دہی بڑے، دم آلو اور مٹر پلاؤ جیسے ہلکے پھلکے کھانوں کا دور دورہ ہو، توے کی روٹی کے ساتھ، اور ہر شام کو دوسرے معقول حضرات کی دعوت کو بہ خوشی قبول کرلیا جائے اور وہی روایتی کھانے کھائے اور کھلائے جائیں۔ اِس طرح دوپہر کو گنگا جمنی کھانا اور رات کو اسلامی کھانا کھلاکر، آپ مشترک تہذیب وتمدن کا ایک نیا باب بھی کھول سکتے ہیں۔ اِس کے علاوہ

ذوق اور ذائقہ، دونوں کی رنگارنگی کا فائدہ بھی حاصل ہو سکے گا۔

براہِ کرم اب جب بھی انجمن کی مجلسِ عاملہ کا جلسہ ہو، تو صاحب صدر کی اجازت لے کر اِس عریضے کو پیش کر دیجیے گا، یعنی پڑھ کر سنا دیجیے گا۔ شاید آیندہ سال اِس طرف توجہ، کی جا سکے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

بہ راہِ کرم اِس خط کی رسید سے مطلع فرمایئے۔ تا کہ اطمینان ہو جائے کہ خط آپ تک پہنچ گیا اور آپ نے اُس فائل میں رکھ بھی دیا جس کے کاغذات جلسے کے وقت کام آتے ہیں۔

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

دہلی

۲۸ر مئی ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب!

آپ کے دو خط یکے بعد دیگرے ملے۔ پہلے خط کے سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ اب سے ۱۵، ۲۰ دن پہلے سلطانہ بخش صاحب کا خط مجھے ملا تھا، میں نے اُس کا جواب لکھ دیا تھا اور اجازت دے دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اب تک اُن کو میرا خط مل چکا ہوگا۔

دوسرے خط کے سلسلے میں یہ عرض کروں کہ تجویز آپ کی اچھی ہے اور بہت اچھی ہے۔ یہ کام بھی ضروری ہے۔ مگر اِس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ مجھ جیسے آزمودہ کار اور مصروف لوگوں کو یہ کام نہ دیجیے۔ ہم کتنا ہی اہتمام کریں، اپنی سطح سے بہت زیادہ نیچے نہیں اُتر پائیں گے۔ جب کہ یہ کام متقاضی اِسی کا ہے۔ اِس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ آپ ایسے نوجوانوں کا انتخاب کیجیے یا کم مصروف لوگوں کا، جو خواہ اوسط درجے کی استعداد رکھتے ہوں، مگر ابھی اُن کے اندر ارسطو اور افلاطون کی روحوں نے حلول نہ کیا ہو۔ اُن سے اِس کام کو کرایے، اور جیسے جیسے کام مکمل ہوتا جائے، اُسی نسبت سے اُس پر نظرِ ثانی کی جاتی رہے۔ نظرِ ثانی کے لیے آپ وہی طریقہ اختیار کیجیے جو N.C.E.R.T نے برتا تھا، مگر اُس سے چھوٹے پیمانے پر اور زیادہ معقولیت کے ساتھ اور باقی نسبتوں کو الگ کر کے، یعنی گنتی کے پانچ یا زیادہ سے زیادہ سات آدمیوں پر مشتمل ایک مستقل بورڈ بنا دیجیے، مہینے میں ایک بار اِس کی میٹنگ ہو اور اُس میں سطر بہ سطر مسوّدے کی بازخوانی ہو، تا کہ ایک ایک لفظ پر نظر رہے اور ایک ایک جملے کی درستی ہو سکے۔ اِس میں صرف آزمودہ کاروں کو رکھیے۔ اس طرح یہ کام جلدی ہوگا اور اچھا ہوگا اور مشترک ذمّے داری کے ساتھ ہوگا۔

ڈاکٹر شمیم حنفی، قدوائی صاحب جیسے لوگوں کو اِس میں رکھیے۔ آپ میرا نام بھی رکھ سکتے

ہیں۔ کام کے لیے آپ ابن کنول، ارتضا کریم، صغرا مہدی، مخمور سعیدی، اسلم پرویز صاحب (ڈرامے کی نسبت سے) جیسے افراد کو منتخب کیجیے۔ یہ لوگ کام جلدی کریں گے، دل لگا کر کریں گے، درستی اور پالش بعد کو بورڈ کی نشستوں میں ہو جائے گی اور تصحیح بھی۔

سب سے پہلے کتابوں کی فہرست میں الف لیلہ کا نام آنا چاہیے۔ یہ پانچ بل کہ[19] دس حصوں میں آسکتی ہے۔ اِس خاص کام کے لیے میں شمیم حنفی کا نام تجویز کروں گا، سب سے مناسب نام ہے اِس خاص کتاب کے لیے۔ آغاز اِسی سے کیجیے۔

پھر حاتم طائی، توتا کہانی، باغ و بہار، (فسانۂ عجائب کو اِس میں شامل نہ کیجیے) اس کے بعد ابن الوقت، پھر فسانۂ آزاد میں سے آزاد کا سفر قسطنطنیہ۔ اور ہاں منشی سجاد حسین مدیر اودھ پنچ) کی کتاب احمق الذین اور حاجی بغلول۔ تحسن کی سروشِ سخن، شرر کی فردوسِ بریں (یہ سب سے دل چسپ کتاب ثابت ہوگی)۔ اور ہاں، مرحوم علی عباس حسینی نے ایک بہت دل چسپ مزاحیہ ناول لکھا تھا حکیم بانا زیٹیوں کا بادشاہ بہت دل چسپ، مہدی عباس حسینی سے اجازت لے کر اُسے آپ بہ لفظہٖ چھاپ سکتے ہیں۔ بچے اور بوڑھے یکساں دل چسپی سے اُسے پڑھیں گے۔

طلسم ہوش ربا کے بعض اجزا کو لے کر بچوں کے لیے تین چار جلدوں میں ایک اچھا سلسلہ مرتب کیا جا سکتا ہے، بس ذرا سی ترمیم اور بہت سی تنسیخ کرنا پڑے گی۔ یہ ذرا محنت کا کام ہے اور کسی محنتی آدمی کے بس کا ہے۔

آپ پہلے وہ بورڈ بنا لیجیے، اُس کی ایک میٹنگ کر لیجیے اور کام شروع کرا دیجیے۔ لیکن خدا کے لیے اِسے بازیٔ گانِ طفلاں نہ بنائیے گا۔ اُس کے لیے لچدی اکیڈمی موجود ہے۔ میں فی الحال آپ کے لیے اِس سلسلے میں کوئی کام انجام نہیں دے سکتا، کچھ تو آنکھوں کی وجہ سے اور کچھ باغ و بہار کی وجہ سے، کام آپ دوسروں سے لیجیے، مشوروں میں اور تصحیح میں میں شریک رہوں گا۔

اِس خط کی رسید فی الفور بھیجیے، تاکہ اطمینان ہو۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور[۲۰]

۶؍جون ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

دہلی سے چلتے وقت آپ کا لفافہ ملا تھا۔ یہ خط میں شاہ جہان پور میں بیٹھا ہوا آپ کو لکھ رہا

ہوں۔ صاحب! آپ کے دو خط اِس خط سے پہلے ملے تھے اور دونوں کا جواب نہایت تفصیل کے ساتھ میں نے لکھ کر، خود جا کر حوالۂ ڈاک کیا تھا۔ اب آپ کے اِس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کو نہیں ملا۔ یہ تو بہت تعجب اور افسوس کی بات ہے۔ اگر آپ کی ڈاک اِس طرح گم ہوتی ہے تو پھر یہ کیا توقع کہ یہی خط مل جائے گا۔

چوں کہ اِس کا امکان ہے کہ میرا خط آپ کو اُس کے بعد مل گیا ہو، اِس لیے کچھ اور نہیں لکھتا۔ بہ راہِ کرم مطلع کیجیے کہ میرا وہ مفصّل خط ملا یا نہیں، اگر مل گیا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر دوسرا خط اُسی طرح کا لکھوں۔

میں ۱۲؍جون کو دہلی پہنچوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۲۱]

دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷

۱۱؍جولائی ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

آپ کی تجویز کردہ دوا خریدی گئی تھی، بیس روپے اُس کی قیمت دی گئی تھی، دو روپے بس کے کرایے میں صرف ہوئے تھے۔ دوا کی رسید موجود ہے، ہاں بس کا ٹکٹ محفوظ نہیں رہا۔ اِس دوا نے مطلق اثر نہیں کیا، ذرا بھی نہیں، ایک رتی بھر نہیں۔ اِس لیے اب آپ فوراً سے پیش تر بیس روپے دوا کے، دو روپے بس کے، اور پانچ روپے اِس جرمانے کے کہ آپ کی دوا بے اثر ثابت ہوئی اور آٹھ دن تک اُس نے جھوٹی اُمید بندھائی؟ کُل مبلغ ستائیس روپے بہ ذریعۂ منی آرڈر روانہ فرمایئے، اور آیندہ کے لیے حکمت سے توبہ کیجیے۔

ہاں، دیوانِ غالب کا نسخہ اب تک نہیں ملا، یعنی آج کے دن تک۔ ۱۱؍جولائی بعد سہ پہر۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۱۴؍جولائی ۱۹۸۶ء[۲۲]

خلیق صاحب مکرّم!

میرا لفافہ مل چکا ہوگا، جس میں میں نے اطلاع دی تھی کہ نسخۂ 'دیوانِ غالب' ابھی تک نہیں ملا؛ اب یہ اطلاع دینا ہے کہ وہ پارسل مل گیا، شکریہ۔

چند ضروری باتیں ہیں اور یہ سب فرداً فرداً جواب طلب ہیں؛ از راہِ کرم فوری طور پر اِن سے متعلق تفصیلات سے مطلع کیجیے۔

(۱) اِس نسخے میں بہت کام رفو کا ہے، ہر صفحے پر چار چھے یا اس سے بھی زیادہ تصحیحات ہیں۔ یہ از بس ضروری ہے کہ اِن کی تصحیح کاتب صاحب مکمل طور پر بنائیں، مگر عموماً ایسا ہوتا نہیں؛ اِس لیے یہ ضروری ہوگا کہ جب سب تصحیح بن جائے، تب ساری کاپیاں میرے پاس ایک بار پھر بھیجی جائیں، تا کہ میں دیکھ سکوں کہ تصحیح کس قدر اور کس طرح بنی ہے۔ جب میں لکھ دوں، تب کاپیاں پریس بھیجی جائیں۔ کیا یہ صورت آپ کو منظور ہے؟ اگر منظور ہے تو مطلع کیجیے، تا کہ کام شروع کرسکوں۔ اِس کے بغیر میرے لیے مناسب نہیں تھا کہ میں اِس کام کو اپنے ذمّے لوں۔ ادھورا پن مجھے پسند نہیں۔

(۲) چوں کہ بعض دفعہ آپ میری رائے مان لیتے ہیں، اِس لیے اب ایک بات یہ عرض کروں کہ میری رائے میں اِس نسخے کا عکس چھاپنا کچھ بہتر نہیں ہوگا، اس نسخے کی ساری خوبی اس کی رنگینی میں ہے اور آپ اسے سادہ چھاپیں گے، اِس لیے عکس یوں بھی بے کار ہے۔ اِس کی کتابت بہت معمولی درجے کی ہے، لیکن خاص بات یہ ہے کہ تصحیح اِتنی اور ایسی ہے کہ کاتب جس قدر چیپیاں لگائے گا، اُس میں اُتنا ہی وقت لگے گا، جتنا خود ایک صفحے کی کتابت میں لگے گا۔ اور پھر یوں بھی تو دیکھیے کہ ساری محنت اور دیدہ ریزی کے بعد کہا یہی جائے گا کہ فلاں نسخے کو چھاپ لیا یا اُس کی نقل کرلی، اِسے کہتے ہیں: گناہِ بے لذّت۔ محنت پوری، مگر حاصل گویا کچھ نہیں۔ پھر مختلف صفحوں پر غزلیں اِس طرح مسلسل چھپی ہیں کہ آنکھوں کے لیے فصل بالکل نہیں بچتا۔ یعنی دیدہ زیبی کی بہت کمی ہے۔ رنگینی نے اِس بدنمائی کو چھپا رکھا ہے، سادگی میں یہ ابھر آئے گی۔ از سرِ نو کتابت ہوگی تو ترتیبِ غزلیات میں حسنِ نظر اور حسنِ کتاب کو بھی ملحوظ رکھا جاسکے گا۔ فصل خاطر خواہ چھوڑا جاسکے گا اور مطلع، مقطع کی کتابت میں یکسانی اور اہتمام کو بھی ملحوظ رکھا جاسکے گا۔ حاشیے پر باریک سادہ بیل کافی ہوگی، وہ بھی صرف تین طرف، یعنی  سائز بھی یہی رکھیے، مسطر کا فیصلہ خود کیجیے، میرے تصحیح کردہ نسخے کو کسی قاعدے کے کاتب کو دے دیجیے، وہ کتابت کردے گا، میں اُس کی کاپیاں پڑھ دوں گا، تین بار، پھر ذرا سلیقے سے اُسے چھپوائیے اور اُس کا نام رکھیے "متداول اردو دیوان - نسخۂ انجمن"۔ یہ ایک بات ہوگی۔ پھر اُسی نسخے کو ہندی میں چھاپ دیجیے۔ بکنے والی کتاب ہے، چار پانچ ہزار چھاپ کر رکھ لیجیے، قیمت کم آئے گی اور اِس نسخے کو انجمن فخر کے ساتھ پیش کرسکے گی۔

(۳) ظہیر صاحب آگئے ہیں، میٹنگ ......

(۴) میں نے باغ و بہار نسخۂ فورٹ ولیم کالج کے متعلق یہ کہا تھا کہ اُس کے آخر میں 'گلکرسٹ' کا جو انگریزی پیش لفظ تھا، وہ نسخۂ انجمن میں موجود نہیں، صرف ایک صفحہ رہ گیا ہے، باقی حصّہ ساقط ہو گیا ہے۔ لندن میں کسی کو لکھ کر اُس کی فوٹو کاپی منگا دیجیے، میرے بھی کام آئے گی اور وہی کاپی نسخۂ انجمن میں شامل کر دی جائے گی، اِس طرح یہ آپ کا نسخہ بھی مکمّل ہو جائے گا، وعدہ کیا تھا مگر آپ بھول گئے۔ براہِ کرم اب فوری طور پر اِس سلسلے میں خط لکھیے۔ دو عکسی کاپیاں منگائیے، ایک میری زیرِ ترتیب کتاب کے لیے، ایک نسخۂ انجمن کے لیے۔

(۵) جوشؔ نمبر میں مضمون ضرور لکھوں گا، پہنچے گا۔ فیضؔ والا میرا مضمون 'سیارہ' لاہور میں نقل ہوا ہے اور ایک دوسرے رسالے میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ لیکن جوشؔ والے مضمون کے سلسلے میں پہلے ایک بات طے ہو جائے کہ رسالے میں کیا اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو فیضؔ نمبر میں ہوا تھا اُسی مضمون کے ساتھ، کہ صفِ نعال میں (جہاں جوتیاں اُتارتے ہیں) اُسے جگہ ملی تھی۔ کیسے کیسے چھُٹ‌بھیّے کے مضامین کو ترجیح دی گئی ایک ایسے مضمون پر جو اپنی نوعیت کا اب تک منفرد مضمون ہے۔ اس بار یہ صورتِ حال میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ بھی پہلے طے ہو جائے۔ اِن سب امور کا جواب فوری طور پر لکھیے۔[۲۳]

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
ٹی۔بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۲۴]
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۴ر جولائی ۱۹۸۶ء

خلیق صاحب مکرّم!

میں نے آپ کو دو خط لکھے تھے، ایک دیوانِ غالب کے بارے میں اور ایک آپ کی تجویز کی ہوئی دوا کی بے اثری کے بارے میں؛ جواب صرف ایک خط کا ملا ہے۔

دیوانِ غالب کے ذیل میں غالباً میں اپنی بات صحیح طور سے پیش نہیں کر سکا۔ مقصد اُس کی تدوین نہیں، اُس کی صحیح معنی میں تصحیح سے تھا۔ یہ بات قدرتی ہے کہ اگر میرا نام تصحیح کے ساتھ کسی طرح بھی شامل ہے، یعنی کہنے ہی کو یہ بات ہے کہ میں نے اصل نسخے کی تصحیح کی ہے، تو اُس صورت میں میری یہ خواہش ہوگی کہ تصحیح مکمّل ہو، ادھوری نہ ہو۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا مقصد تو میں یہ سمجھا ہوں کہ نگیٹو جو موجود ہیں، اُن پر تصحیح کرائی جائے گی۔ جب کہ میرا خیال یہ تھا کہ تصحیح اُن مطبوعہ اوراق پر ہوگی اور جب کاتب صاحب چیپیاں لگا چکے ہوں گے، تب میں اپنی نظر سے اُن

کاپیوں کو ایک بار پھر دیکھوں گا کہ جس قدر تصحیح بنائی گئی تھی مطبوعہ صفحات پر، وہ سب بن گئی کہ نہیں۔ اور یوں جب مجھے اطمینان ہو جائے گا، تب میں اُن اوراق کو پریس بھیجنے پر صاد کروں گا۔

تصحیح کا احوال یہ ہے کہ وہ اُس طرح نہیں بن سکتی جس طرح آپ نے لکھا ہے۔ چوں کہ خط باریک ہے، اس لیے بیسیوں مصرعے پورے کے پورے ازسرِ نو لکھنا ہوں گے۔ میں نے پنجم ایڈیشن کے لیے نسخۂ عرشی (طبعِ اوّل) کو معیار اور مثال بنایا ہے، اس میں سب سے بڑا مسئلہ کاما کا ہے اور اُن مطبوعہ اوراق میں کتابت اِس قدر گھنی ہے کہ بہت سے مقامات پر کاما لگ ہی نہیں سکتا جب تک پورے ٹکڑے کو ازسرِ نو نہ لکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ میں ناتمام تصحیح میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اب فیصلہ آپ کر لیجیے۔ آپ کا جی چاہے تو نگیٹو سے اُسی طرح چھاپ لیجیے جس طرح وہ چھپا ہے، اور جی چاہے تو باضابطہ تصحیح کرایے۔

رائے میری یہی ہے کہ آپ ایک کاتب کو بٹھا کر مطبوعہ اوراق پر تصحیح بنوایئے مکمل طور پر، اور جب یہ تصحیح بن جائے، تب ازسرِ نو اس کے نگیٹو تیار کرایے اور تب اسے چھپوایئے۔ اگر صحیح متن مطلوب ہو تب یہی کرنا ہوگا۔ ادبی کمیٹی کو اس پر اعتراض بھی نہیں ہوگا۔ اب آپ کی جیسی رائے ہو، مطلع کیجیے۔

جوش والا مضمون جلد پہنچے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۵/اگست ۱۹۸۶ء[۴۴]

مکرّمی خلیق انجم صاحب!

آپ کا مکتوب مرقومہ ۲۹/جولائی ملا تھا۔

(۱) دوا کی تجویز کا شکریہ

(۲) آپ کی کتاب کے سلسلے میں صورتِ حال یہ ہے کہ اگلے ماہ کسی وقت پبلی کیشن کمیٹی کی میٹنگ ہوگی، جو ۸۷-۱۹۸۶ء کے لیے مطبوعات کو منظور کرے گی، اِس فہرست میں آپ کی کتاب بھی شامل ہے۔ کمیٹی کی منظوری سے پہلے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ صرف آپ کی کتاب کا نہیں ہے اور کتابوں کا بھی ہے۔ ہر سال کی کتابوں کی فہرست کو پہلے یہ کمیٹی ضابطے کے مطابق منظور کرتی ہے، تب دفتر والے اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ آپ کا مسوّدہ تبصرے کے لیے میرے پاس نہیں آئے گا۔

یہ تو تھا ضابطے کا جواب آپ کے سوال کا۔

آپ نے لکھا ہے "میں نہیں چاہتا کہ میرے دوست میری وجہ سے کسی پریشانی میں مبتلا ہوں" تو صاحب! وہ کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟ اور کون سی آفت آسکتی ہے؟ میں بالکل نہیں سمجھا۔ براہِ کرم اِس کی تفصیل سے مطلع فرمایئے۔ آپ کا مسودہ صرف دو مہینے سے دفتر میں ہے اور اس کے لیے آپ نے اپنے خط میں وہ کچھ لکھا ہے جس کو پڑھ کر مجھے بے حد تکلیف ہوئی۔ آپ بھول گئے کہ آپ کی اِس کتاب کو میں نے ہی منظور کرایا تھا اور اب آپ کہتے ہیں کہ میں اُسے چھپوانا نہیں چاہتا۔ آپ تو میرے دوست ہیں، میں اپنے بدترین دشمنوں سے آج تک ایسی بدگمانی کی توقع نہیں کی تھی۔ دو کتابیں آپ کی کتاب کے ساتھ کی منظور شدہ ہیں اور آج تک وہ نہیں چھپ سکی ہیں اور اُن لوگوں نے کبھی ایسی بات نہیں لکھی، جیسی آپ نے لکھی ہے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ کی اِس تحریر کا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اِس طرح اپنے دل میں خیالاتِ باطل کو پرورش دیتے ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۲۵]

دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۱۸/اگست ۱۹۸۶ء

مکرمی!

آپ کا خط مرقومہ ۷/اگست ملا، میں دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، اب واپسی ہوئی ہے۔ یوں جواب میں تاخیر ہوئی۔

آپ کے ایک پچھلے خط کے جواب میں میں نے نسبتاً مفصل خط لکھا تھا۔ توقع کرتا ہوں کہ وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔

جوشؔ والا مضمون گویا تیار ہے۔ میں نے اصل میں اُس میں کچھ اضافے کرنا چاہے اور نظرِ ثانی بھی ضروری سمجھی، مسوّدہ ہو گیا ہے، کل سے صاف کرنا شروع کروں گا اور چند روز میں وہ آپ تک پہنچ جائے گا۔

طفیل صاحب سے متعلق جو آپ نے لکھا ہے، اُس سلسلے میں معذرت طلب ہوں۔ میں

کتاب نما کے ۔لیے وعدہ کر چکا ہوں اور دو تحریریں لکھنا اب میرے لیے بہت مشکل ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

دہلی

۱۷ر ستمبر ۱۹۸۶ء[۲۶]

خلیق صاحب مکرّم!

خط آپ کا کئی دن پہلے ملا تھا، تاخیر جواب کے لیے معذرت طلب ہوں۔ دعوت کو رد کرنا سنتِ رسول کی خلاف ورزی ہے، مگر اب تو فرض بھی ادا نہیں ہو پاتے۔ آنکھوں کی خرابی کی بنا پر شام ہوتے ہی گویا ہو جاتا ہوں۔ سارا کھیل دن کی روشنی کا رہ گیا ہے، اس لیے معذرت طلب ہوں، البتہ میں کوشش کروں گا کہ کسی دن انجمن کے دفتر کی طرف پھیرا ہو جائے۔ یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

رشید حسن خاں

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی دہلی۔۱۱۰۰۰۷

۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۶ء[۲۷]

مکرّمی!

دعوت نامہ آپ کا بھیجا ہوا ملا تھا۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں مضمون ضرور پڑھوں گا، عنوان: ''مولوی عبدالحق بہ حیثیت قواعد نویس''۔

ایک درخواست: سمینار کی تاریخ کی اطلاع پندرہ دن پہلے ضرور مل جانا چاہیے، ممنون ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی دہلی -۱۱۰۰۰۷
یکم نومبر ۱۹۸۶ء ۲۸؎

خلیق صاحب مکرم!

(۱) جوش شناسی (مرتبہ کاظم علی خاں) مجھے آج ملی۔ اِس میں سے آپ دو مضمون لے سکتے ہیں:

(۱) جوش کی خاکہ نگاری: ڈاکٹر نیّر مسعود

(۲) جوش اور الفاظ: ڈاکٹر انیس اشفاق

دونوں مضمون قاعدے قرینے کے ہیں، کوئی اور تحریر سلیقے کی نہیں۔

(۲) اکادمی کے جوش نمبر میں سے دو مضمون ضرور لیجیے:

(۱) جوش اور حیدر آباد: جناب مائل ملیح آبادی

(۲) .... عرفان صدیقی

اس مضمون کا عنوان بھول گیا ہوں، مگر یہ بہت اہم مضمون ہے، جس میں عرفان صدیقی نے جوش کی ایک نظم ''وقت کی آواز'' پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ جب .C.P.I کی پالیسی بدلی تو جوش نے یہ نظم کہی تھی۔ اپنے انداز کا منفرد مضمون ہے۔

(۳) اب اہم تربات:

بمبئی سے واپسی کا انتظام ابھی سے ضروری ہے ورنہ رزرویشن نہیں ملے گا۔ یہ کام آپ شاہد علی خاں سے لے سکتے ہیں، وہ بھی اِس سیمینار میں مدعو ہیں اور جائیں گے۔ وہ ابھی سے مکتبے کی شاخ بمبئی کو لکھ کر واپسی کا رزرویشن کرا سکتے ہیں۔ یہ بہت ضروری اور توجہ طلب مسئلہ ہے۔ شاہد صاحب سے بات کر لیجیے فوری طور پر۔ قدوائی سے فون پر پوچھ لیجیے کہ وہ کیا ساتھ ہی واپس آئیں گے؟ بمبئی سے دہلی کا رزرویشن عموماً بہت مشکل سے ملتا ہے۔

(۴) باغ و بہار کے آخری صفحات یعنی گل کرسٹ کے پیش لفظ کے عکس کا کیا ہوا؟

(۵) مولانا سیّد سلیمان ندوی والے مضمون کا معاوضہ؟

(۶) اودے پور؟

(۷) باغ و بہار کا جو نسخۂ فورٹ ولیم کالج آپ کی لائبریری میں ہے، یہ کب خریدا گیا تھا؟ یعنی

مولوی عبدالحق مرحوم کے زمانے میں یا اُن کے بعد۔ ذرا بہ چشمِ خود دیکھ کر لکھیے گا۔

(۸) کتاب آپ کی دسمبر تک یعنی ۳۱ر دسمبر تک لازماً چھپ جائے گی۔

(۹) آپ نے وعدہ کیا تھا کہ قبض کے لیے ہومیو پیتھی کی کسی مجرّب دوا کا نام لکھ کر بھیجیں گے جس کو کچھ دنوں تک تواتر کے ساتھ استعمال کیا جاسکے، وہ وعدہ وفا ہونا ہے۔ کیا نظام الدین میں ہومیو پیتھی کے اعلا درجے کے کوئی معالج ہیں؟

اِن سب کا نمبروار جواب فی الفور لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۲۲ر فروری ۱۹۸۷ء

خلیق صاحب مکرّم!

خط آپ کا مل گیا۔ دیوان کے اوراق بھی ملے۔ میں بہت جلد کام کو مکمل کر کے بھیج دوں گا۔ میرا چھوٹا لڑکا ابھی تک یہیں تھا، اُسے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دکھانا تھا، پندرہ دن اس کی نذر ہو گئے، اب وہ گیا ہے تو اب کل سے کام کرنے بیٹھوں گا، آٹھ دس دن میں بھیج دوں گا۔

کلکتے میں جو کچھ میں نے کہا تھا، اُس کا خلاصہ مناسب طور پر اُس اخبار (مشرق) میں شائع ہوا تھا، جسے آپ ساتھ لائے تھے، بس وہی کافی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۲ر جولائی ۱۹۸۷ء

خلیق صاحب مکرّم!

کل اکیڈمی کا ایک آدمی -/۵۰۰ کا چک دے گیا۔

برادر! آپ نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ آپ نے میٹنگ میں ایک ہزار روپے منظور کرا دیے تھے۔ کیا وہ بات صحیح نہیں تھی؟ آخر یہ کیا ہوا؟ میں ۹ر کو واپس ہوں گا، تب تک آپ مجھے خط ضرور لکھیے۔

اور ہاں اکیڈمی سے کتاب کی منظوری کا ضابطے کا خط اب تو لازماً بھجوا دیجیے۔

آپ کے التفاتِ خاص کا طلب گار ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۹؍ستمبر ۱۹۸۷ء[۳۱]

خلیق صاحب مکرّم!

خط آپ کا مرقومہ ۱۶؍ستمبر آج ملا، شکریہ۔

(۱) رسالۂ رسم الخط کے فیصلے کا میں انتظار کرلوں گا، اِس میں کچھ ہرج نہیں، مگر وہ رسالہ رہے بہ حفاظت۔

(۲) ادبی تنقید کے مسوّدے کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "تین چار روز میں" واپس ہوجائے گا، سو اب تک تین چار روز ہوچکے ہوں گے، بہ راہِ کرم اب اُسے واپس کردیجیے۔

میں نے اِس کی کتابت شروع کرادی تھی، کاتب اب ۲۷؍ستمبر کو آئے گا، اُس وقت تک اِسے میرے پاس ضرور پہنچ جانا چاہیے، ورنہ کام رُک جائے گا۔

انتظار مرزا صاحب کو تو، بہ قول آپ کے، میرے پاس آنا ہی ہے، سو وہ اِسے بھی لیتے آئیں۔ اِس عنایت کے لیے بہ طورِ خاص ممنون ہوں گا۔

(۳) ہاں کیا انتظار مرزا صاحب کو آنا ہے؟ آپ نے کہا تھا نا! کیا وہ کام ابھی اُسی طرح برقرار ہے یا کسی طرح کی تبدیلی ہوگئی؟

(۴) آپ کو یہ اطلاع دے چکا ہوں کہ میں اودے پور نہیں جاؤں گا۔

ادبی تنقید کا مسوّدہ جلد تر بھجوایئے، چشم بہ راہ ہوں۔

(۵) نام بھیج دیا گیا ہے۔ خط اب تک مل چکا ہوگا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۱۷؍اکتوبر ۱۹۸۷ء[۳۲]

مکرمی!

آپ کی تجویز کے مطابق کتاب کی ترتیب کردی گئی تھی، اس کے 150 صفحات کی مزید کتابت مکمل ہوگئی ہے۔ یہ کتابت شدہ صفحے میرے پاس آگئے ہیں۔ براہِ کرم اِن 150 صفحوں کی کتابت کی اجرت ہارون صاحب کو دے دیجیے، ممنون ہوں گا۔

مسطر بھی ختم ہوگیا ہے، حبیب خاں صاحب سے مسطر بھی دلوا دیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۲رنومبر ۱۹۸۷ء[۳۳]

خلیق صاحب!

حیدرآباد سے منوہر سکینہ صاحب کا خط آیا ہے، مگر اُن کا پتا پڑھنے میں نہیں آتا، آپ کے دفتر میں تو آیا ہوگا، ازراہِ کرم فوری طور پر اُن کا پتا مجھے لکھ بھیجیے۔

اُن کا بیلٹ پیپر ابھی تک نہیں آیا ہے۔ شمیم حنفی صاحب کا کیا ہوا؟

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۲۶رنومبر ۱۹۸۷ء[۳۴]

خلیق صاحب مکرم!

کاتب صاحب کو بھیج رہا ہوں، اِن کے ۱۶۰ صفحے اور آئے ہیں۔ ان ۱۶۰ صفحات کا معاوضہ دلوا دیجیے۔

میں نے حیدرآباد کے سکینہ صاحب کا پتا پوچھا تھا، وہ آپ نے اب تک نہیں بھیجا، غالباً آپ میرے اُس خط کا جواب لکھنا بھول گئے، اب لکھ دیجیے۔

شادی کا دعوت نامہ ارسال ہے، دعائیں بھیجیے۔

میں آج ہی شاہ جہان پور سے واپس آیا ہوں، ۲۰ کو گیا تھا۔ اب ۴ردسمبر سے ۱۲ردسمبر تک

چھٹی پر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۱۸ر مارچ ۱۹۸۸ء

مکرّمی!

آپ کا خط مرقومہ ۱۰ر مارچ ملا تھا، شکر گزار ہوں۔

یہ محض اتفاق ہے کہ میں نے اپنے تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، غالباً اِس سال کے آخر تک وہ چھپ کر آ جائے گا، آپ نے بھی اِسی کی فرمایش کی تھی، سو وہ خود بہ خود پوری ہوگئی۔

آپ کو یہ معلوم کر کے بھی مسرّت ہوگی کہ فسانۂ عجائب کے چھپنے کا اب سروسامان ہونا شروع ہوگیا ہے۔ قمر رئیس صاحب اس کے لیے تیار ہوگئے ہیں اور انجمن ترقّی اردو اُسے چھاپے گی۔ چوں کہ آپ کی شروع ہی سے اس معاملے سے دل چسپی رہی ہے، یوں یہ اطلاع دے رہا ہوں۔

مگر اب مشکل یہ درپیش ہے کہ میں نے جس قدر نوٹس لیے تھے اور جو مسالا جمع کیا تھا، وہ سب اِدھر اُدھر ہوگیا۔ چوں کہ میں اِس کی طباعت سے قطعی طور پر نا اُمید ہو چکا تھا، اِس لیے میں نے اُن سب چیزوں کو سنبھال کر رکھنا فضول سمجھا۔ مقدّمہ تو لکھا نہیں تھا، یوں ساری چیزیں جمع کی تھیں۔ اب بیش تر باتیں میرے ذہن سے بھی نکل چکی ہیں، کیوں کہ اس کے بعد میں نے ساری توجہ باغ و بہار کی طرف منعطف کر دی تھی (یہ بھی اب کتابت کے آخری مرحلے میں ہے)۔ اب جو مقدّمہ لکھنے کی باری آئے گی (چند روز میں) تو ظاہر ہے کہ چند صفحے سے زیادہ شاید ہی لکھ سکوں۔ اِس ناتمامی کا مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ بہ ہر حال، اصل مقصد تو صحتِ متن تھا، وہ مکمّل ہے، اِس طرح یہ مقصد ضرور حاصل ہوگا، میرے لیے یہی کافی ہے۔

کتاب آپ کے پاس پہنچے گی۔

مخلص

رشید حسن خاں

پس نوشت:

میں نے اپنے مجموعے کا نام کئی حضرات کے مشورے سے ''تلاش و تعبیر'' منتخب کیا تھا۔ اب آج کسی صاحب نے بتایا کہ اس نام کی کوئی کتاب اُنھوں نے کہیں دیکھی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اِسے

توارد کہا جائے گا۔ اب میں معلوم کروں گا کہ کیا یہ نام کسی کی کتاب کا ہے، اگر ہوا تو پھر اُن صاحب سے معذرت کروں گا۔ یہ اتفاق اگر ہوا تو عجیب ہوگا۔

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
گائر ہال[۳۵]
۲۷/اکتوبر ۱۹۹۱ء

خلیق صاحب! آداب

خط ملا، بل کہ ملے۔ فرمان صاحب کو خط میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں، لیکن تاریخ کے متعلق میں نے یہ لکھا ہے کہ اس سے خلیق صاحب مطلع کریں گے۔

فرمان صاحب سے متعلق خاص نمبر میں شامل ہونا ضروری ہی نہیں، لازم ہے۔ میں لازماً شرکت کروں گا۔ ۳۰/اکتوبر کو میں گھر جا رہا ہوں، ۳/نومبر کو بچّے (خالد) کی شادی ہے، ۱۰/کو یا ۱۲/کو واپسی ہوگی اور آتے ہی ایک دن میں اپنی تحریر آپ کے پاس بھیج دوں گا، اس طرف سے پوری طرح اطمینان رکھیے۔

دعوت نامے وہیں چھپے ہیں اور وہیں ہیں، آپ اِس خط کو دعوت نامہ مان لیجیے اور دونوں کو اپنی دعاؤں سے نوازیے۔ یہ میری آخری ذمّے داری ہے، جس سے سبک دوش ہو سکوں گا۔ بخیر و خوبی نپٹ جاؤں، اس کی دعا کیجیے۔ چیل کے گھونسلے میں اب ماس رہا ہی نہیں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۱۵/اکتوبر ۱۹۹۴ء[۳۶]

خلیق صاحب!

خط آپ کا مل گیا، ضرور حاضر ہوں گا، منگل کے دن ۱/۲ 9 بجے اور ساڑھے دس بجے کے درمیان آؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
۳۱/اکتوبر ۱۹۹۴ء[۳۷]

خلیق صاحب!

میں ۱۰؍نومبر کو شاہ جہان پور جاؤں گا، ایک شادی ہے، واپسی ۲۲؍نومبر کو ہوگی۔ واپس آ کر آپ کے بھیجے ہوئے مسوّدے دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۱؍نومبر ۱۹۹۶ء [۳۸]

خلیق صاحب!

پہلا دعوت نامہ ملا تو فوراً دونوں طرف کا رزرویشن کرالیا، شاہ جہان پور سے دہلی کا۔ اور پھر دہلی سے شاہ جہان پور کا ۱۸؍نومبر کا۔ ممتاز مرزا صاحب کو لکھ دیا تھا اس کے لیے۔

آپ سے یہ طے ہو چکا تھا کہ میں شام کو انجمن آ کر آپ کے ساتھ آپ کے گھر چلوں گا اور پھر صبح کو آپ ہی کے ساتھ علی گڑھ جاؤں گا۔

جب یہ سب ہو گیا تو دوسرا خط ملا کہ اب پروگرام بدل گیا ہے۔ فوراً یہاں کا رزرویشن منسوخ کرایا اور اب آپ آج ہی ممتاز مرزا کو فون کر دیجیے کہ وہ ۱۸؍کا واپسی کا رزرویشن منسوخ کرادیں۔

اب میرے بھائی صورت یہ ہے کہ میٹنگ ۱۸؍کو ہے۔ سنیچر اتوار کو انجمن بند۔ یعنی میں جمعے کو آؤں، تب آپ کے ساتھ چل سکوں۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ کے گھر تنہا میں پہنچ نہیں سکتا۔ ٹاپارہ جاؤں گا۔ شاہ جہان پور سے علی گڑھ بہ راہِ راست آنا اِس سے بھی زیادہ پریشان کُن ہے۔ پسنجر گاڑی رات بھر چلتی ہے اور ڈھائی بجے رات کو علی گڑھ پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سفر میرے بس کا نہیں۔

یوں مجبوراً ارادہ فسخ کر دیا۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ۵؍کو انجمن کا جلسہ ہے، اُس میں بھی آنا ہے، اِس قدر قریب قریب دو سفر ویسے بھی نہیں کر پاؤں گا، اب صحت اِس کی اجازت نہیں دیتی۔

اب یہ جو میری غیر حاضری ہوگی تو اِس کی ذمّے داری مجھ پر نہیں ہوگی، میں نے تو تیاری کر لی تھی، اِس کی پوری ذمے داری پروگرام کے اچانک بدل دینے پر ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اِس سے مکمل طور پر اتفاق کریں گے۔

ممتاز مراز کو فون ضرور کر دیجیے گا کہ ۱۸ر نومبر کا رزرویشن منسوخ کرا دیں۔

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۵ر نومبر ۱۹۹۶ء [۳۹]

خلیق صاحب!

ابھی آپ کا خط ملا۔ مجبوراً ارادہ بدلنا پڑا۔ ٹھیک ہے، بندگی بے چارگی۔ میں ۱۷ر کی شام کو دہلی پہنچوں گا۔ ۱۸ر کو انجمن آؤں گا صبح ۱۰ بجے۔ عبدالرشید خوش نویس سے تاکیداً کہہ دیجیے کہ موجود رہیں۔ شام کو آپ کے ساتھ ہی علی گڑھ چلوں گا۔

شاہ جہان پور سے براہِ راست میں کبھی علی گڑھ نہیں جا سکتا۔ ناممکن ہے میرے لیے۔ ہاں ایک ضروری کام ۲۲ر کا واپسی کا رزرویشن اودھ آسام سے کرا دیجیے، شاہ جہان پور کی واپسی کا۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۸ر مارچ ۱۹۹۸ء [۴۰]

برادرم خلیق صاحب!

آپ کا خط، جس پر تاریخ تحریر ۲۷ر فروری مندرج ہے، مجھے آج دوپہر کو ملا۔ میں بمبئی سے ۶ر مارچ کو آیا تھا اور صرف چند گھنٹے بعد شاہ جہان پور روانہ ہو گیا تھا۔ مخمور صاحب نے سمینار میں بہت بلایا اور علی گڑھ کے سمینار میں بھی بلوایا تھا، خرابیِ صحت کی بنا پر کہیں نہیں جا سکا، معذرت کر لی۔

برادر! آپ کا کام، میرا کام ہے؛ اُسے ضرور کیا جائے گا۔ اب دو صورتیں ہیں: یا تو ذرا ٹھہر جائیے، مئی میں میں وہاں آؤں گا، دس بارہ دن ٹھہر جاؤں گا اور سارا کام مکمل ہو جائے گا۔ موسمِ گرما کی تعطیل میں مجھے گائڈ ہال میں ٹھہرنے کی بہت آسانی رہے گی۔ وہ کمرا دو مہینے تک خالی رہتا ہے۔ اگر بہت عجلت ہو تو آپ جب کہیں گے، میں آ جاؤں گا، جتنے دن کہیں گے ٹھہر جاؤں گا، مگر اس کے لیے کوئی [۴۱] بہانہ درکار ہوگا۔ میری رائے ہے کہ آپ مئی تک انتظار کر لیجیے، میں ۱۵ر مئی کے بعد، جب آپ کہیں گے، اور جتنے دن کے لیے کہیں گے، آ جاؤں گا۔ بہ ہر حال پروگرام میں آپ پر چھوڑتا ہوں، جس طرح بنا لیجیے، مگر ذرا سا وقفہ دے کر، طبیعت ذرا شگفتہ ہو جائے، آج کل بہت

افسردہ ہے۔ وہ کام آپ کا ضرور بالضرور ہوگا اور بہتر طور پر۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۵؍جولائی ۱۹۹۹ء[۴۲]

خلیق صاحب! آداب

یہ میرا چوتھا خط ہے، تین خط کے جواب سے محروم۔ اِس کا مطلب میں نے یہ سمجھا ہے کہ مجھے اب نہیں لکھنا چاہیے، یہ بھی سہی، آیندہ اِسی پر عمل ہوگا۔ یہ خط مجبوراً یوں لکھ رہا ہوں کہ باغ و بہار کے صفحات بھیج رہا ہوں، دیکھنے کے بعد، اب اِنھیں ٹھکانے لگ ہی جانا چاہیے، سال بھر سے کتاب بازار میں نہیں، ویسے جو مزاجِ یار میں آئے!

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۷؍اگست ۱۹۹۹ء[۴۲]

خلیق صاحب!

یہ لفافہ جو رجسٹری سے بھیج رہا ہوں، تو یہ مشفق خواجہ صاحب کے حکم کی تعمیل ہے۔ انھوں نے اپنے خط میں تاکیداً لکھا ہے کہ اُن کا خط آپ کو لازماً رجسٹری سے بھیجا جائے۔

دو زحمتیں میں بھی دینا چاہتا ہوں۔

(۱) اسلم بھائی[۴۳] کا خط اُن تک پہنچوا دیجیے، اگر دفتر نہ آ رہے ہوں، تو گھر پر۔

(۲) عبدالرشید کو دوسرا خط دے دیجیے۔ اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں گا۔ گھر پر بھابی نے میرا فون ریسیو کیا تھا، یقین ہے کہ انھوں نے میرا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۴؍اکتوبر ۱۹۹۹ء[۴۴]

برادرم خلیق صاحب! آداب

تین باتیں کہنا ہیں:

(۱) انجمن کے جلسے کا دعوت نامہ ملا۔ میری ایک مشکل ہے۔ گائزہال میں سنیچر، اتوار کو ٹھہر سکتا ہوں۔ اگر انجمن کا جلسہ سنیچر یا اتوار کو ہو، تب تو حاضری یقینی ہے۔ کسی اور تاریخ کو ہو، تو نہیں آسکوں گا۔ سمینار آپ جن تاریخوں میں چاہے کیجیے؛ اگر انجمن کا جلسہ سنیچر یا اتوار کو رکھا جاسکے تو خوب ہو۔ اب جو تاریخیں ہیں، اُن میں جلسہ شاید پیر کے دن ہے۔

(۲) ایک خط وحیدالدین سلیم کا مل گیا، بھیج رہا ہوں۔ اور خط کہیں رکھ دیے ہیں، اِس وقت ملے نہیں، پھر بھیجوں گا۔

(۳) باغ و بہار تو چھپ گئی ہوگی، میرے حصّے کی دس کتابیں از راہِ لطف بھجوا دیجیے، ممنون ہوں گا۔

اس خط کا جواب پا کر، جوابِ باصواب، مزید ممنون ہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء

خلیق صاحب! یہ خط آپ کی فوری توجہ کا طلب گار ہے اور میں اِس کے جواب کا منتظر۔

پرسوں ایک خط لکھ چکا ہوں[۴۵]۔

سب سے پہلی بات: خطوطِ غالب میں 'گڑھ پھنک' کے تحت ایک حاشیہ ہے کہ جس خط میں یہ لفظ ہے، وہ سیّد سجاد مرزا کے نام ہے اور یہ کہ 'جس کا اصل نسخہ میرے سامنے ہے' (ص ط)۔ یہ خط غالب کے خطوط میں ''نواب حسین مرزا'' کے نام ہے (ص۶۷۲)۔ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ میں وہ لکھوں گا، جو آپ لکھیں گے۔ پوچھ یوں رہا ہوں کہ میرا جو ایک پرانا کام تھا کہ غالب کی دستی تحریروں سے ایک گوشوارہ بنایا جائے الفاظ کا، کہ کس لفظ کو مرزا صاحب نے کس طرح یا کس کس طرح اپنے قلم سے لکھا ہے، وہ کام اب قریبِ تکمیل ہے۔ اُس میں اِس کی ضرورت ہے کہ خط کا حوالہ دینا ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی کتاب سے حوالہ دینا ہے، تو اب میں کیا کروں! (اِس چھوٹی سی کتاب کے ۱۰۰ صفحے اب تک مکمل ہوئے ہیں)۔

اب ایسا ہی ضروری ایک اور کام: پیش لفظ آگیا، شکر گزار ہوں، مگر اُس میں بے خیالی میں یا زیادہ مصروفیت کے دباو میں ایک جملہ ایسا قلم سے نکل گیا ہے جس نے اُس سے پہلے کی دو سطروں کے مفہوم کو بدل دیا ہے۔ آپ نے تو مرتب کی تعریف کی ہے (حسبِ سابق) مگر لفظ 'نہیں' ایسا

آ گیا ہے کہ اُس سے مفہوم بدل گیا ہے۔ میں وہ صفحہ بھیج رہا ہوں، ازراہِ لطف اس جملے کو پھر سے لکھ دیجیے اور اس جملے کے آگے دو جملے اور بڑھا دیجیے، تاکہ جو پہلے کے پیش لفظ ہیں، یہ بھی اُن کے مُساوی ہو جائے۔ میں خود اُس جملے کو بدل دیتا، مگر یہ اچھا نہیں لگا اور مناسب بھی نہیں معلوم ہوا۔

جوش کے خطوں والی کتاب مل گئی، اس کے لیے بہ طورِ خاص شکرگزار ہوں۔ بھائی! انجمن کا جلسہ اتوار ہی کو رکھیے، جس طرح بھی ہو۔

اور ایک بات، اور یہ چوتھی بات ہے: اِسے میں (حسبِ معمول اور حسب سابق) آپ پر چھوڑتا ہوں کہ پہلے آپ باغ و بہار کا دوسرا اڈیشن چھاپیں یا پہلے نئی کتاب سحرالبیان کو چھاپیں۔ یہ کام مکمل ہو گیا ہے۔ اگر آپ اِسے پہلے چھاپ دیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ وہ دوسرا اڈیشن تو چھپ ہی جائے گا کبھی۔ آپ کی رائے کیا ہے۔ مجھے آپ کا فیصلہ ہر صورت میں منظور ہوگا۔ سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے۔

پیش لفظ کو اصلاح کے بعد فوری طور پر بھیج دیجیے، ممنون ہوں گا۔

چشم براہ
رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۵/نومبر ۱۹۹۹ء[۴۶]

خلیق صاحب!

صرف یہ کہنا ہے کہ دو خط میں نے لکھے، ضروری، جواب طلب؛ ایک کی بھی رسید نہیں ملی نہ استفسارات کا جواب۔ خط دونوں آپ کو مل گئے، یہ معلوم ہے۔

مجھے اپنے استفسارات کے جواب کا انتظار ہے۔ میں ابھی نا اُمید نہیں ہوا ہوں۔ مگر یہ ہے بہت عجیب بات۔ ہے یا نہیں؟

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۱۷/جون ۲۰۰۰ء[۴۷]

خلیق انجم صاحب! آداب

۹رجون کا خط ملا، شکریہ۔ کاغذ کا احوال پڑھا۔ اس پر نہ آپ کا اختیار نہ میرا۔ بندگی بیچارگی۔ بہ ہر طور اِس سے اطمینان ہوا کہ آخر کار اچھا کاغذ مل گیا۔ اِس سلسلے میں جو زحمت اٹھانا پڑی ہوگی، اُس کے لیے ممنون ہوں۔

ہاں بہ قول آپ کے "بات زبانی ہی ہوگی"۔ یہ ٹھیک ہے اور مجھے منظور ہے۔ دوسری میٹنگ جب بھی ہوگی، اُس میں مفصل گفتگو کر لی جائے گی۔ میٹنگ سے پہلے بھی آپ سے گفتگو ہو جائے گی۔ گفتگو بہ ہر طور ضرور ہوگی، یوں کہ گفتگو کے بغیر کوئی بات واضح نہیں ہو پاتی۔ آپ نے لکھا ہے: "صدر صاحب اور دوسرے کچھ ممبران کی اپنی رائے ہے"۔ مجھے ان سب حضرات کی رائے کا احوال معلوم ہے یوں کہ یہ سب لوگ اُس دن میٹنگ میں موجود تھے۔ میں اپنی رائے کا احوال تفصیل کے ساتھ پیش کروں گا۔

توقع کرتا ہوں کہ برسات نے وہاں کے کاموں میں خلل نہیں ڈالا ہوگا۔ بیگم صاحبہ سے میرا سلام کہیے گا۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۱رجولائی ۲۰۰۰ء[۴۸]

خلیق صاحب!

کل آپ کا خط ملا، شکریہ۔ کتاب واقعی اچھی چھپی ہے، خاص کر گرد پوش دل کش ہے اور جاذبِ نظر۔ مزید شکریہ۔

اب منتظر ہوں کہ آپ کے دفتر سے دوسرا لفافہ ملے تو تیسری بار شکریہ ادا کرنے کی توفیق نصیب ہو۔

رشید حسن خاں

ہاں ہماری زبان کے لیے ایک تحریر بھیج رہا ہوں۔ ساتھ میں وہ جعلی کتاب بھی۔ اِسے لائبریری میں محفوظ کرا دیجیے اور اِس کی رسید مجھے بھجوا دیجیے ضرور۔

(۴۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۴ر جولائی ۲۰۰۰ء [۴۹]

خلیق صاحب! آداب

خط ملا، ہاں بھائی! بینک ڈرافٹ مل گیا تھا اور بروقت۔ میرے گلے کی پرانی شکایت واپس آگئی تھی، جس کا دہلی کے مڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں آپریشن کرایا تھا ۱۹۹۴ء میں۔ بریلی کے مشن اسپتال میں پرسوں گیا تھا، اگلے ہفتے پھر جانا ہوگا کئی دن کے لیے۔ یہ بینک ڈرافٹ اِسی کام کے لیے منگایا گیا تھا۔ کام آیا اور کام آئے گا۔ شکر گزار ہوں۔ طالبِ دعا ہوں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ وہاں بس تین یا چار دن لگیں گے۔ کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ واپس آکر خط لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۴راگست ۲۰۰۰ء [۵۰]

خلیق صاحب! آداب

آپ کا بھیجا ہوا لفافہ اور ۴۰۰ر روپے کا منی آرڈر، دونوں چیزیں ایک ساتھ ملیں۔ شکر گزار ہوں۔ مگر اردو ادب نہیں ملا، جس کے مضمون کا یہ معاوضہ ہے۔ اسلم بھائی کے نام خط میں میں نے اِس کی وضاحت کی ہے، از راہِ لطف یہ خط اُن کو دے دیجیے۔

حضرت مولانا وبالفضل اَولانا کی تحریر سُرمہ لگا کر پڑھی۔ یہ تو خوب چیز نکلے۔ خیر، عربی والوں سے اِس سے زیادہ توقع کیا کی جائے۔ وہ اردو لفظوں کو صراح و قاموس کے مطابق لکھنا اور بولنا چاہتے ہیں۔ آپ کی رائے ہو تو یہ تحریر اُن کی میر امّن کی روح کے پاس بھیج دی جائے جنھوں نے یہ لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب بول چال کی زبان میں لکھی ہے، عام لوگوں کی بول چال کی زبان میں۔

غضب یہ کیا ہے کہ جن لفظوں کے معنی فرہنگ میں درج ہیں، لکھا ہے کہ یہ لفظ فرہنگ میں شامل نہیں۔ کاش جعفر زٹلی زندہ ہوتے!

میں نے ایک خط لکھا ہے، آپ دیکھ لیجیے؛ اگر آپ بہ طورِ خود مناسب سمجھیں تو اُن کے پاس بھیج دیجیے، ورنہ چاک کردیجیے۔ میں چار دن کے بعد کل ہی بریلی سے واپس آیا ہوں۔ سارا کام بند ہے، صرف یہ خط لکھا ہے اور وہ خط اور بہ مشکل۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہے اب۔

رشید حسن خاں

سادہ کاغذ بازار سے کل منگاؤں گا، اِسی لیے اس پرچے پر یہ خط لکھا گیا۔

(۵۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۴؍اگست ۲۰۰۰ء

خلیق صاحب!

لفافہ حوالۂ ڈاک کردیا گیا تو اردو ادب ملا دوپہر کی ڈاک سے، اس لیے اب اسلم بھائی والا خط گویا کالعدم ہوگیا۔ اُن سے بھی کہہ دیجیے کہ رسالہ مل گیا۔

رشید حسن خاں

میرا پرہیز چل رہا ہے، رقیق غذا چند روز تک جاری رہے گی۔ مگر ویسے سب ٹھیک ہے۔

(۵۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۳۱؍اگست ۲۰۰۰ء[۵۱]

خلیق صاحب! نمستے!

قومی کونسل والا خط مل گیا، اُسے پھر وہیں بھیج دیا گیا۔ اور کیا کرتا! زحمت کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار (حسبِ معمول)۔ مولانا والا خط حوالۂ ٹوکری کردیا ہوتا، مجھے بعد کو خیال آیا کہ کٹھ ملاؤں سے بحث کرنا اور اُن کو کچھ سمجھانا، دراصل اپنے احمق ہونے کا اعلان کرنا ہے۔ خیر، آیندہ را احتیاط۔ رائے آپ کی اِس باب میں بالکل برحق ہے۔ یہاں مجھ سے چوک ہوگئی۔ خیر، اب کوئی کچھ لکھے، مہر بہ لب رہوں گا۔ ادھر توجہ، دلانے کا شکریہ۔

بریلی جیسا گیا تھا، چار دن کے بعد ویسا ہی لوٹ آیا، بس دو چار ہزار کی چوٹ ہونا تھی، سو ہوگئی۔ مگر خیر، سحر البیان والی رقم، جو آپ کی غم گساری اور خبر گیری کی علامت اور نشان کے طور پر پہنچی تھی، اُس کا بڑا حصّہ محفوظ ہے۔ نومبر میں بمبئی جاؤں گا۔ سالانہ چک اَپ بھی ہے اور یہ معاملہ بھی وہیں طے ہوجائے گا، اِن بریلی والوں نے بھی پھر بلایا ہے، مگر اندازہ یہ ہوا کہ یا تو دہلی کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں پہلے کی طرح بھرتی ہوجاؤں یا بمبئی جاؤں۔ بمبئی میں مجھے آسانیاں بہت ہیں، یوں وہیں جاؤں گا۔ نئی بات یہ ہے کہ اب میں بہت جلد تھک جاتا ہوں اور مسلسل کام نہیں کرپاتا۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ ٹھگوں کا لغت اور جعفر کا کلیات تو مرتب کرنا ہی ہے، چاہے پھر قلم میں سیاہی بھرنے کی نوبت نہ آئے۔

خلیق صاحب! اگر میں اتنا کام نہ کرتا، تو تنہائی اب تک میرا کام تمام کرچکی ہوتی۔ مسلسل

کام ہی کے بل پر زندہ ہوں، دعا کیجیے کہ کم از کم یہ دونوں کام ضرور مکمل ہو جائیں؛ کبھی کبھی اشتہاری گناہ گاروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط اسلم بھائی کو دے دیجیے۔

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۱۶/ا اکتوبر ۲۰۰۰ء[۵۲]

خلیق صاحب! آداب

ابھی آپ کا خط ملا، تحسین و آفرین کا شکریہ، مگر مشکل یہ ہے کہ ان کتابوں کی جو فرہنگیں ہیں، اُن میں ہر لفظ کے وہی معنی لکھے گئے ہیں جن معنوں میں وہ اُس کتاب کے اُس جملے یا شعر میں آیا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لفظ کے تو معانی متعدد ہوتے ہیں۔ اگر اُن کتابوں سے اُن فرہنگوں کو الگ کر لیا جائے تو بہت سے الفاظ اُن حوالوں کے بغیر پریشان کن ہوں گے۔ جب کوئی طالب علم اُسی لفظ کو، جو کسی اور معنی میں کہیں اور استعمال میں آیا ہے، دیکھے گا تو الجھے گا یا گم راہ ہوگا۔ اِن فرہنگوں میں تقریباً ہر لفظ کے سامنے قوسین میں صفحہ نمبر یا شعر کا نمبر شمار ضرور لکھا گیا ہے، اسی لیے کہ اُس لفظ کے وہی معنی مرقوم ہیں جن معنوں میں وہ حوالہ دیے گئے جملے یا شعر میں آیا ہے۔ اُس جملے یا اُس شعر کے حوالے کے بغیر بیش تر معانی الجھن میں ڈالیں گے۔ لغت میں تو ہر لفظ کے سب معنی لکھے جاتے ہیں، مگر ایسی فرہنگوں میں صرف وہ معنی لکھے جاتے ہیں جن معانی میں وہ متعلقہ اشعار میں یا جملوں میں آیا ہے۔ آگے آپ جانیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۱۷/ا اکتوبر ۲۰۰۰ء[۵۳]

خلیق صاحب!

ایک خط بھیج چکا ہوں۔ میں نے جب غور کیا تو مجھے آپ کی تجویز بہتر، بل کہ بہت بہتر معلوم ہوئی۔ صبح بیٹھ کر نمونے کے طور پر چار صفحے لکھے۔ اب جو اُن کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت مفید کام ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ جو پانچ کتابیں بابائے اردو سیریز کی ہیں اور ایک کتابچہ مرزا

فرحت اللہ بیگ کا: مولوی نذیر احمد کی کہانی (کہ یہ بھی انجمن سے چھپا ہے) ان میں جو اہم لفظ ہیں، یہ سب ایسے لفظ ہیں جو کلاسکی ادب کے متعلقات میں لوٹ گھوم کر آتے رہے ہیں۔ ان کی مختصر تشریح اور بعض مقامات پر حسبِ ضرورت حوالہ بھی، یہ سب بہت کار آمد ہوں گے اور دل چسپ بھی اور طلبہ کو اِس سے بہت مدد ملے گی۔ اب آپ بھی اِن چار صفحوں کو دیکھیے اور اپنی رائے سے مطلع کیجیے۔

اگر اِس کام کو کرنے کے لائق سمجھا جائے تو پھر یہ کیجیے گا کہ گلزارِ نسیم اور سحرالبیان کی ایک ایک جلد فوری طور پر بھیج دیجیے۔ باقی کتابوں کی زائد کاپیاں میرے پاس ہیں۔ ان میں سے فرہنگ کے اجزا نکال کر ایک کاغذ پر ترتیب دوں گا۔ ویسے تو کارڈ بنتے، مگر کارڈ بہت مہنگے ہیں، اس لیے یہ سوچا ہے کہ اچھے دبیز کاغذ کے کارڈ بھر ٹکڑے کاٹ کر رکھ لوں گا اور یوں الفاظ حروفِ تہجی کی ترتیب سے صحیح طور پر چپکائے جاسکیں گے! اور نقل ہوسکیں گے۔ اگر آپ اِس سے متفق ہوں تو اُن دونوں کتابوں کے ساتھ اتنا کاغذ بھی بھیج دیجیے کہ سب لفظوں کے کارڈ بن سکیں۔ کاغذ گھٹیا نہ ہو، کہ ویسا کاغذ تو یہاں بھی ملتا ہے اور بہت۔ کیا رائے ہے؟

رشید حسن خاں

تو کچھ اُس اللہ آبادی بچے نے کہا ہے، یہ بات اِس سے پہلے اور کئی لوگوں نے کہی تھی، مگر میں نے توجہ نہیں کی تھی۔ خیر، اب بھی، دیر آید درست آید۔

(۵۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۰ء[۵۴]

خلیق صاحب!

کل آپ کا خط ملا۔ کام شروع ہوجائے گا۔ معانی کے جس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے، اُس پر نظر رہے گی۔

آپ نے میرے خط کے صرف پہلے حصے کا جواب لکھا۔ دوسرے حصے میں جو کچھ لکھا تھا، اُسے آپ نظر انداز کر گئے۔ از راہِ لطف اُس کی طرف بھی توجہ کیجیے۔ اُس کے بغیر یہ کام کیسے ہوسکے گا۔ یعنی گلزارِ نسیم اور سحرالبیان کی ایک ایک جلد اور ذرا سا دبیز کاغذ، جس کے کارڈ بنائے جاسکیں، یعنی جیسے کاٹ کر کارڈوں کے طور پر کام میں لایا جاسکے۔ عام مگر عمدہ سفید کاغذ بھی کام آسکتا ہے۔ حیدر آباد جانے سے پہلے انھیں بھجوا دیجیے۔ شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۶/ اگست ۲۰۰۱ء[۵۵]

خلیق صاحب! آداب

آپ کی فرمائشی فرہنگ کے ابتدائی اجزا بھیج رہا ہوں۔ یہ تو بے حد پریشان کن اور صبر آزما کام نکلا۔ کتابوں میں لفظ کے معنی متن کے واسطے سے لکھے گئے تھے، اب اُسے وہاں سے اٹھا کر لکھنا، مگر اِس طرح کہ وہ اُس متن سے بے تعلق نہ ہونے پائے، پھر ترک و اضافہ؛ اِن سب نے بہت پریشان کیا۔ یہ ہر طور اب نقش بن گیا ہے۔ اِس میں ۸ کتابوں کے لفظ ہیں۔ پانچ تو وہی بابائے اردو سیریز کی، ایک مرزا فرحت اللہ بیگ کی نذیر احمد کی کہانی کہ یہ بھی انجمن نے چھاپی تھی اور متن کی تصحیح میں نے کی تھی۔ دو کتابیں معیاری ادب سیریز کی لے لی ہیں کہ وہ بھی میری ہی مرتبہ ہیں: انتخابِ نظیر اکبرآبادی، انتخابِ سودا۔ بعض نہایت ضروری الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے مختلف وجوہ کی نسبت سے۔

آپ کی فرمائش نہ ہوتی اور پھر اصرار نہ ہوتا، تو میں اِس کام کو ہاتھ ہی نہ لگاتا۔ بہت اُلجھن میں ڈالنے والا کام نکلا۔

اِس کی رسید فوری طور پر بھیجیے۔ ہاں نقل میرے پاس نہیں، اِس لیے حفاظت سے رکھیے۔ ہاں، عبدالرشید صاحب سے کہہ کر اس کی کمپوزنگ شروع کرا دیجیے۔ یہ ضروری ہے۔ اِس سے مجھے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اِس کا انداز کیا ہوگا۔ منتظر رہوں گا۔

اسلم بھائی کو بھی دُعا کہہ لیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۷/ نومبر ۲۰۰۱ء[۵۶]

خلیق صاحب! آداب

لغت کے کارڈوں کا آخری پیکٹ بھیج رہا ہوں۔ سر کا بڑا بوجھ اُتر گیا۔ بھائی! اِس دورِ ترقی میں کیا یہ اچھا نہیں کہ ایک لغت (جو میرے بہ قول نہیں، آپ کے قول کے مطابق لکھا ہے) وہ

ایک شخص نے تنِ تنہا مرتب کرلیا۔ سب کام اپنے قلم سے کیا۔ نہ کسی سے ایک کتاب منگائی اور نہ کارڈ خریدے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اگر آپ کے اصرارِ بے حد کی تلوار میرے سر پر نہ لٹکتی ہوتی تو یہ کام ہو نہیں سکتا تھا۔ اگر آپ طلبہ کی فرمائش کا حوالہ نہ دیتے اور الٰہ آباد کے ایک طالبِ علم کا خط نہ بھیجتے اور اپنے وعدے کا اور ایسی کتاب کی ضرورت کا حوالہ نہ دیتے تو میں اِس کام کو کرتا ہی نہیں۔ میری فہرست میں یہ تھی ہی نہیں۔ یوں یہ کتاب دراصل آپ کی ہے۔ سُو لیجیے اپنی کتاب کا سرمایہ، اور آیندہ کے لیے وعدہ کیجیے کہ ایسے صبر آزما کسی کام کی فرمائش آپ نہیں کریں گے۔ میں تو ہلکان ہوگیا میرے بھائی!

رسید فوراً بھیجیے۔ ۲۳ر نومبر کو میں نے مطلوبہ کاغذوں والا لفافہ رجسٹری سے بھیجا ہے، اب تک مل گیا ہوگا، اُس کی رسید بھی بھیجیے۔ اور ذرا یہ دیکھیے کہ یہ کمپوز کرنے والے بزرگوار کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس اِدھر ایک صفحہ بھی نہیں آیا۔ اسلم بھائی کیا ناراض ہیں؟

رشید حسن خاں

(۵۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۶ر دسمبر ۲۰۰۱ء[۵۷]

خلیق صاحب!

ابھی آپ کا لفافہ ملا۔ فوراً تعمیلِ احکام کر رہا ہوں۔ فارم پر دستخط کردیے ہیں۔ ضروری معلومات الگ کاغذ پر لکھ دی گئیں۔ باقی آپ خود بھر لیجیے گا۔ لفافے میں پاسپورٹ اور فارم دونوں چیزیں ملفوف ہیں، جی لگا رہے گا، ملتے ہی فون پر رسید دے دیجیے گا۔ چشم بہ راہ رہوں گا، پاسپورٹ کا معاملہ ہے۔

رشید حسن خاں

(۵۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۸ر مئی ۲۰۰۲ء[۵۸]

خلیق صاحب!

بینک والوں نے ڈرافٹ لوٹا دیا ہے اس ہدایت کے ساتھ کہ اس کا کوڈ نمبر دُرست کراکے بھیجیے۔ جیسا کہ آج کل سرکاری کاموں میں عموماً ہوتا ہے، اسٹیٹ بینک کے کلرک نے ڈرافٹ پر

صوبۂ بہار کے اسٹیٹ بینک کا کوڈ نمبر لکھ دیا ہے یہ دیکھے بغیر کہ یہ بہار کے نہیں، اتر پردیش کے 'شاہ جہان پور' کا ڈرافٹ ہے۔

بہ ہر حال، اہلِ زمانہ کے ہاتھوں ہم سب لاچار ہیں، آپ بھی کیا کریں اور میں بھی کیا کروں، اِس کے سوا کہ صبر کریں اور اُس کلرک کو کچھ کہے بغیر "اُسی عطّار کے لڑکے سے پھر دوا لیں" یعنی اُس سے اتر پردیش کے شہر شاہ جہان پور کے اسٹیٹ بینک کا کوڈ نمبر لکھا کر، تصحیح کی مُہر لگوا لیں۔ اسلم بھائی کو جو زحمت میری خاطر اٹھانا پڑی اور پھر اٹھانا پڑے گی، اُس کے لیے میں ان سے زبانی معذرت کرلوں گا۔

رشید حسن خاں

(٦٠)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۸ رمئی ۲۰۰۲ء

خلیق صاحب!

کل دوپہر کو ڈرافٹ یہاں آ گیا۔ اِس سلسلے میں جس قدر زحمت اور ذہنی اذیت اٹھانا پڑی آپ کو، اُس کی معذرت، اگرچہ اِس میں قصور میرا کہیں نہیں تھا۔ کہاں کیا ہوا تھا، اس پر ہنسی آتی ہے اب۔ بہ ہر طور، اسلم بھائی کا اور آپ کا شکر گزار ہوں۔ بروقت ہے یہ اب بھی۔

اب دوسری بات:

آپ کا بھجوایا ہوا پیکٹ مل گیا۔ دیکھ رہا ہوں۔ کل تک مکمل طور پر دیکھ لوں گا۔ اُسی میں سے چند اوراق اِس لفافے میں بھیج رہا ہوں، از راہِ لطف اِن کی تصحیح بنوا کر اور اِنھیں مکمل کرا کے فوری طور پر بھجوائیے۔ اِن اوراق کے ملتے ہی میں پورا پیکٹ فوری طور پر بھیج دوں گا۔

●● — اِن میں دو صفحے پیش لفظ کے ہیں اور دو صفحے فہرست کے۔ یہ سادہ ہیں، پیش لفظ اب کمپوز کرا دیجیے اور فہرست بھی۔

●● — اور خاص کر یہ بات کہ ص ۲ پر انگریزی میں جو عبارت ہے، اُس میں By کے بجائے 'اڈیٹڈ بائی' ہونا چاہیے (جس طرح سحرالبیان: وغیرہ میں لکھا گیا ہے) اِسے دیکھ لیجیے۔

●● — سب سے بڑھ کر یہ کہ انگریزی عبارت کے ایک صفحے کو جس نے بھی کمپوز کیا ہے، اُسے روسی لیبر کیمپ میں آج ہی بھجوا دیجیے۔ اصل عبارت منسلک کر رہا ہوں، آپ خود ہی دیکھ لیجیے۔ چوں کہ

انگریزی عبارت ہے، اس لیے اِسے اِس بار آپ خود دیکھ لیجیے گا۔ اِن اوراق کے لیے ابھی سے چشم بہ راہ ہوں۔

اب کچھ میرا حال: بدھ کے دن چک اَپ کے لیے گیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ضرباتِ قلب (بپلس) کچھ اِرّ رِگلر' ہوگئی ہیں۔ اِس پر مجھے بھی تشویش ہے اور اُسے بھی۔ آج پھر چک اَپ کے لیے جانا ہے۔ زیادہ تر پلنگ پر لیٹا رہتا ہوں۔ آپ تو خدا رسیدہ ہیں، کچھ دعا ہی کیجیے۔ یہ اوراق جلد بھجوائیے کہ اِس طرح کچھ وقت کٹ جاتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۱۹ر جولائی ۲۰۰۲ء[۶۰]

خلیق صاحب! آداب

لفافہ کل ملا۔ آج مکمل پیکٹ بھیج رہا ہوں۔ از راہِ لطف اِس کی رسید ضرور بھیجیے، تاکہ اطمینان ہو۔

(۱) پیش لفظ میں بعض تصحیحات ہیں، اُنھیں بنوا دیجیے گا۔

(۲) کتاب میں بھی بہت سی تصحیحات بننا ہیں، اُن کا بننا بھی ضروری ہے۔

(۳) مقدّمے کے ایک دو صفحات پر بھی تصحیح بننا ہے۔

(۴) سب سے بڑھ کر یہ بات کہ پورے لُغت میں پابندی کے ساتھ نونِ غنّہ پر علامتِ غنّہ ہاتھ سے بنانا ہے۔ یہ از بس ضروری ہے۔ یہ تصحیحات یا تو آپ خود دیکھ لیں، یا اسلم بھائی سے کہیں کہ وہ دیکھ لیں۔ اب آپ جانیں اور آپ کی کتاب۔

کلاسکی ادب کی فرہنگ کی تصحیح کس تاریخ سے شروع ہوگی، تاریخ مجھے ضرور لکھ دیجیے؛ اِس سے اور کچھ نہ ہو، تسکین تو ہو ہی جائے گی۔

رشید حسن خاں

(۶۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۲ء[۶۱]

بھائی میرے، جیتے رہو اور بہت خوش رہو، یوں کہ آپ نے میرا جی خوش کر دیا۔ ابھی پیکٹ ملا۔ مگر بھائی! اصل تو اس کے ساتھ آپ نے بھیجی نہیں اُس کے بغیر میں تصحیح کیسے بنا سکتا ہوں۔ میں نے جو تصحیح کردہ فرہنگ کا مسوّدہ بھیجا تھا، جس سے یہ تصحیح کمپوٹر پر بنائی گئی ہے، اُسے بھیجیے، فوری طور پر۔ چشم براہ ہوں۔

برادر! بدخطی کے لیے معذرت طلب ہوں۔ سانسوں کی طرح فی الوقت انگلیاں بھی کچھ قابو سے باہر ہوگئی ہیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ وہ کہتا ہے تو ٹھیک ہی کہتا ہوگا، ایسا کل سے ہوا ہے، کل صبح تک سب کچھ ٹھیک تھا۔

ہاں، آپ کا پیش لفظ بھیج رہا ہوں، اِسے بھی بھجوائیے۔ ایک پرچہ ہے اِس میں، اُسے عبدالرشید صاحب کو دے دیجیے۔ مسودے کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔ ایک بار پھر شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۶۳)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۳۱ر دسمبر ۲۰۰۲ء[۶۲]

خلیق صاحب! آداب

میں بہت ممنون ہوں گا اگر آپ کلاسکی ادب کی فرہنگ کے مکمل صفحات تصحیح کے بعد مجھے فوری طور پر بھیج دیں گے فائنل کاپی کے طور پر۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ درخواست نا قابلِ قبول نہیں ٹھہرے گی۔

رشید حسن خاں

(۶۴)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۳ر جنوری ۲۰۰۳ء[۶۳]

خلیق صاحب!

فرہنگ کی تصحیح مکمل ہوگئی۔ اِس میں مختلف علامتوں کو قلم سے بنانا تھا رشید صاحب کو، اُن کی جگہ میں نے اُس کام کو انجام دے دیا — اب یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے، اور پریس جانے کے لیے تیار ہے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا تھا، مارچ کے دوسرے ہفتے میں اِسے چھپنے کے لیے (چھپنے کے لیے نہیں) بھیج دیجیے گا۔ اِسے ابھی یوں بھیج رہا ہوں کہ وہاں محفوظ ہو جائے۔

ازراہِ لطف اِس کی وصول یابی سے فوراً مطلع کیجیے، چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶۵)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۰رمئی ۲۰۰۳ء[۶۴]

خلیق صاحب!

فون پر آپ نے جو بشارت دی تھی اور ۸ دن کا وقفہ بتایا تھا، اُس کی یاد دہانی مقصود ہے۔ خصوصی توجہ کا طلب گار ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶۶)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۲۲رجون ۲۰۰۳ء[۶۵]

خلیق صاحب!

پیکٹ مل گیا تھا، ممنون ہوں اور شکر گزار۔ تصحیح بنادی ہے۔ اب آپ اِسے اپنی نگرانی میں بنوا کر بھجوایئے۔ شکریہ پیشگی۔ آپ کی ہدایت کے مطابق یاددہانی کرارہا ہوں کہ مکمل مسودۂ تصحیح شدہ کی دو کاپیاں آپ کو بھیجتا ہیں۔ ایک کو میں دیکھ کر واپس کردوں گا۔ دوسری کو کراچی بھیجنے کا انتظام کیا جائے گا۔

اب ایک دوسری ضروری بات، جو مشورہ طلب ہے: قدوائی صاحب نے فون پر کہا تھا کہ وہ آپ سے مشورہ کر کے میرے استفسار کا جواب بھیجیں گے؛ فون پر، یا خط لکھیں گے؛ نہ فون آیا نہ خط۔ کام رُک گیا تھا سو رُکا ہوا ہے۔ مجھے یہ بتایئے کہ کیا صورتِ حال میں کسی طرح کی تبدیلی آگئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ اُن کی دل چسپی کو ختم ہوجانا چاہیے۔ مگر میں تو اپنے طور پر اِس کام کو کروں ہی گا۔ مشفق خواجہ سے بات ہوگئی ہے، یہ کتاب وہاں سے چھپ جائے گی۔ مگر اُن کو یہ بات (اگر کچھ ہے) تو صاف طور پر کہہ دینا چاہیے تھی۔ ازراہِ لطف صحیح صورتِ حال سے مطلع کیجیے، تاکہ پھر میں اپنے طور پر اُس کام کو شروع کرسکوں۔

آپ کے خط کا منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں ایک خط ہدایات پر مشتمل عبدالرشید صاحب کے لیے ہے، اُن کو دے دیجیے۔

(۶۷)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۸/ نومبر ۲۰۰۳ء[۶۶]

خلیق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

لفافۂ عنبر شامہ کل کی ڈاک سے مل گیا تھا، اُسی وقت 'مہاجن' کی دکان پر بھیج دیا گیا۔ بہت شکرگزار ہوں اور بے حد ممنون۔ اب اور کون میرے لیے ایسی زحمتیں گوارا کرے گا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

ہاں، ایک ضروری بات: آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ فلاں، فلاں، فلاں (شیخ صاحب، حنفی صاحب) صاحبان یاد کرتے ہیں اور حال پوچھتے ہیں......۔

خلیق صاحب! اچھی تحریر وہ ہے جو زبان اور بیان کی غلطیوں سے پاک ہو۔ یہ جملہ اِس طرح لکھا جانا چاہیے تھا: ''اسلم بھائی اور میں بس ہم دونوں آپ کو برابر یاد کرتے ہیں''۔ باقی کا احوال مجھے خوب معلوم ہے۔ رسید دینے کے لیے آج صبح میں نے گھر پر فون کیا تھا، آپ تھے نہیں، یوں یہ خط لکھا گیا — میرا لفافہ، جس میں دستخطی کاغذ تھے، مل گیا ہوگا۔

ایک بار پھر شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۶۸)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہان پور

۷/ دسمبر ۲۰۰۴ء[۶۷]

خلیق صاحب!

کل آپ سے فون پر بات ہوئی تھی، میری ایک تجویز ہے: نسخۂ عرشی طبع ثانی کو کالعدم سمجھ لیا جائے۔ یہ مان لیا جائے کہ وہ موجود ہی نہیں اور اب ملتا بھی نہیں۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اُس میں عرشی زادہ نے بہت دخل اندازی کی ہے۔ طبع اوّل کا نیا اڈیشن شائع کیا جائے دو ترمیموں کے ساتھ:

(۱) غیر معتبر کلام (جس کا تعین ہو چکا ہے) اس نسخے سے نکال دیا جائے اور اُس سے متعلق حواشی بھی۔ جین صاحب کے ایک مضمون (مشمولۂ نقوش) میں طبع اوّل کی کچھ قرائتوں پر اعتراض کیے گئے تھے اور عرشی صاحب نے اُن میں سے بعض کو مان لیا تھا۔ یہ بات معلوم ہے۔

طبعِ ثانی میں ایسے مقامات طبعِ اوّل سے مختلف ہیں، یعنی خود عرشی صاحب نے طبعِ اوّل کے متن کو اُن مقامات پر بدلا ہے۔ (میں نے ایسے مقامات کا مقابلہ کر کے تعیّن کیا ہے) ایسے مقامات پر طبعِ ثانی کے متن کو اختیار کرلیا جائے۔ اس کے سوا اور کوئی ترمیم نہ کی جائے۔ پہلا اڈیشن ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا، ۲۰۰۸ء میں پچاس سال والی پابندی ختم ہوجائے گی، اُس وقت اسے شائع کیا جائے۔ سرورق پر صرف عرشی صاحب کا نام ہو، کسی اور کا نہیں۔ پیش لفظ میں صورتِ حال کی وضاحت کردی جائے۔

چوں کہ ضخیم نسخہ ہے، اِس کے متن کو از سرِ نو نقل کرنے اور پھر کمپوزنگ میں دو ڈھائی سال لگ جائیں گے۔ کام ابھی شروع کردیا جائے۔ جب کام مکمّل ہوجائے یعنی نقل اور کمپوزنگ دونوں مکمّل ہوجائیں، اُسے انجمن میں محفوظ کرلیا جائے اور ۲۰۰۸ء کے اواخر میں پریس بھیج دیا جائے۔ پروف خوانی وہی شخص کرے جو متن کو نقل کرے، تاکہ غلطی راہ نہ پائے۔ میری رائے میں یہ تجویز آپ کی توجہ کی خاص طور پر مستحق ہے۔ اگر یہ کام اب نہ ہوا تو پھر کبھی نہیں ہوسکے گا اور دیوانِ غالب کی نایابی برقرار رہے گی۔ شرط یہی ہے کہ کام بلا تاخیر شروع کردیا جائے۔

کیا رائے ہے؟ فون کیجیے تاکہ بات مکمّل ہوسکے۔

رشید حسن خاں

(۶۹)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم
شاہ جہان پور
۱۶؍جولائی ۲۰۰۵ء ۲۸

خلیق صاحب!

پرسوں آپ سے بات ہوچکی ہے۔ پہلی جلد کا آپ کا خیال مناسب ہے، اُسی کے پیش نظر میں شروع کے صفحات بھیج رہا ہوں۔ رز کے صفحات کا کام رُکوا کر، اِسے شروع کرادیجیے۔ میرا خیال ہے کہ چھے سات مہینے میں یہ حصّہ مکمّل ہوجائے گا۔ پہلے آپ نے یہ خیال پیش کیا ہوتا تو شروع ہی سے کام شروع کراتا۔ خیر، اب سہی۔ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے۔

ہاں، حسبِ روایت اِس میں بھی پیش لفظ اُسی طرح ہوگا جیسے اب تک ہوتا رہا ہے۔ میرے مقدمے کا ص ۲ دیکھ لیجیے اور ایک پیراگراف میں نسخۂ عرشی طبعِ ثانی سے متعلّق ضروری وضاحت کردیجیے۔ نیز یہ بھی کہ مناسب وقت پر انجمن نسخۂ عرشی کا نیا اڈیشن شائع کرے گی۔ اِس طرح بات واضح اور مکمّل ہوجائے گی۔

ہاں، اب میں نے شمار کیا صفحات کا، میرے پاس سات حرفوں کے کل 280 صفحے کمپوز شدہ ہیں۔ یہ سات حرف ہیں: ف، ل، م، ن، و، ہ، ی۔ اس پیکٹ میں آ، ا، ب، پ؛ چار حرف ہیں۔ دوسرا چھوٹا پیکٹ اسی سلسلے کا جلد بھیجوں گا۔ میرا خیال ہے کہ پہلی جلد میں بارہ یا چودہ حرف آجائیں گے؛ یوں کہ اس کے بعد کے حرفوں کے صفحات کم ہیں۔ اب کب آپ کی آواز سنوں گا؟ کہ تسکین ملے اور حوصلہ بھی۔ دیکھیے بھائی! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ میرے بعد مجھے کوئی یاد نہیں کرے گا اسلم بھائی کے اور آپ کے سوا۔ کسی سے بنا کے رکھی ہی نہیں، یاد کیوں کرے! مگر خدا کا شکر ہے کہ اس پر فخر ہے، پشیمانی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۷۰)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

شاہ جہاں پور

۲۸/اکتوبر ۲۰۰۵ء [۶۹]

برادرم خلیق صاحب!

کل آپ سے فون پر بات ہوئی تھی اُس وقت میں ایک بات بتانا بھول گیا تھا (بڑھاپا شاید اِسی کو کہتے ہیں)۔ اقبال میوزیم لاہور میں جس قدر کاغذات تدوینِ کلام سے متعلق محفوظ ہیں اور جن کی مجھے ضرورت تھی، وہ سب عکسی صورت میں میرے پاس آگئے۔ ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے مکمل متن اقبال کے قلم کے لکھے ہوئے بھی وہاں ہیں، اُن کے عکس بھی مجھے مل گئے۔ اِن مجموعوں کی پہلی اشاعتیں بھی وہاں سے آگئیں اور یہ بڑا کام ہوگیا، ورنہ یہاں تدوین کا یہ کام نہ ہو پاتا۔ اِسے آپ حسنِ اتفاق کہیے یا آپ کی اور میری نیک نیتی اور سچی لگن کا کرشمہ، ورنہ اِس پیمانے پر ایسے کام اِس قدر جلد ہو نہیں پاتے۔ ہاشمی صاحب نے قابلِ رشک کام کیا ہے۔ میں اُن سے ۵ بار فون پر مفصّل گفتگو کر کے ضروری باتیں بھی طے کر چکا ہوں۔ جو حواشی کلام سے متعلق مجھے لکھنا ہیں اور جو انھیں لکھنا ہیں، دونوں کی مکمل تفصیلات بھی طے ہوگئی ہیں۔ کل تک ارادہ میرا یہ تھا کہ یکم نومبر سے باضابطہ کام کا آغاز کروں، مگر فی الوقت اُسے ملتوی کر دیا ہے۔ اب میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ اب ۶، ۷ مہینے کے بعد ہی یہ کام شروع کر سکوں گا۔ آپ کو مطلع کرنا ضروری تھا، یوں اطلاع دے رہا ہوں۔ کام کا خاکہ بہ ہر طور تیار کر کے رکھ لیا ہے، اطمینان رکھیے۔

کل عبدالرشید صاحب کا مفصّل خط کو دیر سے ملا، اُسی کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ بات یہ ہے کہ انجمن میں صرف وہی ایک شخص ہیں جو کمپوزنگ کا کام کر سکتے ہیں اور انھوں نے اطلاع دی ہے کہ

اُن کے گھر کا کمپیوٹر بگڑ گیا ہے جو دو ڈھائی مہینے سے پہلے نہیں سنبھل پائے گا۔ اُن کا سارا دن ہماری زبان اور اردو ادب میں صرف ہو جاتا ہے، اِسی لیے انھوں نے غالبؔ والے کام کو روک دیا ہے، کمپیوٹر ہی نہیں تو کام کیسے ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب کمپیوٹر ٹھیک ہوگا تبھی کام شروع ہوگا اور جب وہ مطلع کریں گے اور غالبؔ والے صفحات بھیجنا شروع کریں گے، تبھی اگلا پروگرام بنایا جائے گا۔ اِس میں ۶، ۷ مہینے ضرور لگیں گے یہ میرا خیال ہے۔ غالبؔ والے کام کو سال ڈیڑھ سال ہو گیا ہے یوں پہلے اُسی کا مکمل ہونا ضروری ہے۔ دن بھر بیکار نہ بیٹھا رہوں، اِس لیے میں نے غرائب اللغات والے کام کا بستہ آج سے پھر کھول لیا ہے، جب کہ میں نے اُسے باندھ کر الگ رکھ دیا تھا۔

توقع کرتا ہوں کہ اب آپ مکمل طور پر ٹھیک ٹھاک ہوں گے اور اِس تجربے کے بعد 'بدپرہیزی' سے مکمل طور پر توبہ کرلیں گے۔ اب اُتار کے دن ہیں، اِسے مان لیجیے، نجات اِسی میں ہے۔ کسی دن فون بھی کرلیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۷۱)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

خلیق صاحب!

پیش لفظ اب مربوط ہو گیا ہے بہتر طور پر۔ اس کو کمپوز کرا کے بھیجیے ابھی پیکٹ بھی ملا، اس کا خط بھی اسی لفافے میں ہے، مسوّدہ بھجوایئے فوری طور پر، ورنہ تصحیح نہیں بن سکتی۔

میرا احوال وہی ہے جو فون پر تھا، انگلیوں کی بے اختیاری کے اضافے کے ساتھ؛ مگر ابھی میرا مرنے کا ارادہ نہیں، لفظیاتِ غالب مرتب کرلوں تب بہ خوشی چلا جاؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۷۲)

بنام: ڈاکٹر خلیق انجم

خلیق صاحب! نمستے/نمشکار

صبح فون پر بات ہوئی تھی، مطلوبہ کاغذ بھیج رہا ہوں۔ اِس لیے کہ صفحات کا صحیح اندازہ آپ کرسکیں، میں تین صفحے بھیج رہا ہوں نقل پوری کتاب اِسی مسطر پر اِسی سائز کے کاغذوں پر میں نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔ اِس میں یعنی میرے قلم کی نقل میں کل 179 (ایک سو اُناسی) صفحے ہیں۔ ۸ صفحے پہلی کاپی کے، اور ۶ صفحے ببلوگرافی کے۔ میرا مقدمہ ۲۰، ۲۴ صفحے کا۔ یوں تقریباً ۲۱۶ صفحے بنتے

ہیں اِس نقل کے جو میرے قلم سے ہے۔ اب آپ دیکھ لیجیے کہ کتاب میں کتنے صفحے بنیں گے۔
بھٹ صاحب نے جو فارم بھیجا تھا، وہ بھی بھیج رہا ہوں، دستخط کردیے ہیں؛ اب اِس پر آپ جو چاہیں لکھ لیں۔ ہدایت کے مطابق رجسٹری سے لفافہ بھیج رہا ہوں۔ رسید بھیجیے گا۔ میرے آنے کا اسلم بھائی سے کہہ دیا آپ نے؟

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ اِس خط میں "یہ" سات بار اور "جگہ" ایک بار آیا ہے۔ لیکن لٹکن کے بغیر۔ میں نے اِس کے ساتھ لٹکن لگا دیا ہے۔ کیوں کہ خاں صاحب نے اپنی کتاب اردو املا ۱۹۷۴ء میں لکھی اور اُس کے بعد اُنھوں نے "یہ" کو لٹکن کے بغیر نہیں لکھا۔ یہ خط ۲۲ر فروری ۱۹۶۳ء کا ہے۔

۲ "کیوں کہ"، "مبارک باد" اور "طلسم ہوش ربا" جو خاں صاحب نے اِس خط میں ملا کے لکھے ہیں، میں نے انھیں خاں صاحب کے جدید املا کے مطابق الگ الگ لکھ دیا ہے۔

۳ "اطلاع" کا لفظ تین بار استعمال ہوا ہے بغیر تشدید کے، میں نے اُسے لگا دیا ہے کہ بعد خطوط میں خاں صاحب نے اس کا التزام رکھا ہے۔

۴ خط کے آخر میں نام کی جگہ صرف "رشید حسن" لکھا ہوا ہے، "رشید حسن خاں" نہیں۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا:

Dr. Khaliq Ahmad Khan, officer Cadet No.499

BARRIK No.2, N. C. C. O. P. S, Kamti, NAGPUR

پشت پر مکتوب نگار کا پتا اس طرح لکھا ہے: رشید حسن خاں، 1-B لکھنو روڈ، Delhi-6۔ اِن لینڈ لیٹر ۱۰ پیسے قیمت کا ہے۔

۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا پشت پر یوں درج ہے: مکرمی ڈاکٹر خلیق انجم، انجم لاج، کلاں محل، دہلی-۶۔ اِن لینڈ لیٹر ۱۵ پیسے کا ہے۔

۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط انجمن ترقی اردو (ہند) کے پتے پر لکھا گیا ہے۔

۷ رشید حسن خاں نے تاریخ تحریر خط کے آخر میں لکھی ہے۔ یہ خط کہاں سے اور کس پتے پر لکھا گیا، دونوں تحریر نہیں۔ آگے پیچھے کے خطوط سے اور عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی سے ہی انجم صاحب کے دہلی والے پتے پر ہی لکھا گیا ہے۔

۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۹ مقام اور تاریخ انگریزی میں اوپر درج ہے۔

۱۰ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط اگست کے پہلے ہفتے میں لکھا گیا۔

۱۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۳ تاریخ خط کے اوپر اور نیچے دونوں جگہ درج ہے۔

۱۴ تاریخ خط کے نیچے درج ہے۔ اوپر مقامِ تحریر درج نہیں۔

۱۵ خط پر مقامِ تحریر نہیں اور نہ ہی تاریخ اوپر یا نیچے درج ہے۔ اِس کی تاریخ کا تعین خلیق انجم کے اِس نوٹ سے ہوتا ہے: نوٹ: ''رشید حسن خاں نے ۳ر نومبر ۱۹۸۵ء کو یہ خط مجھے لکھا تھا۔ فیاض محمود صاحب دلّی کے رہنے والے اور فارسی میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ خاں صاحب چاہتے تھے کہ میری بیوی ایک سوئیٹر خرید کر مشفق خواجہ صاحب کی بیوی کو پیش کر دیں۔ مشفق خواجہ صاحب اور اُن کی بیگم کا آج کل میرے گھر پر قیام ہے۔ خلیق انجم، ۴ر نومبر ۱۹۸۵ء''۔

۱۶ مقام اوپر، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۷ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۹ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۰ رشید حسن خاں صاحب مرحوم ''بل کہ'' کو ہمیشہ الگ الگ لکھتے تھے ''بل کہ''، اِن کی تحریر میں ملا ہوا لکھا نظر سے نہیں گزرا، یہ پہلی بار ہے۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔

۲۲ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۳ خط کے اوپر، مقام اور تاریخ درج نہیں ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ آخر میں رشید حسن خاں کے بجائے صرف رشید حسن لکھا ہے۔

۲۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۵ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ تاریخ خاں صاحب کے دستخط کے نیچے آخر میں درج ہے۔ مجھے ''ہماری زبان'' کے آرکائیوز سے جتنے عکس موصول ہوئے ہیں وہ یک طرفہ ہیں، اس لیے مقامِ تحریر اور اصل منزل کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ لیکن خط کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال سے ہی لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ کتابوں کی اشاعت کی منظور کردہ کمیٹی کے خاں صاحب بھی رکن ہیں اور وہ کمیٹی دہلی میں ہے۔

۲۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۸۔ خط کی تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۹۔ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۰۔ خط پر مقام تحریر نہیں (یعنی سرنامے پر) تاریخ نیچے درج ہے۔ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے مراد آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ، جس میں خاں صاحب نے اپنے بیٹے کا چک اَپ کروایا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے ہی لکھا گیا۔

۳۱۔ خط کے سرنامے پر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ پانچ سو کے ہندسے انگریزی میں درج ہیں اور نیچے تاریخ بھی۔

۳۲۔ مقام و تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۳۔ خط کے اوپر مقام تحریر نہیں، تاریخ نیچے اردو میں درج ہے۔ صفحات انگریزی میں تحریر تھے، میں نے انھیں اردو میں لکھ دیا ہے۔

۳۴۔ خط کے اوپر مقام تحریر نہیں ہے، لیکن ۱۲رنومبر ۱۹۸۷ء والے خط کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ دونوں کا مفہوم قریب ایک سا ہے۔ اس خط میں پہلے ۱۶۰ کے ہندسے اردو میں تحریر تھے اور بعد والے انگریزی میں، راقم نے بعد والوں کو بھی اردو میں لکھ دیا۔ تاریخ نیچے اردو میں تحریر ہے۔

۳۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳۷۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے تحریر ہے۔

۳۸۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے تحریر ہے

۳۹۔ تاریخ نیچے تحریر ہے۔

۴۰۔ تاریخ خط کے نیچے تحریر ہے۔

۴۱۔ مقام اور تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۴۲۔ رشید حسن خاں صاحب ہمیشہ ''کوئ'' لکھتے ہیں یاے معروف کا شوشہ نہیں بناتے ہمزہ لگانے کے لیے۔

۴۳۔ تاریخ اوپر تحریر ہے۔

۴۴۔ 'بھائی'' میں یاے معروف کا شوشہ نہیں ہمزہ لگانے کے لیے۔

۴۵۔ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔

۴۶۔ اس خط میں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے اور نیچے اوپر تاریخ بھی درج نہیں ہے۔ خط کی پشت پر تاریخ تحریر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہفت روزہ ہماری زبان کے اردو آرکائیوز میں اِس کے اوپر ۱۸راکتوبر ۱۹۹۹ء تحریر ہے۔

۴۷۔ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔

۴۸ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ خاں صاحب نے اِس خط میں ''بندگی بیچارگی'' یعنی ''بیچارگی'' کو ملا کر لکھا ہے جب کہ بعض جگہ اُنھوں نے اِسے ''بے چارگی'' لکھا ہے۔ راقم نے اُن کے املا کو بدلا نہیں۔

۴۹ تاریخ خط کے اوپر اور نیچے دونوں جگہ تحریر ہے۔

۵۰ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۱ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ اِس خط کی تحریر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن رسائل میں رشید حسن خاں صاحب کے مضامین شائع ہوتے تھے وہ انھیں معاوضہ بھی بھیجا کرتے تھے۔

۵۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۴ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ خاں صاحب کلاسکی ادب کی فرہنگ سے متعلق الفاظ جمع کرنا چاہتے ہیں، خلیق انجم صاحب کے مشورے کے مطابق۔

۵۵،۵۶ ان دونوں خطوط کے عکس ہفت روزہ ہماری زبان دہلی کے ''رشید حسن خاں نمبر'' یکم تا ۲۸ رستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارے کے صفحہ نمبر ۲۷ سے حاصل کیے گئے ہیں۔

۵۷ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۸ خط میں تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیق صاحب اور رشید حسن خاں صاحب شاید ملک سے باہر جا رہے ہیں، جس کے لیے پہلے سے تیاری ہو رہی ہے۔

۵۹ خط میں تاریخ صرف ۱۸ رمئی اوپر تحریر ہے سنہ نہیں لکھا ہے۔ لیکن ہفت روزہ ہماری زبان دہلی کے آرکائیوز کی ترتیب اور نمبر شمار سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط ۶ ردسمبر ۲۰۰۱ء کے بعد لکھا گیا ہے، اِس لیے اِس کا سنہ ۲۰۰۲ء ہونا چاہیے۔ خط کے اوپر خاں صاحب نے شاہ جہان پور کا کوڈ نمبر انگریزی میں لکھا ہے:

State Bankd of India, Town Hall, Code No. 3085, Shahjahan pur

خط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط جلدی میں لکھا گیا ہے۔ تحریر معمول کی تحریر سے بڑی ہے۔ ''شاہ جہان پور'' لکھا ہے۔ یہاں ''جہان'' میں نقطہ نہیں لگایا ہے۔ ۲۸ رمئی ۲۰۰۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈرافٹ خاں صاحب کو ٹھیک ہونے کے بعد مل گیا ہے اس لیے سنہ واقعی ۲۰۰۲ء ہی ہے۔

۶۰ خط کے اوپر صرف تاریخ درج ہے، شاہ جہان پور نام کے نیچے آخر میں تحریر ہے۔ راقم نے مقام کا نام اوپر لکھ دیا ہے اور اُس کے نیچے تاریخ

۶۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۲؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۳؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۴؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۵؎ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔

۶۶؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۷؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۸؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۹؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۷۰؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۷۱؎ خط کے اوپر ماہ و سال اور مقام تحریر نہیں۔ لیکن اگر ۲۸ر مئی ۲۰۰۲ء کے خط کو مدنظر رکھیں تو اِس کی تاریخ ۳۱ر مئی ۲۰۰۲ء ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ اِس میں پہلے والے پیش لفظ کا ذکر ہے جواب مکمل ہو چکا ہے۔ اُنگلیوں کی بے اختیاری سے بعض الفاظ کا املا درست نہیں بن پایا ہے۔ خط کا آخری جملہ دل کو چھونے والا ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا بھی۔

بنام راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر

(۱)

ایف ۳/۴، ماڈل ٹاؤن[۱]
دہلی-۹
۳۱/اکتوبر ۱۹۷۴ء

محبِ مکرّم!

میں شکریہ ادا کرتا ہوں اِس لطفِ خاص کا کہ آپ نے غائبانہ تعارف کو، نصف ملاقات میں بدل دیا اور توقع کرتا ہوں کہ جلد ہی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوگا۔ حسینی شاہد صاحب کا خط بھی آج ملا۔ مقالہ پڑھ رہا ہوں اور غالباً کل پرسوں تک محمد حسن صاحب کے پاس بھجوادوں گا۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے، وہ زبانی عرض کروں گا۔ یادداشت تیار کرلی ہے۔ تحریر میں سب باتیں نہیں آپائیں گی۔ اِس عزّت افزائی کے لیے بھی منّت پذیر ہوں۔

آپ سے ملاقات کرکے واقعی مسرّت ہوگی۔ براہِ کرم مطلع فرمائیے کہ اِس کی صورت کیا ہوگی۔

جواب میں کچھ تاخیر ہوئی، اِس پر معذرت طلب ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: راج بہادر گوڑ
ایف ۳/۴، ماڈل ٹاؤن[۲]
دہلی-۹
۱/مئی ۱۹۷۷ء

محبِ مکرّم!

معلوم ہوا تھا کہ آپ خدانہ کردہ بیمار ہیں، خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔

میں نے اپنی کتاب زبان اور قواعد کی ایک جلد بہ ذریعہ رجسٹری حیدر آباد کے پتے پر بھیجی تھی، اِس کو کئی مہینے ہونے کو آئے، لیکن اُس کی رسید اب تک نہیں ملی۔ ایک کتاب حسینی شاہد صاحب کو بھیجی تھی، رسید وہاں سے بھی نہیں آئی۔ اب میں حیران ہوں کہ رجسٹرڈ پیکٹ اور نہ پہنچا ہو۔

بہ راہِ کرم مطلع فرمایئے کہ کتاب آپ کو ملی یا نہیں۔ اگر حسینی صاحب سے بھی ملاقات ہو تو اُن سے بھی معلوم کر لیجیے گا۔ آپ سے ملاقات کو ایک زمانہ گزر گیا، کیا یہ ممکن نہیں کہ کبھی ملاقات ہو سکے۔ انجمن ترقی اردو وغیرہ کے سلسلے میں بہت سی باتیں کرنا ہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: راج بہادر گوڑ

ٹی سی ۴، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۳]

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۳ ر ستمبر ۱۹۷۷

حضرات!

آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ "۳۰ ر مئی کو دہلی پہنچ رہا ہوں، اس وقت آپ سے ضرور ملوں گا"۔ سو وہ ۳۰ ر مئی گزر گئی، ۳۰ ر جون، ۳۰ ر جولائی، ۳۰ ر اگست اور اب تیرہ ستمبر۔ صاحب! اِسے کیا کہتے ہیں! آپ سے تو اِس اندازِ تُرکانہ کی توقع نہیں تھی۔

میرا اپنا بدل گیا ہے، روٹیاں پکاتے پکاتے تھک گیا تھا، اس لیے کوشش کر کے یونی ورسٹی کے ہوسٹل میں ایک کمرا لے لیا، یہاں بہت آرام ہے۔ یہ ہوسٹل کچھ ایسا دور نہیں، یہاں آپ بہ آسانی آسکتے ہیں۔ اگر فرصت ملے تو ضرور آیئے اور اگر پہلے سے اطلاع دے دیں بہ ذریعہ خط تو خوب ہو، تا کہ ملاقات ضرور ہو۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں، خاص طور پر انجمن ترقی اردو کے سلسلے میں۔ کیا ڈاکٹر حسینی شاہد حیدر آباد ہی میں ہیں؟

چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: راج بہادر گوڑ
ٹی.سی.۹۴، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۴]
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۱/اگست ۱۹۷۸ء

مکرّم بندہ! آداب

روشنائی کا پیش لفظ پہلے ملا تھا اور پھر آپ کا گراں قدر مقالہ موصول ہوا۔ اِس التفاتِ خاص کے لیے منّت پذیر ہوں۔ خط میں تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ اردو زبان والا مقالہ مجھے خاص طور پر پسند آیا۔ آپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اور غیر جذباتی انداز میں گفتگو کی ہے اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے۔ زبان بہت صاف اور شستہ ہے اور خاص بات یہ ہے کہ عام آدمی بھی اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکتا ہے اور مسائل کو سمجھ سکتا ہے مگر اِس کے باوجود، یعنی اِس سادگی کے باوصف، اس کی استدلالی حیثیت اور علمی انداز پر حرف نہیں آنے پایا۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ کار آمد مضمون کسی اور جگہ بھی چھپ جاتا تاکہ زیادہ لوگوں تک پہنچ سکتا۔ صرف ایک بات: ص ۱۷ پر فیضؔ کا جو شعر لکھا گیا ہے، اُس کا دوسرا مصرع درست نہیں، ''وہ بات اُن کو'' ہونا چاہیے، ورنہ مصرع بحر سے خارج ہو جائے گا۔ اور ''گذری ہے'' کی جگہ ''گزری ہے'' ہونا چاہیے۔

روشنائی والا مقدّمہ بھی خوب ہے مگر اُس کے بعض مقامات خاصے بحث طلب ہیں، جب آپ سے ملاقات ہوگی تو زبانی عرض کروں گا۔ خاص طور پر سر سیّد سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے کہ وہ ''مسلمانوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے''۔ یہ بات یوں تو ٹھیک ہے مگر بعض باتوں کی صراحت کے بغیر، یہ سچائی ادھوری رہتی ہے۔ میں نے ایسے مقامات پر نشانات لگا لیے ہیں زبانی گفتگو کے لیے۔

ایک بات بہت کھٹکی: آپ نے بعض کتابوں کے حوالے بالواسطہ دیے ہیں اور وہ کتابیں ایسی ہیں کہ عام طور پر دست یاب ہوتی ہیں اور پھر جو واسطہ اختیار کیا گیا ہے، وہ بجائے خود یوں ہی سا ہے۔ اکثر صاحب زادگانِ والا شان کی تحریروں پر بھروسا نہیں کیا جانا چاہیے۔ یہ لوگ طباعت کے مارے ہوئے ہیں اور انھیں صاحبِ کتاب بننے کا ''ہوکا'' ہو گیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ لکھنے کا ہیضہ ہوا ہے۔ مثلاً ص ۲۵ پر ایک حوالہ ہے عبادت بریلوی کا، شارب کے واسطے سے۔ صاحب! یہ تو بڑا ستم ہے، آپ سے اس کی توقع نہیں تھی، عبادت صاحب کا شمار فضول نگاروں میں کیا جاتا ہے، ان کا قول! اور وہ بھی بالواسطہ!! بہت شکایت ہے آپ سے! مجنوں کی کتابیں ہر جگہ ملتی ہیں، ان کا قول تو بالواسطہ نقل ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ آخر آپ نے یہ کیسے اطمینان کیا کہ عبارت بالکل

صحیح نقل ہوئی ہے اور یہ کہ مجنوں کا مطلب وہی ہے جو ناقل نے سمجھا ہے۔ ''سماج'' کو ہر جگہ مونث لکھا گیا ہے مگر یہ مذکر ہے۔

ص ۲۹ پر وہ مشہور جملہ لکھا گیا ہے جو اصلاً ''غلطِ مشہور'' کے ذیل میں آتا ہے: ''بلندش بغایت بلند و پستش بغایت پست''۔ خدا جانے یہ جملہ اس طرح کیسے مشہور ہوگیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مشہور بہت ہوا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ شیفتہ نے اپنے تذکرے 'گلشنِ بےخار' میں آزردہ کے تذکرے سے ایک قول نقل کیا ہے میر کے بارے میں۔ یعنی آزردہ نے میر کے باب میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ:

''پستش اگرچہ اندک پست است، مگر بلندش بغایت بلند''۔

مجھے اور بھی بعض باتیں عرض کرنا ہیں اس سلسلے میں۔ آپ کی مصروفیتیں آڑے آتی ہیں۔ اگر کسی دن آپ کو فرصت ہو تو مطلع کیجیے گا تاکہ ملاقات ہو سکے اور میں ان مسائل پر مفصل گفتگو کر سکوں۔ آپ کی اِس عنایت کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: راج بہادر گوڑ
ٹی سی ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۳]
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۱ر دسمبر ۱۹۷۸ء

مکرمی!

میں نے اپنی کتاب ادبی تحقیق، امیر عارفی صاحب کے توسط سے ارسال کی ہے۔ کوئی صاحب حیدرآباد جارہے تھے، جو اُن کے شناسا ہی اور حیدرآباد میں اُن کے گھر بھی جائیں گے؛ اُن کے ہاتھ حسینی شاہد صاحب کے لیے ایک جلد اور ایک جلد آپ کے لیے بھیجی گئی ہے۔ خدا کرے کتاب بہ حفاظت پہنچ جائے۔

میرا جی لگا رہے گا۔ براہِ کرم کتاب ملتے ہی اُس کی رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ چشم بہ راہ رہوں گا۔ الکشن مبارک ہو، اور نیا سال بھی۔

رشید حسن خاں

غالباً آپ کی کتاب حسینی شاہد صاحب کے پاس پہنچ گی، ذرا معلوم کر لیجیے گا، اور حسینی صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔ خط وہ لکھتے نہیں، اِس لیے کروں کیا۔

(۶)

بنام: راج بہادر گوڑ
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[6]
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۶/جنوری ۱۹۷۹ء

مکرمی! آداب

ایک خط پہلے ملا تھا اور دوسرا اب ملا۔ منت پذیر ہوں۔ حسینی شاہد صاحب کا خط بھی کل ہی ملا ہے۔ ہمت افزائی کے لیے ممنون ہوں۔ دیوانِ غالب کے مولف تو ادبی شرم وحیا سے بیگانۂ محض ہیں، کیوں کہ ہوس نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں؛ اِس لیے وہ کیا شرمائیں گے۔ وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے زبان اور ادب کو مالِ تجارت کا درجہ دے رکھا ہے اور اِس تجارت میں وہ کام یاب ہیں۔ رہی علمی نیک نامی کی بات، سو اُس کی اُن کو ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہوا ہے کہ اِس تبصرے کے بعد وہ جو مغالطے کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، وہ چھٹ گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ غبارے میں چھید ہوگیا ہے۔ اب وہ دنیاداری میں تو بہت کام یاب ہیں اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس کامیابی کے لیے علم کی نہیں منافقت کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس کی کمی نہیں؛ لیکن خالص علمی سطح پر اُن کا شمار ملمع زدہ مجتہدوں میں کیا جاتا ہے۔ یہی میرا مقصد تھا اور اِس میں مجھے مکمل کامیابی ہوئی ہے۔

اِس کتاب میں ایک وہ مضمون بھی شامل ہے جس کے چھپنے کے بعد سابق صدر شعبہ سے کُٹّی ہوگئی تھی، اخلاقیاتِ تحقیق کے عنوان سے، ذرا اُسے بھی پڑھ ڈالیے۔

آپ سے ملاقات نہیں ہو پاتی، اِس کی شکایت ہے اور بہت زیادہ؛ اِسے اپنی ڈائری میں خاص طور پر نوٹ کر لیجیے۔

میں ۳۱/جنوری کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور ۱۵/فروری کو واپسی ہوگی۔ میری درخواست یہ ہے کہ اگر ۱۵/فروری کے بعد آپ دہلی میں ہوں تو ایک شام میرے لیے محفوظ کر لیجیے۔ کسی بھی دن اور ایک خط کے ذریعے سے مجھے اُس کی اِطلاع دے دیجیے۔ بعض اور احباب کو بھی بلانا چاہتا ہوں۔ کہیے، منظور ہے؟ اگر آپ کو بھی کوئی شرط ہو (ہر بڑے آدمی کی طرح) تو اُسے بھی لکھ دیجیے، اگر چہ میں آپ کو اُس معنی میں بڑا آدمی نہیں سمجھتا۔ شریف آدمی مانتا ہوں، مخلص اور بے ریا۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: راج بہادر گوڑ
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۸ اپریل ۱۹۷۹ء

محبِ مکرم! تسلیم

محبت نامہ ملا تھا۔ مجھے باضابطہ اِطلاع اب ۱۴ اپریل کو ملی ہے، جواب میں تاخیر کی وجہ یہی ہے۔ صاحب! آپ کی مبارک باد میرے لیے اُس رقم سے کہیں زیادہ حیثیت رکھتی ہے، اِس لیے کہ اُس کی حیثیت محض مالی امداد کی ہے اور اِس کی حیثیت ایک ادیب کے جذبے کی اور ادبی انا اِسی کی بھوکی ہوتی ہے۔

بھائی! وہ تبصرہ میری طرف سے تو آپ کے ذمّے ہے۔ اب آپ اگر اُس کتاب کو اپنے لائق نہیں سمجھتے تو یہ دوسری بات ہے۔ اگر آپ کے سوا کسی اور صاحب کا تبصرہ شائع ہوا تو میں یہی سمجھوں گا، میں اِس سلسلے میں ''لین دین'' کا قائل نہیں۔ جینؔ صاحب ریڈیو پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ لوگ سن چکے ہیں، اب وہی چھپے تو تکرارِ محض ہوگی۔ جینؔ صاحب نے خط میں مجھے اِس سے مطلع کیا تھا۔ میں نے آج ہی اُن کو خط لکھا ہے۔ لیکن اِس سلسلے میں نہیں۔ اُسے کہیں اور چھپنے دیجیے اور یہاں شنیدہ کی تکرار کو روا مت رکھیے۔

ہاں بھائی! امیر خسروؔ سے جو کچھ منسوب ہے (ہندوی کلام) اُس کا انتساب قابلِ قبول نہیں، ہرگز نہیں، کوئی قابل سند ابھی تک نہیں ملی ہے۔ ہندوی میں اُنھوں نے کہا ضرور ہے، وہ ہے کہاں، اِس کا احوال معلوم نہیں۔ جو کچھ اُن سے اب منسوب کیا جاتا ہے یا کیا گیا ہے، وہ سب تحقیق کے نقطۂ نظر سے قطعاً قابلِ قبول نہیں۔ یوں لوگ راگ گاتے اور ستار بجاتے رہیں اور ان سب کو امیر خسروؔ کا فیض سمجھتے رہیں۔ عرس اور قوالی میں جو کچھ کہا جاتا ہے یہ بجائے خود دل چسپ ہوتا ہے لیکن عموماً معتبر نہیں ہوتا، اوروں کے لیے ہو، ہمارے آپ کے لیے نہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: راج بہادر گوڑ
ٹی سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۳]
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۷ر جنوری ۱۹۸۰ء

محبِ مکرم! آداب

گرامی نامہ موصول ہوا اور اِس سے معلوم ہوا کہ میں ابھی آپ کے ذہن سے بالکل فراموش نہیں ہوا ہوں، دل میں نہ سہی۔ صاحب! میں تو اِس پر بھی نازاں ہوں کہ آپ جیسے وضع دار اور پُرانے پن کے مارے ہوئے لوگ، اِس قدر وقفے کے بعد بھی یاد کرلیا کریں۔ یہ سعادت بھی کس کے نصیب میں آتی ہے! ایک غیر ترقی پسند کے حصے میں اِس قدر نوازش بھی آجائے تو کم نہیں۔ وہ نصیب کہاں سے لاؤں جو دوسروں کے حصے میں آیا ہے۔ ہائے فانی، کیا رباعی کہی ہے! ذرا چوتھے مصرعے کو دیکھیے گا، کہ جانِ سخن ہے:

عالم بدلا، فضائے عالم بدلی — ہر شے بے اختیار و پیہم بدلی
ہاں اک مری تقدیر، کہ بدلی ہی نہیں — اک میری طبیعت، کہ بہت کم بدلی

گوڑ صاحب! ذرا دیکھیے گا، صائبؔ نے ایک دوسرے انداز سے یہی بات کہی ہے:

در طلب ما بیزباناں، اُمتِ پروانہ ایم
سوختن، از عرضِ مطلب، نزدِ ما آساں تر است

تو صاحب! آپ کے اِس عنایت نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں: کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید۔ اور اِس ادائے سپاس و وظیفۂ شکر گزاری اور اعترافِ افتخار کے ساتھ، غالبؔ کا ہم زبان ہو کر عرض گزار ہوں کہ:

تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو!

آپ نے جمیل جالبی کی تاریخ کا تبصرہ 'اظہار' میں پڑھا، اچھا کیا۔ لیکن میرے مخدوم! میں نے جو اپنی پریشاں نگاری کا مجموعہ ادبی تحقیق کے نام سے پیش کیا تھا؛ اُس میں یہ تبصرہ بعدِ نظرِ ثانی شامل کیا گیا ہے۔ لیکن بات وہی ہے کہ اِس حقیر سراپا تقصیر کی فضول نگاری کو آخر کیوں اِس طرح پڑھا جائے کہ یاد بھی رہے۔ بہ ہر صورت اس تبصرے میں اُن کے لسانی مغالطوں اور اُن کی اسلام زدہ تاریخ دوستی پر ضروری تبصرہ کر دیا گیا تھا۔ چوں کہ یہ کتاب ادب کی تاریخ ہے، زبان کی نہیں؛ اِس لیے زیادہ توجہ ادبی مسائل پر رکھی گئی۔ لسانی حصہ کچھ زیادہ توجہ کا مستحق نہیں۔ بات یہ

ہے کہ پاکستان میں ادب و تہذیب کے مسائل کو جس روشنی میں دیکھا جا رہا ہے، یہ اُس کا لازمی نتیجہ ہے۔ ایک خاص کتاب یا ایک خاص تحریر پر کچھ لکھنے کے بجائے، مناسب صورت یہ ہوگی کہ اِس رجحان پر تفصیل کے ساتھ لکھا جائے، اُس کے ذیل میں بہ طورِ مثال ایسی تحریروں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

میں نے اِس تاریخ پر تبصرہ اِس لیے لکھا کہ ہندستان میں ادب کی کوئی اچھی تاریخ موجود نہیں اور یہاں کے اربابِ علم واشتہار نے کئی جلسوں میں اِس کتاب کا مناقب و فضائل پر نثری قصیدے ایسے پڑھے تھے کہ درباری بھانڈوں اور بھاٹوں کو مات کر دیا تھا۔ خیال یہ کیا گیا کہ طلبہ بے طرح اِس کتاب کے مندرجات سے گمراہ ہوں گے۔ چوں کہ یہ معلوم تھا کوئی دوسرا شخص اِس کتاب پر تبصرہ نہیں لکھے گا، اِس لیے میں نے فرضِ کفایہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔ تماشا یہ ہوا کہ جب تبصرہ چھپا تو یہاں کے بعض اشتہاری ترقی پسندوں نے اِس تبصرے کو بُرا کہا۔ بات یہ ہے کہ اِن سب کو کئی بار کراچی جانا ہے اور لطفِ مہمان نوازی اٹھانا ہے۔ کچھ دماغ خراب ہوا ہے اُن کا کہ محض حق گوئی کی خاطر مستقبل کی ضیافتوں، عنایتوں اور ہر دلعزیزی کو داؤ پر لگائیں۔ کون ہوتا ہے حریفِ مے مردافگنِ عشق!

آپ اگر اِس تلخ بیانی کو پڑھ کر بے مزہ ہوں تو اس کے لیے پیشگی معذرت طلب کیے لیتا ہوں۔ لیکن خیال یہ ہے کہ جب ادبی منافقوں کی سرپرستی اور دل دہی سے آپ دریغ نہیں کرتے، تو ایک رندِ بے پروا خرام اور شوریدہ سر کی پریشاں گفتاری کو بھی گوارا کرلیں گے، مروّتاً سہی۔ اربابِ حیدرآباد میں اِس قدر مروّت اور رواداری تو پائی جاتی ہے۔ یہ وہاں کی تہذیب کا طرّہ ہے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: راج بہادر گوڑ

ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی[۹]

دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷

۱۰ راگست ۱۹۸۲ء

مکرّمی!

یہ خط محض بہ طورِ یاددہانی لکھ رہا ہوں، کیوں کہ آپ ٹھہرے مصروف آدمی۔

یقین ہے کہ حسبِ وعدہ آپ نے اربابِ حیدرآباد سے گفتگو کرلی ہوگی۔ اِس بار ہار نا نہیں

چاہتا ورنہ بڑی رسوائی ہوگی اور اِس سلسلے میں آپ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو پائے گا اور کیا لکھوں! حسینی شاہد صاحب کا خط آیا ہے، میرا نام اُنھی نے تجویز کیا ہے، اب معلوم ہوا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ حیدر آباد۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳ مقام اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۴ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۵ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۶ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔

۷ مقام اور تاریخ اوپر انگریزی میں درج ہیں۔

۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

بنام راجندر بہادر موجؔ

(۱)

شاہ جہان پور
۱۵؍مارچ ۱۹۹۶ء[1]

مُحبّی موج صاحب!

خط ملا، بہت جی خوش ہوا کہ آپ نے یاد رکھا اور یاد کیا۔

آپ کی پُرخلوص یادآوری پر شکر گزار ہوں۔ یہاں بھی میں حسبِ معمول اپنے کام میں مصروف ہوں۔ مثنویاتِ نواب مرزا شوقؔ لکھنوی مرتب کر رہا ہوں۔ گلزارِ نسیم کے بعد اِن مثنویوں کا مرتّب کرنا یوں ضروری تھا کہ اُس عہد کے دو اسالیب سامنے آجائیں۔

خدا آپ کو خوش رکھے، کبھی کبھی خط لکھتے رہیے کہ اِس طرح ربط برقرار رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: راجندر بہادر موج

شاہ جہان پور
۳؍ستمبر ۱۹۹۶ء[2]

مُحبّی! آداب

خط مل گیا۔ شکر گزار ہوں۔ جب نظام ہی بدل گیا تو اب جب تک نئے نظام کا احوال نہ معلوم ہو، کچھ کہنا یا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ فارم رکھ لیا ہے، پھر کام آئے گا۔

اب میں قریشی صاحب سے کیا عرضِ نیاز کروں، آپ کی بات اور تھی، ہر نکتہ مکانے دارد۔

آیندہ نئی کمیٹی میں جب آپ آئیں گے، تبھی کچھ کہوں گا۔ معلوم نہیں اب کون لوگ اور کیسے لوگ آئیں گے۔ اگر معقول لوگ ہوئے تب اُسے بھیجا جائے گا ورنہ نہیں۔

آپ کی وضع داری اور رکھ رکھاؤ کا معترف ہوں اور ممنون۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

جب کوئی قابلِ اطمینان نیا انتظام ہوجائے تو مجھے مطلع ضرور کر دیجیے گا، مجھے تو یہاں کچھ

معلوم نہیں ہو سکے گا۔ اِس لیے آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

حواشی:

۱؂ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۲؂ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

بنام رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر

(۱)

ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷
۲۰ر مارچ ۱۹۸۴ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کی کتاب اور آپ کا خط، دونوں چیزیں اب سے بہت پہلے موصول ہوئی تھیں۔ آپ کی عنایت کا جس قدر شکر گزار ہوں، اُس سے کہیں زیادہ اپنی اِس کوتاہی پر شرمندہ اور معذرت طلب ہوں کہ جوابِ خط اور رسیدِ کتاب بروقت نہیں بھیج سکا۔ آپ نے یاد فرمایا، اِس کے لیے سراپا سپاس ہوں؛ اور جب اِس قدر عنایت کی ہے، تو اب یہ درخواست ہے کہ میری اِس ناشایستہ حرکت پر عفو کی نظر ڈالتے ہوئے، آپ اخلاقِ کریمانہ سے کام لیجیے اور یاد کرتے رہیے۔ اچھے لوگوں کی تو سبھی قدردانی کرتے ہیں، ایسے پُرتقصیر لوگوں کو اپنی وضع داری کی برکت سے محروم نہ رکھنے والے بھی تو کچھ افراد آخر ہونا چاہیے۔

صاحب! میں نے آپ کی اِس کتاب[۱] کو جی لگا کر اور نظر جما کر از اوّل تا آخر پڑھا اور کسی طرح کے تکلّف کے بغیر یہ عرض کرتا ہوں کہ اِسے قدرِ اوّل کا کام پایا۔ آپ نے جزئیات پر جس طرح توجہ مبذول کی ہے اور اِس سلسلے میں جس اہتمام کو ملحوظ رکھا ہے، اب وہ کم یاب ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے متن کے تقابل کے سلسلے میں آپ نے املا کے متعلقات پر پوری طرح توجہ کی ہے، اور یہ پہلو ایسا ہے، جو اب تک محرومِ توجہ رہا ہے۔ جس دیدہ ریزی اور باریک بینی کے ساتھ آپ نے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، اور رموزِ اوقاف پر نظر ڈالی ہے، وہ ایک مثال کی حیثیت سے پیش کیے جانے کے قابل ہے۔ مثال کے طور پر ص ۳۴ پر [۵] اور [۶] کے اضافوں پر جس طرح آپ نے نظر رکھی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ''حسینؓ'' اور ''حسینؑ'' میں بہت بڑا مخصوص فرق ہے، جس کی طرف عام آدمی کی توجہ عموماً مبذول نہیں ہو پاتی (بہت سے خواص کا بھی یہی احوال ہے) یا مثلاً ص ۴۹ پر املا سے متعلق جو بحث کی گئی ہے، وہ ہمارے مرتّبین کے پڑھنے کی

چیز ہے۔ یا مثلاً ص ۱۵ پر جن چھوٹی چھوٹی جزئیات کی نشان دہی کی گئی ہے (مثلاً ''ناپائدار'' اور ''ناپایدار'' یا دروازہ اور دروازے) اُن کی حیثیت جس قدر اہم ہے، اُسی قدر لوگ اِن سے ناآشنا ہیں اور ان کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے، یا مثلاً اسرار و رموز کے مختلف اڈیشنوں کا جس طرح تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور ایک ایک حرف اور حرکت اور علامت کا تعین کیا گیا ہے، اِس کی مثال آپ کی اِس کتاب سے پہلے مجھے تو کہیں ملتی نہیں۔ یا مثلاً ص ۲۳۸ پر ''محمدؐ اقبال'' اور ''محمد اقبال'' کے نازک فرق کو ملحوظ رکھنا۔

غرض کہ آپ کی یہ کتاب تدوین کے طلبہ کے لیے خاص حیثیت رکھتی ہے (اقبالیات کے ذخیرے میں اضافہ تو خیر ہے ہی) میں اگر اِس کتاب کے مطالعے سے محروم رہتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ اِس پر تاسف ہے کہ اب تک کیوں نہیں اِسے پڑھ سکا تھا اور آپ کا بہ طورِ خاص ممنون ہوں کہ آپ کی کرم فرمائی نے مجھے اِس کے مطالعے کا موقع بخشا۔

مجھے آپ کی اُس تجویز سے مکمل اتفاق ہے جو ص ۲۷۵ پر آپ نے پیش کی ہے، لیکن اِس میں شک ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اِس کام کو انجام دینا پسند کرے گا! تحقیقی اور تدوینی کام یوں بھی بہت اچھے اب نہیں ہو پا رہے ہیں، اِس لیے کہ جس انہماک کی ضرورت ہوتی ہے اِن کے لیے، وہ عنقا ہو گیا ہے۔ لوگ ''کثیر المقاصد'' بنتے جا رہے ہیں، اور تحقیق ترک کو قبول کرتی نہیں۔ پھر بھی عرضِ تمنا کرتے رہنا چاہیے، شاید آ جائے کوئی آبلہ پا۔ میں تصوّف کے بہت خلاف ہوں، لیکن اِس میں ترکِ دنیا کا جو تصوّر ہے، اُسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں؛ مگر میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے!! ترقی اردو بورڈ کراچی نے جو لغت شائع کیا ہے، اُسے دیکھنے کے بعد میرا تو ایمان اُٹھ گیا ہے اب کارکردگی پر سے۔ (اظہار [بمبئی] کے تازہ شمارے میں میں نے اِس کی پہلی جلد پر تبصرہ کیا ہے؛ یہ مختصر ہے، لیکن عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے)۔

بھائی! مجھے اپنا دعا گو سمجھیے اور اپنی کرم فرمائیوں سے محروم نہ رکھیے اور میری کوتاہی پر نہ جائیے، آپ کو اپنی معقولیت کی قسم! میں یہاں بہت سی اُلجھنوں میں گھرا رہتا ہوں، اُن کی تفصیل کیا عرض کروں۔

اور ہاں، یہ آپ ''ایڈیشن'' کیوں لکھتے ہیں؟ ''اڈیشن'' لکھنا چاہیے۔ ع کے لیے ''اِ'' کافی ہے۔ اگر زَ ہوتا، تب ''اِی'' لکھتے۔ چوں کہ آپ صحتِ املا پر نظر رکھتے ہیں، اِس لیے یہ عرض کیا گیا۔ اِسے اعتراض نہ سمجھا جائے، محض عرضِ نیاز ہے۔

اگر میرے کرم فرما وحید قریشی صاحب سے ملاقات ہو تو میری طرف سے سلامِ نیاز ضرور پیش کر دیجیے گا۔ اُن کو بھی ایک خط لکھنا چاہتا ہوں، دنوں سے ارادہ کر رہا ہوں۔ بھائی! اب اگر آپ

اِس خط کے جواب میں خط نہیں لکھیں گے، تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے میری غیر مشروط معذرت قبول نہیں کی؛ جب کہ اہلِ کمال اور اربابِ اخلاق ایسے موقعوں پر درگزر سے کام لینا مناسب سمجھا کرتے ہیں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۶/ اگست ۱۹۸۷ء

مُحبِ مکرّم!

خط آپ کا مل گیا، شکریہ۔ اُس دن واقعی آپ کا دیر تک انتظار رہا۔

میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور، ورنہ آپ لازماً آتے۔ آخر آپ نے اِس قدر مجاہدۂ نفس کیوں اختیار کر رکھا ہے کہ صحت کا یہ احوال ہے۔ ویسے بھی آپ مولوی اور صوفی کی بالکل ضد نظر آتے ہیں۔ بھائی! ذرا صحت کی طرف توجہ کیجیے۔ صحیح املا ''سمینار'' (س م ی ن ا ر) ہے۔

سہیل بخاری صاحب کے یہاں سے اگر کچھ اطلاع ملی ہو تو مطلع فرمایئے۔ چشم بہ راہ ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، مجھے صرف اُس نسخے کے آخری صفحوں کے عکس کی ضرورت ہے جن میں گل کرسٹ کا پیش لفظ ہے۔ یہ انگریزی میں ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے، اُس میں پیش لفظ کا صرف ایک صفحہ ہے، باقی صفحے (دو یا تین، اندازاً) غائب ہیں۔

آپ سے بہت سی باتیں نہ کر پانے کا واقعی افسوس ہے۔ دیکھیے اِس کی تلافی کی صورت کب نکلتی ہے۔

خدا کرے اب آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳؍جولائی ۱۹۸۹ء

حضورِ والا!

آپ کہاں ہیں؟ کچھ خیر خبر نہیں ملی ہے دنوں سے۔

ایک صاحب اُدھر جا رہے ہیں، اپنی پریشان نقادیوں کا مجموعہ آپ کے لیے بھیج رہا ہوں، کچھ وقت خراب کر ہی ڈالیے۔ ایک کتاب تحسین فراقی صاحب کے لیے ہے، میری خاطر زحمت گوارا فرما کر یہ کسی طرح اُن تک پہنچوا دیجیے۔ اگر آپ اِس کتاب کی رسید بھیج دیں گے، تو مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ کتاب آپ تک پہنچ گئی۔[۵]

ایک بات اور: میں نے اکرام[۶] چغتائی صاحب کے لیے ایک کتاب بھیجی تھی (ایک بچّی شیما مجید کے ہاتھ) پھر ایک خط ڈاک سے بھیجا؛ کسی کا جواب نہیں ملا۔ کیا وہ آج کل وہاں موجود نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کسی طرح اُن تک میری شکایت پہنچا دیں، اگر وہ وہاں موجود ہوں۔ اِس بہانے آپ اپنی خیریت سے بھی مجھے مطلع کر دیں گے، یعنی بیک کرشمہ دو کاز۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۵؍ستمبر ۱۹۹۲ء

ہاشمی صاحب مکرّم! سلامِ مسنون

لفافہ ملا۔ تصویریں واقعی بہت اچھی ہیں۔ اِس لطفِ خاص کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ایک معاملے میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میری غفلت کی بنا پر وہ نقل گم ہو گئی۔ بہت تلاش کیا اُسے، ملی نہیں۔ اِس کا مجھے بہت افسوس ہے اور اِس سلسلے میں آپ جو سزا تجویز کریں گے، میں اُسے بہ خوشی قبول کر لوں گا۔[۷]

ایک صورت اِس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ مختلف ذیلی عنوانات تجویز کر کے ایک پرچے پر لکھ دیں اور مجھے بھیج دیں اور میں فی الفور، ذرا سی بھی تاخیر کے بغیر ان عنوانات کے تحت اپنے

خیالات نسبتاً تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیج دوں گا۔ یہ ایک طرح کا انٹرویو ہو جائے گا اور اس کا بدل[۸]

ازراہِ لطف میری معذرت قبول فرمایئے اور مژدۂ قبولیت سے مجھے بھی اطلاع بخشیے۔

اور ہاں، وہ فسانۂ عجائب اور باغ و بہار پر آپ نے ایک تعارفی تحریر لکھنے کا وعدہ کیا تھا، وہ اگر ایفا ہو جائے تو ممنون ہوں گا۔ اُسے آپ سیارہ میں یا کہیں اور دے سکتے ہیں۔[۹]

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
ٹی .سی .۹، گائز ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۴/اپریل ۱۹۹۵ء

مُحبِ مکرّم!

۷/مارچ کا خط ملا تھا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔ گلزارِ نسیم شاید مئی کے آخر تک چھپ سکے۔ آج ہی میں نے جاوید طفیل[۱۰] صاحب کو خط لکھا ہے اور رجسٹری سے بھیجا ہے۔ اگر اُن کا جواب آیا اور وہ متفق ہوئے تو کتابت شدہ صفحے فوری طور پر اُن کو بھیج دوں گا۔ آپ بھی بات کر لیجیے گا۔

ارے بھائی! یہ صابر کلوروی[۱۱] صاحب تو بالکل سیاسی لیڈروں کے انداز کے آدمی نکلے۔ کہاں تو فرمایش تھی کہ کتاب چھاپیں گے اور اب یہ احوال ہے کہ کچھ بولتے ہی نہیں۔ خوب لوگ ہیں یہ بھی!

اگر اقدار والا مضمون کسی رسالے میں آپ چھپوا سکیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، تو خوب ہو، مجھے اس سے مطلع کیجیے گا۔

املا اور انشا والی کتاب کے مسودے کی تصحیح کر کے سال بھر پہلے میں جاوید صاحب کو بھیج چکا ہوں۔ اب وہ جب بھی چھاپیں اور چھاپیں یا نہ چھاپیں۔

سیارہ کا اقبال نمبر حصۂ دوم بہ قولِ غالب "چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم"۔ اب کے سال نامہ میرے پاس نہیں آیا۔ خیر، میں خود کون سا تیز قلم ہوں، اُن کے لیے کچھ لکھا ہی نہیں، لیکن صدیقی صاحب محترم کی وضع داری پر اعتماد تھا اور ہے۔

صاحبِ من! اِس بار خط ذرا جلد لکھ دیجیے، تا کہ تشویش رفع ہو۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
۱۶۷- باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور (یوپی)
پن: ۲۴۲۰۰۱
۱۹راگست ۱۹۹۶ء

حضرت سلامت!

اورنگ زیب[۱۲] عالم گیر صاحب کا بھیجا ہوا ایک پیکٹ ملا۔ اُس میں کلیاتِ اقبال کے عکس بھی تھے۔مگر میری آنکھیں اُس ''خاص الخاص اڈیشن'' سے روشن نہیں ہوسکی ہیں جس کی مجلسِ مشاورت میں میں بھی ہوں۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔کیا آپ میری سفارش وحید قریشی صاحب سے کرسکتے ہیں کہ اُس اڈیشن (کلّیاتِ فارسی واردو) کا وہ نسخہ مجھے بھی ملنا چاہیے جسے نئے اہتمام کے ساتھ اور ترمیموں کے ساتھ دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ یہ تو گویا ایک نیا اڈیشن بن گیا ہے۔ ہاشمی صاحب! کسی طرح اِسے بھجوایئے، کچھ کیجیے۔[۱۳]

آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہے، مگر کیا کروں، سمینار آپ کا ملتوی[۱۴] ہوگیا۔ کچھ اُس سلسلے میں بھی کیجیے تا کہ ملاقات کی صورت تو نکلے۔ میں نے اِس دوران یعنی گلزارِ نسیم کے بعد مثنویات نواب مرزا شوق لکھنوی (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) کو مرتب کرلیا۔کتابت بھی تقریباً مکمل ہوگئی ہے۔ اِس سال کے اواخر تک چھپ سکے گی۔ آپ کے پاس پہنچے گی۔ گلزارِ نسیم تو آپ کو مل چکی ہے نا؟

اب اسی ماہ سے سحرالبیان کا کام شروع کیا ہے۔اس کے بعد ہانسوی کی غرائب اللغات کو مرتب کروں گا۔[۱۵] اگر آپ ضروری سمجھیں تو اِس صفحے کا آخری ٹکڑا وحید قریشی کو بھیج سکتے ہیں، مگر آپ کی زبانی سفارش بھی ضروری ہے۔ ڈاک سے کتابیں آ جا رہی ہیں۔

آپ کا نیاز مند
رشید حسن خاں[۱۶]

(۷)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۲۵ر دسمبر ۱۹۹۹ء

مُحبِ مکرّم!

آپ کا بھیجا ہوا تحفۂ خلوص مل گیا تھا، رسید میں ذرا سی تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ آپ نے کیسی گراں اور کتاب کا انتساب کیسے بیچ میرزا کے نام کیا ہے! یہ محض آپ کا بے پایاں خلوص ہے اور ذرہ نوازی ہے کہ مجھے اِس شرف کا حق دار سمجھا۔ شکریہ کیا ادا کروں، اِس نقش کو دل پر مرتسم کرلیا ہے۔ خداے پاک آپ کو خوش رکھے اور مجھے توفیق عطا فرمائے کہ جس قدر افزائی کا شرف آپ نے بخشا ہے، اُس کا اہل اپنے کو ثابت کرسکوں۔[۱۸]

سحرالبیان تو مکمل ہوگئی تھی کئی مہینے پہلے، ناشر ابھی اُسے چھاپنے کے لیے آمادہ نہیں، اگلے سال چھاپیں گے۔ اِس دوران املاے غالب کے نام سے ایک کتاب مرتب کرلی ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی دستی تحریروں سے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ وہ کس لفظ کو کیسے لکھتے تھے اور پھر ضروری توضیحات لکھی گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اِسے ضرور پسند کریں گے۔ یہ کتاب چھپنے چلی گئی ہے۔ چار چھے ماہ میں آجائے گی۔

آج کل ٹھگوں کی زبان کا لُغت مرتب کررہا ہوں۔ یہ بہت دل چسپ کام ہے۔ چوں کہ اب ادبی ٹھگ بڑھ گئے ہیں، یوں اِس کام کی معنویت روشن ہوسکے گی۔ ٹھگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اُن کے مرشدِ اعلا حضرت نظام الدین اولیا ہیں، کہ وہ بھی شروع میں ٹھگی کرتے تھے (معاذاللہ) بُرا کام اپنے جواز کے لیے کیسے پہلو تراشتا ہے! مگر اُن کے جو نام لیوا اب ہیں دہلی وغیرہ میں، اُن کو دیکھ کر تو اِس روایت پر ایمان لانے کو جی چاہتا ہے؛ اِس سے تو آپ بھی اتفاق کریں گے۔

ہاں صاحب! کرنل سلیمن انسدادِ ٹھگی کا انچارج تھا، اُس کی ایک کتاب ہے **Ramaseeana** (رامسیانا) یہ ٹھگی کا لُغت ہے اُس نے یہی نام رکھا کتاب کا۔ عمدہ کتاب ہے۔ میں یہ زحمت دینا چاہتا ہوں کہ ذرا یہ معلوم کردیجیے کہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتاب خانے میں یہ کتاب موجود ہے؟ عکس میں بعد کو منگالوں گا اپنے طور پر، یا مشفق خواجہ سے کہوں گا۔ پہلے معلوم ہوجائے۔ یہ یہاں ہاتھ نہیں آئی ہے اب تک[۱۹]۔ مجھے آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

بہت ممنون ہوں اور شکر گزار۔

رشید حسن خاں[۲۰]

(۸)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۹/اپریل ۲۰۰۱ء[۲۱]

محبِ مکرّم حضرت مولانا و بالفضلِ اَولانا (اولیٰنا)! اِس گناہ گار، پریشان احوال، دور اُفتادہ باجسم نزار، نیاز مندِ باوفا و خیر خواہِ باصفا کا سلام قبول ہو۔ یہ شخص بروقت عدم تعمیلِ فرمایش پر شرمسار اور سرافگندہ ہے؛ اگر خوے کریمانہ سے کام لے کر اِس کی معذرت قبول ہو تو آپ ثوابِ دارین کے مستحق قرار پائیں گے اور یہ شخص آپ کا منّت پذیر ہوگا اور شکر گزار۔ یہ شخص اِس بات کو بھی تسلیم کرے گا کہ مولوی صاحبان کیسے ہی ہوں (جیسے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے) مگر مولانا صاحبان، خاص کر ہمارے مولانا صاحب عفوو درگذر کو معمولِ خداوندی مانتے ہیں اور اِس معاملے میں نہ بخیل ہیں نہ کفایت شعار۔[۲۲]

طبیعت میری آج کل دو چار ماہ سے تولہ ماشہ رہتی ہے، یوں بروقت تعمیلِ حکم نہ ہو سکی۔ منفعل ہوں اور شرمسار۔ پھر یہ بھی چاہتا تھا کہ استاذ الاساتذہ کے یادنامے میں کسی ایسے موضوع کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہو جس پر یا تو کم لکھا گیا ہو یا اچھی طرح نہ لکھا گیا ہو اور وہ موضوع تحقیق کے نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت بھی رکھتا ہو۔ اب فیصلہ تو آپ کریں گے۔ اگر یہ بعد از وقت آپ کے پاس پہنچے، تو ازراہِ لطف اِسے احتیاط کے ساتھ واپس کر دیا جائے، یوں کہ اِس کی نقل میرے پاس نہیں۔

اِسی لفافے میں ایک اور چیز بھی بھیج رہا ہوں۔ حیدر آباد دکن کے ایک عربی النسل خاندان کے ایک عالم نے اقبال کے شکوے کا عربی[۲۳] ترجمہ کیا تھا۔ کمال یہ کیا کہ عربی میں بحر وہی رکھی جو اردو کی ہے۔ میرے لیے یہ نہایت دل چسپ چیز ہے۔ پروفیسر لئیق صلاح صاحبہ (سابق صدرِ شعبۂ اردو گلبرگا[۲۴] یونی ورسٹی، آندھرا پردیش) کے خاندان سے ناظم یا مترجم (جو بھی کہیے) تعلّق رکھتے تھے۔ اُنھی سے یہ مجھے ملا ہے اور ضرورت پڑنے پر وہ ضروری معلومات فراہم کرسکتی ہیں۔ یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ایک اقبال شناس سے بڑھ کر اِس کا قدر دان اور کون ہوگا۔ اگر یہ وہاں کے کسی عربی یا اقبالیات سے متعلق کسی رسالے میں شائع ہو سکے تو خوب ہو، کہ اِس طرح محفوظ ہو جائے گا۔[۲۵]

اب میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ یہ میری درخواست ہے کہ رسید سے فی الفور نوازا جاؤں۔ املاے غالب تو اب تک آپ کو مل چکی ہوگی۔ اُس کی رسید سے بھی سرفراز کیا جاؤں۔ فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
شاہ جہان پور
۳۱ رجولائی ۲۰۰۵ء[۲۶]

مُحبِّ مکرّم!

کتاب مل گئی،[۲۷] ممنون ہوں۔ پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ لیکن آپ نے یہ دیکھا کہ وحید قریشی صاحب نے کیا لکھا ہے: ''تدوین کا کام دفتری عملے نے انجام دیا اور اُنھی پر اِس کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے''۔ یہ بھی لکھا ہے: ''میرے زمانے میں چار اڈیشن شائع ہوئے''۔ ارے صاحب! جب دفتری عملے نے کام انجام دیا تھا تو آپ کو تو ایک اڈیشن کو بھی شائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آج تک ایسا کہیں نہیں ہوا ہوگا کہ اتنے بڑے ادارے میں تدوینِ متن کا کام ''دفتری عملہ'' انجام دے اور ناظم صاحبان تنخواہ لیتے رہیں اور صاد کرتے رہیں! یاللعجب!!

بھائی! حیدری صاحب والے معاملے میں میں آپ سے متفق نہیں۔ یہ میری قطعی رائے ہے کہ ''حیدری'' سے اقبال کی مراد سر اکبر حیدری ہی ہیں، ورنہ کسی دوسرے حیدری کو تلاش کرنا ہوگا جو ابھی تک تو ملا نہیں۔ اور ہاں ''میر انیس اور علامہ اقبال'' والے مضمون میں یہ جملہ پڑھ کر دیر تک وجد کا عالم طاری رہا: ''لکھنؤ کے خوش مزاج اِس اعتبار سے بے نصیب رہے کہ وہ مرثیے کے مثالی کرداروں سے رونے کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکے''۔ واہ واہ، سبحان اللہ! اور ''خوش مزاج'' کی بلیغ معنویت بھی داد سے مستغنی ہے۔[۲۸]

معین صاحب سے متعلق کتاب بھی مل گئی۔ شکر گزار ہوں۔ اگر اِس کتاب پر بھیجنے والے کا نام بھی ہوتا تو شکریے کا خط اُن صاحب کو لکھتا، یوں آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔

میرا پیکٹ مل گیا، اطمینان ہوا۔ اس میں ۵ پرانی تحریریں تھیں۔ میرے لیے اب یہ سب بے کار[۲۹] ہیں، آپ رکھنا چاہیں تو رکھیں، ورنہ ردی کی ٹوکری کے حوالے کیجیے۔[۳۰] ایسی اور تحریریں بھی ہیں۔ میرے لیے ایسی سب تحریریں اب غیر ضروری اور فضول اشیا کے ذیل میں رکھے جانے کے لائق ہیں۔ تھا وہ ایک زمانہ۔

آپ نے پچھلے خط میں اطہر فاروقی کا پتا پوچھا تھا۔ اب یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنے خط میں لکھا تھا یا نہیں۔ بہ ہر طور، اب لکھتا ہوں۔

ڈاکٹر اطہر فاروقی
C/o Dr/ Arjumand Ara, H-3, Teachers Transit Hostel
Mukarjee Nagar, Delhi-110009

ارجمند آرا، اطہر کی بیگم کا نام ہے۔ یہ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہیں۔ آپ نے دنوں سے خط نہیں لکھا، اب تو لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور
۱۲ر ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرم!

مکتوب مرقومہ ۲۹ر اگست مجھے کل ملا، شکریہ۔

مجموعے کا آخری اڈیشن، یعنی حیاتِ اقبال کا آخری اڈیشن ہو یا اُن کے انتقال کے بعد پہلی بار شائع ہوا ہو، متن کی بنیاد اُس کو بنایا جائے گا۔ مثلاً ضربِ کلیم کا ۱۹۳۶ء والا اڈیشن اور ارمغانِ حجاز کا نومبر ۱۹۳۸ء کا اڈیشن۔ (۲) کتابت کے دو پروف میں پڑھوں گا اور تیسرا پروف (فائنل پروف) آپ پڑھیں گے، اِس طرح اگر کوئی تصحیح طلب بات ہوگی تو آپ اُس کی نشان دہی کر دیں گے اور یہاں اُس کی درستی ہو جائے گی۔

(۳) ہاں یہ بتانا ہوگا کہ یہ نظم، غزل کس زمانے کی ہے اور پہلے اِس کا عنوان کیا تھا۔ اور اگر کوئی بڑی تبدیلی کی گئی ہو (مثلاً نظم کو غزل بنا دیا گیا، وغیرہ) اِس کی نشان دہی بھی کی جائے گی۔

(۴) باغ و بہار ، فسانۂ عجائب کلاسکی متن ہیں۔ یوں اُن کے لسانی مسائل بھی بہت ہیں، کلامِ اقبال سے یہ مسائل غیر متعلق ہیں؛ اِس بنا پر جیسے ضمیمے اُن متون میں شامل کیے گئے، وہ ضمیمے یہاں نہیں ہوں گے، اُن کی نہ گنجایش ہے نہ ضرورت۔ ہاں ضروری حواشی شامل کرنا ہوں گے، ایسے حواشی جو بہت ضروری ہیں۔

(۵) شعر کی ابتدائی شکل بتانا ضروری نہیں، ہاں صرف اہم تبدیلیوں کو شامل کرنا مناسب ہوگا۔ ضروری مقامات پر آپ اپنے یا کسی کے کسی مضمون کا حوالہ دے سکتے ہیں کہ مزید تفصیل وہاں دیکھی جائے۔ اِس مجوزہ کلیات کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو، اِس کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا۔ چوں کہ شروعات ارمغانِ حجاز کے اردو حصے سے ہوگی اور وہ نسبتاً مختصر ہے، اِس لیے اِس متن کے حواشی سے دوسرے مجموعوں کے حواشی کے انداز کا بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا اور فیصلہ کرنے میں آسانی

ہوگی۔

(۶) جو کلام اقبال نے شاملِ مجموعہ نہیں کیا، لیکن وہ اقبال میوزیم میں محفوظ ہے، ضمیمے میں اُسے ضرور شامل کیا جائے گا، غیر ضروری تفصیل کے بغیر۔

دیکھیے پیر جی مکرّم! صحت میری بھی نا قابلِ اعتبار ہے، زیادہ وقت اور فرصت میرے پاس بھی نہیں، معلوم نہیں کب بُلاوا آجائے، اِس لیے تدوین میں معیار کے ساتھ ساتھ عملی پہلو کو بھی ہمیں دونوں کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ یہ میری دلی خواہش ہے اور آپ اس میں شریکِ غالب کی حیثیت رکھتے ہیں کہ یہ کلیات مرتب ضرور ہو اور شائع بھی ہو؛ یہ گویا ہندستان اور پاکستان، دونوں ملکوں کی طرف سے اعتراف نامہ ہوگا اور اِس کی ایک طرح سے تاریخی حیثیت ہوگی، یوں اِس کام کو بہ ہر طور مکمل کرنا ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر شروع کردیجیے کام کو، میں یہاں ارمغانِ حجاز (حصّۂ اردو) کا متن مکمل کروں اور اُس کی کمپوزنگ ہو اور وہاں آپ اُس کے حواشی لکھیں۔ مکمل کام اِس طرح جلدی ہوگا۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، دوبارہ کاپیاں میں پڑھوں گا اور اُن کی تصحیح بنوا کر فائنل منظوری کے لیے اُنھیں آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ جب آپ دیکھ لیں گے اور مطمئن ہوں گے، تب اُس حصّے کو مکمل مانا جائے گا۔ اِسی طرح بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی ترتیب و تصحیح ہوگی۔ ارمغانِ حجاز مختصر ہے یوں ہم دونوں کو عملی صورتِ حال کا شروع ہی میں بہ خوبی اندازہ ہوجائے گا اور پھر اُسی کو مثال بنا کر دوسرے حصّے مکمل کیے جائیں گے۔

ارمغانِ حجاز اشاعتِ ۱۹۳۶ء کے عکس اور اُس کے متن سے متعلق کاغذات کا منتظر ہوں تاکہ جلد از جلد کام شروع کرسکوں۔ جب متن مکمل کرلوں گا تو کمپوزنگ کے لیے بھیجنے سے پہلے آپ سے مشورہ کروں گا اور آپ کی منظوری اور اطمینان کے بعد یہاں کمپوزنگ شروع ہوگی۔

ہاں صاحب! آپ نے ۲۰۰۴ء کے کلیاتِ اقبال (اقبال اکیڈمی) کا حوالہ دیا ہے۔ اُسے میں نے نہیں دیکھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ حصّۂ اردو وہ لوگ اپنے صرف پر میرے نام بھیج دیں۔ آخر "مجلسِ مشاورت" کے ایک ممبر کا اتنا حق تو ہوتا ہے۔ آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں گے۔

چشم براہ ہوں

رشید حسن خاں[۳۲]

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور

۲۶/اکتوبر ۲۰۰۵ء[۳۳]

مُحبِ مکرم!

کل آپ کا بھیجا ہوا پیکٹ ملا جس میں ضربِ کلیم اشاعتِ اوّل کا ایک نسخہ تھا اور چند مطبوعہ خط اِس اہتمام اور زحمت فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں۔ آج یہاں اکیسواں روزہ ہے، میری طرف سے عید کی پیشگی مبارک باد قبول فرمایئے؛ جب تک یہ خط آپ کے پاس پہنچے گا، عید بھی بس آ ہی چکی ہوگی انشاء اللہ! صحت آپ کی کیسی ہے آج کل؟ توقع کرتا ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوگا۔ خیال میرا یہ ہے کہ آپ پرہیز بہت کرتے ہیں (یہاں ''پرہیز'' کثیر الجہات لفظ کے طور پر آیا ہے) اور یہی آدھی پریشانیوں کا اصلی سبب ہے۔ احتیاط میں بھی کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دیتا ہوں؛ مگر آپ میری بات کیوں ماننے لگے! خیر، آپ اچھے رہیں بس یہی میری تمنا ہے۔

اب میری درخواست یہ ہے کہ بعدِ عید آپ ارمغانِ حجاز کے حواشی لکھنا شروع کر دیجیے، میں بھی عید کے تیسرے دن سے باضابطہ آغازِ کار کروں گا۔ حواشی مختصر ہوں اور ضروری ہوں اور بس۔ اشعار میں جو تلمیحات آئی ہیں اور نام آئے ہیں یا مصرعے اور شعر منقول ہیں، اُن کی تخریج میں کرلوں گا اور پھر آپ کے پاس بھیج دوں گا۔

ایک فی الوقت غیر متعلق بات: ضربِ کلیم اشاعتِ اوّل کے سنہِ اشاعت موجود نہیں۔ آپ نے اپنی کتاب تصانیفِ اقبال میں ص ۳۵ پر اشاعتِ اوّل کے سنہ کے لیے حاشیے پر دو حوالے دیے ہیں؛ میری رائے میں اب جب اِس کے حواشی لکھیں تو متعلقہ مقامات کی عبارتوں کو ضرور نقل کر دیجیے گا، کیوں کہ اقبال نامہ اور خطوطِ اقبال سب کے پاس تو ہوں گی نہیں۔ (اوروں کو کیا کہوں، میرے ہی پاس نہیں)۔ یہ ضمنی بات ہوئی۔

جب آپ ارمغانِ حجاز (حصّہ اردو) کے حواشی لکھ لیں تو اُن کی نقل میرے پاس بھیج دیجیے گا۔ تو اب یہ طے ہو گیا کہ عید کے تیسرے چوتھے دن سے کام شروع ہو جائے گا یہاں بھی اور وہاں بھی وما توفیقی اِلا باللہ!

پُرسانِ حال کو (بالفرض اگر کوئی ہو) واجبات۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

شاہ جہان پور
۶ ردسمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرم!

مکتوب مرقومہ ۲۴ رنومبر موصول: ہوا، شکریہ۔

بھائی! ہم آپ دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ سردی کا موسم مجھے راس نہیں آتا، یہ پرانی بات ہے۔ اب پچھلے مہینے کے اواخر سے احوال یہ ہے کہ سر جھکا کر ذرا دیر بھی نہیں بیٹھ سکتا، ریزش، چھینکیں اور آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ لکھنا پڑھنا سب بند ہے۔ آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں، اِدھر بھی وہی احوال ہے جو اُدھر ہے۔ اب تو مہینا ڈیڑھ مہینا تعطل کی نذر ہو ہی جائے گا اور میرا خیال ہے کہ تب تک آپ بھی صحت یاب ہو جائیں گے انشاء اللہ! اقبال والا کام، دوسرے کاموں کے ساتھ رُکا ہوا ہے، یوں آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ موسم سنبھل جائے گا تو کچھ ہو سکے گا، فی الحال آرام۔ آپ ۶۵ برس کے ہیں، دسمبر میں میں نے اسّی برس پورے کر لیے۔ اب جتنا بھی کام ہو سکے غنیمت ہے۔ زیادہ کی توقع اب کرنا ہی نہیں چاہیے؛ بس ارادہ مضبوط رہنا چاہیے اور وہ ہے میرا بھی اور آپ کا بھی۔ پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہاں، میں نے غرائب اللغات والا کام مستقلاً ملتوی کر دیا ہے۔ اِس پر پھر گفتگو ہوگی۔

خدا کرے اب آپ پہلے سے بہتر ہوں اور جلد تر مکمل طور پر ہشاش بشاش ہو جائیں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ کتاب ''تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ'' اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۲ء، دوم ۲۰۰۱ء، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا PhD کا مقالہ ہے۔

۲۔ ڈاکٹر وحید قریشی (پ ۱۴ فروری ۱۹۲۵ء) سابق غالب پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، پرنسپل اورینٹل کالج لاہور اور فیکلٹی ڈین پنجاب یونی ورسٹی۔ سابق صدر نشیں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔ سابق ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔ حال پروفیسر.....ھ جی سی یونی ورسٹی لاہور و ناظم پاکستان اردو اکادمی لاہور۔ استادِ محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ (بحوالہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی) خط پر پتا اس طرح تحریر ہے: جناب رفیع الدین ہاشمی، شعبۂ اردو، جامعۂ پنجاب اورینٹل کالج، لاہور (پاکستان)۔

۳۔ خاں صاحب، ڈاکٹر خلیق انجم کے ساتھ لاہور آئے تھے۔ دو تین ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر مجھے ایک عزیز کی شادی کے سلسلے میں لاہور سے باہر جانا پڑا، واپسی پر تاخیر سے لاہور پہنچا۔ اس لیے خاں صاحب کی دہلی واپسی پر ان سے نہ مل سکا۔ میں نے خط میں وضاحت کر دی تھی۔

۴۔ خاں صاحب کو باغ و بہار کے نسخۂ فورٹ ولیم کالج کی تلاش تھی جو نستعلیق ٹائپ میں چھپا تھا۔ میں نے بتایا کہ ڈاکٹر سہیل بخاری (محقق، نقاد، سابق استاد اردو بی۔ اے۔ ایف کالج سرگودھا (۹۰-۱۹۱۴ء) کے پاس ہے، مگر اِن سے دستیاب نہ ہو سکا۔ بعد ازاں انھیں یہ نسخہ بھارت میں سے مل گیا۔

۵۔ خاں صاحب نے اپنے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''تلاش و تعبیر'' (دہلی، ۱۹۸۸ء) ڈاکٹر رفیع الدین

ہاشمی کے لیے بھیجا تھا۔ ہاشمی صاحب نے اِس پر ''سیارہ'' لاہور، دسمبر ۱۹۹۱ء میں تبصرہ شائع کیا تھا۔

۶۔ نامور محقق، سابق ڈائرکٹر اردو سائنس بورڈ لاہور، جو متعدد کتابوں کے مصنف و مولف ہیں، پیدائش ۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۱ء۔ اس خط کے اوپر مقام اور تاریخ تحریر نہیں (بحوالہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)۔

۷۔ خاں صاحب اپریل یا مئی ۱۹۹۲ء میں لاہور آئے تو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اورینٹل کالج میں ان کے لکچر کا اہتمام کیا، عنوان تھا ''اردو تحقیق''۔ اس تقریب کی تصاویر انھیں ارسال کی گئیں اور لکچر بھی ٹیپ سے اتار کر ارسال کیا گیا تا کہ وہ تصحیح و ترمیم کر دیں، مگر وہ مسودہ ان سے کہیں گم ہو گیا۔ خط کی پشت پر مکتوب الیہ و مکتوب نگار دونوں کے پتے تحریر ہیں۔ خط کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں ایک ستمبر انڈیا کی اور دوسری لاہور ۴؍اکتوبر ۱۹۹۲ء صبح ۹ بجے کی۔

۸۔ یہ کام ہاشمی صاحب سے نہ ہو سکا۔

۹۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے دونوں کتابوں پر ایک تبصرہ نما مضمون لکھ دیا تھا جو 'سیارہ' لاہور، جنوری، فروری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۰۔ جاوید طفیل ''نقوش'' لاہور کے مرحوم مدیر محمد طفیل کے بڑے بیٹے ہیں۔

۱۱۔ ڈاکٹر صابر کلوروی (پیدائش ۹؍اکتوبر ۱۹۴۹ء) صدر شعبۂ اردو، پشاور یونی ورسٹی، اقبال شناس نے خاں صاحب کی کتاب ''دہلی کا یادگار مشاعرہ'' چھاپنے کا وعدہ کیا تھا۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے خاں صاحب سے اجازت بھی لے دی تھی، مگر کلوروی صاحب کتاب نہ چھپوا سکے۔

۱۲۔ ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر (پیدائش ۲۹؍اکتوبر ۱۹۵۳ء) استاد شعبۂ اردو، اورینٹل کالج لاہور۔

۱۳۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے خاں صاحب کا مطلوبہ نسخۂ کلّیاتِ اقبال اردو، ۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۶ء کو انھیں بھجوا دیا گیا تھا۔

۱۴۔ اورینٹل کالج لاہور کے ایک سیمینار میں خاں صاحب مدعو تھے، وہ ملتوی ہو گیا، پھر کبھی نہ ہو سکا۔

۱۵۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے بہ قول خاں صاحب یہ نہ کر سکے۔

۱۶۔ خاں صاحب نے خط کے اوپر جو پتا تحریر کیا ہے، اُس کے ہندسے انگریزی ہیں، لیکن تاریخ اردو ہندسوں میں تحریر کی ہے، خط کے آخر میں پتا تحریر کیا ہے وہ انگریزی میں یوں لکھا ہے:

167- BAROOZAI - II, Shahjahanpur - 242001

۱۷۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو یہ خط ۲۹؍ستمبر ۱۹۹۶ء کو موصول ہوا اور جواب ۱۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء کو دیا گیا۔ دونوں تاریخیں خط پر درج ہیں۔

۱۸۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالات کے مجموعے ''تفہیم و تجزیہ'' (ناشر: فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۹۹) کا انتساب خاں صاحب کے نام کیا تھا۔

۱۹۔ یہ کتاب پنجاب یونی ورسٹی میں موجود ہے، مگر لائبریری والے فوٹو کاپی دینے کے لیے تیار نہ تھے،

مائکروفلم دیتے تھے، مگر اِس کے اخراجات بہت زیادہ تھے۔ اِس اثنا میں خاں صاحب کو بھارت ہی سے اِس نسخے کا سراغ مل گیا (یہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحریر ہے)۔

۲۰ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ یہ خط ڈاکٹ سے بھیجا نہیں لگتا۔ سادے کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اس کی پشت پر کوئی مہر یا پتے کی جگہ نہیں ہے۔ صرف ایک کونے میں ''برائے جناب رفیع الدین ہاشمی اورینٹل کالج لاہور'' لکھا ہے اور نیچے خاں صاحب کے دستخط ہیں۔ بیچ میں ۴رجنوری ۲۰۰۰ء موصول ہونے کی تاریخ درج ہے۔

۲۱ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ یہ خط لفافے میں بھیجا گیا اس لیے اس کی پشت پر کوئی مہر ثبت نہیں ہے، سادہ کاغذ ہے۔

۲۲ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ خاں صاحب کبھی کبھی اِس انداز میں بے تکلفی فرماتے تھے۔

۲۳ خاں صاحب نے ''عربی'' کی جگہ ''اردو'' لکھا ہے، یہ سہوِ قلم ہے۔ آگے پیچھے کی تحریر سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہاں لفظ ''عربی'' ہونا چاہیے۔ اس کا ثبوت خاں صاحب کے ایک خط سے بھی ملتا ہے جو انھوں نے پروفیسر لئیق صلاح کو ۱۹رمئی ۲۰۰۰ء کو لکھا۔ اُس کے ایک اقتباس کو ملاحظہ فرمائیں: ''آپ کا پچھلا رجسٹرڈ پیکٹ مل گیا تھا، جس میں اردو عربی لغت کے چند صفحات کا عکس تھا اور سب سے بڑھ کر شکوے کا عربی ترجمہ منظوم تھا، جسے میں نے بہت احتیاط اور حفاظت سے رکھ لیا ہے۔ یہ غالباً غیر مطبوعہ ہے۔ اِس تحفے کے لیے میں بہت ممنون ہوں''۔

۲۴ خاں صاحب نے یہاں ''گلبرگا'' لکھا ہے جب کہ اِس سے قبل ۳راپریل ۲۰۰۰ء کے مکتوب بنام پروفیسر لئیق صلاح میں ''گلبرگہ'' لکھا ہے۔

۲۵ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی خط کے حواشی میں لکھتے ہیں ''ابھی تک، اسے مرتب نہیں کر سکا، مگر اب جلد شائع کرانے کا ارادہ ہے''۔

۲۶ یہ خط اِن لینڈ لیٹر کی طرز کا ہے ساڑھے آٹھ روپے اس کی قیمت ہے۔ ہندستان کے ڈاک خانے کی مہر پھیکی پڑ چکی ہے لیکن لاہور پاکستان کے ڈاک گھر کی مہر ۱۴راگست ۲۰۰۵ء صاف اور روشن ہے۔ اس کی پشت پر پتا: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ۲۸-ڈی، منصورہ، لاہور-۵۴۷۹۰ (پاکستان) تحریر ہے۔ خاں صاحب کا پتا شاہ جہان پور کا ہے۔ ہاشمی صاحب نے جواب دینے کی تاریخیں دو خطوں کی لکھی ہیں ایک خط ۲۶راگست اور دوسرا ۲۹راگست ۲۰۰۵ء۔

۲۷ کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔

۲۸ یہ ذکر ہے ہاشمی صاحب کے دو مضامین کا، جو مجموعۂ مضامین ''اقبالیات: تفہیم و تجزیہ'' (اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۲۰۰۴ء) میں شامل ہیں۔ ہاشمی صاحب نے لکھا تھا کہ علامہ اقبال کے اس مصرعے (جیسا کہ بعض نقادوں نے لکھا ہے) اشارہ اکبر حیدری (مدارالمہام ریاست حیدرآباد دکن) کی طرف نہیں ہے۔ خاں صاحب کا موقف برعکس تھا۔

۲۹ یہاں خاں صاحب نے "بیکار" ملا کر لکھا ہے۔ عموماً وہ اسے الگ سے "بے کار" لکھتے تھے۔

۳۰ ہاشمی صاحب کی فرمایش پر خاں صاحب نے اپنے بعض پرانے مضامین کے تراشے انھیں ارسال کیے تھے۔

۳۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اسی خط کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ "ڈاکٹر خلیق انجم نے فرمایش کی تھی کہ خاں صاحب، کلیاتِ اقبال اردو کو جدید اصولِ تدوین کے مطابق مرتب کر دیں۔ خاں صاحب نے اِس کام کو راقم (ہاشمی) کی شرکت سے مشروط کر دیا۔ طے ہو گیا کہ یہ کام مل کر کیا جائے گا۔ زیرِ نظر خط میں خاں صاحب نے اس ضمن میں خطوط کار کا تعین کیا ہے۔ میں نے خاں صاحب کو ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کی بیاضیں اور اولین اڈیشنوں کے عکس بھیجے، مگر: ؏ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند"۔

۳۲ خط اِن لینڈ لیٹر کی طرز کا ساڑھے آٹھ روپے والا ہے۔ پتا: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ۲۸-ڈی، منصورہ، لاہور-۵۴۵۷۰ (پاکستان) اور خاں صاحب کا ۲۲-باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور (یو پی) (ہندوستان) تحریر ہیں۔ لاہور ڈاک گھر کی مہر ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۵ء کی ہے۔ تاریخ و مقام خط کے سرنامے پر تحریر ہے۔

۳۳ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ خط میں جس عید کا ذکر آیا ہے وہ ۴ر نومبر ۲۰۰۵ء کو آئی تھی۔ راقم ۳ر نومبر ۲۰۰۵ء کی شام کو خاں صاحب کی خدمت میں اُن کے دولت کدے پر ایک انٹرویو کے لیے حاضر ہوا تھا۔ سردی شدت کی پڑ رہی تھی۔ خاں صاحب گرم کپڑے پہنے ہوئے سر پر ٹوپی، گلے میں مفلر لپیٹے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ لیکن ویڈیو والے کا انتظام نہ ہو سکا۔ سب دکان دار روزہ کھولنے کی غرض سے دکانیں بند کر کے چلے گئے تھے۔ انھیں بیٹھنے اور باتیں کرنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی پھر بھی قریب ڈھائی گھنٹے اُن سے بات چیت ہوتی رہی، اور گرمیوں کے موسم کے لیے یہ انٹرویو اٹھا رکھا گیا۔ میرے دل میں ایک انجانا سا ڈر بیٹھ گیا۔ ۴ر کی صبح میں ہوٹل سے کان پور کے لیے براستہ لکھنؤ روانہ ہو گیا۔ اُن کی میز پر گنجینۂ معنی کا طلسم ۷۰۰ صفحات کا مسودہ تیار رکھا تھا۔ کلامِ اقبال سے متعلق بات ہوئی تو انھوں نے فرمایا "اقبال پر اتنا کام ہوا ہے، مگر اُن کا کلام آج تک صحیح ڈھنگ سے مرتب نہیں ہوا ہے"۔ شاید اُن دنوں وہ ان خطوط پر سوچ رہے تھے۔

۳۴ تاریخ خط کے اوپر تحریر ہے۔ یہ خط ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے ۲۴ر نومبر والے خط کا جواب ہے۔ اِس خط کی تحریر سے یہ بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے کہ سردی کی شدّت سے خاں صاحب کے تمام کام ملتوی ہو جاتے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمی صاحب ۶۵ برس کے ہیں اور خاں صاحب ۸۰ برس کے۔ ہاشمی صاحب نے اِس خط کے نچلے داہنے کونے میں لکھا ہے "جواب ۳۱ر دسمبر ۰۵"۔

بنام رئیس احمد نعمانی، ڈاکٹر

(۱)

شاہ جہان پور
۷/اگست ۱۹۶۷ء[۱]

مولانا!

عرصے کے بعد آپ کا خط پاکر بے حد مسرّت ہوئی۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ انگریزی شروع کردی، اب آپ راستے پر آگئے ہیں۔ میں کئی روز سے بخار کا شکار ہوں، بارش کی کرم فرمائی ہے، ایک روز بھیگ گیا تھا، تب سے نزلے بخار میں مبتلا ہوں۔ دعا کیجیے۔

آپ نے اپنے طویل خط میں ان نثری نشستوں کا حال نہیں لکھا، کیا بات ہے۔ کیا نشستیں بند ہوگئیں یا آپ نے قطع تعلق کرلیا۔ دونوں باتیں نازیبا ہیں، اس سے مطلع کیجیے۔

نظمیں خوب ہیں، بس مجھے طلسم نیرنگ کی ترکیب پر اعتراض ہے کہ دونوں لفظ بالکل مختلف المعنی نہیں، طلسم کی اضافت نیرنگ کی طرف نہیں ہوسکتی نہ نیرنگ بطورِ صفت اس موقع پر آسکتا ہے، اس کو بدل دیجیے۔ اس کے علاوہ طلسم یا نیرنگ، کسی کا بھی چھلنی میں چھننا یا نہ چھننا، دونوں بے معنی ہیں، طلسم کی چھلنی سے یا چھننے سے نہ معنوی علاقہ ہے نہ لفظی۔ اس شعر کو بدل دیجیے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے لیے مناسبات فراہم کیے جائیں تو ان مناسبات میں معنوی رابطہ ضرور ہونا چاہیے طلسم کو چھلنی سے کوئی مناسبت نہیں۔

ایک اور بات، آپ کی نظم دو بندوں میں منقسم ہے بہ لحاظ تقسیم۔ آپ کی غزل کا ہنوز انتظار ہے امید ہے کہ اب تک آپ اسے مکمل کر چکے ہوں گے۔ شیرازہ کے اڈیٹر بے چارے نے مجھے ۸، ۱۰ خط لکھے، جب میں نے سب کے جواب میں ایک خامشی [خاموشی] کو بہتر سمجھا، تو اس نے بھی مجبور ہوکر ترکِ پیام وسلام کرلیا۔ اب میں اسے کیسے لکھوں۔ اصل بات میری کوتاہ قلمی میرے لیے وبالِ جان بنتی جارہی ہے۔

آپ کے حالات بے حد جاں کاہ ہیں، ابھی شاغل کا خط آیا تھا، وہ بھی پریشان ہیں۔ عجب زمانہ ہے کہ کوئی شخص مطمئن نہیں۔ یقین کیجیے کہ جن لوگوں پر دوسرے لوگ اطمینان کی تہمت تراشتے ہیں، وہ محض اس لیے ہے کہ وہ دور سے دیکھنے کے گنہ گار ہیں۔ ہم سبھی بہ قدر ذوق وظرف آشفتہ

حال ہیں، خدا ہم سب پر رحم کرے گا پریشان خاطری سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لیے سکون سے کام لیجیے اور اپنی انگریزی تعلیم کو جاری رکھیے، یہی آپ کے لیے راہِ نجات ہے۔

ہاں اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے رہا کیجیے، جی لگا رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا!

آپ ناراض ہوں گے، ہونا ہی چاہیے، آپ نے پیہم التفات سے کام لیا اور میری بے توفیقی ملاحظہ ہو کہ صدا بی برنخاست والا معاملہ رہا۔ بھائی! یہ پہلا اتفاق ہے کہ میری بیماری، سفر اور مصروفیت نے مجھے آپ سے ہی نہیں، سارے جہان سے شرمندہ کیا ہے ان خطوں کے معاملے میں، اللہ جانے یہ نامعقول صورتِ حال کب ختم ہوگی۔ بہر حال، آپ کے حسنِ اخلاق سے مجھے توقع ہے کہ آپ اس خط کو دیکھتے ہی غصہ تھوک دیں گے اور حسبِ معمول اخلاص سے کام لیں گے۔

مولانا! آخر آپ کو سردار جعفری سے اس قدر ناراضی کیوں ہے، آپ نے توقع ہی کیوں وابستہ کی تھی، ذرا ذرا سی باتوں پر جی نہ جلایئے، ایسی تو ہزار باتیں ہوں گی، ابھی آپ کا سابقہ اس قوم سے پڑا کہاں ہے، یوں گُوھنے سے اور آپ ہی ہلکان ہوں گے۔ لہٰذا، اسے حاشیہ خیال سے حرفِ غلط کی طرح محو کر دیجیے اور آیندہ کے لیے بھی طے کیجیے کہ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ بل کہ توبہ کیجیے، بس ایک دوبار استغفر اللہ پڑھ لیا، کافی ہے۔

رسالہ نکالنا چاہتے ہیں آپ، بڑی ہمت کی بھائی، خدا راس لائے، آپ بنجر زمین میں کھیتی کرنا چاہتے ہیں، خیر یہ بھی سہی، ایک تجربہ سہی، بہ ہر طور، میرے لائق جو خدمت ہوگی اس کے لیے آپ مجھے ہمہ وقت آمادہ پائیں گے۔ اگر اس سلسلے میں پیش رفت ہوئی ہو تو لکھیے۔

غزل دیکھی، زمین اچھی ہے اور بعض شعر بھی خوب ہیں، لیکن مطلعے کے دوسرے مصرعے میں "میاسی" بہ اظہارِ یا آیا ہے، یہ غلط نہیں لیکن غیر فصیح ضرور ہے، اسے بدلیے۔ اور یہ بہ آسانی بدل سکتا ہے، لفظ بدلنے کی ضرورت نہیں، ترتیب بدل دیجیے اور دھرتی کے بجائے کوئی لفظ اس سے ہلکا لائیے۔ آپ نے "ہمہ ہمی" لکھا ہے، صحیح "ہماہمی" ہے، یہ مہند مرکب ہے۔ "دل کے کھیتوں کی شوخ پگڈنڈی" مولانا! دُہائی ہے خوش مذاقی کی، دل کو کھیتوں سے استعارہ کرنا! یا اللہ، یہ آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ رات خلوت، اجاڑ، سناٹا۔ اس میں لفظ اجاڑ برمحل نہیں، خلوت یا سناٹے کی طرح یہ اس طرح مفرد نہیں آسکتا۔ اس کی جگہ ویرانی، یا کوئی اور لفظ آئے گا، اگر آسکے۔ یہ گھر

اجاڑ ہے، اس طرح کہیں گے۔ آفتابوں کے شہر میں بھی.... آفتابوں کے شہر میں زندگی بجھنے سے رہی، جل جائے گی، جھلس جائے گی، مسخ ہو جائے گی، یا پھر روشن ہوگی یا تاریک ہوگی۔ آفتابوں کے شہر میں زندگی اگر تاریک ہے، تو یہ واقعی پوچھنے کی بات ہے۔ بجھی ہونا اور تاریک ہونا، بالکل مختلف باتیں ہیں۔

مولانا، اب اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اچھا سا خط لکھیے اور فوراً اور تازہ نگارشات سے بھی نوازیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

برادرم! سلام

آپ کا خط ملا تھا، حسبِ معمول جواب میں تاخیر ہوئی، اس کے سوا کیا کہوں کہ معذرت طلب ہوں۔

اخبار ضرور نکالیے، لیکن سمجھ بوجھ کر، اور بقدرِ استطاعت اس کا خاکہ بنایئے، اس میں بقدرِ ذوق کے بجائے بقدرِ توفیق پیش نظر رہنا چاہیے۔ آدمی صرف خیالات میں آزاد ہوتا ہے اور عالمِ خیال کی داستانیں، عالمِ حقیقت کا ساتھ نہیں دے پاتیں، اس کو ملحوظ رکھیے۔ بڑی ذمہ داری ہے، اور اس سے بڑھ کر ذمّے داری اس کی ہے کہ آپ ہر طرح تنہا ہیں، مجھے دوسروں سے استعانت کی مطلق توقّع نہیں، سب کو جانتا ہوں۔ میں وہاں موجود ہوتا تو شاید کچھ کرتا، یہاں سے دعاؤں میں آپ کو شریک بنانے کے سوا اور کیا کروں، البتہ میرا قلم حاضر ہے، اور آپ کے لیے اس میں نہ بخل ہوگا نہ تغافل۔

آپ کا خط جب بھی آتا ہے، آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے، جیسا آپ کا دل صاف ہے، ویسا ہی آپ کا خط واضح ہوتا ہے اور مجھے آپ کے ایسے خطوں کا واقعی انتظار رہتا ہے۔ میری بے توفیقی اور کم فرصتی سے قطع نظر کر کے، آپ اپنی وضع داری اور نوازش کو علی حالہٖ رہنے دیا کیجیے اور مفصّل خط لکھیے، ہاں کیا ادھر کچھ فکرِ سخن ہوئی، نگار پاکستان میں چند اشعار دیکھے تھے، کیا آپ کے پاس وہ شمارہ پہنچا؟

صاحب گفتگو سے میری ملاقات نہیں ہوسکی، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، یہ کیا ضرور ہے کہ ہر پتھر سے ٹکرایا جائے۔ ان باتوں میں تضییعِ وقت کے بجائے کسی معقول کام میں دل لگایئے

اور کچھ نہیں تو شعر ہی کہیے۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۰/اپریل ۱۹۶۸ء

مولانا!

کل آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ حضرت! جس انٹرویو کے لیے آپ نے لکھا ہے، اس میں شرکت کرنے کی خاطر شاہ جہاں پور سے وسیم صاحب بھی آئے تھے اور وہ ۲۵/کو ہو چکا۔ اب آپ یہ مشتی بعد از جنگ والی بات کر رہے ہیں ذرا اپنے ان دوست سے معلوم کر لیجیے کہ وہ کس جگہ کے لیے اُمیدوار ہیں اور اس کا انٹرویو کب ہے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

70-جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7

۵/فروری ۱۹۶۹ء

برادرم!

خط ملا تھا۔ بے حد مسرّت ہوئی کہ اب آپ دنوں کی سرگردانی کے بعد، بالکل صحیح جگہ پہنچ گئے ہیں۔ خدا راس لائے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔ جواب کی تاخیر کی ذمّے داری مجھ پر ہرگز ہرگز نہیں، اس کے ذمّے دار وہ مرحوم مرزا اسداللہ خاں ہیں، جن کے جشن کا ہنگامہ یا یادگار کا طوفان قدِ آدم سے بھی کچھ بڑھ گیا ہے۔

بھائی، آپ غزل کی یاد دلاتے ہیں، وہ ضرور محفوظ ہے، لیکن اس قدر احتیاط کے ساتھ کہیں رکھ دی ہے کہ فی الفور ملنے سے رہی۔ کاغذوں کا تو ادھر انبار لگ گیا ہے، ضرور ڈھونڈھ نکالوں گا۔ جب تک آپ کوئی اور غزل مجھے بھیج دیجیے یہ وعدہ ہے کہ مصروفیت کے باوصف دوسرے ہی دن اس کے متعلق لکھوں گا، ادائے کفارہ کا تو موقع دیجیے۔ انگریزی ضرور پڑھیے، اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ اب کے پتے میں آپ کا انگریزی خط پہلے سے ذرا صاف معلوم ہوتا ہے، یہ فالِ نیک ہے۔ کیا آپ کا پتا پھر بدل گیا ہے۔ براہِ کرم اس سے مطلع کیجیے۔ چشم براہ ہوں۔ خدا کرے

آپ بہ عافیتِ کامل ہوں اور نئے ماحول میں اجنبیت محسوس نہ کرتے ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
70-جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7
۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء

حضرت!

خط ملا۔ اب آپ کا دارالعلوم کھل چکا ہوگا، لہٰذا اب آپ براہِ کرم اس کام کو کر ڈالیے، منت پذیر ہوں گا۔

امتحان میں پاس ہونے کی مبارک باد قبول کیجیے، ہاں، اس ماہ کے آج کل میں میرا ایک تبصرہ شائع ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ آپ بھی اُسے دیکھ لیں، وہاں تو آتا ہوگا، ورنہ میں بھیج دوں گا، مطلع کیجیے۔

یہ خط بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں، اسے محض سلام روستائی فرض کیجیے، تفصیل پر۔
چشم براہ ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
70-جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7
۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

برادرم!

آپ کے کئی خط ملے، مگر میری وضع داری میں مطلق فرق نہیں آیا اور بے توفیقی رفیق رہی۔ معذرت کیا کروں، منفعل ہوں۔ آپ کی محبت، آپ کے خلوص اور آپ کی پیہم نوازش کو دیکھتا ہوں، اور اپنی بے توفیقی پر نظر ڈالتا ہوں تو آپ کی شرافت کا قائل ہونا پڑتا ہے، اب اپنے لیے کیا کہوں۔ برادر! آج کل ایک عجیب عالمِ بے کیفی طاری ہے، دنوں سے سبھی سے رسمِ پیام وسلام بند ہے۔ اور ویسے بھی قلم کو گویا زنگ سا لگ گیا ہے، طبیعت بھی کچھ بجھ سی گئی ہے، اسی میں یہ خاموشی کا

دورہ پڑا کرتا ہے، آپ کو ناراض ہونے کے بجائے، مجھ سے ہم دردی کرنا چاہیے۔

آپ کی پریشانیوں کو پڑھتا ہوں تو اپنی کلفتیں بھول جاتا ہوں، آدمی کی ذہانت، اب اس کے لیے ''عیارِ بے کسی'' بنتی جارہی ہے۔ ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے، سبھی اس میں شامل ہیں۔ سیاسی حالات نے اور دیوانہ بنا رکھا ہے، زمین سخت ہے آسمان دور ہے۔ ہر طرف اندازِ کوفی وشامی نظر آتے ہیں اور شرارِ بولہبی کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ حد یہ ہے کہ ذہن نے گھبرا کر خواب دیکھنا بھلا دیا ہے اس سے زیادہ اذیت ناک صورتِ حال کیا ہوگی کہ یہی ایک سہارا ہوتا ہے کچھ دیر کے لیے دم لینے کا۔ سیمابؔ نے کبھی کہا تھا:

شامِ فرقت انتہائے گردِ ایام ہے
جتنی صبحیں ہوچکی ہیں، آج

سب کی شام ہے۔ وہی صورت ہے۔ جتنے خواب کبھی دیکھے گئے تھے، آج ان سب کی تعبیروں کی شکستہ صورتیں ہر طرف حلقہ زن ہیں اور ایک ایسے رقص میں مصروف ہیں جس کے ختم ہونے کے آثار بظاہر نظر نہیں آتے۔ خدا کرے آپ کسی حد تک بخیر ہوں، مکمل خیریت تو اب صرف کتابوں میں ملتی ہے۔ بھائی، آپ خط برابر لکھتے رہا کیجیے، مجھے بڑا سہارا ملتا ہے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
70- جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7
۸/ جون ۱۹۷۰ء

برادرم!

آپ کے کئی خط ملے تھے۔ معذرت طلبی کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور وہ کب کی ختم ہوچکی، اب تو یہ یک طرفہ کاروبارِ شوق ہے۔ گناہ گار ہوں آپ کا اور آپ کی غیر منقطع اور پُرخلوص محبت کا اسیر۔ اس کی توقع ہے کہ آپ اپنی وضع نہیں بدلیں گے۔ تقلید اچھائی کی کی جاتی ہے۔ میں ادھر کچھ دنوں سے اِس قدر بے پرواخرام ہوکر رہ گیا ہوں کہ خود اپنے پر تعجب ہوتا ہے اور افسوس بھی۔ آپ جیسے مخلص کس کو میسّر آتے ہیں اور یہ بڑی ناسپاسی ہے کہ آپ کو آزردہ خاطر ہونے دیا جائے۔ آپ بہت سی خلافِ طبع باتیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اسے بھی برداشت کر لیے، البتہ اس کا شکریہ ادا کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔

ہاں بھائی! ۱۳/اپریل کی شام کو ہوسٹل میں زینے پر پیر پھسل گیا (دیکھیے یہ ستم ظریفی! لغزش ہوئی بھی تو کب) اور اِس کے نتیجے میں داہنے طرف کی ہنسلی کی ہڈی چٹ سے ٹوٹ گئی۔ تب سے اب تک اِس کا مرثیہ خواں ہوں، پورا ڈیڑھ مہینا بے حد کرب میں گزرا، اب بندش تو کھل گئی ہے لیکن درد ہے اور اکثر چمک اٹھتا ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ابھی کم از کم چھے مہینے تک یہی صورت رہے گی، داہنے ہاتھ سے کوئی معمولی وزنی چیز بھی نہیں اٹھا سکتا۔ لکھنے پڑھنے میں اکثر تکلف ہوتا ہے۔

آپ کی ایک غزل رکھی ہوئی ہے۔ اس کا یہ شعر: سوئے ہوئے درختوں کے نیچے... اس کے دوسرے مصرعے میں لفظ تنہا کا الف اِس طرح دب رہا ہے کہ شعر کی خوبی پر حرف آجاتا ہے، اسے بدلیے۔ دوسرا شعر: پہنچے گا تا کجا غم دوراں... یہ بھی غزل کے اور اشعار سے میل نہیں کھاتا۔ مقطع کا پہلا مصرع جما نہیں اسے بدلیے۔

جو چہرہ آئنے میں ہے... یہ بہت اچھا شعر ہے، پھر زندگی سکوت کے... یہ بھی خوب ہے۔ کوئی تازہ غزل۔ میں ۱۵/جون کے لگ بھگ شاہ جہان پور جاؤں گا اور غالباً دس دن قیام رہے گا۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

F/4- جبلی ہال

مولانا!

صبر کر لیجیے، امام حسین نے بھی یہی کیا تھا۔ یہ سب یزید دشمن ہیں۔ میں جون کے پہلے ہفتے میں چند روز کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا۔ غزلِ مسلسل پڑھی، این ہم مبارک باشد۔

درد صاحب کا دیوان ضرور چھپنا چاہیے، لیکن حضرت! میری رائے میں تو مجھ سے بہتر آپ اس کام کو اہتمام دے سکتے ہیں، مجھے کیوں پریشان کرنا چاہتے ہیں آپ۔ میرے لیے اور عذاب کیا کم ہیں، جو آپ ایک اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سے ہمدردی کی توقع ہے مجھے۔

ندوے کو جب مولانا شبلی ٹھیک نہ کر سکے، تو اب کوئی کیا کرے گا۔

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں اور کئی آفات سے محفوظ۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

جبلی ہال

۳رفروری ۱۹۷۲ء

عزیز مکرم!

لفافہ ملا تھا۔ دنوں کے بعد آپ کی غزل سے آنکھیں روشن ہوئیں۔ مطلع بہت اچھا ہے۔ جی خوش ہوگیا۔ بے ساختہ، سادہ اور پُراثر۔ یہ بتایئے کہ اگر آپ اور شعر بھی اسی انداز کے کہتے تو کیا بُرائی (بُرائی) تھی۔

یہ دو شعر: بے خودی روزنِ دیوار.....

اور : نطق آمادہ خموشی.....

آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ کیا غالبؔ بننے کا ارادہ ہے، لیکن محض مشکل گوئی سے تو غالبی آنے سے رہی۔ اُلٹا نقصان ہوگا کہ سادگی و تاثیر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ آپ کا مقصد کیا ہے، متاثر کرنا یا مرعوب کرنا۔ مولانا! ذرا تامّل سے کام لیجیے، آپ اچھے شعر کہتے تھے، کہہ سکتے ہیں، پھر یہ کترا کترا کر چلنے کی کیا ضرورت۔ مجھے مطلع کے جوڑ کا اور کوئی شعر نہیں ملا، اس کی شکایت ہے۔ کیا اچھا مطلع ہے۔ سبحان اللہ! آپ سے جو خلوص مجھے ہے، اس کے پیشِ نظر یہ چشم نمائی کی گئی ہے۔

اب آپ اس کے کفارے کے طور پر ایک سادہ وپُرکار غزل فوراً کہہ کر بھیجیے اور آئندہ کے لیے اس طرح کی بندشِ الفاظ سے توبہ کیجیے۔ یہ کام دوسروں کا ہے، انھی کو کرنے دیجیے۔ چشم براہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۱رمارچ ۱۹۷۳ء

مولانا!

خط ملا۔ میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ بات کیا ہے جو اس بار مولانا نے خبر نہ لی۔ اب معلوم ہوا کہ معاملہ کیا تھا۔ دل میلا نہ کیجیے، یہ دنیا ہے، یہاں ابھی ایسے بہت سے چہرے سامنے آئیں گے۔ غم کرنے کے بجائے، اگلے حادثے کے استقبال اور آنے والے ملمع آلود چہرے سے آنکھیں چار کرنے کے لیے تیار رہیے۔ ایسے میں اللہ میاں بھی مدد نہیں کرتے۔

یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی نہ ساتھ\
مسافروں سے کہو: اُس کی رہ گذر آئی

بہ ہر حال، دل چھوٹا نہ کیجیے، کچھ نہ کچھ ہو رہے گا۔ خیریت سے بہ ہر طور مطلع کرتے رہا کیجیے۔
انتخابِ ناسخ اس وقت کمرے پر نہیں، جامع مسجد جاؤں تو مکتبہ جامعہ سے لاؤں۔ آپ کی کتاب محفوظ رہے گی اور جلد ہی بھیجوں گا۔

خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۴ر مئی ۱۹۷۳ء

مولانا! ☆

خط سب مل چکے ہیں۔ حضرت! سب کچھ سہی، مگر یہ نادر شاہی کی نہیں ٹھہری ہے۔ رباب پر میں نہ لکھوں تو کون لکھے گا۔ ان کے نام پر دل بھی چلے گا اور قلم بھی، مگر اس کے لیے اُس فرصت کا متلاشی ہوں، جو اِس موسم میں کہیں گم ہو چکی ہے۔ میں آج کل املا کے موضوع پر ایک کتاب مرتب کر رہا ہوں۔ 300 صفحے لکھ چکا ہوں، اس کی بہت جلدی ہے، خیال یہ ہے کہ دو مہینے کے اندر اسے نپٹا دوں گا، تب پھر جی لگے گا اور قلم چلے گا۔ تب تک کے لیے کسی اور نوجوان شاعر کو منتخب کر لیجیے، رونمائی (رونمائی) کے لائق کئی ایک نکل آئیں گے اور اِن کو میرے لیے چھوڑ دیجیے۔ ان پر میں ہی لکھوں گا، ایک تو اُن کا حق، دوسرے آپ کی فرمائش، تسکین بھی ملے گی اور ثواب بھی ملے گا۔

''گیلری'' بھیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

F-3/4، ماڈل ٹاؤن، دہلی

۳۰ر جون ۱۹۷۳ء

مولانا! ؎

اس وقت صرف یہ، لکھنا چاہتا ہوں کہ پتا بدل گیا ہے، ہوسٹل چھوٹ گیا اور ماڈل ٹاؤن میں پناہ لینا پڑی۔ کل صبح سامان روانہ ہوگا۔ گیلری کے دونوں شمارے مل گئے تھے، پہلے شمارے کا سرورق واقعی پسند آیا۔ خدا کرے اب یہ پابندی سے نکلتا رہے۔

میرے بھائی! ناراض مت ہوا کیجیے، اس کام کو اوروں کے لیے چھوڑ دیجیے۔ بہت سے اہل

موجود ہیں۔ آپ کیوں اس پھیر میں پڑیں۔ میں آپ کو رسالے اور شاعری دونوں سے الگ کر کے اپنا سمجھتا ہوں۔ یہ، دونوں تو صفات ہیں، جو شاملِ ذات نہیں ہو پاتیں، لہٰذا رسالے اور مضمون کے واسطے سے ناراضی برحق نہیں ٹھہرے گی۔ ذات، پھر ذات ہے، اور صفات کا کیا ٹھکانا!

ہاں میرے بھائی! اب کے کوئی اچھا سا شعر لکھیے، دن ہو گئے ہیں۔

غزل ہو تو واہ واہ اور سبحان اللہ۔

خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

F-3/4 ماڈل ٹاؤن، دہلی-9

۱۷ر ستمبر ۱۹۷۳ء

مولانا!

دو خط اور ایک رسالہ محفوظ ہے۔ غزل سے بھی دنوں کے بعد ملاقات ہوئی۔ ردیف خوب ہے اور اُس کی معنویت کے پیشِ نظر ہر شکایت بے کار ہے۔ مگر پھر بھی یہ مصرع: ہم کہ آشفتہ دلی، آوارہ۔ ذرا زیادہ آوارہ ہو گیا ہے۔ ''دلی'' یہاں پر جوڑ نہیں کھاتی۔ ''آشفتہ دل'' کا محل ہے۔ تعجب اس کا ہے کہ آپ کے قلم سے یہ مصرع نکلے! یہ غزل تو ردیف کی نذر ہوئی، میرا تقاضا ہنوز باقی ہے، بہ قولِ غالبؔ:

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا، کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض، اُس گرہِ نیم باز کا

املا والی کتاب، کتابت کی منزل میں ہے، ابھی ۶ ماہ اس کی اشاعت میں ہیں۔ ناسخؔ محفوظ ہے، کوئی آتا جاتا ملے تو بھیجوں، بہ ہر صورت، آپ کا حصہ احتیاط کے ہاتھوں سے رکھا گیا ہے، ڈاک کی نذر کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے۔ سلمان کہاں ہیں؟

ارے ہاں، وہ چوری کی واردات پڑھ کر بہت قلق ہوا تھا۔ یہ اصل چور کی حرکت تو ہو نہیں سکتی، یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اب ہر فن میں گھٹیا پن آ گیا ہے۔ بھلا آپ کے حجرے میں رکھا کیا تھا۔ پھر بھی، آپ کے لیے تو زخم کاری کا معاملہ ہوگا۔ اظہارِ افسوس کے سوا اور کیا کہا جائے۔ تبرّا بھیجنا تو بے کار ہی ہے، اس کا چور پر کیا اثر ہوگا۔

خدا کرے اب آپ ایسے دوسرے حوادث سے محفوظ رہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
F-3/4 ماڈل ٹاؤن، دہلی-9

۲۷/دسمبر ۱۹۹۳ء

مولانا! [9]

سچ مچ آپ سے معذرت طلب ہوں، کیا کروں، کوتاہ قلمی بے طرح آمادۂ رفاقت ہے۔ اور اب تو یہ شاملِ وضع داری ہوتی جارہی ہے۔ ایک دوسری بات یہ ہے کہ آپ جیسے مخلصین پر مجھے اعتماد اس قدر ہے کہ آپ ناراض کبھی نہیں ہوں گے، اس لیے یہ خوے بد رنگ لاتی رہتی ہے۔

بہ ہر حال، اب خیال رکھوں گا، ابھی شام کو آپ کا تیسرا خط ملا ہے۔ رباب صاحب کے بال سفید ہونے آئے، مگر ادائیں نہیں گئیں۔ کیا تحریک کا نمبر مجھے اُن سے زیادہ عزیز ہوگا؟ آپ لکھتے ہیں کہ وہ لکھنؤ میں ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میرے پتے پر بھیجو۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں بھیجوں؟ آپ براہِ کرم فوراً یہ لکھیے کہ وہ اب کہاں ہیں اور میں کس پتے پر بھیجوں، شاہ جہان پور وہ کب جائیں گے۔ ان سے کہیے کہ میں نے شاہ جہان پور کے پتے پر دو خط (لفاف) بھیجے تھے، مگر ایک کا جواب نہیں ملا، شاید وہ اُن کو ملے نہیں، مگر یہ اب سے دو مہینے پہلے کی بات ہے۔

جمالِ مصطفا میرے سامنے ہے، آپ کا مقدمہ واقعی پسند آیا۔ اگلی کتاب، جس کی بشارت دی ہے۔ اس کا انتظار رہے گا۔

قمر صاحب کو شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کی معرفت آپ خط لکھ سکتے ہیں۔ گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں۔ ان کی کتاب رکھی ہوئی ہے۔ بروقتِ ملاقات حوالے کردوں گا۔

املا والی کتاب کی کتابت ہو رہی ہے، شاید مارچ اپریل تک چھپ سکے۔ ناسخ موجود ہے۔ آپ نے ایک بار لکھا تھا کہ آپ کے فرستادے آئیں گے اور کتاب لے لیں گے، میں اب تک ان فرشتوں کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ آپ کا نسخہ محفوظ ہے، آپ کہیں گے تو ڈاک سے بھیج دوں گا۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
F3/4 ماڈل ٹاؤن

۱۸ر فروری ۱۹۷۴ء

مولانا![۱۰]

تحریک کا نمبر رجسٹرڈ بھیجا تھا، ملا ہوگا، رسید بھیجیے۔ املا والی کتاب غالباً اپریل کے آخر تک پریس سے باہر آئے گی۔ آج کل اُس کی کاپیاں پڑھنے میں مبتلا ہوں۔ تاریخ والی کتاب اُسی کے ساتھ پہنچے گی۔ ہاں، رسالے نہیں ملے۔ تھے ضرور، مگر کیا ہوئے، معلوم نہیں — غزل کہاں ہے؟ رباب کہاں ہیں؟ اور یہ آپ نے کیا نیا کاروبار پھیلایا ہے، مطبوعہ کارڈ سے میری مراد ہے۔ آپ بھی خوب ہیں۔ بہر حال، کچھ کرتے ہی رہیے۔

خدا کرے آپ کسی قدر بہ عافیت ضرور ہوں اور اسی طرح خط لکھتے رہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸ر جولائی ۱۹۷۵ء

مولانا![۱۱]

آپ کے کئی خط جواب طلب تھے۔ سب کی ایک ساتھ معذرت۔ جون میں شاہ جہان پور میں تھا، وہاں دنوں سے اردو املا کی ایک جلد محفوظ تھی، آپ کا اچانک خیال آگیا، اور وہ کتاب، ایک خط کے ساتھ، آپ کے نام بھیج دی گئی، بالواسطہ، اِس طرح کہ رباب نے یہ کہہ کر اُس پیکٹ کو لے لیا کہ وہ اپنے بھتیجے کے ہاتھ دو تین ہی دن میں آپ کے پاس بھیج دیں گے، اِس کو اب تین ہفتے سے زیادہ ہونے کو آئے، تین ہفتے کیوں، مہینا بھر سے زیادہ ہوگیا، نہ رسید ملی، نہ اور کوئی اطلاع۔ خیر باشد۔ اب آپ خط فوراً لکھیے۔ منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۱ر نومبر ۱۹۷۵ء

مولانا![۱۲]

برسوں کے بعد خط ملا، خدا مشکل آسان کرے، اگرچہ وہاں کی بے نیازی اپنی مثال آپ ہے۔ ہاے مومن، کیا شعر کہا ہے:

خدا کی بے نیازی، ہاے مومن ہم ایمان لائے تھے نازِ بتاں سے

سو بھائی احوال تو یہی رہے گا، بھرتے بھگتتے رہیے اور گھوتے رہیے، ذہانت کی قسمت میں یہی سب کچھ لکھا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں، مگر غالبؔ کے اس قول کو بھی یاد رکھیے:

تو نالی از خلۂ خار و تنگری کہ سپہر　　سرِ حسینِ علی بر سنان بگرداند
برو، بشادی و اندوہ دل منہ کہ قضا　　جو قرعہ بر نمطِ امتحان بگرداند
یزید را بہ بساطِ خلیفہ بنشاند　　کلیم را بلباسِ شبان بگرداند

اور یہ بھی غالبؔ نے کہا ہے:

از ہنر حالِ خرابم نشد اصلاح پذیر　　ہمچو ویرانہ کہ از گنجِ خود آباد نشد

تو مولانا! غم کر کے ہم اب کیا کر لیں گے، مگر کب تک، کبھی تو دہلی دور نہیں رہے گی اور بس اس دن کا انتظار کروں گا، سب سے آسان کام انتظار ہے، اس لیے وہی میرے حصے میں آیا کرتا ہے۔

کیا سلمان وہیں ہیں، اگر ہوں تو براہِ کرم آپ آج ہی ان سے مل کر کہیے کہ مجھے ان کے خط کا انتظار ہے اور یہ کہ وہ ٹھیک کب تک لکھنؤ میں رہیں گے، اُن کو ایک کتاب بھیجنا ہے۔

چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۶ رفروری ۱۹۷۶ء

مولانا![۱۳]

عبدالحق مرحوم کے بعد کسی نے بھی ڈھنگ کی کتاب اِس موضوع پر نہیں لکھی، اور مجھے تو بھائی مستقبلِ قریب میں بھی اس کی امید نہیں۔

جامعہ ملّیہ کی بات دوسری ہے، یہاں فارسی کی گنجایش نہ ہونے کے برابر ہے، اور پھر برادر! اگر آپ یا آپ جیسے دو ایک اور مخلصین میری بات سن لیا کرتے ہیں، تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ سبھی لوگ یہی کرتے ہوں گے، اِس دنیا میں صرف اُن کی بات سنی جاتی ہے جو اس دنیا کے آداب کو مانتے بھی ہیں اور اُن کو برتتے بھی ہیں، اور میرا حال آپ کو معلوم ہے۔ بہ ہر حال، بعض ذمّے داروں سے اس کا ذکر ضرور کروں گا۔ کیا رباب وہاں ہیں؛ شاہ جہان پور خط لکھا تھا، جواب ندارد۔ ذرا آپ بھی لکھیے، شاید میرے مقابلے میں آپ کی بات کا اثر زیادہ ہو، اُن کی اداؤں سے میں تو بھر پایا، معلوم نہیں اچانک برخوردار کو کیا ہو جاتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ڈپارٹمنٹ آف اردو
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲؍مارچ ۱۹۷۶ء

مولانا![۱۴]

مطلوبہ مضمون ارسال کر رہا ہوں، نقوش کے تازہ شمارے میں آیا ہے اور غالباً یہ وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے اردو نامہ میں چھپا تھا، کئی سال پہلے۔

قومی آواز والا انٹرویو میرے پاس نہیں، وہ ایسی چیز نہیں تھا کہ اس کو سنبھال کر رکھا جاتا اور یہ بھی یاد نہیں کہ کب چھپا تھا، ایسی چیزیں محض وقتی ہوتی ہیں اور اُن کو اِسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

رباب کا خط آیا ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ اب وہ وہاں ہیں یا لکھنؤ میں۔

خدا کرے آپ بہ خیر ہوں۔

رشید حسن خاں

ہاں، مکان بدلنا ہے، مجبوری ہے، اس لیے تا اطلاعِ ثانی آپ ''شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی'' کے پتے پر خط لکھیں۔

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۲۶؍جون ۱۹۷۶ء

مولانا!

آپ کے دو خط ری ڈائرکٹ ہو کر آج ہی ملے۔ میں یہاں شروعِ جون میں آگیا تھا، ۱۴؍جولائی تک رہوں گا۔ اس سے پہلے کوئی خط نہیں ملا، میں نے آپ کا مطلوبہ مضمون بھیج دیا تھا، اُس کی رسید کا بھی انتظار تھا، بل کہ میں نے رباب سے کہا بھی تھا کہ جب وہ لکھنؤ جائیں تو آپ کی خیر خبر سے مطلع کریں۔

دبیر کامل کی مبارک باد۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ عربی کو خاص مضمون کی حیثیت سے لیجیے، یعنی بی۔اے آنرس عربی میں کیجیے۔ عربی کے طلبہ کا مستقبل زیادہ اچھا ہونے کی توقع ہے۔

مشرقی ممالک سے اچھے تعلقات کی بنا پر، عربی کے اچھے طلبہ اور اساتذہ کی اہمیت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ عربی والوں کے لیے جتنا اچھا میدان ہے، اُتنا فارسی والوں کے لیے بھی نہیں، اور اردو والوں کا تو کہیں شمار ہی نہیں۔ یہ میری رائے ہے۔ فروغ اردو میرے پاس نہیں آتا، مولانا شمس کچھ خوش نہیں۔ میں نے اس نمبر کو دیکھا بھی نہیں۔ اگر آپ کہیں سے انتظام کر سکیں تو ممنون ہوں گا۔ عرشی صاحب واقعی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ آپ نے جس مضمون کے متعلق رائے ظاہر کی ہے، وہ کون سا ہے؟ میں نے دیکھا، اُن کے متعلق میری رائے بہت اچھی ہے۔ ویسے خامیوں سے مطلقاً پاک صرف خدا کی ذات ہے (اعتقاد گو)۔ عرشی صاحب نے جو کام کیے ہیں، وہ واقعتاً اعلا پایے کے ہیں۔ آپ اُن کی کتاب دستور الفصاحت کا مقدمہ پڑھ جایئے یا مکاتیبِ غالب کے حواشی دیکھیے، تو آپ کو اُن کی نظر اور خبر کا اندازہ ہو سکے گا۔ یا اُن کی مرتب کی ہوئی تفسیر سفیان ثوری کو دیکھیے، یا تاریخ محمدی اور وقائع عالم شاہی کو دیکھیے۔ مولانا، چوں کہ آپ میری بات مان لیتے ہیں یا کم از کم توجہ سے سنتے ضرور ہیں، اس لیے میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اپنے لہجے میں ذرا توازن پیدا کیجیے۔ یہ لہجہ تو یگانہ چنگیزی کو راس نہیں آیا تھا جو واقعی شاعر تھا اور ایسے دوسروں کو بھی راس نہیں آسکتا۔ اعتراض خوب کیجیے، میں بھی اس میں آپ کا شریک ہوں بل کہ شریک غالب، مگر ہر نکتہ مکانے دراد۔ کسی شخص کے سارے کاموں کو پیش نظر رکھ کر رائے قائم کیجیے۔ آپ کے یہ دو خط مجھے غالباً چھے مہینے یا اس سے کچھ کم مدت کے بعد ملے ہیں، اسے کیا کہتے ہیں؟ آپ تو برابر خط لکھا کرتے تھے۔ لیجیے، صاحب، آپ کے خط ملتے ہی جواب لکھ دیا، اب آپ کیا کہتے ہیں میری وضع داری کے متعلق؟

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

F3/4 ماڈل ٹاؤن

دہلی-۹

۱۰/اگست ۱۹۷۶ء

مولانا![۱۵]

رسالہ ملا تھا، خط بھی ملا۔ آپ کی نثر کو دیکھ کر جی خوش ہوا، اور امید بندھی کہ آیندہ بھی آپ "مشقِ سخن" کو جاری رکھیں گے۔ یہ پہلی تحریر ہے (جو میں نے دیکھی ہے) آپ نے سلیقے کے ساتھ اپنے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ ویسے میں یہ عرض کروں کہ اس قماش کی صنعتیں اور اِس

طرح، فارسی کے اکثر شاعروں کے یہاں مل جائیں گی۔ بعض صنعتیں، مثلاً تضاد و مراعات النظیر تو تحریر و تقریر کا اس طرح جز بن چکی ہیں کہ ان کا پایا جانا، لوازم میں سے ہو کر رہ گیا ہے اور ان میں کسی شاعر کی تخصیص شاید ہی کی جاسکے، اور پھر نظم میں بہت سے مقامات پر لفظی یا معنوی رعایت خود بہ خود عمل میں آجایا کرتی ہے اور شاعر کو بھی اس کا علم بعد کو ہوتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اب آپ خسرو کی نثری تصنیف خزائن الفتوح کا جائزہ لیجیے، اس میں واقعتاً التزام اور کاوش کے ساتھ صنائع کو کھپایا گیا ہے اور پہلو تراشی کی گئی ہے۔

بہ ہر حال، اِس آغاز پر میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے اور ناموافق حالات کے باوجود اس سلسلے کو جاری رکھیے۔ خدا کرے آپ (جس طرح بھی ہوں) بہ عافیت ہوں، شکایت یہ ہے کہ آپ کے کئی خط نثر سے معمور، مگر نظم سے عاری تھے، یہ وضع داری کے خلاف ہے۔ کیا رباب آج کل اُسی دیار میں ہیں؟

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۰ر ستمبر ۱۹۷۶ء

مولانا![۱۶]

خط ملا تھا، سرور کے متعلق مجھے کچھ زیادہ نہیں معلوم۔ مجھے ان صاحب سے کبھی دل چسپی نہیں ہوئی، نہ میں انھیں شہید مانتا ہوں۔ ان کا شاعر ہونا بھی تحقیق طلب ہے، یعنی وہ سب رباعیاں، جو ان سے منسوب کی جاتی ہیں، اُن کا برحق ہونا۔ امرد پرستی اُن کی معروف ہے۔ ایک لڑکے ابھے چند کا حال تو تذکروں میں ملتا ہے جس پر عاشق تھے۔ اصلاً یہودی اور میرے خیال میں نصرانی تھے، کیوں کہ آرمینا میں، جہاں کے یہ تھے، عموماً نصرانی رہتے ہیں۔ بعد کو مسلمان ہوئے تھے، مگر یہ بھی تحقیق طلب ہے۔ مجھے اس میں بھی شک ہے۔ اور وہ مزار جو جامع مسجد کے سامنے ہے، ان کا لازماً نہیں، ہرگز نہیں۔ بعض احمقوں کی عقیدت ہے اور بس۔ شاہ جہان کے جب داراشکوہ نے ان کی تعریف کی، تو اُس نے عنایت خاں آشنا کو تحقیق حال کے لیے بھیجا، اُس نے واپس آکر عرض کیا:

بر سرمدِ برہنہ کرامات تہمت است　　کشفے کہ ظاہر است ازو کشفِ عورت است

یہ واقعہ تذکرۂ سرخوش میں لکھا ہوا ہے۔ داراشکوہ تو مجاذیب و مجانین کے معاملے میں عورتوں سے بھی زیادہ توہم پرست تھا، اس لیے اُسے اگر عقیدت ہو تو محلِ تعجب نہیں۔ یہاں اس کی کتابیں سفینۃ الاولیا

اور سکینۃ الاولیا موجود نہیں، وہاں ہوں تو دیکھیے کہ اُس نے اُن میں سرور کا ذکر کیا ہے؟ خطوط کو بھی دیکھا جائے، عملِ صالح، مآثرالامرا، مرقعِ دہلی، آثارالصنادید اور معاصر تذکرے وغیرہ پڑھنا چاہیے، تب کچھ حال احوال معلوم ہوگا۔ تذکروں میں کلمات الشعرا، مجمع النفائس، مقالات الشعرا وغیرہ ضرور دیکھنا چاہیے۔ عہد شاہ جہان و اورنگ زیب کی سب تاریخیں، سب تذکرے اور سیر وسوانح کی کتابوں کو دیکھنا چاہیے التزام کے ساتھ۔

میاں! میر صاحب نے جو شاعری کی ہے، وہ فاقوں کے ہجوم میں کی ہے، ان کی فراغت لکھنؤ آکر میسّر ہوئی، اور یہاں ان کی شاعری کا آب ورنگ وہ نہیں رہا جو دہلی میں تھا، جہاں فاقہ مستی تھی۔ تو میرے بھائی، اچھا کام تو اسی عالم میں ہوتا ہے، فرصت وفراغت ہو تو آدمی عیش کیوں نہ کرے، آنکھوں کا تیل کیوں ٹپکائے اور جی کیوں جلائے۔ اس لیے برادر! شاعری کو مرثیہ نہ بنائیے۔ یہ لہجہ تو یگانہ کو راس نہیں آیا تھا، تا بدیگراں چہ رسد۔ ویسے ہی شعر کہیے جیسے کہا کرتے تھے، اور خط لکھتے رہیے، کیا رباب وہاں ہیں؟

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔ ۷

۸؍نومبر ۱۹۷۶ء

مولانا! کیوں ہوا سے لڑتے ہو۔ لسانیات اور صوتیات، مستقل علوم ہیں، اُن میں فی الحال دخل مت دو۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں سے اختلاف سہی، مگر وہ ان مسائل کو فنّی طور پر ضرور جانتے ہیں اور یہ بات یاد رکھو کہ لسانیات کی دنیا الگ ہے، اُس کے اپنے اصول اور ضابطے ہیں۔ عام آدمی اُن سے غالباً متفق ہو بھی نہیں سکتا اور اُن کی اکثر باتوں کو فنی طور پر شاید سمجھ بھی نہیں سکتا۔ اور میں بھی اُنھی عام آدمیوں میں ہوں۔

تلفظ کا مسئلہ وہ نہیں جو آپ کے ذہن میں ہے۔ یہ اُن تغیرات کا مسئلہ ہے جو عربی وفارسی کے الفاظ میں یہاں کے لسانی اور طبعی تقاضوں کے تحت رونما ہوئے ہیں اور ایسے تغیرات ہر زبان میں ہوتے ہیں۔ خودمختار زبان کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے سانچوں میں ڈھال لیتی ہے، تلفظ کے لحاظ سے بھی اور ساخت یا شکل وصورت کے اعتبار سے بھی۔ مثلاً تنقید سے عربی والے واقف نہیں مگر اردو والے آشنا ہیں۔ اب ایک صاحب بابِ تفعیل

کی ترازو پر اِسے تولنا چاہیں تو ظاہر ہے کہ یہ مہمل کام ہوگا یا شکیل اور لئیق کو صراح و قاموس میں تلاش کرنا چاہیں اور جب نہ ملیں تو ان کو غلط کہہ دیں۔ یا مقصِد بولنے پر اصرار کریں اور مقصد کو غیر معتبر سمجھیں یا مثلاً "متشکّر" بولنے پر اصرار کریں اور اس معنی میں مشکور کو غلط سمجھیں یا مرفَن کو نکال باہر کرنا چاہیں وغیرہ۔ اس کتاب میں ایسے ہی مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اردو الفاظ کو عربی یا فارسی کے قواعد کی روشنی میں نہیں دیکھا جا سکتا، اگر کوئی شخص یہ حرکت کرتا ہے تو اس کا صاف طور پر مطلب یہ ہوگا کہ وہ علمِ لسان سے کم آشنا ہے اور زبانوں کے اصولِ ارتقا سے ناواقف ہے اور صحت مند نقطۂ نظر سے محروم ہے۔ احمد اور اکبر، دونوں بہ فتحِ اوّل ہیں، مگر احمد میں فتح کا وہ تلفظ رونما نہیں ہوتا جو اکبر میں ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ اردو کا یہ لسانی رجحان ہے کہ ح یا ہ سے پہلے حرفِ مفتوح آئے تو اس صورت میں اُس زبر کے تلفظ میں اور یہی پن پیدا ہو جاتا ہے اور اشمامِ کسرہ والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جیسے: محل، سہنا، بہنا، اب ایک صاحب احمد کو قرائت کے ساتھ بالکل عربی کے طریقے پر اُسی طرح بولیں جس طرح اکبر کو بولتے ہیں اور فتح کا ترچھا پن، زبر کے سیدھے پن سے ہی بدل جائے تو یہ حرکت فصاحتِ زبان کے قطعاً خلاف ہوگی اور بجا طور پر یہ سمجھا جانا چاہیے کہ ان صاحب کو اردو نہیں آتی۔ یا یہ کہ تازہ وارد ہیں۔ وغیرہ۔ رباب کا خط آپ کے لفافے میں ہے، صاحب! کچھ ان کا علاج بھی کر ڈالیے، اب ان کی گریز پائی کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ اشعار کہاں ہیں؟

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا! سلام

تاخیر تو ہمیشہ ہوا کرتی تھی، مگر اب کے تو گناہِ کبیرہ کی حد تک پہنچ گئی، اِس کا اعتراف کرتا ہوں۔ مگر یہ عرض کر دوں کہ اِن دنوں ذہنی طور پر میں بے حد پریشان رہا اور اب تک ہوں، بعض معاملات یہاں اِس قدر اُلجھ گئے ہیں کہ مسلسل ذہنی تشویش کا موجب بن کر رہ گئے ہیں۔ آپ آئے اور چلے گئے اور میں انتظار ہی کرتا رہ گیا۔ ۲۲ر کو میں اکثر وقت اپنے کمرے میں رہا۔ بس دو تین بار کافی ہاؤس گیا تھا کچھ دیر کے لیے اور اسی کے بیچ آپ کا پھیرا ہو گیا۔ مولانا صاحب نے ہرگز ہرگز آپ کا سلام نہیں کہا تھا اور اب تک نہیں کہا ہے، میں تو آپ کا خط آنے سے پہلے تک یہی سمجھتا رہا کہ کسی وجہ سے آپ آ نہیں سکے ہیں۔ سخت کوفت ہوئی آپ کا خط پڑھ کر کہ آپ آئے بھی اور ملاقات نہیں ہو سکی۔ بہ ہر حال، پھر سہی۔

آپ کی کتاب محفوظ ہے، ذرا امان پاؤں تو اُس کا انتظام کروں۔ میرا خیال ہے کہ تب تک میری نئی کتاب بھی آجائے گی، زیرِ کتابت ہے۔ دونوں ایک ساتھ بھیجوں تو اور بہتر ہوگا۔ غالبؔ کا یہ شعر تو ہزار بار پڑھا گیا ہوگا بے موقع بھی اور باموقع بھی، لیکن اِس وقت اِس کا محلِ استعمال قطعاً درست ہے، اِس کا یقین دلاتا ہوں:

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

نیا پتا نوٹ کرلیا ہے، مگر یہ کب تک کے لیے ہے؟ میرے ہوسٹل کا مسئلہ ہنوز الجھا ہوا ہے نہ انکار ہوتا ہے نہ اقرار، بس اُدھر میں لٹکا ہوا ہوں، یہ بھی ایک الجھن ہے۔ اُس مدرسے کا کیا حال ہے جہاں آپ بچّوں پر مشق فرمایا کرتے ہیں۔ ڈانٹ پھٹکار مت کیجیے گا اور نہ ماریے پیٹیے گا۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

ہاں، اب جو آپ کے خط کو دیکھا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۲۱ر کو آئے تھے، حالاں کہ آپ نے مجھے اپنے خط مورخہ ۱۱ر مارچ میں لکھا تھا کہ آپ ۲۲ر کو آئیں گے۔ اِسی لیے میں ۲۲ر کو منتظر رہا اور ۲۱ر کو غیر حاضر رہا۔ یہ آپ نے ستم کیا۔ اب ملاقات ہوتی تو کیسے۔ آپ کو تبدیلیِ تاریخ کی اطلاع ضرور کرنا چاہیے تھی۔ اتفاق سے آپ کے پچھلے سب خط محفوظ تھے، ابھی اُن کو ازسرِ نو پڑھا تو یہ انکشاف ہوا۔ اب یہ فرمائیے کہ قصور کس کا ہے؟

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲ر جون ۱۹۷۷ء

مولانا! ۱۸

آپ کے دو خط ملے تھے۔ صاحب! باغ و بہار پہلی بار ۱۸۰۳ء میں چھپی تھی ٹائپ میں، اب ۱۹۰۳ء کی اشاعت، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، بہت بعد کی ہوئی، اُس کی ضرورت نہیں، قدیم ترین اشاعتوں کی ضرورت ہے۔ ذہن میں رکھیے، کہیں نظر آجائے تو ٹھیک ہے، ورنہ تلاش جاری رہے گی۔

یہاں موسم واقعتاً دیوانہ گر ہوگیا ہے، سخت گرمی اور سخت تر لو، گھر سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ بل کہ یوں کہیے کہ جان پر کھیلنا ہے، اللہ جانے اُس دیار کا احوال کیا ہے۔ وہاں تو الکشن کی گرمی بھی اس میں شامل ہوگئی ہوگی۔ ستم بالائے ستم۔ آپ کیسے ہیں اور کیا وہ آپ نے شاعرِ وارستہ مزاج آپ کے ساتھ ہیں یعنی اُسی دیار میں ہیں؟ آپ کی تعلیم کا احوال کیا ہے۔ کسی سے لڑائی جھگڑا تو نہیں کیا آپ نے؟ ابھی اس کاروبار کو ملتوی رکھیے، اس کا موسم بھی آئے گا، تب اس کا حق ادا کیجیے گا۔

خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۱؍نومبر ۷۷ء۱۹

برادرم!

آپ کا خط مل گیا تھا۔ میں یہاں یکم کو آ گیا تھا اور آتے ہی اقبال سیمنار میں الجھ گیا اور پھر اس کے ''حواشی و تعلیقات'' میں، بہ ہر حال معذرت طلب کرتا ہوں تاخیر جواب پر۔ اب آج کچھ اطمینان ہوا ہے۔ صاحب! آپ کے حالات بہت دل خوش کُن ہیں، مگر بہ قول غالب:

برو بشادی و اندوه دل منه کو قضا چو قرعه بر نمط امتحاں بگرداند
یزید را به بساط خلیفه بنشاند کلیم را بلباس شیاں بگرداند
تو نالی از خلهٔ خار ونگری که سپهر سر حسینِ علی بر سناں بگرداند

یہ سب شاعری سہی، خاص طور پر سر حُسین اور خلافت یزید والی بات؛ مگر برادر! اور کریں بھی کیا اور کہیں بھی کیا۔ اسی طرح کچھ تسکین مل جاتی ہے۔ میں بھی یہاں کچھ خوش نہیں، کچھ تفصیل رباب بتا سکتے ہیں، مگر بات وہی ہے کہ پھر کیا کروں۔ ہائے ذوق، کیا بات کہی ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

نہ ہماری آپ کی زبان بدلے گی اور نہ دوسروں کے دل بدلیں گے، جہاں یہ ضدم ضدا ہو، وہاں شکایت کس سے کی جائے اور کس کی۔ اصل میں ہم خود ہی مجرم ہیں اپنے، حق گوئی اور صاف بیانی کا راستہ آخر اختیار ہی کیوں کیا، اب ادھر آ نکلے ہیں، بل کہ یوں کہیے کہ اسی دائرے کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں تو پشیمانی کیوں ہو اور شکایت کیوں کی جائے۔ از ماست کہ بر ماست، انشاء اللہ عمر اس طرح گزرے گی، فانی یاد آ گئے:

کچھ امید کرم میں گزری عمر کچھ امید کرم میں گزرے گی

اور یہ بھی کہ: زندگی ہے تو غم میں گزرے گی۔ ہمیں تو فخر کرنا چاہیے اس پر کہ چوروں اور منافقوں کے ہجوم سرخوشاں سے ہم الگ ہیں، اور حبیب تمنا تہی سہی، سر پر تاج جہالت تو نہیں۔ کسیکہ کشتہ نشد از قبیلهٔ ما نیست۔ صاحب! خط لکھا، خوب کیا؟ اب خوب تر سے نوازیے یعنی تازہ اشعار سے۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷

۱۹ ر ستمبر ۱۹۷۷ء

برادرم! [۲۰]

ایک مہینا شاہ جہان پور کی نذر ہوا اور پھر ایک مہینے تک یہاں مکمل اسٹرائک رہی، اس لیے سارا کاروبار بند رہا۔ آپ کے خط کے جواب میں بھی اسی لیے تاخیر ہوئی۔

امتحان کا حال معلوم ہوا، افسوس ہے۔ خیر، پھر سہی۔ نامرادیاں مقدر ہیں، وہ کسی شکل میں ہوں اور کوئی سا بھیس بدل کر آئیں۔ سچ کہا ہے: زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں۔ مختلف وسیلوں اور زاویوں سے ہم سبھی کسی نہ کسی طرح ان کا شکار ہیں اور ہوتے رہیں گے (انشاء اللہ)۔

دیکھیے بھائی، یہ شعر گوئی پر ایمر جنسی لگانے کی نہیں ٹھہری ہے۔ میرا لکھنا تو محض بر بنائے تنبیہ تھا اور خلوص پر مبنی تھا۔ اِس طرح تو میں اپنے آپ کو گناہ گار سمجھوں گا۔ اب غصہ تھوک دیجیے اور پھر سے شعر گوئی شروع کر دیجیے۔ سعدیؔ کا قول ہمیشہ سامنے رہنا چاہیے کہ: کفارۂ یمین سہل است و آزردنِ دلِ دوستاں جہل۔

ربابؔ کو ڈھونڈیے، وہ شاید کچھ خفا ہیں، اُن سے کہیے کہ اس نیک کام کو تو دوسرے بھی کرتے ہیں، وہی کیوں کریں۔ اُن سے خط لکھوایئے۔

عہدِ تغلق کے فارسی ادب سے میری بھی شناسائی کچھ یوں ہی سی ہے۔ اصلاً اِس موضوع پر ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڑھ یونی ورسٹی) نے کام کیا ہے۔ اُن سے صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ میں جو کچھ لکھوں گا وہ نا تمام معلومات پر مبنی ہوگا۔ حاصل کچھ نہیں۔

اپنی خیریت سے مطلع کیجیے اور اس سے بھی کہ شعر گوئی شروع کر دی ہے یا کہ اُس کا ارادہ ہے۔ مولانا! اس معاملے میں ضد کی نہیں ٹھہری ہے، یہ سمجھ لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷

۲؍فروری ۱۹۷۸ء

برادرم![۲۱]

نقوش اب ایک زمانے سے میرے پاس نہیں آتا۔ وہ لوگ بھی آخر کہاں تک صبر کرتے، برسیں ہوگئیں کہ اُن کے لیے کچھ نہیں لکھا۔ اس لیے اگر اُس کے کسی ''حالیہ شمارے میں'' کوئی مضمون چھپا ہے تو وہ میرے پاس نہیں ہو سکتا۔ مجبوری ہے، صبر کر لیجیے۔ صاحب! آپ جیسے وضع دار اور گوارا کرنے والے مخلصین زیادہ نہیں ہوتے، یہ آپ ہی ہیں جو اب تک نبھائے چلے جا رہے ہیں۔ اس کا معترف ہوں اور ممنون۔ رباب کا اگر کبھی کہیں پتا نشان ملے تو مطلع کیجیے گا۔ اُن کو اُن کے حال پر مت چھوڑیے، اُن کی خبر رکھیے، اُن کا احوال بھی کچھ کم پریشان کُن نہیں، اس لیے وہ آپ کی ہمدردی کے مستحق ہیں، ناراضی کے نہیں۔ ہم سب اسی لیے یہاں آئے ہیں کہ اپنے ہی جیسے پریشان حالوں کو بھرتے بھگتتے رہیں، کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ درد و غم کا رشتہ، سب سے مضبوط رشتہ ہوتا ہے یا ہونا چاہیے، اور ہم سب اُسی میں بندھے ہوئے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۶؍فروری ۱۹۷۸ء

برادرم![۲۲]

معاف کیجیے، لفافہ موجود نہیں اس لیے خط لکھ رہا ہوں۔ نقوش کا پتا: دفتر نقوش، انارکلی، لاہور۔

آپ اپنا مسودہ ضرور بھیجیے، مجھے اُسے دیکھ کر اور نشانات لگا کر واقعی مسرت ہوگی۔ رباب اگر کہیں مل جائے تو میری طرف سے پوچھ لیجیے گا، چند روز میں ان کو بھی خط لکھوں گا۔

مختصر خط کی معذرت۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۸؍مارچ ۱۹۷۸ء

مولانا![۲۳]

وہ شاعرِ دل گداختہ و دل باختہ کس وحشت کدے کی زینت ہیں؟ اُن کا پتا بھی بھول گیا ہوں۔ خط اُنھوں نے مہینوں سے نہیں لکھا۔ ناراض اُن کو آپ کرتے ہیں اور بدلا وہ مجھ سے لیتے

ہیں۔ یہ آپ دونوں کے رازونیاز خوب ہیں۔ بہ ہر حال، میری خاطر یہ زحمت گوارا کر لیجیے کہ یہ خط اُن تک بہ دستِ خود پہنچا دیجیے، ممنون ہوں گا۔ اگر وہ روانہ ہو چکے ہوں تو پھر اسے اپنے لفافے میں رکھ کر شاہ جہان پور بھیج دیجیے۔ اس زحمت دہی پر معذرت طلب ہوں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں، اگرچہ توقع اس کی ہے نہیں۔ آپ کی عافیت آشوبی بھی کچھ کم نہیں، دیوان کس منزل میں ہے؟ میری کاپی ابھی سے محفوظ کر لیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۱/اپریل ۱۹۷۸ء

برادرم![۲۴]

مجموعہ کل شام کی ڈاک سے ملا، بے حد مسرّت ہوئی، میری طرف سے پُرخلوص مبارک باد۔

میں کل شاہ جہان پور جا رہا ہوں، ۲۴/اپریل تک واپسی ہوگی۔ اِس خط کو رسید سمجھیے۔

ہاں، اغلاطِ کتابت تو اردو کتابوں کا مقدّر ہیں۔ میں ساری کوشش کے باوجود آج تک اُن سے محفوظ نہیں رہ سکا ہوں۔ مگر اب یہ ضروری ہے کہ آپ جن لوگوں کو ذاتی طور پر یہ نسخہ دیں یا بھیجیں تو تصحیح کر کے بھیجیں۔ مختصر سا مجموعہ ہے، اس لیے تصحیح میں کوئی خاص دقّت نہیں ہوگی۔ جگہ جگہ لفظ چھوٹ گئے ہیں۔ یہ التزام ضروری ہے، تصحیح کے بغیر کسی کو مت دیجیے۔

ایک بات اور: یہ جو آغازِ کتاب میں آپ نے اپنے قلم سے عبارت لکھی ہے جس میں گویا اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے، تو میرے بھائی! یہ قطعاً غیر ضروری ہے۔ اوّل تو اس مجموعے میں ایسی کوئی بات ہے نہیں اور ہوئی بھی تو وہ شاعرانہ تغیر کے ذیل میں آجاتی، اِس طرح تو گویا آپ قاری کو مبتلائے شک کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ شاعری کی روایت سے آگاہ نہیں۔ اس سے احتراز کیجیے۔ ایسی باتوں کو سنجیدہ لوگ غیر مناسب سمجھتے ہیں۔

میر علائی آج کل عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ اساتذۂ فارسی کی انجمن نے اُن کے خلاف احتجاج کیا ہے اور اس کے اثر سے فی الحال وہ دفتر میں نہیں آتے۔ مجھے یہ بات کسی نے بتائی تھی، میرے دوست ڈاکٹر نورالحسن انصاری غالباً راوی تھے اس کے۔ وہ انجمن اساتذۂ فارسی کے سکریٹری ہیں۔ میں پھر پوچھوں گا اُن سے کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ ایک بار پھر مبارک باد۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۷؍مئی ۱۹۷۸ء
عزیزم![۴۵]

جی ہاں، میں واپس آ گیا۔ براتِ معنی پر میں تبصرہ ضرور لکھوں گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ تحریک کا جُبلی نمبر شائع ہونے والا ہے، غالباً اس ماہ کے آخر تک یا جون کے آغاز میں، اس لیے اگر تحریک میں وہ تبصرہ شائع ہو تو گویا جولائی کے مہینے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اُن کا کوئی عام نمبر اِدھر نہیں نکلے گا، بیاض میں اگر شائع ہو تو اُس کا نیا نمبر بھی جولائی میں آئے گا۔ اس صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ آپ اگر بیاض یا تحریک کو پسند کریں تو پھر جولائی تک انتظار کرنا ہوگا۔ بہ صورتِ دیگر میں تبصرہ لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں، اور آپ اُسے جہاں چاہیں چھپوا دیں۔ فرمایئے، کیا حکم ہے؟
رباب صاحب سے کہیے کہ مجھے اُن کے خط کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

پس نوشت: اُن کے نام کا خط ملفوف ہے۔ زحمت گوارا کیجیے اور پہنچا دیجیے۔ اِس بہانے ہی آپ کی ملاقات اُن سے ہو جائے گی۔ آپ دونوں شام کو برادر حضرت گنج کی طرف کا ایک چکّر ضرور لگا لیجیے، اِس سے دونوں کا بھلا ہوگا۔

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۱۸؍مئی ۱۹۷۸ء
مولانا![۴۶]

دونوں خط ملے۔ کل ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ماہر القادری صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آدمی معتبر ہیں۔ میں نے کراچی ایک صاحب کو خط لکھا ہے دریافت حال کے لیے، وہ میرے کرم فرما تھے۔ سخت افسوس ہے۔ پاکستان میں ایسے کسی رسالے سے واقف نہیں۔ خان آرزو پر کوئی مستقل کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ ڈاکٹر منوہر سہائے انورؔ مرحوم کا تحقیقی مقالہ چھپا نہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہے کہاں۔ غالباً لاہور میں ہوگا۔ انھوں نے خان آرزو پر پی ایچ ڈی کیا تھا۔ خیال یہ ہے کہ وہ قاعدے کا مقالہ ہوگا۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا، متفرق مضامین چھپے ہیں، مگر وہ کچھ قابلِ ذکر نہیں۔ ایران میں ایک خاتون آرزو کا تذکرہ مجمع النفائس مرتب کر رہی

ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی صاحب زادی اُن کی دوسری کتاب مثمر پر کام کر رہی ہیں۔ اُن کا لُغت چراغِ ہدایت جو یہاں بھی کئی بار چھپ چکا ہے، ایران سے ابھی شائع ہوا ہے۔ اب تک مجمع النفائس (فارسی تذکرہ) سراج اللغتہ (فارسی لُغت) اور مثمر (لسانیات پر) غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کتابوں کے متعدد خطی نسخے یورپ اور ہندستان و پاکستان کے کتاب خانوں میں محفوظ ہیں۔

عابدی صاحب کے مکان کا پتا معلوم نہیں، لیکن معلوم کر کے لکھ دوں گا۔ آج کل یونی ورسٹی میں چھٹیاں ہیں، اِس لیے کوئی آ نہیں رہا ہے۔ غزنوی عہد کے متعلق بھی معلومات حاصل کر کے لکھوں گا۔ آپ براہِ کرم ایک ہفتے یا دس دن کے بعد یاد دہانی ضرور کرا دیجیے گا۔ میں آج کل ایک الجھن کا شکار ہوں، خیال ہے کہ ۸، ۱۰ دن میں اس سے نجات مل جائے گی۔ اس کے بعد میں یہ معلومات فراہم کر دوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۵ رمئی ۱۹۷۸ء

برادرم! کرم

کیا میرا لفافہ اب تک نہیں ملا؟ آپ کے تازہ خط سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، میں نے اُس میں خان آرزو سے متعلق بعض باتیں لکھی تھیں۔

بہ ہر حال، اب تکرار سہی۔ ڈاکٹر منوہر سہائے انور کا مقالہ میں نے بہ چشم خود نہیں دیکھا، البتہ اس کا ایک ٹکڑا دلی کالج میگزین کے میر نمبر میں دیکھا تھا اور اُسی سے یہ اندازہ کیا تھا کہ مقالہ قاعدے کا ہوگا۔ میں عابدی صاحب سے معلوم کروں گا کہ وہ مقالہ (جواب تک چھپا نہیں) کس یونی ورسٹی میں داخل کیا گیا تھا۔ چوں کہ آج کل یونی ورسٹی میں چھٹیاں ہیں، اس لیے لوگوں سے ملاقات نہیں ہو پا رہی ہے۔

خان آرزو پر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری، غالباً نہیں لکھی گئی۔ خان آرزو کی غیر مطبوعہ تصانیف میں سراج اللغتہ، مثمر اور تذکرۂ فارسی شعرا مجمع النفائس قابلِ ذکر ہیں۔ مثمر پر علی گڑھ میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی صاحب زادی کام کر رہی ہیں۔ مجمع النفائس پر کوئی خاتون تہران میں کام کر رہی ہیں، البتہ سراج اللغتہ اب تک محرومِ التفات ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ زار یزدانی مرحوم کا ایک معمولی سا مقالہ آرزو پر نقوش کی کسی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ معارضۂ آرزو و حزیں پر قاضی عبدالودود صاحب کا مقالہ معاصر کی کسی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ آرزو کا لُغت

نوادرالالفاظ شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اسے مرتّب کیا تھا۔ اس پر مفصّل مقدّمہ بھی لکھا ہے۔ تذکروں میں آرزو کا حال عام طور پر ملتا ہے، سارے موٴخر تذکروں میں، خاصی تفصیل کے ساتھ۔ خود آرزو نے مجمع میں اپنے حالات لکھے ہیں اور اُن کے شاگرد خوشگو نے اپنے تذکرے سفینۂ خوشگو میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس تذکرے کے لیے آرزو نے اپنے حالات خود لکھ کر بھیجے تھے۔ تذکرہ نویسی پر جو کتابیں ایران و ہند و پاک میں شائع ہوئی ہے، اُن میں آرزو کے تذکرے کا احوال مل سکا ہے، مثلاً احمد گلچین معانی کی کتاب (دو جلدوں میں) یا تذکرہ نویسی در ہند و پاک۔ یہ بھی تہران سے شائع ہوئی ہے (وغیرہ)۔ معارضۂ حزیں و آرزو پر مولانا صہبائی نے جو محاکمہ لکھا ہے، اور جو اُن کے مطبوعہ کلّیات میں شامل ہے، اُس سے بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ غرض فارسی کے تذکروں میں بہت مواد بکھرا ہوا ہے۔ آرزو کے دو رسالے موہبت عظمیٰ اور عطیۂ کبریٰ بھی چھپ چکے ہیں۔ آرزو کثیر التصانیف تھے۔ کتابوں سے متعلق سب تفصیل تذکروں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

عابدی صاحب کو اس پتے پر خط لکھا جا سکتا ہے:

پروفیسر امیر حسن عابدی
پروفیسر بنگلوز، کیولری لائن، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

مولانا، گرمی نے حواس خراب کر رکھے تھے، دس بارہ دن سے، مزاج پوچھ لیا ہے، اِس لیے باقی تفصیل پھر کبھی۔ حال سے بے حال ہوں۔ ذرا موسم بدلے تو ذہن چلے۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

[illegible] ۱۹۸۰ء

مولانا![۲۸]

خط ملا ہوگا۔ عابدی صاحب کے بنگلے کا نمبر لکھنا بھول گیا تھا۔ پورا پتا یوں ہے:

Prof. A. H. Abidi
14,Cavalry Lines
Mall Road, Delhi-7

آپ کا مزاج کیا پوچھوں، وہ تو موسم پوچھ رہا ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳ر جون ۱۹۷۸ء

مولانا![۲۹]

خط ملا، عہدِ تغلق پر سب سے مفصّل کتاب آغا مہدی حسن مرحوم کی ہے انگریزی میں اس کا نام ہے Tughlaq Dynasty۔ اُن کی ایک اور کتاب ہے: محمد بن تغلق۔ پہلی کتاب بہت مفصّل ہے اور سارے مآخذ و مراجع اُس میں یک جا کر دیے گئے ہیں۔ آپ اس کتاب کو لائبریری سے لے لیجیے اور اس سے سارے مخطوطات اور مصادر کے نام نوٹ کر لیجیے۔ یہ اکیلی کتاب آپ کے لیے ساری ضروری معلومات فراہم کر دے گی، ویسے عصامی کی فتوح السلاطین بھی کام کی تاریخ ہے اور خسرؔو پر وحید مرزا کی جو انگریزی والی مفصّل کتاب ہے، اُس میں بھی کچھ باتیں مل جائیں گی۔ بہ ہر حال، آپ جو کام کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے یہ، کتابیں کافی ہیں، کسی اور پھیر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

انصاری صاحب سے میں آپ کا پیغام کیوں کہوں، جب کہ آپ اُنھیں خط لکھتے رہتے ہیں۔ اس کا حال مجھے معلوم ہے۔

میں جولائی میں شاہ جہان پور جا سکوں گا، میری ایک کتاب تیاری کے مراحل میں ہے، پریس جانے کے لیے، اسی میں الجھا ہوا ہوں۔ خط لکھتے رہیے۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۴ر اگست ۱۹۷۸ء

مولانا! خط ملا۔ دیکھیے صاحب آرزؔو اور صہبائؔی کا شمار اپنے عہد کے افاضل میں تھا۔ چشمک اور طرفداری سے قطعِ نظر، یہ لوگ واقعی عالم تھے۔ ہم لوگ تو ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔ آرزؔو کا مرتبہ بڑا تھا، وہ صحیح معنی میں نابغہ تھے۔ جس زمانے میں لوگ لسانیات سے ناآشنا تھے، کیوں کہ یہ علم ہی عالمِ وجود میں نہیں آیا تھا؛ اُس زمانے میں آرزؔو نے توافقِ لسانین کا نظریہ دریافت کیا اور اس پر ایک مکمل کتاب مثمر لکھی۔ علمِ لغت میں جہانگیری اور رشیدی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ رشیدی نے جہانگیری کی اغلاط کی نشان دہی کی تھی؛ آرزو نے سراج اللغۃ میں اِن دونوں

پر تنقید کی، محاکمہ کیا اور ایک اعلا لغت داں کی طرح اپنا لغت لکھا۔ یہ لغت اس قابل ہے کہ فخر کے ساتھ آج بھی اہلِ زبان کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ خود چراغِ ہدایت اپنے موضوع پر منفرد لغت ہے۔ اردو کا سب سے اہم لغت اُس عہد کے لحاظ سے انھیں نے مرتب کیا تھا نوادر الالفاظ کے نام سے۔ یہ چھپ چکا ہے اور ''زبانِ گوالیاری'' کا مستند مرقع ہے۔ فارسی کا ضخیم ترین تذکرہ ہندستان میں اُنھی نے مرتب کیا۔ مجمع النفائس کے نام سے۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے عہد میں نہایت ذہین لوگوں کی ادبی تربیت کی۔ محمد حسین آزاد کا یہ قول بالکل درست ہے کہ جب تک منطقی ارسطو کے عیال کہلائیں گے، اردو کے شعرا و ادبا آرزو کے فیض یافتہ کہے جائیں گے۔ ذرا دیکھیے تو کہ میر، سودا، آبرو، خوشگو جیسے شعرا کی انھوں نے تربیت کی تھی۔ کیا صرف یہی ایک بات ان کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں!

لیکن آرزو کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہند ایرانی نزاع کے سلسلے میں اُنھوں نے مجتہد کا رول ادا کیا۔ آپ اُن کی زبان پر نام رکھتے ہیں، خوب! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندستان میں فارسی کا اسلوب اور آہنگ ہمیشہ سے ایران سے مختلف رہا ہے اور آرزو نے اسی پر زور دیا تھا۔ پھر یہ کیسی زیادتی ہے کہ آپ ان کی زبان کا موازنہ آج کی فارسی سے کر رہے ہیں، اسے کہتے ہیں ستم ظریفی۔ مولانا! آپ نے آرزو کے سلسلے میں جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے، اُس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ آپ کو کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ حد ادب کا لحاظ رکھیے اور مسائل کو پہلے سمجھنے کی کوشش کیجیے ابھی تو آپ کا عالم طالب علمی ختم نہیں ہوا ہے، ابھی سے آپ اساتذہ پر حرف گیری کرنے لگے اور بغیر سمجھے بوجھے۔ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا اور سمجھنا ہے اور ذہنی طور پر سانچے میں ڈھلنا ہے۔ علم کی صبحِ کاذب سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، انکار اور استہزا بہت آسان ہے لیکن ابھی آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اُن کی حدیں کہاں ختم ہوتی ہیں اور مآل کیا ہوتا ہے۔ آپ کو ان سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ انکار کی صفات کے بجائے، اثبات کی طرف آپ کی توجہ منعطف ہو۔ اچھا کام کیجیے، صرف یہی نجات کا وسیلہ ہے۔ نکتہ چینی کی عمر پڑی ہے، جب وہ منزل آجائے تو اس فرض کو بھی ادا کر لیجیے گا۔ میں ۱۵ر کی شام کو دہلی کے لیے روانہ ہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

دہلی

۱۸ر اگست ۱۹۷۸ء

مولانا!

آپ کے دو خط ملے، پہلے خط کے سلسلے میں یہ لکھنا ہے کہ تحریک کا خاص نمبر اب تک نہیں نکلا، میرا وعدہ اپنی جگہ پر ہے، مطمئن رہیے۔ غالباً یہ خاص نمبر اگلے مہینے تک نکل سکے گا۔

دوسرے خط کے سلسلے میں: اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک خط ضابطے کا دہلی یونی ورسٹی لائبریری کے لائبریرین کے نام لکھیے اور اُن سے استفادے کی اجازت لیجیے، اجازت مل جانے پر تحقیقی مقالوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، لائبریری کے اندر بیٹھ کر۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۹؍ستمبر ۱۹۷۸ء

مولانا! سلام

میں بہ خیریت ہوں۔ یوسف حسین خاں صاحب کے گھر کا نمبر مجھے یاد نہیں۔ خط لکھنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔ لیکن آپ اُن کو معرفت غالب اکیڈمی، نظام الدین (ویسٹ) دہلی-۱۳ لکھیں گے تو خط اُن تک بہ حفاظت پہنچ جائے گا۔ وہ وہیں پاس ہی رہتے ہیں۔ رباب کا ایک خط شاہ جہان پور سے آیا تھا، آپ کے سفر کی اور ملاقات نہ ہونے کی اطلاع انھوں نے دی تھی، یہاں اصل میں اب تک بعدِ سیلاب کے اثرات کے شکار ہیں بہت سے لوگ، لائبریری بھی اُن سے محفوظ نہیں۔ اکثر ملازم اُن علاقوں میں رہتے تھے۔ جو سیلاب سے بے طرح متاثر ہوئے اس لیے وہ اب تک گویا رخصت پر ہیں، اسی لیے لائبریری صرف ۵ بجے شام تک کھلتی ہے، ۹ بجے رات تک کے بجائے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷

۷؍اکتوبر ۱۹۷۸ء

مولانا![۳۱]

خط ملا تھا۔ چند ضروری باتیں:

(۱) میرا کمرا بدل گیا ہے، نئے کمرے کا نمبر ۹ ہے، اِسے نوٹ کر لیجیے۔

(۲) براتِ معنی کا ایک نسخہ آپ فوراً بھیج دیجیے، اس کی ضرورت ہے۔ رجسٹری مت کیجیے گا، دیر لگے گی، سادہ ڈاک سے بک پوسٹ بھیجیے بہ حفاظت مل جائے گا۔ ڈاک میں شمع اور بیسویں صدی جیسے پرچوں کی چوری ہوتی ہے۔

(۳) زبان اور قواعد ترقی اردو بورڈ نے چھاپی تھی اور سرکاری پھیر میں یہ ہوا کہ زائد کتابیں نہیں ملیں۔ اِس لیے اب صبر کیجیے۔ اردو املا اتفاق سے مل گئی تھی، وہ بھیج دی گئی تھی۔ نئی کتاب اگر چھپ سکی، تو وہ مل جائے گی۔ یہ اصولِ تحقیق پر ہے۔

(۴) آپ نے پھر گڑبڑ کی! طے یہ ہوا تھا کہ تحریک کا خاص نمبر نکل جائے تو پھر میں دوسرے شمارے میں تبصرہ لکھوں گا، اور وہ وعدہ مجھے یاد ہے۔ خاص نمبر میں لکھنے کا وعدہ تو ہوا نہیں تھا، پھر تقاضا کیوں؟ خاص نمبر آگیا ہے۔ اب اگلے شمارے کے لیے لکھوں گا۔

رباب اگر آگئے ہوں تو اطلاع دیجیے۔ ذرا معلوم کر لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۷/اکتوبر ۱۹۷۸ء

مولانا![۳۲] کتاب مل گئی اور تبصرہ لکھ گیا۔ کل روانہ ہوگا۔

رشید حسن خاں

جب رباب آئیں تو ضرور لکھیے گا۔

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸/دسمبر ۱۹۷۸ء

مولانا![۳۳]

بچی بہت خوش نصیب ہے، مبارک باد۔ پریشانی کے دنوں کی بعض یادگاریں بہت اچھی ہوا

کرتی ہیں اور اِس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ خدا اُسے عمر دراز اور صحت و عافیت عطا فرمائے۔

کتاب چھپ کر آ گئی، بُری چھپی ہے، مگر کیا کروں، بہ ہر حال میری کتاب ہے۔ ایک جلد آپ کے لیے اور ایک نیر مسعود کے لیے ہے، آپ زحمت گوارا کر کے اُن تک پہنچا دیں۔

رسید بھیجیے۔ ربابؔ غالباً پاکستان چلے گئے، بہ ہر حال، خوش رہیں جہاں رہیں۔

رشید حسن خاں

نیر مسعود صاحب سے کہیے کہ رسید سے مطلع کریں۔

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی.سی.۹، گائڑ ہال

۳ر جنوری ۱۹۷۹ء

مولانا! [۴۴]

آپ کے کئی خط واجب الجواب ہیں، ایک خط تو کل ہی ملا ہے، آپ کی اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ اب ایسے یاد رکھنے والے گویا عنقا ہیں ربابؔ کا احوال مطلق معلوم نہیں، وہ وہاں کیا گئے، کہ کھو گئے۔ نئے لوگوں میں گھر کر پرانے ساتھیوں کو فراموش کر دیا۔ مگر یہ عارضی فراموشی ہے، شام کو لوٹ کر گھر ہی آنا پڑے گا ضرور آئیں گے۔ یہ شخص دل کا اچھا اور بہت اچھا ہے، بس کبھی کبھی ذہنی جدیدیت کا دورہ پڑ جایا کرتا ہے، سو وہ قابلِ معافی ہے۔

''گیلری'' کا انتظار ہے۔ اگر کچھ نئے شعر کہے ہوں تو ضرور لکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۵ر جنوری ۱۹۷۹ء

مولانا! [۴۵]

آج آپ کا ایک اور خط ملا۔ میں کل یا پرسوں ایک لفافہ بھیج چکا ہوں۔

تحریک کا شمارہ جنوری غالباً ۱۰ر جنوری تک آئے گا۔ پیامِ تعلیم، بچوں کا رسالہ ہے، میں آپ کو کیوں بھیجتا۔ یہ آپ کے کسی دوست کا کرم ہے از قسمِ مزاح المومنین۔

براتِ معنی کے تبصروں کو آپ اپنے ہی رسالے میں دوبارہ چھاپیں گے؟ میری نظر میں یہ غیر مناسب ہے کیوں کہ سنجیدگی کے خلاف ہے اور صائبؔ کے الفاظ میں: ثنای خود بخود گفتنی نمی زیبد ترا صائب۔ دوسروں کو تعریف کرنے دیجیے اور چھاپنے دیجیے۔ نیز مسعود صاحب کا خط آج آیا ہے۔ میں اس ماہ کے وسط میں شاہ جہان پور جاؤں گا دس بارہ دن کے لیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی سی ۹، گائر ہال

۲ر مارچ ۱۹۷۹ء[۳۶]

مولانا! آپ کہاں ہیں؟ خیریت سے مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۴ر مارچ ۱۹۷۹ء

مولانا![۳۷]

آپ کو خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ دلی مبارک باد۔ ایک مخلص اور غم گسار کی حیثیت سے یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اِس نئی جگہ پر دل لگا کر کام کیجیے گا، مطالعہ کیجیے گا اور بے اطمینانی کے زبانی اظہار کو مرحوم فرض کر لیجیے گا۔ ہم سب بہ قدرِ شوق سے محروم ہیں۔ زیادہ شکایت کرنے سے، زندگی، میر انیسؔ کا مرثیہ بن کر رہ جاتی ہے، البتہ یہ خواہش ضروری ہے کہ اِس کے بعد جلد ہی آپ کو بہ قدرِ زیست کچھ ملے، یہی دُعا ہے۔ ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب آپ کے وہاں جانے سے، میرے وہاں آنے کے لیے ایک بہانہ پیدا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی موقعے پر اُس کتاب خانے کو دیکھنے کی غرض سے اُدھر کا پھیرا ہو جائے۔

دعائیں اور مبارک باد۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی. سی. ۹، گائر ہال

۲۴/اپریل ۱۹۷۹ء

مولانا! [۳۸]

خط ملا، جنتری اور مجموعہ، دونوں تحفے موصول ہوئے تھے۔ شکر گزار ہوں۔ موسم کی بے مہری بڑھتی جارہی ہے اور میں حواس باختہ ہو رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اس مہینے کے اوائل میں دو ہفتے کامل مبتلائے بخار رہا۔ نقاہت کا عمل دخل اب تک ہے۔ اِسی لیے خط نہیں لکھ سکا۔ ندوے والے آپ سے مطمئن ہیں، یہ بڑی بات ہے، ورنہ وہاں کے لوگ تو مولانا شبلی کو برداشت نہیں کر سکے تھے۔ نباہے جایئے، یہ بہت ضروری ہے۔ یہ بتایئے کہ ندوے کے کتاب خانے میں باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کے قدیم ترین مطبوعہ نسخے کس سنہ کے ہیں؟ صرف ۱۳۰۰ھ سے قبل کے نسخے قابلِ ذکر ہوں گے، یعنی ۱۲۵۹ھ سے لے کر ۱۲۸۲ھ تک کے۔ کوئی نسخہ اگر ہو تو اس کی نشان دہی کیجیے، شاید کبھی اُدھر آنا ہو تو ذہن میں رہے۔

خدا کرے آپ موسم کی بلّیات سے محفوظ ہوں۔

رباب صاحب کا ابھی خط ملا ہے، ۳۰/اپریل تک وہ کراچی میں رہیں گے۔

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی. سی. ۹، گائر ہال

مئی ۱۹۷۹ء

مولانا! [۳۹]

کل خط ملا، باغ و بہار کا کوئی نسخہ کام کا نہیں۔ اس کا اہم نسخہ وہ ہے جو ۱۸۰۵ء میں چھپا تھا۔ کلکتے سے، ٹائپ میں۔ اگر وہ کہیں ملے تو ایک بات ہے۔

فسانۂ عجائب کے وہی نسخے کام کے تھے جو غائب ہیں۔ ہاں ۱۲۶۷ھ (مطبع محمدی) والا نسخہ کچھ کام کا ہو سکتا ہے۔ خیال رکھیے کہ یہ غائب نہ ہونے پائے۔ یہی صورت ۱۲۷۹ھ والے نولکشوری نسخے کی ہے۔ مجھے ان کی ضرورت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ استفادہ وہیں آکر کر سکتا ہوں۔ ان کو نظر میں رکھیے۔ اب یہ نہ غائب ہوں۔

دیکھیے صاحب! ہم آپ آدمی ہیں، اس لیے ہمیں غم بھی کھانا ہوگا۔ یہ شرف دوسرے جان

داروں کے حصّے میں نہیں آیا، اِس لیے نہ گریباں چاک کیجیے نہ سر پھوڑیے۔ آپ نے لکھا ہے: ''ایک سن ندارد''۔ مولانا! آپ اِس طرح نہیں لکھ سکتے، آپ مجبور ہیں کہ ''سنہ'' لکھیں۔ دوسروں کو لکھنے دیجیے۔ وہ لوگ 'سِن'' کو ''سَنہ'' بناتے ہیں تو بنائیں، آپ کیوں بنائیں۔

میں جون میں شاہ جہان پور میں رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۱۶۷، بازوزئی-دوم
شاہ جہان پور
۲۹ر جون ۱۹۷۹ء

مولانا![۱۵۰]

ابھی خط ملا، میں یہاں ۷ر جولائی تک رہوں گا۔ رہی شرکت کانفرنس کی بات، تو بھائی، میں یہاں موجود تھا۔ اگر نہ جاتا تو معلوم نہیں لوگ کس رنگ میں تفسیر کرتے۔ یہ بلانے والوں کا مسئلہ ہے کہ اُنھوں نے کسے بلایا۔ میں اس معاملے میں بے قصور ہوں۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
۲ر جولائی ۱۹۷ء

مولانا![۱۵۱]

یہ آپ نے مجھے آخر کس خطا کی سزا دی تھی۔ میں تو آپ کا نیاز مند ہوں۔ میں نے دو چار غزلیں ہی پڑھیں اور ہمّت ہار بیٹھا۔ آپ ہی اِس بارِ امانت کو سنبھالیے اور فیصلہ کیجیے۔ آپ کا فیصلہ زیادہ مناسب ہوگا۔

میں جب سے واپس آیا ہوں، طبیعت بے مزہ رہتی ہے۔ جی کسی کام میں نہیں لگتا۔ ذرا طبیعت روبراہ ہو تو پھر آپ کو خط لکھوں گا اور آپ کے سوالوں کا جواب دوں گا، اُس وقت تک کے لیے اپنے ارادے کو ملتوی رکھیے، اور میرے لیے دعا کیجیے، بعد نمازِ تہجد۔

ربابؔ صاحب کا احوال بالکل نہیں معلوم۔

رشید حسن خاں

(۵۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی بی. ۹، گائر ہال

۳ر نومبر ۱۹۷ء

مولانا! [۴۲]

اب کے تو حد ہوگئی۔ میں یہ پرچہ کاغذوں میں رکھ کر بھول گیا، اور یہ سمجھتا رہا کہ میں حوالۂ ڈاک کر چکا ہوں۔ آج کاغذ الٹے پلٹے تو اس پر نظر پڑی۔ آپ سے غیر معمولی طور پر معذرت طلب ہوں۔ صاحب! میں تو آپ کے اردو اشعار کے لیے چشم براہ رہتا ہوں، کبھی اُن سے بھی نوازیے۔ اور وہ آپ کے شاعر بے پرواخرام کہاں ہیں؟

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی بی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۳ر نومبر ۱۹۷۹ء

مولانا! [۴۳]

ابھی خط ملا اور مجھے بے ساختہ وہ مصرع یاد آیا:

تری آواز مکّے اور مدینے

صاحب! اولین فرصت میں یعنی آج ہی بل کہ ابھی یہ دو نسخے بھیجیے:

(۱) مطبوعۂ نولکشور پریس ۱۲۸۳ھ

(۲) مطبوعۂ مطبع محمدی کان پور ۱۲۶۷ھ

میں نہایت بے چینی سے چشم براہ ہوں۔ سخت ضرورت ہے۔

مجموعہ ملا، آج کل کے لیے میں ایک تبصرہ لکھ رہا ہوں مختلف کتابوں پر، اسی میں اسے بھی شامل کرلیا ہے۔ شاید اگلے ماہ تبصرہ چھپ جائے گا۔

اخبار بھی ملا، مبارک ہو۔ غزل؟

منتظر

رشید حسن خاں

ہاں صاحب! ''علامہ'' کہہ کر آپ تو گنہ گار ہوئے ہی، مجھے بھی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل کر دیا۔ اب توبہ کیجیے اور آیندہ کے لیے احتیاط کی قسم کھائیے۔ آپ تو اِس لفظ کے معنی سے باخبر ہیں۔ میں تو ''عالم'' کی خاکِ پا کے برابر نہیں، چہ جائیکہ علامہ!

اِس نئے اخبار میں ادبی تحقیق پر تبصرہ تو کر دیجیے۔

(۵۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲/دسمبر ۱۹۷۹ء

حضرت! [۴۴]

ایک ہفتے سے ملیریا کا شکار ہوں اور حال بُرا ہے۔ نسخۂ مطبع محمدی کی رجسٹری مل گئی، منت پذیر ہوں۔ پچھلے دونوں نسخے بستر سے اٹھتے ہی بھیجوں گا۔

رشید حسن خاں

(۵۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۲/جنوری ۱۹۸۰ء

مولانا! [۴۵]

آپ کا خط ملا۔ دونوں کتابوں کا پارسل آج ہی روانہ کیا ہے، میں اب ٹھیک ہوں، خط محض کاہلی کی وجہ سے نہیں لکھ سکا۔ اور کوئی بات نہیں۔ تبصرہ خوب تھا، لیکن صاحب! شکایت کی بس ایک ہی بات تھی اور وہ یہ کہ آپ نے اپنی محبت کے جوش میں اور خلوص کے وفور میں مجھے اُن لوگوں کے برابر بٹھایا، جن کا نام میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ کرتا ہوں۔ میں ہرگز اُس مقامِ رفیع کا اہل نہیں۔ لیکن بات وہی ہے کہ محبت اور خلوص میں سب کچھ روا ہے۔ آپ نے تو ضرورت سے کہیں زیادہ میری پریشان نگاری کی تعریف کی ہے، میں ناراض کیوں ہونے لگا، کیا میرا سر پھر گیا ہے۔ پھر مولانا! آپ جیسا دوسرا میں لاؤں گا کہاں سے! لہٰذا میں نہ آج ناراض اور آیندہ کبھی اِس کا ارادہ کروں گا۔ اِس کا اطمینان رکھیے۔

اخبار مل رہا ہے۔ خدا آپ کو مولویوں کے شر سے بچائے، اگرچہ اللہ میاں بھی آج تک کسی کو اِن کے پنجۂ ستم سے بچا نہیں پائے ہیں۔ بہت بُری قوم ہے یہ۔

ایک بات: نولکشوری اڈیشن کی اشد ضرورت ہے۔ (اشاعتِ اول ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء) کہیں سے پیدا کیجیے۔ لکھنؤ میں چھوٹی بڑی کئی لائبریریاں ہیں، کہیں تو ہوگا۔ کچھ کیجیے۔ یہ کام

آپ کے سوا اور کوئی نہیں کر پائے گا یا یہ کہ کسی اور سے میں کہ نہیں سکتا ذرا نورالحسن ہاشمی صاحب سے تو پوچھیے، شاید اُن کو علم ہو۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائر ہال

۳۰/اپریل ۱۹۸۰ء

مولانا! [۴۶]

دو خط میرے سامنے ہیں، تین غزلوں کے ساتھ۔ شکرگزار ہوں۔ یہ اطلاع دے چکا ہوں کہ سفر ملتوی ہو گیا، اِس موسم میں تو جہنّم کا سفر کیا جا سکتا ہے، چوں کہ وعدہ کر لیا تھا اس لیے مجبور تھا، اب جو ذرا سی ڈھیل ملی تو جی خوش ہو گیا۔

اب میں اکتوبر یا نومبر میں آؤں گا اور چار چھے دن جم کر وہاں رہوں گا۔ غزلیں پڑھ لیں، خوب ہیں۔

ہاں یہ یاد دلا دوں کہ اُن افراد کے ذیل میں کچھ زیادہ تفصیل درکار نہیں۔ نام، ولدیت، وفات کی تاریخ، مدفن۔ اور دو چار باتیں ضروری۔ ایک بات کا اضافہ کر لیجیے: اُس زمانے میں یعنی سرور کے زمانے میں (۱۲۴۰ھ) فرنگی محل کے محلے میں کوئی میلا لگا کرتا تھا۔ سرورؔ نے لکھا ہے، ”چلا جا فرنگی محل کے میلے کو“ غالباً یہ اِس صدی کے اوائل تک لگتا رہا تھا۔ مولانا رضا انصاری فرنگی محلی نے فرنگی محل سے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، جو چار چھے سال پہلے شائع ہوئی تھی، یہاں مجھے نہیں ملی۔ وہاں ضرور ہو گی، اس میں اِس میلے کا ذکر ہو گا۔ رسالے کے لیے چشم براہ ہوں۔

صاحب! میری بعض خطائیں تو آپ بغیر یاد دلائے ہی معاف کر دیا کیجیے، اب تو آپ سے مراسم کو ایک مدّت ہو چکی ہے۔ بعض لوگوں کو بھرنا بھگتنا پڑتا ہے مجھے بھی انھی میں سے سمجھیے۔ آپ چوں کہ قدرداں ہیں، اِس لیے معذرت طلبی میں مضائقہ نہیں سمجھتا، لیکن کبھی تو کچھ ہو رہے گا۔ اور ضرور ہو گا، کاہل سہی، غافل نہیں، ہو بھی نہیں سکتا۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

دہلی یونی ورسٹی

۱۹؍مئی ۱۹۸۰ء

مولانا![۴۷]

کئی خط مل چکے ہیں، منت پذیر ہوں اور آپ کی عنایت کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خواجہ حسن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ درست ہے۔ یہی بزرگوار ہیں۔ خواجہ حسن ان کے بڑے بھائی تھے (غالباً) نیز مسعود صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔

خواجہ باسط کا احوال بھی اُن کو معلوم ہے۔ بس اب میر نصیر رہ گئے۔ رباب کا کچھ احوال نہیں معلوم، اُن کی بے پرواخرامی نے تو مجھے بھی شکوہ سرا بنا رکھا ہے۔ ان سے کہیے کہ اب بہت ہوگئی۔ آپ اُن کا علاج کیوں نہیں کر پاتے ہیں آخر۔ کچھ کہیے، کچھ تنبیہ کیجیے اور ڈرائیے۔ کچھ تو سنیں گے۔

یہاں موسم کی قیامت خیزی نے سب کچھ بھلا رکھا ہے، دن بھر معطّل سا رہتا ہوں اور رات کو بھی گرمی کی شدت میں کمی نہیں ہوتی۔ سارا کام بند پڑا ہے۔

جواب اور رسید، دونوں میں حسبِ معمول تاخیر ہوئی۔ اب اِسے بھی من جملہ وضع داری مان لیجیے اور صبر کیجیے۔ واللہ مع الصابرین۔ لیکن آپ خود اِس سلسلے میں غیر مقلد ہی رہیں۔ ہر بات کی تقلید تو کی بھی نہیں جاتی۔

رشید حسن خاں

(۵۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۸؍جولائی ۱۹۸۰ء

برادرم![۴۸]

خط ملا، ایک سال کی توسیع کا حال پڑھ کر بے انتہا مسرّت ہوئی۔ بی. اے میں کام یابی کی ابھی سے دعا کرتا ہوں۔ ہاں، آپ کو خط لکھنے کا مرض ہے کہ ۴۰۰ فارسی والوں کو خط لکھے۔ فضول کام، پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی۔ اب ان سب کو چھوڑیے، اور پڑھنے میں جی لگائیے۔ کالج اور یونی ورسٹی والے آپ کی اکیڈمی کے ممبر آخر کیوں بنیں؟ آپ معاوضے میں انھیں کیا دیں گے؟ ظاہر ہے کہ کچھ نہیں، اور محض اللہ واسطے یہ لوگ کچھ نہیں کرتے، کیوں کریں۔

اب توبہ کیجیے اور اِن فضولیات کو چھوڑیے۔ بہت ہوگیا۔ اِن باتوں سے حاصل کچھ نہیں سوائے نقصانِ مایہ وشماتتِ ہمسایہ۔

کیا کوئی صورت ایسی ہے کہ آپ کے گم شدہ دوست کی خیر خبر مل سکے۔ مجھ سے تو وہ ناراض

معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ اِس اندازِ ترکانہ کی کوئی وجہ بہ ظاہر میری سمجھ میں نہیں آتی۔

رشید حسن خاں

(۵۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۴ر ستمبر ۱۹۸۰ء

برادرم! [۴۹]

خط ملا، میں خود بھی ۲۰، ۲۵ دن دہلی سے باہر رہا تھا۔ آپ کے خط کا انتظار ضرور تھا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اِس بار بھی آپ ہی نے پہل کی۔ خیر یہ تو آپ کی روایت ہے۔

میں ٹھیک ٹھاک ہوں مگر اُسی فسانۂ عجائب کے پیدا کردہ مصائب میں مبتلا ہوں۔ دیکھیے کب چھٹکارا ہوتا ہے۔ نیر مسعود صاحب کو ایک خط لکھا تھا، معمول کے خلاف اِس بار اُن کا جواب نہیں آیا، تعجب ہے، اگر آپ کی ملاقات ہو تو میرا سلام ضرور کہہ دیجیے گا اور پیام بھی۔

رشید حسن خاں

رباب کو بھی آج ہی خط لکھا ہے، لیکن جواب کی امید کے بغیر۔

(۱) رضا انصاری فرنگی محلی کا پتا درکار ہے، وہ غالباً علی گڑھ میں ہیں۔

(۲) حیات اللہ انصاری کا بھی پتا چاہیے ہے، کیا یہ پتے مل سکتے ہیں؟

(۶۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائڈ ہال، دہلی

۱۴ر ستمبر ۱۹۸۰ء

برادرم! [۵۰]

دونوں خط ملے، آپ کی پریشانیوں کا حال پڑھ کر جی کڑھتا ہے، لیکن کیا کروں! محض بے دست و پا ہوں۔ میرا بڑا لڑکا خورشید آج کل بالکل بے کار ہے، یہاں اُس کے لیے کوشش کی، کچھ حاصل نہیں ہوا۔

بھائی! یہ دنیا ہم جیسے اور آپ جیسے لوگوں کے لیے واقعتاً محبس ہے، 'سجن المومن' جسے کہا گیا ہے، اور ساری خرابی پیدا کی ہے اُس چیز نے جسے ہم عزتِ نفس، خودداری اور ایسے ہی دوسرے ناموں سے موسوم کرتے ہیں اور جسے شرفِ انسانی کا اصل مبدا سمجھتے ہیں لیکن یہ دنیا جسے ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سابقہ عموماً اُن سے پڑتا ہے جو دنائت اور خباثت میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں اور

وہ لوگ شرفا کو مبتلاے اذیت دیکھ کر بہت مسرور ہوتے ہیں۔ اس لیے بندگی بے چارگی، کیا کیا جائے، دعا کے سوا، جس کی قبولیت کا بھی حال معلوم، ہاے فانی، کیا خوب کہا ہے:

کچھ امید کرم میں گزری عمر کچھ امید کرم میں گزرے گی

نیز مسعود صاحب کو ایک اور خط پچھلے ہفتہ لکھا تھا، اس کا جواب بھی نہیں ملا، سمجھ میں نہیں آتا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ خط تو لکھتے ہی رہیے، چند لمحوں کے لیے فرار سہی۔ رباب کو بھی خط لکھا تھا، لیکن وہ تو اب تصوف کی کسی ایسی اعلا منزل پر گام فرما معلوم ہوتے ہیں جہاں ہم جیسے دنیاداروں کے خیال کی رسائی نہیں، اتفاقات ہیں زمانے کے۔ ایک مخلص کے کھو جانے کا غم ہے اور بہت۔

رشید حسن خاں

(۶۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۷رجنوری ۱۹۸۱ء [ف]

ہاں صاحب! آپ کے دو خط ملے تھے اور ایک شمارہ تازہ آپ کے رسالے کا۔

مولانا! آج کل اس فسانۂ عجائب نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔ سب کام مکمل ہو گیا تھا، 350 صفحات کی کتابت مکمل ہو گئی تھی، اور جب سب ہو گیا اور میں اطمینان کی سانس لینے ہی والا تھا کہ اس کا ایک نیا نسخہ مل گیا، ایسا نسخہ جس نے اس سارے کام کو بیکار کر دیا۔ اب تک خیال تھا کہ ۱۲۷۶ھ کا مطبوعہ نسخہ مصنف کا نظر ثانی کردہ آخری نسخہ ہے۔ اس پر متن کی بنیاد رکھی تھی، اب معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے اور ایک نسخہ اس کے بعد کا بھی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری کتابت کالعدم قرار دینا پڑی اور سارے حواشی مسترد کرنا پڑے۔ اب از سرِ نو متن کی تدوین کر رہا ہوں اور کتابت بھی از سرِ نو شروع کرائی ہے اور حاشیے بھی نئے سرے (سے) لکھنا شروع کیے ہیں۔ اس میں ذہن اس قدر اُلجھ گیا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ذرا چند صفحات نئے سرے مرتب کرلوں اور ایک انداز بن جائے، تب آپ کے خطوں کا باصواب، جواب لکھوں۔ یہ، بات آسان تھی کہ میں اِس نئے نسخے کا ذکر ہی نہ کرتا، لیکن اِس بے ایمانی کو گوارا کیسے کرتا۔ ذہن بالکل تیار نہیں ہوا اور ساری محنت دریابرد کرنا پڑی۔ اب آپ میرے ساتھ ذرا ہمدردی کیجیے اور یہ دیکھیے کس ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں فروری کے آخر یا مارچ کے شروع میں وہاں آؤں گا، تب زبانی بہت سی باتیں ہوں گی اور قلمی کوتاہیاں بھی وہیں کفارے کو تلاش کرلیں گی۔ چار پانچ دن ضرور رہوں گا اور ظاہر ہے کہ یہ دن آپ ہی کی معیت میں گزریں گے، آپ کی امامت میں نہ سہی۔ اور پھر ان سرگشتۂ کوے ملامت

سے بھی نپٹوں گا، جن کے اندازِ ترکانہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتے۔ دعا کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۶۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

یکم فروری ۱۹۸۱ء

اور بھائی مولانا![۵۲] آپ تو مزاح المومنین کے پھیر میں بڑی آسانی سے آ گئے۔ اتنا بھی نہیں خیال کیا کہ مشک ہوتا تو کبھی تو مہکتا بل کہ اب تک مہک چکا ہوتا۔ بھائی، اللہ اللہ کرو، مجھے غزل گوئی سے کیا واسطہ! شاعری کرتا ہوتا تو کچھ اور کر چکا ہوتا۔ یہ نیّر مسعود صاحب نے خوب آپ کو بہکایا۔ تعجب اُن کی سخن آفرینی پر نہیں، آپ کی سادگی پر ہے کہ مان لیا۔ اُنھوں نے تو لکھنؤ کی پرانی روایت کے مطابق بات بنائی اور لطف محفل کا اہتمام کیا، آپ اُسے شہادت سمجھے۔ اب توبہ کیجیے۔

ع: یہ، وہم تم کو کہیں گنہگار نہ کر دے!

عبادت کا دوسرا شمارہ بھی مل گیا تھا، شکر نعمتہای تو چندانکہ نعمتہای تو۔ آپ کی سخت جانی، صلاحیت اور وضع داری کا معترف ہوں اور اسی نسبت سے اپنی وعدہ خلافی، کاہلی اور ناشکر گزاری کا قائل ہوں۔ چوں کہ اِس بات کا یقین ہے کہ ان سب باتوں کے باوصف آپ کے لطف خاص میں کمی نہیں ہوتی، اِس لیے پشیمانی کے باوجود ناامیدی نہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے، اگرچہ اس فسانۂ عجائب نے آج کل مجھے کسی کام کا نہیں رکھا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۱ر فروری ۱۹۸۱ء

حضرت مولانا![۵۳]

خط ملا۔ بھائی میرا وہاں آنا، منحصر ہے نیّر صاحب کے بلانے پر اور اُن کا بلانا، منحصر ہے اِس پر کہ شیرانی سمینار کب ہوگا۔ نیّر صاحب کا خط کل ہی ملا ہے، لکھا ہے کہ شاید مارچ میں ہو۔ اب آپ اُن سے سمینار کی تاریخ معلوم کر لیجیے، وہی میرے آنے کی تاریخ ہوگی اور اُس کے مطابق پروگرام بنا لیجیے، ہر صورت میں آپ سے اور رباب سے ملاقات ضروری ہے۔ آپ کے بغیر تو میں وہاں کچھ کر ہی نہیں پاؤں گا اور نہ کہیں آجا پاؤں گا۔ حسین آباد کا امام باڑا خاص طور پر دیکھنا ہے، اور دوسرے نمبر پر وہ کافی ہاؤس۔

اور مضمون نگاری کے لحاظ سے تو بھائی اب مجھے غیر مکلف ہی فرض کر لیجیے۔

رسم است کہ مالکانِ تحریر آزاد کنند بندۂ پیر

رباب اگر سرِ رہ گذر کہیں مل جائیں تو اُن سے کہیے گا کہ اُن دنوں میں غائب نہ ہو جائیں۔

ارے ہاں: ایک اہم بات: ایک کتاب یا شاید کتابچہ ہے گلگشتِ عیش نام کا۔ فدا علی عیش لکھنوی کا، عیش باغ کے مشہور میلے کے بیان میں؛ کیا وہ آپ کی لائبریری میں ہے؟ میں جب وہاں آؤں گا تبھی وہیں اُس کو دیکھنا چاہوں گا، چند سطریں اُس سے نقل کرنا ہیں اور بس۔

رشید حسن خاں

(۶۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۰ر مارچ ۱۹۸۱ء

مولانا![۵۴]

آپ کے خط کا جواب فرض تھا، اب ادا ہو رہا ہے اور سود کے بغیر۔ اُسے اپنے ساتھ لاؤں گا، یعنی غالب نامہ۔ میں ۲۷ر کی رات میں یہاں سے چلوں گا اور ۲۸ر کی صبح کو لکھنؤ پہنچوں گا۔ ۲۸، ۲۹؛ دو دن رہوں گا۔ ۲۹ر کی شام کو شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوں گا۔ یہ ہے پروگرام۔

اب ظاہر ہے کہ آپ کے بغیر میں وہاں کچھ نہیں کر سکوں گا۔ کافی ہاؤس تو جا ہی نہیں پاؤں گا، جہاں جانا بہت ضروری ہے۔ اب آپ فرصت و فراغت کا انتظام کر رکھیے۔

رباب کو اب ڈھونڈھیے اور اُن کو بھی سمجھا دیجیے۔ اب رہا قیام کا مسئلہ، تو امین الدولہ پارک میں، دانش محل کے اوپر، سنٹرل ہوٹل ہے؛ وہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے بھی آپ کی مدد درکار ہے۔ یعنی آپ یا رباب (یا باجماعت) ایک کمرا ۲۸، ۲۹ کے لیے بک کرا دیجیے۔ یہ اسٹیشن سے سیدھا وہیں پہنچوں گا۔ ۲۸ر کو اردو اکیڈمی کے جلسے میں شرکت کرنا ہے۔

اب آپ کا جواب آئے تو جان میں جان آئے۔ چشم بہ راہ ہوں۔ خط فوراً لکھیے۔

صاحب! بیگار (بے گار) بھگتنا بھی ایک بات ہے اور میں بھی اُس بات سے غیر متعلق نہیں رہنا چاہتا۔

اگر کسی طرح رباب تک یہ پرچہ پہنچ سکے تو خوب ہو۔ اگر چہ ان کو ڈھونڈھنا کارے دارد، مگر شاید آپ کے لیے نہیں۔ خدا کرے یہ خوش گمانی ہو۔

رشید حسن خاں

(۶۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۷؍مارچ ۱۹۸۱ء

مولانا! [۵۵]

ابھی خط ملا، اطمینان ہوا۔

اب ایک زحمت اور فضول سی، کسی نے آج مجھ سے کہا کہ اکیڈمی کی جنرل کاؤنسل کی میٹنگ جو ۲۸؍کو ہونا تھی، اُس کی تاریخ بدل گئی ہے۔

اِس کی میرے پاس کوئی اطلاع نہیں۔ آپ ایک زحمت میری خاطر گوارا کر لیجیے اور وہ یہ کہ اکیڈمی کے دفتر سے اِس کی تصدیق کر لیجیے کہ صورتِ حال کیا ہے۔

بھائی! یہ زحمت محض بے جا ہے، لیکن کیا کروں، اگر تاریخ بدلی تو مشکل ہوگی۔ اس لیے اس زحمت کو میری خاطر گوارا ہی کر لیجیے۔ ممنون ہوں اور بہت۔

براہِ کرم مجھے خط بھی فوراً لکھ دیجیے۔ میرا یہ خط آپ کو کل یعنی بدھ کے دن مل جائے گا اور آپ کا خط مجھے جمعرات کو یا پھر جمعے کو ضرور مل سکتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۶۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۶؍مارچ ۱۹۸۱ء

بھائی مولانا! [۵۶]

خط بلکہ خطوط ملے، عبادت بھی ملا؛ آپ کی سخت جانی کا قائل ہوں۔ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں۔ ایک بات میرے دل پر نقش ہے کہ اِس زمانے میں فارسی کی شاعری کا چرچا سب سے زیادہ آپ کے دم سے ہوا ہے۔ آپ کے سوا اور کون یہ کر سکتا ہے کہ پورا مشاعرہ برپا کر ڈالا اور پھر کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ لوگ اردو کا رسالہ نہیں نکال پاتے، وہ بھی جو صاحبِ استطاعت ہیں اور صاحبِ گروہ۔ آپ فارسی کی رسالہ شائع کرتے ہیں، وہ مختصر سہی، لیکن اس مختصر کے لیے بڑا جگر چاہیے۔ آپ کی لگن اور آپ کے استقلال کا قائل ہوں۔ چوں کہ سارے احوال اور متعلقات سے واقف ہوں، اِس لیے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت میرے دل میں بہت ہے۔ ایسے نامساعد حالات میں اور کوئی شاید ہی یہ کام کر سکے۔ غالبؔ کا مطلع یاد آتا ہے:

بود لیکہ دراں خضر را عصا خفتست بسینہ میسپرم راہ، گرچہ پا خفتست

''عصا خفتست'' پر نہ جائیے، ''پا خفتست'' کو دیکھیے اور بسینہ ''میسپرم راہ'' کو۔ آپ نے بھی اس راستے کو سینے کے بل طے کیا ہے اور صرف اپنے بل پر سب کچھ کیا ہے۔

رباب کا خط ملا، لیکن پتے سے معرّا، اب خط لکھوں تو کہاں! اب آپ ہی ذرا اُن کا پتا لکھیے۔ میٹنگ ملتوی ہوگئی۔ اور اس کا باقاعدہ اطلاع نامہ آگیا۔ اب نئی تاریخ کا انتظار ہے۔ بہر حال آپ سے ملاقات تو ہونا ہی ہے۔ اب اپریل میں سہی، شاید اواخر ماہ میں ممکن ہو۔

رشید حسن خاں

(٦٧)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲رمئی ۱۹۸۱ء

مولانا! سلّمکم

محبت نامہ، بل کہ تنبیہ نامہ ملا۔ صاحب! میں خود سخت حیران رہا کہ آپ کو کس طرح مطّلع کروں۔ صبح کے وقت پہنچا، آپ ندوے میں ہوں گے، شام کو باسکٹ بال کے ایک میچ میں چلا گیا، چوں کہ سعدی اب سے بہت پہلے مجھ جیسے جملہ کھیل کود کے شائقوں کی طرف سے اعلانِ معذرت کر چکے ہیں (چہل سال...) اِس لیے اب میں دوبارہ معذرت کیا کروں اور کیوں کروں۔ دوسرے دن پھر یہی احوال رہا۔ نیرّ صاحب سے کئی بار میں نے کہا کہ یہ تو گناہ ہو رہا ہے اور گناہ بھی کبیرہ، لیکن وہ بھی کچھ نہ کر سکے۔ طے یہ ہوا تھا کہ وہ آپ کو صورتِ حال سے مطّلع کر دیں گے، شاید آپ کی ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔

اب میں ۲۳رمئی کو وہاں ہوں گا، قیام سنٹرل یا گلمرگ میں ہوگا، اِس بار ابھی سے مطّلع کیے دے رہا ہوں۔ اب میں آپ کا منتظر رہوں گا۔ رباب سے بھی ملاقات نہیں ہوسکی۔ ان کے گھر کا نمبر بھول گیا ہوں، ۲۶ ہے یا ۱۲۶۔ اُن کو بھی خط لکھنا ہے، اگر آپ کو یاد ہو تو لکھیے۔ یا ملاقات ہو تو زبانی پیغام ہی دے دیجیے گا۔ آپ دونوں سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا، لیکن میں کرتا کیا، کوئی طریقہ تھا ہی نہیں رابطہ پیدا کرنے کا۔ بہر حال، اب ۲۳رکو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

یہ فرض کیے لے رہا ہوں کہ پرچے اچھے ہوئے ہوں گے۔

(٦٨)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۰؍مئی ۱۹۸۱ء

برادرم! [۵۸]

باضابطہ اطلاع ملی ہے کہ ۲۳؍کی میٹنگ ملتوی ہوگئی اور اب غالباً ۱۵؍جون کو ہوگی۔ اب میں آپ کو مطلع کررہا ہوں۔

میں ۳۰؍مئی کو جموں یونی ورسٹی کی دعوت پر جموں جاؤں گا، وہاں تین ہفتے کا سمر اسکول ہے اردو املا پر۔ مجھے ۸، ۱۰ لکچر دینا ہوں گے۔ اگر ۱۵؍کو میٹنگ ہوئی تو ضرور آؤں گا اور اُسی کے مطابق پروگرام بناؤں گا۔

خدا کرے آپ کے پرچے بہ حسن و خوبی ہوئے ہوں اور آپ بھی بہ عافیت ہوں۔ رباب اگر ملیں تو اُن کو یہ سب ضرور بتا دیجیے گا۔ خدا کرے اب وہ بھی چاق چوبند ہوں۔ اُن کی بڑی فکر رہتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ میرے جس قدر مخلصین ہیں، وہ سبھی پریشان خاطر میری ہی طرح رہتے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے۔ معتزلہ کا فلسفہ ایسے ہی زمانے میں یاد آتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس
جموں یونی ورسٹی، جموں

۴؍جون ۱۹۸۱ء

مولانا! [۵۹]

میں آج کل جموں میں ہوں۔ یہاں ۲۱ دن کا سمر اسکول ہے اردو املا پر، اُسی کے پھیر میں آنا پڑا۔ ۸؍جون کو لکھنؤ میں میٹنگ ہے۔ طے یہ کیا تھا کہ ۶؍کو یہاں سے دہلی جاؤں گا اور ۷؍کو وہاں سے لکھنؤ کے لیے چلوں گا۔ ابھی دہلی سے خط ملا کہ ۷؍کے لیے لکھنؤ کا رزرویشن نہیں ہو پایا۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا کروں۔ ایک صورت یہ ہے کہ جموں سے لکھنؤ کے لیے چلوں۔ کل اِس کی بھی کوشش کی، لیکن رزرویشن کا سامان نہیں ہو سکا، گنجایش ہی نہیں تھی۔ ایک بار اور کل کوشش کروں گا، اگر رزرویشن ہو گیا تو فبہا، ورنہ اِس بار کا سفر ملتوی رہے گا۔ گویا اِس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہ میں ۸؍کو لکھنؤ پہنچ سکوں گا یا نہیں۔ اِس صورت میں آپ کو کیا لکھوں۔ اِس لیے اِس بار مجھے نہیں معلوم کہ ملاقات کی صورت نکلے گی یا نہیں۔ محض حیرانی ہے۔ یہ پیشگی اطلاع اس

لیے دے رہا ہوں کہ آپ کو صورتِ حال کا علم رہے اور آپ ناراض نہ ہوں۔
نیّر صاحب دہلی گئے تھے، اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ واپس آئے یا نہیں۔ اس لیے ٹھہرنے کا بھی مسئلہ طے شدہ نہیں۔ کوشش کروں گا کہ اگر کچھ طے ہو جائے تو کسی طرح آپ کو مطلع کر دوں۔
رشید حسن خاں

(۷۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
شاہ جہان پور
۹؍جون ۱۹۸۱ء
مولانا![۶۰]

۸؍جون کو میں لکھنؤ میں تھا، لیکن آپ کو اطلاع کرنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکی۔ رباب بھی نہیں مل سکے، میں شام ہی کو شاہ جہان پور چلا آیا۔ اب ۱۵؍جون کو پیر کے دن پھر ایک میٹنگ ہے اور میں اُس میں ضرور شرکت کروں گا۔ یہ پیشگی اطلاع اِس لیے دے رہا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو سکے۔
کسی طرح رباب صاحب کو بھی اطلاع کر دیجیے، اُن کو دیکھے ہوئے مدتیں گزر گئیں۔ میں منگل کی رات میں دہلی کے لیے روانہ ہوں گا، گویا دو دن لکھنؤ میں رہوں گا۔
رشید حسن خاں

(۷۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۲۹؍جولائی ۱۹۸۱ء
برادرم![۶۱]

خط مل گیا تھا، بعض الجھنوں کی بنا پر خط نہیں لکھ سکا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب آپ بہ عافیت ہوں گے۔
میں ۱۰؍اگست کو وہاں آؤں گا، قیام سنٹرل ہوٹل میں ہوگا۔ اگر ممکن ہو تو شام کو ۵ بجے کے قریب آیئے۔ واپسی اُسی دن شام کو ہوگی۔
رشید حسن خاں

(۷۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

یکم اگست ۱۹۸۱ء[۶۲]

مولانا! عید مبارک

۱۰ر کی میٹنگ ملتوی ہوگئی، اب وہ ۲۲ر اگست کو ہوگی، لہٰذا اب آپ سے ملاقات ۲۲ر اگست کو ہونا چاہیے۔ میں وہیں سنٹرل میں قیام کروں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۱ر اگست ۱۹۸۱ء

برادرم![۶۳]

آج خط ملا، میں سمجھ گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں موجود نہیں۔ بہ ہر حال، ۲۲ر اگست کی میٹنگ ملتوی ہوگئی۔ اب شاید ستمبر کے آخر میں ہوگی۔ آپ کی عدمِ موجودگی میں ایک بار لکھنؤ آنا ہوا تھا۔ اب ملاقات اُس میٹنگ کی تاریخ پر منحصر ہے، مطلع کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۷۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲ر ستمبر ۱۹۸۱ء

برادرم![۶۴]

خط ملا تھا، مگر اُن دنوں وہاں کرفیو آپ نے لگوا دیا تھا۔ خط لکھتا بھی تو پہنچتا نہیں، انبار میں دب کر رہ جاتا۔ اس کے بعد میرا جانا بھی ہوا تھا ۱۴ر کو، مگر مجھے شاہ جہان پور جانے کی جلدی تھی، اس لیے اطلاع نہیں کر سکا تھا۔ اب اکتوبر میں جنرل کاؤنسل کی میٹنگ ہوگی، اُس وقت مفصل ملاقات ہوگی۔

امتحان میں آپ پاس ہوگئے، یہ خبر میرے لیے سب سے زیادہ مسرّت بخش اور دل کشا ہے۔ خدا مبارک کرے۔ میں نے یوں اِس کو سمجھا کہ اب آپ کے لیے راستہ کھل گیا M.A کرنے کا، جو آپ کے لیے قطعی مشکل نہیں۔ اُس کے بعد ہی آپ کمر سیدھی کر سکیں گے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ زندگی تو اِسی طرح رہے گی۔ آپ B.A کر سکتے ہیں انتہائی نامساعد حالات میں، سینے کے بل راہ طے کر کے، تو ایم۔اے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اب طبیعت کیسی ہے، اِس کی تشویش

رہی۔ ایک زمانہ ہوگیا ملاقات کو، میرا ارادہ ہے کہ اب کے میں وہاں دو دن کے لیے رُک جاؤں، اِس طرح وقت مل سکے گا مل بیٹھنے کا۔ خدا کرے اب آپ بہ عافیت ہوں۔ رہی پریشانیاں، تو اُنھوں نے تو ہم سب کا گھر دیکھ لیا ہے، اُن سے مفر ابھی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۷۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۸ر نومبر ۱۹۸۱ء

مولانا![۶۵]

خط ملا، صاحب! اب کے بہت بوریت رہی۔ میں نے رباب کو اُن کے گھر کے پتے پر خط لکھا تھا کہ میں ۲۳ر نومبر کو لکھنؤ آ رہا ہوں، دفتر اکیڈمی میں آ جاؤ تو ملاقات ہو جائے۔ خیال تھا کہ وہ آپ کو بھی مطلع کر دیں گے۔ میں ۲۳ر اور ۲۴ر دو دن پڑا رہا اور محض بے کار۔ رباب نہیں آئے اور وہ طریقہ میری سمجھ میں نہیں آیا جس سے آپ تک اطلاع پہنچا سکتا۔ بہت کوفت رہی۔ اب یا تو میرا خط ان کو ملا نہیں یا پھر وہ کسی آزار کا شکار ہو گئے، ذرا اُن سے پوچھیے تو کیا بات ہے؟

اب اگلی تاریخ سے میں اُن کے بجائے آپ کو مطلع کروں گا۔ اس بار تو سخت الجھن رہی اور بہت کوفت ہوئی۔

رشید حسن خاں

(۷۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۰ر دسمبر ۱۹۸۱ء

مولانا![۶۶] ۳ر کو وہاں حاضری ہے، سنٹرل میں قیام ہوگا۔ کمرا نہ ملا تو پھر اُس برابر والا ہوٹل میں۔ اب کے ملاقات ہونا چاہیے شام کو۔ رباب صاحب ملیں تو ان سے بھی ضرور کہہ دیجیے۔

رشید حسن خاں

(۷۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷ر فروری ۱۹۸۲ء

مولانا![۶۷]

میں بہ عافیت ہوں۔ پچھلے مہینے لکھنؤ آنا ہوا تھا، لیکن بھاگ دوڑ میں۔ ۴ بجے کی گاڑی سے

شاہ جہان پور جانا تھا، اس لیے آپ کو خط نہیں لکھا تھا، ملاقات کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔
اب دیکھیے کب اُدھر کا پھیرا ہوتا ہے۔ اِس بار ضرور خط لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۷۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲ر دسمبر ۱۹۸۲ء

بھائی مولانا![۷۸]

رسالہ ملا، نعتیہ قصیدہ بھی ملا، جسے پڑھ کر جی خوش ہوا۔ یہ رسمی تعریف نہیں، واقعی تعریف ہے۔
میں ۲۸ر کو لکھنؤ آؤں گا لیکن ابھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ شام کو رک سکوں گا یا نہیں۔ شاہ جہان پور جانا ہے، اگر رکنا پڑا تو آپ کو اطلاع کرا دوں گا۔ ویسے فی الحال ارادہ یہ ہے کہ ۴ بجے کی گاڑی سے شاہ جہان پور چلا جاؤں۔

رشید حسن خاں

(۷۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸ر مارچ ۱۹۸۲ء

مولانا![۷۹]

۲۹ر کو حاضری ہے۔ اب کے آپ سے ملاقات ضرور ہونا ہے۔ قیام غالباً سنٹرل میں ہوگا۔
رات میں ۹ بجے آیئے ۹½ تک۔ کہیں رباب ملیں گے؟ چشم براہ رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۸۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲ر مئی ۱۹۸۲ء

برادرم![۸۰]

خط ملا، ہاں صاحب! اِن دنوں سخت آشفتہ احوال رہا اور ہوں۔ اپنوں نے دھوکا دیا؛ لیکن چوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، اِس لیے تعجب نہیں ہوا۔ رہا افسوس، سو وہ فطری بات ہے، لیکن اب صبر کرلیا ہے۔ ۱۵ر سے آپ کا امتحان ہے، اِس لیے آپ کو زحمت نہیں دوں گا اور اب اگلے مہینے آپ سے ملاقات ہوگی، اگر چہ مجھے انھی دنوں وہاں آنا ہے۔ آپ فی الوقت اور سب کچھ چھوڑ کر

امتحان دیجیے۔ باقی امور پر اُس کے بعد گفتگو ہوگی۔

امتحان میں کام یابی کے لیے دست بہ دعا ہوں۔ خدا آپ کی مدد کرے اور اعلا درجے میں کام یابی عطا فرمائے۔

دعاگو

رشید حسن خاں

(۸۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی بی ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷

۷/جولائی ۱۹۸۲ء

مولانا! آداب

۴/کو میں وہیں تھا، لیکن آپ کو دانستہ اطلاع نہیں دی، ایک تو رمضان اور دوسرے تمازت کا وہ حال۔ میں خود تو گناہ گار ہوں، آپ کو کیوں پریشان کروں، اس لیے یہ طے کیا کہ آیندہ جب آؤں گا تو آپ کو مطلع کروں گا۔ نتیجہ اب آچکا ہوگا، اس کی اطلاع دیجیے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

کیا پن کوڈ بدل گیا ہے؟

رشید حسن خاں

(۸۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۰/جولائی ۱۹۸۲ء

مولانا! آداب

خط مل گیا تھا، نتیجے کا احوال پڑھ کر واقعی مسرّت ہوئی۔ اُدھر آنے کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ اور فسانۂ عجائب کا احوال بھی سناؤں گا۔ فی الوقت صبر کر رہا ہوں اور اِس آیت کی تفسیر پڑھ رہا ہوں کہ: ان اللہ مع الصابرین۔

رشید حسن خاں

(۸۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۵/اگست ۱۹۸۲ء

برادرم![۳]

کل خط ملا۔ جی خوش ہوگیا یہ خبر پڑھ کر، اور آپ سے زیادہ انصاری صاحب کے لیے دل سے دعائیں نکلیں۔ اِس زمانے میں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ مگر میرے بھائی! آپ نے یہ تو لکھا ہی نہیں کہ یہ جگہ ہے کون سی؟ ذرا اِس کی تفصیل لکھیے۔ خدا آپ کو ہمیشہ کام یاب و کامران رکھے۔ آپ نے زندگی کے راستے کو واقعتاً سینے کے بل طے کیا ہے۔

فسانۂ عجائب میں اب دوسری طرح الجھ کر رہ گیا ہوں۔ اُس کے چھپنے میں میرے ایک دوست نے رکاوٹ ڈال دی ہے اور اپنا اُجلا پن دکھایا ہے۔ وہ آپ کے بھی شناسا ہیں، یہاں شعبۂ فارسی میں براجمان ہیں۔ دیکھیے اب اس سلسلے میں کیا ہوتا ہے، کوشاں تو ہوں۔ اللہ مالک ہے۔

رشید حسن خاں

(۸۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۹/ستمبر ۱۹۸۲ء

بھائی مولانا![۴]

خط ملا۔ یہ آپ نے آر.ایم.ایس کی اسٹرائک ایسی کرائی کہ نامہ و پیام کا راستہ ہی بند رہا۔ اُنھی دنوں میں چند گھنٹوں کے لیے لکھنؤ گیا تھا، قیام نہیں کر سکا، چار بجے واپسی تھی۔ آپ کو کیا کسی کو بھی اطلاع نہیں دے سکا۔ بل کہ واپسی کا رزرویشن بھی اسی پھیر میں نہیں ہو سکا۔

آپ سے ملاقات ہوئے ایک مدت گزری، اب کے جب بھی آنا ہوا تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھوں گا۔ مجھے آپ کے الٰہ آباد والے معاملے کی بڑی فکر ہے۔ یہ آپ کی بڑی کام یابی ہے۔ اب خدا کرے وہ خط جلد آئے جس کے بعد آپ وہاں جاسکیں۔ اسی لیے چاہتا ہوں کہ الٰہ آباد جانے سے قبل آپ سے ملاقات ضرور ہو جائے۔ اس کا ایک ہلکا سا امکان ہے کہ اکتوبر کے دوسرے یا تیسرے ہفتے میں اُدھر آنا پڑے، اگر ایسا ہوا تو اب کے آپ سے ملاقات ضرور ہوگی۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

رشید حسن خاں

(۸۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۳؍اکتوبر ۱۹۸۲ء

مولانا بھائی![۵]

۲؍نومبر کو وہاں مجھے آنا ہے، واپسی اُسی دن شام کو ہوگی۔ آپ سے ملاقات کی صورت کیا ہو؛ ندوے سے واپسی پر اکیڈمی ہوتے ہوئے آیئے۔ میں اکیڈمی میں ۲ بجے تک تو رہوں گا۔ اس کے بعد صباح الدین عمر صاحب کے ساتھ ان کے گھر جاؤں گا اور پھر وہاں سے ۴ بجے ایک اور جگہ جانا ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ ندوے سے ٹیلیفون کرلیں مجھے اکیڈمی میں، اِس سے آسانی ہو جائے گی پروگرام کو طے کرنے میں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کسی طرح اُس یوسفِ گم گشتہ یعنی رباب کو مطلع کر دیں کہ وہ اکیڈمی کی طرف آجائیں، ۱۲ بجے کے قریب۔ اِس زحمت کو گوارا کر لیجیے، مجبوری ہے۔

رشید حسن خاں

(۸۶)

بنام: ڈاکٹر ریس احمد نعمانی

۱۱؍نومبر ۱۹۸۲ء

مولانا![۶]

خط ملا۔ میں نے ۲۶؍اکتوبر کو خط حوالۂ ڈاک کیا تھا، جس میں یہ اطلاع دی تھی کہ میں آرہا ہوں اور آپ سے ملاقات ضروری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا وہ خط آپ کو نہیں ملا۔ میں نے ایک خط نیّر صاحب کو بھی لکھا تھا، وہ بھی نہیں آئے۔ شاید ان تک بھی اُن کا خط نہیں پہنچا۔

میں کل دھارواڑ جارہا ہوں، وہاں کرناٹک یونی ورسٹی کی طرف سے اردو املا پر دس دن کی ایک ورک شاپ ہے، U.G.C کی طرف سے۔ ۲۳؍نومبر کو واپسی ہوگی۔ توقع کرتا ہوں کہ اُس وقت تک الٰہ آباد والا معاملہ روبراہ ہو چکا ہوگا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸۷)

بنام: ڈاکٹر ریس احمد نعمانی

۱۲؍جنوری ۱۹۸۳ء

مولانا![۷]

خط ملا۔ آج ہی ڈاکٹر عابد رضا کو خط لکھا ہے، اواخر مارچ کے بارے میں۔ فروری میں تو

مجھے خود بھی فرصت نہیں۔

اِس کا امکان ہے کہ میں ۲۰ر کو وہاں آؤں، اگر آیا تو ملاقات ہوگی۔ شام کو میں نیرؔ صاحب کے یہاں جاؤں گا ۵ بجے کے قریب، آپ ۵ ۱/۲ بجے تک یا ۶ بجے تک وہیں آجائیے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۱ر جنوری ۱۹۸۳ء

مولانا! ۸ بجے

خط ملا تھا، پھر رسالہ ملا۔ غزل میں اِس سے پہلے رسالے میں پڑھ چکا تھا۔

آخری دو شعر مجھے پسند آئے، زندگی اُس کے... اور مقطع۔ دونوں شعر خوب ہیں، جی خوش ہوا۔ البتہ مطلع پسند نہیں آیا، دوسرا مصرع جما نہیں اور اُس کا مفہوم تاویل کا محتاج رہتا ہے، اور یہ احتیاج اچھی شاعری کو راس نہیں آتی۔ آپ کی پہلی غزل میں بعض مصرعے آپ کی مزید توجہ کے متقاضی ہیں: ''ہمارے نام کا شعلہ دل سبو میں نہ لگا''، پہلے دل کو سبو بنانا اور پھر اُس میں شعلے کو قید کرنا: یہ سب تکلفات ہیں، غیر شاعرانہ تکلفات۔ ''رخسارہ ہائے خوباں'' بہ لحاظِ لغت صحیح، مگر بہ لحاظ استعمال یہاں پر غیر فصیح ہے، ''رخسارہ'' اردو والے اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ ''کون سا نغمہ مرے گلو میں نہ تھا'' یہاں قافیے کا انتخاب غیر شاعرانہ ہے۔ اِس بات کو یاد رکھیے کہ فصاحت کو لغت سے ذرا دور کا واسطہ ہوتا ہے، اُس کا چلن سے قریب کا تعلق ہے۔ صاف اور بامزہ شعر کہیے، اساتذۂ لکھنؤ کی طرح غیر شاعرانہ زمینوں میں اپنے کو نہ الجھایئے۔ شعر کہنا اصل چیز ہے، شعر بنانا فضول بات ہے؛ اِس فرق کو ضرور ملحوظ رکھیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور کسی طرح جلد الٰہ آباد پہنچیں، مجھے اُس دن کا شدّت سے انتظار ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۵ر فروری ۱۹۸۳ء

بھائی مولانا![۷۹]

اچانک تار ملا کہ ۱۰ر فروری کی میٹنگ ملتوی ہوگئی، اِس لیے ملاقات بھی ٹل گئی۔ اب وہاں سے کوئی خط آئے تو تفصیل معلوم ہو۔

آپ کی داستانِ غم پڑھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ تو کربلا کے قافلے کے آخری فرد بن کر رہ گئے ہیں۔ بہت افسوس ہوا۔ اِس میں لیکن ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اُس دنیا میں آپ کو اب کسی گناہ کی سزا نہیں ملے گی، سب تو یہیں مل جارہی ہے۔

خدا کرے الٰہ آباد کا مسئلہ جلد طے ہوجائے، اس سے آپ کی بہبود وابستہ ہے۔ اِس کا مجھے یقین ہے کہ ایک بار آپ ایک اُستاد کی حیثیت سے لکھنؤ یونی ورسٹی میں ضرور آئیں گے، اور آنا چاہیے۔ خدا وہ دن جلد لائے۔ میرے لیے وہ دن صحیح معنی میں احساسِ مسرّت کا ہوگا۔

خدا کرے اُس کے بعد اب آپ کسی اور حادثے سے دوچار نہ ہوئے ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۴ر فروری ۱۹۸۳ء

بھائی مولانا![۸۰]

خط ملا، میں آج کل چکبست کی نثر نگاری کے پھیر میں آگیا ہوں، بمبئی میں ایک مضمون پڑھنا ہے۔ اس کا افسوس رہا کہ اِس بار کے سفرِ لکھنؤ میں آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، رباب سے بھی چند منٹوں کے لیے اسٹیشن پر ملاقات ہوئی تھی۔ خضر حیات میرے پاس بھی آئی ہے، بڑھاپے کی اولاد معلوم ہوتی ہے۔

پٹنہ شاید چلنا ہو، تو وہاں مفصل ملاقات ہوگی، یہ معلوم نہیں کب؛ شاید اواخر مارچ میں وہ جلسہ ہوسکے۔ الٰہ آباد والا معاملہ الجھا ہوا ہے، اس کا افسوس ہے۔ کیسا جی چاہتا تھا کہ آپ وہاں جلد از جلد چلے جاتے۔ بہ ہر حال، توقع منقطع نہیں ہونا چاہیے، ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔

غزل کا شکریہ۔ مطلعے میں ''مرے قاتل'' کے بجائے ''اپنے قاتل'' کا محل ہے۔ اور ''اُٹھ کے جائیں تو کہاں ہم تری محفل کے سوا'' بھی آپ کی نظرِ ثانی کا طلب گار ہے۔ مفہوم نمایاں نہیں ہوگا۔ ذرا نوائے تلخ کو معتدل بنائیے، زندگی کتنی ہی غم نوش اور اذیت آلودہ سہی، غزل میں اُس کی براہِ راست ترجمانی غزل کو راس نہیں آتی، اس کا خیال رکھیے۔ اسی لیے بالواسطہ اندازِ بیان اور

استعارے کی اہمیت ہے غزل میں۔ خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۴؍مارچ ۱۹۸۳ء

بھائی مولانا![۸۱]

آپ کے کئی خط میرے ذمّے واجبُ الجواب ہیں، منفعل ہوں اور معذرت طلب۔ اشعار میں نے پڑھے اور دل لگا کر پڑھے، جی خوش ہوا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ مگر کسی بھی خط میں آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ریسرچ کا احوال کیا ہے۔ برادر! اِس کم بخت سے جلد چھٹکارا پا لیجیے۔

میں ۱۱رکو لکھنؤ میں ہوں گا، اتوار کا دن ہے، آپ سے ملاقات بہ خوبی ہو سکتی ہے، جوش سمینار ہے اکیڈمی میں، اُدھر آنکلیے۔ میں اتوار ہی کو صبح کی گاڑی سے پہنچوں گا اور غالباً ۱۲رتک قیام رہے گا، آپ سے ملاقات دنوں سے نہیں ہو پائی ہے، اِس بار ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ باقی بروقتِ ملاقات۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷؍مئی ۱۹۸۳ء

عزیزِ مکرم![۸۲]

آپ کا خط کل ملا تھا، صورتِ حال سے آگاہی ہوئی۔ یہ اچھا ہی ہے کہ آپ کو سارے تجربے ابھی ہوئے جا رہے ہیں۔ لوگ مجھے بُرا کہتے ہیں کہ میں بیش تر لوگوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا، لیکن آپ کے تجربات نے ثابت کر دیا ہوگا کہ میں کچھ ایسا گم راہ نہیں۔ میرے تجربے آپ کے تجربات سے کچھ زیادہ تلخ ہیں، بس اُن کا اظہار نہیں کرتا اور ''باہمیں مرد ماں بباید ساخت'' کی مجبوری کہ عذرِ شرعی مان لیتا ہوں۔

بھائی! اِس کا مجھے یقین ہے کہ مستقبلِ قریب میں بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکلے گی، سارے موانع کے باوجود۔ آپ نے جس طرح ''بہ سینہ می سپرم راہ'' کا عملی ثبوت دیا ہے، اُس کا تقاضا یہی ہے اور ایسا ضرور ہوگا۔

خط ضرور لکھتے رہیے، کہ اِس طرح ربطِ خاص تازہ ہوتا رہتا ہے اور کچھ نہ سہی، داغ ہائے سینہ تو تازہ ہو ہی جاتے ہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی بی۔9، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷

۳۰ رجون ۱۹۸۳ء

برادرم!

سمجھتا ہوں کہ آپ روزوں میں اور تراویح میں مصروف ہوں گے اور قائم اللیل وصائم النہار کا شرف حاصل کر چکے ہوں گے۔ آج آپ کی یاد اچانک آئی اور خیال آیا کہ امتحان کا احوال تو معلوم ہی نہیں ہوا۔ پچھلے خط بل کہ خطوں میں بے امتیازی اور جانب داری کی تکلیف دہ خبر تو پڑھ لی تھی، لیکن اُس وقت تک نتیجہ نکلا نہیں تھا۔ اب مطلع کیجیے کہ اِس سلسلے میں کیا رہا۔ دوسری بات یہ کہ الٰہ آباد والے معاملے میں کچھ پیش رفت ہوئی یا نہیں۔ جی لگا ہوا ہے، خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

دہلی

یکم ستمبر ۱۹۸۳ء

بھائی مولانا! [۸۳]

آپ کا خط کئی دن پہلے ملا تھا، لیکن بُرا ہو موسمی اثرات کا کہ اُن کا شکار رہا۔ صاحب! آپ کے خط میں جو اطلاع تھی، اُس کو مژدۂ ناگاہ تو نہیں کہتا، وہ تو متوقع تھی، البتہ بے حد مسرت بخش ضرور تھی۔ خاص کر اُن حالات میں جن سے آپ مسلسل دوچار رہے (اور ہیں) اور اُن خاص کوائف سے جو مقامی طور پر نمایاں ہونے لگے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ زورقِ اندیشہ بساحل رسید۔ بہ ہر حال اُن مجتہد نما امّید وار بے چارے سے ہم دردی ضرور ہے، وہ بھی کہاں آ پھنسے تھے! یہ آپ کا حق تھا

جو آپ کو ملا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ اِس سلسلے میں ولی الحق انصاری صاحب کا اعتراف ضرور کیا جائے (دل میں سہی) اُنھوں نے واقعہ یہ ہے کہ ہمیشہ آپ کی حمایت کی ہے اور اِس بار بھی اُس سے دریغ نہیں کیا۔

P.H.D ضرور کیجیے اور دو سال کے عرصے میں، انصاری صاحب کے زمانے میں آپ کو دانش گاہ میں جگہ ضرور مل جائے گی، اُن کے بعد کا احوال میں نہیں جانتا کہ کیا ہوگا، اب الٰہ آباد کا خیال چھوڑیے اور وہیں پیر توڑ کر بیٹھ جائیے۔ میں اِس ماہ کی ۲۲ رکو بنگلور جاؤں گا، اور وہاں سے ۳ راکتوبر کی رات میں لکھنؤ پہنچوں گا فراق سمینار کے سلسلے میں (اگر یہ ملتوی نہ ہوا) اِس طرح ۴ راکتوبر کو اگر آپ اُدھر سمینار میں آجائیں تو ملاقات کی صورت نکلے، شام کی گاڑی سے میں شاہ جہان پور چلا جاؤں گا۔

دعا گو

رشید حسن خاں

(۹۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۲ رستمبر ۱۹۸۳ء

عزیز مکرم! [۸۴]

خط ملا، میں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ میں ۴ رکو لکھنؤ پہنچوں گا فراق سمینار میں، اُسے اب کالعدم سمجھیے۔ بنگلور کی ورک شاپ کی تاریخیں بدل گئیں، اب وہ ورک شاپ ۳ راکتوبر کو ختم ہوگی، اِس لیے اب لکھنؤ آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر بھی دیکھا جائے گا۔

الٰہ آباد جانے کی طرف میری طبیعت ملتفت نہیں ہوتی، کیوں کہ اِس طرح آپ لکھنؤ سے اور دانش گاہ سے دور ہو جائیں گے اور پھر وہ مثل صادق آئے گی کہ: آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل۔ میری رائے میں آپ کا مستقبل لکھنؤ میں محفوظ ہے، الٰہ آباد یوں بھی اب پڑھے لکھوں سے خالی ہوگیا ہے۔ پی. ایچ. ڈی کے موضوع سے مطلع کیجیے گا۔ اگر یو. جی. سی اسکالرشپ مل جائے تو آپ موجودہ ملازمت بھی بہ آسانی چھوڑ سکتے ہیں (اور اُس صورت میں چھوڑ دینا چاہیے) انصاری صاحب سے اسکالرشپ کے لیے کہیے۔ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر دیں گے، اِس کا مجھے یقین ہے۔

نیّر مسعود صاحب کو میرے خط کا انتظار کیوں ہے؟ اُنھوں نے مجھ کو پچھلے مہینے خط لکھا تھا کہ وہ ۱۰ رستمبر کو دہلی آ رہے ہیں اور ملاقات ہوگی؛ میں آج تک منتظر ہوں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ

دہلی آئے یا نہیں۔ آئے تو کب آئے، اور نہیں آئے تو کیوں نہیں آئے۔ اُنھوں نے خط لکھا ہی نہیں، میں تو ابھی تک عالمِ انتظار میں ہوں، خط کیا لکھوں۔ اگر ملاقات ہو تو آپ اُن سے اِن تفصیلات کو بیان کر سکتے ہیں۔

میں ۲۵؍ کو بنگلور کے لیے روانہ ہوں گا اور ۶؍ اکتوبر کو واپسی ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲؍ اکتوبر ۱۹۸۳ء

عزیز مکرم![۸۵]

آپ کے اِس دوسرے خط نے مجھے بڑی کشمکش سے نجات دی۔ جب سے آپ کا پہلا خط ملا تھا، تب سے میں سوچ رہا تھا کہ آپ کو لکھوں کیا۔ آپ کا یہاں آنا میری رائے میں قطعاً غیر مناسب تھا، مختلف وجوہ سے۔ میری رائے یہی تھی (اور ہے) کہ آپ کو ہر طرح کے حالات میں پہلے P.H.D کو مکمل کر لینا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ جس قدر حوصلہ شکن حالات آپ پر گزر چکے ہیں، اُن سے بدتر حالات تو آنے سے رہے، اور جب اُن حالات کا مقابلہ صبرِ ایوبی کے ساتھ آپ کر چکے، تو پھر یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے، درمیان میں کوئی ایسا کام کیوں کیا جائے جس کا انجام اچھا نہ ہو ـــــ اب آپ کا دوسرا خط پا کر میرے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا اور جی خوش ہوا کہ آپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ خدا مدد کرے گا اور یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔ میں بنگلور سے ۶؍ اکتوبر کو آ گیا تھا، مگر پھر شاہ جہان پور چلا گیا تھا۔

ہاں، آج ۲۲؍ اکتوبر ہے اور آج تک عابد رضا بیدار صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ اور اب اگر دوشنبے کو یعنی ۲۴؍ کو کوئی خط ملتا بھی ہے تو یوں بے کار ہے کہ اب رزرویشن نہیں مل سکے گا۔ یوں میرا جانا نہیں ہو سکتا۔

واپس آ کر مجھے آپ خط ضرور لکھیے گا، بیدار صاحب سے سلام کہیے گا اور نیر صاحب سے بھی۔ وہ معلوم نہیں کیوں ناخوش ہیں، دہلی آئے تب بھی ملاقات نہیں ہوئی، اِس کا واقعتاً تعجب ہے اور یہ توقع کے قطعاً خلاف ہوا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۵ر اکتوبر ۱۹۸۳ء

عزیز مکرّم! ۸۶

کل آپ کا ایک اور خط ملا، میں پرسوں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں، جس میں میں نے لکھا تھا کہ پٹنے سے میرے پاس کوئی خط نہیں آیا، وہ صورت علیٰ حالہٖ ہے۔ میں نے عابد رضا بیدار صاحب کے خط کے جواب میں اب سے پہلے یہ وضاحت کردی تھی کہ اپنی مصروفیات کے باعث میں نے دیوانِ موید کو نہیں دیکھا اور وہ ویسا ہی رکھا ہوا ہے، غالباً یہی وجہ ہوگی۔ یہ واقعہ ہے کہ میں اُس دیوان کو مطلق نہیں دیکھ سکا ہوں۔ ربابؔ صاحب کا خط بھی آیا ہے۔

ہاں، آپ نے جو عنوان لکھا ہے، وہ مجھے بہت پسند آیا، اِس میں کچھ نیاپن ہے اور اِس موضوع پر غالباً ابھی تک کوئی ڈھنگ کا کام ہوا بھی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اِس موضوع کا حق ضرور ادا کرسکیں گے۔ بہت سی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ، واپس آکر خط ضرور لکھیے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۳ر دسمبر ۱۹۸۳ء

برادرم! ۸۷

عبادت ملا، شکریہ، پڑھ کر جی خوش ہوا۔

ولی الحق انصاری صاحب سے یہاں پچھلے ہفتے ملاقات ہوئی تھی، وہ ازراہِ کرم بہ غرضِ ملاقات تشریف لائے تھے، اُن سے دیر تک گفتگو رہی۔ اُن کی راے تھی، اور میں اُس سے سو فی صدی متفق ہوں، کہ Ph.D کا کام آپ کو، جس طرح بھی ہو، دو سال کے اندر مکمل کر کے جمع کردینا چاہیے۔ اِس وقت مسئلہ بالاستیعاب کا اُتنا نہیں، جتنا بروقت تکمیل کا ہے۔ جب کتابی صورت میں چھپے، اُس وقت تکمیل کی رنگ آمیزی کی جاسکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انصاری صاحب کے زمانے میں آپ کے لیے بہت کچھ ہوسکتا ہے؛ اُن کے بعد شعبے میں کم از کم آپ کے لیے جگہ بہ مشکل نکل سکے گی، اور اِس حقیقت سے آپ بھی بہ خوبی واقف ہیں۔ میری راے یہ ہے، راے نہیں، مشورہ ہے کہ آپ ڈیڑھ دو سال کے لیے اور سب کاموں سے، خصوصاً خطوط نویسی سے قطعِ

تعلق کر کے، اپنے اِس کام کو مکمل کرلیں۔ میرا بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کو اُس شعبے میں ایک اُستاد کی حیثیت سے دیکھوں۔ آپ اپنا وقت جس قدر غیر متعلق چیزوں میں صرف کرتے ہیں، اُس سے بڑا نقصان پہنچتا ہے اور پہنچا ہے۔ اِس لیے اب آپ ''ترکِ ماسوا'' پر ایمان لے آئیے اور ایک ہی نقطے پر ساری توجہ کو مرکوز کر دیجیے۔ حساب کے دن نامۂ اعمال کے سوا اور کچھ کام نہیں آئے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۰؍جنوری ۱۹۸۴ء

عزیز مکرم![۸۸]

ابھی خط ملا، شکر گزار ہوں۔ برادر! یہاں ایسے نامعقول جھگڑے ہیں کہ اُن میں بے طرح ذہنی طور پر الجھا رہتا ہوں۔ بڑے گھٹیا لوگوں سے سابقہ پڑا ہے اور اس سے طبیعت الجھتی رہتی ہے۔

غزل خوب ہے، مجھے یہ شعر بہ طورِ خاص پسند آیا:

سنگ جا.... پرستیدہ شود

یہاں حقیقت اور مجاز ایک نقطے پر یک جا ہیں۔

ایک ہلکا سا امکان اس کا ہے کہ میں ۳۰؍کو لکھنؤ آؤں، چوں کہ یقین نہیں، اِس لیے آپ کو لکھا نہیں۔ مجھے ۴؍فروری کو جموں جانا ہے۔ ربابؔ کو کل خط لکھا ہے اُن کے خط کے جواب میں۔ سنا ہے وہاں جوشؔ سمینار ہے اور مجھے بھی بلایا جائے گا، اگر ایسا ہوا تو پھر اطمینان سے آپ دونوں سے گفتگو ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷؍فروری ۱۹۸۴ء

ہاں بھائی مولانا![۸۹]

اب آپ پٹنے سے واپس آچکے ہوں گے۔ صاحب! اب آپ اپنے کام میں جُٹ جائیے، مجھے وحشت ہوتی ہے کبھی کبھی یہ خیال کر کے کہ دو سال میں آپ کا کام مکمل ہو بھی پائے گا؟ اگر

کام نہ کرنے کا انداز یہی رہا۔ اب چند روز کے لیے ترکِ ماسوا پر عامل ہو جائیے۔ ولی الحق انصاری صاحب سے پرسوں ملاقات ہوئی تھی، وہ بھی یہی کہہ رہے تھے۔ دیکھیے! اب اگر آپ کے لیے وہاں جگہ نہ بنی، تو پھر کبھی نہیں بنے گی۔ آپ اِس طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں۔

اور ہاں، میری کتابوں کا کیا رہا؟ آپ نے معلومات حاصل کی؟

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائڑ ہال

۴ر مئی ۱۹۸۴ء

برادرم!

کل آپ کا خط ملا، اپنی صحت کا خیال رکھیے۔ الٰہ آباد کا احوال معلوم ہوا۔ خط سے کام نہیں چلے گا، ۲۶ر مئی کو اکیڈمی کی مجلسِ عام کا جلسہ ہے، اُس میں شرکت کے لیے میں وہاں آؤں گا، انصاری صاحب بھی وہیں ہوں گے، اُس وقت زبانی گفتگو کرلوں گا۔

اصل بات یہ ہے کہ انصاری کا یہ خیال ہے کہ آپ فضولیات میں وقت بہت ضائع کرتے ہیں۔ اگر کسی طرح آپ اُن کو یقین دلادیں کہ اب آپ نے توبہ کرلی ہے، تو شاید وہ اصرار نہ کریں۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر آپ سال ڈیڑھ سال کے لیے دیگر امور سے قطعِ تعلق کرلیں، تو ریسرچ کا کام بہ آسانی مکمل ہو سکتا ہے۔

الٰہ آباد میں سب کتابیں تو یک جا شاید ہی ملیں، غالباً نہیں ملیں گی۔ یہ آسانی تو لکھنؤ ہی میں حاصل ہے، جس سے اب تک آپ نے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ میں اُن سے یعنی انصاری صاحب سے مفصّل گفتگو کرلوں گا، لیکن اُس کا فائدہ اُسی وقت ہوگا جب آپ پہلے اُن کو اِس بارے میں مطمئن کردیں کہ اب آپ ریسرچ کے سوا کوئی اور کام نہیں کریں گے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ محض اِسی خاطر میں نے اُس نقل کا کام آپ کے حوالے نہیں کیا تھا۔ اگر آپ پہلا چپٹر لکھ کر انصاری صاحب کو دکھادیں تب اُن کو یقین آ[illegible] میری خواہش اور تمنا بھی یہی ہے۔ اِس طرف توجہ کیجیے۔ ویسے میں ایک خط بھی انصاری صاحب کو لکھوں گا، لیکن اصل گفتگو اُسی وقت ہو سکے گی جب میں آؤں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

کتابوں کے بارے میں آپ کے شجرۂ تلاش کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔ (اِس وقت کوئی پرزۂ کاغذ موجود نہیں تھا)۔

(۱۰۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲رجون ۱۹۸۴ء

برادرم!

خط ملا تھا۔ میں لکھنؤ سے واپسی پر موسم کا شکار ہوگیا۔ سخت زکام اور بخار، موسمِ گرما کا زکام بڑا جان لیوا ہوا کرتا ہے۔ اب بہتر ہوں، مگر کھانسی شدید ہے اور بلغم کا بھی وفور ہے۔

آپ (سے) سعی مشکور نہ ہو پائی، اِس کا افسوس ہے، لیکن میں آپ کا شکرگزار ضرور ہوں کہ آپ نے اِس موسم میں میری خاطر زحمت اٹھائی اور اِس قدر۔ اور ہاں بھائی! نورانی صاحب کا کام بل کہ پیشہ کتابیں بیچنا ہے، وہ کتابیں وہاں سے لائے ضرور ہوں گے، لیکن میرے لیے نہیں، جہاں پیسے اچھے ملے ہوں گے، وہاں دے دی ہوں گی۔ آپ ابھی اُن سے اچھی طرح واقف نہیں، ایک بزرگ ہیں خضر کی صورت......

اب مزید زحمت یہ ہے کہ ایک بار آپ اپنے یہاں اور دیکھ لیجیے کہ انیسویں صدی کے کون کون سے نسخے اور ہیں، از سرِ نو فہرست کو دیکھ کر یہ طے کرنا اب آسان ہوگا کہ میرے کام کا کوئی ہے یا نہیں۔ مجھے اصل میں ایک ایسے نسخے کی تلاش ہے جو دیوانِ جان صاحب کے حاشیے پر چھپا ہے ۱۲۶۱ھ میں، لکھنؤ کے کسی مطبعے سے۔

لکھنؤ کا سفر ۲۱رمئی کو ہوا تھا، موسم اس قدر بُرا تھا کہ آپ کو زحمت دینا اچھا نہیں معلوم ہوا۔ لیکن جب میٹنگ میں نیّر صاحب سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے بتایا کہ آپ کئی بار پوچھ چکے ہیں اور شام کے وقت ایک پھیرا گھر کا کریں گے، یوں میں سمجھا کہ اب ملاقات ضرور ہو جائے گی، یوں اور بھی اُس لو اور دھوپ میں، میں نیّر صاحب کے گھر گیا، اور پانچ بجے تک رہا، لیکن آپ اُدھر نہیں آسکے۔ بہت راہ دیکھی، آپ سے طبّی کان فرنس کا احوال پوچھنا تھا۔ خیر، اِس سے مجھے واقعتاً مسرّت ہوئی کہ اِس کان فرنس یا سیمینار میں آپ کی شخصیت خاصی نمایاں رہی اور کارگزاری آپ کے حصّے میں اچھی طرح آئی۔ یہ نقشِ اوّل خوب بیٹھا اور خوب چمکا، میرا جی بہت خوش ہوا۔

اب یہ بتایئے کہ آپ نے اپنے تحقیقی مقالے کی طرف توجّہ کی؟ یہ از حد ضروری ہے، اس کا احوال ضرور لکھیے۔ آج سے یہاں روزے شروع ہوگئے ہیں، وہ شخص واقعی جنّتی ہے جو اِس موسم میں روزہ رکھے۔ روزہ میرا بھی ہے مگر ایک داڑھ کا۔ بے توفیقی کو کیا کہوں! اپنے کو گنہ گار مانتا ہوں۔

اب خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

یکم اگست ۱۹۸۴ء

برادرم![۹۱]

خط ملا، میں جب لکھنؤ پہنچا تو رباب صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ آپ لکھنؤ میں نہیں ہیں، اِس لیے ملاقات نہیں ہوسکی۔ خیر، پھر سہی، شاید میں ستمبر کے اوائل میں پھر آؤں۔

فائل کا احوال معلوم ہوا، یہی حال ہے ہر دفتر میں، شکایت بے کار ہے، لیکن چوں کہ آپ نے بہت صبر کیا ہے، اِس لیے یقین ہے کہ اب جلد ہی یہ کام ہوجائے گا، یہ ''ملخص کریہ الوجہ'' کی تلمیح پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکی، کچھ گمان سا ہے کہ شاید اِس سے ہونے والے صدرِ شعبہ مراد ہوں گے، کیا کوئی نئی بات ہوئی ہے؟ اس کا احوال لکھیے۔

فسانۂ عجائب کے جس نسخے کی مجھے تلاش تھی، کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں اُس کا سُراغ ملا ہے، دیکھیے اب اُسے حاصل کروں گا کسی طرح۔ اِس کام نے مجھے ذہنی طور پر تھکا دیا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ Ph.D کا کام کچھ نہ کچھ ضرور ہورہا ہوگا، ساری نامرادیوں اور ناسازگاریوں کے باوصف۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۶ر اکتوبر ۱۹۸۴ء

برادرم![۹۲]

آپ کے کئی خط واجبُ الجواب ہیں، لیکن میں یہاں تھا ہی نہیں، کراچی اور لاہور کا سفر کیا، اور پھر فوراً شاہ جہان پور جانا پڑا۔ اب واپسی ہوئی ہے۔ اب میں ۲۹ر کو اکیڈمی کی ایک میٹنگ میں دن بھر کے لیے آؤں گا۔

مجھے نہیں معلوم کہ علی گڑھ کے معاملے کا کیا رہا، اور الٰہ آباد سے قطعِ تعلق کی صورت کیا بنی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اِس وقت آپ کہاں ہیں اور صورتِ حال کیا ہے۔ اگر یہ خط آپ کو بروقت

مل جائے، تو صورتِ حال سے مطلع کیجیے، جی لگا ہوا ہے اور تشویش بھی ہے، آپ کا خط پا کر اطمینان کی کوئی صورت نکل آئے گی۔

خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ اِن الجھنوں سے جلد نجات پائیں اور سکون کے ساتھ کوئی کام کر سکیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائر ہال، دہلی

۱۲ر نومبر ۱۹۸۴ء

برادرم!

یہ خوب ہوا کہ آپ نے پُختہ ارادہ کرلیا۔ کسی نہ کسی منزل پر یہ ضروری ہوتا ہے۔ خدا اِس میں بھی برکت دے گا اور آپ کے لیے اطمینان و سکون کا سروسامان مہیا کرے گا۔ میری دعا یہی ہے اور یہی دلی خواہش ہے۔ علی گڑھ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مستقبل کے لیے بھی کوئی مانع نہیں پیدا ہوگا۔ ریسرچ کا کام وہاں رہ کر بھی بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ کتاب خانہ وہاں کا بھی اچھا خاصا ہے اور آپ کے کام کی اکثر چیزیں وہاں مل جائیں گی اور ایسی چیزیں بھی ملیں گی جو لکھنؤ میں نظر نہ آتیں یا اب تک نظر میں نہ آئی ہوں گی۔ ہر صورت میں بہتری کی توقع رکھنا چاہیے، اِس سے قوتِ عمل برقرار رہتی ہے۔

آپ نے ۲۹ر کو زحمت گوارا کی میری خاطر، یہ آپ کی دلی محبت اور آپ کے بے پایاں خلوص کا مظہر ہے۔ بھائی اب ایسے چند ہی نفوس ہیں جن سے دلی ربط ایسا رہ گیا ہے اور آپ اُنھی چند میں سے ایک فرد ہیں، آپ کے تعلقِ خاطر کا معترف ہوں اور اپنی نارسائی اور ناکامیوں پر متاسّف رہتا ہوں۔ ۲۹ر کو یہ ہوا کہ واپسی کا رزرویشن نہیں ہو پایا تھا، خط جو میں نے دس دن پہلے لکھا تھا، وہ اُسی دن اکیڈمی میں پہنچا۔ مجبوراً شام کی گاڑی سے شاہ جہان پور واپس جانا پڑا اور پھر وہاں سے دوسرے دن دن کی گاڑی سے دہلی کے لیے روانہ ہوا۔ یہ پیچ بڑھ گیا تھا، ورنہ ملاقات ضرور ہوتی۔

علی گڑھ کے احوال سے تفصیل کے ساتھ مطلع کیجیے گا اور وہاں کے پتے سے بھی۔ وہاں کی فضائیں بھی علم دشمنی میں اور معطّل بنا دینے میں درجۂ کم نہیں رکھتیں؛ مگر انشاء اللہ آپ کی سخت جانی

اور سخت کوشی وہاں بھی کام آئے گی۔ وہاں لوگ لکھنے پڑھنے اور سکون کے ساتھ گوشے میں بیٹھنے کے مقابلے میں تفریحات کو ترجیح دیتے ہیں تہذیبی شعور کے نام پر۔ خوب لوگ ہیں۔ بہ ہر حال، با ہمیں مرد ماں بباید ساخت۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور گھر والوں کے "لطف و کرم" میں حسبِ معمول مبتلا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۴؍ دسمبر ۱۹۸۴ء

برادرم![۹۳]

میں ۱۲؍ کو لکھنؤ میں تھا۔ آپ کو اطلاع یوں نہیں دی کہ جلسہ تھا کونسل ہاؤس میں، اور یہ طے نہیں تھا کہ وہاں سے کب نجات ملے گی اور پھر کہاں جانا ہوگا۔ اُسی دن واپسی بھی تھی۔ حالاں کہ میری بڑی خواہش تھی۔ اِس بار آپ سے ملاقات کی اور دریافتِ حال کی۔ نیّر صاحب سے خیریت معلوم ہوگئی تھی۔ آیندہ شاید دو دن کے لیے آنا ہوگا۔ اُس وقت آپ کو مطلع کروں گا، تا کہ ہوٹل میں اچھی طرح ملاقات ہو سکے۔

علی گڑھ کا احوال لکھیے اور استعفے کا بھی۔ سنا ہے کہ علی گڑھ میں کوئی صاحب ہیں جو چاہتے ہیں کہ آپ وہاں نہ آئیں! یہ کون بزرگوار ہیں؟

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

برادرم![۹۴]

خط ملا۔ سوائے اظہارِ ہمدردی اور کیا کروں! بہت قلق ہے آپ کی پریشانی کا۔ دفتری کارروائیاں ہمیشہ سے شرفا کے لیے باعثِ اذیت رہی ہیں اور رہیں گی۔ ایک سے ایک بڑا حرام زادہ ہوتا ہے وہاں، اور بہت خوش ہوتے ہیں وہ دوسروں کو پریشان کر کے۔

انصاری صاحب کا تقاضا بالکل ٹھیک ہے۔ اُن کے زمانے میں اگر یہ کام نہ ہوا، تو پھر اور بہت سی مشکلیں آجائیں گی اور لکھنؤ یونی ورسٹی بھی سرکاری دفتر بن کر رہ جائے گی آپ کے لیے۔

اِس لیے اِس کام کو کرنا از بس ضروری ہے۔

تحر سے متعلق خاکہ میں نے دیکھا، بالکل ٹھیک ہے۔ یہ کام آسان ہے اور جلد ہونے والا، بہ شرطے کہ آپ از خود پھیر میں نہ پڑیں اور نہیں پڑنا چاہیے۔ تذکرہ نگاری سے متعلق کئی کتابیں آچکی ہیں، ان میں جو کچھ لکھا ہے، وہ کافی ہے پہلے باب کے لیے۔ مثلاً تذکرہ نگاری در ہندو ایران۔ تاریخ تذکرہ ہاے فارسی (احمد گلچین معانی) فارسی کے لیے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب اردو میں تذکرہ نگاری اور ڈاکٹر حنیف نقوی کی کتاب (دو جلدوں میں) شعراے اردو کا تذکرہ بھی اِسی موضوع پر ہے اور ان میں اردو تذکرہ نگاری سے بحث کی گئی ہے۔ بس یہ چار کتابیں ضرورت کے لیے کافی ہیں۔

ڈاکٹر نعیم نے تحر کے اِس تذکرے کا ترجمہ چھاپا تھا علی گڑھ سے (چوپٹ کیا تھا اسے) وہ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔ اِس کے نسخے کچھ زیادہ نہیں، ایک ہی دو ہوں گے۔ معلوم تو اب تک ایک ہی نسخہ ہے جو ندوے میں ہے۔ دونوں تذکرے ایک مجلّد میں ہیں۔ اِس طرح یہ کام آسان ہے کہ بھاگ دوڑ نہیں۔ اصل کام متن کی تصحیح ہے اور یہ وہیں بیٹھ کر بہ آسانی ہوسکتی ہے۔ حالات کا مجھے علم نہیں۔ اب دیکھوں گا، اگر ان کے حالات کہیں کچھ ملے، تو مطلع کروں گا۔ اِس کام کو اب کر ہی ڈالیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۱ر دسمبر ۱۹۸۴ء

بھائی مولانا![۹۵]

نیا سال مبارک۔

خط ملا۔ خدا آپ جیسی استقامت مجھے بھی نصیب کرے! اب تک جس طرح سینے کے بل آپ نے زندگی کی راہ کو طے کیا ہے، اُس سے مجھے یقین ہے کہ آیندہ بھی کام یابی آپ کو ہوگی۔ اکیڈمی میں درخواست ضرور دیجیے۔ اگرچہ مجھے وہاں توقع کم ہے۔ بات یہ ہے کہ اب کے اکیڈمی اچھی خاصی گانو کی چوپال بن گئی ہے۔ جتنے منہ اُتنی باتیں، سیاست کا کھیل ایسا ہی ہوتا ہے۔

فرمان فتح پوری کی کتاب تذکروں سے متعلق میرے پاس تھی، میں نے نسیم اقتدار علی خاں کو دی تھی پڑھنے کے لیے، آپ اُن سے عارضی طور پر لے کر پڑھ سکتے ہیں۔ "تذکرہ نویسی در ہندو

پاک'' بھی میرے پاس تھی، اُسے ڈاکٹر تنویر علوی لے کر بیٹھ گئے ہیں، اب اُن سے کیا ملے گی۔ البتہ احمد گلچین معانی کی کتاب تاریخ تذکرہ ہاے فارسی میرے پاس ہے۔ اگر خاضع کے یہاں سے نہ آئی، تو آپ مجھ سے بلا تکلف لے لیجیے گا۔ میں لکھنؤ اُسے لیتا آؤں گا۔ میں ۵؍جنوری کو آؤں گا، مگر ۱۱ بجے پہنچوں گا اور ۳½ (ساڑھے تین) بجے واپسی ہو جائے گی، اِس لیے آپ سے اِس بار آپ سے ملاقات نہیں ہوگی، البتہ اواخرِ جنوری میں، شاید ۲۸؍کو یا ۲۹؍کو۔ جنرل باڈی کی میٹنگ ہے، اُس میں شرکت کروں گا اور اُس وقت آپ سے ملاقات بھی ہوگی۔ میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔ آپ مجھے لکھیے گا اِس کتاب کے بارے میں، تا کہ اگر ضرورت ہو تو میں لیتا آؤں۔ تذکرہ نویسی در ایران میں نے نہیں دیکھی۔ آپ کام تو شروع کر دیجیے متن کی تدوین کا، باقی مقدّمے سے متعلق اُمور بعد کو طے ہوتے رہیں گے، متن آپ سب سے پہلے مکمل کر لیجیے، یہ بہت ضروری ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷؍جنوری ۱۹۸۵ء

بھائی مولانا![۹۶]

آپ کا خط مجھے لکھنؤ جانے سے پہلے ہی مل گیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے نیّر صاحب بھی شریکِ کمیٹی تھے۔ ہم دونوں نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے سکریٹری سے بات کریں، کیوں کہ وہ بھی سلکشن کمیٹی کے ممبر ہیں۔ تین ممبر ہیں اس کے: چیرمین (رضا القادری صاحب)، سکریٹری اور صباح الدین عمر صاحب۔ سکریٹری صاحب نے بتایا کہ اِس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اردو میں ایم. اے ہو اور یہ شرط ختم نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ شرط ختم ہو سکتی تو سب سے پہلے اظہر مسعود صاحب کا نام آتا۔ اُن کا نام اِس وجہ سے نہیں آ پایا۔ اتفاق یہ کہ رضا القادری صاحب اُس دن نہیں آئے تھے۔ اب مجھے اِس ماہ کے آخر میں شاید پھر وہاں آنا ہوگا، تو اُس وقت چیرمین صاحب سے بات کروں گا اِس شرط سے متعلق اور آپ کو مطلع کروں گا۔ میری بڑی کوشش ہوگی کہ آپ کے لیے کچھ کر سکوں، اگر ذرا بھی گنجایش نکلی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۱؍جنوری ۱۹۸۵ء

بھائی مولانا![۹۷]

خط ملا۔ میں ۲۴؍کو لکھنؤ میں ہوں گا اور پھر ۲۹؍کو آؤں گا۔ دونوں دن ۴ بجے کی گاڑی سے شاہ جہان پور جانا ہوگا۔ اِس سردی میں رات کا سفر نہیں کرنا چاہتا۔ کتاب آپ کی ساتھ لاؤں گا اور اُسے نیّر مسعود صاحب کے یہاں رکھ دوں گا۔ اگر کسی طرح آپ سے ملاقات کی صورت نکل آتی تو کیا اچھا ہوتا۔ کوئی صورت نکالیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

دہلی

۱۴؍فروری ۱۹۸۵ء

برادرم![۹۸]

خط ملا۔ آپ نے کام شروع کر دیا ہے، اِس سے اطمینان ہوا اور مسرّت بھی۔ ۲۴؍فروری کو لکھنؤ میں نیاز سمینار ہے، اُس میں شرکت کرنا ہے۔ میں دہلی سے ۲۲؍کو چلوں گا شاہ جہان پور کے لیے اور پھر ۲۵؍کی رات میں واپسی ہوگی۔ اِس کا افسوس رہے گا کہ دہلی میں آپ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، کیوں کہ اُس دن میں یہاں موجود ہی نہیں ہوں گا، خیر، پھر سہی۔ ایسے مواقع پھر بھی آئیں گے۔

بھائی! پی ایچ ڈی کے کام کو جلد مکمل کیجیے اور کسی اور پھیر میں بعد کو پڑیے گا۔ یہ بہت ضروری ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۴؍اپریل ۱۹۸۵ء

بھائی مولانا![99]

آپ کے دو خط واجب الجواب ہیں۔ میں ۱۲ دن کے بعد آج ہی صبح شاہ جہان پور سے آیا ہوں، یوں خط میں تاخیر ہوئی۔

دیکھیے میرے بھائی! اسکول ہو یا یونی ورسٹی، لڑکے ہر جگہ ایسے ہی بے ادب اور بد شوق ملیں گے اور اساتذہ بھی اِسی طرح جہالت اور منافقت کا شکار نظر آئیں گے۔ اِن باتوں کا شکوہ آپ کہاں تک کریں گے، لہٰذا شکوے کے اِس باب کو اپنی کتاب میں سے یکسر نکال دیجیے۔ آپ اگر پی۔ ایچ۔ ڈی کی تکمیل کرلیں تب اِس مشکل سے چھٹکارا ممکن ہوگا اور آپ لکھنؤ یونی ورسٹی میں جا سکیں گے۔ اس کے بغیر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دہلی آپ کو آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ یہاں تو گویا پہلے ہی سے صورتِ حال طے شدہ تھی۔ مسئلہ علم کا نہیں، مصلحت کا ہے اور اِس سے مفر نہیں دوسروں کو۔ اہلِ دہر کو اپنے پہ قیاس نہ کیجیے۔ یہ لوگ دوسری مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ اب اگر ذرا سا سکون بھی ملا ہو تو خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸؍جولائی ۱۹۸۵ء

برادرم![100]

خط ملا۔ میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ اب کے بہت دنوں سے آپ کا خط نہیں آیا اور یہ ارادہ کر رہا تھا کہ آپ کو لکھنؤ کے پتے پر خط لکھوں۔

میں ہوں تو بہ خیریت، مگر الجھا ہوا۔ فسانۂ عجائب میں تو نہیں، آج کل باغ و بہار کا متن مرتب کر رہا ہوں مکتبۂ جامعہ کے لیے۔ یہ کام پچھلے ڈیڑھ سال سے شروع کر رکھا تھا، آج کل اُس میں پورا وقت صرف ہو رہا ہے، چاہتا ہوں کہ بس سال بھر اور لگے اور یہ کام مکمل ہو جائے۔ اِس لیے اب کے گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی کہیں نہیں گیا۔

آپ سنائیے کہ اب وہاں صورتِ حال کیا ہے۔ اور اپنے مقالے کے سلسلے میں آپ نے کتنا کام کرلیا ہے۔ مجھے بڑی فکر آپ کے مقالے کی ہے۔ مجھے دیکھیے اور عبرت حاصل کریے اور جلد تر مقالے کو مکمل کرلیجیے تاکہ کہیں صحیح طور پر انتظام ہو سکے۔ وقت گزر رہا ہے اور حالت بد سے بدتر ہونے کی زیادہ توقع ہے، اِس لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اِس طرف توجہ کیجیے، ورنہ اس دنیا کی

مختلف مصروفیتیں اور مکروہات اِسی طرح رہیں گی یکے بعد دیگرے۔ حالات کے بدلنے کا انتظار فضول ہے۔ انھی حالات میں کام کرنا ہے۔

دعاگو
رشید حسن خاں

(۱۱۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۲۶ر جولائی ۱۹۸۵ء[۱۰۱]
برادرم!

میں نے چند ہی دن پہلے آپ کو خط لکھا تھا، آپ کے خط کے جواب میں، کہ اچانک کل آپ کا خط ملا، جس میں بڑی تشویش ناک اطلاع درج تھی۔ بے حد قلق ہوا۔ جن حالات میں آپ مبتلا تھے، اُس میں یہ بڑا پریشان کُن اضافہ ہے۔ میں دست بہ دُعا ہوں کہ آپ جلد ہی بالکل ٹھیک ہو کر اپنے فرائض کو ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اپنی خیریت سے ضرور مطلع کرتے رہیے گا، کیوں کہ میرا جی لگا رہے گا اور تشویش ہوتی رہے گی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۱۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ٹی سی۔۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷
۱۹ر اگست ۱۹۸۵ء
عزیز مکرم!

آپ کا خط مجھے بہت تاخیر سے ملا۔ اِس میں دخل اِس بات کو رہا کہ دو دن تک میں نہیں تھا اور دو تین دن کے لیے وہ شخص ڈیوٹی سے غائب رہا جس کے ذمّے ڈاک کی تقسیم تھی۔

صاحب! حد سے زیادہ دُکھ ہوا خط کو پڑھ کر، کیسا اندوہ ناک حادثہ ہوا ہے یہ! میں تو پڑھ کر دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہ گیا، افسوس صد افسوس! معلوم نہیں یہ سارے امتحانات اور آزمائشیں آپ ہی کے لیے کیوں محفوظ رہ گئی ہیں۔ آپ کے غم کا بھی اندازہ کر سکتا ہوں اور آپ کی پریشانیوں

کا بھی۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

بھائی! اِس بات سے ضرور مطلع کیجیے کہ اب آپ کے پیر کا احوال کیا ہے اور پلاسٹر کب تک کٹے گا؟ کیا اب آپ چل پھر سکتے ہیں کسی حد تک؟ ملازمت کی صورت کیا ہے۔ کیا اُن لوگوں نے رخصت منظور کرلی ہے؟ ان سب اُمور سے ضرو مطلع کیجیے۔

آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں، خداے پاک آپ کو تسکین عطا کرے اور آپ کی مشکلوں کو ختم کرے (آمین)۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۴رنومبر ۱۹۸۵ء

برادرم! [۱۰۲]

آپ کا خط ملا تھا۔ میری آنکھوں میں اِدھر تکلیف کچھ زیادہ ہوگئی تھی، اِس لیے خط نہیں لکھ سکا تھا۔

آپ کے لکھنے کے مطابق پلاسٹر دو تین دن میں اُترنے والا تھا، اب تک اُتر گیا ہوگا۔ مطلع کیجیے کہ کیا صورت ہے، توقع تو یہی ہے کہ ہر لحاظ سے آپ بہ خیر ہوں گے اور وہ جوڑ صحیح طور پر بیٹھ گیا ہوگا۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی. بی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۷ردسمبر ۱۹۸۵ء

برادرم! [۱۰۳]

آج آپ کا خط ملا۔ خدا بخش لائبریری سے دعوت نامہ آیا تھا، مگر میں نے معذرت کرلی ہے، آنکھوں کی بنا پر، اب لکھنے پڑھنے میں خاصی دقّت ہوتی ہے خصوصاً رات میں۔ مخطوطات کا کام تو کر ہی نہیں سکتا۔ معمولی کام البتہ ہو رہے ہیں۔ علی گڑھ آنے کا بھی امکان نہیں۔ اگر آتا تو

آپ خط لکھتے یا نہ لکھتے، آپ کے پاس ضرور آتا۔ آپ کے حال پر بڑا قلق ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ معقول لوگ مبتلائے آلام رہتے ہیں اور سارے نامعقول آلودۂ عیش و مسرت۔ خدا کرے آپ کا پیر جلد ٹھیک ہو سکے۔ میں ایک ضرورت سے ۳/جنوری کو شاہ جہان پور جاؤں گا چند روز کے لیے۔ دنوں سے نہیں جاسکا ہوں۔ سارے کام یوں ہی پڑے ہوئے ہیں۔

بہت سی دُعاؤں کے ساتھ

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۹/اپریل ۱۹۸۶ء

برادرم! [۱۰۴]

خط ملا تھا، میں اورنگ آباد گیا ہوا تھا اور وہاں سے شاہ جہان پور چلا گیا تھا، یوں تاخیر ہوئی۔ میں آج ہی رباب کو خط لکھ رہا ہوں، جس میں بیگم صاحب کے نام کا پرچہ ملفوف ہوگا، کہ وہ اُسے دکھا کر اور کتاب لے کر آپ کو بھیج دیں۔

خدا کرے آپ کا کام اب جلد تر مکمل ہو سکے۔ آپ نے بہت پریشانیاں اٹھائی ہیں۔

آپ بھی رباب کو ایک خط لکھ دیں تاکید کا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۹/مئی ۱۹۸۶ء

بھائی مولانا! [۱۰۵]

خط آپ کا ملا، حال معلوم ہوا۔ آپ کربلا میں ہیں، اکبر نے جب کہا تھا کہ:

پردے کا مخالف سُنا بیگم نے، تو بولیں\
شیطان کی پھٹکار، علی گڑھ کے حوالے

تو بے جا تو نہیں کہا تھا۔ اِسی لیے میرا وہاں کا پھیرا کرنے کو کبھی جی نہیں چاہتا۔ رباب کا خط آیا ہے، آپ کی کتاب وہ لے آئے ہیں اور لکھا ہے کہ آپ کے نام بھیج رہے ہیں۔ وہ اب تک شاہ جہان

پور میں تھے۔ شاید اب تک پہنچ چکی ہو۔

میری آنکھوں میں تکلیف بہت ہے۔ اب بجلی کی تیز روشنی میں بھی کام نہیں کر پاتا۔ آدھا گھنٹا بھی بہ مشکل بیٹھ پاتا ہوں، سخت اذیّت کا عالم ہے۔ آپریشن کب ہوگا، اس کا حال معلوم نہیں۔ اصل میں ڈاکٹر کے پاس جانے کی نوبت ہی اِدھر نہیں آپائی ہے۔ خدا آپ کی اور میری، دونوں کی مدد کرے۔ شرفا کے لیے کہیں جاے اماں نہیں، نہ لکھنؤ میں نہ دہلی میں۔ علی گڑھ میں، صلیب بردوش رہنا پڑتا ہے ہر جگہ۔

میں ۵؍جون سے ۱۱؍جون تک دہلی سے باہر رہوں گا، یعنی شاہ جہان پور میں۔

خدا آپ کی مدد کرے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۸؍مئی ۱۹۸۶ء

برادرم! [۱۰۶]

خط آپ کا مل گیا، اس سے پہلے مطبوعہ اوراق بھی ملے تھے۔ نظم پہلے ہی پڑھ چکا تھا اور دل ہی دل میں آپ کو داد دے چکا تھا۔

میں ۳؍جون کو شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوں گا، ۱۴؍ تک واپسی ہوگی۔

نیا کمرا مل گیا، خوشی ہوئی، مگر خدا کرے اب یہ نئے لوگ ویسے نہ ہوں۔ ویسے علی گڑھ کی حیثیت ہے کانِ نمک کی۔ اہلِ حدیث کے مسلک پر عمل کرنا مبارک ہو۔ مومن کی روح خوش ہوگئی ہوگی، جنھوں نے کہا تھا: حیوان ہیں حقیقت میں یہ اہلِ تقلید۔ سچ کہا گیا ہے کہ کھوٹا پیسا بھی کام آجایا کرتا ہے۔

ہاں آپ ابھی سفر نہ کیجیے، اِس سے کام میں خرابی پیدا ہوسکتی ہے۔ یا پھر صرف ایک جگہ جائیے۔ جگہ جگہ جانے سے پیر پر بڑا اثر پڑسکتا ہے۔

نیادور تلاش کروں گا، مگر ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ لکھنؤ جائیں تو وہیں بہ آسانی دفتر میں دیکھ سکتے ہیں۔ میں بھی بہ ہر حال کھکوروں گا اور تلاش کروں گا۔ جگہ کم ہے، اِس لیے پتا نہیں چلتا کہ کون سی چیز کہاں ہے اور رسالے تو بُری طرح گڈمڈ ہوگئے ہیں، بہ ہر حال دیکھوں گا ضرور۔

کیا پتا ابھی پُرانا ہی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی.ہی.۹، گائرہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۴ر ستمبر ۱۹۸۶ء

بھائی مولانا! [۱۰۷]

کل ہی واپسی ہوئی ہے شاہ جہان پور سے۔ آپ کے دو خطوں کے جواب واجبُ الادا ہیں، کیا کروں، نظر اب جمتی نہیں اور قلم چلتا نہیں۔ گویا اٹکل سے تھوڑا بہت کام کر لیتا ہوں۔ شام ہوئی اور میں از کار رفتہ ہوا۔ سڑک پار کرنا بھی مشکل ہوتا ہے، اِس لیے دوپہر بعد کہیں جانا ہی نہیں۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ برابر یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے رہتے ہیں اور ہجومِ آلام و افکار میں بھی غافل نہیں رہتے۔ اِس کا اعتراف تھا اور ہے۔ اس وضع داری کو برقرار رکھیے اور میری بے چارگی پر نہ جائیے۔ جب تک آپریشن نہیں ہو جاتا، یہی صورت رہے گی۔

خدا کرے اب آپ کچھ سبک دوش ہوئے ہوں بارِ آلام سے۔

دعا گو

رشید حسن خاں

(۱۲۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۴ر اپریل ۱۹۸۷ء

بھائی مولانا! [۱۰۸]

آپ کے کئی خطوں کے جواب واجبُ الادا ہیں، طلبِ معذرت کے سوا اور کیا کروں! لکھنؤ جانا نہیں ہو سکا، اگرچہ وعدہ کر چکا تھا، مضمون لکھا ہی نہیں گیا۔ اب نہ قلم چلتا ہے نہ نظر کام کرتی ہے، بس وقت گزرتا ہے۔ آپریشن کا انتظار ہے، جس میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

آپ سے متفق ہوں دونوں رایوں کے سلسلے میں۔ خواجہ صاحب کا اسلوب مجھے تو ہمیشہ مصنوعی معلوم ہوا ہے۔ رہے مولانا جامی، تو مجھے خوب یاد ہے کہ جب مدرسے میں پڑھتا تھا تو

یوسف زلیخا کا آخری حصہ جس میں شب وصل کا بیان ہے، پڑھاتے وقت میرے اُستاد بھی الجھنے لگے تھے۔

ایک بات: ایک مشہور قول ہے: ماعرفناک حق معرفتک ۔ یہ گلستاں کے دیباچے میں بھی آیا ہے، اور مقامات پر بھی ملتا ہے، ایک مصنف نے اِسے حدیث لکھا ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ قول کس کا ہے اور کس کتاب میں ہے۔ حدیث تو یقیناً نہیں، مگر پھر بھی احتیاطاً معلوم کرنا ضروری ہے۔ میرے خط کا انتظار کرنا لازم نہیں، لکھنا پڑھنا خاصا کم ہو گیا ہے۔ آپ خط لکھتے رہا کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

ٹی بی-۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۶ر جون ۱۹۸۷ء

بھائی مولانا! [۹۰۱]

خط آپ کا مل گیا۔ آنکھوں کا احوال ویسا ہی خراب ہے۔ آپریشن کی فکر میں ہوں۔ ایک نیا طرزِ آپریشن آیا ہے، جو بہت کام یاب ہے۔ مگر اُس میں صرف پانچ ہزار کا خرچ ہے۔ خوب ہے یہ زمانہ بھی!

میں ایک مصیبت میں مبتلا ہو کر ۲ر جولائی کو لاہور جاؤں گا، پھنس گیا ہوں اپنی مرضی کے خلاف۔ واپسی غالباً وسطِ جولائی تک ہوگی۔ آپ نے اپنے مقالے کا احوال نہیں لکھا۔ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ انصاری صاحب رٹائر ہو گئے ہیں یا بس ہونے والے ہیں اور غالباً نیّر مسعود صاحب ان کے جانشین ہوں گے۔ اب آپ جس طرح بھی ہو، اس کام کو تو کر ہی ڈالیے اور میرے لیے دُعا کیجیے۔ سارا کام رکا ہوا پڑا ہے۔ لکھنا پڑھنا گویا سب بند ہے، کیا کروں؟ دعا کرتے رہیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۶ راگست ۱۹۸۷ء [۱۱۰]

بھائی مولانا! پہلے خط ملا اور اُس کے بعد مضمون، مگر میرے بھائی! یہ تو فارسی میں ہے! غالب نامے میں چھپنے کے لیے اِسے اردو میں ہونا چاہیے۔ اگر آپ اس کا ترجمہ اردو میں کر دیں تو خوب ہو، مگر یہ جلدتر ہو جانا چاہیے۔ فارسی میں تو یہ دانش ہی میں چھپ سکے گا۔ اب آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔

اگر اس کی نقل آپ کے پاس ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں اِسی مضمون کو واپس کر دوں۔ مکان مل گیا، یہ بڑے اطمینان کی بات ہے، وہ بہت اچھا نہ سہی، مکان تو ہے۔ اچھا بھی مل جائے گا۔ اور ہاں نئے اسکول میں آپ کا منتقل ہونا بہت بہتر ہے۔ انشاء اللہ اب دیگر امور بھی سدھر جائیں گے اور سنبھل جائیں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۹ رجنوری ۱۹۸۸ء

بھائی مولانا! [۱۱۱]

آپ کا خط بہت پہلے ملا تھا، ایک کام کے سلسلے میں کیرالا گیا تھا، وہاں سے واپسی پر ایسا بیمار ہوا کہ مہینا بھر تک اُس کے اثرات میں مبتلا رہا، اب بھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہو سکا ہوں۔ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے گھر پر بھی ایک خط نہیں لکھ سکا ہوں، وہاں سے برابر خط آ رہے ہیں۔ دُعا کیجیے۔

آپ کا احوال خدا بہتر کرے، کیا اچھا ہوتا اگر آپ اپنے اُس کام کو کسی طرح مکمل کر لیتے۔ ابھی انصاری صاحب سال بھر اور ہیں، اُن کے بعد پھر بہ مشکل کچھ ہو سکے گا، آپ تو خود سب کچھ جانتے ہیں، آپ سے کیا کہوں۔

پریشانیاں اور مصیبتیں ہمارا آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گی، یہ، دائمی رفیق ہیں، تو پھر سارے کام کیا ادھورے رہیں گے؟ سوچنے کی بات ہے، بے شمار لوگوں نے ہمارے آپ کے حالات سے زیادہ پریشان کن حالات میں کام کیا ہے۔

بہ ہرحال، میرا جی بہت چاہتا ہے کہ آپ کا وہ کام کسی بھی طرح مکمل ہو، باقی سب کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں اور نہ ہوں تب بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

خدا کرے آپ اب حالات کے لحاظ سے پہلے سے کچھ بہتر ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۹رمئی ۱۹۸۸ء

بھائی مولانا![۱۱۲]

ایک زمانے کے بعد آپ کا خط ملا۔ یہ پڑھ کر مسرّت ہوئی کہ آپ جون میں کسی وقت دہلی آئیں گے۔ میری کتاب تلاش و تعبیر حال ہی میں چھپی ہے، آپ کے لیے ایک جلد محفوظ ہے، بروقتِ ملاقات پیش کروں گا۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ جون میں کس سلسلے میں آنا ہوگا اور کتنے دنوں کے لیے۔ بہ ہر صورت، آپ مجھے ایک خط ضرور لکھ دیجیے گا، تاکہ مجھے آپ کا پروگرام معلوم ہو جائے اور جب آپ میری طرف آئیں تو ایسا نہ ہو کہ میں کہیں اِدھر اُدھر چلا جاؤں۔

توقع کرتا ہوں کہ حسبِ سابق آپ نے ریسرچ کا کام نہیں کیا ہوگا۔ آپ بھی مجبور، اور زمانہ بھی اپنی رفتار کے مطابق چلتے رہنے پر مجبور ہے۔

خدا کرے آپ ممکن حد تک بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۲رجولائی ۱۹۸۸ء

بھائی مولانا![۱۱۳]

آپ بھی غضب کرتے ہیں اور ستم ڈھاتے ہیں۔ آپ سے میں نے تاکید کر دی تھی کہ آنے سے پہلے خط ضرور لکھ دیجیے گا، یہ اِسی لیے تھا کہ ملاقات ضرور ہو جائے۔ آپ اتنی دور سے چل کر آئے اور ملاقات نہیں ہوئی۔ کیسا افسوس ہوا ہے مجھے! اب اللہ جانے وہ گھڑی کب آئے۔

میں یہیں تھا، بازار گیا تھا ذرا سی خریداری کے لیے، وہاں دیر لگ گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آج اور اس وقت آپ آئیں گے۔ دلّی تو آدمیوں کا جنگل ہے، جو ایک بار گھر سے نکلا، پھر وہ گم ہو جاتا ہے، بہ آسانی نہیں مل پاتا۔ ملاقات نہ ہونے کا مجھے بہت غم ہے اور آپ پر بہت غصہ ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۲۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۹؍اپریل ۱۹۸۹ء
بھائی مولانا![۱۱۴]

آپ سے بڑی شرمندی ہے، کیا کروں، اب کام دھام کچھ ہوتا نہیں، بس سوچتا رہ جاتا ہوں۔ آپ نے کتاب شناسی والا مضمون مانگا تھا، اُسے بھیج رہا ہوں۔ بڑا لفافہ تھا نہیں، سو اُسے اوپر نیچے سے کاٹنا پڑا، بدقطع ہوگیا، مگر لفافے میں سما گیا۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس تحریر کو آپ پسند کریں گے۔ کتاب بھی ساتھ ہی ہے، رجسٹرڈ پارسل بھیجا ہے۔ کتاب کا احوال یہ ہے کہ کم از کم چھے کتابیں غیر معتبر قاصدوں کی نذر ہو کر رہ گئیں، کیسا جی چاہتا ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد آپ تک پہنچ جاتی۔ خیر، پہنچے گی، ضرور پہنچے گی۔ ناشر نے وعدہ کیا ہے دس مزید کتابیں دینے کا، بس اب اُس کا انتظار ہے۔ میری آنکھوں میں تکلیف اُسی طرح ہے، آپریشن کا ابھی موقع نہیں، اب تو رٹائرمنٹ کے بعد ہی ہو سکے گا۔ ذہن خاصا پریشان رہتا ہے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۲۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۲۱؍اپریل ۱۹۸۹ء
برادرم![۱۱۵]

یہ آپ کا خط اُس وقت ملا جب میں آپ کے نام ایک لفافہ اور ایک رجسٹرڈ پیکٹ حوالۂ پوسٹ آفس کر کے آیا تھا۔ پہلے تو کلرک نے رجسٹرڈ پیکٹ کو قبول کرنے میں تکلف کیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ پوسٹ بکس میں صرف آرڈنری خط رکھے جاتے ہیں۔ بہ مشکل وہ تیار ہوا۔

بیدلؔ پر میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔ میں نے دراصل اُن کی نثر اور مثنوی، اِن کو تو سرے سے پڑھا ہی نہیں، ہاں غزلیں تمام و کمال دیکھی ہیں۔ پھر بھی میں اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ اِس ناتمام مطالعے کی بنیاد پر کچھ لکھوں۔

پیکٹ میں کتاب اور آپ کا مطلوبہ مقالہ ہے۔ اس کی رسید بھیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۳۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷/ مارچ ۱۹۹۰ء

مولانا صاحب مکرّم! [۱۱۶]

آپ کے التفاتِ خاص کا فوری طور پر طلب گار ہوں۔ از راہِ لطف بہ ذاتِ خود زحمت گوارا کر لیجیے، بہت ممنون ہوں گا۔

ڈاکٹر گیان چند جین نے اپنی کتاب اردو کی نثری داستانیں میں لکھا ہے کہ قصہَ چہار درویش (فارسی) کا سب سے اہم مخطوطہ علی گڑھ کی لائبریری ذخیرۂ حبیب گنج میں ہے، جس کا سالِ کتابت ۱۱۲۴ھ ہے۔ یہ گویا قدیم ترین خطی نسخہ ہوا۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری کی بیگم نے میر امّن پر Ph.D کا مقالہ لکھا ہے، اُس میں انصاری صاحب نے لکھا ہے کہ اب یہ نسخہ علی گڑھ میں موجود نہیں، غائب ہو گیا۔

بھائی! اب آپ وہاں جا کر، ضیاء الدین صاحب سے پوچھ کر اور ضرورت ہو تو میرا حوالہ دے کر، صحیح صورتِ حال سے مطلع کیجیے۔ اگر وہ نسخہ وہاں موجود ہے، تو پھر ایک دو دن کے لیے وہاں آ کر اُسے دیکھنا چاہوں گا، لیکن اگر واقعتاً غائب ہو گیا ہے، تو پھر یہی بات لکھ دی جائے گی، مگر اطلاع معتبر ہونا چاہیے۔ خط کا انتظار رہے گا۔ میں ۱۷ ر سے ۳۰ ر تک دہلی سے باہر رہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳/ اپریل ۱۹۹۰ء

بھائی مولانا! [۱۱۷]

آپ کا خط ملا تھا، جس میں آپ نے لکھا تھا کہ کل میں خود کتابوں کو دیکھ کر صورتِ حال معلوم کروں گا کہ وہ نسخہ ہے یا نہیں، اور خط لکھوں گا۔ سو وہ کل، آج میں کب بدلے گا؟ آج کے دن تک جب آپ کا خط نہیں آیا تو گھبرا کر یہ خط یاد دہانی کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ التفات فرمائیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

پھر لکھتا ہوں کہ ڈاکٹر گیان چند جین کے لکھنے کے مطابق قصہَ چہار درویش (فارسی) کا یہ مخطوطہ

ذخیرۂ حبیب گنج میں ہے اور اس میں 320 ورق یعنی 640 صفحات ہیں۔ اب خط فوری طور پر لکھیے۔

(۱۳۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۲/اپریل ۱۹۹۰ء

بھائی مولانا! [۱۱۸]

جیتے رہیے اور خوش رہیے، دونوں خط مل گئے۔ آج ہی میں نے جین صاحب کو خط لکھا ہے کہ اُنھوں نے کس ذریعے سے وہ معلومات حاصل کی تھی۔ آپ نے بڑا کام کیا۔ آپ کے بغیر یہ کام بہ حسن وخوبی نہیں ہوسکتا تھا۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک مہینے کے بعد دوسری آنکھ کا آپریشن بھی کرالوں۔ لکھنے پڑھنے میں بہت دقّت ہوتی ہے، نظر جمتی ہی نہیں۔ دعا کیجیے۔ آپ کی کتاب فسانۂ عجائب میرے ذمّے واجبُ الادا ہے، ضرور پہنچے گی، ناشر صاحب کے کرم کا منتظر ہوں کہ وہ مطلوبہ نسخے بھیج دیں، دوبار پیغام بھیج چکا ہوں اب شاید خود جانا پڑے۔ بہ ہر حال، تاخیر کی معذرت۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۸/مئی ۱۹۹۰ء

بھائی مولانا! [۱۱۹]

آپ کا خط جب ملا تھا، تبھی میں نے ڈاکٹر گیان چند جین کو خط لکھا تھا اور صورتِ حال سے مطلع کیا تھا۔ اُن کا خط کل آیا، اُنھوں نے یہ لکھا ہے کہ اُنھوں نے بہ چشم خود اُس خطّی نسخے کو لائبریری میں دیکھا اور اُس سے کچھ عبارت بھی نقل کی تھی۔ یہ عبارت اُن کی کتاب اردو کی نثری داستانیں (طبعِ دوم) میں بھی شامل ہے۔

اب آپ کو میری خاطر پھر زحمت کرنا ہوگی، جب ۱۹۶۱ء میں ایک نسخہ موجود تھا، تو پھر اُس کا ریکارڈ ضرور ہوگا۔ آپ ذرا انچارج صاحب سے مدد لیجیے۔ یہ نسخہ تھا ضرور، اِس کا مجھے اب یقین کامل ہے، اور آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کچھ کیجیے، چشم براہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۰ء

بھائی مولانا![۱۲۰]

میں ۱۶ دن کے بعد شاہ جہان پور سے آیا ہوں۔ آپ کا خط پڑھ کر پہلی بار حقیقی معنی میں خوش ہوا، یوں کہ اُس میں یہ مندرج ہے کہ آپ نے مقالہ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس اطلاع سے مجھے بے حد مسرّت نصیب ہوئی۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ جلدتر اختتام کو پہنچے گا، میں ۳۱/ دسمبر تک دہلی میں رہوں گا، نومبر میں میری دوسری آنکھ کا آپریشن ہوگا، یوں ۱۵ دن کے قریب ایک دوست کے مکان پر گزاروں گا تاکہ پریشانی نہ ہو۔ آپ کب آئیں گے؟ کتابیں سب چلی گئیں۔

رشید حسن خاں

(۱۳۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۸/ اگست ۱۹۹۱ء

بھائی مولانا![۱۲۱]

خط آپ کا ملا۔ ۱۸/ اپریل کی رات میں دل کے شدید حملے سے دوچار ہوا۔ اسپتال لے جایا گیا، مہینا بھر تک نرسنگ ہوم میں رہا۔ پھر شاہ جہان پور چلا گیا، ۲/ جولائی کو واپسی ہوئی۔ دوا برابر کھا رہا ہوں۔ کمزوری سے ابھی تک پیچھا نہیں چھوٹا ہے۔ ۲۰/ اگست کو چک اَپ ہوگا اسپتال میں، ارادہ ہے کہ اُس کے بعد (اگر ڈاکٹر نے اجازت دی) تو ۱۵، ۲۰ دن کے لیے شاہ جہان پور جاؤں۔

لکھنا پڑھنا ابھی گویا بند ہے، بس خط لکھ لیتا ہوں۔ میرے لیے دُعا کیجیے۔ آپ نے اپنا حال لکھا۔ آپ کیسے ہیں؟ ربابؔ کا دنوں سے خط نہیں آیا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸/ اگست ۱۹۹۱ء

عزیز مکرّم![۱۲۲]

خط مل گیا۔ مجھے سچ مچ بے حد مسرّت ہوئی یہ پڑھ کر کہ مقالہ آپ نے جمع کر دیا۔ یہ بڑا کام

ہو گیا۔ حرفِ آخر تو کوئی چیز ہوتی نہیں؛ اگر کور کسر رہ گئی ہو گی تو بعد کو اُس کی تکمیل ہو جائے گی۔

میں پہلے سے بہتر ہوں، مگر دوا علاج ابھی جاری ہے۔ ایک ہفتے کے بعد شاہ جہان پور جانے کی سوچ رہا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۶ر جنوری ۱۹۹۲ء

بھائی مولانا![۱۴۳]

میں سخت بیمار ہو کر گھر چلا گیا تھا، اب واپسی ہوئی ہے۔ آپ کا خط یہاں محفوظ تھا۔ آج ہی نیر مسعود صاحب کو خط لکھا ہے۔ خدا آپ کو کام یاب کرے۔

میں ۳۰ر جنوری تک یہیں رہوں گا۔ یکم فروری سے ۳۰ر مارچ تک بمبئی میں رہوں گا۔ وہاں شعبۂ اردو نے دو ماہ کے لیے مجھے بلایا ہے۔ اُس مدّت میں آپ شعبۂ اردو، بمبئی یونی ورسٹی، وِدّیا نگری، بمبئی 98 کے پتے پر خط لکھ سکتے ہیں۔ ۳۰ر مارچ کے بعد میرا پتا یہی گائر ہال کا رہے گا۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

برادرم![۱۴۴]

ابھی ایک خط حوالۂ ڈاک کر کے آیا کہ آپ کا خط ملا۔ ارے بھائی! آپ نے غلط تاریخوں کا انتخاب کیا ہے۔ میں ۲۰ر مئی ہی کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ میری لڑکی کی شادی کی بات چل رہی ہے اور اُس دن فائنل بات ہونا ہے، یوں میرا جانا ضروری ہے، اور چند روز قیام بھی کرنا ہوگا۔ میں ابھی ۱۴ر مئی ہی کو تو شاہ جہان پور سے واپس آیا ہوں۔ پیروں میں اچھا خاصا سینچر سما گیا ہے، مگر کروں کیا، کوئی اور ہے بھی تو نہیں جو میرے ایسے کام کر سکے۔

اب آپ خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۱؍مئی ۱۹۹۲ء

بھائی مولانا![۱۲۵]

خط آپ کا ملا۔ میں عید کے موقعے پر شاہ جہان پور ضرور جاؤں گا، واپسی ۲۰؍تک ہو سکے گی، آپ ۲۰؍کے بعد یہاں آیئے اور ضرور آیئے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

یکم مئی ۱۹۹۳ء

عزیز مکرم![۱۲۶]

آپ کا خط ایک زمانے کے بعد ملا۔ پڑھ کر جی خوش ہوا کہ احوال معلوم ہو سکا۔ میں نے کئی بار سوچا کہ خط لکھوں، مگر بعض الجھنوں نے اس کا موقع نہیں دیا، آج کل بھی۔ میری پوتی یہاں اسپتال میں داخل ہے، اُسے بلڈ کینسر بتایا گیا ہے۔

آپ کا مقالہ مکمل ہو کر جمع بھی ہو گیا، اس سے مجھے صحیح معنی میں بہت زیادہ مسرّت ہوئی۔ جب جمع ہو گیا ہے تو رپورٹیں بھی آ ہی جائیں گی۔ جہاں اتنا صبر کیا ہے، وہاں کچھ اور سہی۔ میں آپ کو یاد رکھتا ہوں برادر یاد کرتا ہوں اور آپ کی بہبود کا خواہاں ہوں۔ خدا کرے نیا مکان راس آئے۔ کرایے کے مکان کا معاملہ ایسا ہی رہتا ہے، اس پر بھی صبر کیجیے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۴۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۸؍جون ۱۹۹۳ء

بھائی مولانا![۱۲۷]

آج دوپہر کو آپ کا خط ملا۔ مجھے اس سے پہلے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ آپ نے لکھا ہے کہ انڈیا آفس کٹلاگ کے دو صفحوں کا عکس بھی ملفوف تھا۔ ضرور ہوگا، مگر وہ لفافہ یہاں تو آیا نہیں۔ آتا تو میں فوراً رسید بھیجتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی دوسرے شخص کو ڈاک میں ڈالنے کے لیے دیا ہوگا اور وہ بھول گیا ہوگا۔ یا پھر آپ کسی دوسرے کے لفافے میں میرا خط رکھ گئے ہوں گے۔ یا پھر یہ کہ ڈاک کی عمومی بدنظمی کی نذر ہوگیا۔

مجھے اب صرف اُسی انڈیا آفس کٹلاگ کے اندراج کی ضرورت ہے، باقی سب چیزیں یہاں جامعہ کی لائبریری میں مل گئیں اور میرے پاس آگئیں۔ خدا کرے آپ کے مکان کا معاملہ روبراہ ہو چکا ہو۔ آپ دس پندرہ دن میں جب مکان کے قضیے سے فرصت پالیں، تب اِدھر توجہ کریں۔ بہ ہرصورت یہ کام آپ ہی کے واسطے سے ہو سکے گا۔ آپ کے پاس سے تفصیل آنے کے بعد، اُسی کی بنیاد پر اور اُسی کے حوالے سے ایک صاحب کو لندن لکھوں گا اور اصل کتاب کا عکس وہاں سے منگاؤں گا۔ یوں یہ معاملہ اہمیت رکھتا ہے۔

میں ۲۰ دن سے وبائی بُخار (وائرل فیور) کا شکار تھا اب اُس کے اثراتِ مابعد کو بھگت رہا ہوں، نقاہت بہت ہے۔ اپنے مکان کا احوال ضرور لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۴۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۱ رجون ۱۹۹۳ء

بھائی مولانا![۱۲۸]

پرسوں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ آج رام پور سے انڈیا آفس کٹلاگ کے مطلوبہ صفحے کا عکس آگیا۔ اب آپ زحمت گوارا نہ کریں۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، دوسرے سوالات بھی یہاں جامعہ ملّیہ کی لائبریری کی مدد سے حل ہو گئے اور مطلوبہ چیزوں کا عکس مل گیا۔ اردوے معلّیٰ کے شمارے کا عکس بھی آگیا۔

میرا دل لگا ہوا ہے آپ کے مکان کے مسئلے میں۔ آپ یہ لکھیے کہ اس مشکل کا حل نکلا یا نہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۴۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۶/مارچ ۱۹۹۴ء

بھائی مولانا![۱۲۹]

ابھی خط ملا۔ عید کی مسرّت اُس قدر نہیں ہوئی تھی جتنی مسرّت آپ کا خط پڑھ کر ہوئی۔ خدا مبارک کرے! اب آپ بقدرِ بایست کام کرسکیں گے۔ سچ کہوں، بہت جی خوش ہوا اِس اطلاع سے۔ جب باضابطہ اطلاع ملے، تو ضرور مطلع کیجیے گا۔ آپ کی اِس کامیابی میں آپ کے عزمِ محکم کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔

ایک بار پھر مبارک باد!

رشید حسن خاں

(۱۴۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۷/اپریل ۱۹۹۴ء

بھائی مولانا![۱۳۰]

آپ کا خط ملا تھا، جس کا جواب بھی دے دیا تھا، اُس کے بعد کچھ نہیں معلوم ہوا، آپ نے لکھا تھا کہ تقرر کی باضابطہ اطلاع جلد آجائے گی، سو وہ آگئی؟ مجھے اس کی بہت فکر ہے کہ آپ جلد از جلد یہاں آجائیں۔ صورتِ حال سے مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۴۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
ٹی۔بی-۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳/جون ۱۹۹۴ء

بھائی مولانا![۱۳۱]

عین عالمِ انتظار میں خط ملا۔ دل لگا ہوا تھا۔ میں بھی اِس صورتِ حال کو سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ بات کیا ہے۔ مجھے تو کہیں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ بہ ہر حال، انتظار کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

میں پچھلے مہینے اکثر بیمار رہا۔ ۲۲ر کو یعنی عید کے دن تو پلنگ سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ بارے اب طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔

یہ چھٹیوں کا زمانہ ہے یوں ایک زحمت دینا چاہتا ہوں خاص کر یوں کہ اور کسی سے یہ کام ہو نہیں سکتا۔ میں لائبریری جاتا نہیں۔ اور جاؤں بھی تو بے کار، یوں کہ کم بختوں نے اردو فارسی عربی کی ساری کتابیں اوپر لے جا کر رکھ دی ہیں۔ لمبا زینہ ہے، میں اب اِتنا اونچا زینہ نہیں چڑھ سکتا۔

ایک صاحب تھے مولوی عبدالواسع ہانسوی، مشہور آدمی تھے، عہدِ عالم گیر کے۔ ان کی قواعد فارسی کا رسالہ شاملِ نصاب رہا ہے اور بارہا چھپا ہے۔ میرے پاس بھی ہے۔

اُنھوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں، شرحِ بوستاں، شرحِ یوسف زلیخا۔ مگر ان کی دو اہم کتابیں ہیں، غرائب اللغات۔ یہ فارسی زبان میں لکھا ہوا اردو کا لُغت ہے اور کسی ہندستانی کا لکھا ہوا قدیم ترین لُغت ہے۔ دوسرا ایک نصاب نامہ ہے: صمد باری، عرف جان پہچان۔ میں غرائب اللغات کو مرتب کرنا چاہتا ہوں، علی گڑھ میں اس کا ایک خطی نسخہ ہے، اُس کا عکس میں نے منگالیا تھا۔

آپ میری خاطر زحمت کر کے دو باتیں معلوم کر دیجیے، ایک تو یہ کہ انڈیا آفس، برٹش میوزیم اور حیدر آباد کے سالارِ جنگ میوزیم میں غرائب اللغات کے خطی نسخے ہیں؟ اُن کی فہرست چاہیے ہیں۔ ایک یا دو جو بھی ہوں۔ یہ لُغت خطی ہے، آج تک چھپا نہیں۔ ان تینوں کتاب خانوں کی فہرستیں آزاد لائبریری میں ہوں گی، بس انھیں جا کر دیکھ لیجیے۔ دوسرے یہ کہ صمد باری عرف جان پہچان کہیں ہے؟ ممکن ہے خود آزاد لائبریری میں ہو۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر یہ معلومات حاصل ہو سکے، میں اب اپنی ناسازیِ طبع کی بنا پر کسی اور ذریعے سے یہ معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۴۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
۱۰ر اگست ۱۹۹۴ء ؁۱۳۲

بھائی مولانا! پورے ایک مہینے کے بعد واپس آیا ہوں، آپ کے کئی خط یہاں ڈاک میں محفوظ تھے۔ ہمدرد میں تقرر کی خبر پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ خدا مبارک کرے اور راس لائے۔ اب آپ جب یہاں آئیں گے تو ملاقات ہوا کرے گی۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

آج گیان چند جین صاحب کا خط آیا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ قصّۂ چہار درویش کا قدیم ترین خطّی نسخہ وہاں لائبریری میں موجود ہے، سلیمان کلکشن میں! اس کا نمبر ہے ۶۸/ ۲۴۹۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے بہت کچھ پوچھ گچھ کے بعد لکھا تھا کہ وہاں لائبریری میں ایسا کوئی نسخہ نہیں۔ خیر، اب تو اُس سے کچھ کام نہیں، لیکن یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ نسخہ وہاں محفوظ ہے۔ محض احتیاطاً یہ بات لکھی گئی۔ اب اُس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ وہ کام مکمل ہو چکا ہے۔

(۱۴۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۴ر ستمبر ۱۹۹۴ء

بھائی مولانا![۱۳۳]

میں ۲۴ دن کے بعد ۲۳ر کی شام کو یہاں پہنچا۔ ۲۴ر کو آپ کا خط ملا کہ آپ آئے تھے۔ آپ کے ہمدرد میں آجانے کی خبر سے مجھے بے حد مسرّت ہوئی، میں اب یہیں ہوں۔ جس دن جی چاہے، آجائیے۔ لیکن اچھا یہ ہوگا کہ آپ ایک خط پہلے ضرور لکھ دیں، تاکہ میں اُس وقت کہیں اور نہ جا سکوں۔ آپ اتنی دور سے آئیں گے، اِس لیے ملاقات نہ ہونا ہم دونوں کے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ مبارک باد زبانی دی جائے گی۔ خط ضرور لکھیے، اور اِس خط کے ملتے ہی لکھ دیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۴۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۹ر اکتوبر ۱۹۹۴ء

بھائی مولانا![۱۳۴]

آپ کا خط مکتوبۂ ۲۸ر ستمبر، مجھے ۶ر اکتوبر کو ملا۔ حُسنِ اتفاق سے ۵ر اکتوبر کو میں بعدِ دوپہر کمرے ہی پر رہا، کہیں بھی نہیں گیا، لیکن حسبِ تحریر آپ نہیں آئے۔ غالباً کوئی مانع پیش آگیا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۷ر نومبر ۱۹۹۴ء

برادرم![۱۳۵]

آپ کے سبھی خط مل گئے، آپ کا فیصلہ غلط نہیں۔ جو حالات ہیں، اُن میں یہی فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ میں آپ سے پوری طرح متفق ہوں۔

جانے سے پہلے ایک بار ملاقات ضرور ہونا چاہیے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۱۵۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۱ر جنوری ۱۹۹۵ء

عزیزِ مکرم![۱۳۶]

خط ملا۔ ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے، معلوم نہیں آپ کس طرح سمینار میں آئے کہ میں نے دیکھا ہی نہیں۔ خیر، پھر سہی۔ میں ۲۱ر جنوری کو بمبئی جاؤں گا۔ یونی ورسٹی میں اصولِ تحقیق پر کچھ لکچر دینا ہیں۔ ۳۱ر کو واپسی ہوگی۔

دہلی اردو اکیڈمی نے میری کتاب پر دو ہزار روپے عطا فرمائے تھے، جو میں نے عطاے بلقاے تو کہہ کر واپس کردیے۔ خوب لوگ ہیں!

رشید حسن خاں

(۱۵۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۳۱ر جنوری ۱۹۹۵ء

برادرم![۱۳۷]

میں ۲۹ر کو بمبئی سے واپس آیا، وہاں بمبئی یونی ورسٹی میں چار لکچر اصولِ تحقیق اور کلاسکی ادب کی تفہیم پر دینا تھے، آپ کے قطعاتِ تاریخ خوب ہیں، پڑھ کر جی خوش ہوا۔ دل چھوٹا نہ کیجیے، کبھی تو شرفاے ادب و زبان کے دن پھریں گے، حرام زادوں کی رسّی دراز سہی، پھر بھی توقع سے قطعِ تعلق نہیں کیا جاسکتا۔

میں ٹھیک ہوں اور ذرا موسم اور بدل جائے تو بالکل ٹھیک ہوجاؤں گا، آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ خیر، پھر سہی۔

رشید حسن خاں

(۱۵۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۵/ اگست ۱۹۹۵ء

بھائی مولانا! [۱۳۸]

ابوسلمان صاحب نے روایت کے برخلاف یہ کلیات مجھے نہیں بھیجا۔ اس کا تو مجھے علم ہی آپ کے خط سے ہوا ہے۔

آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ آیندہ جب بھی اِدھر کا پھیرا ہو، ملاقات ضرور ہونا چاہیے۔

رشید حسن خاں

(۱۵۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

گائر ہال

۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۵ء

نعمانی صاحب!

میں پونے دو مہینے کے بعد ۱۸/ کو یہاں پہنچا، ایک مہینا تو جمّوں میں رہا، ٹرین آپ کے وطن کانٹھ ہوتی ہوئی آئی تھی، یوں اُس کی بھی زیارت ہوگئی اور شاہ جہان پور کے کانٹ اور مرادآباد کے کانٹھ کا فرق بھی معلوم ہوگیا۔

مبتلا والا تذکرہ میرے پاس نہیں۔ ربابؔ ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ شمیمؔ صاحب کی کتاب میں نے دیکھی ہے اور وہ ہے بھی میرے پاس (شاہ جہان پور میں) وہ خود دے گئے تھے۔ آپ کے مرتبہ تذکرے خدا کرے جلد چھپ جائیں۔ ناشر بہت پریشان کرتے ہیں۔

اور ہاں، خدا بخش لائبریری میں کسی کا تقرر ہوا؟ آپ کو کچھ معلوم ہے؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ بیدارؔ صاحب اس وقت کہاں ہیں اور وہاں کی صورتِ حال کیا ہے۔ آپ کو کچھ خبر ہو تو ضرور لکھیے۔ چشم بہ راہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۲/ دسمبر ۱۹۹۵ء

بھائی مولانا![۱۳۹]

خط ملا۔ اِس کا یقین کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ علی گڑھ چھوڑ کر آپ جہاں جائیں گے، وہاں نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ آسمان اور وہاں کے حالات بہتر ہوں گے۔ دیکھیے بھائی! حالات ہر جگہ کے ایک سے ہیں، جو مقامات ہماری نظر سے اوجھل ہیں، اُن کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پیشِ نظر مقام سے بہتر ہوں گے، مگر ایسا ہوتا نہیں۔

میں ۳۱؍جنوری کو مستقلاً شاہ جہان پور منتقل ہو جاؤں گا، اب یہاں میری صحت ٹھیک نہیں رہتی۔ وہاں کا پتا یہ ہوگا:

R. H. Khan
167-Baroozai-II
Shahjahan pur (U.P), Pin: 242001

خدا کرے آپ ممکن حد تک بہ عافیت ہوں اور ذہنی انتشار سے نجات پا چکے ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۵؍اپریل ۱۹۹۶ء

نعمانی صاحب![۱۴۰]

آپ کے دونوں خط ملے۔ ہاں صاحب! میں بہ عافیت ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف۔ ماحول یہاں کا بھی اب ناسازگار ہے، مگر میں اُس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ توجہ کروں تو اپنا کام نہیں کرسکوں اور کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

خدا کرے آپ ممکن حد تک بہ عافیت ہوں اور سکونِ قلب سے پوری طرح محروم کبھی نہ ہونے پائیں، کہ اس محرومی سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

دیکھیے اب آپ سے ملاقات کب ہوتی ہے، کبھی اِدھر کا پھیرا ہو تو ملاقات ہو، میرا جانا اب کہیں نہیں ہوتا اور کب تک آوارہ گردی میں مبتلا رہتا، کبھی تو اس کو ختم ہونا ہی تھا۔

رشید حسن خاں

(۱۵۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۴؍نومبر ۱۹۹۶ء

نعمانی صاحب![۱۵۶]

میں علی گڑھ رہا دو دن، ۱۹ر نومبر اور ۲۰ر نومبر کو، اِس قدر مصروفیت رہی کہ سر اُٹھانے کی مہلت نہیں ملی۔ ۲۰ر کی شام کو چلا آیا۔ آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ خیر، پھر سہی۔

کتاب مل گئی تھی، پوری کتاب ایک ہی نشست میں پڑھ لی۔ واقعہ یہ ہے کہ جی خوش ہوگیا۔ ایسے بھرپور حواشی لکھے ہیں آپ نے اور ایسے معلوماتی کہ جی خوش ہوگیا۔ اب مجھے آپ کے اصل کام کو دیکھنے کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ آپ نے یہ اچھا کام کیا ہے اور ایسے اچھے کام اب بہت کم ہوتے ہیں۔

ہاں بھائی! بیدآر صاحب اب کہاں ہیں۔ رام پور میں ہیں؟ اُن کا پتا اگر آپ کے پاس ہو تو لکھیے، مجھے ضرورت ہے۔

میں اب دو ماہ بعد علی گڑھ آؤں گا اور پہلے سے آپ کو خط لکھ دوں گا۔ ربابؔ کی آنکھوں میں موتیابند کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ خط آیا تھا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۱ر مارچ ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا!

آپ کا خط مرقومہ ۱۸ر جنوری، مجھ تک اب پہنچا ہے۔ دو مہینے سے بمبئی میں تھا بہ غرضِ علاج۔ اب واپسی ہوئی ہے۔ حالات کا علم ہوا اور بہت افسوس ہوا۔ کس قدر بے بصیرتوں کا اجتماع ہوگیا ہے۔ خدا ہی ان سے سمجھے تو سمجھے۔

دو چار دن میں کوئی ادھر آئے گا تو اُس سے کالج کا احوال معلوم کروں گا؛ مگر یہ کہہ دوں کہ یہاں کا احوال بہتر نہیں، بدتر ہے، پھر بھی کوشش کرنا فرض ہے۔ یہ معلوم کروں گا کہ اس جگہ کا اشتہار دیا گیا ہے یا ابھی نہیں۔ جیسے ہی صورتِ حال معلوم ہوئی، آپ کو مطلع کروں گا۔ میں ٹھیک ہوں، بس دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ دیکھیے یہ سلسلہ کب تک چلے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۳۰؍مارچ ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا!

خط ملا، دو معتبر حضرات سے معلوم کیا۔ آفتاب اختر ابھی کارفرما ہیں۔ شاید اِس تعلیمی سال کے ختم ہونے پر، یعنی ۳۰؍جون کو رٹائر ہوں گے۔

آئینۂ حیرت سے متعلق چند سطریں جلد لکھی جائیں گی اور رباب صاحب کو بھیج دی جائیں گی۔

میری طبیعت بس یوں ہی سی ہے۔ علی گڑھ سیمنار میں آنا تھا، نہیں آسکا۔

رشید حسن خاں

(۱۵۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

اپریل ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا![۱۴۲]

کتاب مل گئی۔ دانش گاہ لکھنؤ کے سلسلے میں ابھی سے میں نے توقع باندھ لی ہے۔ رباب یہیں ہیں۔ پرسوں چند سطریں بہ طورِ تعارف لکھ کر اُن کے حوالے کردوں گا۔ آپ کے کام کی تحسین میں پہلے ہی کرچکا ہوں۔ آپ تبرّا اب کچھ زیادہ بھیجنے لگے ہیں، ذرا احتیاط کیجیے۔ اِس سے آدمی میں تبرّائی منفی ذہن پیدا ہوجایا کرتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۶۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۴؍دسمبر ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا! آپ کا جوابی خط ملا تھا۔ جواب میں بہت تاخیر ہوئی، اِس کی معذرت۔ صحت میری ویسے تو ٹھیک ہے، مگر اصل بات تو ڈاکٹر ہی بتائیں گے۔ فروری کے اوائل میں پھر بمبئی جاؤں گا، پھر سب ٹسٹ ہوں گے اور تب کوئی قطعی بات معلوم ہوسکے گی، بہ ہر طور اِس وقت تو بہ ظاہر بالکل ٹھیک ہوں، کام کرتا رہتا ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ آپ کا خط پا کر جی بہت خوش ہوا، جب تک

آپ جیسے مخلص، غم گسار اور پرسشِ احوال کرنے والے موجود ہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

ہاں صاحب! آیندہ جوابی خط کبھی نہ بھیجیے گا، ورنہ آپ گناہ گار ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۱۶۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۹؍مارچ ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

پرسوں لفافہ ملا، بہت جی خوش ہوا اُسے دیکھ کر۔ دس دن سے بخار میں مبتلا ہوں، کچھ نہیں کر پا رہا ہوں۔ ذرا سنبھلوں تو اُسے از اوّل تا آخر پڑھوں اور اپنی آنکھیں روشن کروں۔ اِس کا یقین ہے کہ ترجمہ آپ نے صحیح اور عمدہ کیا ہوگا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۸؍جون ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

مرسلہ مقدمہ آج ہی ملا۔ مکمل پڑھ لیا اور آپ کی محنت کی دل ہی دل میں داد دی۔ جب یہ تذکرہ الگ سے چھپے گا تو میں اُس پر تبصرہ ضرور لکھوں گا اور آپ کی کاوش کی باضابطہ داد دوں گا۔ بہت جی خوش ہوا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۱۶۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۲؍جولائی ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

ابھی آپ کا خط ملا۔ خط کیا، پریشانی نامہ کہیے۔ مجھے واقعتاً آپ سے ہمدردی ہے۔ پریشانی اہلِ علم اور معقول لوگوں کا مقدّر ہے گویا۔ یہ، دُنیا بیش تر یا بہ طورِ عموم حرام زادوں کو راس آتی ہے۔ چوں کہ ہم آپ وہ حرکات نہیں کر سکتے، اِس لیے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے لیے حالات بہت کم خوشگوار ہوسکیں گے، لہٰذا صبر وشکر کے سوا چارہ نہیں۔

رباب کا اکسیڈنٹ ہوگیا تھا رکشا یا موٹر سائکل سے، پیر کی انگلی میں فرکچر ہوگیا، خط آیا تھا، پریشان ہیں۔ اُن کا احوال بھی میری آپ کی طرح ہے۔ خدائے پاک ہم سب کی پریشانیوں کو کم کرے۔

کیا طورِ معنیٰ کے چھپنے کی کہیں کوئی صورت ہے؟

رشید حسن خاں

(۱۶۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۷/اگست ۱۹۹۹ء

برادرم!

خط ملا تھا۔ خدا کرے آپ کو جلد تر شفائے کامل حاصل ہو۔ آپ کی پریشانی سے میرا جی کڑھتا ہے۔ رباب کا خط کل ہی آیا ہے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ آپ کو بھی اُنھوں نے خط لکھا ہے۔

طورِ معنیٰ کی طباعت کی داستان پڑھ لی۔ بہت عجیب صورتِ حال ہے ہمارے یہاں۔ کبھی حالات اور کبھی کسی نامعقول شخص کی نامعقولیت یا خبثِ باطن۔ بہ ہر طور، یہ کتاب چھپے گی ضرور، اِس کا مجھے یقین ہے۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کریں۔

رشید حسن خاں

(۱۶۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲-بازوزئی روڈ

شاہ جہان پور

۲۹/مارچ ۲۰۰۰ء

بھائی مولانا!

میں پورے ایک مہینے کے بعد کل، یعنی ۲۸؍مارچ کو یہاں پہنچا۔ دو خط آپ کے یہاں تھے۔ آخری خط سے والد صاحب کے انتقال کی پُر ملال خبر معلوم ہوئی۔ بے حد افسوس ہوا اور بہت دُکھ ہوا۔ آپ کو جو صدمہ پہنچا ہوگا، اُس کو کوئی دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ دست بہ دعا ہوں کہ خداے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو برداشت اور صبر کی توفیق عطا کرے۔ پریشانیاں مختلف شکلوں میں آپ کے ساتھ رہتی ہیں، یہ بھی اُنھی میں سے ایک ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ اب آپ کی صحت کا احوال کیا ہے۔ ربابؔ کی بھی کچھ خیر خبر نہیں ملی دنوں سے۔ میں خود بھی صحت مند نہیں۔

خدا کرے اب آپ کی صحت پہلے سے بہتر ہو۔

میرے مکان کا نمبر بدل گیا ہے۔ نیا نمبر 22 ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۶۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۵؍اپریل ۲۰۰۰ء

بھائی مولانا!

پرسوں آپ کا بھیجا ہوا تحفہ ملا۔ بہت جی خوش ہوا۔ ترجمہ آپ نے بہت دل لگا کر کیا ہے۔ چوں کہ جذبہ اور احساس اور عقیدت، یہ سب ضروری اجزا شاملِ فکر و خیال ہیں، اِس لیے کہیں بھی سپاٹ پن پیدا نہیں ہوا۔

طورِ معنی کی ایرانی اشاعت کی آپ نے بشارت دی ہے، اُس کا انتظار رہے گا۔

خدا کرے اِس ترجمے کی برکت سے آپ کی پریشانیوں میں کچھ کمی ہو۔

رشید حسن خاں

ہاں بھائی! چنگی والوں نے گھر کا نمبر بدل دیا ہے۔ اب 22 ہے۔

(۱۶۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۷؍مئی ۲۰۰۰ء

عزیزِ مکرم!

آپ کا خط ملا۔ یہ تو میری دلی تمنا ہے۔ اگر ایسا ہو سکے تو خوب اور خوب تر ہو۔ انصاری صاحب کا خلوص برحق، مگر دوسروں کے خلوص پر مجھے اِتنا بھروسا نہیں؛ پھر بھی امید باندھنے میں مضایقہ نہیں۔

اگر ایسا ہوسکا تو یہ خبر میرے لیے سب سے بڑی، سب سے بہتر اور خوش آیند تر خبر ہوگی۔ خدا وہ دن کرے۔ ابھی آپ کے خط کا منتظر رہوں گا، جب بھی وہ وقت آئے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۷ر جون ۲۰۰۰ء

بھائی مولانا!

لفافہ ملا۔ قطعاتِ تاریخ خوب ہیں۔ اِن میں دلی جذبات نظم ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنا فرض بہ حُسن وخوبی ادا کیا ہے۔ میرا جی بہت خوش ہوا، اِس لیے کہ اب اس انداز سے تعلقِ خاطر کا اظہار کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔ شاید لوگوں کے دل ہی بدل گئے ہیں۔

اُس اچھی خبر کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۶۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۳۰ر دسمبر ۲۰۰۰ء

بھائی مولانا!

پرسوں آپ کا خط ملا تھا اور آج کتاب ملی۔ فوراً پڑھنے بیٹھ گیا۔ بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ آپ کی نعتیں واقعی عمدہ ہیں کیا بہ لحاظِ مضامین اور کیا بہ لحاظِ شاعری۔ یہ آپ کی غزلوں سے کہیں بہتر ہیں کہ اِن میں جذبہ اور احساس تہ نشیں ہے۔ بہت جی خوش ہوا۔

پورا نثری بیان آپ کا معلومات سے بھرپور ہے اور خوب ہے۔ اور اچھا ہوتا اگر آپ نے تعریفی کلمات نہ لکھے ہوتے کہ اِس طرح بات کا اثر کم ہوجاتا ہے اور بالکل صحیح بات کم اثر ہوجاتی

ہے۔توقع کرتا ہوں کہ آیندہ آپ اِس بات کا لحاظ رکھیں گے۔غیر ضروری طور پر اپنی بات کو کم اثر بنالینا کیا ضروری ہے۔بات اِس طرح کہیے کہ بات کہنے کا حق ادا ہو جائے۔عرفیؔ کے الفاظ میں:

زشکوہ ہاے جفایت دونوں پُر شد، لیک
ہنوز رنگِ ادب بر رخ سخن باقیست

رخِ سخن پر رنگِ ادب باقی رہنا بہت ضروری ہے۔

اِس سے قطعِ نظر اِس عمدہ مجموعے کے لیے آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور جس طرح مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے، اُس کے لیے بھی۔اِسے اگر غور (سے) پڑھا جائے گا، تو بہت سی ضرور باتیں ذہن نشیں ہو سکیں گی۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۲رفروری ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا!

۴رفروری کا خط ملا تھا۔آپ جس تعلقِ خاطر کے ساتھ، جس سچّے دل سے اور سچّے جذبے کے تحت خط لکھا کرتے ہیں، اُس سے اِس منافقوں کی بستی میں رہتے ہوئے بھی جینے کا حوصلہ تازہ ہو جایا کرتا ہے۔خدا آپ کو خوش رکھے۔

مومنؔ حضرت سیّد احمد شہید کے عقیدت مند تھے، یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ: الٰہی! مجھے بھی شہادت نصیب ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے تھے:

عُمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

ایسا یوں تھا کہ وہ بھی میرے ہی قبیلے کے فرد تھے۔یہ بھی اُنھی نے کہا ہے:

مومنؔ! یہ لافِ الفتِ تقوا ہے کیوں، مگر
دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا!

تو میرے بھائی! ابھی تو دشمنِ ایماں ہر طرف موجود ہیں، ابھی آپ کا کہنا کیسے مان لوں۔آخر وضع داری بھی تو ایک چیز ہوتی ہے۔مزید یہ کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ جیسا نیک شخص میرے لیے دُعا کرتا

رہتا ہوگا اور دعا کرتا رہے گا تو پھر میں کیوں پریشان ہوں۔
قصیدے کے ترجمے سے آنکھوں کو روشن کرنے کی راہ دیکھوں گا۔ اِسی طرح ایک دو نیکیاں درجِ نامۂ اعمال شاید ہو جائیں۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
شاہ جہان پور
۲۳/ مارچ ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا!
میں ۲۶/ مارچ کی شام کو علی گڑھ پہنچوں گا۔ لکھنؤ سے نیلانچل اکسپریس سے چلوں گا جو علی گڑھ شام کے ۷ بجے پہنچتی ہے۔ ۲۷/ کی شام کو ۴ بجے ایک لکچر ہے، جو شعبۂ اردو کے تحت ہوگا۔ ۲۸/ کی صبح کو واپسی ہوگی۔ آپ سے ملاقات کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ نظم مل گئی۔

رشید حسن خاں

(۱۷۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی
22- باڑو زئی دوم،
شاہ جہان پور
۳۱/ مارچ ۲۰۰۲ء

بھائی مولانا!
آج ہی آپ کا خط ملا۔ بہت شکر گزار ہوں۔ آپ یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، اِس کے لیے بہت ممنون ہوں۔ اب اِس وضع داری کا تصور اجنبی چیز بنتا جا رہا ہے۔
میں ۲۰/ مارچ کو علی گڑھ میں تھا۔ بہت چاہا کہ کوئی ایسا شخص مل جائے کہ آپ کو مطلع کر دوں، کوئی شخص نہیں ملا۔ لوگ تو بہت آئے ملنے کے لیے، مگر ایسا کوئی نہیں تھا جس سے میں آپ کو بلوا سکتا۔ فون آپ نے اپنے یہاں لگوایا نہیں، یوں میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ اگلے دن واپسی تھی۔ رفریشر کورس میں لکچر دینا تھے۔
آپ سے ملاقات نہ ہونے کا دُکھ رہا اور بہت، مگر کرتا کیا۔ صبر کر لیا۔

ہاں بھائی! آپ نے لکھا ہے کہ ایک عریضہ نذر کیا۔ ادھر مجھے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ میں آپ کے خط کی رسید لازماً بھیجتا ہوں۔ معلوم نہیں کہاں رہ گیا۔

خیریت کا احوال یہ ہے کہ اب زینے پر نہیں چڑھ سکتا۔ پروسٹیٹ کا دباؤ بھی ہے اور دل کا مرض بھی۔ دوائیں کھانا زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔

ربابؔ کا خط میرے پاس بھی نہیں آیا، مگر وہ ہیں لکھنؤ میں۔ ۸، ۱۰ دن پہلے اُن کا فون آیا تھا، پھر میں فون نہیں کر سکا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور متعلقین بھی بہ خیر ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۱۷۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۷؍ جون ۲۰۰۲ء

بھائی مولانا!

کل آپ کا خط ملا اِس عالم میں کہ میں بستر نشیں ہوں۔ ۲۷؍ اپریل کو حملۂ قلب سے دوچار ہوا۔ یہ، دوسرا اٹیک ہے۔ پہلا ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا جب میں دہلی میں تھا۔ نرسنگ ہوم میں داخل رہا، اب گھر آ گیا ہوں، مگر بستر نشیں ہوں۔ نقاہت بہت ہے۔ ویسے طبیعت بہتر ہے۔

آپ کا ترجمہ چھپ جائے تو ضرور بھیجیے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۰؍ اکتوبر ۲۰۰۳ء

بھائی مولانا!

آپ مجھے برابر یاد رکھتے ہیں، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ یہ میری بے توفیقی ہے کہ آپ کو خط نہیں لکھ پاتا۔ اصل میں بیماری نے یا یوں کہوں کہ بیماریوں نے کسی کام کا نہیں رکھا۔ گھر سے باہر نکل نہیں سکتا، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہے، ویسے بھی چل پھر نہیں پاتا پہلے کی طرح۔ لکھنا پڑھنا بھی محض برائے نام رہ گیا ہے۔ والدۂ مرحومہ کے انتقال کی تاریخ ملی، بہت دُکھ ہوا۔ میں اِس حادثے

سے دوچار ہو چکا ہوں، یوں آپ کے دُکھ کو سمجھ سکتا ہوں۔ خدائے پاک مرحومہ کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آپ کی نظم آپ کے سچے اور گہرے جذبات کی آئینہ دار ہے۔

رباب کی طبیعت ٹھیک نہیں، پریشانیوں نے اُن کو بے طرح ناتواں بنا دیا ہے۔ اُن کے لیے بھی جی دُکھتا ہے، مگر کچھ کر نہیں سکتا۔ آپ دونوں میری زندگی کے دو مضبوط ذہنی سہارے ہیں، خدا آپ دونوں کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۱۷۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۳۱؍دسمبر ۲۰۰۳ء

بھائی مولانا!

لفافہ ملا۔ مبارک کا شکریہ۔ آپ کی طرح دل سے مبارک باد دینے والے اب گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔

نعتیہ نظم اچھی اور بہت اچھی ہے، جذبہ لفظوں میں تحلیل ہو گیا ہے۔ جی خوش ہو گیا پڑھ کر۔ واہ واہ! سبحان اللہ!

نئے سال کی مبارک باد بھی رسماً قبول کر لیجیے، اگرچہ جانتا ہوں کہ یہ آنے والا سال کچھ نئے فتنے ساتھ لے کر آئے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۲؍جنوری ۲۰۰۴ء

بھائی مولانا!

خط ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ نے اچھا کیا کہ دہلی اردو اکیڈمی کو خط لکھ دیا۔ اب یہ اُن کا کام ہے کہ وہ ضروری کارروائی کریں، یوں کہ کتاب اُنھی کی ہے۔ لیکن خیال میرا یہ ہے کہ ہوگا کچھ نہیں۔ ایسے کام عموماً فرضی ناموں سے کیے جاتے ہیں اور یہ نام بھی اسی قبیل کا ہوگا۔ آپ نے جس

تعلقِ خاطر کے ساتھ اِس معاملے میں دل چسپی لی، وہ آپ ہی کا حق ہے، مجھے اور کسی سے ایسے تعلقِ خاطر کی توقع نہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے، میں بہ ہر طور ممنون ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۱۷رمئی ۲۰۰۴ء

بھائی مولانا!

مضمون مل گیا، بہت جی خوش ہوا، آپ نے ضروری باتوں کو عمدگی کے ساتھ رکھا ہے۔ کاش جہلا پر بھی اس کا کچھ اثر پڑے۔ خیر، اللہ آپ کو جزا دے گا۔ یہ ضروری کام تھا۔ ایک کام اور ہوجائے تو خوب ہو۔ اور اسے آپ ہی بہ خوبی کرسکتے ہیں۔ لفظِ "امام" کے معنی اور محلِ استعمال۔ (امامِ مسجد نہیں)۔ یہ جو عوام اور بہت سے خواص بھی حضرت امام حسن، امام حسین وغیرہ کہتے ہیں، یہ لوگ اس لفظ کے اصطلاحی معنوں سے ناواقف ہیں کہ یہ خاص اصطلاحی لفظ بنالیے گئے ہیں۔ پیغمبر کے مرادف۔ حالاں کہ امامِ بخاری اور امامِ اعظم کا مطلب اس مذہبی ساختگی سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح علیہ السلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ، کہ ان کے صحیح محلِ استعمال کو بھی مغشوش کردیا گیا ہے۔ یہ بھی ثواب کا کام ہوگا۔

ہاں بھائی! یہ تو بتایئے کہ وہاں لائبریری میں آپ نے مولانا معین واعظ کا فارسی دیوان دیکھا؟ جسے دیوانِ خواجہ معین الدین چشتی کے نام سے چھاپا گیا تھا۔ اس پر شیرانی صاحب کا طویل مضمون موجود ہے ــــــ کیا یہ رباعی: شاہ است حسین... اُس دیوان میں موجود ہے؟

اِس سے ضرور مطلع کیجیے۔ میں نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس رباعی کا انتساب خواجۂ اجمیری سے غلط بتایا ہے مگر دیوان میں نہیں دیکھ سکا، یوں یہ نہیں لکھ سکا تھا کہ یہ ہے کس کی۔ آپ نے شاعر کا حوالہ دیا ہے مگر دیوان کے حوالے کے بغیر۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر آپ اِس رباعی کے انتساب کے سلسلے میں حوالے سے مطلع کریں گے۔ میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ یہ اُسی دیوان میں ہوگی۔

چشم براہ ہوں

رشید حسن خاں

(۱۷۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۵؍جون ۲۰۰۴ء

بھائی مولانا!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ استغراق میں آپ نے میرے لفافے میں کسی اور صاحب کے نام کا خط رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ میرے نام کا خط کہیں اور پہنچ گیا ہوگا۔ یہ تو تصوّف کا کوئی مرحلہ معلوم ہوتا ہے جہاں تعینات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی ہے نا!

رشید حسن خاں

(۱۷۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۶؍جولائی ۲۰۰۴ء

بھائی مولانا!

کتابچہ مل گیا۔ واہ واہ، سبحان اللہ، کیا انداز ہے اور کیا روانیِ سخن ہے۔ جی خوش ہو گیا۔

مگر بھائی! جب تک اُس رباعی کے خالق کا پتا نہیں چلے گا، بات ادھوری رہے گی۔ ادھر توجہ کیجیے۔ لائبریری میں آپ کے یہاں وہ دونوں کتابیں ہوں گی معیّن واعظ کی، اُنھیں دیکھ تو لیجیے تاکہ بات کو قطعیت کے ساتھ کہا جا سکے۔ اس کے بغیر بات بنے گی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۸۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۹؍فروری ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا!

کئی دن پہلے آپ کا خط ملا تھا، جواب میں تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ وجہِ تاخیر محض میری بگڑتی ہوئی صحت ہے۔

ہاں بھائی! خط پڑھ کر جیسا احساسِ مسرّت ہوا، اُس کو بیان نہیں کر سکتا۔ کیا اچھی غزل کہی

ہے آپ نے! بے اختیار جی چاہا کہ کاش! یہ غزل تو میں نے کہی ہوتی۔ جذبے اور احساس نے اشعار کو تاثیر سے معمور کردیا ہے۔ جی خوش ہوگیا دنوں کے بعد ایسے عمدہ اشعار پڑھ کر۔ واہ واہ!

آپ جس تعلقِ خاطر کے ساتھ مجھے یاد رکھتے ہیں، اُس کے لیے شکر گزار ہوں۔ اب وضع داری اور بے ریا ربط وضبط گویا کہانی بنتا جارہا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور ایسے مزید اشعار کہنے کی توفیق عطا کرے۔

توقع کرتا ہوں کہ متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۱۸۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۵/اپریل ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا![۱۴۳]

کئی دن پہلے خط ملا تھا، خرابیِ صحت نے بروقت جواب لکھنے سے باز رکھا۔ طبیعت بے طرح خراب رہنے لگی ہے، پھر بھی بہتوں سے بہتر طور پر گزر رہی ہے، یہی بہت ہے۔ آپ کا خط پاکر تسکین ملی کہ ابھی خبر لینے والے اور خیر وعافیت کے خواہاں سچے اور بے ریا پرسانِ حال موجود ہیں اور یہی زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۱۸۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۴/جون ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا!

آپ کا خط ملا۔ وہ خط فروری ہی میں لکھا گیا تھا، آپ کو کب ملا، یہ آپ کے ڈاک لانے والے جانیں۔ اطمینان ہوا کہ آپ بہ عافیت ہیں۔ ربابؔ چند گھنٹوں کے لیے پچھلے مہینے یہاں آئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ دوسری بار عمرہ کرنے کے لیے جانے کا ارادہ ہے! توقع کرتا ہوں کہ آپ کے متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔ میں جیسا تھا، ویسا ہی ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۸۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

اگست ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا![۱۴۴]

خط آپ کا ملا تھا۔ ہاں صاحب! آپ کی یہ غزل خوب تھی اور بہت خوب، بس آخر میں فریاد و فغاں والے دو تین شعر اگر نہ ہوتے تو اور اچھا ہوتا۔ اِن سے غزل کے شروع کے نہایت عمدہ اشعار پر بُرا اثر پڑتا ہے، وحدتِ تاثر مجروح ہو جاتی ہے۔ غزل کا شکریہ۔

رباب کا اِدھر میرے، پاس بھی کوئی خط نہیں آیا، وہ مسلسل بیمار رہنے لگے ہیں، یہی سب سے بڑی مشکل ہے اور اُن کی خبر گیری کرنے والا کوئی ہے نہیں۔ آپ تو خوش نصیب ہیں کہ بیوی گھر میں موجود ہے آپ کے معیار کی نہ سہی، عام ہندستانی معیار کی تو ہے اور یہ بات ایسی ہے جس کی قدر و قیمت آپ کو عہدِ زوال میں معلوم ہوگی۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ یاد کرتے رہتے ہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۸۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲/اکتوبر ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا!

۲۵/ستمبر کا خط ملا۔ میں زندہ ہوں اور بہ خیریت بھی ہوں، بس بے خوابی کی شکایت بڑھ گئی ہے۔ ساری ساری رات نیند نہیں آتی۔ بہ ہر طور یہ دن اور یہ راتیں بھی گزر ہی جائیں گی۔

آپ اپنی غزلوں کو جمع کر ہی ڈالیے، جو کام ہو جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے جس عافیت کی ہم کو آپ کو تلاش رہتی ہے، وہ تو شاید کبھی نہیں مل سکے گی، کام اِنھی عافیت آشوب حالات میں کرنا ہے۔

بخار بڑا موذی آزار ہوتا ہے، بہ ہر طور، موسم بدل رہا ہے، جلد ہی یہ بھی دفع ہو جائے گا۔

رباب کا فون ایک دن آیا تھا، بیزار ہیں زندگی سے اور اپنے آپ سے بھی۔ پیروں کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ وہ بھی سکون سے محروم ہیں اور ایک عجیب طرح کے ذہنی خلاف اور پریشان خیالی کا شکار ہیں۔ جی کُڑھتا ہے، مگر کیا کیا جائے! ڈاک اُن کے یہاں بہ مشکل پہنچتی ہے۔ پتا تو وہی پرانا ہے۔ آپ

اُن کو فون کر لیا کیجیے۔ یہی ایک طریقہ ہے بس۔

خدا کرے اب تک آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں اور متعلقین بھی۔

رشید حسن خاں

(۱۸۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۲۱/دسمبر ۲۰۰۵ء

بھائی مولانا!

شکوہ نامہ ملا، آپ سے مجھے بہت ہمدردی ہے؛ مگر میرے بھائی! دوسروں کی شکایت کیوں کی جائے، خود آپ نے اپنے ساتھ کچھ کم ستم گری نہیں کی۔ ڈاکٹر ولی الحق انصاری کے زمانے میں آپ تحقیقی کام کر لیتے تو بات ضرور بن جاتی اور یہ بات آپ کو بھی معلوم تھی؛ مگر آپ اُن کاموں میں مصروف رہے اور بہت زیادہ، جنھیں آپ کے کام نہیں آنا تھا۔ اُس کا مآل یہی ہو سکتا تھا۔

دیکھیے میرے بھائی! زندگی کے آداب اور طور طریق ہمارے آپ کے لیے اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے، ہم کو ذرا لچک پیدا کرنا ہوگی۔ مگر آپ تو ہمہ وقت آمادۂ تبرا رہتے ہیں۔ میری مخلصانہ خواہش ہے کہ غصّے کے بجائے تحمل سے کام لیجیے۔ قدیم و جدید کی کشمکش ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ ہمارے آپ کے انکار سے وہ نہ ختم ہوگی نہ بدلے گی۔ بیوی بچّے ساتھ ہی رہیں گے کچھ فرماں برداری اور کچھ نافرمانی کے ساتھ، حالت یہی رہے گی، اپنا خون جلا کر آپ اپنا ہی نقصان کریں گے، کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ آپ نے اب سے کچھ پہلے ایک غزل بھیجی تھی، کیا اچھی غزل تھی! ایسے کاموں میں دل لگائیے، یہی علاجِ غمِ دوراں ہے۔

رباب پریشان ہیں اور اُن کی پریشانی بھی مستقل ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔

توقع کرتا ہوں کہ اس خط کو ناصحِ ناداں کا مشورہ نامہ سمجھنے کے بجائے ایک مخلص کی سچی خواہش کا عکاس سمجھا جائے اور اچھی اچھی غزلیں کہی جائیں، اچھے مضامین لکھے جائیں، جن میں کھردراپن ذرا بھی نہ ہو، بس یہی ہے علاجِ غمِ دوراں۔

خدا کرے اب حالات کچھ بہتر ہوں۔ آپ کا خط ملتا ہے تو پُرانا زمانہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔

رشید حسن خاں

(۱۸۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہان پور

۳/جنوری ۲۰۰۶ء

بھائی مولانا![۱۴۵]

مجموعہ مل گیا، شکرگزار ہوں۔ میرا اِس سے پہلے کا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ اِس خط سے یہ بشارت ملی کہ طورِ معنی جلد ہی چھپ جائے گا؛ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آنکھیں اُس کو دیکھنے کی مشتاق ہیں۔

خدا کرے آپ پہلے کے مقابلے میں اب کچھ کم پریشاں خاطر ہوں۔ اب تو سردی بہت ہے، ایسے میں تو بُخار اور غبار، سب کچھ گم ہو جاتا ہے۔

رشید حسن خاں

ب

نامکمل تاریخ والے خطوط

(۱۸۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۷ر جنوری

مولانا![۱۴۶]

لفافہ ملا، معلوم نہیں کس کے لیے تھا جو مجھ تک پہنچ گیا اور میرا خط کس کے حصّے میں آیا۔ خیر، اب میرا خط وہاں سے منگایئے، جہاں آپ یہ سب کراماتی کاغذات بھیجنا چاہتے تھے۔

رشید حسن خاں

(۱۸۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۷ر اکتوبر

بھائی مولانا![۱۴۷]

رسالہ مل گیا۔ جی خوش ہوا۔ آج کل میں بہت جلد تبصرہ کروں گا، شاید اگلے ہی مہینے۔ اِس خط کو رسالے کی رسید سمجھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۸۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شاہ جہاں پور

۴ر نومبر

مولانا![۱۴۸]

آپ کے خط کا جواب باقی ہے، اب کے لکھوں گا۔ اس وقت یہ معلوم کرنا ہے کہ رباب وہاں ہیں؟ ان کو ایک ضروری خط لکھنا ہے اور کب تک رہیں گے۔

براہِ کرم خط فوراً لکھیے، چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۹۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۸ر نومبر

مولانا![۱۴۹]

خط ملا۔ آپ ذرا زحمت گوارا کیجیے اور اپنے اُن بے پروا خرام دوست تک آج ہی یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ میں نے اُن کو شاہ جہان پور کے پتے پر ایک خط لکھا ہے جس میں یہ اطلاع دی ہے کہ اُن کا ویزا آ گیا ہے، باضابطہ اطلاع ان تک پہنچ جائے گی۔ اب وہ جب جانا چاہیں، یہاں آ کر ویزا لے سکتے ہیں۔ لیکن ان سے یہ بھی کہیے کہ وہاں بھی یہی آسمان ہے اور وہاں کی زمین بھی سخت ہے۔ ویسے اُن کی مرضی۔

رشید حسن خاں

اگر وہ اب تک روانہ ہو چکے ہوں تو آپ اُن کو ایک خط لکھ دیجیے۔

(۱۹۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۷/اکتوبر

برادرم![۱۵۰]

خط ملا، غزل ملی، جی خوش ہوا۔ مگر میں تو تیغِ اصفہانی کے بجائے شمشیرِ ہندی کا زخم آشنا اور لذت چشیدہ ہوں۔ اب آپ کفارہ ادا کیجیے اور کوئی اردو کی غزل بھیجیے۔

میں ۱۸/کو وہاں آیا تھا، مگر آپ گھر جا چکے تھے، اس لیے ملاقات کیسے ہوتی۔ اب نومبر میں جب آؤں گا تو ملاقات ہوگی۔

رشید حسن خاں

رباب کہاں ہیں؟ اُن کو کسی طرح تلاش کیجیے اور کہیے کہ اب غصہ تھوک دیں اور خط لکھیں تاکہ میں اُن سے اگلی ملاقات کا پروگرام طے کر سکوں۔ اُن کو آپ ہی تلاش کر سکتے ہیں اور وہ سنیں گے بھی آپ ہی کی۔ مجھے اُن کے خط کا انتظار ہے اور بہت۔ اُن سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔ یہ بات اُن سے کہہ دیجیے، بل کہ یہ خط ہی دکھا دیجیے۔

(۱۹۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۲/نومبر

مولانا![۱۵۱]

آپ کے دو خطوں کا ادھار میری گردن پر ہے، کیا کروں اب تو یہ ''لطفِ عام'' ہو کے رہ گیا ہے، بہ ہر صورت آپ کی کرم فرمائیوں کا دل سے ممنون ہوں۔

میاں، رسالے پر میرا نام دے کر آپ ساری دنیا سے کیوں جھگڑا مول لینا چاہتے ہیں یوں

بھی یہ میری رائے ہے کہ کسی بھی رسالے پر کوئی لیبل نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ اس سے تو باز ہی رہیے۔ میں تو کام کے بغیر ہی آپ کا نیاز مند ہوں اور تعمیل حکم کے لیے حاضر۔ قمر رئیس صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہو رہی ہے، یونی ورسٹی بند ہے اور ہر طرف پہرے بیٹھے ہوئے ہیں، ایسے میں ملاقات ہو بھی نہیں سکتی، اُن سے آپ خود ہی نپٹیے۔ نام کی ضرورت نہیں، میں اس کی اجازت آپ کو نہیں دے سکتا، ہاں کام کے لیے تیار ہوں۔ فرمایئے، کیا حکم ہے؟ پہلا شمارہ کب آئے گا؟

غزل سے آنکھیں روشن ہوئیں مگر دل خوش نہیں ہوا، یہ آپ کاری گری کیوں کرنے لگے ہیں۔ سادہ وصاف بات کہیے اور تکلّف سے بری، اسی میں نجات ہے۔ آج کل املا کے پھیر میں آیا ہوا ہوں اس لیے اسی مختصر (خط) پر قناعت کیجیے، مفصّل ادھار رہا۔ ارے بھائی، وہ آپ کی نیک بخت کہاں ہیں اور کیسی ہیں، کیا انھوں نے رسّی بالکل ہی ڈھیل چھوڑ دی ہے؟

رشید حسن خاں

ہاں، غزل کے قوافی ''ٹھس'' ہیں۔ ''حیات ارجمند تھی'' ایسے قافیے، پہلے مصرعوں کا بھی خون کر دیا کرتے ہیں۔ اور ''فتنۂ مجسّم'' کی فارسیت، فصاحت کی گردن پر چھری چلا دیتی ہے اور آخری شعر: آنکھوں کی کیفیت..... یہ تو شبِ اوّل کی تفسیر ہے، اسے تشہیر کیوں کیا جائے؟ مولانا! ذرا دل لگا کے اور نظر جما کے..... بے گار مت ٹالیے۔

(۱۹۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۰ر دسمبر

بھائی مولانا![۱۵۲] یہ تو مزاح المومنین کے درجے کا لطیفہ ہوگیا۔ پیکٹ دونوں ابھی شام کو ملے۔ اب جو اُنھیں کھولتا ہوں تو ہنسی آگئی۔ صاحب! اِس بار آپ بُری طرح مبتلائے مغالطہ ہوئے اور آپ کے واسطے سے میں بھی داخلِ حسنات ہوا۔

میں آپ کا خط ہی ملفوف کیے دے رہا ہوں۔ مجھے نشان زدہ نسخوں کی ضرورت تھی۔ اب ایک پیکٹ سے مطبع مصطفائی کا ۱۲۶۲ھ کا نسخہ برآمد ہوا (اور یہ پہلے سے میرے پاس موجود ہے) اور دوسرے مطبع نول کشور کا ۱۲۹۲ھ کا۔ یعنی اشاعتِ دوازدہم۔ اور یہ بے کار ہے۔ کسی کام کا نہیں۔

مطلوب نسخے تھے: نولکشور کا ۱۲۸۳ھ کا اور محمدی کا ۱۲۶۷ھ کا۔ اصل میں نولکشوری نسخے ہیں آپ کو مغالطے میں ڈالا اور اُسی قطعۂ تاریخ نے جو اشاعتِ اوّل کا نقل کیا گیا ہے۔ لیکن دوسرے قطعے میں صراحت ہے کہ یہ ۱۲۹۲ھ کا نسخہ ہے اور اشاعتِ دوازدہم ہے۔

میں ان دونوں نسخوں کا جلد واپس کردوں گا دو چار دن میں۔ لیکن میری مشکل حل نہیں ہوئی۔

اب کچھ کیجیے اور میری مشکل آسان کیجیے سخت پریشان ہوں اور حیران۔

مجھے مطبع نولکشوری اشاعتِ اوّل ۱۲۸۳ھ کی ضرورت ہے اور مطبع محمدی کان پور کی اشاعتِ ۱۲۶۷ھ کی۔ کہیں سے اِن دونوں کو پیدا کیجیے۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا تھا کہ محمدی والا نسخہ آپ کے یہاں موجود ہے۔ جلدی میں آپ محمدی کے بجائے مصطفائی بھیج گئے۔ اب میں مطبع محمدی کے پیکٹ اور مطبع نولکشور کے سلسلے میں اطلاع کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔ جلد خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۲۰/اپریل

مولانا![۱۵۳]

میرا خط ملا ہوگا۔

بہار کا سفر ملتوی کر دیا۔ گرمی کے اثر اور خوف نے بزدل بنا دیا۔ اب یہیں پیر توڑ کر بیٹھوں گا۔ اور اب لکھنؤ کا پھیرا ستمبر اکتوبر میں ہوگا۔ ہمت ساتھ نہیں دیتی، میں کیا کروں۔

ہاں صاحب! آپ تو مولویوں کے جھرمٹ میں ہیں، فرنگی محلی نہ سہی، ندوی سہی، قوم تو وہی ہے۔ اس لیے آپ ذرا میری مدد کیجیے، میں تو اس قوم سے نا آشنائے محض ہوں۔

فسانۂ عجائب کے دیباچے میں جہاں طوائفوں اور مغنیوں اور دکان داروں اور بھانڈ بھگتیوں کا ذکر ہے۔ وہاں چند علمائے کرام کے نام نامی بھی ہیں۔ یہ سب فرنگی محلی ہیں وہاں نزہۃ الخواطر تو ہوگی، اور بھی کتابیں ہوں گی، جن میں ان کا احوال ہوگا۔ مجھے ہر ایک پر بس چار پانچ سطریں لکھنا ہیں۔ نام، ولدیت، سالِ پیدائش، سالِ وفات، علمی مرتبہ۔ میری خواہش یہ ہے کہ یہ چار چار سطریں آپ لکھ دیں اور میں آپ ہی کے حوالے سے انھیں درج حواشی کروں۔ اس طرح میں کشاکش سے بچوں اور آپ داخلِ حسنات ہوں۔ جس کتاب سے حال لیا جائے، وہ مستند ہو، یہ ضروری ہے۔

علما کے نام یہ ہیں:

(۱) مولوی انوار　(۲) مولوی مبین　(۳) مولوی ظہور اللہ

فقرا: (۱) شاہ مینا　(۲) شاہ پیر محمد　(۳) شاہ خیر اللہ

(۴) مولوی عبدالرحمٰن　(۵) خواجہ باسط　(۶) میر نصیر

(۷) خواجہ حسین　(۸) خواجہ حسن

وہاں کوئی نہ کوئی تصوف زدہ بزرگ ضرور ہوں گے، اُن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کون بزرگ تھے۔

بل کہ آپ تو ان سب پر مشتمل ایک مضمون لکھ دیجیے، اُسے ولولہ میں چھاپ دیجیے اور اسی کی تلخیص یہاں کام آئے گی، یہ بھی آپ کے نام سے ہوگی۔ کیا رائے ہے؟ جواب دیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹۵)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

۱۹ر دسمبر

برادرم![۱۵۴]

آپ کے کئی خطوں کے جواب واجب الادا ہیں۔ یہ خط محض رسید ہے۔ اصل خط چند روز کے بعد لکھوں گا۔ ایک الجھن سے دوچار ہوں۔ ذرا دم لوں تو لکھوں۔ بہت معذرت کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

برادر! اگر آپ یہ خط نیّر مسعود صاحب کو دے سکیں تو عین عنایت ہو۔ میرا خط ڈاک سے وہاں نہیں پہنچا۔ شاید گڑبڑ کی وجہ سے۔

ج

تاریخ سے معرّیٰ خطوط

(۱۹۶)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

بھائی مولانا![۱۵۵] میں منفعل ہوں کہ پھر تاخیر ہوئی۔

مخطوطہ شناسی پر کوئی کتاب آج تک میں نے نہیں دیکھی۔ یہاں جو مخطوطہ شناسی کا کورس ہے، اُس میں وہی عام کتابیں شامل ہیں جن سے ہم آپ سب واقف ہیں۔ کوئی قابلِ ذکر کتاب نہیں۔

البتہ فہرست سازی پر علی گڑھ کے کسی صاحب نے ایک کتاب چھاپی تھی، یہ آٹھ دس سال پہلے کی بات ہے۔ مجھے اب نہ کتاب کا نام یاد ہے نہ مصنف کا۔ آپ علی گڑھ میں کسی کو خط لکھیے، وہاں سے پوری بات معلوم ہو جائے گی۔

مطبوعہ انتخاب کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔

ہاں صاحب! وہ مطبع محمدی کان پور کا چھپا ہوا فسانۂ عجائب آپ کی لائبریری میں ہے، آخر اُس سے میں استفادہ کس طرح کر سکتا ہوں؟ میں آج کل اِس کتاب کا متن مرتب کر رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

اور وہ اردو غزل کیا ہوئی جس کا آپ نے پچھلے خط میں وعدہ کیا تھا؟

(۱۹۷)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۵۶]

خط ملا، میں ۳۱؍ کو دہلی پہنچوں گا اور تب اطمینان سے مفصل خط لکھوں گا۔ میرا پتا یہ ہے:

T.C. 4, Gwyer Hall
Delhi University, Delhi - 7

میں آپ کو یوں خط نہیں لکھ پایا تھا کہ میرا خیال تھا کہ آپ کا پتا بدل گیا ہے اب معلوم ہوا کہ وہی ہے۔ رباب صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ پتا بدل گیا ہے۔ خط لکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۹۸)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۵۷]

یہ صفت تو اللہ میاں کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مبتلائے آزمائش و امتحان کرتے رہتے ہیں، بھلا آپ نے یہ صفت خداوندی کہاں سے پیدا کر لی۔ بھائی! میں رندِ تباہ کار، مجھے ان موضوعات

کے ساتھ گستاخی کرنے کا حوصلہ کہاں! پھر تاریخی ارتقا کس قدر وقت طلب۔ آپ کی ہزار شیوگی کی قسم کہ مجھے اس موضوع کے متعلق کچھ بھی ڈھنگ کی باتیں یاد نہیں۔

آپ تو اپنی روایت کے مطابق بس مجھے اپنے اشعار سے نوازتے رہیے۔ جھگڑا بڑھانے کی کیا ضرورت۔ کیا شعر کہا ہے:

عجب ادا سے خفا ہو کے وہ ...

ہم اور منت ہم امان ...

اور پڑھا نہ گیا والی ردیف بھی خوب ہے، لیکن یہ ''مانگتی ہے'' جما نہیں۔ اِس کو ''مانگے ہے'' کر دیجیے۔ عیبِ سماعت نکل جائے گا۔ ایسے مواقع پر حروفِ علت کا دبنا نہایت گراں گزرتا ہے۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹۹)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

F 3/4، ماڈل ٹاؤن

مولانا![۱۵۸]

کتاب چھپ گئی ہے، مگر ابھی سرکاری ضابطوں نے اُسے گھیر رکھا ہے۔ بہ مشکل دو تین کتابیں مل سکی تھیں۔ میں نے ان لوگوں کو ایک فہرست بنا کر دے دی ہے اور انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھیج دیں گے۔ اس فہرست میں آپ کا نام بھی ہے۔ سرکاری کام ہے، دیکھیے کب ہوتا ہے۔ کوئی آتا جاتا ملا تو نانسخ بھیج دوں گا۔ اگرچہ میرے پاس نہیں، مگر حاصل کرلوں گا۔

ملاقات کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ہی زمانے میں ہم دونوں شاہ جہان پور میں یک جا ہو سکیں۔ بہ ظاہر اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں آپ کو یہاں بلا نہیں سکتا اور خود بھی فی الحال وہاں نہیں آسکتا، صبر کیجیے۔ کیا رباب وہیں ہیں؟

مولانا! ایک بات بتایئے، آخر کتنی مہریں اور کتنے پیڈ بنوا رکھے ہیں آپ نے، آپ تو مستقلاً ڈرایا کرتے ہیں۔ بہر حال، ادبی حرام زادوں کے شہر میں آپ جیسے شخص کی ضرورت ہے اور بہت ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۰۰)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۵۹]

جی خوش ہو گیا شعر پڑھ کر، زندہ رہیے اور جلتے رہیے اور شعر کہتے رہیے۔ ذکر اپنا... کیا خوب کہا ہے اور آخری شعر: آج کی انسانیت... تشبیہ کی ندرت نے یا یوں کہیے کہ تعبیر کی جدت نے لطفِ نو دیا۔ اے وقت تو...... کہ.....

دوسری غزل ذرا اُس سے کم ہے۔ دو باتیں: ہوئی ہے جس جگہ مدھم... ''جگہ'' میں اس بے طرح حرف دبے ہیں کہ جواز کے باوجود، بے لطفی باقی رہتی ہے۔

اسی طرح ''وہاں وہاں پہ'' بھی آپ کے لیے اب جائز نہیں ہو سکتا۔ اور مقطع کا آغاز ''ہو'' سے ہوا ہے جس کا واو دب رہا ہے۔ جائز ہے لیکن اساتذہ کا قول یہ ہے کہ آغازِ شعر میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ پورے شعر کی موسیقی تباہ ہو جاتی ہے، اور یہ بات بالکل درست ہے۔ مجھے پہلی غزل پسند آئی اور اس کو پڑھ کر لطف اٹھایا۔ آیندہ بھی بخل نہ کیجیے اور خوش وقت ہونے کا سروسامان بھیجتے ہی رہیے۔ غم و آلام تو اسی طرح رہیں گے۔

لکھنؤ آنا چاہتا ہوں لیکن ابھی طے نہیں کر پایا ہوں۔ پٹنے جانا ہے اور گیا۔ گرمی بہت ہوگی، اگر واپسی پر وہاں آنے کو ہوا تو پہلے آپ کو خط لکھوں گا۔ میں پٹنے ۵رمئی کو جاؤں گا لکھنؤ آیا تو ۱۰رتک آؤں گا، ورنہ گرمیوں کے بعد پھیرا ہوگا اکتوبر میں آنا ضرور ہے۔ ذرا یہ تو معلوم کیجیے کہ کسی اوسط درجے کی قیام گاہ میں بارہ، پندرہ روپے روز تک کا کمرا مل جائے گا؟ ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ جگہ قاعدے کی ہو، پندرہ روپے روز سے زائد نہ ہو۔ کھانے کا انتظام الگ ہوگا۔ آپ سے بہت سا کام ہے، لیکن یہ سب اگلے خط میں لکھوں گا۔ رباب کی بے نیازی حد سے گزری، لیکن کیا کہوں، وہ آپ کے دوست ہیں۔

رشید حسن خاں

(۲۰۱)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

برادرم! [۱۶۰]

خط ملا تھا۔ کسی طرح اُس نسخے کو تلاش کیجیے۔ وہاں دو پرانی لائبریریاں ہیں، امیر الدولہ اور ایک کوئی اور، ذرا ان کو دیکھیے۔ اس عنایت کے لیے منت پذیر ہوں گا، ولولہ مل رہا ہے، اس کا خاص طور پر شکریہ۔ میں بہ خیر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۰۲)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۶۱]

خط ملا۔ میں نے جو لفافہ بھیجا تھا مع تبصرہ، اُس کی رسید نہیں ملی۔ کیا وہ لفافہ مل گیا؟

میرا پروگرام بنا تھا مگر بگڑ گیا۔ اسے حالات کی ستم ظریفی کہیے۔ اب میں ۳۰ر جنوری کو جاؤں گا اور غالباً ۱۵ر فروری تک رہوں گا۔ ۳۰ر کا جانا بہ ظاہر قطعی معلوم ہوتا ہے۔

غالبؔ نے کہا ہے:

چاک مت کر جیب بے ایام گل　　　　کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

سو وہی جھگڑے کے جڑ ہیں۔ ''اُدھر'' کا اشارہ اُن کے لیے سازگار ہوتا ہے جو بندۂ مقبول ہیں، میں جو بے پروا خرام ہوں، میرے لیے تو ''نخِ عزائم'' کی علامت اور سند بن کر نمایاں ہوا ہے۔ اِس کے باوجود، سرتابی ہی کا ارادہ ہے۔ آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے۔

دیکھیے صاحب! خط چھاپنا بھی در مدحِ خود گفتن ہے۔ میری ماٗنیے تو اس سے بھی بچیے۔ آخر خود اعتمادی اور خودنگری آپ میں کب آئے گی؟ آپ میرے متعلقین میں ہیں اور پھر اِس قدر خطوط پرست اور دوسروں کی رائے کے ضرورت مند یا متمنّی! در دل گشتن دریں رہ سخت تر عیبے است سال را، اسے یاد رکھیے اور توبہ کیجیے۔ میری خوش گمانی کو تو مجروح نہ کیجیے، ان لاحقوں اور سابقوں سے میں اپنے ساتھیوں کو بے نیاز دیکھنا چاہتا ہوں اور آپ ہیں کہ باز نہیں آتے۔ یاللعجب!

رشید حسن خاں

(۲۰۳)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۶۲]

کہاں ہیں آپ؟ دو تین ہفتے ہونے کو آئے ہیں کہ ایک لفافے میں آپ کا مطلوبہ مضمون نعت نگاری سے متعلق بھیجا تھا، رسید بھی نہیں ملی۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا پیچ پڑ گیا۔ فوراً خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۲۰۴)

بنام: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

مولانا![۱۶۳]

آپ کہاں ہیں؟ کچھ خیر خبر، پیام سلام! اعتکاف میں بیٹھ رہنے کی نہیں ٹھہری ہے۔ بقول

انشا: جھڑکی سہی، اور سہی، چیں بر جبیں سہی۔
خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

رباب کہاں ہیں؟ اگر ہوں تو یہ پرچہ ان کو دے دیجیے، ورنہ ان کے موجودہ پتے سے اور اُن کے نئے متعلقین کے حدودِ اربعہ سے مطلع کیجیے۔

حواشی:

۱۔ مقام اوپر درج نہیں، لیکن اس زمانے میں خاں صاحب دہلی میں تھے۔اس زمانے میں رئیس نعمانی صاحب کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ نہیں تھے۔رشید حسن خاں صاحب کی برابر ہمت افزائی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی منزل تک پہنچایا۔ہاں نعمانی صاحب شاعری ضرور کرتے تھے۔

۲۔ مقام اور تاریخ درج نہیں، لیکن رئیس احمد نعمانی صاحب نے خط پر نمبر شمار ڈالا ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ واقعی دوسرا خط ہے۔ پشت پر ڈاک گھر کی مہر تو ہے لیکن سامنے والے عکس سے عیاں نہیں ہوتی۔

۳۔ مقام اور تاریخ درج نہیں ہیں، لیکن ڈاک گھر کی مہر جو ثبت ہے، وہ دہلی کی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔اور نعمانی صاحب نے اسے ترتیب سے نمبر ۳ پر رکھا ہوا ہے۔

۴۔ مقام اوپر درج نہیں۔

۵۔ مقام اوپر درج ہے، تاریخ نہیں۔ لیکن خط کے نیچے ۲۶/۵/۱۷ء درج ہے۔شاید یہ خط پانے کی تاریخ ہے۔

۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۹۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۰۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقامِ تحریر دہلی ہے۔

۱۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔

۱۴۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۵۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۶۔ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔

۱۷۔ مقام و تاریخ درج نہیں۔ یہ خط بھی یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے۔ خط کے آخر میں مئی ۷۷ء شاید مکتوب الیہ. کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ یہ خط ۲۲/ مارچ کے بعد یا اپریل کی کسی تاریخ کو لکھا گیا۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے۔

۱۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے۔

۱۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز یونی ورسٹی آف دہلی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔

۲۰۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۱۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۲۔ سرنامے پر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۳۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۴۔ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۶۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ درج ہے۔

۲۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے کیوں کہ اس میں کسی سیلاب کے آنے کا ذکر ہے جس سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے ہیں۔

۳۱۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۲۔ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ نئی کتاب کے چھپ کے آنے کا ذکر ہے۔ یہ کتاب خاں صاحب کی ''ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ'' ہے۔

۳۴۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۶۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۸۔ مقام و تاریخ دونوں اوپر درج ہیں۔

۳۹۔ مقام اوپر ہے، تاریخ اوپر نیچے نہیں۔ داہنے کونے میں نیچے مئی ۷۹ء لکھا ہے۔ یہ شاید نعمانی صاحب

کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔

۴۰؎ مقام و تاریخ دونوں اوپر درج ہیں۔

۴۱؎ مقام اوپر، تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۲؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۳؎ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں کے پتے اردو اور انگریزی میں درج ہیں۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں ہے:

جناب رئیس نعمانی

191-Astabal Charbagh

Lucknow (U.P) Pin: 226001

۴۴؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۶؎ مقام اور تاریخ اوپر درج ہیں۔

۴۷؎ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۸؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۹؎ مقام اوپر درج نہیں، لیکن خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۰؎ مقام اور تاریخ اوپر درج ہیں۔

۵۱؎ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۲؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے جان پڑتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا کیوں کہ خاں صاحب نے اپنے آپ کو "فسانۂ عجائب" میں الجھا ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۵۳؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۴؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۶؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۷؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط کے علاوہ پچھلے خطوط میں بھی ذکر آیا ہے کہ رئیس احمد نعمانی صاحب کی تعلیم نامکمل ہے اور وہ مسلسل امتحانات دیے جا رہے ہیں۔ ایک پرچہ فارسی کا نکال رہے ہیں، اور اردو و فارسی میں شاعری بھی کرتے ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہو چکا ہے۔

۵۸؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں خاں صاحب کا جمّوں یونی ورسٹی کی دعوت پر تین ہفتے کے لیے جمّوں آنے کا ذکر ہے۔ وہ یہاں سمر اسکول میں اردو املا پر لکچر دیں گے۔

۵۹؎ مقام اور تاریخ دونوں اوپر درج ہیں۔ اس خط سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ خاں صاحب ۱۳۱ر

مئی کو جموں پہنچ گئے۔ یہ سفر شاید جموں یونی ورسٹی کی دعوت پر پہلا سفر تھا۔ خط کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے: ”جناب رئیس نعمانی، پرشین اکیڈمی، ۱۹۱-۱ اصطبل چارباغ، لکھنؤ-۲۲۶۰۰۱“۔

۶۰۔ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب جموں یونیورسٹی سے جلد واپس لوٹ آئے لکھنؤ کی میٹنگ کے لیے، جو ۸؍جون کو ہونی تھی۔

۶۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۱۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۷۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۳۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج

۸۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۸۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۸۹ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۰ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۱ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۴ مکتوب الیہ نے خط کے بائیں اوپر والے کونے میں لکھا ہے کہ یہ خط ۱۴ تا ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۴ء کے درمیان کسی تاریخ کا ہے۔
۹۵ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۷ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۸ مکتوب کے متن میں دہلی کا ذکر ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے، تاریخ نیچے درج ہے۔
۹۹ متن سے اس خط کا بھی دہلی سے لکھا جانا ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۰ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۱ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۳ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۴ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۵ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ مگر متن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔
۱۰۶ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۷ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۰۸ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے اپنی کمزور بینائی کا ذکر کیا ہے اس خط میں۔
۱۰۹ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس میں خاں صاحب کا ۲ر جولائی کو لاہور جانے کا ذکر ہے۔
۱۱۰ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۱۱ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں خاں صاحب کا کیرالا سے لوٹنے کا ذکر ہے۔
۱۱۲ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔
۱۱۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۱۴ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۱۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔
۱۱۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۱۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۱۹۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۲۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ لیکن خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی لکھا گیا ہے۔
۱۲۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا۔ خط میں ۱۸/اپریل کی رات کو خاں صاحب کو دل کا شدید حملہ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ پہلا حملہ تھا۔
۱۲۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں نعمانی صاحب کے پی. ایچ ڈی کا مقالہ جمع کروانے کا ذکر ہے۔
۱۲۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ لیکن خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال کے پتے سے لکھا گیا ہے۔
۱۲۴۔ مقام اور تاریخ دونوں خط پہ درج نہیں۔ لیکن نعمانی صاحب نے خطوط پہ جو نمبر ڈالے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے جنوری اور مئی کے درمیان کسی ماہ کی تاریخ میں لکھا گیا۔
۱۲۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۲۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۲۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۲۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب کو انڈیا آفس لندن کے کٹلاگ کے مطلوبہ صفحے کا عکس رام پور سے مل گیا ہے اور ''اردوے معلیٰ'' کے شمارے کا عکس بھی۔
۱۲۹۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۳۰۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۳۱۔ خط کی پشت پہ مکتوب الیہ و مکتوب نگار دونوں کے پتے درج ہیں۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ یہ پہلا خط میری نظر سے گزرا ہے جس کے پتے پہ مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ ''ڈاکٹر'' لکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمانی صاحب کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری اب مل گئی ہے۔
۱۳۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ نعمانی صاحب کا پتا پہلے والا ہی ٹائپ میں تحریر ہے۔ یہ خط اُن تک ۱۹/اگست کو پہنچا۔ پشت پر تاریخ ہاتھ سے تحریر ہے۔
۱۳۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔ پشت پر مکتوب الیہ کے پتے کے اوپر Local لکھا ہوا ہے اور مکتوب الیہ کا پتا اِس طرح ہے:

Janab Rais Numani Department of Islamic Sttudies
Jamia Hamdard, N. Delhi-62, Pin: 110062

۱۳۴۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۳۵۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۳۶۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط میں ۲۱ر جنوری کو بمبئی یونی ورسٹی میں جانے اور ۳۱ر جنوری کو واپسی کا ذکر ہے۔ وہاں انھوں نے اصولِ تحقیق پر لکچر دینے تھے۔ مکتوب الیہ کا پتا پشت پر درج ہے۔

۱۳۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۳۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۳۹۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ دہلی سے خان صاحب کا نعمانی صاحب کے نام یہ آخری خط ہے۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۹۶ء کو انھوں نے شاہ جہاں پور منتقل ہو جانا ہے، اِس لیے وہاں کا پتا اِس خط میں درج ہے۔

۱۴۰۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پہ مکتوب الیہ و مکتوب نگار دونوں کے پتے درج ہیں۔ ساتھ ہی شاہ جہان پور اور علی گڑھ کے ڈاک گھروں کی دو مہریں بھی ثبت ہیں۔ پہلی ۶ر اپریل ۱۹۹۶ء کی اور دوسری ۱۹ر اپریل ۱۹۹۶ء کی۔

۱۴۱۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا۔ خط کی پشت پہ ڈاک خانے کی مہر ۲۶ر نومبر ۱۹۹۶ء کی ثبت ہے۔

۱۴۲۔ مقام نہیں، تاریخ اوپر درج ہے (صرف ماہ و سال)۔

۱۴۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے، کیوں کہ اب خاں صاحب اب چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔

۱۴۴۔ مقام اوپر ہے، تاریخ درج نہیں۔ بائیں کونے میں اوپر صرف اگست ۲۰۰۵ء لکھا ہے۔ یہ شاید نعمانی صاحب نے لکھا ہے۔

۱۴۵۔ ''طورِ معنی'' ہے، مجموعۂ کلام نعمانی صاحب کا۔

۱۴۶۔ مقام اور سال دونوں درج نہیں۔ تاریخ و ماہ نیچے درج ہیں۔

۱۴۷۔ مقام اور سال دونوں درج نہیں۔ تاریخ و ماہ نیچے درج ہیں۔

۱۴۸۔ مقام اور سال دونوں درج نہیں۔ لیٹر پیڈ کے ورق سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو سے جنوری ۱۹۹۶ء سے پہلے لکھا گیا ہے کیوں کہ آخر جنوری ۱۹۹۶ء کو خاں صاحب مستقلاً شاہ جہان پور منتقل ہو گئے تھے۔

۱۴۹۔ مقام اور سال دونوں درج نہیں۔ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پر لکھا گیا ہے۔ یہ جنوری ۱۹۹۶ء سے پہلے کا ہو سکتا ہے کیوں کہ آخر جنوری میں خاں صاحب شاہ جہان پور منتقل ہو گئے تھے۔ خط کے متن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی ہی سے لکھا گیا ہے۔

۱۵۰۔ مقام اور سال دونوں درج نہیں۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط جنوری ۱۹۹۶ء سے قبل دہلی سے

لکھا گیا ہے۔ آخری سطح میں خاں صاحب نے ''بل کہ'' ملا کے لکھا ہے جب کہ اسے ہمیشہ ''بل کہ'' لکھتے آئے ہیں۔

۱۵۱ مقام، تاریخ و ماہ اوپر درج ہیں، سال نہیں۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سال ۱۹۷۴ء سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، کیوں کہ اِس میں ایک جملہ ''آج کل املا کے پھیر میں آیا ہوا ہوں'' درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاں صاحب اس دوران اپنی کتاب ''اردو املا'' کی ترتیب میں مصروف تھے۔

۱۵۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ و ماہ نیچے درج ہیں، سال نہیں۔ ''فسانۂ عجائب'' کے نولکشوری نسخے ۱۲۸۳ھ اور مطبع محمدی کے نسخے ۱۲۶۷ھ کا پہلی بار ذکر مئی ۱۹۷۹ء اور دوسری بار ۳۰ نومبر ۱۹۷۹ء والے خطوں میں ہے۔ خاں صاحب نے نعمانی صاحب سے یہ مطلوبہ نسخے طلب کیے۔ نعمانی صاحب نے دوسری اشاعتیں بھیج دیں۔ خاں صاحب انھیں واپس کر رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط دسمبر ۱۹۷۹ء میں دہلی سے لکھا گیا، کیوں کہ یہ یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پر ہے۔

۱۵۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ و ماہ نیچے درج ہیں۔ یہ خط ۲۰ اپریل ۱۹۸۰ء کا ہے۔ متن میں جن حضرات کے نام آئے ہیں اور خاں صاحب نے نعمانی صاحب کو اُن سے متعلق چار پانچ سطروں کی معلومات طلب کی ہیں، اُن کا ذکر ۳۰ اپریل اور ۱۹ مئی ۱۹۸۰ء والے خطوط میں بھی آیا ہے۔

۱۵۴ مقام اوپر نہیں، تاریخ و ماہ نیچے درج ہیں۔

۱۵۵ مقام اور تاریخ خط کے اوپر درج نہیں۔ خط کے متن سے عیاں ہوتا ہے کہ خاں صاحب ''فسانۂ عجائب'' کا متن مرتب کر رہے ہیں۔ ''فسانۂ عجائب'' انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی اور لاہور سے بیک وقت ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے ۱۹۸۰ء سے قبل اِس کے نسخے جمع کرنے شروع کر دیے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹۸۰ء کے بعد اور ۱۹۹۰ء سے قبل کا ہے۔

۱۵۶ مقام اور تاریخ دونوں خط پہ درج نہیں۔ لیکن خاں صاحب نے اپنا پتا اِس پہ درج کیا ہے نعمانی صاحب کی اطلاع کے لیے اور وہ ہے: ٹی۔ بی ۴، گائر ہال دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷۔ خاں صاحب کے خط مرقومہ ۱۹ دسمبر ۱۹۷۷ء پہ پہلی بار یہ پتا لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹۷۷ء کے کسی ماہ میں لکھا گیا۔ خاں صاحب نے نعمانی صاحب کو اس سال کل پانچ خط لکھے ہیں، مئی، جون، نومبر اور دسمبر میں، یہ پانچواں خط ہے۔

۱۵۷ مقام اور تاریخ دونوں درج نہیں۔ خط کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمانی صاحب کی شاعری کے ابتدائی دور کا ہے، جب خاں صاحب ان کے اشعار کی کمزوریوں پہ گرفت کیا کرتے تھے۔

۱۵۸ مقام اوپر اور تاریخ درج نہیں۔ خط کی پشت پہ دہلی، ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء اور لکھنؤ ۱۲ جولائی ۱۹۷۳ء کی ڈاک گھروں کی مہریں ثبت ہیں۔ لکھنؤ کا پن کوڈ نمبر: ۲۲۶۰۰۱ صاف عیاں ہے۔ نعمانی صاحب کا پتا یوں درج ہے:

مولانا رئیس نعمانی

Astabal Char Bagh, Lucknow (U.P)
192-A, Char Bagh

۱۵۹۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔
۱۶۰۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔
۱۶۱۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔ لیکن دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پہ لکھا ہوا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔
۱۶۲۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔
۱۶۳۔ مقام اور تاریخ درج نہیں۔

★★★

بنام: سالک لکھنوی[1]

(۱)

دہلی یونی ورسٹی

۱۷ر جولائی ۱۹۹۳ء

مکرم بندہ، آداب!

ڈاکٹر خلیق انجم نے آپ کے دونوں خط میرے پاس بھیج دیے تھے۔ اُنھی کے سلسلے میں یہ عریضہ بھیج رہا ہوں۔ چوں کہ ڈاک کا احوال خراب ہے؛ یوں محض بہ طورِ احتیاط اِسے رجسٹری سے بھیجا جا رہا ہے۔ جنابِ والا! مجھے ایک بار آپ ہی کے دولت کدے پر آپ سے نیاز حاصل ہو چکا ہے۔ اِس کا افسوس ہے کہ اِس کے بعد سلسلۂ مراسلت شروع نہیں ہو سکا ہے۔ بہ ہر صورت میں آپ کا نیاز مند ہوں اور آپ کی خدمات کا معترف۔

اب اصل بات: عزت اللہ بنگالی کا لکھا ہوا فارسی قصہ گل بکاولی ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ زمانہ ہوا جب اِس کتاب خانے کے فارسی مخطوطات کا کیٹلاگ تیار کیا گیا تھا جو چھپا تھا، اِس میں بھی اِس کا اندراج موجود ہے۔ اِس مطبوعہ فہرستِ مخطوطاتِ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کے ص ۱۳۴ پر اِس فارسی مخطوطے کا اندراج ہے۔ کتاب کا نمبر ۳۱۱۰ ہے۔ غالباً یہ کیٹلاگ ایوانوف نے مرتب کیا تھا۔

ایک ریسرچ اسکالر ڈاکٹر عبیدہ بیگم نے اپنے تحقیقی مقالے "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" میں ص ۲۳۰ پر اِس مخطوطے کی ۸ر سطریں نقل کی ہیں۔ اِس سے یہ قطعی طور پر ظاہر ہے کہ گلِ بکاولی کا فارسی مخطوطہ لائبریری میں محفوظ تھا اور اِس سے ۱۹۸۰ء تک استفادہ کیا گیا ہے۔ عبیدہ بیگم کا مقالہ ۱۹۸۳ء میں چھپ چکا ہے اور میرے سامنے ہے۔ مقالہ نگار نے اپنے مقالے میں کئی جگہ لائبریری میں موجود اِس خطّی نسخے کا بہ قیدِ صفحہ حوالہ دیا ہے۔

خلاّق صاحب سے میں واقف ہوں۔ کلکتے کے دورانِ قیام اُن سے لائبریری ہی میں نیاز حاصل ہوا تھا۔ اُن سے کہیے کہ وہ مطبوعہ کیٹلاگ دیکھ کر مخطوطے کا نمبر نوٹ کر لیں اور جس طرح عبیدہ بیگم کے لیے اُسے ڈھونڈ نکالا تھا، اُسی طرح ایک بار پھر ڈھونڈ نکالیں۔ مشکل میری یہ ہے کہ

میرے کام کے سلسلے میں یہ خطّی نسخہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کے بغیر میں گلزارِ نسیم کو مرتب کر ہی نہیں سکتا۔ یہ عرض کردوں کہ اِس قصّے کے چار اور خطّی نسخوں کا علم ہے، جن میں سے دو برلن میں ہیں اور دو انڈیا آفس لندن کی لائبریری میں، مگر یہ ایشیاٹک سوسائٹی والا نسخہ یوں اہم ہے کہ بہ خیالِ غالب گل کرسٹ نے اِسی نسخے کو دیکھا تھا اور نہال چند نے اِسی نسخے کا ترجمہ ''مذہب عشق'' کے نام سے کیا ہے۔

میرے لیے کسی اور طرح اِس نسخے کے عکس کا حاصل کرنا بہ ظاہر ممکن نظر نہیں آتا، یوں میں بہ طورِ خاص عرض گزار ہوں کہ آپ زحمت گوارا فرمالیں۔ آپ کے بغیر یہ کام ہو نہیں سکے گا۔ میں اِس زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر کروں کیا، بہ قولِ غالبؔ:

نہ کہوں آپ سے، تو کس سے کہوں مدعائے ضروری الاظہار

آپ نے ازراہِ لطف خاص معرکہ چکبست و شرر کے پہلے اڈیشن کا ذکر کیا ہے۔ میرے پاس اِس کا موخر اڈیشن ہے، پہلا اڈیشن مجھے نہیں ملا۔ تحقیق کے جو اُصول ہیں، اُن کی رو سے اشاعتِ اوّل کا حوالہ دینا انسب ہے۔ اگر آپ اپنے اندازِ کریمانہ کے تحت اِس کا موقع فراہم کردیں گے کہ میں اسی اوّلین اشاعت سے عبارتیں نقل کرسکوں، تو یہ بڑی بات ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ میں سال بھر کے اندر اِس کام کو مکمل کرلوں گا اور مکمل کرتے ہی اُس نسخے کو بہ احتیاطِ تمام واپس کردوں گا، اِس کا میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں اپنے محترم سے پھر یہ عرض کروں گا کہ وہ نسخہ وہاں موجود ہے اور آپ کے خاص التفات کے بغیر مجھے اِس کا عکس کسی طرح نہیں مل سکتا۔

ہاں آپ نے اپنے پہلے خط (مرقومہ ۲۹؍جون) میں لکھا ہے: ''خلاّق صاحب نے ... اردو فارسی کے مسوّدوں کے تمام رجسٹر دیکھ ڈالے ... لیکن پنڈت دیاشنکر نسیم کی مثنوی کا کوئی اصلی یا نقل شدہ مسوّدہ موجود نہیں۔ وہ وہاں ہے بھی نہیں۔ ضرورت ہے کہ اصل فارسی قصّے کی، جس کو پہلی بار فارسی میں عزت اللہ بنگالی نے لکھا تھا، جواب تک چھپا نہیں، اور جس کا خطّی نسخہ وہاں موجود تھا (از روے کیٹلاگِ مطبوعہ) اور موجود ہے (از روے مقالہ عبیدہ بیگم) اور جس کا نام ''گل بکاولی'' ہے۔ آپ ایوانوف (غالباً یہی نام ہے) کا مرتبہ اور مطبوعہ کیٹلاگ خود بھی ملاحظہ کرلیجیے جس میں ص ۱۳۴ پر اِس کا اندراج ہے۔ میں نے آپ کو اپنے کام کے سلسلے میں بے طرح مبتلاے زحمت کیا ہے، لیکن توقع کرتا ہوں کہ آپ اِس زحمت کو گوارا فرما کر مجھے ممنونِ کرم فرمائیں گے۔ اِس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: سالک لکھنوی[۲]

دہلی

۱۴راگست ۱۹۹۳ء

آپ کے بھیجے ہوئے دونوں خط مل گئے۔ اِس الطاف بزرگانہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ واقعہ ہے کہ آپ اِس قدر زحمت نہ اٹھاتے، تو یہ عکس کسی بھی صورت میں نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی مصروفیات کا تھوڑا بہت تو مجھے علم ہے، اُس کے پیشِ نظر کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے میرے لیے اور میری خاطر بہت زحمت گوارا فرمائی۔ آپ کلکتے میں قیام پذیر ہیں طویل عرصے سے، لیکن دیارِ اودھ کی راہ و رسم سے ذرا سی بھی بے گانگی نہیں آسکی ہے اور قدیم مرکزِ تہذیب لکھنؤ کی وضع داری آج بھی آپ کے وجود کا حصہ ہے۔ کلکتہ جیسے بے کراں و بے اماں شہر میں رہ کر، اور طرح طرح کی ادبی و غیر ادبی ذمّے داریوں کو پورے آداب کے ساتھ نبھا کر رہ و رسمِ غمگساری اور آئین وضع داری کو برقرار رکھنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔

اب ایک بات لکھنا چاہتا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں لکھوں۔ اگر کسی معاصر سے سابقہ پڑتا تو مجھے ذرا بھی مشکل نہ ہوتی۔ مشکل تو یہ ہے کہ آپ جیسے کرم فرما کی خدمت میں حاضر ہوں، جو پرانے ادب آداب کے قدرشناس بھی ہیں اور قدرداں بھی، یوں برہمی کا خطرہ ہے۔ خیر، توقع کرتا ہوں کہ اگر میری یہ بات ناگوارِ طبع ہوگی، تب بھی آپ ناراض نہ ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ میری خواہش تھی کہ سوسائٹی کے پاس سے اِس عکس کے سلسلے میں جو بل آئے، وہ مجھے بھیج دیا جائے۔ یہ میری درخواست ہے۔ وہ لوگ بل تو ضرور بھیجیں گے۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس درخواست کو ترکِ ادب کے ذیل میں نہیں رکھا جائے گا۔ زحمت جس قدر آپ نے اُٹھائی ہے، اُس کے لیے کبھی وہیں حاضر ہو کر ہدیۂ عقیدت پیش کروں گا، اگر ایسا موقع کبھی آسکا۔

اب میرا یہ کام بہ حسن و خوبی مکمل ہو سکے اور گلزارِ نسیم کا متن صحیح صورت میں مرتب ہو سکے گا اور اِس میں سب سے زیادہ حصہ آپ کی کرم فرمائی کا ہوگا۔ عکس کے ساتھ معرکہ کی اشاعتِ اوّل کا حصول بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: سالک لکھنوی ؒ

۲۳/اگست ۱۹۹۳ء

سنیچر کی شام کو آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر بہت تعجب ہوا کہ میرا کوئی خط آپ تک نہیں پہنچا۔ آپ کے دونوں خط مل گئے تھے اور میں نے دونوں کا جواب لکھا تھا۔ آخری خط کا جواب نسبتاً مفصل لکھا تھا۔ میں تو اب اُس پارسل کی راہ دیکھ رہا تھا۔

صاحبِ من! آپ کو اِس سلسلے میں جس ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا، اُس کے لیے بہ صد ادب معذرت طلب ہوں؛ لیکن یہ عرض کروں کہ اِس میں میرا قصور ذرا بھی نہیں۔ ڈاک کے ڈاکوؤں کی ساری ذمّے داری ہے۔

آپ نے جس قدر زحمت گوارا فرمائی، وہ آپ کی وضع داری کی آئینہ دار ہے، اور وضع داری اب جنسِ کم یاب ہے۔ میں خوب اندازہ کرسکتا ہوں کہ آپ کو کس طرح دیکھ بھال کرنا پڑی ہوگی اور تلاش میں ہاتھ بٹانا پڑا ہوگا۔ اور پھر اجازت، یہ تو واقعی ہفت خواں تھا اور آپ کے سوا اِسے اور کوئی شاید ہی طے کرسکتا۔ آپ کی عنایتِ بے پایاں کا نقش میرے دل پر ہے۔ معترف ہوں، منت پذیر ہوں اور شکر گزار۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ایشیاٹک سوسائٹی کا بل مجھے بھیج دیجیے گا۔ آخر میں بھی تو اِس کارِ دشوار میں بہ قدرِ توفیق حصّہ لے سکوں۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ فرمائش آپ کی بزرگانہ نوازش کی نظر میں حدِ ادب کے خلاف نہیں ٹھہرے گی۔ اب میں اُس پارسل کی راہ دیکھوں گا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو ضرور مل جائے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: سالک لکھنوی ؒ

۲۶/اگست ۱۹۹۳ء

کل شام کو کوریر کا آدمی پارسل لایا۔ سچ کہوں کہ دیکھتے ہی آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی۔ کل ہی ایک لفافہ بھی حوالۂ ڈاک کیا تھا۔ اِس سے پہلے بھی دو خط بھیجے تھے؛ مگر آپ کے گرامی نامے سے یہ معلوم ہوا کہ میرا کوئی خط وہاں نہیں پہنچا۔ حیرت ہے اور تعجب! بہ ہر صورت میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کے ہر خط کا میں نے پابندی کے ساتھ جواب لکھا ہے۔ آج صبح خلیق انجم صاحب کو بھی دستی ایک خط بھیجا ہے یہ اطلاع دینے کے لیے کہ پارسل آگیا ہے۔ پچھلے خط میں اعترافِ منّت پذیری اور ادائے شکرِ نیاز مندانہ کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ اِس کی تکرار کیا کروں۔ پھر بھی عرض کروں

کہ آپ کے اِس لطفِ خاص کا نقش مرے دل پر رہے گا۔ یہ کام آپ کے سوا کسی اور کے بس کا تھا ہی نہیں۔ پارسل میں سوسائٹی والی رسید بھی تھی اور کوریر کی رسید پارسل کے ساتھ ملی۔ چند روز میں یہ رقم بہ ذریعہ منی آرڈر حاضر خدمت کروں گا۔ میرے پیر میں بہت تکلیف ہے، یوں ہوسٹل سے باہر نہیں جاپاتا۔ اِسی لیے ذرا سی تاخیر ہوگی۔ البتہ یہ طے ہے کہ ۸، یا ۱۰ر ستمبر تک منی آرڈر ضرور پہنچ جائے گا۔ آپ کی وضع داری، نوازش، غمگساری اور آپ کے جذبۂ استعانت کا معترف ہوں۔ شکریہ کیا ادا کروں، یوں کہ میں اُس کا حق ادا نہیں کر پاؤں گا، البتہ یہ ضرور عرض کروں گا میں منت پذیر ہوں اور ممنونِ کرم۔ خدا کرے یہ خط جلد تر آپ تک پہنچ سکے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: سالک لکھنوی[۵]

۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۳ء

آپ کا خط ملا تھا۔ صاحبِ من! میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں اُس عُجلت پسندی کی، جس سے آپ کو ذہنی تکلیف پہنچی۔ یقین جانیے، اگر آپ کا خط چند گھنٹے پہلے مل گیا ہوتا تو وہ گستاخی سرزد نہ ہو پاتی۔ خیر، اب تو ہوا سو ہوا، آپ کے اندازِ شفقت آمیز سے توقع کرتا ہوں کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

ایک بات دریافت طلب ہے۔ معرکۂ چکبست و شرر کے مرتب ''خلاصۃ الحکما مرزا محمد شفیع شیرازی'' کے متعلق آپ کو کچھ معلوم ہے؟ میں نے لکھنؤ میں متعدد حضرات سے دریافت کیا، کوئی کچھ بھی نہیں بتاتا۔ ڈاکٹر نیرّ مسعود نے یہ راے ظاہر کی کہ یہ فرضی نام معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کے علم میں اِن ''خلاصۃ الحکما'' صاحب سے متعلق کوئی بات ہو، تو از راہِ لطفِ خاص مطلع فرمایئے۔ بڑی تمنا ہے آپ کی خدمت میں حاضری دینے کی، دیکھیے کب کوئی صورت نکلتی ہے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط سہ ماہی ''مژگاں'' کولکاتہ کے جلد: ۷، شمارہ: ۲۵-۲۶، ۲۰۰۷ء سے نقل کیا گیا ہے۔ شمارے کے مہینوں کا پتا نہیں کیوں کہ دو اوراق جن کے صفحات ۳۸۱ تا ۳۸۴ ہیں، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں مظفر پور یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو نے بھیجے ہیں۔ خط کے اوپر دہلی یونی ورسٹی ۹۳ء-۷-۱۷ لکھا ہے جسے میں نے ۱۹۹۳ء لکھ دیا ہے۔ رشید حسن خاں اپنے نام کے نیچے بھی تاریخ لکھا کرتے تھے۔

۲۔ یہ خط سہ ماہی ''مژگاں'' کولکاتہ کے جلد: ۷، شمارہ: ۲۵-۲۶، ۲۰۰۷ء سے نقل کیا گیا ہے،

ص۳۸۲-۳۸۳۔

۳؎ یہ خط سہ ماہی ''مژگاں'' کولکاتہ کے جلد:۷، شمارہ: ۲۵-۲۶، ۲۰۰۷ء سے نقل کیا گیا ہے مگر خط کے اوپر جگہ کا نام نہیں صرف تاریخ درج ہے۔ ص۳۸۳۔

۴؎ یہ خط سہ ماہی ''مژگاں'' کولکاتہ کے جلد:۷، شمارہ: ۲۵-۲۶، ۲۰۰۷ء سے نقل کیا گیا ہے۔ اِس کے اوپر جگہ کا نام تحریر نہیں۔ لیکن خط کی عبارت ''میرے پیر میں بہت تکلیف ہے، یوں ہوسٹل سے باہر نہیں جا پاتا'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال کے کمرہ نمبر T.C.9 سے لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب کا قیام یہاں ہی تھا۔

۵؎ یہ خط سہ ماہی ''مژگاں'' کولکاتہ کے جلد:۷، شمارہ: ۲۵-۲۶، ۲۰۰۷ء سے نقل کیا گیا ہے۔ خط کے اوپر جگہ کا نام تحریر نہیں ہے۔ لیکن ''خلاصۃ الحکما'' کا ذکر ہے، اور ڈاکٹر نیر مسعود کی رائے کا بھی۔ خاں صاحب، ڈاکٹر گیان چند جین کو ۲۱/دسمبر ۱۹۹۳ء کو لکھتے ہیں: ''ہاں، معرکہ چکبست و شرر کے مرتب 'خلاصۃ الحکما مرزا محمد شفیع شیرازی' سے آپ واقف ہیں؟ میں اب تک کوشش کے باوجود ان سے متعلق کچھ معلوم نہیں کر پایا ہوں۔ ایک لکھنوی دوست نے تو یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نام فرضی تھا۔ جین صاحب کو خط دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال سے لکھا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاں صاحب اکتوبر میں وہاں ہی تھے۔

بنام سلمان احمد رباب رشیدی[1]

(۱)

دریا گنج، دہلی

۱۱رفروری ۱۹۶۰ء

برادرم!

تمھارا[2] خفگی نامہ ملا۔ بھائی[3] یہ عابدؔ صاحب کی طرح بات بات پر روٹھ جانے والا انداز کچھ زیادہ اچھا نہیں۔ میرے خط نہ لکھنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں نظر انداز کر چکا ہوں گا۔ میں اِدھر مسلسل بیمار رہا۔ آج کل بھی نزلہ، بخار، کھانسی، وغیرہ میں گرفتار ہوں۔ یہاں کے لوگ تو بہت پذیرائی[4] کرنے والے ہیں۔ لیکن یہاں کا موسم اِسی حد تک مردم بیزار ہے۔ وہ بھی کیا کرے۔ سابقہ ہے اہلِ پنجاب سے جواب دہلیؔ کے اصلی باسی ہو چکے ہیں۔ ان کے چٹیل دماغوں اور بنجر دلوں پر موسم کے ہلکے پھلکے غمزوں کا اثر تو ہوتا نہیں۔ لہٰذا[5] موسم بھی ایسے شتر غمزوں کا عادی ہو چکا ہے۔ نزلہ ہم ضعیفوں پر گرتا ہے۔ اور بھگتے ہیں۔ پھر آج کل قد اخل فصلیں یعنی موسم کی تبدیلی کا زمانہ ہے۔ اِن دنوں میں تو ویسے ہی نزلہ، زکام عام ہو جاتا ہے۔ البتہ[6] اِس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کم دماغی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اہلِ دہلی تو تنگ وتاریک مکانوں اور پیچ در پیچ گلیوں میں رہتے رہتے عادی ہو چکے ہیں۔ مجبوراً ہم جیسے خانہ بدوش[7] غریب الوطن ہی اِس ذائقہ[8] ریزش اور لطف بلغم اندازی کو برداشت کرتے ہیں۔ کریں بھی کیا۔ آچھنسے تو یا حسین۔

فریدیؔ صاحب کو ایک خط تمھارے[9] ہی پتے پر لکھا تھا۔ ۲۰، ۲۵، دن پہلے کی بات ہے۔ لیکن اِنھوں نے معلوم نہیں کب کا انتقام لیا کہ جواب دینا بھی پسند نہیں کیا۔ حالاں کہ میں حسبِ سابق بندۂ دوکان ہی ہوں۔ اگر آئیں تو کہہ دینا کہ اس اندازِ ترکانہ کی داد دینے کے لیے تو اور بہت سے بھی ہیں۔ مجھے ہی[10] پر یہ مشق ناز کیوں ہو۔

اِن کی بڑی بی تو روٹھ کر چلی گئی تھیں۔ اور اِنھوں نے نعم البدل کے اصول پر وقتی طور پر کام نکالنے کا بندوبست بھی کرلیا تھا۔ پوچھنا کہ وہ بندوبست عارضی تھا یا مستقل۔ دونوں صورتوں میں میری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

رشید[11]

(۲)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

دہلی

۱۹؍اگست ۱۹۶۰ء

برادرام!

خط[12] ملا۔ معلوم ہوا تھا کہ تم لکھنؤ گئے ہوئے تھے خاصے طویل عرصے کے لیے۔ یوں خط لکھنے[13] کی نوبت نہ آسکی۔ تم نے لکھا ہے کہ یارانِ مشاعرہ بل کل[14] سرد ہورہے ہیں۔ اِس کو بے حسّی یا جمود سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھ لیتے[15] ہو کہ آج کل برسات کا موسم ہے۔ اِس موسم میں مشاعرے ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اِس لیے لوگ خانہ نشین ہیں۔ نا اُمیدی یا مایوسی گناہ بھی ہے، اور تباہ کن بھی۔ تم برابر زبانی تحریک کرتے رہا کرو۔ یہ سوچے بغیر کہ اثر کس قدر ہوا۔ کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا۔ عارضی سرد مہری سے گھبرا کر اصول نہیں ٹوٹنا[16] چاہیے۔ مجھے دیکھو کہ برسوں اِنھی یارانِ سُست گام کے ساتھ محوِ سفر رہا۔ کبھی ان کو دوڑالیا۔ کبھی خود بھی ٹھٹک کر رہ گیا۔ لیکن نہ بات بڑھنے[17] دی، نہ راز کھلنے[18] دیا۔ اپنی کمزوری کا اظہار دوست و دشمن کسی سے بھی کرنا غیر دانش مندانہ ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان کن بھی ہوتا ہے۔ دوشنبہ کی شام کو کبھی کبھی کوکبؔ صاحب، ہمارے میاں، سے ملتے[19] رہا کرو۔ یہ بہت ضروری چیز ہے۔ اور ایسی باتوں سے بہت فائدے ہوتے ہیں۔

ہاں نظرؔ کس عالم میں ہے۔ کیا وہ نشہ اُتر تو نہیں گیا۔ اور حسبِ دستور فدویت تو نہیں طاری ہوگئی؟ میں نے نہ معلوم کس مشکل سے بیساکھیاں لگا کر دوڑانے کی کوشش کی تھی۔ وہاں اور رہتا[20] تو بلکل[21] پکا کر دیتا۔[22] خیر، تم آج ابھی سے گھبرا اُٹھے ہو۔ مجھے دیکھو کہ برسوں تک دوستوں کی بے نیازیاں، خودسری، کج خرامی، عدمِ تعاون سب کو بہ خندہ پیشانی برداشت کیا نہ پیشانی شکن آلود ہوئی[23]، نہ ردِ عمل پیدا ہوا۔ اِس کاروبار میں آدمی کو تصوّف کے اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ بھائی[24] تم میرے خط میں اپنے آپ کو رباب رشیدی نہ لکھا کرو۔ لوگ مجھ سے منسوب سمجھیں گے۔ اِنھیں حقیقت کیا معلوم۔ اور میں یہاں مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔

رشید[25]

بہارِ گل بھی ہے برسات بھی ہے[26]
میرے ہاتھوں میں ان کا ہاتھ بھی ہے

(۳)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۲؍ستمبر ۱۹۶۰ء[27]

برادرم!

تمھارے[28] دو خط ملے۔ میں پہلے تو دو ہفتے بیمار رہا۔ پھر ایک بڑے الجھاؤ میں مبتلا ہو گیا، جس سے ہنوز چھٹکارا نہیں ملا ہے۔ نہ فی الحال دو ماہ تک کوئی توقع ہے۔ الجھاؤ یہ ہے کہ میں نے اِدھر ایک مضمون شروع کیا تھا۔ ایک کتاب ہے ''قاموس الاغلاط'' جس کی اہمیت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اِس دور کے سارے زبان داں اور لغت نگار جیسے آثر صاحب، نیاز صاحب سب اسی کو کوٹ کرتے ہیں۔ اور اِس کے مندرجات کو آیت و حدیث سمجھتے ہیں۔ میں نے اِس پر ایک مفصل تبصرہ لکھنا شرع کیا۔ اِس اہتمام کے ساتھ کہ صرف اِس کتاب پر تبصرہ نہ ہو۔ بل کہ[29] ہر لفظ کے متعلق اردو، فارسی، عربی کے جتنے لغات ہیں۔ اِن سب میں جس قدر غلطیاں اِس لفظ سے متعلق ہوں سب کو واضح کر دیا جائے۔ تا کہ تحقیقی کام کرنے والوں کو ہر لفظ کے متعلق ساری معلومات ایک جگہ مل جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اِس لفظ کے متعلق کس کس لغت نے کیا کیا غلط لکھا ہے۔ اور کیا ضروری باتیں نہیں لکھی ہیں۔

اِس سلسلے میں ۴۲ لغات پیشِ نظر ہیں۔ ہر لفظ کو ان میں دیکھنا ہوتا ہے۔ دو ماہ سے مسلسل رات دن کام کر رہا ہوں اور اب تک صرف ۶۰ صفحے لکھ سکا ہوں۔ غالباً[30] دو ماہ اور لگیں گے۔ اِس بنا پر تمھارے[31] خط کا جواب وقت پر نہیں دے سکا۔

شفیق صاحب نے لکھا تھا کہ تم کوئی[32] مشاعرہ کر رہے ہو۔ بڑی اچھی بات ہے۔ ذرا اِس کی تفصیلات سے مجھے ضرور مطلع کرنا۔ بھائی[33] سب لوگ نہایت غیر ذمہ دار ہیں۔ لیکن تم کبھی کبھی کچھ کرتے رہا کرو۔ کام کرنے والے ہمیشہ ایک ہی دو ہوتے ہیں۔ اب کے ہمارے میاں آئے تھے۔ میں نے اِن سے بھی بات کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اب اگر تم اِن سے کسی مسئلے میں تعاون چاہو گے تو وہ مکمل تعاون کریں گے۔ ذرا نظر صاحب کا خیال رکھنا۔ بات بگڑنے نہ پائے مجھے کافی محنت کرنا پڑی تھی۔ ورنہ بہت رسوائی[34] ہوگی۔ آشفتہ صاحب صرف جہادِ لفظی کے ماسٹر ہیں۔ آج تعمیر مکان میں مصروف ہیں تو کیا ہوا، میں اِن کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ خیریت سے مطلع کرو۔

رشید

(۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۱۶؍ستمبر ۱۹۶۰ء[۳۵]

عزیزم!

خط ملا۔ عجیب آدمی ہو۔ تم نے یہ تو لکھا نہیں کہ ایمپلائمنٹ آفیسر صاحب نے جو نشست کی تھی، وہ کس کے اہتمام سے ہوئی[۳۶] اور اِس میں کون دخیل تھا۔ تمھارا[۳۷] صبر و ضبط اور استقلال دیکھ کر بے حد مسرّت ہوئی۔[۳۸] اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ میں اگر وہاں نہیں ہوں تو کیا ہوا۔ ایک اور مجاہد تو ہے جس کی پیشانی پیہم شکستوں یا ناکامیوں کے باوصف شکن آلود نہیں ہوتی۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ ایک ضروری بات کہنا ہے۔ جگر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ یہ بڑا حادثہ ہے۔ سارے ہندوستان میں کہرام مچا ہوا ہے۔ اخبارات میں روزانہ ہر شہر کی کاروائی[۳۹] آتی ہے کہ جلسہ ہوا تجویز تعزیت پاس کی گئی۔ شاہ جہان پور کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ کسی مناسب موقع پر یہ کاروائی[۴۰] بھی ہونا چاہیے۔ اِس سلسلے میں تم خدا پر بھروسا کر کے اور انجام سے بے نیاز ہو کر جگر صاحب کی یاد میں ایک مقامی طرحی مشاعرہ کر لو۔ جگر صاحب کے دو شگفتہ مصرعے دے دو۔ اور اکتوبر کے پہلے ہفتے میں اگر ہو سکے تو اچھا ہے۔ غالباً اِس زمانے میں میں بھی وہیں موجود ہوں گا۔ مسعود عالم اور کریم الزماں خاں صاحب اگر جگر صاحب کی شاعری و شخصیت پر کچھ کہہ دیں تو اچھا ہے۔ اگر وہاں کے حالات کے اعتبار سے یہ پروگرام ہو سکے تو ضرور کر ڈالو۔

اشفاق حسن خاں صاحب سے مشورہ کر لو۔ میں اُنھیں بھی خط لکھ رہا ہوں۔ مشن اسکول کا مشاعرہ کب ہے؟ شاعر اگر دس بھی شریک ہو جائیں تو کافی ہیں۔ زیادہ کی ہوس بے کار ہے۔

خیریت اور تفصیلات سے مطلع کرو۔ منتظر ہوں۔

رشید

(۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۲۴؍ستمبر ۱۹۶۰ء[۴۱]

عزیزم!

ابھی خط ملا۔ آج میرے ایک شاگرد نے مطلع کیا کہ اصغر خاں صاحب مع نسیم صاحب

میرے مبلغ علم اور شخصیت پر ایک جامع تبصرہ سے نوازنے والے ہیں۔ پڑھ کر ہنسی آئی۔[۴۲] ایک زمانے میں اختر صاحب نے نسیم صاحب سے میرے خلاف مضمون لکھوایا تھا۔ اب دوسرے حضرات یہ کام لے رہے ہیں۔ گویا میں اِن کے مضمون سے ادبی حیثیت سے تباہ ہو جاؤں گا۔ خوب! کیا نیک لوگ ہیں اور سادہ لوح۔ یہ شاید مجھے آج تک سمجھ ہی نہیں پائے ہیں۔ تم فوراً اِس سلسلے میں متعلقہ تفصیلات سے مطلع کرو۔ اور ابھی کسی سے اِس کا تذکرہ نہ کرنا۔ ممکن ہے یہ خبر ہی غلط ہو۔ اگر صحیح ہے تو اشفاق حسن خاں صاحب کی خدمت میں مجھے مبارک باد[۴۳] پیش کرنے کا موقع ضرور مل جائے گا۔ گویا فوراً بدلہ چکا دیا گیا۔ اُدھار نہیں رکھا۔ ممکن ہے اِس میں کچھ دوسرے باعلم اور سینیر حضرات کے دست مبارک بھی آلودہ ہوں۔

جواب جلد

رشید

(۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۱۲/اکتوبر ۱۹۶۰ء[۴۱]

عزیزم!

ہفتوں سے کچھ حال احوال نہیں معلوم ہوا۔ اخباروں میں طوفانی بارش اور سیلاب کا حال روز پڑھتا ہوں۔ گھر سے بھی کوئی[۴۲] خط نہیں آیا۔ خدا کرے سب بہ عافیت ہوں۔ تفصیلات سے مطلع کریں۔

میرا آنے کا ارادہ تھا، لیکن طبیعت کچھ ایسی پیہم خراب رہتی ہے کہ ہمت نے ساتھ نہیں دیا۔ پھر ۲۵/اکتوبر کو ۸½ بجے ریڈیو پر ایک تقریر بھی کرنا ہے۔ اِس کے سبب سے اور پروگرام چوپٹ ہو گیا۔ تقرر کا عنوان ہے "اردو غزل کا ارتقا عہد سودا سے داغؔ و امیرؔ تک"۔ تحریک کا جگر نمبر اور "آج کل" کا حالیہ شمارہ غالباً[۴۳] مل گیا ہوگا۔ فریدی صاحب سے ملاقات ہو تو سلام علیک کہہ[۴۴] دینا۔ طبیعت آج کل کچھ ایسی بے کیف اور بے مزہ ہے کہ نہ خط لکھنے کو جی چاہتا ہے نہ کچھ اور کام کرنے کو۔ بس دن بھر آرام ہی کرتا رہتا[۴۵] ہوں۔ نزلہ، بخار نے پریشان کر رکھا ہے۔ غلام احمد صاحب سے بھی سلام علیک کہہ[۴۶] دینا۔ اگر ممکن ہوا تو نومبر کے پہلے ہفتے میں آؤں گا۔ چیرمین کون ہو رہا ہے؟

میرے قدیم کرم فرما ضمیر احمد صاحب (جو دن بھر نقش فریادی بنے بیٹھے رہتے[47] ہیں) میرا سلامِ شوق کہہ[48] دو۔ یہاں ایسے لوگ نہیں ملتے[49] ہیں۔

کوئی اور سرگرمی؟

رشید حسن[50]

(۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

بی-۱، لکھنؤ روڈ، دہلی-۶

۲۶رفروری ۱۹۶۲ء

تمھارا[51] خط ملا تھا، اس سے پہلے اشفاق صاحب کا خط مل چکا تھا، انھیں مفصل جواب لکھ چکا ہوں۔ اُن کا خط پڑھ کر تم پر بہت غصہ آیا۔ اتنے دن تمھیں اِس میدان میں خاک چھانتے ہوگئے اور اتنا تجربہ نہیں ہوا کہ اس شخص سے کس طرح آغازِ سخن کیا جائے۔ اشفاق علی خاں صاحب سے جس طرح دو دو چار قسم کی ایماندارانہ بات چیت کی وہ مناسب تھی؟ اشفاق حسن خاں صاحب نے خلوص سے سب کچھ کہہ دیا اور اِنھوں نے خواہ مخواہ اِس سے بدنام کرنے کا ایک گوشہ نکال لیا۔ اشفاق حسن خاں صاحب بے چارے اگر مردِ معقول اور نیک ہیں تو تمھیں تو انھیں سمجھانا چاہیے تھا کہ ذرا احتیاط کے ساتھ گفتگو کی جائے۔ بھلا ان قلندر صفت حضرات سے اس طرح گفتگو سرسبز ہوسکتی ہے۔؟ خیر اب تو جو ہونا تھا ہوا۔ اب ذرا احتیاط سے کام لو۔ میں آج کل بہت پریشان ہوں خود بھی آج کل بخار میں مبتلا ہوں۔ گھر سے خط آیا ہے کہ میرے بچے کو ایک ماہ سے مسلسل بخار ہے۔ ڈاکٹر نے تجویز کیا ہے کہ اس کے پھیپھڑے اس حد تک کمزور ہو چکے ہیں کہ بہر وقت داغ لگ سکتا ہے۔ اِدھر بیوی صاحبہ بھی بیمار ہیں، اِنھیں کمیِ خون کی شکایت ہے۔ طبیعت سخت متوحش ہے، چھٹی مل نہیں رہی ہے، ورنہ دو چار دن کے لیے آتا۔ اور خود دیکھ لیتا۔ اس عالمِ وحشت میں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا لکھوں۔ بہرحال تم جواب برابر دیتے رہا کرو، تم تو بعض دفعہ لمبی کھینچ جاتے ہو کہ رسید ہی نہیں دیتے ہو۔ رام پور سے رشید صاحب کا خط آیا تھا اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی بس خیریت پوچھی تھی۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا رسالہ جامعہ تمھیں ملا یا نہیں، غائب تو نہیں ہوگیا۔ تم نے اس کے متعلق لکھا ہی نہیں۔ اپنی خیریت سے مطلع کرو منتظر رہوں گا۔

رشید حسن

(۸)

بنام: سلمان احمد رباؔب رشیدی

دہلی

۱ر مارچ ۱۹۶۲ء ھ۵۵

برادرم!

خط ملا، میں اب ٹھیک ہوں۔ البتہ کاموں کا ہجوم ہے۔ سارا دن کتابوں کے ورق لوٹتے ہوجاتا ہے۔ گھر سے ابھی خط نہیں آیا ہے۔ ۴ روز ہوئے جب خط آیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا تھا کہ علاج سرگرمی سے ہورہا ہے۔ بخار ابھی ہے۔ تم تو روزے رکھ ہی رہے ہوگے، میرے لیے بھی دعا مانگ لینا۔

تمھارا مطلع پڑھا، اچھا ہے، لیکن بھائی! ذرا گرم ہے، شعر کو نرم ہونا چاہیے اس سے تاثیر کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ اب کے ''تحریک'' تمھارے پاس پہنچا ہوگا، میں نے اڈیٹر سے کہلا تو بھیجا تھا۔ اِس میں ایک انتخاب ہے، میں نے مرتب کیا ہے اِس انتخاب کو اور نوٹ کو، دونوں کو پڑھنا تب اندازہ ہوگا کہ غزل کے شعر میں شعلہ بیانی کی گنجایش ذرا کم ہوتی ہے۔ تسیم درّانی صاحب سے میرا سلام کہیے، اُن کی یادفرمائی کا ممنون ہوں۔ اشفاق حسن خاں صاحب کا کوئی خط نہیں آیا، انھوں نے پچھلے خط میں حضرت تسیم شاہ جہان پوری مدظلہ العالی کا ذکرِ خیر کیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ میں انھیں بدستور برادر سمجھوں۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ مجھے اس سے انکار نہیں، لیکن صرف محفلِ مشاعرہ تک، اس کے بعد برادری ختم، یعنی خالص بناسپتی کاروبار رہے گا ممکن ہے وقت گزرنے پر پچھلے نقوش خود بخود دھندلا جائیں۔ انھیں میری یہ عدولِ حکمی گراں تو نہیں گزری ہے ذرا معلوم کرنا اور مجھے لکھنا۔ اگر وہ ناراض ہیں تو میں غیر مشروط معافی ان سے مانگ لوں گا، ان کا خلوص جو نہ کرائے کم ہے۔ اگر ان کو اصرار ہوگا تو برادر یوسف بھی بننا پڑے گا بن جاؤں گا۔ بہر یک گل زحمتِ صد خاری باید کشید۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہو۔ اگر چندؔر صاحب آتے ہوں تو اِن سے بھی میرا سلام کہنا۔ کبھی کبھی ان کی یاد بھی آجاتی ہے اور ان کے استاد کی بھی۔

رشید حسن

(۹)

بنام: سلمان احمد رباؔب رشیدی

رضا لائبریری، رام پور

۸ر ستمبر ۱۹۶۲ء [۵۷]

برادرم!

کل خط ملا، پڑھ کر بے حد تشویش ہوئی کہ تم بیمار ہو۔ خدا صحت کامل عطا کرے۔ میں اسی ماہ میں کسی دن آؤں گا۔ خدا کرے تم اس وقت تک بہمہ وجوہ صحت یاب ہو چکے ہو۔ پرسوں استاد رشید احمد خاں صاحب لائبریری میں تشریف لائے تھے، ملاقات ہوئی۔ بلا گئے تھے۔ لیکن میں ابھی تک جا نہیں سکا ہوں، مصروف ہوں۔ پروگرام یہ ہے کہ صبح ساڑھے سات بجے صولت لائبریری میں جاتا ہوں، ۱۰ بجے وہ بند ہوجاتی ہے، ساڑھے ۱۰ بجے سے ساڑھے ۴ بجے تک رضا لائبریری میں مسلسل کام کرتا رہتا ہوں، پھر ساڑھے ۵ بجے دوبارہ صولت لائبریری جاتا ہوں اور وہاں سے ۸ بجے واپسی ہوتی ہے۔ تھک کے چور ہوجاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سر پھٹا جا رہا ہے۔ اِس کے بعد کھانا کھاتا ہوں اور پھر ٹہلنے کی بھی سکت نہیں ہوتی ہے، دیکھو چھٹی کے دن جاؤں گا۔ یہاں غائبانہ قدر دانوں کی ایک بڑی تعداد نکل آئی، جن میں بوڑھے بھی ہیں اور نوجوان بھی، اس خیال سے کہ ملاقات میں وقت بہت تباہ ہوگا۔ کسی سے نہیں ملا ہوں، بل کہ لائبریری میں کہہ دیا ہے کہ کوئی صاحب پوچھیں تو کہہ دیا جائے کہ موجود نہیں ہیں۔ جس دن سارا کام مکمل ہو جائے گا، اس دن صبح سے شام تک سارے آستانوں پر حاضری دوں گا۔ یہاں صولت لائبریری میں بعض حضرات نے ایک لکچر کا انتظام کیا تھا اور بہت اصرار تھا، میں نے اس بنا پر انکار کردیا۔ البتہ یہ وعدہ کرلیا ہے کہ اس ماہ کی آخری تاریخ کو میں لکچر دوں گا کیوں کہ اس وقت تک کام بڑی حد تک مکمل ہو چکا ہوگا۔

اپنی خیریت سے مطلع کرو، ورنہ تشویش رہے گی۔ ہاں بھائی میں اکتوبر کے شروع میں اگر آیا، تب تو کچھ سردی پڑ چلے گی۔ نسیم صاحب والی دعوت میں اس موسم کا لحاظ تو تم رکھو ہی گے۔

رشید حسن

(۱۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

رضا لائبریری

قلعہ، رام پور

۱۷ر ستمبر ۱۹۶۲ء [۵۸]

عزیزم!

تمھارا خط ملا۔ بھائی تم ایسی مایوسانہ باتیں مت لکھا کرو، سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ابھی تو تم

نے ٹھیک سے دنیا بھی نہیں دیکھی ہے اور ابھی سے یہ پیرانہ سالی کی باتیں!! صحت خراب رہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی ولی ہونے کا دعوا کرنے لگے اور ترکِ دنیا پر آمادہ ہو جائے۔

بدھ کے دن تمھارے استادِ مکرم رشید صاحب نے ازراہِ کرم شام کے کھانے پر بلایا تھا، گیا تھا۔ خاصا اہتمام کیا تھا، جی خوش ہو گیا۔ لیکن استادی یہ کی کہ کسی شاگرد کو نہیں دکھایا، کہ کچھ کلام بھی سنتا۔ بے حد اخلاق سے پیش آئے۔ پھر انھیں کے ساتھ ایک جگہ چار بیت کے ایک جلسے میں گیا۔ خاصی تفریح رہی۔ بھائی! اب یہاں لوگوں نے گھیرنا شروع کر دیا ہے۔ کل رضا ڈگری کالج کے پرنسپل آئے تھے، عرشی صاحب کو درمیان میں ڈال کر وعدہ لے گئے ہیں کہ پرسوں جمعرات کے دن ان کے کالج میں ''اردو ادب کے جدید رجحانات'' پر تقریر کروں، کیا کروں بھگتوں گا۔ اس کے بعد صولت لائبریری میں تقریر کرنے کے لیے بھی مجبوراً وعدہ کرنا پڑا۔ تین اور شعرائے کرام سے وعدہ کرنا پڑا کہ ان کے یہاں حاضری دوں گا۔ ان میں سے ایک تو نہایت معقول آدمی ہیں راز یزدانی صاحب، کل دو گھنٹے تک بیٹھے رہے۔ معلوم نہیں ان اللہ کے بندوں کے کان میں کون جا کر کہہ آیا کہ ایک کرایہ کا ادیب دہلی سے آیا ہوا ہے، چلو گھیرو، جانے نہ پائے۔ پھر سوچتا ہوں کہ یہ ''کانٹے'' اپنے وطن کے بعض ''پھولوں'' سے تو نہیں ہیں، کہ خلوص و محبت اور اعتراف کے ساتھ دامن کھینچتے ہیں ورنہ نہ معلوم کتنے لوگ اس لائبریری میں آ کر چلے جاتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرو۔ یہاں متعلقین اور خصوصاً تمھارے خط کا انتظار رہتا ہے کہ ذرا جی بہل جاتا ہے ورنہ سارا دن پرانی کتابیں اور ان سے بھی زیادہ پرانے چہرے دیکھتے ہو جاتا ہے، کیا نامعقول شہر ہے۔ پرسوں سے کچھ طبیعت بھی خراب ہے، نزلہ ہوا تھا، بخار آ گیا، آج بھی ہے لیکن کم۔ اپنی خیریت سے مطلع کرو۔

ہاں ۱۲ر کی شب میں تم نے ریڈیو پر میری ایک تقریر سنی ہوگی؟

رشید حسن

(۱۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۶

۴ر جنوری ۱۹۶۵ء ۵۹

عزیزم!

خط ملا، مجھے امید ہے کہ رونق صاحب کی بزمِ سخن منعقد ہوئی ہوگی اور وہی گنتی کے چند غم گسار

جمع ہوئے ہوں گے! شعر پڑھے۔ دوسرا شعر اچھا اور بہت اچھا ہے جس کا دوسرا مصرع یہ ہے: آخر مرے مذاقِ تجسّس کو کیا ہوا۔ لیکن بھائی! یہ بات قابلِ غور ہے کہ جستجوے نقشِ قدم کو ذہن سے کیا علاقہ؟ یوں بھی ''جو ذہن میں'' یہ ٹکڑا زائد ہے، مفہوم جزوِ اوّل ''ہے جستجوے نقشِ قدم ہی'' سے مکمل ہو جاتا ہے۔

مطلع خوب ہے لیکن اس میں ''نگاہ ناز'' کی تخصیص محلِ نظر ہے۔ کیوں کہ نگاہِ ناز کو کسی اور ٹکڑے سے ربط نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو لفظ آئے، وہ کسی مناسبت سے آئے۔ نگاہ تو ٹھیک ہے کہ ان کی نظر میں یا نگاہ میں وہ بھی برا ہو۔ لیکن ''ناز'' کی تخصیص یوں روا نہیں کہ ناز کا کوئی تعلق یا مناسبت کسی لفظ سے نہیں واقع ہوتی۔ ہاں اگر مصرعِ اوّل میں کوئی ایسی بات کہی گئی ہوتی جس میں ناز سے تعلق کا کوئی پہلو نکل سکتا، تو البتہ یہ ترکیب برمحل ہوتی۔ بالفرض یہاں ''نگاہ بدگماں'' ہوتا تو مناسب تر ہوتا، یا اس سے ملتا جلتا کوئی مرکّب، کہ پہلے مصرعے اور مفہومِ شعر سے بدگمانی کا ربطِ کامل ہوتا۔

اس کے علاوہ ایک نسبتہً نازک پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں: دوسرے مصرعے کی ردیف بھی قابلِ لحاظ ہے۔ اس کی نثر کرو تو یوں ہوگی کہ ''وہ بھی ان کی نگاہِ ناز میں برا ہوا'' اب خود سوچو کہ یہاں ''ہوگیا'' کا محل ہے کہ نہیں؟

اس رشکِ صد بہار تک.... برادر! یہ شعر تو کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ فضا میں زلف کی خوشبو سونگھتا ہوا پہنچ گیا۔ یہ اندازِ بیان برا بھی ہے اور ناتمام بھی۔ تعقید اس کے علاوہ۔ ''میں'' بہت بعد میں واقع ہوا ہے۔ مفہوم بھی بس یوں ہی سا ہے، کوئی ندرت ہوتی تو خیر رعایت کی جاسکتی تھی۔ پھر اِسے نہ عمل سے علاقہ ہے نہ خیال سے۔ فضا میں زلف کی خوشبو سونگھنا سے کوئی مفہوم متشکل نہیں ہوتا۔ آخری شعر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر ہر پردہ بیچ سے اٹھا ہوا ہے تو پھر ''جانا'' قابلِ ذکر کیا ہوا؟ اگر متعدّد پردے پڑے ہوئے ہوتے اور پھر جاننے کا دعوا کیا جاتا تو ایک بات بھی تھی۔ ''میرے تیرے بیچ اٹھا ہوا'' یہ زبان بھی اچّھی نہیں ہے۔ تم سے تو میں اس سے اچّھے شعر سن چکا ہوں جن کی زبان اِس سے زیادہ صاف تھی۔ مثلاً حسرت ہے زیادہ والی غزل۔ اصل بات یہ ہے کہ تمھارا مفہوم اِس شعر میں خاصا الجھ کر رہ گیا ہے جو کچھ کہنا چاہتے ہو، وہ ادا نہیں ہوسکا۔ طنز میں یہی تو مصیبت ہوتی ہے کہ شاعر کے ذہن میں سارے مقدّمات منضبط ہوتے ہیں وہ ان کے سہارے یہ فرض کرلیتا ہے کہ مفہوم پوری طرح ادا ہوگیا لیکن چوں کہ دوسروں کے سامنے وہ سارے رموز نہیں ہوتے، اِس لیے وہ الجھتے ہیں۔

تم نے تو دو شعروں کے بجائے: چار شعر لکھنے پر معذرت کی تھی، میں ان چار شعروں کی داد یا بیداد پر اِس قدر خامہ فرسائی پر کیا کہوں، بہر حال آج ذرا سی فرصت میسّر آ گئی تھی، جی چاہا کہ چند باتیں لکھ دوں، بھائی! برا نہ ماننا، یہ اعتراض نہیں، اظہارِ خیال ہے، یہی اظہارِ خیال جب دوسروں کی زبان سے ادا ہوگا تو اس کی صورت بدل جائے گی۔

خیریت سے مطلع کرتے رہو اور خطوں سے بھی۔ ہاں وہ رسائل والی اسکیم کا کیا ہوا؟

رشید حسن

(۱۲)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

C-11/11 ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹

۴؍جولائی ۱۹۶۵ء ۶۰؁

برادرم!

دو خط ملے۔ بھائی! کیا بتاؤں، بچّوں کو کیا لایا کہ پریشانیوں کا طومار خرید لیا۔ اس سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اب معلوم ہوا کہ جو کچھ ہے وہ بس اللہ میاں کا دیا ہوا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پہلے ہر چیز ضرورت سے کچھ زیادہ نظر آتی تھی، اب اندازہ ہوا کہ ضرورت سے بہت کم ہے، نتیجہ یہ ہے کہ روز بازار کا پھیرا ہوتا ہے، جیسے صبح صبح عیدگاہ کے فقیر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کچھ نہ کچھ بغل میں دبا کے چلے آتے ہیں۔ وہی میرا حال ہے۔ اب وہ دن یاد آتے ہیں جب دن بھی اپنے تھے اور راتیں بھی اپنی تھیں۔ وقت بھی اپنا تھا، جیب بھی اپنی تھی اور منصوبہ بندی بھی۔ اب کوئی چیز اپنی نہیں۔ جب سے آیا ہوں، اسی قسم کی مرثیہ گوئی کے سوا کوئی کام نہیں کرسکا ہوں۔ آٹے دال سے لے کر خالی ڈبوں اور بھری بوتلوں تک، اور فرش سے لے کر، میز پوش تک بل کہ تہ پوشی تک، سب کی تلاش رہتی ہے، آج یہ لایا، کل وہ لایا۔ پھر بھی نجات نہیں۔ بس ننانوے کا پھیر ہے۔ بھلا سوچو تو، دردسری، ہرن پر گھاس لادنا اور کسے کہتے ہیں۔

پہلی تاریخ کیا آئی، گویا تعطیل کے بعد کچہری کھل گئی۔ فرمایشوں کا وہ طوفان کہ خدا کی، نہیں نہیں، شیطان کی پناہ۔ یہ آیا، وہ گیا، اسے رکھا، اُسے اٹھایا۔ لاحول ولا قوۃ۔ بس انتہا یہ ہے کہ آج مجھے آئے ۱۲ دن ہوگئے ہیں اور ابھی تک کافی ہاؤس نہیں جاسکا ہوں۔ بے چارگی کی معراج اور کیا ہوگی۔ کچھ کچھ ہمدردی کی لہر اٹھی؛ خط میں روپوں کی تفصیل درج تھی، اسے محفوظ کرلیا۔ آج سے دنیا کے کام کا آغاز کیا ہے، اِس خط کے ساتھ ہی ایک خط بمبئی لکھ دیا ہے نوائے ادب کے لیے۔ یہ

سہ ماہی تحقیقی رسالہ ہے۔ آج ہی تحریک، آجکل، نیا دور اور ہماری زبان کو خط لکھے جائیں گے۔

ایک امر ذرا تامل کا باعث ہے۔ یہاں آکر دو تین حضرات سے جو ایسے معاملات سے متعلق رہے ہیں، گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ پاکستانی رسائل کا مسلسل حصول نسبتہً مشکل مسئلہ ہے۔ بہ راہِ راست چندہ بھیجنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ بالواسطہ ہو سکتا ہے، یہ واسطہ کبھی کبھی بہت مہنگا پڑتا ہے۔ بہر حال مزید گفتگو کر رہا ہوں۔ البتہ نقوش کو میں نے خط لکھ دیا ہے اور اسے جاری سمجھو۔ یہاں پابندی سے صرف ایک رسالہ افکار آتا ہے، مکتبہ جامعہ میں۔ وہاں سے ہر ماہ مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے، اس کا فیض نمبر آیا ہوا ہے، چوں کہ سالانہ چندہ بھیجنے کی کوئی صورت نہیں، اس لیے ہر شمارہ خریدنا پڑے گا اس بنا پر فیض نمبر کی بھی قیمت علاحدہ سے دینا ہوگی۔ ذرا اقبال صاحب سے پوچھ کر لکھو اگر وہ کہیں تو اسے بھی بھیج دوں۔ بہر حال، اب صورتِ حال یہ ہے کہ جولائی سے تم خریداری کا آغاز سمجھو۔ بعض رسائل اگست سے آئیں گے، سب آئیں گے تمھارے پتے پر۔ تم تقسیم کر دینا۔ اور ایک کاپی بنالو، ہر ماہ پابندی سے یہ لکھو کہ کون سا رسالہ ملا، جولائی ۶۶ء میں حساب کر دیا جائے گا کہ کس قیمت کے رسالے تم کو ملے، اور کچھ باقی رہ گیا یا واجب الادا ہے۔ گویا کسی شخص کا رسالہ نہیں ہے۔ سب کے مشترک رسائل ہیں۔ اگر یہ مناسب نہ ہو تو فوراً لکھو تاکہ میں الگ الگ پتے پر بھجوانے کا انتظام کروں۔ میں تمھارا خط آنے پر ذرا مفصل خط لکھوں گا جس میں بعض اور امور کا بھی ذکر ہوگا۔ اشفاق صاحب کو ضرور ممبر بنالو۔ خط کا انتظار، جلد۔

رشید حسن

ہاں اس خیال سے کہ کام نہ رُکے، ایک پیکٹ رجسٹرڈ بھیج رہا ہوں۔ اس میں صرف نقوش تمھارا ہے، باقی رسائل میری طرف سے ہیں۔ اگلے ماہ سے سارے رسائل تمھارے آئیں گے، ان میں سے کوئی رسالہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیکٹ وصول کر کے اطلاع دو اور آج ہی سے تقسیم کر دو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہ رسالے اُس حساب میں نہیں ہیں۔ اُس حساب میں اگلے ماہ یعنی یکم اگست سے آنا شروع ہوں گے البتہ نقوش کو ابھی سے شامل کر لو، یہ میرا شمارہ ہے۔ میں نے مدیر کو لکھ دیا ہے کہ وہ خریداری نمبر پر رسالہ جاری کر دیں میں نے ان کے ایک معتمد کو -/20 دے دیے ہیں۔ رسالہ میرے پاس آتا رہے گا۔ یہ رسائل ارسال کر رہا ہوں: جامعہ، تحریک، ساقی، فاران، نیا دور، چٹان، شیرازہ، نقوش، نگارش، نگار۔

ایک کتاب ریویو کے لیے آئی تھی، وہ بھی تمھارے لیے ملفوف ہے، تابش دہلوی آج کل کراچی ریڈیو اسٹیشن میں نہایت اہم جگہ پر ہیں اور میرے ملاقاتی ہیں۔

ہاں ہفتہ وار نشست ہو رہی ہے؟ اگر نہ ہو رہی ہو تو اسے فوراً جاری کردو۔ مسعود عالم صاحب کی تقریر کا کیا ہوا؟

(۱۳)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۹
۲۳/اگست ۱۹۶۶ء

برادرم!

کئی خط ملے۔ تمھاری وضع داری اور اپنی کوتاہی پر جب بھی غور کرتا ہوں تو انفعال ہوتا ہے۔ ان مصروفیات کا خانہ خراب ہو، اِنھوں نے نہ معلوم کتنے معقول لوگوں سے اور کتنی بار شرمندہ کرایا ہے، اور خدا جانے ابھی اور کتنی بار ایسا ہوگا۔ کیا بتاؤں، سخت مبتلائے کشمکش رہتا ہوں۔ یہاں کی مصروفیتیں جن کو الجھنیں کہنا زیادہ مناسب ہوگا، بے طرح زچ کرتی رہتی ہیں۔ ہر روز ایک نیا سمینار، کوئی میٹنگ، کوئی ادبی بزم آرائی، اور اسی قسم کی عافیت آشوب اُلجھنیں۔ پھر احباب، طلبہ اور ریسرچ کے ہنگامے۔ توبہ توبہ۔ لیکن بھائی، جب بھی کسی کا خط آتا ہے تو خواہ جواب فوراً نہ لکھ پاؤں، لیکن اسے فوراً پڑھتا ضرور ہوں اور کچھ دیر کے لیے یگانگت اور خلوص کی فضا میں پہنچ جاتا ہوں۔ تم خط اتنا مختصر لکھتے ہو جیسے سرکاری لگان کی دوسطری رسید۔

ہاں بھائی، پچھلی غزلوں کا ذکر اب کیسا، اُنھیں تو مرحوم سمجھو، اور اب اُنھیں میں سے یا نئی غزلوں میں سے صرف ایک غزل لکھو، اب کے جواب فوراً لکھوں گا اور مفصل لکھوں گا، آیندہ بھی صرف ایک غزل ایک خط میں لکھو۔

خالد علوی صاحب کیسے ہیں، ان سے کہو کہ وہ مجھے ایک خط تو لکھیں، جس میں خورشید کی پڑھائی کا کچھ ذکر مذکور ہو۔ اور اپنی کوئی تازہ غزل بھی لکھ دیں۔ فاروق کے جانے کا مجھے غم ہے اور بہت۔ میں نے بالکل آخری لمحے میں انھیں روکنا چاہا تھا لیکن ناکام رہا۔ خدا کرے انھیں نئی فضا راس آجائے، ذرا اُن کا پتا تو لکھو، ان کی کمی مجھے ہمیشہ محسوس ہوا کرے گی۔ خدا جانے اب وہ کب آئیں گے۔ اُن کو لکھو کہ جب وہ شاہ جہاں پور آنے کا پروگرام بنائیں تو مجھے ضرور لکھیں۔ عین ممکن ہے کہ میں بھی انھیں دنوں آجاؤں، ورنہ ویسے ان سے ملاقات بہ مشکل ہو سکے گی۔

تازہ حالات؟

ہاں کل ایک صاحب نے میکش کا ایک بے مثل شعر سنایا۔ تم بھی سنو اور وجد کرو:

بوئے گُل، رنگِ چمن، اور یہ عمرِ گوراں
سب ٹھہر جائیں گے، اُس کو کوئی روکے تو سہی

زمین بھی کیا اچھی ہے۔ ابھی نقوش کا سال نامہ آیا ہے دو جلدوں میں۔ ایک جلد غزلوں پر مشتمل ہے اور افسانوں پر، اب کے اس میں خاصے اچھے شعر ہیں مثلاً:

اُس کی ہر جنبشِ نگاہ کے ساتھ　　رُخ بدلتی گئی بہار اپنا

بہار میں بھی نہیں کوئی شاخِ گُل محفوظ　　چمن کا حسن ہے مفلس کی آبرو کی طرح

کوئی آتا جاتا مل گیا تو فراق نمبر اور یہ نمبر دونوں بھیج دوں گا۔ خیریت سے مطلع کرواپنی بھی اور اوروں کی بھی۔

رشید حسن[۶۲]

(۱۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
E2/16 ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹
۹/ اکتوبر ۱۹۶۶ء

برادرم!

دو خط مل چکے ہیں۔ اپنی بے توفیقی پر نادم ہوں۔ مکان بدلنے کے سلسلے میں سخت پریشانی رہی۔ اب اس کو ایک مہینا ہونے کو آیا ہے لیکن ہنوز نہ دل لگا ہے نہ نظر جمی ہے۔ اسی کشمکش اور پیچ و تابِ خیال میں یہ اتنے دن گزر گئے کہ ایک سطر کسی کو نہیں لکھ سکا۔ فاروق کا خط بھی رکھا ہوا ہے، آج رات میں اس کا جواب بھی لکھوں گا۔

بھائی، تم شکایت نہ کیا کرو اگر مجھ سے تاخیر سرزد ہو، اس قدر مصروفیات میں پابند رہتا ہوں کہ معاذاللہ۔ ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں۔ زیادہ وقت اسی قسم کی سوچ بچار میں گزر جاتا ہے۔

پچھلی غزل سامنے ہے، مسلسل غزل۔ ایک محلِ نظر بات تو یہ ہے کہ مختلف اشعار میں ضمیر مختلف ہے، کہیں 'میں' اور کہیں 'ہم'۔ اس سے غزل کے اندرونی تسلسل پر حرف آتا ہے۔ میں صرف شخصی یا ذاتی مشکلات کی نمایندگی کرتا ہے اور ہم پوری نسل کی۔ جن الجھنوں کا ذکر غزل میں ہے وہ اس وقت ہمہ گیر ہیں۔ اِس لیے ہم کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ یوں بھی ہم سے غزل کے لہجے میں

گیرائی اور وسعت آجاتی ہے۔ میں بھی آسکتا ہے لیکن اِس کے لیے ذرا لب ولہجہ بدلنا ہوگا اِس طرح کہ ذاتی تاثرات شامل ہو جائیں اور عام اُلجھنیں، خاص شکل سے عکس ریز ہوں۔

ابھی یہ سوچتے ہیں کیا کریں ہم   ابھی دم بھر میں لاکھوں مشغلے ہیں

یہ دراصل پوری نئی نسل اور پورے سماج کی مشکل ہے۔ یہ ''لاکھوں مشغلے'' بھی دراصل فریبِ نظر یا جھوٹی تسکین ہی کا ایک روپ ہوتے ہیں، ورنہ اِس وقت ''کیا کریں ہم'' ذہنوں پر بے طرح چھایا ہوا ہے۔ حالات کی مشکل پسندی نے زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے اور معمولات کی سنگینی نے عمل وفکر دونوں کو مفلوج سا بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ خیال اس شعر میں اور اس سے پہلے کے شعر میں بڑے سلیقے سے ادا ہوا ہے۔ ایک دوسرا عیب یہ ہے کہ غزل کے چند اشعار ہیں لیکن اسلوب بدل گیا ہے۔ مندرجۂ بالا شعر اور اس سے ملتے جلتے اشعار کے بعد جب اچانک یہ شعر آتا ہے کہ ''ابھی میں خود انھیں سمجھا رہا ہوں....'' تو سارا تاثر اچانک ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ ہمہ گیر انسانی مشکل پسندی کا احساس، محدود انفرادی غم کی سطح پر اتر آتا ہے بل کہ[۶۳] گر پڑتا ہے، یہی حال مطلع کا ہے کہ وہ بھی باقی اشعار کے عمومی مفہوم سے میل نہیں کھاتا اور محض انفعالی رومانیت تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب کہ باقی اشعار کا دائرۂ اثر وسیع تر ہے۔ غزل اچھی ہے، مجھے پسند بھی ہے، لیکن جی چاہتا ہے کہ خوب کے بجائے خوب تر ہو۔ تعریف تو دوسرے کریں گے ہی، میں وہ باتیں کہنا چاہتا ہوں جو دوسرے نہیں کہیں گے، لہٰذا میری تحریر کی تحسین وتنقید سے الگ سمجھ کر، پڑھا کرو۔ ہاں تازہ غزل لکھو۔ مجھے اُمید ہے کہ آیندہ ایسی مسلسل غزلوں میں اِن امور کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

فاروق کا شعر واقعی پسند آیا۔ اِن کو خط لکھنا تو میری طرف سے بھی اس شعر پر اظہارِ پسندیدگی کر دینا۔ محمد احمد کیسے ہیں۔ خیریت سے مطلع کرو۔

مخلص

رشید حسن خاں[۶۴]

ہاں بھائی! اب میں سنجیدگی کے ساتھ نذر مرحوم کے متعلق سوچ رہا ہوں اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ اس مرحوم کا سارا کلام تم جمع کر لو جلد از جلد اور مناسب انتخاب کے بعد اِسے میں اپنی طرف سے شائع کرا دوں۔ مرتب کی حیثیت سے تمھارا نام ہوگا اور شروع میں ایک مضمون بھی تمھارا ہوگا حالاتِ زندگی سے متعلق۔ پھر مختلف معقول لوگوں کے تاثرات ہوں گے۔ ان لوگوں کے نام بھی تمھیں طے کرو گے۔ طے کر کے مجھے اطلاع دو گے۔ اس کی کتابت طباعت میرے اہتمام سے اور میرے صرف سے ہوگی۔ لیکن یہ کام جلد تر کرنا ہے، تم ان کے والد سے مل کر یہ معلوم کرو کہ ان کا

کلام کہاں ہے اور اس کی ایک مکمل نقل تیار کر کے مجھے بھیج دو، میں نے یہاں کتابت وغیرہ کی گفتگو مکمل کرلی ہے۔ اس میں تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔ اِس سلسلے میں تم اگر کوئی مشورہ دینا چاہو تو ضرور لکھو۔ نسیم کا خط بھی آیا تھا۔ ابھی جواب نہیں دیا ہے۔ اور ایک کتابچہ بھی آیا تھا۔ نذر مرحوم کا حق مجھ پر اور تم پر دونوں پر ہے اور یہ ضروری ہے کہ ہم دونوں اِسے جلد سے جلد ادا کردیں، ورنہ یہ بڑے شرم اور رسوائی کی بات ہوگی اور لوگ ہنسیں گے۔ چشم براہ ہوں۔

(۱۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

E2/16 ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹

۶/ مارچ ۱۹۶۷ء

سلمان صاحب!

بے حد عجیب خط لکھتے ہیں آپ، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ جواب کس خط کا ہے۔ میرے اوپر دو خطوں کے جواب واجب ہیں، ایک پوسٹ کارڈ، جس میں غزل تھی، ایک لفافہ، پہلے لفافے کا جواب قبول ہو!

موجِ نسیم پر تبصرے کے آخر میں یہ عبارت ہے: ''تعمیل حکم کر رہا ہوں''۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ کس کے حکم کی تعمیل ہے، میں نے تو اس طرح کا کوئی حکم کبھی دیا نہیں، نہ فرمائش کی تھی۔ ذرا اس کی صراحت کیجیے۔ مزید غضب یہ کیا کہ میں نے اپنے خط میں جو ضروری باتیں لکھی تھیں، اِن کا جواب سرے سے ندارد، اب میں حیران ہوں۔ حضرت! میں نے تو یہ لکھا تھا کہ کلام نذر کی کتابت شروع کرنا چاہتا ہوں، اِس سے اطلاع دیجیے کہ مرحوم کا کچھ اور کلام تو کہیں نہیں جو شامل کیا جائے، اور یہ کہ تم کو ایک مقدمہ لکھنا ہے، سو دونوں باتوں کا جواب غائب۔ نتیجہ یہ ہے کہ کاتب دوبار واپس جاچکا ہے۔ پہلے آپ ان امور کا جواب لکھیے۔ چشم براہ ہوں۔

اور ہاں بھائی، یہ چن چن کر وہی شعر تبصرے میں درج کیے ہیں جن پر میں نے اپنے لیے نشان لگائے تھے، مجھے بھی آپ کہیں کا رہنے دیں گے یا نہیں!

اب خط کا جواب: مطلع واقعی اچھا ہے۔ دوبار سبحان اللہ۔ دوسرا شعر: پروان چڑھ رہا ہے جنوں..... یہ نہیں جما۔ پھر سے کہیے۔ دونوں مصرع دولخت سے معلوم ہوتے ہیں اگرچہ ایسا ہے نہیں، لیکن محذوفات کچھ زیادہ ماننا پڑتے ہیں، اِس لیے اچھا یہ ہے کہ ان دونوں مصرعوں پر دو مزید نئے مصرعے لگا کر دو شعر بنا لیے جائیں۔ مقطع بھی نظرِ ثانی کا متقاضی ہے۔ شعر کے نئے پن سے

متاثر نہ ہونا چاہیے۔ جسموں پہ گمنامیوں کی چادریں ڈال کر، یہ بہت نامانوس طرز ادا ہے۔ یہی حال تہ میں دبنے کا ہے، زمین اچھی ہے، مجھے پسند ہے۔ شعر بھی اچھے ہیں لیکن ابھی اِس میں ان تبدیلیوں کے علاوہ، چند مزید اشعار کی گنجایش ہے اور ضرورت بھی۔ اب میں اِس غزل کی نظرِ ثانی شدہ صورت کا منتظر رہوں گا۔

دیکھیے جناب، یہ بار بار چشم نمائی اور ضرورت سے زیادہ سختی اس لیے ہے کہ میں تم کو، دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے ممتاز دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اِس کی صورت صرف یہ ہے کہ بہت زیادہ محنت اور توجہ سے کام لیا جائے۔ تم کو خود بھی اس کا ہر وقت احساس رہنا چاہیے کہ باقی صاحبزادگان سے ممتاز حیثیت حاصل رہنا چاہیے اور وہ حیثیت نمایاں بھی ہو اور اس کے لیے پیہم ریاضت درکار ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم میرا اصل مفہوم بخوبی سمجھ چکے ہوگے۔ نئی غزل کا بھی منتظر ہوں۔

ہاں میاں، یہ نسیم بے چارے پر کیا گزری؟ ذرا اس کا کچھ حال احوال تو لکھو۔ محمد احمد سے سخت شکایت ہے کہ انھوں نے شادی کا دعوت نامہ بھی نہیں بھیجا۔ ارے بھائی، میں شریک ہونے کے لیے اُدھار کھانے تو بیٹھا نہیں تھا، آخر ایسی بھی کفایت شعاری کیا، بہرحال، میں اپنی وضع داری کیوں چھوڑوں، میری طرف سے پُر خلوص مبارک باد پیش کردو، اب تو دامن کے چاک اور گریباں کے چاک کا فاصلہ ختم ہو چکا ہوگا۔ مجھے تسکین یہ ہے کہ اب اِن کے یہاں بھی کبھی کبھی چاے پینے کی تقریب تو پیدا ہوتی رہے گی، یہی بہت ہے۔ شاغل کیسے ہیں، ان سے کہو کہ کوئی نئی غزل بھیجیں۔ بات یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر اسی طرح تم لوگوں سے باتیں کرنے کو مل جاتی ہیں اور ذہنی فاصلہ کم ہوتا رہتا ہے۔ ساغر آج کل کہاں ہیں۔ خالد علوی نے بھی دنوں سے کوئی خط نہیں لکھا۔ برادر! میری کوتاہ قلمی پر یہ لوگ کیوں زہر کھاتے ہیں۔ یہاں واقعۃً ایک سر و ہزار سودا والی بات ہے، خدانہ کردہ یہ لوگ تو ابھی اس قدر سرگرداں نہیں، پھر کم نگاہی کیوں؟

رشید حسن

(۱۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۲۹ر مارچ ۱۹۶۸ء

برادرم!

میں اب پہلے سے بہتر ہوں، لیکن بھائی، یہ تم کو کیا آزار لگ گیا، ابھی تو اور بہت سے آزار

راہ دیکھے رہے ہوں گے، ان سے آخر کیسے نپٹو گے۔ خدا کرے اب بعافیت کامل ہو، اور میاں، افسردگی سے مفر کہاں اور کسے، یہ تو اب سب سے بہتر رفیق و غم گسار ہے، لہٰذا اس کا شکوہ نہ کرو، ڈرو اس دن سے جس دن افسردگی بھی نہیں رہے گا۔ عندلیب شادانی نے کیا اچھا شعر کہا ہے:

ہائے وہ حال کہ دل درد سے خالی ہو جائے   اب میں سمجھا کہ یہ مفہوم ہے ویرانے کا

تو بھائی، اس ویرانے سے تو دل افسردہ ہیں بھلا۔

اور میں پردہ داری نہ کروں تو کروں کیا۔ زمانے کی نظرِ خوب پہچانتا ہوں، آخر زندہ تو رہنا ہے، تمھاری طرح سے پہلے ہی توبہ استغفار کیوں کرنے لگوں اور بالکل نقش فریادی بن کر رہ جاؤں۔ تم کو تو اللہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے، اور تم نے بھی تو سارے جہاں دیدہ اور اہلِ نظر بزرگوں کا پڑاو بنا رکھا ہے اپنے یہاں، تو پھر نظر تو لگے ہی گی، لیکن مجھے اصل غم یہ ہے کہ اب تم اور باتوں میں الجھ کر مشقِ سخن کی طرف سے غافل ہوتے جا رہے ہو۔ میں آج نہایت سنجیدگی کے ساتھ تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اب تمھاری طرف سے سخت پریشانی اور خطرہ ہے، ادھر تم نے جو غزلیں بھیجیں، ان سے صاحب صاف یہ نمایاں تھا۔ مجھے بے حد قلق ہے۔ تم نے توجہ کم کر دی ہے اور دل لگا کر اور نظر جما کر کام کرنا چھوڑ دیا ہے، تازہ غزل اس کی سب سے اچھی مثال ہے۔ میرے دل کو تکلیف ہوئی اس غزل کو پڑھ کر اور میں دیر تک سوچتا رہا کہ کیا تمھاری اچھی خاصی مشق اور میری آرزوئیں سب اکارت جائیں گی۔ یا تم شاید اب جان بوجھ کر مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو۔ برادر! اگر تم کو میری خوشی عزیز ہے، تو پہلے کی طرح دل لگا کر شعر کہو بقول مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم چوتڑوں سے گھاس نہ کاٹو۔ مجھے بے حد قلق ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تم میری اس ذہنی پریشانی کو گوارا نہیں کرو گے اور پہلی فرصت میں ایک اچھی غزل بھیجو گے، جس کو دیکھ کر آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے اور پڑھ کر دل سے آفریں نکلے۔

اس غزل کا مطلع دولخت ہے۔ دوسرا مصرع کسی اور پیش مصرع کا متقاضی ہے اور پہلا مصرع بالکل مختلف انداز کا پیوند چاہتا ہے۔ دو الگ الگ مصرعوں کو تم نے ایک سطر میں پرو دیا ہے، اور غضب خدا کا، یہ شعر:

بال یہ سفید اپنے دھوپ میں کیے ہم نے
پھر بھی لوگ کہتے ہیں اِس کا تجربہ کیا ہے

آخر چاہتے کیا ہو، دھوپ میں بال سفید کرنا تو بہ طور ذم کہا جاتا ہے اور بہ طور طنز و تعریض، اور یہ دلالت کرتا ہے ناتجربے کاری پر۔ اگر بال دھوپ میں سفید ہوئے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ اس کا

تجربہ کچھ نہیں، تو بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر تم نے کچھ اور مفہوم مراد لیا ہے تو وہ شعر سے نمایاں نہیں ہوتا۔

ذہن کیا ہو آسودہ......قافلے کا کام ڈھونڈھنا نہیں ہوتا۔ یہاں قافلہ کے بجائے کوئی اور لفظ آنا چاہیے جو اس مقصد کو پورا کر سکے۔

باعثِ مسرّت ہے....میاں یہ دوسرے مصرعے میں ''ایسے ہی تعلق'' کس قدر سپاٹ مرکب ہے، توبہ توبہ۔ یہ تمھارا ذوق آخر اس طرح کے ڈھیلے پن کو گوارا کیسے کر لیتا ہے مصرعے کی چستی بھی تو ایک چیز ہوتی ہے۔

میں نے جب سے یہ غزل پڑھی ہے، تب سے اب تک برابر توبہ استغفار کر رہا ہوں اور تمھارے لیے فکر مند ہوں۔ خدا کرے تم کو میری اس پریشانی پر ترس آجائے اور کیا لکھوں۔

رشید حسن

محشر صاحب کا ایک پوسٹ کارڈ ملا ہے، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ انھوں نے کان پور سے کوئی لفافہ بھی بھیجا تھا، لیکن بخدا، مجھے نہیں ملا۔ میں نے ان کو بھی آج ہی خط لکھا ہے۔ ارے میاں، ان کا پتا کیا ہے۔ انھوں نے تو صرف محشر عنایتی رام پوری لکھا ہے میں نے بھی یہی پتا لکھ دیا۔ اب دیکھو خط پہنچتا ہے یا نہیں۔ معلوم نہیں لوگ پورا پتا کیوں نہیں لکھتے۔ وہ تو کیا لکھیں گے، تم مجھے ان کا محلہ اور مکان نمبر لکھ بھیجو۔ مجھے یہ ننگا بوچا پتا خط پر کچھ اچھا نہیں لگتا، اور ضابطے کے بھی خلاف ہے۔ آدمی کی شہرت اس کے مختصر سے پتے سے ظاہر نہیں ہوتی، اس کے اور طریقے ہیں۔

(۱۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

F/4 جوبلی ہال، مال روڈ، دہلی-۷

۱۵/اپریل ۱۹۷۱ء

عزیزم!

خط ملا تھا۔ میرا تو دل ڈوب سا گیا۔ بھائی یہ آخر تم کیا روگ لگا بیٹھے؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہنسی آتی ہے قدرت کی اس ستم ظریفی پر کہ مجھ پریشان خاطر کو چند غم گسار بھی دیے تو وہ مجھ سے کچھ زیادہ پریشان حال و پریشان روزگار۔ اِس چشمِ کرم کی کوئی حد بھی ہے۔ اب تم واقعی یہ کرو کہ اپنا غم کسی اور کو دے دو، یعنی تقسیم کر لو۔ اگرچہ میر حسن نے کہہ دیا ہے کہ:

غم، بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے ۔۔۔ دُکھ، راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے

لیکن اب وہ دور بھی گیا اور وہ غم بھی۔ اب جس طرح کے غم ہیں، غم گسار آسانی سے مل سکتے ہیں۔ صرف اشعار کے حجابوں میں اس کی سمائی نہیں ہوسکتی، یہ آبگینہ خود تندیِ صہبا سے پگھلنے لگتا ہے۔

غزل دیکھی، ٹھیک ہے۔ اس میں جو کسک کی ایک زیریں لہر ہے، وہ خوب ہے۔ بس ایک شعر میں ''ڈگر ڈگر'' شعر کے باقی الفاظ سے میل نہیں کھاتا، اسے بدل دو۔ مقطع خوب ہے۔ لیکن یہ غزل نئی نہیں معلوم ہوتی۔ تازہ غزل تحریر کرو۔ علوی صاحب کا بھی خط ملا ہے، ان کو بھی جواب لکھنا ہے۔

اپنی خیریت بل کہ عافیت سے فوراً مطلع کرو۔ کسی کی نظر تو نہیں لگ گئی ہے؟

رشید حسن

(۱۸)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

دہلی

۸/اپریل ۱۹۷۴ء [۶۵]

برادرم!

خط ملا۔ تمھاری ڈاک کا حال تو یہ ہے کہ ایک خط غائب اور ایک ملا بھی تو دس دن کے بعد، اور پھر تم مجھ سے تقاضا کرتے ہو کہ مفصل خط لکھوں اور برابر لکھتا رہوں! اِسے کیا کہتے ہیں؟ پہلے ڈاک کا انتظام کرو اور پھر فرمایش۔

مصرع طرح کا حال یہ ہے کہ تحریک کا غالب نمبر نکل رہا تھا، اس کے لیے غالبؔ کا ایک مصرع دیا گیا تھا اور یہ طے ہوا تھا کہ صرف ۱۲ شاعروں سے درخواست کی جائے۔ میں نے چاہا کہ ان میں ایک تم بھی ہو، تمھارے سبب سے دو تین دن کے لیے رسالہ رکا رہا۔ مجبوراً عین وقت پر ایک اور صاحب کو ڈھونڈنا پڑا۔ مصرع یہ تھا: کس کا دل ہوں کہ دو عالم میں لگایا ہے مجھے۔ ایک غزل کے یہ دو شعر دیکھو:

مجھ سے ظلمت کدۂ غم کی عنایت پوچھو — کتنے سایوں کے تعاقب سے بچایا ہے مجھے
میرے چہرے پہ نہیں تھیں اِتنی خراشیں یارو — تم نے ٹوٹا ہوا آئینہ دکھایا ہے مجھے

آخری شعر کس قدر بھرپور ہے۔

ایک مختلف شعر:

پردہ داری تھی اُسے ربطِ نہاں کی منظور — بزم میں اپنی بہت دور بٹھایا ہے مجھے

ایک اور شعر:

رنجِ معرومیِ آغوشِ بہاراں نہ تھا　　اِتنے صراؤں نے سینے سے لگایا ہے مجھے

ایسے اشعار کے ساتھ، اگر تمھارے شعر بھی ہوتے تو کیا اچھا ہوتا! مگر وہی تمھاری ڈاک، لعنت ہے اُس پر۔ چار غزلوں میں سے صرف ایک واقعی پسند آئی۔ ایک میں صرف ایک شعر، اور آگے آیت۔

رشید حسن

(۱۹)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

F/4 ماڈل ٹاؤن، دہلی۔۹

۶/جنوری ۱۹۷۵ء

عزیزم!

چند روز پہلے تمھارا ایک سطری پوسٹ کارڈ ملا تھا۔ تم یہ آدھی سطر بھی نہ لکھتے تو میں کیا کر لیتا۔ بہ ہر حال، خوش رہو۔ آج بہت دنوں کے بعد فرصت کے لمحے میسّر آئے ہیں اور طبیعت بھی روبراہ ہے، خیال آیا کہ تمھی سے باتیں کروں۔ ذرا میری وضع داری کی داد تو دو۔

کچھ دن پہلے طاہر تلہری صاحب کا مجموعہ موصول ہوا تھا۔ کل سے اُسے دیکھنا شروع کیا۔ سامنے ہوتے تو بہت سی باتیں کہتا۔ یاد پڑتا ہے کہ موصوف سے تمھارے واسطے سے ملاقات ہو چکی ہے اور شعر بھی سُنے ہیں۔ اب مجموعہ دیکھ کر مسرّت ہوئی کہ ایک ہم وطن نے ترقّی کا قدم بڑھایا۔ اُن کو میری طرف سے مبارک باد دے دینا۔ اُنھوں نے تبصرے کی بھی فرمائش کی ہے۔ اگر کہیں گنجایش نکلی تو ضرور تبصرہ کروں گا۔ مجموعے میں کچھ واقعی اچھے شعر ہیں، مثلاً:

شہر کا شہر اُمنڈ آیا ہے لے کر پتّھر　　دیکھیے کس کو گنہ گار بنایا جائے

''بنایا جائے'' نے لطف بڑھا دیا اور معنویّت بھی۔

مصلحت کے لیے لفظوں کا گلا گھونٹ دیا　　ہم ہیں مجرم ہمیں سولی پہ چڑھایا جائے

خیال بھی اچھا اور بیان بھی اچھا۔

دل؛ اُمنگوں، آرزوؤں کا کھنڈر　　ذہن؛ جیسے گانو کی ویراں سرائے

دوسرے مصرعے کی تشبیہ واقعی اچھی ہے، بہت پُر معنی۔

جس عقیدے کا سہارا تھا، وہ دم توڑ گیا　　جس کے سایے میں کھڑے تھے وہی دیوار گری

سورج تو شش جہت سے دکھاتا ہے آئنہ　　دیوار مل بھی جائے تو سایہ کہاں سے آئے

اِس شعر میں سارے استعارے نہایت عمدہ ہیں: سورج، دیوار، سایہ۔ البتہ پہلے مصرعے کا ''شش جہت'' ذرا غیر مناسب ہے۔ نئے پن کے شوق نے اِس کا انتخاب کردیا ہے، ورنہ ''ہر طرف'' سامنے کا لفظ تھا اور زیادہ مناسب۔ نیا پن خیال میں ہوتا ہے، محض الفاظ سے نہیں آتا۔ اِس شعر میں خیال کی جدّت موجود تھی، اِس لیے الفاظ کے انوکھے پن کی ضرورت نہیں تھی۔

دردوغم و آلام و مصائب میں گھرا ہوں　　تنہا ہوں، مگر کتنی صلیبوں پہ ٹنگا ہوں

خوب شعر ہے۔

مٹّی میں بند ہے مری غیرت کی داستاں　　دنیا سمجھ رہی ہے کہ کچھ پا گیا ہوں میں

اُلٹ کے دیکھوں میں کس کس کی آستینوں کو　　تمام شہر ہی اپنا دکھائی دیتا ہے

دوسرا مصرع واقعی اچھا ہے، نہایت سنبھلا ہوا طنز۔

میں ٹھہرا دن کا زنداں، میں ٹھہرا سورج کا اسیر　　مجھ کو کیا معلوم کہ طاہر کب نکلا کب ڈوبا چاند

نئے معنی صنعتی انسان کا المیہ، خوب ہے۔

رہتا تھا جہاں مجمعِ اربابِ تمنّا　　اب وہ بھی گلی، شہرِ خموشاں کی طرح ہے

اک خواب اور دیکھ لے، آنکھوں کو بند رکھو　　باقی بہت ہے رات ابھی کھڑکیاں نہ کھول

انسان کا ازلی و ابدی المیہ　　اندازِ بیاں میں گوارا جدّت

کم مایگیِ شہر طرب کچھ نہ پوچھیے　　لے دے کے ایک زخمِ تمنّا ملا مجھے

وہ دردِ مشترک، جسے کہتے ہیں زندگی　　اب میرے دل میں ہے، نہ تمھاری نظر میں ہے

کس قدر مفلس و نادار ہے امسال بہار　　پھول پر کاسۂ سائل کا گماں ہوتا ہے

اِن میں مختلف سطحوں کے اچّھے شعر ہیں۔ اِن سے یہ بات تو معلوم ہوجاتی ہے کہ شاعر کو شعر کہنا آتا ہے اور اس کے یہاں جذبہ و احساس کی کارفرمائی موجود ہے۔ یہ بھی کچھ کم نہیں۔ مجموعے میں رنگِ قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ مسرّت کی بات یہ ہے کہ شاعر کا سفر روایت سے جدّت کی طرف اور ابھی تک اُس کے یہاں ذات و کائنات یا باطن و ظاہر کی دوئی نے جگہ نہیں پائی ہے، جس طرح

بہت سے کم نظر مجاہدینِ جدّت کے یہاں یہ دُہراپن پایا جاتا ہے اور جس سے انتشار، منفی اندازِ نظر اور گھُٹن کے عناصر کی نشوونما ہوتی ہے۔ مگر مجھے چند باتوں کا شدّت کے ساتھ احساس ہوا؛ پہلی بات تو یہ کہ ابھی تک اُن کے یہاں وہ ٹھہراؤ نہیں آپایا ہے جس سے گہرائی اور گیرائی کی نمود ہوتی ہے۔ اُچٹتا پن ہے۔ کہیں نقش بن گیا کہیں بگڑ گیا۔ کہیں رنگ گہرا ہے، کہیں اُڑا اُڑا۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے احساس، اپنی فکر اور اپنے اندازِ نظر سے کبھی کبھی قطعِ تعلق کر لیتے ہیں اور تقلید پر اُتر آتے ہیں۔ نیا پن ذہن پر اچانک چھاپا مارا کرتا ہے، یہ مانی ہوئی بات ہے؛ اور اُن کے ساتھ ابھی تک یہ خامی لپٹی ہوئی ہے۔ مثلاً:

میں آفتاب ہوں، دریا سمیٹ لاؤں گا　　جنم جنم کی تری تشنگی بجھاؤں گا

———

رات کا کالا کبوتر اُڑنے والا ہے، نہ سوچ　　اور کوئی داستاں اگلے زمانے کی سُنا

———

چلچلاتی دھوپ کی سرحد سے باہر پھینک دے
شب کی کالی جھیل میں سورج کا پتھر پھینک دے

ایسے ہی اور متعدّد شعر۔ یہ نری تقلید ہے اُس انداز کی جسے کم نظروں نے جدّت یا جدیدیت سے منسوب کیا ہے۔ حالاں کہ یہ نہ جدّت ہے نہ جدیدیت۔ یہ محض لفظی کھیل ہے اور فکری جمناسٹک۔ تم اوپر جو اچھے شعر نقل کیے گئے ہیں اُن کو پڑھو، اور پھر اِن اشعار کو پڑھو؛ صاف معلوم ہوگا کہ یہ دو مختلف لہجے ہیں، دو انداز۔ شاعری میں اِس طرح کی ثنویت، انفرادیت کی دشمن ہے اور اِس سے آدمی کا اپنا انداز گہنا جاتا ہے۔ اور وہ کشاکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اب اِن متبدل اشعار کو دیکھو:

دل بضد ہے کہ اُسے ہاتھ لگایا جائے　　مصلحت کا ہے تقاضا کہ اُسے دور سے دیکھ

———

ملیے بھی مجھ سے مجھ پہ بھروسا بھی کیجیے　　میں ایسا بدمعاش نہیں ہوں خدا گواہ

———

گا کر مشاعروں میں سنایا بھی کیجیے　　طاؔہر یہ کیا کہ شعر کہا اور رکھ لیا

اور پھر اِس سے ذرا مختلف ایسے سپاٹ شعر:

کہنے سے پہلے بات کو سوچا بھی کیجیے　　ہر رخ سے ناپ تول کے دیکھا بھی کیجیے

———

خوشی سے آپ کریں شقِ سنگ اندازی — کسی کا دل تو نہیں ہوں کہ ٹوٹ جاؤں گا

خوابوں نے لا کے عرصۂ محشر میں رکھ دیا — میں دھوپ کھا رہا ہوں، مجھے کھا رہی ہے دھوپ

یہی خیال یہی دُھن ہے رات دن طاہر — مجالِ صبحِ وطن کو نکھار دوں کیسے

کوئی لطیف و حسیں خواب دیکھ لوں کیسے — خفا ہو نیند ہی مجھ سے تو سو رہوں کیسے

دیوار کے بھی کان ہوا کرتے ہیں ندیم — دروازہ بند کر کے بھی رازِ نہاں نہ کھول
طاہر نہ چھیڑ عہدِ گزشتہ کے تذکرے — رسنے لگیں گے زخمِ جگر، پٹیاں نہ کھول

اور ایسے بہت سے سطحی اور مبتذل شعر۔ اِس قدر مختلف لہجے، اتنے مختلف انداز پست و بلند کی ایسی بہتات؛ ایسی رنگا رنگی سے ہوتا یہ ہے کہ شاعر کے آہنگ و اسلوب میں گہرائی اور جماد مشکل سے آپاتا ہے۔ مختلف رنگ اپنی جھلک کو نمایاں کرلیا کرلیتے ہیں اور شاعر کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ وہ اِس نکتے کو سمجھیں اور اسلوب اور آہنگ کے نکھار اور امتیاز پر توجہ کریں۔ یہ تمنا یوں پیدا ہوئی ہے کہ اُن کے یہاں صلاحیت موجود ہے۔ اور اُنھوں نے واقعی اچھے شعر کہے ہیں۔ بہت سے باصلاحیت شاعر اِس بات کو نہ سمجھنے یا اِس طرف توجہ نہ کرنے کے سبب، آخر تک اپنا رنگ پیدا نہیں کرپاتے ہیں۔ عرفانِ ذات کے بغیر، عرفانِ کائنات کی تمنا، دیوانے کا خواب ہے۔ متعدّد جگہ واضح طور پر اِس کا احساس ہوتا ہے کہ شاعر کی توجہ ذرا اُچٹ گئی ہے اور فن کار کو نیند کا جھونکا سا آگیا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ عام طور پر وہ اندازِ بیان پر نظر رکھتے ہیں اور افسوس کا محل یہ ہے کہ بعض جگہ وہ اِس اہم پہلو کی طرف سے بے نیاز ہوگئے ہیں، مثلاً بع: میں اک حباب ہوں پانی کا سطحِ دریا پر۔ اِس میں ''پانی کا'' زاویۂ محض ہے اور حشوِ مطلق، جو مصرعے کو بگاڑ رہا ہے:

پتّھر کے اونچے اونچے مکانوں میں کھوگئے — گاؤں کے مٹ کے شہر کی گلیوں میں کھوگئے

دوسرا مصرع اپنی جگہ پر مکمل ہے، مگر پہلے مصرعے کا فاعل کون ہے؟ کون کھوگئے؟ اگلے مصرعے میں تو گانوؤں کا بیان ہے۔ شعر دولخت ہے اصل میں یہ عجزِ بیان ہے۔ دوسرا مصرع پہلے آنا چاہیے تھا اور پھر بر سبیلِ ارتقا پہلا مصرع لفظِ انسان کے اضافے کے ساتھ، یا کسی ایسے قرینے کے ساتھ آنا چاہیے تھا جو انسان کی طرف اشارہ نما ہو۔ یعنی پہلے گانو، شہروں کی گلیوں میں کھوگئے اور پھر اُن

شہروں کے انسان، پتھر کے مکانوں میں کھو گئے۔ صنعتی زندگی اور شہریت کا نشو ونما اسی ترتیب کے ساتھ ہوا ہے۔ اگر شاعر کا مطلب یہ ہے کہ شہر، مکانوں میں کھو گئے، تو یہ بھی ادا نہیں ہو پایا، اگر چہ یہ مہمل بات ہوتی۔

ع: وہ دھوپ ہے کہ چٹانیں بھی ریزہ ریزہ ہیں

عجزِ بیان صاف ظاہر ہے۔

ع: میں نیم خواب کی حالت میں چونک پڑتا تھا

عجزِ بیان صاف ظاہر ہے۔

ع: من کا جگنو، یاس کے ظلمات میں گم ہو گیا

''من کا جگنو'' میں بڑا تصنع ہے۔

ع: اُس سے کہہ دو کہ وہ آ کر مری تالیف کرے

یہ شاعری نہیں۔

گل کو اپنے ساتھ لے کر وہ چمن سے چل دیے
خار بیچارہ فقط دامن پکڑ کر رہ گیا

اِس کو شاعری سے کیا علاقہ؟

میں مکمّل وضاحت کے لیے ایک مکمّل غزل کا جائزہ لیتا ہوں، اِس سے صورتِ حال کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے:

یہ حادثہ بھی پھول کے اوپر گزر گیا شبنم میں اپنی شکل کو دیکھا تو ڈر گیا

استعارہ اِس قدر بعید ہے کہ ذہن کو نارسائی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔

ع: رازِ حیات و موت کا اظہار کر گیا

یہاں ''اظہار کر گیا'' بے محل ہے یہ روز مرّہ نہیں۔

ع: بے پردہ رہ گذارِ نظر سے گزر گیا

''رہ گذارِ نظر'' میں ناگوار تصنع ہے۔ اِس قدر رکھ رکھاو شاعری کو راس نہیں آتا۔

ع: سورج کے ہاتھ میں تو کوئی سنگ بھی نہ تھا

ہاتھ میں پتھر ہوتا ہے، سنگ نہیں ہوتا۔ وہی روز مرّہ کا مسئلہ۔

ع: تو لوحِ زیست پر تھا بس اک نقشِ ناتمام

یہاں بھی وہی تصنع ہے۔ زیست کو لوح بنانا اور پھر اُس پر نقش کو ثبت کرنا یہ سب صناعی ہے۔

بے قاعدہ صناعی۔

کس کی مجال جو مجھے محبوس کر سکے　　جھونکا ہوا کا ہوں، اِدھر آیا، اُدھر گیا

مجموعے میں چار پانچ جگہ توارد کی چشمک زنی نظر آتی ہے اور یہ نہایت غیر مناسب بات ہے۔

طاہر، تعلقات میں آنے نہ دی کمی　　وہ میرے گھر نہ آیا تو میں اُس کے گھر گیا

سپاٹ بل کہ مبتذل۔

عجیب بات ہے کہ ابتذال اُن کے یہاں جگہ جگہ نمایاں ہے۔ ابتذال پرانی اصطلاح ہے اور میں نے اُسی معنی میں اس کو استعمال کیا ہے ایک دو مزید مثالیں:

پلا کر کوے رسوائی میں تنہا چھوڑ دیتے ہیں　　مجھے احباب کی یہ دل لگی اچھی نہیں لگی

میں غزل گا کے سنانے پہ کمر بستہ ہوں　　آج اُسے یوں بھی ستانے پہ کمر بستہ ہوں

ہزل کا شعر معلوم ہوتا ہے۔ ذرا ردیف بھی دیکھنا۔ تعجب ہوتا ہے کہ اچھا خاصا معقول آدمی کبھی کیا سے کیا ہو جایا کرتا ہے! اِس کا مقطع بھی سن لو:

غیر سے کوئی تعلق نہیں اُس کا طاہر　　یوں ہی بے پر کی اُڑانے پہ کمر بستہ ہوں

دوسرے مصرعے میں اُنھوں نے خود ہی (اِس غزل پر) تبصرہ کر دیا ہے۔ یہ شاعری نہیں۔ پر کیا ہے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ دراصل مرحوم جدیدیت کا وہ انداز ہے جس کو ایک زمانے میں نئے پن کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ اوٹ پٹانگ مگر نئی ردیفیں۔

تمھاری محبت کا کیا پوچھنا　　تمھاری محبت بڑی چیز ہے

نوح ناروی کا شعر معلوم ہوتا ہے، اور سنیے:

بُری ہی سہی بادہ نوشی، مگر　　بقدرِ ضرورت بڑی چیز ہے

اِس ''بقدرِ ضرورت'' کی خوب رہی۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ طاہر صاحب جیسے خوش مذاق شخص نے یہ کیا کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے، کسی دوست نے کبھی اُن کی توجہ اِن امور کی طرف مبذول نہیں کرائی۔ اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔

ہاے اُس بنتِ ماہ تاب کا رنگ　　چاندنی رات میں شراب کا رنگ

معلوم نہیں طاہر صاحب کو بادہ کشی سے علاقہ ہے یا نہیں، مگر دوسرا مصرع یہ کہہ رہا ہے کہ نہیں۔ کاش وہ کبھی چاندنی رات میں شیشے میں شراب کا رنگ دیکھیں (خواہ وہ فرانسیسی شفاف شیشہ ہو) وہ بنتِ ماہ تاب کا رنگ نہیں ہوتا۔ پھبتی کی بات دوسری ہے۔ ہندستان میں جتنی شرابیں بنتی ہیں، اُن میں

سے کسی کے رنگ میں سنہرے پن کی شفاف جھلک نہیں ہوتی۔ یہی حال ایرانی شرابوں کا ہے۔ ایران میں صرف بیر، ووڈکا اور وائن بنتی ہے۔ سنہرا پن تو فرانسیسی شمپین میں بھی نہیں ہوتا۔ روضہ رم میں ہوتا ہو تو میں نہیں جانتا۔

اس کی دوشیزگی کو کیا کہیے　　　جیسے اک بے پڑھی کتاب کا رنگ

یہاں ردیف بے کار ہے، بل کہ بے معنی۔ مقطع میں بھی ردیف بے محل ہے۔ رنگ کا لفظ جما نہیں بے رنگ ہو گیا ہے۔ اس سے بوے مستی کو تشبیہ، دیتے تو شاید کچھ دال دلیا ہو جاتا[۷۶]

کچھ حیا اور کچھ شباب کا رنگ　　　جیسے دو آتشہ شراب کا رنگ

میں نے کبھی دو آتشہ شراب دیکھی ہی نہیں، دیکھنا ضرور ہے۔ طاہر صاحب نے بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ ہو تو دیکھیں یہ بھی ہوتی ہوگی۔ ہاں "کچی" کی بات دوسری ہے، مگر اُس کا گہرا رنگ!! مہوے کی کچی میں جو "باس" ہوتی ہے مگر پھر وہی رنگ! توبہ!!

اِس مجموعے میں چند نظمیں بھی ہیں۔ اور یہ اُن کی بڑی زیادتی ہے۔ اِن نظموں نے اِس مجموعے کے حُسن کو گہنا دیا ہے۔ یہاں بھی ان کی خوش مذاقی پر تعجب ہوا۔ ان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ غزل کے شاعر ہیں۔ نظم، رباعی اور قطعہ؛ یہ اجزا اُن کے قلم رو سے باہر ہیں۔ ان کی غزل گوئی پر قناعت کرنا چاہیے۔ اُسی میں اُن کے جوہر کھلے ہیں اور کھلیں گے۔

"حمد" مجھے پسند آئی، بس آٹھویں سطر (وحدہٗ لاشریک...) زائد ہے۔ اگر اُسے حذف کر دیا جائے تو ارتکاز کی تکمیل ہو جائے گی۔ ہاں، ایک بات اور: نثر اور نظم دونوں میں اُنھوں نے جگہ جگہ اِس کا ذکر کیا ہے اور ماتمی لے میں ذکر کیا ہے کہ لوگ یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں مگر میں نے یہ کچھ نہیں کیا ہے۔ اشعار میں جگہ جگہ مبالغے، کا اور تعلّی اور بے جا تفاخر سے کام لیا گیا ہے۔ یہ انداز صحت مند ذہن سے علاقہ نہیں رکھتا۔ سائکالوجی کی اصطلاح میں یہ احساس کم تری کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ فریادِ بیوہ کے انداز میں تبرّائی آہنگ میں دوسروں کو کوسنا یا اُن پر طنز کرنا، مثبت انداز کے منافی ہے۔ اِس سے وہی انتشار کو بڑھاوا ملتا ہے۔ یعنی ایسا شخص اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور پڑھنے والوں کو بدحظ کرتا ہے۔ یہ توجہ طلب بات ہے۔

کتاب کا نام پہلا پتھر ہے۔ یہ تلمیحی نام معلوم ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ کے مشہور واقعے سے متعلق۔ کیا اِس کا یہ مطلب لیا جائے کہ وہ اپنے کو اس کا اہل سمجھتے ہیں کہ وہ پہلا پتھر مار سکتے ہیں؟ یہ دنیا میں اس قسم کا پہلا دعوا ہوگا۔ بہ ظاہر مطلب یہ بھی نکل سکتا ہے کہ یہ کتاب، پہلا پتھر ہے۔ وہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کا مفہوم کیا ہے۔

میں اِس کتاب کی اشاعت پر واقعی مسرور ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ طاہر صاحب، جن کے اندر واقعی صلاحیت ہے، مزید غور و فکر سے کام لیں۔ اُنھوں نے واقعی اچھے شعر کہے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ وہ اُس انداز کے بہت سے شعر کہیں اور اُن سے بہتر بھی کہیں۔

معاف کرنا میاں! ایک زمانے کے بعد آج اس قدر مفصل خط لکھ رہا ہوں، بس فرصت تھی اور موسم بھی ساتھ دے رہا تھا۔ تم اِس داستان کو پڑھ کر بور تو ہو گے، ہو لینا۔ میں بھی آخر شعر سنتا رہا ہوں۔

تم نے کچھ کہا؟ تم بھی سنا ڈالو۔ آج کل کچھ فرصت مل گئی ہے تو ایسے ہی حوادث کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ دیکھو یہ خط تم کو ملتا ہے یا نہیں یا پہلے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ غائب ہوا تو میری محنت اکارت جائے گی۔ خیر، یہ بھی سہی۔ رسید فوراً لکھنا، وہ ایک سطری سہی۔ اور کہو، تم جو برخوردار قسم کے شاگرد بنایا کرتے تھے، اب اُن کا کیا حال ہے۔ ہاں، خالد صاحب کہاں ہیں؟ انھیں کچھ ہوا تو نہیں۔ سہیل کیسے ہیں اور اُن کی پیکر تراشی کا کیا حال ہے۔ اُن سے میرا اسلام کہو۔ جی ہاں، اب یہی زمانہ آگیا ہے۔ تم نے اِس مجموعے کا کبھی ذکر نہیں کیا تھا؟؟ خط لکھو۔ رات[۶۸] آدھی سے زیادہ بیت چکی ہے اور دیکھو میں اِس وقت تم کو یاد کر رہا ہوں اور تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ سردی اِس وقت بہت ولولہ آفریں اور رات بڑی گناہ طلب ہے، تجربہ کار فاحشہ کی طرح اور مجھ جیسے بہت سے ناکردہ کار، استغفر اللہ کا ورد کر رہے ہوں گے۔ رہے نام اللہ کا!!

رشید حسن

(۲۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ایف-۳/۴ ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹[۶۹]

عزیزم!

خط ملا، بھائی معلوم نہیں کیا آفت ہے کہ تمھارے خط میرے نام اور میرے خط تمھارے نام اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔ تم نے جس خط کا ذکر کیا ہے، وہ مجھے نہیں ملا، البتہ میں نے شاہ جہان پور کے پتے پر دو خط ضرور لکھے تھے۔ اب کہو! تم بھی اتنے خط لکھتے ہو اور ایسے ایسے لوگوں کو کہ اس کا اثر پڑنا ہی چاہیے۔ معلوم نہیں کیسے کیسے اور کیا کیا لکھتے ہو، شاید پوسٹ مین جان گیا ہو اور کھول کر پڑھنے لگا ہو، اور پھر فضول خطوں کو پھینک دیتا ہو۔

میں اِس ماہ کے آخر تک یا پھر یکم کو شاہ جہان پور جاؤں گا، غالباً اُس وقت تک تم پہنچ چکے

ہوگے۔ والی صاحب بڑے باپ کے بیٹے ہیں، اِس لیے ان کے اندر اگر اچھی صفات ہیں تو جائے تعجب نہیں۔ یہی ہونا چاہیے تھا۔ میرا اسلام کہو۔ غزل اچھی خاصی ہے۔ والی صاحب سے کہو کہ جنگلوں کی طرف لوٹ جانے کی ضرورت نہیں، کچھ دن میں آبادی ہی میں اُن کا لطف آنے لگے گا، اور اُن کو یہ شعر بھی سنا دو:

اگر بسوی بیاباں نرفتہ ام، چہ عجب　　جنونِ من نشناسد ز شہر، صحرا را

دیکھنا، اُستاد نے کیسی پتے کی بات کہی ہے۔ میری کتاب اردو املا کے یہاں تو بہت چرچے ہیں، لوگوں نے بہت اچھی رائیں دی ہیں۔ ابھی ایک خاصا بڑا اجتماع بھی ہوا تھا اسی کے سلسلے میں۔ مگر کبھی کبھی یہ خیال ضرور آتا ہے کہ خود میرے شہر والوں کو شاید یہ علم بھی نہ ہو کہ ''محلّے کے لڑکے'' نے کیا کر دکھایا ہے۔ خط لکھو۔

رشید حسن

اور ہاں، اور شعر لکھو۔ مولانا کا علاج اب یہ، ہے کہ وہ صوفی ہو جائیں یا اُن جیسی حرکتیں کرنے لگیں۔

(۲۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲۳ر جنوری ۱۹۷۵ء

عزیزم!

خط ملا تھا۔ شعر پڑھے اور جی خوش ہوا۔ یہ مصرع: ''کسی کی لاج ہے اور سعی ضبط غم تک ہے'' بدلنا چاہیے۔ ''لاج'' بے محل آیا ہے۔ بل کہ مصرع ہی اکھڑا اکھڑا ہے۔ دوسری غزل کا مطلع جما نہیں۔ اِس احتیاط سے..... دونوں مصرعے الگ الگ ہیں۔ ''متاع خون جگر چاہتی تھی فکر کی لو''، اس میں ''متاع'' بے محل ہے۔ چراغ اور لو کے ہوتے ہوئے ''خونِ جگر'' اور ''متاع'' کی گنجایش نہیں۔ ع: ''مشاہدوں نے بڑی تجربوں کو وسعت دی'' اِس میں ''بڑی'' مصرے کو بگاڑ رہا ہے۔ مصرع بدلو۔ ''بہت'' آسکتا تھا، مگر تعقید بہت بُری ہوگی۔

دیکھو میاں! جی جلانے والی باتیں مت کیا کرو، تم کو عزیز رکھتا ہوں اور یہ نہ وقتی ہے نہ ہنگامی۔ میرے یہاں جذبات اِس طرح بدلتے نہیں۔ تم، تمھی ہو اور رہو گے، اِس بات کو نہ بھولنا۔ مصروفیت کا بُرا ہو، اِس کے سبب کبھی کبھی غلط فہمی ہو جایا کرتی ہے۔ مگر دس بارہ سال کے ربط کے بعد تم کو غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے۔

خیر، اب تم نئی زمیں میں جب بھی غزل کہو، فوراً بھیجو، جواب میں تاخیر نہیں ہوگی۔ ہر ہفتے ایک غزل بھیجو۔ دیوان کے پھیر میں ابھی نہ پڑو۔ اب جب تم سوئی غزلیں کہہ لوگے، تب دیوان کا مسئلہ آئے گا۔ دوسروں کو مت دیکھو۔ اب بس فوراً نئی غزل بھیجو۔

ہاں، جگدیش سہائے کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔ میں چاہتا یہ ہوں کہ تم اُن کے اعزاز میں؛ یعنی اِس مجموعے کے سلسلے میں، ایک چھوٹی سی نشست کا انتظام کرو، جس میں اُن کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے۔ یہ جلسہ مارچ کے شروع میں ہونا چاہیے۔ میں بھی موجود رہوں گا۔ یہ ضروری ہے۔ ابھی سے انتظام کرو تب ایک اچھی مجلس ہو پائے گی۔ دس روپے میری طرف سے چندا ابھی سے نوٹ کرلو۔ چائے کا انتظام قاعدے کا ہونا چاہیے اور حاضرین پچیس سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ مگر پہلے تم اپنی رائے لکھو، پھر میں لکھوں۔ ارے بھائی! اب پوسٹ مین صاحب سے تم نے بات کرلی ہے یا اب بھی پہلے کی طرح وہ خطوں کو غائب کرتے رہیں گے۔ جواب لکھو مع غزل۔

رشید حسن

(۲۲)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۹

۸رنومبر ۱۹۷۶ء

عزیزم!

تمھارا دوسطری پوسٹ کارڈ ملا تھا، یہ کئی ہفتے پہلے کی بات ہے، جس میں تم نے لکھا تھا کہ اس سے پہلے لفافہ لکھا تھا، مگر یہاں تو وہ پہنچا نہیں۔ میری ڈاک عموماً ضائع نہیں ہوتی، مگر عجیب بات ہے کہ تمھارا خط نہیں ملا، کیا لکھا تھا اُس میں؟ اب ذرا دوبارہ لکھ دو۔

دیکھو بھائی، تمھارا شمار مخلصین میں ہوتا ہے اور دوسروں سے تم کو کچھ نسبت نہیں، اِس لیے تم سے نسبت بھی خاص ہے اور توقع بھی بہت ہے۔ اِس لیے جب تم غائب ہو جاتے ہو تو الجھن ہوتی ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ یہاں بھی میری ملاقات کا دائرہ محدود تر ہے اور اِس بے دماغی کے چرچے رہتے ہیں، مگر کیا کروں، خفیف الحرکاتی کے لیے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ خدا خوش رکھے مولانا کو، وہ ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور میری دیر نویسی کے باوصف، خفا نہیں ہوتے تم سے تو اِس سے بھی زیادہ کی توقع ہے، توقع ہی نہیں، تمنا بھی۔ جب تمھارے شعر دیکھتا ہوں تو جی مچل جاتا ہے مگر اُس میں بھی تم بخل کرنے لگے ہو، اور اللہ جانے اب کیسے شعر کہنے لگے ہو۔ شاہ جہان پور میں تمھارے

پتے کا کچھ ٹھیک نہیں رہتا، اور میرے خط عموماً ضائع ہو جاتے ہیں، اب تم لکھنؤ میں ہو اور معلوم نہیں کہ کب تک رہو گے، مولانا کا خط آیا تو کچھ معلوم ہوا۔ اِس لیے یہ خط لکھ رہا ہوں، تو میرے بھائی! اُتنے بڑے شہر میں لے دے کے ایک تم اور تم بھی کبھی کبھی بھول جاتے ہو، تو ظاہر ہے کہ شکایت تو ہوگی۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اب جو دن آتا ہے، میری تنہائی پسندی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، تم نے بھی اِس کو محسوس کیا ہوگا، اِس لیے اب نئے لوگوں سے رسم وراہ کی تو بات ہی نہیں، بہت سے پُرانوں سے بھی بس یوں ہی سی رہ جانے کی توقع ہے، اور اِس عالم میں تم ہو کہ اندازِ ترکانہ دکھا جاتے ہو۔ سبحان اللہ! میں اب واقعتاً محفل آرائی سے متنفر سا ہو کر رہ گیا ہوں۔ ابھی کشمیر سے ایک دعوت نامہ آیا تھا، ایک سمینار تھا اقبالؔ پر، اُسی دن انکار کا خط بھیج دیا۔ یہاں اِس طرف کئی ہنگامے اور مجمعے ہوئے، ایک میں بھی شرکت نہیں کی اور اِس کی بڑی شکایتیں کی گئیں، مگر بہ قولِ میرؔ، مجھ کو دماغِ وصفِ گل ویاسمن نہیں۔ نئی کتاب زبان اور قواعد سنا ہے کہ چھپ گئی ہے شاید اِس ہفتے میں میرے پاس آجائے۔ تم لکھنؤ میں کب تک رہو گے؟

رشید حسن

خط فی الحال شعبے کے پتے پر لکھو اور پتا انگریزی میں ہو۔

(۲۳)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

الف-۳/۴ ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹

۱۹ر جولائی ۷۷۱۹ء[۱]

عزیزم[۲]!

تمھاری طرح میں بھی آج کل خاصا پریشان خاطر ہوں، اس کا ادنا ثبوت یہ ہے کہ اب کے گرمیوں کی چھٹیوں میں وہاں نہیں آسکا۔ علم، شرافت، خلوص اور معقولیت کی سزا سبھی کو ایک ہی طرح ملا کرتی ہے، وہ تم ہو یا میں ہوں۔ بہ ہر حال، ایں ہم بگذارد۔ تم نے جس خلوص کے ساتھ خط لکھا ہے، اس کا نقش میرے دل پر ہے، مگر تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ میں کچھ سمجھتا نہیں، ایسا نہیں، تم اس بات کو ہمیشہ کے لیے خاطر نشان کر لو کہ تم، تم ہی ہو، یہ حیثیت کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ تمھارے خلوص کا معترف ہوں اور تمھاری پریشان خاطری کا بھی احساس ہے۔ اطمینان رکھو کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی جس سے تم کو شکایت ہو یا تکلیف پہنچے۔ تم نے جو کچھ لکھا ہے، آیندہ اِس کا لحاظ رکھوں گا۔ مگر تم بھی تو خط نہیں لکھتے، بھول سا جاتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ایسے صرف چند افراد ہیں، جن کے

خط کا مجھے انتظار رہتا ہے۔ آیندہ سے تم مہینے میں ایک دو خط پابندی سے لکھا کرو، تاکہ ربطِ واقعات ٹوٹنے نہ پائے اور حالات کا طرفین کو علم ہوتا رہے، اس سے مجھے بھی فائدہ پہنچے گا۔ تم جب لکھنؤ جانا تو مجھے پتے کے متعلق خط ضرور لکھ دینا۔ شاغلؔ کہاں ہیں؟ ان سے میرا اسلام کہو اور کہو کہ اُن کے خط کو ایک زمانہ ہوگیا، ناراضی اس قدر طویل بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیا غزل مکمل کرلی ہے لکھو۔ مولانا کا بھی دنوں سے کوئی خط نہیں آیا۔ شمیمؔ آج کل کہاں ہیں، ان کا پتا کیا ہے۔ خط فوراً لکھو۔ عافیت کیا پوچھوں، وہ نہ تم کو حاصل ہے نہ مجھ کو، اور شاید حاصل بھی نہیں ہوگی۔

یہ اور بات ہے کہ تعارف نہ ہوسکا
ہم زندگی کے ساتھ بہت دور تک گئے

رشید حسن

(۲۴)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

دہلی۔۹

۲۲ راگست ۱۹۷۷ء [۳ بجے]

عزیزم!

اب طبیعت کیسی ہے؟ اُن نامراد پھوڑوں کا حال کیا ہے، یہ کہاں کا مواد نکلا ہے؟

میں ٹھیک ہوں اور حسبِ معمول پریشان خاطر اور مصروف۔ شاید اگلے مہینے آنے کی صورت نکلے۔ غزل خوب ہے، بدگمان لہجوں میں پتھروں کی... یہ تعبیر خاص طور پر پسند آئی۔ لکھنؤ جانے کا کیا ہوا؟ اور ہاں، اب کے مولانا کا کوئی خط دنوں سے نہیں آیا۔ اُن کا نیا پتا میرے پاس نہیں اُن کا پتا لکھو تو میں بھی اُن کا حال پوچھوں۔ وہ غریب بھی ستائے ہوئے ہیں، بہتوں کے، اور بہتوں سے زیادہ اپنی طبیعت کے۔ لیکن آدمی قابلِ قدر ہیں۔ وہ کبھی اِتنی طویل مہلت دیا نہیں کرتے تھے، معلوم نہیں بات کیا ہے؟

اور یہ مصرع، روز زندگی... یہ بہتر ہے، البتہ ''بادِ صبح گاہی تک'' خوب نہیں۔ ''چھوٹتی ہوئی قدریں'' بھی نامانوس ہے ''ٹوٹتی ہوئی'' اس سے بہتر ہے، اپنی خیریت کی اطلاع دو۔

رشید حسن

''بکھرتی ہوئی'' میں جو بات ہے وہ اِس میں نہیں۔ لفظوں کا فرق بہت کچھ ہوتا ہے۔

(۲۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی.سی.۵، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷
۱۹/جنوری ۱۹۷۸ء[۴۳]

عزیزم!

طویل انتظار کے بعد خط ملا۔ یہاں آج کل سردی نے غضب ڈھا رکھا ہے۔ تیز برفیلی ہوائیں مزید براں۔ میں بھی اِسی موسم کا شکار ہوں۔ بھائی، تم خط برابر لکھتے رہا کرو، دل لگا رہتا ہے۔ مولانا کا خط بھی آیا تھا، وہ بھی تمھاری غیر حاضری کی گواہی دے رہے تھے۔ یہ تو ٹھیک نہیں۔ ذرا اُن کی دل دہی کرتے رہو۔ میں آج کل ایک کتاب[۴۴] پر مفصل تبصرہ لکھنے میں مبتلا ہوں، اس لیے اس وقت اس مختصر خط پر اکتفا کرو اور اپنی خیریت کی اطلاع دو۔ یہ بھی لکھو کہ لکھنؤ میں کب تک رہوگے، تاکہ مجھے خط لکھنے میں آسانی ہو۔

رشید حسن

پاکستان سے جمیل جالبی کی تاریخ ادبِ اردو آئی ہوئی ہے، اُس پر تبصرہ لکھ رہا ہوں۔

(۲۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷
۲۸/مارچ ۱۹۷۸ء

عزیزم!

مولانا کے خط سے معلوم ہوا کہ ابھی لکھنؤ میں ہو، مگر میرے لیے تو من جملہ متروکاتِ سخن ہو کر رہ گئے ہو۔ نہ نامہ نہ پیام۔ اب ایسی بھی وحشت کس کام کی۔ یہ اِس دنیا کی عام رسم ہے کہ جس کے خط کا واقعی انتظار رہتا ہے، وہی خط نہیں لکھتا، یوں ہر روز نامے میرے نام آتے ہیں۔ بھائی، کبھی تو چار لفظ اور دو سطریں لکھ دیا کرو۔ تمھارا خط ملتا ہے تو کچھ دیر کے لیے خلوص کی مہک پھیل جاتی ہے اور اِس دنیا کی شکایت دل سے محو ہو جاتی ہے۔ خط لکھو اور طویل اور بہت اچھا سا میں

۱۰ اراپریل کے لگ بھگ آٹھ دس دن کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا، تمھارا کیا ارادہ ہے؟

رشید حسن خاں

دہلی ایڈمنسٹریشن نے اِس سال کا ساہتیہ کلا ایوارڈ[۵] مجھے دیا ہے، کل یعنی ۲۹ رکو اس کا جلسہ ہے جس میں وہ باضابطہ دیا جائے گا۔ دو ہندی کے ادیب ہیں، ایک پنجابی کا اور ایک میں اردو کا ہوں۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔

(۲۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷

۷رمئی ۱۹۷۸ء

کیوں صاحب! روٹھے ہی ہو گے یا کبھی منو گے بھی! کب سے انتظار کر رہا ہوں خط کا، دنیا سے ناراض ہو، یہ ٹھیک ہے لیکن میں تم سے زیادہ اُس سے بیزار ہوں۔ دنیا والوں سے افسردہ خاطر ہو تو میں بھی اُن سے کچھ خوش نہیں، پھر...... دیکھو بھائی، یہ سب ایسا ہی رہے گا ہمارا تمھارا جی جلانے کو، اب اگر ہم کڑھتے رہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ دنیا والے کام یاب رہے، اس لیے افسردگی کی گرد دامن سے جھٹک دو اور جینے کا سلیقہ مولانا سے سیکھو۔ مجھے اُن کی بس یہی ادا تو پسند ہے کہ سب سے جھگڑنا اور سب کی مرضی کے خلاف زندہ رہنا اور کچھ کرتے رہنا۔ یہی میرا احوال ہے۔ آج کل یہاں اُن سے بھی سخت کشیدگی ہے جو ایک زمانے میں محبِ صادق الوداد اور نیاز مند تھے، لیکن نہ پشیمانی کی افسردگی ہے نہ پریشانی کی دلسوزی، اے اصغرؔ، کیا شعر کہا ہے:

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں، زندگی دشوار ہو جائے

تو میرے بھائی، خط لکھو اور خوش رہو۔ تم تو وہاں جا کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرثیے پڑھنے لگے ہو۔

رشید حسن

اصولِ تحقیق[۶] پر میری نئی کتاب کی کتابت مکمل ہو گئی ہے، ایک دو مہینے میں شائع ہو جائے گی۔

(۲۸)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی

۹رمئی ۱۹۷۹ء

عزیزم! ؔؔ

کل خط ملا۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ میں ۳۰رمئی کو یا پھر ۵رجون کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور جولائی کے پہلے ہفتے تک وہیں رہوں گا۔

خواجہ صاحب کا خط ملا، تمھاری بہت تعریف کی ہے لیکن اس کی شکایت کی ہے کہ تم بہت دیر سے اُن سے ملے۔ اب آنے سے پہلے تم ایک بار پھر، جس طرح بھی ہو، اُن سے مل لینا۔ ایسے لوگ اب نہ وہاں کچھ زیادہ ہیں نہ یہاں۔ مخلص اور بے ریا۔ اُن سے ملنا ضروری ہے۔ اُن کا خط مل گیا۔ شبنم صاحب سے اگر ملاقات ہو تو سلامِ شوق کہنا۔ میں وہاں کیسے آؤں۔ نہ پاسپورٹ اور نہ دوسرا ساز و سامان، بس حسرت ہے اور ارمان۔ شاید کبھی کوئی صورت نکلے۔ بڑا مسئلہ وہاں قیام کا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہاں کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ ہوٹل میں بہت خرچ ہوتا ہے۔ کسی کے گھر ٹھہرنا یوں مشکل ہے کہ اِس قدر بے تکلفی کسی سے نہیں۔ کسی واسطے سے کہیں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ یہ میرا مزاج نہیں۔ یہاں سے زیادہ روپے ساتھ لے جانے نہیں دیتے۔ پھر مسئلہ طے کیسے ہو۔ اگر کبھی اِس مشکل کا حل نکلا تو ایک پھیرا ضرور کروں گا۔ جی تو چاہتا ہے۔ وہاں کے کتاب خانوں سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے بس سروس بہت خراب ہے۔ بل کہ بس ملتی ہی نہیں اور وقت بے وقت ٹکسی بھی نہیں ملتی۔ پناہ بخدا، نا بھائی، میں یہیں ٹھیک ہوں۔ طواف کوے ملامت نہیں کر سکتا۔

اور سنو، کل ہماری زبان میں یہ خبر چھپی ہے کہ شاہ جہان پور میں استاد رشید رام پوری مرحوم کی یاد میں ایک بزم بنی ہے، جو سالانہ مشاعرہ اور ماہانہ طرحی مشاعرے کیا کرے گی، تم اُس کے سر پرستِ اعلا ہو۔ مبارک شمیم صاحب اور صغیر بھائی صاحب سر پرست ہیں۔ عزیز خاں صدر ہیں، مصوّر سکریٹری ہیں۔ قیصر اور فصیح اکمل نائب صدر ہیں۔ ساغر جوائنٹ سکریٹری، اختر سکریٹری نشر و اشاعت۔ محبوب جمالی خازن۔ اکاؤنٹ آفیسر سردار آصف وغیرہ۔ مبارک ہو۔

رشید حسن

(۲۹)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۷

۵ر ستمبر ۱۹۸۰ء

عزیز مکرّم!

عید کی مبارک باد کا خط ملا تھا۔ میں اُن دنوں شاہ جہان پور میں تھا۔ ایک مہینے کے بعد واپسی ہوئی۔ خط تو اُسے میں نے محض رعایتاً کہا ہے، دو سطریں تھیں۔ یہ بھی خوب ہے کہ جن لوگوں کی تحریر سے روشنی پانے کو آنکھیں ترستی ہیں، وہی کوتاہ قلم ہیں۔ تم کو خوب معلوم ہے کہ تمھاری جگہ میرے دل میں ہے، پھر بھی تم تغافل پیشگی سے قطعِ تعلق نہیں کرتے۔ اب یہی دیکھو کہ غالب ایوارڈ پر ساری دنیا نے مبارک باد کے خط لکھے، لیکن جس کے خط کا صحیح معنی میں انتظار تھا، وہی خاموش ہے۔ میاں ہم لوگ اُس فصل کی آخری بہار ہیں جو دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔ ویسے بہار کا موسم بار بار آئے گا۔ میر صاحب نے ہم جیسے سبھی دل زدگان کی طرف سے یہ، پیغام دیا ہے:

ہم فقیروں سے کج ادائی کیا آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

خط لکھو، اور نہ لکھو تو نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ تمھاری پریشانیوں کا احساس ہے، لیکن بندگی بے چارگی والی بات ہے۔ نہ تم بدلو گے نہ ہم بدلیں گے، پھر حالات کیسے بدلیں اور کیوں بدلیں۔

رشید حسن

(۳۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۶ر مئی ۱۹۸۳ء

عزیز مکرّم!

خط ملا۔ میں ۱۴ر اپریل کو جموں یونی ورسٹی کی دعوت پر جموں گیا تھا، ۱۲ لکچر دینا تھے، پرسوں واپسی ہوئی ہے۔ اور اب ۲۴ر مئی کو کرناٹک یونی ورسٹی کی دعوت پر کرناٹک جانا ہے دس دن کے لیے۔ اِس بھاگ دوڑ میں سارا کام تباہ ہو رہا ہے اور بہت سے وعدے وفا ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ میرے پاس فراق کا مجموعہ روپ تھا نہیں، شہنواز صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بھجوا دیں گے، وہ نہیں پہنچا، مضمون کیسے لکھتا۔ لوگ اپنے وعدے کو بھول جاتے ہیں، صرف میرا وعدہ یاد رکھتے ہیں۔

تم سے ملاقات نہ ہو سکنے کا قلق رہا، اُس دن بہت انتظار کیا، مولانا نے کہا تھا کہ وہ آئیں گے ضروری۔

رہی بدنامی، وہ تو پہلے بھی کچھ کم نہیں تھی، اُس کا غم نہ کرو، میں اِن چیزوں کی طرف توجہ مطلق نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی تعریف یا مذمّت، دونوں بے معنی چیزیں ہیں۔ مجھے اِن دونوں سے مطلق تعلقِ خاطر نہیں۔ میں جس چیز کو بجائے خود صحیح سمجھتا ہوں، اُسے ضرور کرتا ہوں اور اِس سے قطعاً غرض نہیں رکھتا کہ دوسروں کا ردِّ عمل کیا ہوگا، وہ دوسرے کس قماش اور کس سطح کے لوگ ہوں۔ مجھے نہ کسی سے کچھ لینا ہے نہ دینا، اِس لیے تحسین یا نفریں میرے یہاں کوئی معنی نہیں رکھتی۔ پبلک ریلشن کا میں کبھی قائل نہیں رہا، اور نہ ہوں گا:

دریا بہ وجودِ خویش موجے دارد   خس پندارد کہ ایں کشاکش بااوست

تم دل چھوٹا نہ کرو، سنتے رہو اور ہنستے رہو۔ اِس سلسلے میں اپنے آپ کو (اور مجھے بھی) فرقۂ علامیہ کا فرد سمجھ لو۔

میں اب اگر کسی وقت لکھنؤ آیا تو کوشش کروں گا کہ تم سے ضرور ملاقات ہو اور اُسی وقت دفتر میں بھی دریافت کروں گا تمھاری درخواست کا۔

رشید حسن

اپنے پتے میں پوسٹل زون نمبر ضرور لکھنا، اِس سے خط جلد پہنچتا ہے۔ اِس خط کی رسید فوراً بھیجو۔

(۳۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۳۱ رمئی ۱۹۸۴ء

عزیز مکرم!

خط کئی دن پہلے ملا تھا، میں ایک ہفتے تک سخت زکام اور بخار میں مبتلا رہا۔ گرمی نے حملہ کیا تھا اور اِس موسم کا زکام بہت بُرا ہوتا ہے۔ تیز دوائیں کھا گیا، جن کے اثر سے اب تک گرفتگی محسوس ہوتی ہے۔

استاد رشید مرحوم کے کلام پر میں پیش لفظ ضرور لکھوں گا۔ تم اُسے میرے پاس بہ ذریعۂ رجسٹرڈ بھیج دو۔ یہ تم نے واقعی ثواب کا کام کیا ہے۔ تمھاری طبیعت خراب ہے پڑھ کر بہت قلق ہوا۔ اپنے آپ کو سنبھالو، یہ ضروری ہے۔ یہ دنیا اِس طرح کی ہے کہ اِسے نہ تمھاری پروا ہوگی نہ میری، ہاں ہم دونوں کو چاہیے کہ امکان بھر بھی بیماری اور دُنیا کو کام یاب نہ ہونے دیں۔

رباعیاں خوب ہیں۔ چوتھی رباعی کے دوسرے مصرعے میں ''ادراک'' کا لفظ برمحل نہیں .....

یا خوش فہمی سے ملتا جلتا کوئی لفظ چاہیے۔ آخری رباعی کے پہلے دونوں مصرے نظرِ ثانی کے طلب گار ہیں "سارے ہی نقوش" سے بات بنتی نہیں۔ دوسرے مصرعے میں ایک لفظ کم ہے "کیا کیا خواب ہیں دکھانے کے لیے"۔

خط لکھو۔ مولانا کا خط بھی آیا ہے۔

رشید حسن

(۳۲)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۸رجون ۱۹۸۴ء

عزیزِ مکرم!

خط ملا، مگر اِس سے پہلے تم کو میرا لفافہ مل چکا ہوگا، جو میں نے تمھارے پچھلے خط کے جواب میں لکھا تھا، اور جس میں میں نے یہ لکھا تھا کہ رشیدؔ[۸۰] صاحب مرحوم کے کلام پر میں پیش لفظ ضرور لکھوں گا، یہ اُن کا حق ہے مجھ پر۔ تم وہ مجموعہ، یا پھر کچھ منتخب اشعار فوراً بھیج دو، میں بس ایک ہفتے کے اندر اپنی تحریر تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اِس خط کا جواب فوراً لکھو، چشم براہ ہوں۔

تمھاری طبیعت کا احوال پڑھ کر الجھن بھی ہوئی اور تکلیف بھی۔ خدا کرے اب تم اس صورتِ حال سے کچھ نہ کچھ نجات حاصل کر چکے ہو۔

خط کا انتظار ہے

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۵راپریل ۱۹۸۵ء

عزیزِ مکرم!

بہت شرمندہ ہوں کہ بہت تاخیر سے اِن اوراق کو بھیج رہا ہوں۔ دیکھ تو لیا تھا بہت پہلے۔ بس ڈاک خانے تک جانے کی کاہلی تھی، اور چند روز اس میں گزر گئے کہ شاید میرا جانا نکل آئے اور بہ احتیاط خود پہنچادوں۔ ڈاک سے ذرا ڈر بھی لگتا ہے آج کل، بُرا احوال ہے۔

میں ٹھیک ہوں۔ ۲۹ر اپریل کو دن بھر کے لیے آگرہ جاؤں گا، میکش صاحب بہت بیمار ہیں۔ غالب ایوارڈ ۸۴[۸۱] کا اُن کو دیا گیا تھا، وہ یہاں آنہیں سکتے، اِس لیے ہم سب وہیں جا کر اُن کی خدمت میں یہ ایوارڈ پیش کریں گے۔ شام ہی کو واپسی ہوگی۔ کار سے جانا ہے اور اُسی سے واپسی ہوگی۔ رسید اس کی ضرور بھیجو۔ اور ہاں میں اب کے ۱۲، ۱۴ دن تک شاہ جہان پور میں رہا۔ سحر سے ملاقات ہوئی تھی، وہ آئے تھے۔ مولانا کے خط برابر آتے ہیں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۲۰ر فروری ۱۹۸۶ء[۸۲]

عزیزم!

کتاب کا پارسل مل گیا۔ کتاب[۸۳] دیکھ کر آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی اور دل میں مسرّت۔ مبارک ہو۔ دیکھو حریفانِ کم مایہ وتنگ دل اب کیا کہتے ہیں۔ شروع کی رباعیاں بہت جمتی ہوئی ہیں اور قدرتِ سخن کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہی احوال غزلوں کا ہے، جی خوش ہوگیا۔

میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ میں ۲۲ر فروری کو بمبئی جاؤں گا۔ وہاں یونی ورسٹی میں پانچ اکسٹنشن لکچر دینا ہیں۔ مارچ کے پہلے ہفتے میں واپسی ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

ایک پرچہ ملفوف ہے یہ ذرا صباح الدین صاحب کو پہنچا دینا۔ رئیس صاحب کا کام بمبئی میں بیٹھ کر کروں گا۔ اُن کو خط لکھ دیا ہے۔

(۳۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

ٹی.سی.۹، گاڑہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۶ر جولائی ۱۹۸۶ء

عزیزم!

خط ملا۔ آج ہی مفتی صاحب کا خط ملا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ شاید اِس ماہ کے آخر تک اُدھر آنا ہوگا۔ اِس طرح تم سے ملاقات کی صورت نکل آئے گی اور زبانی بات چیت ہو جائے گی۔ تبصرہ ضرور لکھوں گا، اور کیوں نہیں لکھوں گا، جلد لکھوں گا، ریڈیو کے پروگرام کا انتظار تھا کہ شاید تبصرۂ کتب کی نوبت وہاں آجائے، چند روز میں معلوم ہو جائے گا۔

تمھاری غزل کا آخری شعر: معلوم یہ ہوا کہ.... دل میں اُتر گیا اور دیر تک اسے پڑھتا رہا۔ یہ میری بھی سرگذشت ہے اور شاید مجھ جیسے کئی شخصوں کی۔ جی خوش ہوگیا۔ تسیم صاحب کا خط آیا تھا، جواب اُن کو میں نے لکھ دیا ہے اور اب کے ذرا تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ میٹنگ کا تم بھی معلوم کر لینا اور میں بھی تم کو خط لکھوں گا۔

رشید حسن

(۳۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

ارنومبر ۱۹۸۶ء

عزیزم!

خط ملا۔ انور خاں کا خط آیا ہے، ملفوف کر رہا ہوں۔ ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ شاید جلد ہی پھر کوئی صورت نکلے، اطلاع دوں گا۔ ابھی جے پور گیا تھا، ایک ورک شاپ [۸۴] تھی۔ دسمبر میں جمبئی یونی ورسٹی میں املا پر ایک سیمنار ہے انٹرنیشنل، اس میں امریکہ اور انگلستان سے بھی ماہرین شرکت کریں گے۔

میں ۷رنومبر سے ۱۰رنومبر تک شاہ جہان پور میں رہوں گا۔ بھتیجی کی شادی ہے۔ تمھاری طبیعت کا پڑھ کر فکر ہوئی، دراصل یہ سب غم ہائے روزگار کے بدلے ہوئے بھیس ہیں:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے ـــــ اِس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

رشید حسن

(۳۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی
۱۵؍جولائی ۱۹۸۷ء

عزیزم!

میں کل یعنی ۱۴؍جولائی کو لاہور سے واپس آیا ہوں۔ تمھارا خط رکھا ہوا تھا۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اکیڈمی بن گئی اور میرا نام اُس میں نہیں، اور کچھ مجھے نہیں معلوم۔ یہ تو ذرا بھی پریشانی کی بات نہیں، کیوں غم کرتے ہو۔ اب ہر چیز سیاست کا شکار ہے اور میں قطعاً غیر سیاسی آدمی ہوں اور کسی کا بھی آدمی نہیں۔ یوں یہی ہونا چاہیے تھا، مگر تم نے یہ نہیں لکھا کہ چیر مین کون ہے اور صدر کون ہے۔ اور وائس چیر مین کون ہے۔ مجھے کچھ بھی اطلاع نہیں۔

قلم چند روز میں پہنچ جائے گا۔ تاخیر ہوئی واقعی۔ لاہور ۸۵ کا سفر بہت اچھا رہا۔ میں چار دن تک اسلام آباد میں صدرِ پاکستان کا مہمان رہا۔ پھر لاہور میں رہا۔ دسمبر میں پھر جانا ہے، وہاں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ میں ۵ لکچر دینا ہیں۔ میری دو کتابیں بھی وہاں چھپیں گی، طے ہوگیا ہے۔ شاید دسمبر تک دونوں چھپ جائیں گی۔ تفصیل کبھی زبانی۔ لاہور میں جو ادبی جلسہ تھا، اُس کی صدارت صدرِ پاکستان نے کی تھی اور میری تقریر کا اُنھوں نے اپنی تقریر میں پانچ بار حوالہ دیا۔ بل کہ یہ بھی کہا کہ "سرحد پار سے جو آواز آئی ہے، وہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے"۔ غرض کہ بہت اچھا سفر رہا۔ خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔ نومبر یا دسمبر میں خورشید کی شادی ہوگی، تم کو لازماً شرکت کرنا ہے، ابھی سے تیار رہو۔

رشید حسن خاں

نیا دور بہت دن سے نہیں ملا ہے۔ ذرا پوچھنا تو اپنے نوجوان دوست سے۔

(۳۸)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۲۲؍اکتوبر ۱۹۸۷ء

عزیزم!

تم سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے کاہلی کے سبب سے، رسالہ رکھا رہا اور میں بس یہی سوچتا رہ

گیا کہ اب بھیجوں اور تب بھیجوں۔ بھائی! معاف کرنا، میں واقعی شرمندہ ہوں۔

حامد صاحب والا کام ضرور کرو۔ میرے پاس اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرچہ ہے جس میں اُنھوں نے ایک قطعہ لکھ کر بھیجا تھا۔ ایک موقع پر ضروری سامان لے جانے کے لیے میں نے ٹاٹ کی ایک بوری کا انتظام کر دیا تھا، وہ اُس وقت پریشان تھے کہ یہ سامان کیسے جائے گا۔ میں اتفاقاً وہاں موجود تھا، اور لوگ اُن کو جانتے نہیں تھے۔ ملاقات میری بھی پہلی بار اُسی وقت ہوئی تھی۔ انھوں نے جب بوری واپس کی تو یہ پرچہ بھیجا، جس میں اُنھوں نے ایک قطعہ بھی لکھا۔ میں یہ قطعہ تم کو بھیج دے رہا ہوں۔ اگر اِس موقعے پر کام آسکے تو خوب ہو۔ یا ویسے ہی کبھی کام آجائے۔ اِسے حفاظت سے رکھ لینا۔ میں نے اب تک حفاظت سے رکھا ہے۔

خورشید کی شادی دسمبر کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں ہوگی، مطلع کروں گا، تم میرے مہمان کے طور پر آؤ گے اور لازماً، کرایہ دونوں طرف کا میرے ذمّے ہوگا۔ ہاں رہو گے ضرور اپنے گھر۔ تاریخ اُن لوگوں نے ابھی تک نہیں دی ہے۔ اب جلد ہی معلوم ہوگی۔

رشید حسن خاں

اس خط کی رسید ضرور بھیجو اور فوری طور پر، تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ وہ پرچہ تم کو مل گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اِس خبر سے تم سب سے زیادہ خوش ہو گے کہ تنقیدی[۸۶] مضامین کا مجموعہ مرتب کر رہا ہوں، دہلی اردو اکیڈمی نے امداد دی ہے، گویا مارچ تک لازماً چھپ جانا چاہیے۔ کتابت کے لیے دے دیا ہے کچھ حصّہ، باقی حصّہ بھی نظرِ ثانی کے بعد دوں گا۔ اب ۲۵ فی صد میرے حصّے کا جو خرچ ہے، اُس کی فکر کر رہا ہوں۔ آفسٹ میں چھپے گا۔ کوئی اچھا سا نام تجویز کر کے بھیجو۔ میں نے فی الوقت ''تلاش و تعبیر'' سوچا ہے، تم بھی ذرا غور کرو۔

(۳۹)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۴؍دسمبر ۱۹۸۹ء

عزیزم!

خط ملا تھا۔ میں اب[۸۷] بہتر ہوں، مگر لکھنا پڑھنا ابھی شروع نہیں ہو سکا ہے۔ ابھی ایک ماہ اور لگے گا، اس کے بعد دائیں آنکھ کا آپریشن ہوگا۔ غرض چار چھے مہینے یہی رہے گا۔

میرا ارادہ یہاں اب کوئی ملازمت کرنے کا نہیں، اگر چہ دو جگہ سے پیش کش ہے، یونی ورسٹی کی نوکری کرنے کے بعد آدمی کہیں اور کی ملازمت کرنے کے قابل رہتا ہی نہیں اور پھر مجھ جیسا آدمی۔

ایک اچھی خبر: مجھے بھی لوگ دیکھنے آئے، یہاں تک کہ پاکستان سے جمیل جالبی (سابق وائس چانسلر کراچی یونی ورسٹی، جن کی تاریخ ادب پر میں نے تبصرہ لکھا تھا) وہ بھی مجھے دیکھنے خاص طور پر آئے، صرف میرے عزیز دوست قمر صاحب نہیں آئے، ہے نا عمدہ خبر؛ یہ احوال ہے اس دنیا کا۔ لیکن میں نے بھی تو کسی سے بنا کر تو رکھی نہیں، تو میں کوئی توقع کیوں کروں، خط لکھو کہ خط پڑھ کر ایسے میں جی لگتا ہے اور بوریت دور ہو جاتی ہے۔ شبیر صاحب کی تعزیت کا خط لکھوں گا۔ ہاں میری کتاب پر اُن کا تبصرہ میں نے نہیں دیکھا۔ تمھارے پاس تو ہوگا۔ اس کی کٹنگ لفافے میں بھیج دو۔ خط لکھو۔

ریڈیو والا چک مل گیا، دور درشن والا ابھی نہیں ملا، مل جائے گا۔

رشید حسن

(۴۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

دہلی

۲۲؍جولائی ۱۹۹۰ء

عزیزم!

خط ملا تھا۔ میں چند در چند ناسازگاریوں[۸۸] میں مبتلا رہا۔ آج کل موسمی اثرات کے گھیرے میں بے طرح آ گیا ہوں۔ اگست کے اواخر میں شاہ جہان پور جانا ہوگا۔ اکتوبر میں غالباً بچّی کی شادی ہوگی، اُس کا سارا انتظام ابھی گویا کرنا ہے۔ خالد نے دُکان کر لی ہے، منڈی میں، ریڈی میڈ گارمنٹ کی، اس میں بہت روپے لگ گئے۔ ۲۱ ہزار تو صرف پگڑی کے دینا پڑے۔ بہ ہر حال، یہ معاملہ نپٹ گیا اور اِس سے مجھے بہت اطمینان نصیب ہوا ہے پہلی بار۔ میں چاہتا ہوں لکھنؤ آنا، مگر فی الحال نہیں، اکتوبر کے بعد ہی ہوگا۔ اکتوبر کے اواخر میں بمبئی میں ایک سمینار ہے، مگر جانا مشکل معلوم ہو رہا ہے، الجھنیں اس قدر ہیں۔ نظر ابھی تک جم نہیں پائی ہے، لکھنے پڑھنے میں خاصی الجھن اب بھی ہوتی ہے۔ بہ ہر حال، ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔

سحر کا خط کل ملا، وہ ۲۴؍جولائی کو بمبئی جائیں گے اور لکھا ہے کہ اکتوبر میں واپسی ہوگی، اس

کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابھی علاج باقی ہے؟

خدا کرے تم بہ خیریت ہو اور بہ عافیت، خط لکھتے رہا کرو۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی بی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۲ر نومبر ۱۹۹۰ء

عزیزم!

خط ملا، حالات سب جگہ ایک ہی جیسے ہیں، اِس لیے گھبرانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور جہاں جاؤ گے، کیا آسمان وہاں نہیں ہوگا؟ ہر جگہ زمیں سخت ہے آسماں دور ہے۔ میں ۶ر دسمبر ۸۹ کو بمبئی جاؤں گا، یونی ورسٹی میں تین لکچر دینا ہیں اور ایک سمینار بھی ہے۔ ۱۴ر کو واپسی ہوگی، واپسی پر دوسری آنکھ کا آپریشن ہوگا۔

گھبراؤ مت، اِس سے تو وحشت اور بڑھے گی۔ دل کو سنبھالو اور ہمّت کو باندھے رہو۔ یہ دن بھی گزر جائیں گے۔

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی بی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۵ر ستمبر ۱۹۹۱ء

عزیزم!

تمھارا خط آج شام کو ملا۔ ۳ر نومبر کو اتوار کے دن خالد کی شادی طے ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ تمھاری شرکت ضروری ہے۔ سفر خرچ کا منی آرڈر آج ہی کیا ہے۔ ولیمہ اِس بار نہیں ہوسکتا۔ میری بیماری نے سب کچھ گڑبڑ کر دیا ہے۔

اردو میں مشرقی شعریات پر کوئی مستقل کام جدید انداز سے تو نہیں ہوا ہے، لیکن متفرق

معلومات موجود ہیں۔ نجم الغنی خاں کی کتاب بحرالفصاحت میں علم معانی و علم بیان کے ابواب اِسی کے تحت آتے ہیں۔ حال ہی میں شعبۂ اردو علی گڑھ یونی ورسٹی کے ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی کا تحقیقی مقالہ عربی شاعری کی شعریات کا اثر اردو پر، غالباً اِسی عنوان سے شائع ہوا ہے۔ نام مجھے اِس وقت صحیح طور پر یاد نہیں، مگر دانش محل میں معلوم کر سکتے ہو۔ اس سے بہت مدد ملے گی۔ مولانا شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر اور پھر شعرالعجم میں مختلف مقامات پر ایسے مباحث کو چھیڑا ہے جو مشرقی شعریات کے تحت آتے ہیں۔ خاص کر ایک کتاب ہے مرآۃ الشعرا، اِسے اردو اکیڈمی نے بھی ڈاکٹر محمد حسن کے زمانے میں شائع کیا تھا، قدیم انداز سے یہ شعریات پر اہم کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ بھی بہت مفید ہوگا۔ بعض کتابوں کے نام بعد میں لکھوں گا۔

میں [۹۰] نومبر کے وسط میں دس بارہ دن جموں میں رہوں گا، وہاں چھے لکچر دینا ہیں۔ ۲۹ یا ۳۰ر نومبر کو کراچی جانے کا پروگرام ہے نیاز لکچر کے سلسلے میں۔ واپسی بس ۵، ۶ دن میں ہو جائے گی۔ شاہ جہان پور میں یکم نومبر کو پہنچوں گا۔ اِسی دوران چند روز کے لیے بمبئی بھی جانا ہے۔ فروری میں لاہور جاؤں گا۔

تم اپنی خیریت سے مطلع کرو۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۱۴ر مئی ۱۹۹۳ء

عزیزم!

خط ملا۔ وہ روپے گھر پر ہی بھجوا دو، اگر عید سے پہلے پہنچ جائیں تو خوب ہو۔ میں اب کے عید کے موقعے پر گھر نہیں جا سکوں گا۔ بچی تو یہاں ہے، میں وہاں کہاں جاؤں گا۔ اس کے علاوہ گرمی اِس بلا کی ہے کہ سفر کرنا مشکل ہے۔ امجد صاحب کو میں آج ہی الگ سے شکریے کا خط لکھ رہا ہوں۔

ایک بات اور بھی ہے: ۱۹۹۲ء کا نیشنل [۹۱] ایوارڈ ہریانہ کا، جس کا نام حالی ایوارڈ ہے، اُس کا کچھ معاملہ ہے۔ انتخابی کمیٹی کا فیصلہ ہو چکا ہے، اب یار لوگ اِس پھیر میں ہیں کہ اوپر کی سطح پر کچھ گڑ بڑ کی جائے، یوں بھی فی الوقت یہاں رہنا ضروری ہے۔ میں تو کسی سے ملتا نہیں، البتہ خلیق انجم صاحب اطلاعات پہنچاتے رہتے ہیں اور وہی سرگرمِ کار بھی ہیں۔

آگرہ میں ایک بڑا اسپتال یا ادارہ ہے کینسر کا، خورشید بچی کو لے کر وہاں بھی جائیں گے،

اِس ماہ کے آخر میں۔ ذہن خاصا پریشان رہتا ہے۔ اب واقعتاً میں گھر پر آرام سے بیٹھنا چاہتا ہوں، مگر وہ نامراد کمرا ابھی ادھورا ہے۔ دیکھو اگر گڑبڑ کام یاب نہیں ہوسکی تو شاید اِس بار مکمل ہوجائے۔ شبنم صاحب کو بھی خط لکھا تھا دو ہفتے پہلے۔ میرے مضامین کا مجموعہ مکتبہ جامعہ چھاپ رہا ہے، شاید دو تین مہینے میں چھپ جائے گا، بھیجوں گا۔ نیز مسعود صاحب کا خط آیا تھا، وہ ۱۶ رمئی کو دہلی میں ہوں گے۔ مولانا رئیس نعمانی بھی یہیں ہیں۔ پرسوں آئے تھے۔ تم نے ان کے کسی خط کا جواب نہیں لکھا، شکایت کررہے تھے۔ اختر کا خط آیا ہے۔ نسیم نے دو شعروں پر اعتراض کیے ہیں، وہ باتیں پھر شروع ہوگئیں۔ سحر صاحب کے لڑکے کی شادی لکھنؤ میں ہوئی ہے۔ تم نے شرکت تو کی ہوگی۔ میں بچّی کی بیماری کے سبب نہیں جاسکا۔ خدا کرے بہ عافیت ہو۔

رشید حسن

(۴۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۷۔۱۱۰۰۰۷
۱۵ راگست ۱۹۹۳ء

عزیزم!

آج ہی خط ملا۔ تمھارا نام ممبروں میں شامل ہے، یہ اطلاع میرے لیے سب سے زیادہ مسرّت بخش ہے۔ میرا جی بہت خوش ہوا۔ میری طرف سے مبارک باد۔ مجاور صاحب کا مضمون کئی مہینے پہلے میرے پاس آگیا تھا۔ مضمون نگار کی ہدایت پر اڈیٹر نیا دور نے اُس کی عکسی نقل مجھے بھیج دی تھی۔ خط اُن کو میں نے یوں نہیں لکھا کہ اُن سے میری رسم و راہ نہیں، نہ کبھی ملاقات ہوئی۔ کبھی مل گئے تو شکریہ ضرور ادا کروں گا۔

میں پٹنہ[۹۲] گیا تھا پچھلے ہفتے، خدا بخش لائبریری میں اکسٹنشن لکچر دینا تھا۔ لائبریری میں بھی کچھ کام کرنا تھا۔ نیا دور کے لیے کچھ ضرور بھیجوں گا۔ میرے گھٹنے میں بہت تکلیف ہے، یہاں علاج ہورہا ہے، روز دو گھنٹے تک مشینی سِنکائی ہوتی ہے اور مشینی مالش۔

محمود الٰہی صاحب کو خط ضرور لکھوں گا، مگر اُس وقت جب پہلے اُن کا خط آجائے گا۔ ورنہ وہ اِسے کچھ اور سمجھیں گے۔ اکیڈمی والے بدبخت ہیں کہ صباح الدین عمر نمبر بھی ابھی تک نہیں نکال سکے۔ نکمّے لوگ ہیں اور ناکارہ اب نئی اکیڈمی بنی ہے تو اس کا امکان ہے کہ تم لوگ حالات کو

مناسب حد تک ٹھیک کرلو۔ یہاں اردو اخبار پڑھنے کو نہیں ملتا، یوں مجھے نہیں معلوم کہ ممبر کون کون ہوا۔ مجھے تو اکیڈمی کی نئی تشکیل کا بھی معلوم نہیں تھا، پرسوں لکھنؤ سے محسن خاں (افسانہ نگار) آئے تھے، وہ ملنے آئے تو اُنھوں نے بتایا۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو اور سرگرمِ کار۔

رشید حسن

(۴۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۸/ستمبر ۱۹۹۳ء

عزیزم!

دونوں خط مل گئے۔ میرے پیر میں بہت درد تھا۔ روزانہ تین گھنٹے کے لیے اسپتال جانا پڑتا ہے، وہاں کئی مشینوں سے مالش اور سینک ہوتی ہے۔ اب کے چار ماہ سے گھر نہیں جاسکا ہوں۔ ممتاز مرزا صاحبہ کا خط آیا تھا ایک ہفتہ پہلے، لکھا تھا کہ وہ اور بیکل ۶/ستمبر کو امریکہ جائیں گے۔ اب معلوم نہیں کہ وہ لوگ گئے یا نہیں۔ پونے کا مشاعرہ غالباً ۲۲/کو ہوگا۔ اس کے شعرا کا انتخاب دو ماہ پہلے ہوا تھا۔ چوں کہ میں ان سب سے مل نہیں پاتا اس لیے مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہو پاتا۔ بہ ہر صورت، اگلے سال ضرور میں اپنی سی کروں گا اور تم پونے ضرور جاؤ گے۔ جہاں تک دُبئی کا تعلق ہے، تو وہاں سے خود محترمہ کا رابطہ اب نہیں رہا۔ کوئی پیچ پڑ گیا ہے شاید۔ اب جب ان سے ملاقات ہوگی تو پوچھوں گا۔

محمود الٰہی صاحب کو میں نے خط نہیں لکھا، یوں کہ وہ خیال کر سکتے ہیں کہ شاید میں بھی کسی طرح کا امید وار ہوں۔ راستہ دیکھتا ہوں کہ وہ خود خط لکھیں۔ پہلے تو یہی ہوتا تھا۔ اب بھی یہی ہونا چاہیے۔ میں بہ ہر طور پہلے خط نہیں لکھوں گا، اپنے انداز اور اپنی وضع کو اب کیا چھوڑوں۔ تم نے میرا ساتھ اختیار کیا ہے، تو بھائی! میں تو بے مصرف ہوں اور بے تعلق سب سے، کیا کروں۔ تمھارے خلوص اور تمھاری وضع داری کا نقش دل پر ہے۔ بہ ہر صورت، اب کے بیگم صاحبہ سے بات ضرور کروں گا۔ اپنی اس کوتاہی پر منفعل ہوں کہ پہلے یہ خیال نہیں آیا۔ خیر، اب سہی۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۳۰؍مارچ ۱۹۹۴ء

عزیزم!

خط ملا۔ کیوں پریشان ہوتے ہو، گھر والے کبھی قدر نہیں کرتے۔ وہ کام ہونے والا نہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، دیکھ لینا، ایک ہی دن کی تو بات ہے۔ میں نے بنا کے رکھی ہی نہیں کسی سے، پھر! اور کیوں بنا کے رکھتا، اعتماد اپنے قلم پر تھا اور ہے، اِس کے بعد ہر چیز ہیچ ہوتی ہے۔

خالد کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ سہیل نے بتایا ہوگا۔ خیر، یہ بھی سہی۔ مجھے تو بھرنا بھگتنا ہے۔

دو کتابیں بھیج رہا ہوں۔ ایک تمھاری ہے، ایک نیا دور کے اڈیٹر کو دے دینا۔ ایک عابد سہیل کو دے دینا۔ یہ امجد حسین تو اِس قدر بداخلاق نکلے کہ اُنھوں نے میرے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ اِس لیے اُن کو کتاب کیا بھیجوں؟ ورنہ بھیجتا ضرور۔

گلزارِ نسیم قریبِ تکمیل ہے، اس میں کئی سال لگ گئے۔ کتابت شروع ہو چکی ہے۔

ادھر مکتبہ جامعہ نے کتاب نما کے ایک خاص نمبر کا پروگرام بنایا ہے اور اطہر فاروقی کو اُس کا مرتب مقرر کیا ہے۔ گیان چند جین نے بہت ٹھاٹھ دار مضمون اس کے لیے بھیجا ہے۔ مخمور سعیدی نے نظم بھیجی ہے۔ یہ کتابی صورت میں چھپے گا، یہ اُن کا ایک خاص سلسلہ ہے۔ ۸۰، ۹۰ صفحے کی کتاب وہ چھاپتے ہیں۔ ابھی تاباںؔ مرحوم سے متعلق کتاب چھاپی ہے۔ چلو یہ بھی سہی، اگر چہ اس کی ضرورت نہیں تھی، مگر شاہد علی خاں مانے ہی نہیں۔ میں نے تو بہت ٹالنا چاہا۔

تم کیسے ہو، تم سے ملاقات ایک زمانے سے نہیں ہو پائی ہے۔ مجھے تین ہفتے کے لیے جمّوں یونی ورسٹی جانا ہے کچھ لکچر دینے کے لیے۔ شاید اپریل کے آخر میں جاؤں۔

تمھارا یہ شعر دل کو چھو گیا: اجڑتی سجتی ہوئی محفلوں... کیا اچھا کہا ہے۔ جی خوش ہو گیا۔ جیتے رہو۔ ''کہ غمگساروں سے خالی ہوا زمانہ کیا'' یہاں ''کہ'' بات کو بگاڑ رہا ہے۔ کیا زمانہ غمگساروں سے خالی ہوا! یہ اصل بات ہے۔ اس میں ''کہ'' کی گنجائش نہیں، بات بگڑ جائے گی۔ خدا کا ذکر کرو... یہ کیا فضول شعر کہا ہے، اسے نکال دو۔ مولوی صاحب قبلہ بننے کی ضرورت نہیں۔ بکھرتے آئینے میں... اِس میں ''بکھرتے'' برمحل نہیں، شکستہ کا محل ہے۔ آئینہ ٹوٹ کر بکھرتا ہے، تب اس میں عکس کا سوال ہی نہیں۔ عکس کے ساتھ جب تک کا نہ آئے، زبان کے دائرے میں شعر نہیں آپائے

گا۔ اِسے بدل کر کہو۔

کل سیمابؔ کا ایک شعر دیکھا، دیر تک زبان اُسے دہراتی رہی:

مرکز پہ اپنے دھوپ سمٹتی ہے جس طرح
یوں رفتہ رفتہ تیرے قریب آ رہا ہوں میں

تشبیہ بے مثال ہے اور اس نے شعر میں روشنی دوڑا دی ہے۔

خط لکھتے رہا کرو۔

رشید حسن

(۴۷)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

۸/اپریل ۱۹۹۴ء

عزیزم!

دو خط ایک ساتھ ملے۔ میرا خط اب تک مل چکا ہوگا۔ تفہیمؔ بھی مل گئی ہوگی۔ تفہیمؔ میں نے نہیں بھیجی تھی، یوں کہ پچھلے ۱۵ سال سے میں نے اپنی کوئی کتاب انعام کی غرض سے وہاں نہیں بھیجی۔ اِس بار بھی یہی کیا۔ میں نے مکتبۂ جامعہ کو منع بھی کر دیا تھا کہ میری کتاب نہ بھیجی جائے، اُنھوں نے میری مرضی اور میری اجازت کے بغیر بھیج دی۔ لوگ سمجھیں گے کہ یہ کاسۂ سوال میں نے دراز کیا تھا۔ خیر، یہ داغ بھی دامن پر سہی۔ پیسوں کی ضرورت تو رہتی ہی ہے، یوں اب محض مجبوری ہے، لیکن میں اِس سے ذرا بھی خوش نہیں ہوا، یوں کہ ۱۵ سال کی روایت ٹوٹ گئی۔ لوگوں کو کیا معلوم کہ کیسے ٹوٹی ہے۔ مجھے آج تک سب کچھ مانگے بغیر ملا ہے۔

محمود الٰہیؔ صاحب کل یہیں تھے، میرے پڑوس میں یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں قیام تھا، ملاقات نہیں ہو پائی۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ آئیں گے، وہ شاید یہ سوچتے رہے ہوں گے کہ اِن کو آنا چاہیے۔ اُنھوں نے اپنے آنے کی اطلاع بھی نہیں کرائی، اب سے پہلے وہ جب بھی آتے تھے تو یا تو اطلاع کرتے تھے یا خود چلے آتے تھے۔ اطلاع ملنے پر میں جایا کرتا تھا، اب کے اُنھوں نے پرانے انداز کو چھوڑ دیا، تو میں نے بھی اپنی وضع داری کو ترک کر دیا۔

دیکھو میاں! گھومت۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ تم کو خوب یاد ہوگا کہ اطہر نبی صاحب نے ازخود دستِ تعاون نیاز مندانہ دراز کیا تھا، میں نے ہی طرح دے دی۔ تو پھر مجھے شکایت کرنے کا موقع کیسے مل سکتا ہے۔ سب نے مجھے اپنانا چاہا، یہ تو میری ہی ٹیڑھ ہے کہ سب

سے ملنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور کیوں ملوں؟ میں اُس انداز کا دُنیادار نہیں۔ ابھی میرا ضمیر مرا نہیں اور وقار کا احساس بھی زندہ ہے، پھر ہمہ شما سے کیا خلا ملا ہو اور کیوں ہو۔ دیکھو تم سے ملاقات کب ہوتی ہے۔ خط لکھتے رہا کرو۔

رشید حسن

(۴۸)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۱۹ر جون ۱۹۹۴ء

عزیزم!

۱۶ر جون کا خط ملا۔ بیماری اب کوئی نہیں، بس نقاہت ہے اور وہ بھی دراصل افکار کے دباو کا نتیجہ ہے۔

بھائی! تمھاری ترمیم شدہ غزل مجھے نہیں ملی۔ ہرگز نہیں ملی، ورنہ وہ واپس ضرور پہنچتی۔ ڈاک کے ڈاکوؤں کی نذر ہو گئی ہوگی۔ خیر، صبر کرلو اور اب فوری طور پر اُسے پھر بھیج دو، میں چشم براہ ہوں۔ اُسے ضرور دیکھوں گا۔

یہاں میری جان اٹکی ہوئی ہے ہریانے والوں کے پروگرام میں۔ اب معلوم ہوا ہے کہ جولائی کے پہلے ہفتے میں جلسہ ہوگا۔ اگر ہوا تو مطلع کروں گا اور تبھی شاہ جہان پور جانا ہوگا۔

تم نے لکھا ہے کہ مضمون اپریل کے شمارے میں چھپ گیا۔ اور اُس کی دو کاپیاں مجھے بھیجی گئی ہیں۔ آج اتوار ہے، کل سنیچر تھا، کل تک تو ایک کاپی بھی نہیں آئی تھی، شاید پیر، منگل کو آئے۔ گلزارِ نسیم مکمل ہو گئی۔ کتابت ہو رہی ہے ساڑھے چھے سو (650) صفحے میں سمائی ہے۔ پورے معرکۂ چکبست وشرر پر محاکمہ کیا ہے۔ نیا دور میں اگر مضمون چھپا ہے، تو وہ اُسی کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے، اُس سے تم کو اس کی وسعت کا اندازہ ہو جائے گا۔

کیا لکھنؤ آنا ہوگا؟ تمھارے لکھنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، ذرا وضاحت کرو۔ کیا اکیڈمی اُن لوگوں کو وہاں بلائے گی؟ ایسا اس سے پہلے تو کبھی ہوا نہیں تھا۔ شاید تم کو غلط فہمی ہوئی۔ بہ ہر حال ذرا صحیح طور پر معلوم کر کے لکھو۔ آج یہاں موسم بہت خراب ہے۔ سارا دن ہو گیا ہے یوں ہی بیٹھے بیٹھے، کام دھام کچھ نہیں ہو پا رہا ہے۔ توبہ توبہ۔

خط فوراً لکھو اور غزل بھیجو۔

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
۳۰ رجون ۱۹۹۴ء[۹۷]

عزیزم!

میرا خط ملا ہوگا۔ تم نے غزل اب تک نہیں بھیجی۔ ہاں تم نے لکھا تھا کہ میرا مضمون نیا دور کے شمارۂ اپریل میں چھپ گیا اور اُس کی دو کاپیاں بھیجی گئی ہیں۔ میرے پاس تو آج کے دن تک کوئی شمارہ آیا نہیں۔ شاید تم کو غلط فہمی ہوئی۔ لیکن مضمون اگر واقعتاً چھپ گیا ہو تو فی الوقت تم اپنی ذاتی کاپی مجھے بھیج دو۔

۶ رجولائی کو چندی گڑھ میں جلسۂ تقسیمِ انعام[۹۸] ہوگا۔ اُس کے بعد میں غالباً ۱۵ رجولائی کے بعد شاہ جہان پور جاؤں گا۔ خط لکھو۔

رشید حسن

(۵۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
۲۴ رستمبر ۱۹۹۴ء[۹۹]

عزیزم!

تمھارے دو خط یہاں محفوظ تھے، میں ۲۳ رستمبر کو آیا ہوں۔ سیّد احمد سحر کے واسطے سے ساری چیزیں مل گئیں۔ تم نہ ہوتے تو یہ کام اتنی آسانی سے نہیں ہوسکتا تھا۔ زندہ رہو اور خوش رہو۔ سہیل نے -/300 بھجوادیے تھے۔ یہ بھی کام تمھاری وجہ سے انجام کو پہنچا، ورنہ میں تو نا اُمید ہو چکا تھا۔ نیا دور کے اڈیٹر خاصے مہمل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

طبیعت بس یوں ہی سی ہے۔ اب میں بھی چند ماہ میں مستقل طور پر شاہ جہان پور آنے کی تیاری کر رہا ہوں۔ صحت پریشان کرنے لگی ہے۔

غفران زاہدی صاحب سے میری ملاقات نہیں، یوں اُنھیں خط کیا لکھوں۔ ہاں تم کوئی مضمون بنا کر بھیج دو تو پھر دیکھوں گا۔ وہ مجھ سے واقف ضرور ہیں، مگر یہ واقفیت دور کا جلوہ جیسی ہے۔ میں نے تو آج تک محمود الٰہی صاحب کو خط نہیں لکھا جن سے میرے خاصے مراسم ہیں۔

حد یہ ہے شکریے کا خط بھی نہیں لکھا۔ ویسے تم جیسا لکھوگے، ویسا کردیا جائے گا۔ خط لکھتے رہا کرو۔ شاہ جہان پور کب جاؤ گے! مولانا رئیس کا تقرر جامعۂ ہمدرد، نئی دہلی میں ہوگیا ہے ڈپارٹ منٹ آف اسلامک اسٹڈیز میں۔ کل ہی خط آیا تھا۔ وہ خود بھی آئے تھے، کمرا ادھورا رہ گیا۔ سارے روپے قرض ادا کرنے میں نکل گئے۔ بہ ہر حال، ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔

خط لکھو۔

رشید حسن

(۵۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۲۷ر نومبر ۱۹۹۴ء

عزیزم!

موسم کا احوال ادھر ہی کچھ ویسا ہی ہے۔ میں ہمیشہ سے اِس بدلتے موسم سے پریشان رہتا ہوں۔ اب بھی ہوں۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تمھاری طبیعت ٹھیک ہوگی۔ تم کو لکھنؤ راس نہیں آیا۔ مولانا کو دلّی راس نہیں آئی: اُنھوں نے جامعہ ہمدرد سے استعفا دے دیا ہے۔ علی گڑھ واپس جارہے ہیں۔ تم بھی کیا کرو، اپنی طبیعت کو بدل نہیں سکتے، وضع داری کے مارے ہوئے ہو۔ پرانی یادوں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ مختصر یہ کہ شرفا کی طرح رہنا چاہتے ہو، مگر اربابِ زمانہ نے اِس طرح کسے جینا دیا ہے کہ سخت جانی کی آزمایش مسلسل رہتی ہے۔

کان پور خط کیا لکھوں، اچھا نہیں لگتا، اب تک جو کچھ ہوا ہے، از خود ہوا ہے۔ آیندہ بھی اگر کچھ ہوگا تو اِسی طرح ہوگا۔ اپنے انداز کو اور اپنی وضع کو اب کیا چھوڑوں۔ آخری وقت میں کون فدویت کو اپنائے۔

شاہ جہان پور گیا تھا ایک شادی کے سلسلے میں، خالد نے اُستادی کا امتحان دیا ہے، دیکھو اُن کے نکمے پن کی قدر کس قدر ہوتی ہے۔ چوں کہ زمانہ ناقدر شناس ہے، اس لیے شاید کچھ ہو جائے۔ میں دور کا تماشائی ہوں۔ تم کو دیکھے زمانہ ہوگیا، دیکھو کب ملاقات ہوتی ہے۔ خط لکھتے رہا کرو۔

رشید حسن

(۵۲)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
گائرہال
۲۶ رمئی ۱۹۹۵ء

عزیزم!

آج خط مل گیا۔ مسودہ آج ہی بنالیا ہے، کل صبح اُسے صاف کر کے سیّد حامد صاحب کے نام بھیج دوں گا۔ اطمینان رکھو۔ خدا کرے یہ کام ہوجائے۔

میاں! ہم تم دونوں عجیب تقدیر ساتھ لے کر آئے ہیں اور عجیب ترطبیعتیں۔ سر جھکتے نہیں اور ہاتھ پھیلائے نہیں جاتے اور احوال یہ ہے کہ کچھ لکیریں ہیں دستِ خالی میں۔

بہ ہر طور، اتنی گزر گئی ہے، باقی بھی بُری بھلی گزر ہی جائے گی۔ غم ہوتا ہے لیکن اُس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ موسم ذرا ٹھیک ہوجائے تو لکھنو آؤں گا۔ عید میں نے یہیں دہلی میں کی۔ گھر گیا تھا، عید سے چند روز پہلے ہی واپس آگیا۔

رشید حسن

(۵۳)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
۱۹ر جولائی ۱۹۹۵ء

عزیزم!

خط ملا۔ جس قدر مسرّت ہوئی اُسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ سیّد صاحب نے معقولیت سے کام لیا، ان کا واقعتاً معنون ہوں۔ اگلے سال پھر دیکھا جائے گا، کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہے گا۔

میں یکم ستمبر سے ۳۰ر ستمبر تک جموں میں رہوں گا، وہاں یونی ورسٹی میں ۱۲ لکچر دینا ہیں مسلسل۔

اطہر فاروقی کچھ پریشان ہیں اور الجھے ہوئے ہیں یوں اُس کتاب میں ذرا سی تاخیر ہے۔

مجروح سلطان پوری نے ایک بہت اچھا قطعہ بھیجا ہے اُس کے لیے، اِس کے باوجود کہ ان کی کتاب پر تباہ کن تبصرہ کیا گیا تھا۔ اس سے ان کی شرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خدا کرے تم بہ خیر ہو۔

رشید حسن

(۵۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۵؍نومبر ۱۹۹۵ء[۱۰۲]

عزیزم!

خط ملا، میرا حال بھی یہی رہا۔ جب سے آیا ہوں، مبتلاے بخار ہوں۔ یوں اب یہ طے ہو گیا ہے قطعی طور پر کہ میں ۳۱؍جنوری تک لازماً شاہ جہان پور منتقل ہو جاؤں گا۔ اب صحت خراب رہنے لگی ہے اور گھر کی ضرورت بے طرح محسوس ہونے لگی ہے۔ بہت دن صحرا نوردی کے مزے لوٹ لیے۔

بمبئی میں انٹرنیشنل سمینار ہے حافظ پر، دسمبر کے آخر میں، اُس میں جاؤں گا۔ وہی پرچہ بھیج دوں گا تم کو چھپنے کے لیے۔ دیوانِ حافظ سے فال لینے کا مسئلہ زیرِ بحث آئے گا، تبصرۂ عنبر صاحب ملفوف ہے، اِس کی رسید بھیجو۔ تم کب شاہ جہان پور آؤ گے؟ اب آ ہی جاؤ، جب میں اس قدر طویل بن باس کے بعد آ رہا ہوں، تو تم بھی وہیں چلے آؤ۔ کوئی تو بات کرنے کے لیے ہو۔

رشید حسن

(۵۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۴؍نومبر ۱۹۹۷ء

عزیزم!

دونوں خط مل گئے۔ انٹرویو والا کام بھی اب کر ہی ڈالوں گا، بہت وعدہ خلافی تم سے ہو چکی ہے۔

۲۶؍نومبر کو یہاں ٹسٹ کرایا تھا، رپورٹ بمبئی ڈاکٹر کے پاس بھیجی ہے، اُس کے خط کا انتظار ہے۔

غزل خوب ہے۔ مطلعے میں دوسرا مصرع بہتر ہے: چلو کچھ دیر اُن سے بات کریں۔ اِس طرح مصرعِ ثانی بہتر طور پر مربوط ہوگا۔ کئی شعر اچھے ہیں، خاص کر حالات والا قافیہ اور پھر مقطع، یہ خوب کہا ہے۔ بہت جی خوش ہوا۔

ارے بھائی! تم فراق نمبر کی بابت کچھ نہیں لکھتے۔ وہ تو چھپ گیا تھا، پھر کیا ہوا؟ اس کا احوال ضرور لکھو، مجھے کب دیکھنے کو ملے گا؟ اِس بار اِس کی بابت ضرور لکھنا۔

خدا کرے تم بہ ہر طور بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

(٥٦)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۱۱؍مارچ ۱۹۹۸ء

عزیزم!

میں دو ماہ بعد ۷؍مارچ کو بمبئی سے آیا، تب تمھارا خط یہاں ملا۔ ملاقات نہ ہوسکنے کا بہت افسوس رہا۔ اب تو لکھنؤ کسی بہانے سے آؤں، تبھی ملاقات ہوسکے گی۔ امجد صاحب کا پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ تم نے مضمون کے لیے لکھا ہے۔ امجد صاحب کی بات اور تھی، اب جب تک نئے اڈیٹر صاحب نہ لکھیں، تب تک کچھ لکھنا مناسب نہیں ہوگا۔

ارے بھائی! رسید تو میں پہلے ہی بھجوا چکا ہوں اُس معاوضے کی رقم کی، اب رسید کیسی۔ اب تو تم کسی طرح اصل رقم بھجوادو، تو بات بنے۔ کچھ کرو۔

تم کب آؤگے؟ تم کو دیکھنے کی بڑی خواہش ہے۔ سیّد صاحب آج کل بہت پریشاں خاطر ہیں۔ پرسوں آئے تھے۔ صحت بھی بہت گر گئی ہے اُن کی۔ میں جیسا تھا، ویسا ہی ہوں، بس دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ تم کو دیکھنے کی بہت سی آرزو کے ساتھ۔۔

رشید حسن خاں

(٥٧)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۳۱؍مارچ ۱۹۹۸ء[۱۰۳]

عزیزم!

خط ملا۔ اطلاع بھی مل گئی۔ نقوی صاحب کا بنارس سے فون آیا تھا، اُن کے بھائی الیاس نقوی آج علی الصباح گھر پر آئے تھے۔ کل شام کو سہیل آئے تھے کہ امجد صاحب نے فون کیا ہے۔ اس طرح اطلاع تو کل ہی مل گئی تھی۔ سارا کیا دھرا تمھارا ہے۔ نقوی صاحب یہاں آئے تھے، میں نے تو اُن سے اشارتاً بھی کچھ نہیں پوچھا تھا۔ امجد صاحب کا اور خاص کر مجاور صاحب کا میری طرف سے شکریہ ادا کرو۔ بہت مخلص لوگ ہیں۔ مجھے زیادہ مسرّت اِس کی ہے کہ دوسرے لوگ پریشان خاطر کس قدر ہوئے ہوں گے یا ہوں گے اِس خبر کو سن کر۔

ذرا یہ معلوم کرو کہ جلسہ کب ہوگا۔ عید میں اب کے آہی جاؤ، بہت دن ہوگئے ہیں تم کو دیکھے

ہوئے۔ سیدؔ صاحب آج کل پریشان بہت ہیں بعض معاملات ایسے رونما ہوئے ہیں۔

ہاں مغربی بنگال اردو اکیڈمی کا خط آیا تھا کہ ۱۹۹۶ء کا پرویز شاہدی ایوارڈ مجھے دیا گیا ہے۔ شکریے کا خط لکھ دیا سکریٹری کو۔ میں تو وہاں کسی کو جانتا بھی نہیں، ہاں بس ایک سالکؔ لکھنوی صاحب میرے کرم فرما ہیں۔ گوشۂ عافیت میں بیٹھنے والوں کو اُن کے مخلصین کبھی فراموش نہیں کرتے۔ اب تم آؤ تو مزید خوشی ہو۔ تمھاری طبیعت کا حال پڑھ کر پریشان ہوں۔ ہاں اُن لوگوں نے کلکتے آنے کی فرمائش کی تھی جلسے کے سلسلے میں، میں نے معذرت کرلی۔ اُن کا جی چاہے گا تو ڈاک سے بھیج دیں گے۔

رشید حسن

(۵۸)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی
شاہ جہان پور
۴؍جون ۱۹۹۸ء

عزیزم!

۳۰؍مئی کا خط ملا۔ غزلوں کا لفافہ بھیج چکا ہوں پہلے ہی، اُس کا تقاضا کیوں ہو۔

نیرؔ مسعود صاحب کا خط کل آیا تھا، مسوّدے کا لکھا تھا۔ تم نے اِس کام کو کردیا، ورنہ یہ پڑا رہتا، میرے بس کا تو تھا نہیں۔ خدا تم کو خوش رکھے۔

تین دن پہلے ڈائریا کا بُری طرح شکار ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر کو گھر پر آنا پڑا۔ اب ٹھیک ہوں، مگر نقاہت بہت ہے۔

نیرؔ مسعود صاحب[۱۰۴] سے اب شکر رنجی نہیں رہی۔ مسوّدے کے لیے میں نے یہ طے کیا ہے کہ یہاں کمپیوٹر کی کتابت کرالوں گا۔ نمونہ منگایا ہے۔ کام جلدی ہوجائے گا اور میں تصحیح بھی آسانی سے بناسکوں گا۔ ہاں، یہاں اب ایک اچھی سی آفسٹ مشین بھی لگ گئی ہے، یوں چھپائی بھی یہیں ہوجائے گی۔ اب جب بھی مسودہ وہاں سے مل جائے، اُسے کسی طرح میرے پاس بھیج دو۔ خواہ ڈاک سے بھیجنا پڑے۔ جب یہ مجموعہ چھپے گا، تو یہ محض تمھاری تگ و دو کا نتیجہ ہوگا۔ موسم نے بہت بیزار کر رکھا ہے، بجلی کی کٹوتی مزید برآں۔ اب تم کب آؤ گے؟

رشید حسن خاں

(۵۹)

بنام: سلمان احمد رباؔب رشیدی

شاہ جہان پور

۳۱/مارچ ۱۹۹۸ء[۱۰۵]

عزیزم!

خط ملا۔ دستکؔ کی رسم اجرا کا حال مجھے نہیں معلوم۔ جب ڈاکیا تمھارا خط لایا، اُس وقت سیّد صاحب بیٹھے ہوئے تھے، اُن کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔

ڈاکٹر اخترؔ بستوی کے انتقال کی خبر سے بہت دُکھ پہنچا۔

ہاں، مجموعہ مضامین کی کتابت کا سوال ہے، کیا کروں۔ یہاں ٹائپ ہے۔ سیّد صاحب نے اُس کا نمونہ بھی لا کر دیا۔ بس غنیمت ہے۔ تیس روپے (-/30) فی صفحہ اُجرت ہوگی۔ آسانی یہ ہے کہ تصحیح میں خود کر سکوں گا اور بہ آسانی۔ تمھاری رائے کیا ہے؟ کیا تم وہاں کتابت کرا سکتے ہو؟ کتابت کی اُجرت کم ہوگی۔ مگر مجھے اُجرت کی فکر نہیں، آسانی کی بات ہے۔ میں یہاں بیٹھ کر کاتب صاحبان کے ناز نہیں اُٹھا سکتا۔ تم مشورہ دو تو اُس پر غور کروں۔ ٹائپ والے لوگ تو معقول ہیں اور ٹائپ بھی کچھ ایسا بُرا نہیں۔ بس ٹائپ میں جگہ زیادہ گھرتی ہے اور کتابت کے سَو صفحے، اِس کے ڈیڑھ سو صفحے بن جاتے ہیں۔ اب تم جیسا کہو۔ اپنی رائے سے مطّلع کرو۔

میاں! خمیرہ اب کیا کرے گا! اب تو کوئی نسخۂ بیاضِ مسیحا ملے تو بات بنے۔ دہلی میں تھا تو صبح سے شام تک آنکھیں روشن ہوتی رہتی تھیں اور چہرہ شاداب۔ ہزار ٹانک ایک طرف، اور وہ مناظر ایک طرف۔ اب اِس شہر میں ہوں، جہاں گلیاں کوڑے کرکٹ سے بھری رہتی ہیں۔ بیمار نہیں رہوں گا تو کیا تندرست رہوں گا، جب سے آیا ہوں ایک دفعہ بھی تو ایسا نہیں ہوا کہ چلتے چلتے اچانک آنکھوں میں چراغ جل اُٹھے ہوں۔ جب دیکھوں تو سیّد صاحب کو یا اُن جیسے دوسروں کو، صحت کیسے حاصل ہو پائے گی!

خط لکھو۔

رشید حسن خاں

(۶۰)

بنام: سلمان احمد رباؔب رشیدی

شاہ جہان پور

۳؍مارچ ۱۹۹۹ء[۱۰۶]

عزیزم!

دنوں سے تمھارا خط نہیں آیا، تشویش ہے۔ کل اخترؔ نے بتایا کہ کچھ بلڈ پریشر کی شکایت ہے، اور تشویش ہوئی۔ فوری طور پر صورتِ حال سے مطلع کرو، دل لگا ہوا ہے۔

دس بارہ دن سے میری طبیعت ٹھیک نہیں، بخار آرہا ہے، غالباً موسمی اثر ہے، سردی لگ گئی تھی۔

تم کب آؤ گے، راہ دیکھ رہا ہوں۔ خط آج ہی لکھو۔

رشید حسن خاں

(۶۱)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

۱۶۷-باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور

۲؍اپریل ۱۹۹۹ء

عزیزم ربابؔ!

تم عید پر نہیں آئے، بڑی کمی کا احساس ہوا اور کئی دن تک رہا۔ لکھنؤؔ میں بھی ملاقات نہیں ہو پائی۔ ایم.آر.خاں[۱۰۷] صاحب اپنی گاڑی میں لے گئے تھے، راستے بھر تمھاری باتیں ہوتی رہیں۔ وہ خود بھی فکر مند تھے۔ میں ۱۵؍اپریل کی رات میں دہلیؔ کے لیے روانہ ہوں گا، ۱۶؍کو بمبئیؔ جاؤں گا۔ واپسی جون میں ہو سکے گی۔ گلے میں بہت تکلیف ہے۔

کتاب چھپ گئی۔ چاہتا تھا کہ تم کو اپنے ہاتھ سے دوں۔ ڈاک سے کیا بھیجوں۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاک ہی سے بھیجنا ہوگا۔ اگر تم نہ آئے تو پھر اگلے ہفتے بھیجوں گا۔

تمھارے لیے جی کڑھتا رہتا ہے، کیا کروں، سب کچھ دوسرے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا مخلص پایا ہی نہیں، تمھارے خلوص کا نقش میرے دل پر ہے۔ تم کو دیکھنے کی خواہش بہت ہے، سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں!!

رشید حسن خاں

ابھی ایم.آر.خاں صاحب کا فون آیا، انعام کا حال معلوم ہوا۔ بے حد مسرت ہوئی، اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ امدادِ مصنّفین کی مد سے بھی کچھ کیا جائے گا، جیسے ہی اُس کا فنڈ آ گیا۔ بے حد عمدہ آدمی ہیں، جو کہا تھا، وہ کیا۔ اب تو تم دو چار دن کے لیے آ ہی جاؤ۔ جب میں چلا جاؤں گا، تب آؤ گے کیا! تم کو دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے۔ میں یہاں مسلسل زیرِ علاج ہوں۔

(۶۲)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

شاہ جہاں پور

۶ / جون ۱۹۹۹ء

عزیزم!

کل تمھارا خط یہاں آیا۔ اطمینان ہوا۔

اس غزل کی ردیف خاصی مشکل ہے، اگرچہ بہ ظاہر رواں ہے۔ مقطعے کا دوسرا مصرع اِسی وجہ سے اچھا نہیں۔ ''دھری جائے'' میں بیان کی لطافت دب گئی ہے۔ اِسی مطلعے میں ''نہ زمانے سے کبھی جائے'' بھی مناسب نہیں۔ مفہوم بھی صحیح طور پر ادا نہیں ہو پاتا۔ دوسرا مصرع عمدہ ہے۔ ہم اہلِ جنوں.... یہ بہتر ہے۔ اِس میں کچھ شعر اور کہو۔

ہاں بھائی! حالات یہاں کے وہی ہیں جن کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے۔ میری خانہ نشینی اِسی لیے سب سے بہتر ہے۔ اِس بھرے پُرے شہر میں اب ایسا ایک بھی گھر نہیں، جہاں جا سکوں۔ غریبِ شہر اور وطن میں اجنبی کے معانی اب جا کر روشن ہوئے ہیں۔

نئی اکیڈمی بنے یا پُرانی ہی رہے، کوئی بڑی تبدیلی اب نہیں ہو پائے گی، حالات تو یہی کہتے ہیں۔

ہاں بھائی! ایک بات: اگر تمھاری طبیعت ذرا روبراہ ہو اور دھوپ کی تمازت بھی کسی دن کم ہو، تو فخرالدین کمیٹی کی طرف ایک پھیرا کر لینا۔ مجھے پریشانی یہ ہے کہ پانچ کتابیں جو ناشر نے بھیجی تھیں (اُن کے قول کے مطابق)، وہ وہاں پہنچیں یا نہیں۔ دفتری نظام ہر جگہ کا بُرا ہے، وہاں کا بھی ایسا ہی ہوگا، یوں سوچتا ہوں کہ صحیح بات معلوم ہو جائے، ورنہ وہ گرانٹ کی رقم بھی نہیں ملے گی۔ (وہ کب ملے گی، اُس کا احوال معلوم نہیں) جولائی تک کی مدّت ہے کاغذ پر لکھی ہوئی کتابیں پہنچنے کی یا کتاب چھپنے کی۔

خدا کرے تم ممکن حد تک بہ عافیت ہو۔

رشید حسن خاں

ہاں پرسوں نیّر مسعود صاحب کا خط آیا تھا، لکھا تھا کہ بیمار ہیں، دل کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ جو دل کا مخزن ہوگا، تکلیف تو اُس میں ضرور رہے گی۔

(۶۳)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

شاہ جہان پور

۷/جون ۱۹۹۹ء

عزیزم!

آج تمھارا خط ملا مرقومہ ۳/جون۔ میرا خط ملا ہوگا۔ غزل تمھاری اب بنی ہے، اب یہ ایک ڈال کی غزل ہے، کہیں جھول نہیں، حشو وزوائد نہیں۔ یہ شعر لے دے کے یہی چھیڑ.... خاص طور پر پسند آیا۔ دوسرا مصرع ایسا لگا ہے کہ اُس کا جواب نہیں۔ بہت اچھی تعبیر ہے۔ سبحان اللہ! اور اب مطلع بھی اچھا ہوگیا ہے، دونوں مصرعے برابر کے ہیں۔ تم تو کسی کو اُس نظر سے دیکھتے بھی نہیں ہو، پھر تمھاری آنکھوں میں غبار کیوں آگیا؟ کیا اپنی شاگردہ کا عکس آنکھوں میں دیکھ لیا تھا کسی دن؟ خدا کرے جلد ٹھیک ہوجاؤ۔

ہاں ایک بات: میں نے تاکید کردی تھی کہ پانچ کتابیں کمیٹی کے دفتر بھیج دی جائیں۔ معلوم ہوا کہ بھیج دی گئیں۔ کسی دن فون کرکے معلوم کرلو کہ دفتر میں پہنچ گئیں؟ عین وقت پر کہیں کہ نہیں ملیں تو پھر مشکل ہوگی، موسم بُرا ہے، جانے کی ضرورت نہیں، فون سے بات کی جاسکتی ہے۔ جی تو نہیں چاہتا تھا، مگر تم نے لکھا ہے، یوں شہنواز قریشی کو آج ہی تعزیت کا خط لکھ رہا ہوں۔ نیا دور دو ماہ سے نہیں آیا۔ کوئی کیا کرسکتا ہے۔ اسماعیل خاں نے آج آموں کی پہلی کھیپ بھیجی ہے، ملازم اُن کا دوپہر میں لایا تھا۔ جولائی میں دہلی میں داغ سمینار ہے، شرکت کا ارادہ ہے۔ خط لکھتے رہو اور اشعار بھی بھیجتے رہو۔

رشید حسن خاں

(۶۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۱۷/جون ۱۹۹۹ء

خط ملا تھا۔

اِس غزل کی زمین بہت اچھی ہے اور شعر بھی کئی ایک اچھے نکالے ہیں تم نے۔ جی خوش ہوا۔ یہ بات پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ رنگوں کا جہاں..... اِس میں ''بے پیرہنی'' کا پورے شعر کے کسی لفظ سے کچھ واسطہ نظر نہیں آتا، خاص کر ''دیکھتے'' سے۔ افسردگی جیسے کسی لفظ کا محل ہے۔ دوسرے شعر میں ''پھر..... گذشتہ سے'' بہتر ہے۔ مطلع میں دیدہ وری کے مقابلے میں مشکل سی پڑی جائے

لکھا ہے۔ باقی سبھی شعر اچھے ہیں۔

کل رام پور سے حسن نظامی صاحب کا خط آیا تھا۔ میں نے کتاب کی ایک جلد شعائراللہ خاں کی معرفت اُنھیں بھیجی تھی، اس کی رسید کا۔ اور کچھ میں نے لکھا ہی نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں، تم تو وہاں موجود ہو۔

دو دن میں تین دانت نکلوا دیے۔ آج کل اُسی کی دوا کھا رہا ہوں تکلیف بڑھ گئی تھی۔ توقع کرتا ہوں کہ تمھاری آنکھوں کی کھٹک چلی گئی ہوگی۔

رشید حسن

(۶۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۱۸ر جولائی ۱۹۹۹ء

عزیزم!

۱۲ر جولائی کا خط ملا۔ ماموں صاحب کے حادثے کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ تم کو جس قدر غم ہو، کم ہے اور میں اِس غم میں تمھارا شریک ہوں۔

مجھے تمھارے پیر کے احوال کی بڑی فکر ہے۔ بندش تو کھول دی ہے، اب صورتِ حال کیا ہے، کیا اب بھی پلاسٹر کی ضرورت ہوگی؟ غزل کے اشعار خوب ہیں، مجھے چوتھا شعر: 'پھر تصوّر نے' خاص طور پر پسند آیا۔ ہاں دعوتِ پرواز والا شعر ٹھیک نہیں، دوسرا مصرع اچھا نہیں۔ بازوؤں میں پر ہونا استعارہ نہیں بن پایا۔ آخری شعر صبح کے ہوتے ہی.... خاصا ہلکا ہے اور اکھرا پن نمایاں ہو گیا ہے۔ یہ دونوں شعر نظری کر کے، دو نئے شعر کہو۔ پیر کے احوال کی ضرور اطلاع دو۔

رشید حسن خاں

(۶۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۲۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

خط ملا۔ بہت جی کُڑھتا ہے تمھارے احوال پر، مگر کروں کیا، اپنی بے بسی کا ایسا شدید احساس

اِس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہر وقت تمھارے متعلق سوچتا رہتا ہوں۔ اپنے احوال سے مطلع کرتے رہو، جی لگا رہتا ہے، تمھارا خط آجاتا ہے تو ذرا سی تسکین ہو جاتی ہے۔

خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اگر ہے، اور کہیں ہے، تو تم کو خوش رکھے۔ خدا کے بندے تو کچھ کر نہیں پاتے سوائے اعتراف نارسائی کے۔ خط لکھتے رہو۔

رشید حسن خاں

(۶۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

۱۶۷- باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور

۱۱/دسمبر ۱۹۹۹ء

عزیزم!

جب سے تم گئے ہو، خیریت معلوم نہیں ہوئی۔ دل لگا رہتا ہے۔ اپنی صحت اور عافیت کے احوال سے مطلع کرو۔ تمھارا خط کچھ دنوں تک نہیں آتا ہے تو اُلجھن ہونے لگتی ہے۔ پرسوں عنبر صاحب کا خط آیا تھا۔

رشید حسن خاں

(۶۸)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور[۱۰۸]

عزیزم!

خط ملا۔ خوش رہیے۔

نسیم صاحبہ کراچی جانے والی تھیں ۲۵/کو، معلوم نہیں اُن کے پروگرام کا کیا ہوا۔ اگر تم کو کچھ معلوم ہو تو لکھنا۔

سحر البیان دہلی میں ہے، میں یہاں، قیمت زیادہ، کیا کروں! نومبر میں ایک سمینار میں وہاں جانا ہوگا، تب دیکھوں گا۔ عنبر صاحب کو تو ایک 'عذرِ شرعی' نکال کر کتاب بھیجنے کے لیے کہا تھا کہ اُنھوں نے ایک پرانے نسخے کے عکس کا انتظام کیا تھا۔ تم نے لکھا کہ اُن کو کتاب نہیں ملی۔ اب میں حیران ہوں۔ شاید اب مل گئی ہو۔ اِس کا احوال بھی لکھو۔

''کادارا'' نہیں، ''کِدارا''، یہ نام ہے دیپک راگ کی ایک راگنی کا۔ اس کا وقت نصف،

شب ہے۔ روشنی کو (چاندنی کی ہو یا چراغوں کی) اِس سے خاص نسبت حاصل ہے۔ انشا کا شعر ہے:

جو روپ تھا وہ کدارے کا، بن گیا سارنگ
کہ چاندنی نے لگا دی ہے آگ پانی پر
(کلامِ انشا، ص ۶۱)

امراو جان (آخری حصّے) میں ایک جگہ مرقوم ہے: "مجھے گانے کا حکم ہوا، میں نے کدارے کی ایک چیز شروع کر دی"۔

فنّی تفصیل کے لیے: (۱) تحفۂ موسیقی (۲) معدن الموسیقی۔ تم نے مجاور صاحب کا فون نمبر اور پتا بھی لکھا ہے، کیوں، مجھے اِن دونوں کی ضرورت نہیں۔ حیدر آباد والا کام یہیں بیٹھے بیٹھے ہوگیا، اُنھوں نے تو میرے خط کا جواب بھی دینا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ اُنھیں معلوم نہیں شاید کہ حیدر آباد میں میرے قاعدے کے شناسا متعدّد حضرات ہیں۔

خط لکھو اور اپنی صحت کا حال ضرور لکھو۔

رشید حسن خاں

(۶۹)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی
شاہ جہان پور
۱۱/اپریل ۲۰۰۰ء

عزیزم!

میرا خط ملا ہوگا۔ میں کل جے پور سے جب واپس آیا تو تمھارا ایک خط ملا۔

علاج اور دوا کی قیمت کا احوال پڑھ کر میں تو بے طرح مبتلائے تشویش ہوگیا۔ یہ سب کیسے ہوگا۔ تمھارا احوال مجھے معلوم ہے، کیا کروگے، سمجھ میں نہیں آتا۔ تمھاری پریشانی اور اپنی بے چارگی پر افسوس ہوتا ہے۔ کاش میں کسی قابل ہوتا!!

تم ۱۵، ۲۰ دن میں اپنی طبیعت اور صحت کا کچھ حال ضرور لکھتے رہو۔ دل بہت لگا رہتا ہے۔ تم مجھ سے جس قدر قریب ہو، اُسے میں ہی جانتا ہوں۔

تم نے لکھا ہے کہ "فخر الدین کا چک مل گیا"۔ پڑھ کر ہنسی آئی۔ تم اچھے ہوتے تو ضرور مل جاتا۔ ۳۱/مارچ کی تاریخ گزر گئی، کچھ بھی نہیں ہوا۔ معلوم نہیں وہاں کا حال ہے کیا۔ اب جب تم وہاں جا سکوگے، تبھی وہ چک ملے گا۔ پبلشر سے وعدے کرتے کرتے شرمندہ ہوتا ہوں۔ وہ بھی

اپنے دل میں کیا کہتا ہوگا۔

خدا کرے تم اب پہلے سے بہتر ہو۔ خط ضرور لکھنا۔

رشید حسن خاں

(۷۰)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۲۹ رمئی ۲۰۰۰ء

عزیزم!

خط ملا۔ نسیم صاحبہ بھی دو تین دن پہلے گھر پر آئی تھیں، تمھارا ذکر دیر تک ہوتا رہا۔ ۳۱ رکو بزمِ شفق کی طرف سے شفق صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہے۔ ساغر ناظم ہیں۔ وہ اور فہیم القدر (شفق مرحوم کے بھانجے) آئے تھے کہ میں چند الفاظ مشاعرے میں کہہ دوں۔ میں نے معذرت کرلی یہ کہہ کر کہ میں مشاعروں میں نہیں جاتا۔ پڑوس کا معاملہ تھا، مگر ذہن آمادہ ہی نہیں ہوا۔

میرا خیال یہ ہے کہ تمھاری طبیعت اصلاً بالکل ٹھیک ہے، تم بیماری کے متعلق سوچتے زیادہ ہو، یوں احساس بڑھ جاتا ہے۔ اگر تم یہ یقین کرلو کہ حقیقتاً کوئی بیماری نہیں، تو آدھی بیماری خود ہی ختم ہوجائے گی۔

یہاں موسم بہت بُرا ہے، اوپر سے یہ ستم کہ بجلی گھنٹوں غائب رہتی ہے۔ عنبر صاحب سے کہو کہ نومبر، دسمبر میں اِدھر کا پھیرا کریں، تب لطفِ سخن بھی رہے گا اور لطفِ ملاقات بھی۔ ابھی نہیں۔

میں نے جو اپنے آپ کو مقامی صاحب زادگان سے دور رکھا ہے، اِس سے مجھے فائدہ ہوا ہے کہ وقت ضائع نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اگر کبھی کوئی جلسہ کریں گے بھی تو میں شرکت نہیں کروں گا۔ ان سب سے قریب یا دور کا کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔

کبھی کبھی خط ضرور لکھتے رہو، جی لگا رہتا ہے۔ ہاں پچھلے ہفتے علی گڑھ سے بھائی مولانا کا خط آیا تھا، وہ برابر یاد کرتے رہتے ہیں۔ عنبر صاحب سے میرا اسلام کہنا۔

رشید حسن خاں

(۷۱)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

شاہ جہان پور

۳؍جولائی ۲۰۰۰ء

عزیزم!

خط مل گیا۔ دیکھو بابا! میں سچ کہوں کہ مجھے یہ بندر بانٹ بالکل پسند نہیں آئی۔ یہ مولانا آزاد کی توہین ہے کہ اُن کے نام کے انعام کی رقم دو حصّوں میں بانٹ کر اُسے کم قیمت اور کم حیثیت بنا دیا جائے اور یہ سیّد صاحب کی بھی توہین ہے کہ انھیں مکمّل انعام کا مستحق نہ سمجھا جائے۔ چوں کہ ہر طرف گھٹیاپن اور لُچّے پن اور خفیفُ الحرکاتی کا دور دورہ ہے، اِس لیے کسی سے کچھ کہنا بیکار ہے۔ میں نہ تو کسی کو مبارک باد دوں گا اور نہ کسی سے کچھ کہوں گا۔

تمھارے لیے میں نے اپنے طور پر کہا تھا جو کہہ سکتا تھا، مگر کیا ہوا؟ اِس کا مجھے بہت افسوس ہے، بہت دُکھ ہے۔ مگر وہی بات کہ کس سے کہوں! نسیم صاحبہ جیسی خاتون کی بات بھی گئی۔ اِس کا سب سے زیادہ غم ہے۔ میں اُن کی بہت عزّت کرتا ہوں۔

فون میرا تین دن سے خراب ہے، آدھے شہر کے فون خراب ہیں، کوئی سنتا ہی نہیں۔ عنبر صاحب اور عابد سہیل کے کام ہر لحاظ سے خوب ہیں لیکن میری رائے میں اِن دونوں کو 51000 والا انعام ملنا چاہیے تھا۔ اِنھیں والی آسی اور آصفہ زمانی کے خانے میں رکھا گیا، افسوس! یہ اِن کی ناقدری کی گئی۔

ہاں ایک بات: میری مرتبہ کتاب سحرالبیان چھپ گئی ہے کل ہی خط ملا ہے۔ میں نے انجمن کو تاکید کر دی ہے کہ ایک کتاب عنبر صاحب کے نام بھیجی جائے، پتا بھی لکھ دیا ہے۔ اگر نہ پہنچے تو مجھے ضرور لکھنا، میں سختی سے تاکید کروں گا۔ میں نے اِس کے لیے ذرا سا جھوٹ بولا ہے۔ لکھنؤ یونی ورسٹی لائبریری میں سحرالبیان کا قدیم خطّی نسخہ ہے، اِس کا عکس میں نے ایک واسطے سے منگایا تھا۔ میں نے انجمن کو لکھا ہے کہ یہ عکس عنبر صاحب نے بھجوایا تھا، یوں گنجایش نکالی گئی۔ کتاب اُن کو ضرور بھیجنا چاہتا تھا۔ بات یہ ہے کہ کتاب کی قیمت -/325 ہے، یہ زیادہ قیمت ہے، اِس لیے ناشر کتاب دینے کے لیے اب تیار ہی نہیں ہوتا۔ اِس لیے یہ بہانہ تراشنا پڑا۔ بروقتِ ملاقات اُن سے میرا اسلام کہنا۔ مجاور صاحب اگر اب تک وہاں ہوں تو میرا اسلام ضرور کہنا اور کہنا کہ بس اُن کو برابر یاد کرتا ہوں، خواہ وہ بھول گئے ہوں۔ اپنی صحت کا احوال لکھو۔ اور ہاں کسی نے کہا تھا کہ آفتاب اختر کو ۲۵ ہزار کا انعام دیا گیا ہے اردو کی ترقّی کے لیے۔ کیا یہ سچ ہے؟ اگر سچ ہے تو لعنت ہے اِن کم بختوں پر جس کے دم سے اردو فارسی یہاں چوپٹ ہوگئی اُسے خادمِ اردو مانا گیا۔

رشید حسن خاں

(۷۲)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

شاہ جہان پور

۲۲/اکتوبر۲۰۰۱ء

عزیزم! دُعائیں

تمھارے دو خط ایک ساتھ ملے۔ صورتِ حال کا علم ہوا۔ تم سے ملاقات نہیں ہوسکی، اِس کا قلق رہا؛ مگر تم بھی کیا کرو، حالات ہی ایسے ہیں۔ تمھاری پھوپھی صاحبہ کی بیماری کا حال پڑھ کر دُکھ ہوا، یوں کہ تمھارے لیے یہ بڑا دُکھ ہوگا اور بڑی پریشانی۔ کیا کیا جائے، حالات پر کسی کا قابو نہیں۔ یہ خط چار دن پہلے شروع کیا تھا اور یہیں تک لکھا تھا کہ بجلی غائب ہوگئی۔ آج تم سے فون پر بات بھی ہوگئی، اور ابھی بجلی بھی بحال ہوگئی، یوں اب اور کیا لکھوں، اِس خط کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷۳)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

شاہ جہان پور

۱۸/اپریل۲۰۰۴ء

عزیزم!

تمھارے یہ اشعار، تمھارے پہلے کے انداز سے کچھ کم میل کھاتے ہیں۔ تلقین اچّھی بات سہی، مگر وہ سب کچھ نہیں، بہت کچھ بھی نہیں۔ پوری زندگی شاعر کا مقصودِ نظر ہوتی ہے اور زندگی کا منظر نامہ بس ایک دو طرح کے خیالات سے عبارت نہیں ہوسکتا۔ زندگی کی کثیر الجہتی کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ نعتیہ انداز بہت کچھ ہے، مگر وہ پوری شاعری کا بدل نہیں بن سکتا، تکرارِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ ہر چیز کو اپنے دائرے کے اندر رہنا چاہیے۔ آدمی دن بھر نماز پڑھتا رہے تو اُسے ثواب بھلے ہی مل جائے مگر قدرت کا منشا مکمل نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو صرف نماز پڑھنے کے لیے نہیں بنایا گیا۔ کائنات کی وسعت کو نظرِ شاعر کا حرف رہنا چاہیے۔

میرا احوال روز بروز اُتار پر ہے، مگر یہ تو ہونا ہی تھا، پھر بھی ہزاروں سے بہتر ہوں۔ ہاں چل پھر نہیں سکتا آزادی کے ساتھ، اچانک سانس کی رفتار بگڑ جایا کرتی ہے اور اُس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔

تم نے اپنا احوال نہیں لکھا۔ اگلے خط میں ضرور لکھنا۔ میں ہمیشہ تمھارا لفافہ رجسٹری سے بھیجوں گا مگر اب جوابی لفافہ کبھی نہ بھیجنا۔ تمھارا میرے اوپر بہت حق ہے اور میں اُسے مانتا ہوں۔ خدا تم کو ممکن حد تک خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۷۴)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی[۱۰۹]
دہلی-۶

برادرم!

خط مل گیا۔ اس کا جواب کل پرسوں لکھوں گا۔ اقتدار صاحب آرہے ہیں ان کے ہاتھ چند رسائل موجودہ بھیج رہا ہوں ڈاک سے نہیں بھیج سکا تھا، ان کی رسید، پرانے رسائل گھر پر پہنچادیے؟ ان کو بھی احتیاط کے ساتھ رکھو یہ سب واپس کیے جائیں گے۔ نئے نام کی ایک کاپی اقتدار صاحب کے ہاتھ بھیج دو، یہ آج شام ہی کو آرہے ہیں، یہ واپس کردی جائے گی۔ یہ آخر نشستوں کو کیا کیا ہوگیا ہے، مجھے تم سے سخت شکایت ہے، کیا شاغل مرحوم ہوگئے؟

ہاں بھائی! پرسوں ایک خط میں ضرورت پیش آئی کہ اشارات کی زبان میں کچھ کہا جائے، یعنی نظم میں، ایک قطعہ کسی کا پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

مرا تو خیر ذکر کیا کہ خوگر شکست ہوں
مگر ترے غرور و ناز پیری کو کیا ہوا

بحر مجھے پسند آئی لیکن اس زمین اور بحر میں کسی اللہ کے بندے کے ایسے شعر یاد نہیں آئے جن سے کام نکلتا، مجبوراً اللہ ہی کے ایک دوسرے بندے نے پریشاں گفتاری کا مظاہرہ کیا، ۸، ۱۰ بند کے قطعے میں، جس میں ساری ضروری باتیں مع حوالوں کے آگئیں۔ اس کے دو تین بند اِدھر اُدھر سے تم بھی سن لو:

بنامِ احتیاط حکم تھا کہ لب کشا نہ ہوں — پھر اس کے بعد طعنہ ہاے بے پناہ کس لیے؟
پھر اِس کے بعد تیرگی شام غم کا ذکر کیا، — پھر اس کے بعد پرسش دل تباہ کس لیے؟

مری جبیں پہ آج بھی ہیں نقش سجدہ وفا — یہ نقش وہ ہیں حادثے جنھیں مٹا نہ پائیں گے

مرا خیال، تیرا خواب، میرا ذہن تیری یاد — حوادث اِن چراغوں کو کبھی بجھا نہ پائیں گے

مری شکست شوق میں کسی کی فتح ہو اگر — تو اس شکست شوق کا ملال کیا کروں گا میں
مرے خلوص عشق سے اگر کوئی ہو بدگماں — تو اس خلوص فکر پر خیال کیا کروں گا میں

میں خواب دیکھتا رہوں گا لیکن اس کے بعد بھی — خیال و خواب تک تو احتیاط کا گزر نہیں
اِسی کو مان لوں گا حاصل متاعِ زندگی — متاعِ عشرت وفا مرے لیے اگر نہیں

۱۵، ۱۶ بند ہیں، یہ محض قلم برداشتہ لکھے گئے۔ سارے بند اسی طرح کی تک بندی کا نمونہ ہیں، آج اس مجموعہ پریشاں نگاری کو دیکھا تو خود ہنسی آئی۔ جی چاہا کہ تم کو بھی اس ہنسی میں شریک کرلوں۔ سچ ہے برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ میں دوسروں کی ایسی شاعری پر ہنسا کرتا تھا۔ سو خود وہی حرکت کرنے لگا۔ ویسے سوچتا ہوں کہ آخری عمر میں جب کرنے کے لیے کچھ نہیں رہے گا نہ کاروبار شوق کی مجال رہے گی، تو اِسی انداز میں قوالی لکھنا کچھ بُرا نہیں رہے گا۔ ورنہ میلاد شریف والی نظمیں تو کہیں گئی نہیں۔ ویسے یہ ہے کہ اگر میں کچھ وقت صرف کروں اور ذرا ترمیم تنسیخ قاعدے سے کرڈالوں تو اِس میں بھی کم از کم مرحوم حکیم حبیب احمد شیفتہ جیسی شاعری تو ہو ہی جائے گی۔ رسید بھیجو۔

رشید حسن

(۷۵)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی[۱۱]

عزیزم!

حسبِ معمول تاخیر سے خط لکھ رہا ہوں، اور چوں کہ اب یہ معمول، بل کہ مقدر بن چکا ہے، اس لیے معذرت کیا کروں۔ رسالے ملے ہوں گے، ان کی رسید ہنوز نہیں ملی۔ نئے نام مل گئی تھی، ابھی اُسے پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ موسم کی کرم فرمائی کا حسبِ عادت شکار ہوں، سخت نزلہ ہے، اب اس کی شکایت کرتے کرتے بھی تھک چکا ہوں، کہاں تک یہ رونا روؤں، بہرحال مارچ کے مہینے کا انتظار ہے جو میرے لیے ہمیشہ سکون اور صحت کا پیغام بر بن کر آتا ہے، تم گھی دے دیا کرتے تھے سوادرک کا حلوا بن جاتا تھا، جس سے فی الجملہ آرام مل جانے کا سامان پیدا ہو جاتا تھا، اب کے تم خود بیمار رہے، لہٰذا وہ بھی نہیں ہوسکا۔ البتہ کسی کسی دن تمھارا وہ حلیم ضرور یاد آجاتا ہے، لیکن صبر کے سوا چارہ کیا ہے۔

دیکھیے صاحب، آپ نے خلافِ معاہدہ دو غزلیں لکھی ہیں، برادر! ایک خط میں ایک غزل، یہ محض میری آسانی کی خاطر۔

خرد کہوں کہ جنوں..... شعر الجھا ہوا ہے، مفہوم واضح نہیں ہوتا تھا۔ ابلاغ کا ذرا زیادہ گہرا کرشمہ ہے۔ اسے نظری کیجیے۔ ہزار شمعیں جلاتا نہ میں..... شعر بہ لحاظِ مفہوم بہت عمدہ ہے۔ دوسرا مصرع بھی چست ہے اور برمحل، لیکن پہلے مصرعے میں ''ہزار شمعیں'' صحیح نہیں۔ یہ بہ طور روزمرّہ ایسے موقعے پر بولتے ہیں جب لفظی پہلو مراد لیا کرتے ہیں۔ مثلاً: ''ہزار کام کرو، بات نہیں بنے گی''۔ یعنی لفظ ہزار کی تجدید منافی مفہوم ہے۔ ایسا لفظ آنا چاہیے جو گنتی کے بجائے، کثرت کو محض ظاہر کرے۔ اور ''تو کیا کرتا'' اس سے بھی زیادہ محلِ نظر ہے۔ یہ تو مجبوری کو ظاہر کرتا ہے، کچھ ایسا اثر ہونا چاہیے کہ میں نے بہت سی شمعیں اس لیے جلائیں، یا اس کی طرح۔ اس کو پھر سے کہو۔ ہے کوئی زہرہ جبیں..... یہ بھی محض لفظوں کی مجموعہ ہے۔ اسے بھی رخصت کرو۔ اس غزل میں یہ شعر مجھے بہ طور خاص پسند آئے: نظر بچا کے گزرنا ترا..... ہوائیں چھو کے جو گزریں..... پگھل گیا ہے وہ سورج کی..... اسی درجے کے تین شعر اور اس میں کہو۔ میں اس غزل کی راہ دیکھوں گا۔ ذرا جی لگا کے کہنا۔ دوسری غزل: وہ چلنے والوں کے..... پہلا مصرع بے مثال ہے، مفہوم بھی خوب ہے۔ لیکن دوسرا مصرع نہیں جما۔ شعور والوں کا افسانے لکھنا بے حد آورد اور دور کی بات ہے۔ دوسرا مصرع ذرا اچھا لگا۔ دیکھو بھائی، فسانے لکھے یا سنائے جاتے ہیں ان سے متعلق جو ہمارے سامنے نہ ہوں، لیکن یہاں تو پہلا مصرع سامنے کے دو منظر پیش کر رہا ہے، اور اس میں جو یقین کی چمک ہے وہی اِس مصرعے کا جوہر ہے۔ اب اگر اس کو دوسرے مصرعے میں افسانے بنا دو گے، تو وہ یقین جو مشاہدے کا نتیجہ ہے، ختم ہو جائے گا۔ مقفل اب جب کہ..... کیوں بھائی، یہ کیا، تم سے تو اِس کی اُمید نہیں تھی۔ پہلے مصرعے میں آپ اور دوسرے مصرعے میں خطاب یاروں سے، یہ دو مختلف مخاطب ایک ہی بات کے لیے۔ سبحان اللہ۔ میں نا اُمیدی کے..... سپاٹ شعر، خارج کرو۔ مقطعے میں اخلاق کا ج پنچایت باہر۔ محقق طوسی نے لکھا ہے کہ ایسی بحروں میں تسبیغ کا زحاف استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اور قاعدے سے قطع نظر، محض ذوقِ سماعت کے لحاظ سے بھی یہ مخل ہوتا ہے، لہٰذا اسے بدلیے۔ اس کے علاوہ، جب تک پہلے مصرعے میں فعل نہیں آئے گا، تب تک بات نہیں بنے گی، یعنی ''کہتا ہے''۔

اِس غزل میں یہ شعر بیت الغزل ہے اور اس نے پوری غزل کی بے کیفی کا کفارہ ادا کر دیا۔ واقعی، جی خوش ہو گیا۔ وہ نقشِ باطل..... زندہ رہو اور بہت دنوں تک، بہت سلیقے سے کہا ہے۔

جزاک اللہ! اِسی طرح دوسری غزل کا یہ شعر، پگھل گیا ہے وہ..... اس میں جس سلیقے سے حوادث کی کارفرمائی کا ذکر آ گیا ہے، اس کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔

آؤ کہ اب بنائیں..... یہ شعر اب بھی نہیں بنا۔ اسے اب مرحوم فرض کرلو۔ رباعی ٹھیک ہے لیکن ذرا تاثیر کی چمک کم ہے، خاموشی کی ی دب گئی تو کیا ہو، یہ کوئی عیب نہیں۔

ارے بھائی، نشستوں کا کیا ہوا۔ کیا سب افسانہ بن گئیں، اگر ایسا ہوا تو میں شاہ جہان پور آنا چھوڑ دوں گا۔ اب کے نہ تو مشہود نے کوئی خط لکھا، نہ شبیر نے، نہ خالد علوی نے نہ سہیل نے۔ شبیر کے خط کا جواب میں نے دے دیا تھا، اِس کی رسید بھی نہیں ملی۔ ذرا آج ہی ان سے یہ دریافت کرالو کہ میرا خط ان کو ملا تھا یا نہیں..... اور ہاں وہ عثمان قدوائی کہاں ہیں میرا پیغام ذرا بھجوادو کہ میں ان کے خط کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ مصور کیسے ہیں، انھوں نے ادھر کوئی غزل نہیں کہی؟ اور آخر میں یہ کہ تم کیسے ہو، موسم کا کیا حال ہے۔

رشید حسن

(۷۶)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی

رباب صاحب![۱]

آج ایک مجموعۂ کلام کسی نئے شاعر کا سامنے پڑ گیا، کتاب کھولی تو ایک صفحے پر یہ شعر نظر پڑے:

تو بدلتے موسموں کا روپ ہے میرے لیے — روز و شب کے آئنوں میں تیری ہی پرچھائیاں
دھوپ کے ٹکڑوں پہ تیرا نام لکھتی دوپہر — بادلوں میں تیری تصویریں بناتا آسماں

رشید حسن

(۷۷)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی
دہلی[۲]

عزیزم!

خط ملا تھا، بل کہ ملے تھے۔ ۱۳/اپریل کی شام کو ہوسٹل میں زینے سے اُتر رہا تھا کہ پیر پھسلا اور داہنے مونڈھے کی طرف ہنسلی کی ہڈی چٹ سے ٹوٹ گئی۔ بس ایک لمحے میں پیمانِ وفا بھی اس

قدر جلد کیا ٹوٹتا ہوگا۔ تب سے اب تک ماتم یک شہر آرزو ہے۔ ہر تیسرے دن اسپتال جانا پڑتا ہے جہاں بنڈج تبدیل کی جاتی ہے اور ابھی کئی ہفتے یہ کاروبار جاری رہے گا۔ ہاتھ کو جنبش دینا بڑا کام معلوم ہوتا ہے۔ درد برابر جاری ہے (درد کا کیا ہے، کہیں تو ہوگا) حادثات برحق، افسوس بس اس کا ہے کہ پیر اُس زمانے میں پھسلا جب اس کا زمانہ نکل چکا تھا۔ اب درد دینے والا کوئی نہیں، افسوس ہی افسوس ہے۔

کریم الرضا خاں صاحب بھی گزر گئے! موت واقعی برحق ہے۔ وہ کیا اٹھے، گویا ماضی کو حال سے ملانے والی کڑی ٹوٹ گئی۔ ریختہ ے برخاک چوں درجام گنجیدن ندارشت۔ وہ واقعی اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ خامیوں سے کون مبرا ہے۔ اب اُن خامیوں کے ساتھ بھی ایسے لوگ نہیں ملیں گے۔ ان کا شعری ذوق، خطابت، لہجے کا ترکمانی انداز اور مزاج کی قلندری یہ سب باتیں اب بس باتیں معلوم ہوا کریں گی، دیکھنے میں نہیں آئیں گی۔ وہ آنکھیں اب شاید ہی نظر آئیں، جن میں ماضی کے ذکر کے ساتھ ہی چراغ جل اُٹھیں۔ میں نے ان کی آنکھوں میں چراغوں کو جلتے اور شعلوں کو لپکتے دیکھا تھا۔ ان کی آواز کو سن کر، لفظ خود اعتمادی کا مفہوم سمجھ میں آجایا کرتا تھا۔ خدا ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ بس اب لکھنے میں تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔

رشید حسن

(۷۸)

بنام: سلمان احمد رباب رشیدی

عزیزم![۳۱۱]

خط ملا۔ ارے میاں یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، مگر اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ یہاں سنجیدہ حلقے میں ساری پول کھل گئی اور معلوم ہوگیا کہ یہ کس قدر گھٹیا اور فرقہ پرست حضرات ہیں۔ اور یہ بڑا کام ہوا۔ پھر اس قدر گھٹیا رسالے کا نوٹس لینا کہاں کی معقولیت ہے، اُس کا تو شیوہ بل کہ پیشہ ہی یہ ہے تم سو روپے دے دو، تمھاری جیسی کہنے لگے گا۔ ایسوں کی بات کو درخورِ سماعت قرار دینا حماقت ہے۔ لہٰذا اِسے ختم سمجھو۔ مقابلہ ہمیشہ برابر سے ہوتا ہے، نیچے اتر کر نہیں۔

ایک کتاب کا بنڈل تم کو ملے گا، ایک تمھاری ہے اور باقی دس کتابیں دوسروں کی ہیں۔ تمھارے ذمے یہ ضروری کام ہے کہ وہ کتابیں متعلقین کو پہنچ جانا چاہیے بہ حفاظت۔ ایک صغیر کی ہے، ایک سلیم بھائی کی، تین اسلامیہ اسکول کی، یعنی پرنسپل صاحب، صادق صاحب، اظہار صاحب۔ ایک نیشنل گرلز اسکول کی ہیڈ مسٹرس کی، ایک آفتاب اختر کی، ایک سہیل اشفاق کی اور

ایک ستارؔ صاحب کی۔ یہ تحفتاً بھیجی جائیں گی مکتبۂ جامعہ کی طرف سے، اس لیے کہ کتاب کا اشتہار ہو اور لوگوں تک پہنچ جائے۔ یہ کتاب خاصی مخالفت کے بعد چھپی ہے زبانی سارا حال سناؤں گا۔ تم میاں یہ ایک کام کرنا کہ کتاب ملتے ہی مکتبہ جامعہ کو ایک خط لکھ دینا شکریے کا اور دو تین خط اور لکھوا دینا اِس کی ضرورت اور اہمیت کے۔ یہ ضروری ہے۔ اور کتاب ملتے ہی مجھے خط فوراً لکھنا، منتظر رہوں گا۔

بہت دن ہو گئے، دو ہی چار شعر لکھوایئے۔

رشید حسن

(۷۹)

بنام: سلمان احمد ربابؔ رشیدی

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۶

برادرِ عزیز! سلمہ

دنوں سے میرے بہت سے احباب کو مجھ سے دو شکایتیں ہیں: ایک تو یہ کہ میرے لہجے میں 'وہ قلم کا ہو یا زبان کا' تلوار کی دھار ہے، وہ لوچ نہیں جو منافق آدمی کی بات میں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مجھے منفعل ہونا نہیں آتا۔ مجھے ہمیشہ اس کا اعتراف رہا کہ میرے لہجے میں واقعی وہ تہ داری اور غدوبت نہیں، جس سے گفتگو میں یا تحریر میں، ایسا دو رُخا پن پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر شخص بقدرِ ذوق وظرف اُس کی مناسب تاویل کر سکے، دوسرے لفظوں میں مجھے اس کا اقرار ہے کہ میری گفتگو یا تحریر، سرورؔ صاحب کی تنقید نہیں بن سکی، جس میں آخر تک "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے" والی کاری گری کارفرما ہو۔ اور اس پر مجھے اس سے پہلے بھی معذرت طلب ہونے کی ضرورت نہیں پیش آئی، نہ اب ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ آج پہلی بار خلوص دل سے منفعل ہونے کی ضرور توفیق ہوئی ہے، اور اس کی وجہ ہے تمھاری پیہم محبت، خلوص، دردمندی اور جذبۂ خبر گیری، اور میری وہی ایک خاموشی سب کے جواب ہیں۔ شکستِ پندار، سب سے بری سزا ہے جو اگر دی جا سکے۔ لیکن اگر کوئی شخص بطور خود اس سزا کو قبول کر لے، تو پھر ہر اہلِ آدمی کے لیے پنا گزیر ہو جاتا ہے کہ وہ سارے گلہ ہائے دراز کو، گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا دے۔ سو اب تمھاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

بھائی! میں نے کوئی چپ کا روزہ نہیں رکھا تھا، کچھ ایسی ہی بات تھی کہ رسم پیام و سلام اچانک بند ہو گئی تھی۔ تم یقین کرو (اور چوں کہ تم خدانخواستہ وہابی نہیں ہو، اس لیے ضرور یقین

کرو گے) کہ ۳ ماہ کی طویل مدت ایسی گزری ہے کہ قلم نے ایک سطر نہیں لکھی، ایسے ایسے جواب طلب خط آئے کہ پناہ بخدا، لیکن طبیعت ادھر آئی ہی نہیں۔ ایک عجیب عالمِ تعطل تھا اور پریشان کن حد تک بیزاری طاری تھی۔ زندگی، کچھ اس طرح گزری جیسے وہ واقعی دیوانے کا خواب ہو۔ اب بھی اگرچہ فرصت و فراغت سے پوری طرح آنکھیں چار کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے، لیکن پھر بھی وہ دن نہیں رہے جب پندار کا صنم کدہ ویران ہو کر رہ گیا تھا اور دل طوافِ کوے ملامت کے لیے اس طرح مجبور تھا، جیسے فوجی قیدی۔ سب کچھ بھول کر، سب کچھ کرنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں۔ تم تفصیل جاننے کے متمنی ہو گے، لیکن برادر! اکبر نے یہ، شعر خواہ مخواہ نہیں کہا تھا کہ:

تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں ہی یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

پچھلے دنوں میں جو کچھ ہوا، وہ جگر خون کرنے کے لیے کافی تھا اور اس حد تک کہ اگلی بہاروں تک اس کے داغ تازہ رہیں گے۔ ملاقات کے وقت زبان شاید ساتھ دے جائے، قلم تو اس کے بیان کا حق ادا کرنے سے رہا، مختصر یہ کہ بسوں میں سفر کرنا، جس سے کسی طرح مفر نہیں، سو ہزار تازیانہ ہاے دشنام کھانے کے برابر تھا اور گلی کوچوں سے گزرنا، کوے ملامت کا طواف کرنا تھا۔ ہر ہاتھ میں سنگِ ملامت نظر آتا تھا اور ہر زبان پر نعرہ ہاے دار و گیر تھے۔ بچّے نے اسکول جانے سے انکار کر دیا تھا کہ وہاں اس غریب تنہا ذات کو تیغِ زبان کے جوہروں کی داد دینا پڑتی تھی اور میرے ایک پڑوسی نے جو اتفاق سے ہم نفس بھی تھے اور ہم مشرب بھی، گھبرا کر، ہجرت اختیار کر لی تھی اور میری تسلی کے لیے خدا کی ذات کو چھوڑ گئے تھے۔ ان حالات نے ذہن کو کچھ ایسا متاثر کیا کہ قوتِ احساس و عمل شل ہو کر رہ گئی اور پہلی بار میرؔ کے اس بے مثال شعر کا صحیح مفہوم سمجھ میں آیا۔

دل کی آبادی کی اس قدر ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر گزرا

ہفتے اس عالم میں گزر گئے کہ سکون و طمانیت کی صورت نہیں آئی اور اب مہینوں کے بعد بھی ایک ارتعاش اس کی یادگار باقی ہے۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ مجھ جیسا کافر طبیعت اور سخت دل، جو مخالفت، حوادث کی پروا کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا، اس قدر کمزور دل کیسے ہو گیا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ یوں بھی اے مہرباں پڑتی ہے۔

تو بھائی یہ ایک ہلکا سا خاکہ تھا اس قصۂ زہرہ گداز کا اور مجھ پر اس کے اثرات کا۔ میں کبھی مجبور یا متاثر ہوں گا جانتا ہی نہ تھا۔ سو میرا یہ حال ہوا۔ اللہ جانے حسّاس دلوں پر کیا گزری ہوگی۔

میرے پاس ایک ہزار روپے کے دو کام تھے جامعہ ملیہ کے، جو مجھے ۴ ماہ میں مکمّل کر دینا چاہیے تھے، دونوں کو واپس کر دیا، کیوں کہ نہ ذہن نے ساتھ دیا نہ حوصلے نے رفاقت کی۔ میں خود حیران سا ہوں کہ یہ کیا ہو گیا تھا۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک عمر کی خود اعتمادی، کافر طبیعتی اور تابِ تحمّل کی شکست فطرت کو منظور تھی، سو ہو کر رہی اور اِس بہانے۔ بہر حال ان واقعات نے اس بار مجھے اس قدر متاثر کیا کہ اب اس پر خود مجھے حیرت ہے۔ یہاں میرے رفیقانِ کار اور شہر کے احباب نے شروع شروع میں تو ساتھ دیا اور ذہنی پریشانی میں حریف وظریف رہے، لیکن رفتہ رفتہ سب کو صبر آ گیا اور سب کاروبارِ زندگی کے پیچ وتاب میں مبتلا ہو کر رہ گئے بس ایک میں تنِ تنہا ہنوز اُس داستانِ صبر آزما کا ماتم گسار رہ گیا ہوں، کیا کروں ذہن سے وہ اثرات مٹتے ہی نہیں، وہ ایک خواب تھا، یہ سچ ہے، لیکن اثرِ خواب اب تک ہے اور اللہ جانے کب تک رہے گا۔ میں تمھیں ایک نہایت دل چسپ بات یہ بتاؤں کہ میرے کئی دوست جو اپنی خدا بیزاری اور آزاد خیالی کی قسمیں کھاتے تھے، اُس زمانے میں ردِعمل کے اثرات سے خدا پرست بن جانے پر اپنی طرح مجبور، ہو گئے تھے۔

میں نہایت خلوص کے ساتھ تم سے اور دوسرے مخصوص احباب سے معذرت طلب ہوں، مجھے امید ہے کہ تم اور وہ سب، اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ تم نے جس محبت سے پھر خلوص سے ایسے وقت میں خط لکھے، وہ سب میرے پاس محفوظ ہیں، اور دل کی سوچ پر نقش ہیں، میں تمھاری اس محبت کو بہت یاد رکھوں گا۔ ورنہ تم یقین کرو کہ میرے متعدّد احباب اس دوران میں، میری کوتاہ قلمی سے فریاد کر اٹھے اور اس طرح کہ رشتۂ الفت ہی قطع ہو کر رہ گیا۔ میں نے تمھارے لیے اور دوسرے احباب کے لیے متعدّد قیمتی اور نفیس کتابیں جمع کی ہیں، یہ تبصرے والی نہیں ہیں، خریدی گئی ہیں، اور میں جب بھی آیا انھیں ساتھ لے کر آؤں گا۔ اقبال صاحب کے لیے خاص طور سے۔ اور اسی وقت حساب بھی کر دوں گا۔ مجھے امید بل کہ[۱۵] یقین ہے کہ تم حسبِ معمول خط لکھتے رہا کرو گے اور اِس خط کا بھی مفصّل جواب فوراً دو گے۔ چشم براہ ہوں۔

رشید حسن

حواشی:

۱ سلمان احمد رباب (موجودہ رباب رشیدی)۔ بنگال پرفیومری ورکس۔ بہادر گنج، شاہ جہان پور (یوپی)۔

۲ تمھارا۔

۳ بھائی۔

۴ پذیرائی۔

۵ لھذا

۶ البتہ

۷ خانہ بہ دوش

۸ ذالقہ

۹ تمہارے

۱۰ مجھی۔ دو تا دس الفاظ کا املا رشید حسن خاں صاحب کی مرتب کردہ کتاب اردو املا کے مطابق نہیں ہے۔ تمھارا و تمھارے میں کہنی دار ہائے لکھا ہے جب کہ اُن کے اصول کے مطابق ہائے مخلوط ہونا چاہیے تھا۔ بھائی اور پذیرائی میں یائے معروف کے شوشے کو اُونچا کیے بنا ہی ہمزہ لکھ دیا ہے۔ لھذا کو ہائے مخلوط سے لکھا ہے جب کہ یہاں کہنی دار ہائے ہونا چاہیے تھا۔ البتہ میں ت کا شوشہ نہیں اور نہ ہی تشدید۔ خانہ بہ دوش میں ب و د ملا ہونا چاہیے تھا۔ ذالقہ میں زیر اور ہمزہ کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ یہ کے نیچے بھی اُن کے بعد کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق لٹکن نہیں ہے۔

۱۱ نیچے نام کی جگہ صرف رشید لکھا ہے۔

۱۲ خط پہ مقام و تاریخ درج نہیں۔ لیکن پوسٹ کارڈ پہ ۱۹/ و ۲۲/ اگست ۱۹۶۰ء کی دو مہریں دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی ثبت ہیں۔

نوٹ: خاں صاحب کا ۱۹۶۰ء کا املا ملاحظہ فرمائیں: ۱۳ لکھ نے ۱۴ بل کل ۱۵ لے تے ۱۶ ٹوٹ نا ۱۷ بڑھ نے ۱۸ کھل نے ۱۹ مل تے ۲۰ رہ تا ۲۱ بل کل ۲۲ دے تا ۲۳ ہو ہی ۲۴ بھائی ۲۵ نام کی جگہ صرف رشید لکھا ہے، 'حسن' و 'خاں' کے لاحقے نہیں ہیں۔

۲۶ شعر یوں درج ہے:

بہار و گل بھی ہے برسات بھی ہے میرے ہاتھوں میں ان کا ہات بھی ہے

۲۷ خط پہ مقام اور تاریخ درج نہیں۔ دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۲/ ستمبر اور ۳/ ستمبر ۱۹۶۰ء کی ثبت ہیں، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۲۸ تمھارے، ۲۹ بل کہ ۳۰ غالبن، ۳۱ تمھارے، ۳۲ کوئ، ۳۳ بھائی۔

۳۴ رسوائ۔ راقم نے اِن سب کا املا خاں صاحب کے بتائے ہوئے نئے اصول کے مطابق بدل دیا ہے۔ متن میں انگریزی ہندسوں کو اردو ہندسوں میں لکھ دیا ہے۔ جن الفاظ پر تشدید لگانی مقصود تھی لگا دی گئی ہے۔ یہ کے نیچے لٹکن (ِ) بھی لگا دیا گیا ہے۔

۳۵ خط کی پشت پر دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۱۶/ اور ۱۷/ ستمبر ۱۹۶۰ء کی ثبت ہیں جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ خط ۱۵/ یا ۱۶/ ستمبر کو لکھ کر ڈاک کے حوالے کیا گیا۔ اس خط میں جگر صاحب کے انتقال کی خبر ہے اور رباب صاحب کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ شاہ جہان پور میں ایک مقامی تعزیتی مشاعرہ جگر صاحب کی یاد میں کروا ڈالیں۔ اور رشید حسن خاں صاحب نے خود بھی اِس

میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ خط کے متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دہلی میں رہنے کے باوجود شاہ جہان پور کی ادبی سرگرمیوں میں برابر شریک ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی سرگرم رکھتے ہیں۔

نوٹ: خاں صاحب کا املا ملاحظہ فرمائیں: ۳۶ ہوی، ۳۷ تمہارا، ۳۸ ہوی، ۳۹ کاروای، ۴۰ کاروای۔ اِس زمانے میں رشید حسن خاں صاحب زیر، پیش، تشدید اور یہ کے لٹکن کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔

۴۱ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۲۴ / اور ۲۶ / ستمبر ۱۹۶۰ء کی ثبت ہیں۔

نوٹ: خط کے متن میں دو لفظوں کا املا اِس طرح ہے: ۴۲ آی، ۴۳ مبارکباد۔ یہ کے نیچے لٹکن (ـ) نہیں۔ بعض الفاظ پہ تشدید بھی نہیں۔

۴۴ خط کی پشت پر دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۱۲ / اور ۱۳ / اکتوبر ۱۹۶۰ء کی ثبت ہیں۔

۴۵ کوئ۔ خاں صاحب نے یاے معروف کے شوشے کو اونچا کیے بغیر اس پہ ہمزہ لکھا ہے۔

نوٹ: رشید حسن خاں صاحب کا اُس وقت کا املا ملاحظہ فرمائیں: ۴۶ غالبن، ۴۷ کہہ، ۴۸ رہ تا ۴۹ کہہ، ۵۰ رہ تے، ۵۱ کہہ، ۵۲ مل تے۔ رشید حسن خاں نے اپنی کتاب ''اردو املا'' میں ان لفظوں کو اس طرح لکھنے کی تلقین کی ہے اور خود آخری عمر تک اِن پر عمل کیا ہے۔ غالباً کو غالبن مع تنوین، کہہ میں ''ہ'' کا ایک شوشہ زیادہ ہے، اس کو کہ لکھنا چاہیے، ''رہ تے'' کو ملا کر لکھیں ''رہتے''، اِسی طرح ''مل تے'' کو ''ملتے'' لکھیں۔ راقم نے خطوط کے متن میں اِن کے بتائے ہوئے ''اردو املا'' کے اصولوں کی پیروی کی ہے۔

۵۳ ''رشید'' کے ساتھ ''حسن'' کا لاحقہ نظر آیا ہے۔

۵۴ ''تمہارا'' یہ رشید حسن خاں صاحب کا پہلا املا ہے، بعد میں خاں صاحب اِسے دو چشمی ہا (ھ) سے لکھنے پر زور دیتے تھے۔

۵۵ مقام اور تاریخ خط پہ درج نہیں، ڈاک خانوں کی دو مہریں دہلی اور شاہ جہان پور کی یکم اور ۲ / مارچ ۱۹۶۲ء کی ثبت ہیں۔

۵۶ تمھارا اور تمھارے خاں صاحب نے لٹکن والی ہا (ہ) سے لکھے ہیں۔ میں نے انھیں نئے املا سے بدل دیا ہے، جس کی تلقین خاں صاحب نے ''اردو املا'' میں کی ہے۔

۵۷ اس خط کے متن میں خاں صاحب نے ''بل کہ''، ''کیونکہ''، ''اسوقت'' ملا کے لکھے ہیں جب کہ ''اردو املا'' میں انھیں الگ الگ ''بل کہ''، ''کیوں کہ'' اور ''اِس وقت'' لکھنے کی ہدایت کی ہے۔ بعض الفاظ پر تشدید کا استعمال بھی نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ کے نیچے لٹکن (ـ) لگایا ہے۔

۵۸ خط کی پشت پر دو ڈاک خانوں کی مہریں ۱۸/اور ۱۹/ستمبر ۱۹۶۲ء کی ثبت ہیں۔ لفظ ''تمھارا'' پرانے انداز یعنی ٹکن والی ''ۃ'' سے لکھا ہے۔ ''یہ'' اور ''جگہ'' کے نیچے ٹکن نہیں لگایا ہے۔

۵۹ یہ خط شعبۂ اردو کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے۔

۶۰ خط کے متن میں ''بل کہ'' ملا کر لکھا ہے، جسے بعد میں خاں صاحب نے ''بل کہ'' الگ سے لکھنے پر زور دیا ہے۔ ''یہ'' کے نیچے بھی ٹکن نہیں اور بعض الفاظ پہ ''تشدید'' بھی نہیں لگائی ہے۔ خط پہ ایک مہر ۷/جولائی کی ثبت ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔

۶۱ کوئی، ہر جگہ یائے معروف پہ ہمزہ کے ساتھ لکھی ہے، بغیر شوشہ اونچا کیے۔

۶۲ مکتوب نگار کے نام کے ساتھ ''حسن'' کا لاحقہ نظر آتا ہے۔ لیکن ''خاں'' کا لاحقہ ابھی بھی نظر نہیں آیا۔

۶۳ ''بل کہ'' ملا کر لکھا ہے، جب کہ بعد کے املا میں الگ سے لکھا ہے، ''بل کہ''۔

۶۴ اِس خط میں ''رشید حسن خاں'' کا پورا نام نظر آتا ہے۔

۶۵ خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۶ ''گاؤں'' کو خاں صاحب نے ''گانو'' لکھنے کی تلقین کی ہے۔

۶۷ خاں صاحب تو ''تحقیق کے میدان کے مرد تھے'' انھوں نے جتنی شرابوں کے نام گنوائے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس کو انھوں نے شیشے میں نہ ڈالا ہو اور اُس کے رنگ روپ کا نظارہ نہ کیا ہو اور لطف نہ اٹھایا ہو۔

۶۸ خاں صاحب نے اپنی رات کی تنہائی کا خط آخری سطور میں بڑے خوب صورت انداز میں ذکر کیا ہے۔ یہ خط طاہر صاحب کے شعری مجموعے 'پہلا پتھر' کا ایک عمدہ و مفصل تبصرہ ہے۔

۶۹ خط کے اوپر مقام اور تاریخ دونوں درج نہیں۔ لیکن خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔ رجسٹرڈ لفافے پر دہلی یونی ورسٹی کے ڈاک خانے کی مہریں ۷/جنوری ۱۹۷۵ء کی ثبت ہیں۔ مکتوب نگار کا پتا: R. H. Khan, F-3/4, Model Town, Delhi-7

مکتوب الیہ کا پتا: Salman A. Rabab, C/o Ghulam Ahmad Qadri
Fair Price Shop, Bazar Bahadur Ganj, Shahjahan Pur, (UP)

۷۰ خط پہ مقام نہیں تاریخ درج ہے۔ خط دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پر ہے اور متن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۷۱ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے: Janab Rabab Rashidi, 65, TAREENTIKLI,
SHAH JAHAN PUR (UP)

۷۲ ربابؔ صاحب رشید حسن خاں کے ہم وطن ہیں اور شاعر بھی۔ دہلی آنے سے قبل خاں صاحب اور ربابؔ صاحب ایک ساتھ ادبی نشستوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ خاں صاحب اب بھی ربابؔ صاحب کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔

۷۳ے مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ لفافے پر دہلی اور شاہ جہان پور کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۲۳ر اور ۲۵ر اگست ۱۹۷۷ء کی ہیں۔

۷۴ے جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اردو'' پر تبصرہ لکھنے میں خاں صاحب مصروف ہیں۔ لفافے کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے: Janab A Salman Ahmad Rabab, 126, Tazi Khana Lucknow (UP)۔ خط پہ دہلی اور لکھنؤ کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۱۹ر اور ۲۱ر جنوری ۱۹۷۸ء کی ثبت ہیں۔ اس خط کے پتے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ نے شاہ جہان پور کے بجائے لکھنؤ کو اپنا مستقر بنالیا ہے۔

۷۵ے دہلی ایڈمنسٹریشن کا ساہتیہ کلا ایوارڈ ۲۹ر مارچ ۱۹۷۸ء کو رشید حسن خاں کو دیا گیا، جس کے لیے ایک جلسے کا اہتمام بھی کیا گیا۔

۷۶ے خاں صاحب کی نئی کتاب ''اصولِ تحقیق'' کی کمپوزنگ ہو چکی ہے، وہ ایک دو مہینے میں شائع ہونے والی ہے۔

۷۷ے مکتوب الیہ کا پتا: جناب رباب رشیدی C-97/6F.B. Area, Karachi (Pakistan)۔
مکتوب نگار کا پتا: رشید حسن خاں، ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷، انڈیا

۷۸ے ۱۴ر اپریل ۱۹۸۳ء کو رشید حسن خاں صاحب جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کی دعوت پر وہاں اردو املا پہ لکچر دینے کے لیے تشریف لائے تھے۔ راقم نے اِن کے بھی لکچر سنے تھے۔

۷۹ے خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے ہے۔ خط کا لفافہ غائب ہے۔ متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔ رباب صاحب نے اپنے تمام خط اصل روانہ کر دیے ہیں اور خود چوتھی بار عمرہ کرنے کے لیے یکم اپریل ۲۰۰۹ء کو لکھنؤ سے سیدھے مکہ معظمہ کے لیے اُڑان بھر گئے۔ اِن خطوط کے عکس میں نے خود بنوائے ہیں۔ بہت سے خطوط کے لفافے غائب ہیں، بعض کی حالت خستہ ہے۔

۸۰ے اس خط میں استاد رشید مرحوم کے کلام پہ پیش لفظ لکھنے کا ذکر ہے۔

۸۱ے ۱۹۸۴ء کا غالب ایوارڈ آگرے والے میکش صاحب کو دیا گیا ہے۔ اس خط میں اِس کا ذکر ہے۔

۸۲ے خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے کاغذ پہ دہلی یونی ورسٹی کا لوگو لگا ہوا ہے۔ خط بغیر لفافے کا ہے۔

۸۳ے میرا مجموعۂ کلام ''ابر سفید'' جو ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا تھا (رباب رشیدی)۔

۸۴ے ''املا'' ورک شاپ کا ذکر ہے۔ اِسی خط میں بمبئی یونی ورسٹی میں املا پر انٹر نیشنل سمینار کا بھی ذکر ہے۔

۸۵ے رشید حسن خاں صاحب لاہور (پاکستان) گئے ہوئے تھے۔ اسلام آباد میں آپ صدرِ پاکستان کے مہمان رہے۔ لاہور کے جلسے کی صدارت صدرِ پاکستان نے کی۔ ادبی لحاظ سے یہ خط بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

۸۶ے رشید حسن خاں کے تنقیدی مضامین کے مجموعے ''تلاش و تعبیر'' کے لیے دہلی اردو اکیڈمی کی مالی امداد

دینے کا ذکر ہے اور جلد ہی کتاب چھپنے کا بھی۔

۸۷ رشید حسن خاں صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اور لوگوں کے علاوہ سابق وائس چانسلر کراچی یونی ورسٹی جمیل جالبی بھی انھیں دیکھنے آئے تھے۔

۸۸ خاں صاحب کی آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ ٹھیک سے لکھ پڑھ نہیں سکتے، اُن کی تحریر میں بھی فرق ہے۔

۸۹ ۶ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو خاں صاحب بمبئی جائیں گے۔ وہاں تین لکچر دینے ہیں اور ایک سمینار میں شمولیت کرنی ہے۔ ۱۴ر دسمبر کو واپسی ہوگی۔

۹۰ خاں صاحب کا ماہ نومبر میں جموں، کراچی، بمبئی جانے کا پروگرام ہے لکچر و سمینار کے سلسلے میں۔ ۳ر نومبر کو ان کے بیٹے خالد کی شادی ہے اس لیے انھیں شاہ جہان پور بھی جانا ہے۔ ماہ فروری ۱۹۹۲ء میں لاہور جانے کی بھی اطلاع ہے۔

۹۱ ریاست ہریانہ کا نیشنل ایوارڈ، حالی ایواڈ ۱۹۹۲ء خاں صاحب کو ملنے کی اطلاع ہے۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں لیکن متن سے پتا چلتا ہے کہ اِن کا بیٹا خورشید اپنی بچّی کو لے کر دہلی آیا ہوا ہے، بچّی کو کینسر کی شکایت ہے۔

۹۲ خاں صاحب کے پٹنے جانے کی اطلاع ہے، وہاں انھوں نے خدابخش لائبریری میں اکسٹنشن لکچر دیا۔ اردو اکیڈمی لکھنؤ کی نئی تشکیل کی بھی اطلاع ہے۔

۹۳ خط کے اوپر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۹۴ مقام خط پہ درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۹۵ خط پہ مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ دہلی ڈاک خانے کی مہر ۹ر اپریل ۱۹۹۴ء کی ثبت ہے۔

۹۶ مکتوب نگار کا پتا خط کی پشت پر تحریر ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا وہی ۱۲۶- تازی خانہ، لکھنؤ والا ہی ہے۔

۹۷ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۹۸ ریاست ہریانہ کے حالی ایوارڈ کا اعلان کافی عرصہ پہلے ہوا تھا، مگر جلسۂ تقسیم انعام ۶ر جولائی ۱۹۹۴ء کو منعقد ہونے کی اطلاع ہے۔

۹۹ مقام و تاریخ سرنامے پہ تحریر نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ متن ظاہر کرتا ہے کہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۱۰۰ لفافے کی پشت پہ مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۰۱ مقام خط کے اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ ان لینڈ لیٹر کی پشت پر دہلی اور لکھنؤ کے ڈاک خانوں کی دو مہریں ۱۹ر اور ۲۰ر جولائی ۱۹۹۵ء کی ثبت ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۱۰۲ یہ خط کسی کیلینڈر کے پُرزے پہ لکھا گیا ہے، جس کے ایک طرف جلی ہندسوں میں تاریخیں درج

ہیں۔ دسمبر کے ماہ میں بمبئی میں حافظؔ پہ انٹرنیشنل سمینار منعقد ہونے والا ہے اور خاں صاحب نے اِس میں شامل ہونے کی اطلاع ربابؔ صاحب کو دی ہے۔

۱۰۳۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا۔ اِس میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی کا ۱۹۹۶ء کا پرویز شاہدی ایوارڈ خاں صاحب کو ملنے کا ذکر ہے۔

۱۰۴۔ خاں صاحب نے ربابؔ صاحب کو لکھا ہے کہ نیّرؔ مسعود صاحب سے اب شکررنجی نہیں رہی۔ کسی زمانے میں دونوں حضرات کے درمیان ایسا ہو گیا تھا۔

۱۰۵۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۰۶۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۰۷۔ ڈاکٹر محبوالرحمان آفریدی (ربابؔ)۔

۱۰۸۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پہ دو مہریں شاہ جہان پور اور امین آباد کی ثبت ہیں۔ شاہ جہان پور کی مہر روشن نہیں ہے، امین آباد کی مہر ۳رجنوری ۲۰۰۰ء کی ہے۔

۱۰۹۔ اس خط پہ بھی تاریخ درج نہیں۔ کاغذ بہت پرانا ہے اور شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کا لیٹر پیڈ ہے۔ اس خط میں ''نئے نام'' کی کتاب اقتدار صاحب کے ہاتھ بھیجنے کا ذکر ہے۔

۱۱۰۔ خط پہ مقام و تاریخ درج نہیں۔ سفید کاغذ والے خط کی پشت پہ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے: سلمان احمد رباب، بازار بہادر گنج، شاہ جہان پور (یو. پی)۔ خط کا لفافہ موجود نہیں ہے۔ ''نئے نام'' کی کتاب کے ملنے کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط پہلے خط کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔

۱۱۱۔ خط کے کاغذ سے پتا چلتا ہے کہ فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز یونی ورسٹی آف دہلی کا یہ لیٹر پیڈ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خط دہلی سے لکھا گیا۔ مگر تاریخ ندارد ہے۔

۱۱۲۔ یہ خط بھی دہلی یونی ورسٹی کے ٹی. بی. ۹، گائر ہال سے ہی لکھا گیا ہے کیوں کہ خاں صاحب ہوسٹل کے زینے سے پھسل گئے اور مونڈھے کی طرف ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

۱۱۳۔ خط سادہ کاغذ پہ ہے۔ لفافہ ساتھ نہیں۔ خط پہ مقام و تاریخ دونوں ندارد۔ متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۱۱۴۔ خط کا کاغذ بہت پُرانا ہو چکا ہے۔ ٹوٹ رہا ہے۔ لیکن لکھا ہوا شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر پیڈ پر ہے۔ یہ دو صفحات پر مشتمل ہے۔ شاید خاں صاحب پہ کچھ عرصہ کے لیے ایسا کچھ طاری ہو گیا تھا کہ انھوں نے سب سے قطع تعلق کر لیا تھا جس کے اثرات دیر تک رہے۔

۱۱۵۔ ''بل کہ'' ملا کر لکھا ہوا ہے۔ یہ خاں صاحب کا پُرانا املا ہے ۱۹۷۴ء سے پہلے کا۔ بعض الفاظ پہ تشدید کا استعمال بھی نہیں کیا ہے۔ تاریخ و مقام دونوں خط پر تحریر نہیں۔

بنام: سیفی بریلوی، ڈاکٹر

(۱)

شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی[۱]

سیفی صاحب مکرم! سلامِ شوق

حضرت! آپ کہاں ہیں؟ کیا موسم کا اثر ہے۔ فی الوقت یہ زحمت دینا چاہتا ہوں کہ میرے مخلص دوست کلیم صاحب دو غزلیں بھیج رہے ہیں۔ انھیں کسی حالیہ شمارے کی زینت بنا کر مجھے ممنون فرمایئے، اور مجھے کوئی زحمت دیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

۱۔ مقام اوپر درج ہے۔ تاریخ درج نہیں۔

نوٹ: سید عابد حسین کلیم لکھتے ہیں کہ یہ خط ڈاکٹر سیفی بریلوی کے نام ہے جو سادے کاغذ پر ہے۔ اور یہ ۱۹۶۵ء کے آس پاس ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اب ''خان'' کا لاحقہ اُن کے نام کے ساتھ لگا نظر آتا ہے، دوسرے ''یہ'' کے نیچے لکن بھی لگا ہوا ہے۔

بنام شارب ردولوی، پروفیسر

(۱)

۲۶ر مارچ ۱۹۷۶ء

محبِ مکرّم!

لیجیے آخر کار صفحات کی شیرازہ بندی ہو ہی گئی۔ اب آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ تو دانی..... حسابِ کم وبیش را۔ فاصلہ بہت ہے، ورنہ اِس موقعے پر خود حاضر ہوتا۔

وہاں کے حالات سے آپ خوب واقف ہیں (اور کون ہوگا)۔ اِس بنا پر، میری درخواست یہ ہے کہ آپ بہ طورِ خود دیکھ لیجیے کہ یہ کتاب جلد از جلد پریس پہنچ جائے۔ آپ کی ذاتی دل چسپی کے بغیر، یہ کام اُس طرح نہیں ہو سکے گا۔ منّت پذیر ہوں گا۔

دو درخواستیں اور ہیں:

۱- اگر ممکن ہو تو اِس کتاب کی جلد بندی بھی ہو جائے مع گرد پوش، اردو املا کی طرح۔ اِس سے قیمت میں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ مگر فیصلہ آپ ہی کے اوپر ہے کہ کیا ہو۔ میں نے تو صرف فرمایش کی ہے۔ اب آپ جس طرح مناسب سمجھیں کریں اُسی طرح۔

۲- چوں کہ کتاب مکمل ہو گئی ہے، اِس لیے اب معاوضے کے بل کو از سرِ نو دیکھ لیجیے اور بقیہ رقم کے لیے لکھ دیجیے۔ اِس میں بھی ضابطوں کی خانہ پُری میں خاصا وقت لگے گا۔ مگر کاغذ تو چلا ہی دیجیے۔

کئی زحمتیں ایک ساتھ دے رہا ہوں اور اِس پر معذرت طلب ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی دن گھر پر آپ سے ملاقات کی جا سکے۔ کس دن؟ اگر آپ مطلع فرمائیں تو کرم ہوگا۔

مخلص

رشید حسن خاں

پشت پر:

ایک ضروری بات تو رہ ہی گئی: مسوّدہ میرے پاس ہے، عارضی طور پر۔ اور اِس لیے فی الحال

رکھ لیا ہے کہ کتاب جب چھپ کر آئے تو ایک بار مسوّدے[۱] سے مقابلہ کر کے، اگر ضرورت ہو، تو غلط نامہ بنالیا جائے اور اگر اہم اغلاط ہوں تو اُس کو ٹائپ کر کے، یا سائکلواسٹائل کر کے، کتاب میں رکھ دیا جائے۔ چوں کہ اِس کتاب میں ساری بحث الفاظ کے اعراب کی ہے، اِس لیے اِس کا احتمال ہے کہ کاپیاں پڑھنے میں نظر چوک گئی ہو۔ اگرچہ میں نے بہت احتیاط کی ہے۔ مسوّدہ آپ جس وقت بھی طلب کریں گے، فوراً پیش کر دیا جائے گا۔

پروفیسر شارب ردولوی، سی-۹۵، سکٹر ای، علی گنج، لکھنؤ (یو۔ پی)، پن: ۲۲۶۰۲۴

(۲)

بنام: پروفیسر شارب ردولوی

الیف ۳/۴، ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹

۱۶/اکتوبر ۱۹۷۶ء[۲]

محبّی!

۱- یہ خط غالباً آپ کو دوشنبے کو ملے گا اور خیال ہوتا ہے کہ اُس وقت تک کتاب مکمّل ہو کر آپ کے پاس آچکی ہوگی؛ احتیاطاً انشاء اللہ بھی کہے لیتا ہوں۔ مصنف کے حصّے کی مقررہ دس کاپیاں آپ الگ کر لیں گے، یہ بھی فرض کیے لیتا ہوں اور اِس کی بھی اُمید باندھتا ہوں کہ وہ دس کاپیاں مجھے مل جائیں گی۔ آپ نے ازراہِ لطفِ خاص یہ کہا تھا کہ اُن کے لیے مجھے وہاں نہیں آنا ہوگا بل کہ وہ کسی نہ کسی طرح پہنچ جائیں گی۔ اب آپ مطلع فرمائیں کہ میں کہاں راہ دیکھوں، شعبے میں یا گھر پر اور کس دن، کس وقت۔ یہ میں اِس لیے پوچھ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ میں فٹ بال کے میدان میں یا کافی ہاؤس میں بیٹھا ہوا ہوں اور جو صاحب آئیں وہ پریشان ہوں اور بعد کو مجھے منفعل ہونا پڑے۔ جواب کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔

۲- خلیق انجم صاحب اور شہباز صاحب سے میں نے طے کر لیا ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ فوراً ہو جائے۔ اب اگر ممکن ہو اور مناسب بھی ہو تو میری یہ بھی درخواست ہے کہ کتاب نما، ہماری زبان اور آجکل کے تبصروں کی کاپیاں (تین کاپیاں) مجھے مل جائیں تا کہ میں کہہ سکوں۔

۳- برادر! آپ کے اِدھر اچھی اچھی کتابیں چھاپی ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ میرے حصے میں بھی آسکیں۔ اِس کے لیے مزید منت پذیر ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی
گائے ہال
۲۳ رمئی ۱۹۸۳ء

محبِ مکرم!

محبت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں۔ میں آج رات میں بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا، وہاں آٹھ دن کی ایک ورک شاپ ہے صحتِ املا پر، واپسی پر آپ سے ملاقات کروں گا، انشاء اللہ۔

میں جن لوگوں سے کہہ سکتا ہوں، اُن کو ابھی لکھ رہا ہوں، آپ بھی ذرا کوشش کیجیے۔ جب نام آ گیا ہے تو اب ناکامی نہیں ہونا چاہیے۔ میں ۲ رجون یا ۳ رجون کو واپس آجاؤں گا اور پھر ایک بار زبان اور قلم دونوں سے کام لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ کام یابی ہوگی۔ جس قدر شرفا ہیں، اُن سب سے بات کی جائے گی، لیکن جو چند..... حرام زادے اور..... نطفۂ دوپہری ہیں، اُن سے گفتگو نہیں کی جائے گی، ٹھیک ہے نا!

واپسی پر میں خود آپ کی طرف آؤں گا۔ ذرا زیدی صاحب کو آپ لکھ دیجیے گا اور سرور صاحب کو بھی۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی
۲۳ رمئی ۱۹۸۷ء

شارب صاحب مکرم!

عید مبارک!

روحِ انیس کی مجھے ضرورت پڑ گئی ہے، میں ممنون ہوں گا اگر آپ اُسے کسی دن میرے پاس بھجوا دیں۔ میں اگر موجود نہ ہوں تو زیدی صاحب کو دے دیں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

ہاں میں بنارس جاؤں گا ۷ راگست کو۔ یوں اگر آپ ۲ را اگست کو یا اُس کے کل کو کتاب بھجوائیں تو ممنون ہوں گا۔

(۵)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۹ر جون ۱۹۹۵ء

محبی شارب صاحب! آداب

عزیزہ مرحومہ شعاع کے حادثے کی خبر مجھے خاصی تاخیر سے ملی، کہیں آنا جانا ہوتا نہیں، یوں کسی سے ملاقات بھی نہیں ہوتی۔

پھر آپ کا پتا میرے پاس نہیں تھا، بہ مشکل حاصل ہوا۔ اِس لیے اِس قدر تاخیر سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے کس قدر دُکھ پہنچا اور قلق ہوا۔ اُس بچّی کی صورت میری آنکھوں میں گھوم رہی ہے۔ میں تو اُسے بچّی ہی سمجھتا تھا، کیسی پیاری، ہنس مکھ، ہر وقت مسکراتی ہوئی اور بہت مہذب۔ شمیم صاحبہ کی تربیت نے اُس بچّی کو ادب آداب کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ اُن کے غم کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ آپ دونوں کے لیے اور خاص کر اُن کے لیے تو وہ سب کچھ تھی۔ وہی ماضی، وہی حال، وہی مستقبل۔ اُس کے بعد اُن کے لیے تو یہ سارے لفظ بے معنی ہو کر رہ گئے ہوں گے۔

برادر! میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا اپنا غم ہے۔ خدائے پاک اُس بچّی کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ دونوں کو صبر کی توفیق عطا کرے، اگرچہ ایسے حادثے پر صبر کی بات کرنا بڑی سنگ دلی ہے، مگر اِس کے سوا تو کچھ بھی اختیار میں نہیں رہتا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں وہاں آکر تعزیت کرتا اور کچھ دیر کے لیے سہی، آپ دونوں کے غم میں شریک ہو جاتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رشید حسن خاں

(۶)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی
گائر ہال
۱۷ر اگست ۱۹۹۵ء

محبی شارب صاحب! آداب

شمیم صاحبہ کے پروفیسر ہونے کی اطلاع مجھے ذرا دیر سے ملی۔ کوئی ملا ہی نہیں، معلوم کیسے ہوتا اور ملنا بھی کیسے، کہیں آنا جانا ہو، تو ملنا جلنا ہو۔

مجھے بے حد مسرّت ہے کہ آخر کار حق بحقدار رسید۔ میری طرف سے شمیم صاحبہ کی خدمت

میں ہدیۂ مبارک باد پیش کر دیجیے۔ آپ سے بھی دنوں سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ خدا کرے آپ سب بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی

گائڑ ہال

۵/ دسمبر ۱۹۹۵ء

برادرم!

معلوم نہیں آپ دہلی میں ہیں یا لکھنؤ۔ خدا کرے دہلی میں ہوں۔

آپ کو "گلزارِ نسیم" کا جو نسخہ میں نے دیا تھا، اُس میں دو ضروری تصحیحات چھوٹ گئی ہیں۔ ازراہِ لطف اپنے نسخے میں انھیں بنا لیجیے:

ص ۴۰۵، حاشیہ: "باپ اپنی بیٹی سے کہتا ہے"۔ اِس کی جگہ "ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے" ہونا چاہیے۔ ص ۴۰۷ پر نویں سطر میں "نسیم کے استاد بھائی رشک"۔ اس میں "نسیم کے استاد بھائی" کو قلم زد کر دیجیے۔ رشک تو ناسخ کے شاگرد تھے۔ معلوم نہیں کس دُھن میں قلم یہ لکھ گیا۔ بشریت اِسی کو کہتے ہیں شاید۔

ہاں برادر! آجکل کے مدیر کا خط آیا تھا، کتاب کی رسید کا۔ اُس میں لکھا تھا کہ شارب صاحب کے تبصرے کا انتظار کروں گا۔ سو برادر! اِس کام کو کر ہی ڈالیے۔ چھپنے میں بھی تو وقت لگے گا۔

میں اواخر جنوری میں شاہ جہان پور منتقل ہو جاؤں گا۔ وہاں کا پتا یہ ہوگا:

رشید حسن خاں

167-BAROOAZI-II (بارُوزئی۔دوم)

SHAH JAHAN PUR (U.P), Pin: 242001

رشید حسن خاں

(۸)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی

شاہ جہان پور

یکم نومبر ۱۹۹۶ء

محبی شارب صاحب! آداب

۲۷/اکتوبر کو ڈیڑھ مہینے کے بعد بمبئی سے واپسی ہوئی ہے۔ یہاں آپ کا خط محفوظ تھا۔
وہ تحریر پاکستان میں آپ کسی بھی رسالے کو بھیج سکتے ہیں بہ شمولِ اوراق۔ کراچی سے اقدار نکلتا ہے، سہ ماہی ہے، اچھا رسالہ ہے (اُس کے اڈیٹر شبنم رومانی ہیں میرے ہم وطن اور مخلص) اُسے بھی بھیج سکتے ہیں۔ پتا ہے:

سہ ماہی اقدار،

۲۰۷، گھڑیالی بلڈنگ، صدر، کراچی

مگر برادر! آج کل تو خالی جا رہا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ آپ اپنی تحریر کی تلخیص، تمہید کے بغیر، دو صفحوں میں کر کے بھیج دیں اُن کو۔ اِس زحمت کو ضرور گوارا کر لیجیے اور اپنے معمول کے خلاف جلد، بل کہ جلد تر۔ مثنویاتِ شوق مکمل ہے، دسمبر کے اواخر تک چھپ جائے گی۔ دسمبر میں آپ سے ملاقات ہوگی۔ شمیم صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی

شاہ جہان پور

۲۲/جنوری ۲۰۰۱ء

شارب صاحب مکرّم اور شمیم صاحبہ مکرّمہ!

یادنامہ ملا تھا، یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔ اس بات سے بڑی ڈھارس بندھتی ہے کہ تہذیبی جدیدیت کے اِس دور میں ابھی وہ لوگ زندہ وسلامت ہیں جو اپنے مخلصین کو یاد رکھنا اور یاد کرنا شریفانہ تہذیبی زندگی کا جُز سمجھتے ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ خدا کرے کہ آپ سے ملاقات کا جلد ہی کوئی موقع میسّر آئے۔

رشید حسن خاں

اب روئے سخن شمیم صاحبہ کی طرف ہے۔ حضور والا! اور اگر آپ کو اصرار ہو تو مجبوراً حضورۂ والا! آپ سے ایک بات چپکے سے کہنا چاہتا ہوں، اِس توقّع کے ساتھ کہ اِسے ایک مخلص نیاز مند کی بات ہی سمجھا جائے گا۔

انگریزی میں آپ کا نام میری آنکھوں میں چبھ گیا۔ کوئی اور تو کہے گا نہیں؛ یوں بھی کہ عموماً لوگ اِس کے اہل نہیں اور جو اہل ہیں، وہ مروّت کے مارے ہوئے۔ میں بھی بندۂ مروّت ہوں، مگر مجہول مروّت سے بے تعلق اور سچّی مروّت کا پرستار۔ ''نکہت'' میں ن پر زبر ہے، زیر نہیں۔ زیر بھی ہے، مگر وہ عوام سے متعلق ہے، روشِ عام سے نہیں۔ دہلی ہو یا لکھنؤ، عام اور عوام کا فرق بہ

ہر حال ملحوظِ خاطر رہے گا اُن لوگوں کو جنھوں نے شعور کی آنکھیں ۱۹۴۷ء سے پہلے کھولی تھیں۔ بعد والوں سے ہمارا واسطہ ہے، مگر دور کا۔ اور شارب صاحب سے یہ کہنا ہے کہ "برائے مہربانی" کی جگہ "براہِ کرم" ہوتا تو خوب ہوتا۔ ہم سب ازراہِ کرم، ازراہِ عقیدت وغیرہ لکھتے ہیں؛ برائے کرم وغیرہ نہیں لکھتے اور نہیں لکھنا چاہیے۔

اگر عابد سہیل صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہو جائے تو اُن سے یہ کہہ دیجیے گا کہ اُن کی کرم فرمائی کے نتیجے میں اشفاق[۹] خاں صاحب کی کتاب تفکرات مل گئی۔ اِس کے لیے شکرگزار ہوں۔

(۱۰)

بہ نام: پروفیسر شارب ردولوی

شاہ جہان پور

۳۱ر دسمبر ۲۰۰۳ء[۱۰]

محبِ مکرم!

نئے سال کی مبارک باد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا کرے آنے والا سال ہم سب کے لیے کم سے کم فتنے لے کر آئے۔ شمیم صاحبہ کو بھی آپ ہی کے توسط سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے اب اُن کی صحت پہلے سے بہتر ہو۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ ایک دو جملوں پر پروفیسر شارب ردولوی نے سیاہی پھیر دی ہے، وہ لکھتے ہیں: "صرف ایک خط میں دو لفظ میں نے کاٹ دیے ہیں ان کا شائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ بے تکلف انسان تھے اور دل میں کوئی بات نہیں رکھتے تھے اس لیے کبھی کوئی ایسی بات بھی لکھ دیتے تھے جس کا شائع کرنا مناسب نہیں ہے" (مکتوب بہ نام راقم مرقومہ ۲۱ر فروری ۲۰۰۸ء)۔ سرنامے پر خاں صاحب نے مقام و تاریخ نہیں لکھے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ لیکن اس وقت خاں صاحب دہلی میں ایف ۳/۴، ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹ میں رہتے تھے کیوں کہ اگلے خط پر یہی پتا درج ہے۔

۲۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ درج ہے۔

۳۔ سرنامے پر صرف گاڑ ہال لکھا ہے اور وہ بھی ٹ کے دو نقطوں کے بغیر۔ عموماً دو نقطوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔ میں نے نقطے لگا دیے ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ عبارت میں جو دو جگہیں خالی چھوڑی گئی ہیں، ان لفظوں پر شارب صاحب نے سیاہی پھیر دی ہے۔ انھیں شائع کرنا اُنھوں نے مناسب نہیں سمجھا۔

۴۔ خط کے سرنامے پر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ اس خط میں بنارس جانے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ

ہوا کہ یہ خط دہلی سے ہی لکھا گیا۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ مکتوب کے سرنامے پر پورا پتا درج ہے۔ صرف تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ تعزیتی خط شارب ردولوی صاحب کو اُن کی ایک ہی بیٹی کے حادثے میں جاں بحق ہونے پر لکھا گیا "جس کی عمر بیس سال تھی"۔ مکتوب بہ نام راقم ۲۱ر فروری ۲۰۰۸ء۔

۶۔ سرنامے پر صرف "گائر ہال" لکھا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Dr. Sharib Radoulvi, AC-3/38C, Shalimar Bagh, Dehli-110053

مکتوب نگار کا پتا: رشید حسن خاں، ۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

خط کے اوپر لوکل لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی لکھا ہوا ہے کہ ۶ رستمبر ۱۹۹۵ء کو جواب دے دیا گیا ہے۔

۷۔ مکتوب الیہ کا پتا AII/7, Mourice Nagar, Delhi-7 صرف نام کے ساتھ انگریزی میں پروفیسر اور اردو میں ڈاکٹر لکھا ہوا ہے۔ مکتوب نگار کا پتا شاہ جہاں پور والا ہے۔

۸۔ سرنامے پر مقام و تاریخ دونوں درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا: Prof. Sharib Radoulvi, C95, Sector E, Aligang, Lucknow (U.P) pin: 226024۔ مکتوب نگار کا وہی شاہ جہان پور والا جو خط میں تحریر ہے۔

۹۔ ڈاکٹر اشفاق محمد خاں، اے-۴/۹۳۱، اندرا نگر، لکھنؤ-۱۶ (یو۔ پی)

۱۰۔ سرنامے پر مقام و تاریخ دونوں درج ہیں۔ مکتوب الیہ و مکتوب نگار کے پتے: لکھنؤ اور شاہ جہان پور والے ہی ہیں۔

★★★

بنام شاہد ماہلی

(۱)

۱۱؍جون ۱۹۸۴ء[1]

شاہد صاحب!

سب مضمون واپس کر رہا ہوں۔ سرگرمیاں اور تبصرہ اب تک نہیں پہنچا، انھیں بھجوائیے۔ تبصرہ لکھنے میں اگر دقت ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ فضیل جعفری والا تبصرہ ہی چھاپ دیا جائے۔ وہ اچھا خاصا ہے اور میرے پاس محفوظ بھی ہے۔ میری رائے تو یہی ہے۔ مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: شاہد ماہلی

۲۱؍مئی ۱۹۸۶ء

شاہد صاحب مکرم!

(۱) آپ نے کہا تھا کہ دیوانِ غالب کا کاغذ پریس پہنچ گیا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ طے شدہ طریقِ کار کے متعلق آپ نے دو طرح کا کاغذ خریدا ہوگا۔ ایک ہزار نسخوں کے لیے دبیز سفید کاغذ، جو امیر خسرو والی انگریزی کتاب میں لگا ہے اور باقی چار ہزار کے لیے وہ کاغذ جو عموماً انسٹی ٹیوٹ کی کتابوں میں لگتا ہے۔

(۲) دیوان کی قیمت -/20 مناسب نہیں، ۱۵؍روپے ہونا چاہیے۔

(۳) یادگارِ غالب کی قیمت بھی -/60 بے جا ہے۔ اس کی تو کتابت ہوئی نہیں، اس لیے اس کی قیمت ۴۰، یا ۴۵ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ ساٹھ روپے زیادہ ہیں اور بہت زیادہ۔

(۴) غالب نمبر کے لیے چوں کہ باقی مضامین کی کتابت تو ہوگی، اس لیے مناسب یہی ہوگا کہ میرے مضمون کی بھی کتابت کرا لیجیے، جوڑ پیوند کیوں لگائے جائیں۔

آپ کب آئیں گے، مطلع کیجیے۔

(۵) زیری صاحب کا بل بنوالیجیے اور اسے ذرا جلد دلوا دیجیے گا، اُن کو ضرورت ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ شاہد ماہلی صاحب کے نام دونوں خطوط سے نہ تو مکتوب الیہ اور نہ ہی مکتوب نگار کے ایڈریس کا پتا چلتا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

★★★

بنام شمس بدایونی، ڈاکٹر

(۱)

ٹیچرس کوٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۹ر جون ۱۹۹۵ء[۱]

شمس صاحب!

آپ کا بھیجا ہوا کتابوں کا پارسل مجھے کل ۸ر جون کو ملا۔ آپ کے خط پر تاریخِ تحریر درج نہیں، اِس سے یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ آپ نے اِسے کب بھیجا تھا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف میرا جانا نہیں ہوتا۔ اپنے کاموں میں اِس طرح مصروف ہوں آج کل کہ یونی ورسٹی کیمپس سے مہینوں باہر جانا نہیں ہو پاتا۔ کل انسٹی ٹیوٹ کا چپراسی آیا تھا، وہ اِس پارسل کو لایا تھا۔ اِسی مصروفیت کی بنا پر غالب نامے میں تعارفِ کتب کا سلسلہ ہی کئی اشاعتوں سے شامل نہیں ہو پایا۔ کتاب بھیجنے پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ جب بھی تعارفِ کتب کے سلسلے کو شروع کیا، سب سے پہلے آپ کی کتاب کو شامل کیا جائے گا۔

آپ کی کتاب کا جو موضوع ہے، وہ بہت کام کا ہے۔ یوں یہ کتاب میری خصوصی دل چسپی کی چیز ہے، اِسے توجہ کے ساتھ پڑھوں گا اور استفادہ کروں گا۔ آپ کا پتا میرے پاس نہیں تھا، ورنہ مہینا بھر پہلے بس آپ کو خط لکھنا چاہتا تھا۔ مجھے زہرِ عشق کے نظامی اڈیشن کی ضرورت تھی۔ پھر وہ نسخہ دو جگہ سے بہ یک وقت آگیا، یوں میرا کام نکل گیا۔ اپنی کتاب میں آپ نے اس کا سرسری طور پر ذکر کیا ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ پہلی بار یہ ۱۹۱۹ء میں چھپی تھی، لیکن آپ کے یہاں اشاعتِ اوّل کا حوالہ کہیں نہیں۔ یا سرسری ورق گردانی پر جہاں میں نے دیکھا، وہاں نہیں ملا۔ خیر، پھر دیکھوں گا۔ مجھے ذاکر بدایونی کے حالات کی تلاش تھی۔ آپ کی کتاب سے یہ کام کی بات معلوم ہوئی کہ ان کا ذکر قاموس المشاہیر میں ہے۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں۔ اگر آپ کے پاس ہو اور آپ مجتہد الدین ذاکر سے متعلق عبارت نقل کر کے بھیج سکیں تو ممنون ہوں گا اور شکر گزار۔ میں

مثنویاتِ شوق کو مرتب کر رہا ہوں۔ آج کل اسی سلسلے میں اس کی ضرورت ہے۔ نظامی مرحوم تحقیق کے آدمی نہیں تھے، اِس لیے حوالہ یا تو دیتے نہیں یا نا تمام ہوتا ہے۔ اُنھوں نے کسی خطّی نسخۂ زہرِ عشق کا حوالہ دیا ہے، جس میں یہ قطعہ نظر پڑا تھا۔ وہ کون سا نسخہ تھا، کہاں تھا کچھ نہیں لکھا۔ پھر یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ روایت اُن کو کیسے معلوم ہوئی تھی کہ ذاکر مرحوم نے اِس مثنوی کے لیے قطعہ لکھا تھا اور وہ شاملِ مثنوی نہیں ہو پایا۔ یہ کس نے بتایا۔ قطعہ تو کسی خطّی نسخے میں نظر پڑا تھا۔ اِس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ذاکر مرحوم سے اُنھوں نے نہیں سنا۔ پھر واقعہ کس سے سنا اور تفصیل کس نے بتائی۔ شوق پر ایک کتاب آئی ہے، جو تحقیقی مقالہ ہے سیّد محمد حیدر کا، اُس میں اُنھوں نے اِس قطعے کو اور واقعے کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔ شک تو مجھے بھی ہے لیکن میں یقین کے ساتھ فی الوقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

آپ نے جواب یا رسید کے لیے کارڈ رکھا ہے کتاب میں، اُسے واپس کر رہا ہوں۔ جوابی خط رکھنے کا مطلب یہ ہوا ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ شخص اس کے بغیر رسید نہیں بھیجے گا یا جواب نہیں لکھے گا۔ یعنی بد اخلاق ہے۔ یہ غیر مناسب طرزِ عمل ہے۔ میں خط کا جواب دینا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، اِس لیے آئندہ کبھی یہ زحمت گوارا نہ کیجیے گا۔ علمی معاملات میں ضرور اُس منافقانہ روش کا قائل نہیں جسے خوش اخلاقی کہا جاتا ہے، لیکن ویسے اخلاقی ضابطوں کو مانتا ہوں اور اپنے چھوٹوں سے تو کسی طرح کی بد اخلاقی کرنا بڑا گناہ سمجھتا ہوں، اس کے لیے دوسرے مناسب افراد موجود ہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۵/ جولائی ۹۵ء

شمس صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰/ جون، مجھے پرسوں ملا۔ مفصل خط کا شکریہ۔ "پہلے تو یہ کہوں کہ آپ کی کتاب میں نے پڑھ لی۔ دو تین دن ذرا فرصت کے مل گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ آپ نے دل لگا کر کام کیا ہے، محنت کی ہے اور موضوع کا حق ادا کرنے کی ایمان دارانہ کوشش کی ہے۔ موضوع بجائے خود اہم ہے، خواہ عام پسند نہ ہو۔ پچھلوں کی خدمات کو بھلا دینا قومی بدنصیبی ہوتی ہے۔ آپ نے نام نیک رفتگاں ضائع مکن پر عمل کر کے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ نظامی مرحوم صرف ناشر نہیں تھے، اِس بات کو آپ نے تفصیل کے ساتھ اور اچھی طرح بیان کیا ہے۔ اُن کی خدمات کی

قدر و قیمت کا تعین بھی کیا ہے اور ان کی شخصیت کے محاسن کو بھی نمایاں کیا ہے۔ فقہ میں جو ایک اصطلاح فرضِ کفایہ ہے، تو آپ نے اُس فرض کو ادا کیا ہے، اِس لحاظ سے ہم سب کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں اور میں بہ طورِ خاص شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس کتاب سے تحقیق کے طلبہ اور اچھے کام کرنے والوں کو بھی کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملے گی۔ خود مجھے کئی باتیں پہلی بار معلوم ہوئیں"۔

البتہ ہیرو ورشپ کا انداز کئی جگہ ابھر آیا ہے، اور اِس نے توازن کو مجروح کیا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ نظامی، شیرانی کے قبیلے کے فرد تھے (ص ۱۰۴) مبالغہ ہی نہیں انتہا پسندی ہے۔ ایسی ہی بعض اور باتیں۔ یہ اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ آیندہ آپ جو کام کریں، اُس میں قلم کے بے قابو نہ ہونے دیں اور جذبات کو جذباتیت کا مرادف نہ بننے دیں، کہ اِس سے کاموں پر بُرا اثر پڑا کرتا ہے۔

میں ستمبر میں کسی وقت جموں یونی ورسٹی جاؤں گا ایک ماہ کے لیے، یو.جی.سی کی ایک اسکیم کے تحت، اصولِ تحقیق پر کچھ لکچر دینے کے لیے۔ چوں کہ مسلسل ایک ماہ وہاں رہنا ہوگا، یوں فرصت نکل آئے گی۔ آپ کی کتاب ساتھ لیتا جاؤں گا اور اس پر تبصرہ لکھ کر آپ ہی کے پاس بھیج دوں گا۔ پسند آئے تو جہاں چاہے، اُسے چھپوا دیجیے گا۔

آپ کے نظامی صاحب نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے آج کل۔ زہرِ عشق کا نسخۂ نظامی میرے پاس نہیں تھا، پارسل سے شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بھیج دیا اور ایک نسخہ بدایوں سے آ گیا۔ اُس میں مرحوم نے تنسیخ ممانعت کے آرڈر کا نمبر بھی لکھا ہے، مگر حسبِ معمول ادھوری بات لکھی ہے اور اندازِ بیان بڑا مبہم ہے، کچھ بھی واضح نہیں ہوتا۔ میں نے الٰہ آباد آرکائوز میں اس نمبر کے آرڈر کو نکلوانا چاہا، معلوم ہوا کہ وہاں ۱۸۵۷ء تک کے کاغذات ہیں۔ بعد کے کاغذ لکھنؤ میں ہیں۔ اب لکھنؤ آرکائوز کے لیے دو حضرات کو لکھا ہے، دیکھیے کیا رہتا ہے۔ مرحوم اگر ذرا سی وضاحت کر دیتے تو اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔ قطعۂ تاریخ کا بھی احوال یہی ہے۔ شوق کی عمر اس وقت 77 برس کی تھی اور ذاکر 27 برس کے تھے اس کو معاصرت اور مصاحبت کیسے کہیں گے۔ پھر حوالہ حسبِ معمول ادھورا مل کہ مجہول۔ اب اِس کی تصدیق کے لیے سرگرداں ہوں۔ ہاں آپ یہ پتا لگا سکتے ہیں کہ ذاکر مرحوم لکھنؤ میں کس زمانے میں تھے اور کیا کرتے تھے؟ ہے کوئی صورت؟ نورانی صاحب کی تحریر پڑھ کر کیا کروں گا۔ مرحوم کا میرا ساتھ بیس برس سے زیادہ رہا ہے، بہت ضعیف الرّوایت تھے۔

ہاں جو بات پہلے لکھنے کی تھی، وہ اب لکھتا ہوں کہ آپ کی پریشانی کا احوال پڑھ کر دُکھ ہوا۔ خدا کرے اب سارے کام ٹھیک ٹھاک ہو چکے ہوں۔ بدایوں اور بریلی دونوں سے میرا گہرا تعلق

رہا ہے۔ خاص کر بدایوں سے ۱۹۸۴ء میں جب نیاز لکچر دینے کراچی گیا تھا، تو پرانے بدایونی شناساؤں سے پہلے کی طرح ملاقاتیں رہی تھیں۔ ہم عمر تو یہ لوگ نہیں تھے، جونیر تھے، مگر مراسم بہت تھے۔ بس ایک شخص کا احوال معلوم نہیں ہوسکا۔ مجیب بخش کا؛ جو ڈھاکے چلے گئے تھے، شروع میں مراسلت رہی، پھر سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عروج زیدی صاحب سے میرے مراسم تھے، اُن کے واسطے سے باقی لوگوں سے روابط ہوگئے تھے۔ جب کبھی نینی تال روڈ کے شروع ہی میں واقع دکان سے بدایوں کے پیڑے لے کر کھائیں تو مجھے یاد کرلیا کیجیے گا، بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں نے اُس دکان سے بارہا پیڑے خریدے ہیں۔ مگر یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا۔ آج کل یہاں جونیر نیشنل ہاکی چمپین شپ ہورہی ہے۔ میرا آدھا وقت اس کی نذر ہوجاتا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ اب ہاتھ میں جنبش نہیں، مگر آنکھوں میں تو دم ہے۔ ۱۵؍ جولائی کو فائنل ہوگا۔ اس وقت تک میری شامیں بہت اچھی گزریں گی۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور آپ کی شامیں بھی اچھی گزر رہی ہوں۔ دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

پتا: جناب شمس بدایونی

Janab Shams Badauni, 73- Phool Walan

Barelly, Pin 243001 (U.P)

رشید حسن خاں

۹۔ ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی،

Delhi Pin 110007

(۳)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۵؍ فروری ۱۹۹۶ء

شمس صاحب!

مکتوب مرقومہ (تاریخ ندارد) مل گیا، شکریہ۔

میں ۲؍ فروری کو یہاں پہنچ گیا اور بہ عافیتِ تمام اب آپ اُن کاغذات کو بھیج سکتے ہیں۔ کاغذات ڈاک سے بھیجیے، مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ اور سب چیزیں آخر ڈاک ہی سے آتی ہیں۔ چوں کہ آپ کی نیت بخیر ہوگی یقیناً، اِس لیے وہ پیکٹ پہنچے گا بھی بالیقین۔

ابھی کم از کم ایک مہینا لگے گا بساط بچھانے اور جمانے میں۔ کتابیں سب کی سب بے ترتیب ڈھیر کردی گئی ہیں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۷رفروری ۱۹۹۶ء

شمس صاحب!

میرا ایک خط ملا ہوگا۔ ایک بات دریافت طلب ہے۔ کتاب میں ص ۱۴۷ پر ذاکر بدایونی کا قطعۂ تاریخ مشمولۂ زہرِ عشق درج کیا گیا ہے، اس میں تین باتیں ایسی ہیں جن سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ (۱) آخری مصرعے کے آخر میں "کذا" ہے، یہ کیوں آیا ہے؟ اِس کا تعلق پورے مصرعے سے ہے یا کسی خاص لفظ سے؟

"آیی" لکھا گیا ہے، مگر اصل نسخے (زہرِ عشق طبع ۱۹۲۰ء) میں "آئی" ہے۔ اِسے کیوں بدلا گیا جب کہ بہ قولِ اساتذۂ فنِ تاریخ "آئی" کے ۲۱ عدد ہوتے ہیں اور وہی یہاں مراد لیے گئے ہیں۔

چوتھے مصرعے میں "رہنمائی" ہے، مگر اصل نسخے میں اِس کی جگہ "رونمائی" ہے۔ اِسے کیوں بدلا گیا؟ میں نے ازراہِ احتیاط (نہ کہ ازراہِ اعتراض) یہ باتیں پوچھی ہیں کہ شاید طبعِ اوّل (۱۹۱۹ء) میں اسی طرح ہے۔ وہ اشاعت یعنی طبعِ اوّل مجھے نہیں ملی۔ دوسری اشاعت (۱۹۲۰ء) میرے سامنے ہے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۱۷رفروری ۱۹۹۶ء

شمس صاحب!

پیکٹ مل گیا، شکر گزار ہوں۔ کتاب میری میز ہی پر رہتی ہے، بس ذرا یہاں بساط اچھی طرح بچھ جائے اور دل لگ جائے تب وعدہ وفا ہوگا۔ وعدہ ضرور وفا ہوگا، اِس کا اطمینان رکھیے۔ یہ استفسار جو کیا گیا، یہ دہلی ہی میں کاغذ پر لکھ لیا گیا تھا۔

بریلی آنا دیکھیے کب ہوتا ہے۔ جب بھی آنا ہوا، آپ سے ضرور ملاقات ہوگی، چند گھنٹوں کے لیے رام پور بھی جانا ہے۔ مہینوں سے، بل کہ کئی سال سے ارادہ کر رہا ہوں، بس وہ ارادہ ہی رہتا ہے۔ وہاں میرے کرم فرما عروج زیدی مرحوم تھے، اُن کے مکان پر جانا ہے، یوں تو ایک بار بدایوں بھی جانا چاہتا ہوں قاضی الیاس رشید صاحب سے ملنے کے لیے، مگر یہ سارے ارادے بہ قولِ حالیؔ ویسے ہی ہیں جیسے ہر مسلمان کے دل میں حج کرنے کا ارادہ رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط ضرور لکھتے رہا کیجیے ربط برقرار رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

(٦)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۱۳ر جولائی ۱۹۹٦ء

شمس صاحب!

۹ر جولائی کا خط ملا، شکریہ۔

پیکٹ مل گیا، شکر گزار ہوں۔ کتاب میری میز پر ہی رہتی ہے، بس ذرا یہاں بساط اچھی طرح بچھ جائے اور دل لگ جائے تب وعدہ وفا ہوگا + وعدہ ضرور وفا ہوگا، اِس کا اطمینان رکھیے۔ یہ استفسار جو کیا گیا، یہ دہلی میں کاغذ پر لکھ لیا گیا تھا۔

بریلی آنا دیکھیے کب ہوتا ہے۔ جب بھی آنا ہوا، آپ سے ضرور ملاقات ہوگی۔ چند گھنٹوں کے لیے رام پور بھی جانا ہے۔ مہینوں سے، بل کہ کئی سال سے ارادہ کر رہا ہوں۔ بس وہ ارادہ ہی رہتا ہے۔ وہاں میرے کرم فرما عروج زیدی مرحوم تھے، اُن کے مکان پر جانا ہے۔ یوں تو ایک بار بدایوں بھی جانا چاہتا ہوں قاضی الیاس رشید صاحب سے ملنے کے لیے، مگر یہ سارے ارادے بہ قولِ حالیؔ ویسے ہی ہیں جیسے ہر مسلمان کے دل میں حج کرنے کا ارادہ رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط ضرور لکھتے رہا کیجیے کہ ربط برقرار رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

(٧)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۱۳ر جولائی ۱۹۹٦ء

شمس صاحب!

۹ر جولائی کا خط ملا، شکریہ۔

نظامؔی کا آرڈر نمبر ہو یا مولانا حالؔی، سیّد رضا علی اور ایسے ہی دوسرے بزرگوں کی روایتیں، جب تک اُن کا قابلِ قبول ثبوت نہ ملے، یہ قابلِ استدلال نہیں ہوسکتیں۔ ہمارے بزرگ بہت زود یقین اور خوش گمان تھے، اس لیے ہمیں اُن کی تحریروں سے استفادہ ضرور کرنا چاہیے، مگر آدابِ تحقیق کے تحت۔ آپ کے اندازِ نگارش سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ مولانا نظامؔی ہیرو بن گئے ہیں۔ دیکھیے، ہیرو شپ درست اندازِ فکر نہیں۔ نسخۂ نظامؔی میں ۵ شعر الحاقی ہیں، تو کیا اُنھیں مان لیا جائے گا؟ اِس طرح مت سوچا کیجیے۔ ایوانِ اردو کے حالیہ شمارے میں جو تحریر میری شائع ہوئی ہے، اُس میں الحاقی اشعار کا کچھ بیان آگیا ہے۔ مجھے قاضی عبدالودود صاحب کا یہ قول ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ مُردوں کا حق ہم پر زندوں سے زیادہ نہیں۔ راوی مرحوم ہو یا زندہ، ایک ہی طریقِ کار اختیار کیا جائے گا قبولِ روایت میں۔

آپ کے ایک جملے نے مجھے بہت اُلجھن میں مبتلا کردیا۔ آپ نے لکھا ہے: ''آپ اُس وقت کے منتظر رہیں کہ جب آپ کے پاس خالی وقت ہو اور لکھنے کے لیے کوئی بڑی شخصیت آپ کے پیشِ نظر نہ ہو''۔

کیوں صاحب! کیا آپ نے کسی بڑی شخصیت پر میرا کوئی مضمون دیکھا؟ کسی کتاب پر تبصرہ پڑھا؟ یہ تو آپ بچوں جیسی باتیں کرنے لگے۔ اصل قدر و قیمت وہ ہوتی ہے جو دل میں ہو اور میرے دل میں آپ کی جگہ ہے، بہت جگہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب آپ کا اطمینان ہوگیا ہوگا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۱۴ر اگست ۱۹۹۶ء

شمس صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۶ر اگست، مجھے اب ملا ہے جب میں ۲۰ دن کے بعد بمبئی سے واپس آیا ہوں۔ ارے بھائی! اِس قدر معذرت کی ضرورت قطعاً نہیں تھی۔ یہ محض لغزشِ قلم تھی۔ بہ ہر صورت،

جن الفاظ میں آپ نے معذرت کی ہے، اُنھوں نے آپ کی شخصیت کی قدر و قیمت کو میرے ذہن میں بہت بڑھا دیا ہے۔ دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلیں۔ خداے پاک آپ کو ہمیشہ خوش و خرّم اور بامراد و شادکام رکھے۔

بریلی آنا نہیں ہو پاتا، یوں کہ بہت قریب ہے، قربت کے یہ کرشمے اکثر دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ آدمی اپنے سے قریب بھی اسی لیے نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنے سے دور نہیں ہوتا۔ اسی لیے تصوّف میں عرفانِ ذات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ بہ ہر صورت، کبھی تو توفیق رفیق ہوگی۔

میں بہ عافیت ہوں اور آپ کی خیر و عافیت کا متمنّی ہوں۔ خدا کرے آپ دنیاوی کاموں کے ساتھ ساتھ علمی کاموں میں بھی مصروف ہوں۔ خط تو لکھتے ہی رہا کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہاں پور

۳۰؍اپریل ۱۹۹۸ء

شمس صاحب! آداب

آج ہی آپ کا خط ملا، یاد آوری کا شکریہ اور مبارک باد کا بھی۔ آپ نے لکھا ہے: ''اندازہ ہوا کہ آپ نے مثنویاتِ شوق پر کام شروع کر دیا ہے''۔ اِس پر بہت ہنسی آئی۔ ارے بھائی! اُس کام کو مکمل ہوئے ڈیڑھ برس سے کچھ زیادہ وقت گزر گیا۔ شاید آیندہ ۱۵، ۲۰ دن میں چھپ کر بھی آ جائے گی۔ آپ کا نسخہ آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔

پچھلے ڈیڑھ برس سے میں سحرالبیان کو مرتب کر رہا ہوں۔ اُس کا تین چوتھائی کام مکمل ہو گیا ہے۔ اگلے چھے مہینے میں وہ کتابت کے لیے چلی جائے گی۔ متن، حواشی اور دیگر متعلقاتِ متن مکمل ہو چکے ہیں، بس مقدمہ لکھنا باقی ہے۔ اِس کے بعد شاید دیوانِ جعفر زٹلی کا کام شروع ہوگا، اگر بعض مطلوبہ نسخے بروقت مل گئے؛ ورنہ ایک اور کام ہے غرائب اللغات کی تدوین، وہ ہوگا۔ اُس کے ضروری نسخوں کے عکس دو برس پہلے ہی میں نے جمع کر لیے تھے۔ لاہور اور کراچی کے نسخے بھی عکسی صورت میں مل گئے تھے، اور پٹنے کا نسخہ بھی مل گیا تھا۔

ہاں، مئی میں سفر کا ارادہ تھا، مگر لکھنؤ والوں نے الجھا دیا ہے کہ اِس مہینے میں وہ جلسہ کرنا چاہتے ہیں؛ اِس لیے میں جون میں بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ جون میں فٹ بال کا ورلڈ کپ

ہے، اُس کے میچوں کو دیکھنے کا لحاظ رکھنا ہے کہ وہ چھوٹنے نہ پائیں۔ وہ میچ رات میں ۲ بجے کے بعد ہی عموماً آتے ہیں۔ اُس کا پروگرام آجائے تب بمبئی جانے کی قطعی تاریخوں کا تعین ہو سکے گا۔ بمبئی تو کبھی بھی جا سکتا ہوں، ورلڈ کپ تو روز نہیں ہوگا، اُسے کیسے چھوڑ دوں۔ خاص کر برازیل کی ٹیم کے میچ، نہیں بھائی، میں اس گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

یہ ہر طور مئی بھر میں لازماً یہیں ہوں، اگر آپ خط لکھیں، یعنی خط لکھنے کی زحمت گوارا کرنا پسند کریں۔

مبارک باد کا ایک بار پھر شکریہ، اگرچہ یہ خالی خولی ہے، خیر موسم بھی ناساز گار ہے۔ ان معاملات میں میں کٹر بریلوی ہوں، یعنی یہ مانتا ہوں کہ نیاز واجبُ الادا رہتی ہے، ہاں سردیوں کا موسم ہو تو ثواب بڑھ جاتا ہے۔ میں دسمبر تک انتظار کروں گا، تب مبارک باد، یعنی پھر ہی مبارک باد قبول ہوگی۔

ضروری بات: کیا یہ مناسب ہوگا کہ جون کے آخر میں نظام رام پوری والا جلسہ ہو جائے۔ شعائر اللہ خاں نے پوچھا ہے۔ آپ کو فرصت ہوگی اور لطیف صاحب کو بھی؟ بریلی سے وہاں تک آپ کا ساتھ ہو جائے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی
ممبئی
۷راگست ۱۹۹۸ء

شمس صاحب!

میں یکم اگست کو یہاں پہنچا۔ اوائلِ اکتوبر تک یہاں قیام رہے گا۔ دہلی سے مثنویاتِ شوق پہنچ گئی ہوگی؟ دہلی میں خلیق انجم صاحب نے کہا تھا کہ کتاب بھیج دی گئی ہے۔ اس سے مطلع کیجیے کہ کتاب ملی یا نہیں۔

سحر البیان کتابت کے لیے دے دی گئی۔ اب میرا ارادہ دیوانِ جعفر زٹلی مرتب کرنے کا ہے۔ اگر اس کا کوئی اچھا نسخہ آپ کی نظر میں ہو تو مطلع کیجیے۔ منتظر رہوں گا۔ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

میرا پتا: C/o MR. B. Kumar

B/27, ANKUR Housing Society
ANAND NAGAR
CANTACRUZ (E), MUMBAI-400055
فون: 6102068

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۴/اکتوبر ۱۹۹۸ء

شمس صاحب! آداب

میں ۲۷/ستمبر کو دو ماہ کے بعد واپس آسکا۔ یہاں آپ کا خط محفوظ تھا۔ مطبوعہ خط پہلے ہی پڑھ چکا تھا، اُس کا شکریہ۔ متعدد لوگوں نے مجھ سے میر صاحب کے لب و لہجے کی شکایت کی ہے۔ اُنھوں نے اپنا ہی نقصان کیا ہے، میرا کچھ نہیں بگڑا۔ علمی مسائل تبرائی زبان میں زیرِ گفتگو نہیں آسکتے۔ آپ محمد شاہ رنگیلے کی خرابیوں کو بیان کیجیے، کوئی دہلی والا بُرا نہیں مانے گا۔ یہ نہیں سمجھے گا کہ دہلی کی تہذیب کو بُرا کہا جارہا ہے۔ اِس کے برخلاف لکھنؤ کے کسی مسخرے حکم راں (نصیرالدین حیدر یا واجد علی شاہ) کی واقعی خامیوں پر کچھ کہیے، سمجھا جائے گا کہ پورے لکھنؤ، لکھنوی تہذیب اور پوری شیعہ کمیونٹی پر حملہ کیا گیا ہے۔ یہ وہی اقلیت کی نفسیات ہے، جس میں لسانی یا مذہبی اقلیتیں اکثر مبتلا رہتی ہیں۔

بہ ہر طور اُس کے بعد سے بھی مجھ سے اُن سے مراسلت حسبِ سابق برقرار ہے، اِدھر پرسشِ احوال کے دو خط یکے بعد دیگرے آئے ہیں۔ مشیر لکھنوی کی ہرسیہ گوئی مشہور ہے، میرے بھائی نے نثری ہرسیہ لکھا ہے۔ خیر، یہ اُن کا معاملہ ہے، وہ جانیں۔ ایوانِ اردو میں لطیف صدیقی کی تحریر آپ نے پڑھی ہوگی۔ اُن کا خط بھی میرے پاس آیا تھا۔ میں نے مزید کچھ لکھنے سے منع کردیا۔ غیر علمی باتیں جس قدر کم ہوں، اُتنا ہی اچھا ہے۔ مرحوم مسعود حسن رضوی ادیبؔ مولانا نجم الغنی خاں کو 'تخم الغبی' کہا کرتے تھے۔ یوں کہ اُنھوں نے پوست کندہ حالات لکھے ہیں تاریخ اودھ میں۔

ہاں کتاب نما کے حالیہ شمارے میں جین صاحب کا تبصرہ مثنویاتِ شوق پر پڑھا؟ اصلاً یہ سارا معاملہ اُس مولانا آزاد ایوارڈ کا تھا۔ اکبر حیدری صاحب نے کراچی کے طلوعِ افکار میں بھی کچھ گل افشانی فرمائی ہے۔ انعام کا اعلان ہوتے ہی یہی تحریر اُنھوں نے قومی آواز میں چھپوائی تھی، لبِ لباب یہ تھا کہ بڑے غیر مستحق شخص کو اب کے یہ انعام دیا گیا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا

ہے کہ وہ روزانہ نیز مسعود صاحب کے یہاں جاتے ہیں۔ خیر، حیدری صاحب کو میں غیر مکلّف مانتا ہوں بہ لحاظ تحقیق، یوں وہ کیا اور اُن کی بات کیا۔

سحر البیان کے ۷۵ صفحات کی کمپوزنگ ہو چکی ہے اور میری کتاب بھی تقریباً مکمل ہے۔ سبھی مضامین کی کمپوزنگ ہو گئی ہے، بس تصحیح باقی ہے۔ مہ نور میفشاند و..... کل سے سحر البیان کا مقدّمہ لکھنے بیٹھا ہوں۔

آپ کے ساتھ بریلی نہ آنے کا افسوس ہے، مگر ذمّے داری آپ کی ہے، آپ کو ایک دن پہلے یہ بات کہہ دینا چاہیے تھی۔ کیا میری رفاقت کا خیال بعد کو تو ذہن میں نہیں آیا تھا؟ لیکن ایسا نہیں ہوا ہوگا، آپ میر صاحب تو ہیں نہیں۔ پھر بھی سہی؛ مارا بتو صد حساب باقیست۔ لطیف صاحب سے میرا سلام کہیے۔

بمبئی میں تین بہت مہنگے ٹسٹ ہوئے، مگر دونوں ڈاکٹر قطعی طور پر کوئی بات طے نہیں کر سکے۔ دوائیں دے دی ہیں، تین ماہ بعد پھر جانا ہوگا وہیں۔ دیکھیے کیا رہتا ہے ویسے اُترتی عمر بجائے خود سب سے بڑی بیماری ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۲۸؍ اکتوبر ۱۹۹۸ء

عزیز مکرّم!

ابھی آپ کا خط ملا۔ ہماری زبان میں تبصرہ پڑھ لیا تھا، جی خوش ہوا تھا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی پچھلے ہفتے یہاں آئے تھے، اُنھوں نے بریلی کے سمینار کا ذکر کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اب تفصیل معلوم ہوئی۔ ہاں بھائی! یہی احوال ہے، یہاں بھی ایسا کوئی سمینار نہیں ہو پائے گا۔ ایسے لوگ ہی نہیں، بس شاعر ہیں۔

ہر اتوار کو آنا تو مشکل ہے، صحت اور مصروفیت دونوں مانع ہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ہر مہینے کے ایک اتوار کو یا کسی بھی دن میں آجایا کروں، یہ بھی آپ کی محبت میں۔ مجھے نہ باتیں بنانا آتا ہے نہ بات بنانا۔ اس پر بھی آپ کی فرمایش ہے تو بہ سرو چشم! ضرور آؤں گا، جب آپ پروگرام کا تعیّن کرلیں

گے۔ میں آج کل سحرالبیان کے مقدمے میں بے طرح اُلجھا ہوا ہوں۔ رفو کا کام بہت ہے۔

ایک مزے کی بات: بمبئی کے انقلاب میں انٹرویو چھپا، اس میں میں نے ڈاکٹر حنیف نقوی کہا تھا، یار لوگوں نے حنیف کیفی وہاں لکھ دیا۔ اب میں کسے کسے جواب دوں گا۔ محققین کا ذکر تھا، اور اسی میں تحفظ، تلفظ بن گیا۔ آدمی کیا کرے! ہاں تصویر اچھی آئی ہے بہ قول ایک صاحب کے، اُس پر میں نے کہا کہ ہر پرانی عمارت کی تصویر، اُس عمارت سے بہتر ہوتی ہے۔

غالب انسٹی ٹیوٹ نے میر سمینار میں بلایا تھا، معذرت کرلی۔ لمبا سفر اب ہوتا نہیں۔ ۱۰؍اکتوبر کو تھا۔

میں نے اس ایوارڈ کے ملنے کے جواب میں انٹرویو میں جو کچھ کہا (سچی بات) اُس پر بھی اب اہلِ لکھنؤ خوش نہیں، نہ ہوں، بر چشم قلندر۔ وہاں سے دو خط آئے ہیں ذاتی۔

بمبئی شاید دو چار ماہ میں پھر جانا ہوگا۔ اچھا ہے اِس درمیان آپ لوگوں سے دو چار بار ملاقات ہو جائے، معلوم نہیں پھر کب اور کہاں ملاقات ہو۔

پس نوشت: محض اطلاعاً یہ لکھ رہا ہوں کہ حنیف نقوی صاحب یہاں جو آئے تھے تو بدایوں سے پیڑوں کا ڈبا ساتھ لے کر آئے تھے۔ بریلی آنے کی ایک شرط یہ ضرور ہوگی کہ پہلی بار (صرف پہلی بار) یہی ڈبا ملنا چاہیے؛ یہ محض اس لیے، کہ شگونِ آغاز اچھا ہو۔ آپ بریلوی ہونے کے ناتے اصرار کریں گے تو اُس پر اعلاحضرت کی فاتحہ بھی ہو جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ خوش رہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۲؍نومبر ۱۹۹۸ء[۱۲]

شمس صاحب!

ابھی آپ کا خط ملا۔ یہاں سے صبح ۶ ½ بجے ایک لوکل چلتی ہے جو بریلی ۹ ½ بجے پہنچتی ہے۔ احتیاطاً آپ وہاں معلوم بھی کر لیجیے گا۔ یہ بریلی ہی تک جاتی ہے اور یہیں سے بن کر چلتی ہے، یوں جگہ آسانی سے مل جاتی ہے، اس بنا پر میں ۸؍نومبر کو اتوار کے دن اُسی سے آؤں گا۔ واپسی بھی شام کو اُسی سے ہوگی۔ انڈہ، مکھن گوشت؛ بس اِن سے پرہیز ہے، اور کچھ نہیں۔

کل میں نے دو بار فون کیا تھا، آپ گھر پر نہیں تھے، میرا پیغام ملا ہوگا۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: گاڑی شاید ۸ ۱/۲ کے آس پاس بریلی پہنچے گی۔ معلوم کر لیجیے گا۔

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۱۹ر فروری ۱۹۹۹ء[۱۳]

برادرم شمس صاحب! آداب

۱۴ر فروری کا خط ملا، شکریہ۔ فرزندِ دل بند کی ولادت کا مژدہ ساتھ لایا۔ بہت جی خوش ہوا۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے اور اپنی بیگم تک بھی اِسے پہنچا دیجیے۔ اُن کا خوش ہونا برحق ہے اور آپ کے لیے سب سے زیادہ مسرّت کی نوید ہے نومولود کا ورود۔ خدائے پاک اُسے عمرِ دراز عطا کرے اور علم و عمل کی دولت سے مالا مال کرے (آمین)۔ شیرینی وہیں آ کر کھاؤں گا۔

ہاں بھائی! مثنوی میر حسن کا کام بہ ہر طور مکمل ہو گیا، مقدمہ کتابت کے لیے بھیج دیا گیا۔ متن کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ آج کل ضمیموں کی کتابت ہو رہی ہے، وہ خاصے طویل ہیں، کچھ وقت لگے گا۔

اِسی دوران ''تدوین - تحقیق - روایت'' کے نام سے مضامین کا مجموعہ بھی مرتب کر لیا گیا۔ کمپیوٹر کتابت بھی اُس کی مکمل ہو گئی، جو رکی ہوئی ہے، دہلی جاؤں گا تو کسی سے چھپنے کی بات کروں گا۔ چوں کہ فخرالدّین کمیٹی سے مالی امداد منظور ہو چکی ہے، اِس لیے کسی ناشر سے نہیں چھپوا سکتا، خود چھاپنا ہوگا۔ ایک صاحب سے بات ہوئی، میرے کرم فرما ہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ دس ہزار روپے نقد پیشگی ادا کیے جائیں تب وہ چھاپ سکتے ہیں۔ فخرالدّین کمیٹی والے پیشگی رقم دیتے نہیں۔ چھپی ہوئی کتاب جمع کی جائے تب ادا کریں گے۔ میرے پاس اب کچھ نہیں۔ یوں ذرا تاخیر ہوگی۔ بہ ہر طور ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔

میں اپریل کے اواخر میں علاج کے سلسلے میں دو ماہ کے لیے بمبئی جاؤں گا۔ یہ بھی ایک مستقل زنجیر ہے پیروں میں۔ آپ کے خط کا دنوں سے انتظار تھا۔ اب خط ہر مہینے ضرور لکھتے رہیے۔ بمبئی جانے سے پہلے آپ کو مطلع کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہاں پور

۲۵رمئی ۱۹۹۹ء [۱۴]

شمس صاحب!

میں نے اپنی کتاب تدوین-تحقیق-روایت کی ایک جلد رجسٹری سے بھیجی تھی، رسید اب تک نہیں ملی۔ کیا کتاب آپ تک نہیں پہنچی؟

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہاں پور

۶رجون ۲۰۰۲ء [۱۵]

شمس صاحب!

میری طبیعت پہلے سے بہتر ہے، مگر نقاہت اب بھی بہت ہے۔ لکھنا پڑھنا بھی گویا بند ہے۔ سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ کئی دن سے فون خراب ہے، معلوم ہوا ہے کہ تار کہیں جل گئے ہیں، چار چھے دن ٹھیک ہونے میں ابھی اور لگیں گے۔

آپ کا مسودہ احتیاطاً بھیج رہا ہوں۔ اسے موجودہ صورت میں چھپوانا میرے نزدیک غیر مناسب ہوگا۔ مکمل طور پر نظرِ ثانی کیجیے۔ اور کم سے کم دو مضامین، جو دو اہم اصولی بحثوں پر مشتمل ہوں، لکھ کر اس میں شامل کیجیے۔ مضامین کے پہلے مجموعے کو پچھلی کتاب سے کم رتبہ نہیں ہونا چاہیے۔ فون کب ٹھیک ہو، آپ اس کی رسید ڈاک سے فوری طور پر بھیج دیجیے گا، تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ لطیف صاحب سے سلام کہیے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہاں پور

۱۰رجنوری ۲۰۰۴ء [۱۶]

شمس صاحب!

کل خط ملا تھا۔ آپ کی فرمایش کے مطابق ۵، ۶ سطروں کے بقدر عبارت بھیج رہا ہوں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ احتیاطاً اس خط کو لطیف صاحب ہی کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ اس کی رسید فوری طور پر بھیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر شمس بدایونی

شاہ جہان پور

۲۲ر فروری ۲۰۰۴ء [1]

شمس صاحب!

کتاب مل گئی، شکر گزار ہوں۔ یہ ایک اچھا اور ضروری کام ہوگیا۔ ایسے کاموں کی بجائے خود اہمیت بھی ہے اور ضرورت بھی۔ خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ لطیف صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ لیکن تاریخ نیچے بھی درج ہے۔ اِس خط کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ خاں صاحب 'مثنویاتِ شوق' کو مرتب کر رہے ہیں۔ رشید حسن'' کے نام کے ساتھ ''خاں'' کا لاحقہ نظر آتا ہے۔

۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ۷۵ پیسے ہے۔ خط کی پشت پر ۶ر جولائی ۱۹۹۵ء دہلی ڈاک خانے کی مہر ہے۔ پن کوڈ ڈاک گھر کا 110004 ہے۔ جب کہ دہلی یونی ورسٹی کا کوڈ نمبر 110007 ہے۔

۳۔ شمس صاحب نے اِس خط کا جواب ۱۳ر فروری ۱۹۹۶ء کو دیا۔ خط کے حاشیے میں تاریخ درج ہے۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ عکس سے اِن لینڈ لیٹر لگتا ہے۔ مہر سے بریلی کا پتا چلتا ہے۔ لیکن تاریخ کا پتا نہیں چلتا۔

۴۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ ڈاک خانے کی مہر ۷ر فروری ۱۹۹۶ء کی لگی ہے۔ یہ بھی ان لینڈ لیٹر ہے۔ شمس صاحب نے اس کا جواب ۱۳ر فروری ۱۹۹۶ء کو دیا ہے، جو حاشیے میں لکھا ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاک خانے کی مہر ۱۷ر فروری ۱۹۹۶ء کی ہے۔

۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ لیکن تاریخ نیچے بھی درج ہے۔ شمس صاحب نے اس خط کا جواب ۶ر اگست ۱۹۹۶ء کو دیا۔ خط پر تاریخ درج ہے 6/8/96۔

۷ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۸ مقام اوپر نہیں صرف تاریخ درج ہے۔ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔ رشید حسن خاں مرحوم عموماً اِن لینڈ لیٹر ہی لکھا کرتے تھے یا سادہ کاغذ کا بھی استعمال کرتے تھے۔ ۳۰راپریل والے خط پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۲رمئی ۱۹۹۸ء کی ڈلی ہوئی ہے اور اِن لینڈ لیٹر کی قیمت ۷۵ پیسے ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۰ پتا: ڈاکٹر شمس بدایونی،

Dr. Shama Badauni, 73-Phool walan, Bareilly Pin 243003 (UP)

اس سے قبل خاں صاحب نے انھیں ڈاکٹر نہیں لکھا۔ لگتا ہے کہ انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حال ہی میں حاصل کی۔ خاں صاحب کا پتا شاہ جہان پور والا ہی ہے۔ البتہ اِن لینڈ لیٹر ایک روپے کا ہوگیا ہے۔ شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۵ر تاریخ کی اور بریلی کی ۶ر تاریخ کی ہے۔

۱۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط میں خاں صاحب نے ایوارڈ کا ذکر کیا ہے۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ ہے جو یو۔ پی اکیڈمی کی طرف سے انھیں دیا گیا۔ یہ انعام ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے کا ہے۔

۱۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے جس کی قیمت ایک روپیا ہے اور ساتھ ہی ۵۰ پیسے کی ٹکٹ بھی چسپاں ہے، جس کا مطلب ہوا کہ اِن لینڈ لیٹر کی قیمت اب ڈیڑھ روپیا ہوگئی ہے۔ ٹکٹ پر ڈاک خانے کی مہر ۲رنومبر ۱۹۹۸ء کی ہے۔

۱۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ دوسطری خط ہے۔

۱۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ تین سطری خط ہے۔

۱۷ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ڈھائی سطری خط ہے۔

★★★

بنام: شہاب الدین دسنوی، سیّد

(۱)

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی[۱]

۵؍نومبر ۱۹۷۶ء

مکرمی! آداب!

معلوم ہوا ہے کہ میری کتاب زبان اور قواعد چھپ گئی ہے، ابھی میرے پاس نہیں آئی ہے۔ چند روز میں آجائے گی۔ اِس کا ذکر آپ سے ایک ملاقات میں آچکا ہے کہ اِس میں بناوٹ اور تلفظ کے بعض مسائل زیرِ بحث آئے ہیں اور کچھ بیان قواعد کا بھی ہے، قواعدِ شاعری کا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد آپ تک پہنچ جائے اور آپ اس کو دیکھ کر، مجھے اپنی رائے سے مطلع کرسکیں۔ بہت اُلجھے ہوئے مسائل زیرِ بحث آئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری محنت اور کاوش کی داد دیں گے۔ دس بارہ بل کہ پندرہ سال سے زیادہ ہوئے جب میں نے ان موضوعات پر سوچنا شروع کیا تھا اور کچھ لکھا بھی تھا۔ آپ اگر ایک خط لکھ دیں گے تو کتاب بورڈ سے آپ تک فی الفور پہنچ جائے گی، ورنہ خاصی تاخیر ہوگی (دفتری روایت کے مطابق)۔

میری درخواست یہ بھی ہے کہ آپ اس پر تبصرہ ضرور کریں نوائے ادب میں۔ مجھے توقع ہے کہ یہ درخواست بھی شرفِ قبولیت سے محروم نہیں رہے گی۔ اگر آپ حضرات نے ہمت افزائی کی تو اب میرا ارادہ ہے کہ وسیع پیمانے پر اِس تلفظ کے مسئلے پر کچھ کام کروں یعنی سارے ضروری الفاظ کا جائزہ لوں۔ ایک دوسرا کام یہ ہے کہ تذکیر و تانیث کے سارے اختلافات کو یک جا کرکے، ایک جامع کتاب مرتب کی جائے۔ دُعا کیجیے۔ اِس کتاب کے بعض مضامین مثلاً ''مشترک الفاظ'' اور ''صحتِ الفاظ'' میں نے بہت محنت سے لکھے ہیں اور آپ سے داد طلب ہوں۔ بہ راہِ کرم، کتاب ملنے کے بعد، مجھے اپنی رائے سے ضرور مطلع کیجیے گا۔

مشکل یہ ہے کہ اب ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس طرح کے کم دل چسپ مسائل پر کچھ پڑھنے کو پسند کریں اور اُنھیں سمجھتے بھی ہوں، اِس لیے مصنّف کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ چند لوگ اُس کی کاوش کو سب سے پہلے دیکھیں۔ یہی میرا حال ہے، اور اِسی لیے یہ خط لکھ رہا ہوں کہ آپ

بورڈ سے اپنے لیے کتاب منگوا لیجیے، تا کہ مجھے اسی قدر جلد داد مل سکے۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

ہاں، یہ بھی ارادہ ہے کہ آپ کی تجویز کے مطابق، بل کہ فرمایش کے بہ موجب، صرف ونحو پر بھی مفصل کام کیا جائے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ یہ کام کیسا ہے، تا کہ ہمت بڑھے۔ ہاں، یہ بات خاطر نشان رہے کہ تلفظ اور بناوٹ کے مسائل اس کتاب میں، لغت کے نقطۂ نظر سے زیرِ بحث آئے ہیں، یعنی یہ کہ اب اگر اردو کا کوئی مفصل لغت مرتب کیا جائے تو اُس میں کن مسائل سے کس طرح دوچار ہونا پڑے گا۔ علاقائی مسائل دائرے سے باہر ہیں۔ وہ ایک الگ موضوع ہے۔ ہاں صاحب، آپ اُن چند حضرات میں سے ہیں جنھوں نے اردو املا کو از اول تا آخر پڑھا تھا، اِسی لیے یہ توقع بندھی ہے کہ یہ مجموعۂ پریشان نگاری بھی محروم نہیں رہے گا۔

(۲)

بنام: سید شہاب الدین دسنوی
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی،
دہلی۔ ۷
۱۰ر اگست ۱۹۸۵ء

مکرمی! تسلیم

آپ کا خط مرقومۂ ۲۴ر جولائی اب سے بہت پہلے ملا تھا۔ جواب لکھنے میں تاخیر اِس بنا پر ہوئی کہ نزلے زکام اور پھر بخار نے بہت پریشان رکھا اور اب تک پوری طرح نجات نہیں مل سکی ہے۔ اِسی زمانے میں قاضی عبدالودود صاحب سے متعلق ریڈیو والوں نے آدھے گھنٹے کا ایک نشریہ تیار کرنے کو کہا۔ قاضی صاحب سے عقیدت کا احوال آپ کو بھی معلوم ہے، ناسازیِ طبع کے باوصف اُس کو لکھا اور بہ مشکل ریکارڈنگ کرا سکا۔ اِس میں ذرا اور دباو بڑھ گیا موسمی اثرات کا، مگر مجھے مسرت ہے کہ قاضی صاحب سے متعلق میں ایک بار پھر اپنے خیالات ظاہر کر سکا، اگرچہ ناخن پہ قرض ابھی باقی ہے۔

آج ہماری زبان آیا، اُس میں آپ کا مراسلہ پڑھا۔ ۱۲۵۲ھ کی کتاب گر نستعلیق ٹائپ میں چھپی ہوئی ہے تو اِس میں مطلق تعجب کی بات نہیں۔ کلکتے میں ایسی کتابیں اچھی خاصی تعداد میں چھپ چکی تھیں اِس سنہ سے پہلے۔ فورٹ ولیم کالج کی کتابیں کچھ کم نہیں اور نستعلیق ٹائپ تو اِس سے بھی پہلے سے موجود تھا۔ اور سب کتابوں کو چھوڑ دیجیے، باغ و بہار نستعلیق ٹائپ میں ۱۸۰۳ء

میں چھپی تھی، یعنی ۱۲۵۲ھ سے ۳۴، ۳۵ برس پہلے۔

میں ہمیشہ "فاش غلطی" لکھتا ہوں۔ بحث جو چلی تھی، وہ مجھے یاد ہے۔ "فاحش" میں جو پہلو نمایاں ہے وہ گہری برائی کا ہے جس سے لفظ "فاحشہ" بنا ہے۔ اگر کوئی "فاحش غلطی" لکھے گا تو میں اُسے غلطی نہیں کہوں گا، مگر خود نہیں لکھوں گا۔ "فاش غلطی" کے معنی ہیں، کھلی ہوئی غلطی، اور عموماً یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اگر کسی مقام پر ایسا مفہوم ہے جس میں لفظ "فاحش" اپنی معنوی وسعت کی بنا پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے تو الگ بات ہے، ورنہ عام طور پر جیسی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، وہ فاش اغلاط کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں۔

معلومات، کتابیات وغیرہ کے متعلق جو آپ نے پوچھا ہے، تو عرض کروں کہ اِس سلسلے میں اب تک کوئی ایسا کلیہ نہیں بن سکا ہے کہ سب لفظ اُس کے دائرے میں آجائیں۔ "اُن کے حالات" کہا جائے گا، مگر "اُن کی معلومات" عام طور پر کہا جاتا ہے۔ (قاضی صاحب مرحوم "اُن کے معلومات" لکھا کرتے تھے) "وہاں کی عمارات" کہتے ہیں اور "اُن کے تصورات" کہا جاتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ واحد لفظ اگر استعمالِ عام میں مذکر ہے تو ایسے جملے بھی بہ تذکیر آتی ہے (تصوّر۔ تصوّرات) اور مونث ہو تو جملے بھی بہ تانیث استعمال میں آتی ہے (عمارت۔ عمارات)۔ بعض اساتذہ اور قواعد نویسوں کا یہ کہنا ہے کہ ایسی جمعیں جو عربی کے انداز پر "ات" کے اضافے سے بنائی گئی ہوں، اُن کو ہمیشہ بہ تذکیر استعمال کرنا چاہیے۔ مگر اِس قاعدے کو حتمی طور پر اور التزاماً پابندی نہیں کی جاسکتی۔ کرنے والے کرلیں، میں تو "اُن کے عورات" اور "اُن کے عمارات" اور "اُن کے تقریبات" کبھی نہیں کہوں گا۔ "تقریب" مونث ہے، اِس لیے "تقریبات" بھی مونث، اور "باغ" مذکر ہے اِس لیے "باغات" بھی مذکر۔ "تمثیل" مونث ہے اِس لیے "تمثیلات" بھی مونث "تصویر" مونث ہے اِس لیے "تصویرات" بھی مونث۔ اِس کے برخلاف تقرّرات اور تخیلات مذکر، اِس لیے کہ اِن کے واحد بھی مذکر ہیں۔ میں تو اِسی قاعدے کو مانتا ہوں۔

توقع کرتا ہوں آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: میں آج کل باغ و بہار کو مرتب کر رہا ہوں مکمل اعراب نگاری اور توقیف نگاری کے ساتھ، کسی وقت چند صفحات کا عکسی نمونہ بھیجوں گا۔ جس لفظ پر جو اعراب لگائے گئے ہیں۔ توضیحے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ اعراب کس بنا پر لگائے گئے ہیں۔ اِس میں ایک آسانی یہ ہے کہ میر امّن کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مکمل مسوّدہ میرے سامنے ہے جس پر اُنھوں نے بہت سے الفاظ پر التزاماً اعراب لگائے ہیں، اور علامات۔ سال بھر مکمل اِس پر صرف ہو چکا ہے اور ابھی ایک

سال سے کچھ زیادہ وقت اور لگے گا۔ کتابت شروع کرادی ہے، کیوں کہ کاتب صاحب دن بھر میں اِن التزامات کے ساتھ صرف ایک صفحہ لکھ پاتے ہیں ۱۹ سطری مسطر پر۔ اٹھارہ روپے فی صفحہ رعایتاً اُن سے طے ہوا ہے۔ میں صفحہ مکمل کرتا جاتا ہوں اور اُن کو دیتا جاتا ہوں۔ اِس توقع پر کہ کتابت کی رقم کا انتظام بھی کہیں نہ کہیں سے اللہ میاں کر ہی دیں گے۔ کوئی ناشر تو دینے سے رہا۔

حواشی:

۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ اس میں باغ و بہار کو مکمل اعراب نگاری اور توقیف نگاری کے ساتھ مرتب کرنے کا ذکر ہے۔

بنام شہریار

(۱)

۱۶۷- باڑوزئی دوم،
شاہ جہان پور، پن: ۲۴۲۰۰۱ (یو. پی)
۳؍مئی ۱۹۹۶ء

شہریار صاحب!

ایک مدت کے بعد آپ سے تخاطب کی نوبت آپائی ہے، کیا کروں، ادبی مصروفیت نے کسی کام کا نہیں رکھا ہے۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کے یہاں سے کچھ کاغذات میرے پاس آئے تھے، اُس میں ایک بہت دل چسپ اور شاید نادر چیز بھی نکلی۔ میں نے خیال کیا کہ میں اُسے اپنے پاس رکھ کر کیا کروں گا، آخر کار ضائع ہو جائے گی، اِس لیے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں کہ وہاں محفوظ ہو جائے گی، یوں بھی کہ یہ وہیں کی امانت ہے۔

یہ ایک خط، مگر دراصل سرٹی فکٹ ہے، جو کسی بڑے عالم نے ۱۹۰۷ء میں کالج کو دیا ہوگا۔ خیال میرا یہ ہے کہ کسی ریاست (شاید حیدرآباد) نے اُن کو مامور کیا ہوگا اِس کے لیے۔ بھٹناگر کی کتاب میں شاہِ افغانستان کے طلبہ کے امتحان لینے کا مذکور تو ہے، مگر ایسے کسی امتحان کا ذکر نہیں ملتا۔ اس پر جو مونوگرام ہے، اُسے آپ بہ آسانی وہاں معلوم کر سکتے ہیں کہ کس ریاست کا تھا۔ یہ بہت دل چسپ تحریر ہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کیا خیالات بعض لوگوں نے پھیلا دیے تھے کالج میں جدید تعلیم سے متعلق۔ اور اُس کا ازالہ کس طرح کیا گیا تھا۔ فکر و نظر میں آپ اِسے مع عکس شائع کر دیں گے تو یہ تاریخی چیز محفوظ ہو جائے گی۔ اگر آپ اِس پر کوئی نوٹ بھی لکھ دیں گے (یا لکھوا دیں گے) تو بہتر ہوگا۔ خط فارسی میں ہے، عکس کے ساتھ اصل عبارت فارسی کی اور اس کا ترجمۂ اردو بھی ہونا چاہیے۔ میں چوں کہ حالات سے ناواقف ہوں، یوں اِس سلسلے میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔

دو ماہ کے وقفے کے بعد فکر و نظر کا تازہ شمارہ (جلد ۲۳، شمارہ ۱) آیا ہے۔ اِس کے لیے شکر

گزار ہوں۔ میرا پتا بدل گیا ہے، از راہِ لطف نیا پتا نوٹ کرا دیجیے۔ ہاں ڈاکٹر صدیقی اُس زمانے میں شعبۂ عربی کے طالبِ علم تھے وہاں۔ اُنھوں نے ۱۹۰۷ء میں B.A کیا تھا وہیں کے طالبِ علم کی حیثیت سے۔ پھر عربی ایم. اے میں داخلہ لیا تھا۔ اِس کی رسید سے ضرور نوازیے تا کہ اطمینان ہو جائے کہ یہ آپ تک پہنچ گیا۔ اصل خط کہیں محفوظ کرا دیجیے۔

رشید حسن خاں

نوٹ: اِس خط کا عکس مہر الٰہی ندیم (علیگ) نے ارسال کیا ہے ــــ (ٹی. آر. رینا)۔

★★★

بنام شیام لال کالڑا عابد پیشاوری، پروفیسر

(۱)

ٹی بی. ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۸ر جنوری ۱۹۸۰ء

مکرم بندہ!

کسی تمہید کے بغیر مدعا نگار ہوں اور فوری طور پر جواب کے لیے چشم براہ ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ مصرعے انشا کے ہیں؟

۱- بازار ہم گئے تھے، اک چوٹ مول لائے

۲- تو تا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا۔

فسانۂ عجائب میں یہ دونوں مصرعے بہ نام انشا ہیں۔ اگر یہ انشا کے ہیں، تو اِن کے مصرع ہائے اوّل یا آخر کیا ہیں؟

آپ کے التفاتِ خاص کا طلب گار ہوں اور چشم بہ راہ۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
ٹی بی. ۹، گائر ہال
۱۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء

ہاں بھائی! خط ملا، مصطلحات بھی منگالوں گا۔ آج کل یہاں اساتذۂ کرام سات دن کی ہڑتال کیے ہوئے ہیں، وہ کام پر واپس آئیں تو کسی سے کہوں کہ اُس بنچی تک پیغام پہنچائے کتاب لانے کے لیے۔

تاج اللغات کے مصنف کی شناخت اب ضروری نہیں رہی۔ ''پادنی'' خود فرہنگ آصفیہ میں موجود ہے۔ میں نے ایک پرچے پر اُسے نوٹ بھی کرلیا تھا لیکن بھول گیا تھا۔ اب اچانک وہ

پرچہ سامنے آ گیا۔ ظاہر ہے کہ اِس جدید مولف نے آصفیہ ہی سے یہ اختلاف نقل کیا ہوگا۔ بہ ہر صورت قدیم سنہ موجود ہے، اِس لیے جدید کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ نے جو زحمت گوارا کی نقلِ مضامین میں، اُس کے لیے شکر گزار ہوں۔

پٹنے میں ایک منٹ کی مہلت نہیں دی بھائی عابد رضا نے، ایسا گھیرا اور ایسا گھراؤ کرایا کہ سب بھلا دیا۔ جیسے گئے تھے ویسے ہی چلے آئے سبھی لوگ۔ لہٰذا دیوانِ ذوق کا مطالعہ آیندہ پھیرے پر موقوف رہا۔ آپ بھی صبر کر لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری

گاڑ ہال

۱۵ر جنوری ۱۹۸۲ء

ہاں صاحب! دنوں کے بعد خط لکھ رہا ہوں اور معذرت طلب ہوں۔

فضولیات میں اُلجھا ہوا تھا۔ مصطلحات ٹھگی مل گئی۔ شکر گزار ہوں۔ اب اُس کا مقابلہ خطی نسخے سے کروں گا، ذرا فرصت مل جائے۔

بنی پرشاد کو میں کیا جانوں۔ آپ جانیں یا علوی صاحب۔ اب ان لکھنے پڑھنے کے اُلجھیڑوں سے مجھے تو الگ ہی رکھیے۔ جی کالا ہو گیا ہے ان باتوں سے۔

کیا جنوری میں آپ یہاں آئیں گے؟ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ اُس کوے ملامت کا طواف آج کل بند ہے۔ ظہور صاحب سے سلام کہیے۔ وہ اکثر یاد آتے ہیں۔ اگر بلاوا ہو تو آیئے گا ضرور، ذرا گپ رہے گی۔ کیا مشفق خواجہ کا خط آیا؟ مجھ سے تو وہ خاصے ناراض معلوم ہوتے ہیں، لیکن اِس کی ذمے داری ہے مجھی پر۔ کیا کروں، جی کسی کام میں نہیں لگتا، اُس کام میں بھی نہیں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری

۱۷ر مئی ۱۹۸۹ء

برادرم!

آپ کا خط جس پر تاریخِ تحریر ۷ر مئی مندرج ہے، یہاں کل، یعنی ۱۷ر مئی کو پہنچا۔ اتنے دن یہ کہاں رہا، معلوم نہیں۔

بھائی! میرا حال بھی اب آپ ہی جیسا ہے، پڑھنا لکھنا نہ ہونے کے برابر ہے، وقت گزاری رہ گئی ہے، یوں سارے کام ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ میرا رٹائرمنٹ اسی سال اکتوبر میں ہے، یوں وحشت زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس کے بعد قیام شاہ جہان پور میں ہوگا اور اِس طرح آپ سب سے ملاقات کے مواقع اُس کے بعد گویا نہیں آپائیں گے؛ اِس کا قلق سب سے زیادہ رہے گا۔

آپ کی محبت اور وضع داری کا معترف ہوں اور شکر گزار۔ ظہور صاحب کہاں ہیں؟ دنوں سے اُن کا احوال معلوم نہیں ہوا۔ اُن کو بھی آپ کے ساتھ ہی خط لکھ رہا ہوں۔

بچّی کو پیار، اب وہی آپ کا سہارا ہے، خدا کرے وہ سارے ظاہری اور باطنی حوادث سے محفوظ رہے اور آپ کی خدمت گزار۔ اِس معاملے میں مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے۔ خدا آپ کی مدد کرے۔ کیا ادھر آنا ہوگا؟

بمبئی کے سمینار میں گیا تھا، مولانا آزاد کے اسلوب پر مضمون پڑھا؛ کس مشکل سے مضمون لکھا تھا، مگر اکثر سامعین نے پسند نہیں کیا؛ صحیح بات سننے کے لیے کوئی تیار ہی نہیں۔

خدا کرے آپ سے جلد تر ملاقات ہو۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۵/ستمبر ۱۹۸۹ء

برادرم!

کیا احوال ہے؟ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہاں حالات معمول کے مطابق ہیں، ایسی کوئی بات نہیں جو لکھنے کے لائق ہو۔ بچّی کیسی ہے اور اُس آفتِ جاں کا احوال کیا ہے؟ یہ نوشتۂ تقدیر بھی خوب ہے۔ ہائے غالبؔ، کیا شعر کہا ہے:

بھاگے تھے ہم بہت، سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہوکر اسیر، دابتے ہیں راہ زن کے پانو

میری آنکھوں کا بھی وہی احوال ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔

رشید حسن خاں

(٦)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری

۱۲؍ مارچ ۱۹۹۰ءھ

برادرم!

آپ کا تار ملا تھا، مگر اُس میں جس خط کے لیے لکھا تھا، کہ آ رہا ہے، وہ آج کے دن تک یہاں نہیں پہنچا۔ ۹؍ مارچ کو میں سیمانت کے دفتر خود گیا تھا۔ آج یعنی ۱۲؍ مارچ کو اُن کا لڑکا آ کر سب کتابیں لے گیا، آپ کی فہرستوں کے ساتھ۔ یہ کیا ہے کہ وہ کل ہی انھیں ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے بھیج دیں گے اور بل مع فہرستوں کے اُس خاص ڈاک سے بھیج دیں گے جس میں ۲۴ گھنٹے کے اندر خط ضرور پہنچ جاتا ہے (اسپیڈ پوسٹ) اور بلٹی بھی بھیج دیں گے۔ انھوں نے -/۵۰۰ مانگے تھے، وہ میں نے فی الفور دے دیے۔ آپ کی دی ہوئی فہرستیں، جو آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیں، وہ بھی سب اُنھی کو دے دی ہیں بل کے ساتھ بھیجنے کے لیے۔ یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر فہرست کی کتابیں الگ بنڈل میں ہوں گی اور اُس بنڈل پر اُس فہرست کا نمبر لکھا ہوگا، تاکہ کتابیں بہ آسانی چک کی جا سکیں۔

اِس لفافے میں ایک خط الگ سے ملفوف کر رہا ہوں۔ یہ گویا اتھارٹی لیٹر ہے: اگر کسی بل میں کسی طرح کی کوئی بات اصلاح طلب ہو، تو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ خود ہی اُسے درست کر دیجیے گا، کمی بیشی جو بھی ہو۔ آپ کو اختیار حاصل ہے۔

میرے خط کا جواب باقی ہے۔ L.I.C. کی پالیسی میں نامینشن کی تبدیلی کے لیے میں نے لکھا تھا کہ اُس کے مضمون پر مشتمل ایک خط ٹائپ کرا کے لفافے میں رکھ کر بھیج دیجیے، میں دستخط کر کے واپس کر دوں گا۔ میرا رجسٹرڈ لفافہ تو مل گیا ہوگا، اُسی میں یہ سب باتیں مندرج تھیں (پشت پر) ___ لکھنؤ میں مولانا عبدالماجد دریابادی سمینار ہے، وہاں معذرت کر لی گئی، اگرچہ پہلے وعدہ کر لیا تھا۔ حکم چند نیر صاحب کا بھی اصرار کا خط آیا تھا، مزید معذرت طلب کر لی گئی۔

میں ۱۷؍ مارچ کو احمد آباد کے لیے روانہ ہوں گا۔ واپسی ۲؍ اپریل تک ہوگی۔ وہاں کا پتا یہ ہے:

C/o Hr. M. G. Bombay wala, Department of Urdu, Vidiya Pith
Ashram Road, Ahmadabad -14, Pin: 380014

میں نے اپنی بیٹی کی شادی طے ہو جانے کا احوال بھی لکھا تھا۔ اب مفصل خط احمد آباد کے

پتے پر فوراً لکھیے۔ منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

ہاں فہرست ۹ کا بل علاحدہ سے بنے گا، سمجھا دیا ہے؛ اور اُس میں دس فی صدی ڈسکاؤنٹ کاٹ دیا جائے گا۔

(۷)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
ٹی.بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۲ر مارچ ۱۹۹۰ء

برائے صدرِ شعبۂ اردو، جموں یونی ورسٹی، جموں

مکرمی!

کتابیں ارسال کی جارہی ہیں۔ بل بھی بھیجا جارہا ہے۔ اگر بل میں کسی طرح کی کوئی اصلاح طلب بات ہو، یا ترمیم ضروری ہو، تو آپ کو اختیار حاصل ہے کہ اُسے وہیں فی الفور درست کردیں یا ترمیم کردیں۔ شکریہ۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
۱۳ر مارچ ۱۹۹۰ء

برادرم!

ابھی آپ کا تار ملا، لیکن تار والوں نے جو کچھ ٹائپ کیا ہے، اِس کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آتا، یہ لکھا ہے:

"DIBNIT Gots Ahmadabad letter folow"—[9]

میں ابھی ایک لفافہ حوالۂ ڈاک کر کے آیا تھا کہ یہ تار ملا۔ میں نے اُس اپنے لفافے میں لکھا تھا کہ کتابیں سب یہاں سے سیمانت والے آکر لے گئے، فہرستیں بھی لے گئے، وہ بل بنا کر مع فہرستوں کے آپ کو ۱۴ر کو بھیج دیں گے اور سب کتابیں ۱۳ر کو روڈ ٹرانسپورٹ سے روانہ کردی جائیں گی۔

آپ کا ایک تار اِس سے قبل ۸ر مارچ کو ملا تھا، جس میں درج تھا کہ کتابیں بھیج دو مع بل،

میں نے خود سیمانت جا کر اُنھیں تار دکھا دیا، ان لوگوں نے کہا کہ وہ ۱۲ر کو آئیں گے، اور وہ حسبِ وعدہ ۱۲ر کو آئے اور کتابیں لے گئے۔

اِس سے پہلے میں نے ایک رجسٹرڈ خط بھیجا تھا، جس میں پوچھا تھا کتابیں کب بھیجوں؟ اُس کے بعد آپ کا پہلا تار ملا، اُس سے میں نے یہی اخذ کیا کہ سب معاملات طے ہو گئے ہیں، کتابیں بھیج دینا چاہیے۔ میں یہاں سے ۱۷ر مارچ کی شام کو احمد آباد کے لیے روانہ ہوں گا۔ وہاں جانا یوں ضروری ہے کہ اُن لوگوں نے مجھ سے پوچھ کر سارا پروگرام بنایا تھا۔ اب آپ کا خط ملے تو صحیح بات اور پوری بات معلوم ہو۔ پہلے تار میں درج تھا کہ خط پہنچے گا، مگر نہیں پہنچا۔ اب اِس خط کا انتظار کر رہا ہوں، میں نے آج صبح جو خط پوسٹ کیا ہے، اُس میں احمد آباد کا پتا بھی لکھ دیا ہے، اِس خط میں پھر لکھ رہا ہوں (پشت پر)

معرفت جناب ایم. جی. بمبئی والا

شعبۂ اردو، وِدّیا پیٹھ، آشرم روڈ، احمد آباد-۱۴، Pin: 380014

(۹)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری

۳ر اپریل ۱۹۹۰ء؁

برادرم!

کل واپسی ہوئی اور آج فوری طور پر شاہ جہان پور جانا پڑ رہا ہے۔ خط آیا تھا کہ میرا چھوٹا لڑکا بیمار ہو گیا ہے، پریشان ہوں۔ میں ۸ر اپریل تک واپس آسکوں گا۔

جب یہاں آیا تو آپ کا بھیجا ہوا پارسل ملا۔ لیکن کیا کرتا۔ میں جانے سے پہلے ۱۴ر مارچ کو اسپیڈ ڈلیوری پوسٹ سے لفافہ بھیج چکا تھا، جس میں باقی سب بل ملفوف تھے۔ چار بل سوز نے بھیجے تھے مع کتابوں کے۔

اب جو ہوگا سو ہوگا، آپ کی محبت اور دل سوزی کا نقش دل پر ہے، اور رہے گا۔ کتابوں کا کچھ ہونا ہوگا تو ہو جائے گا، نہ ہوگا تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی گزر جائے گی۔ آپ جو کچھ کر سکتے تھے، اُس سے بڑھ کر کیا اور یہی کافی ہے میرے لیے۔

توقع کرتا ہوں کہ بٹیا اب بالکل ٹھیک ہو گی اور آپ بنارس ہو آئے ہوں گے۔

خط لکھیے گا، میں اتوار تک یعنی ۸ر اپریل تک تو آ ہی جاؤں گا۔ اب دوسری آنکھ کا آپریشن کرانے کی تیاری کر رہا ہوں۔ باغ و بہار کا کام بعد میں ہوگا۔

خط لکھیے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
۱۴؍اپریل ۱۹۹۰ء[11]

برادرم!

شاہ جہان پور سے اب واپسی ہوئی ہے چار دن پہلے۔ بچّے کی طبیعت اب ٹھیک ہے۔
اِس وقت ایک ضروری بات دریافت طلب ہے۔ کل سے میں نے پروگرام بنایا ہے باغ و بہار کا مقدمہ[12] لکھنے کا، تھوڑا تھوڑا کام کروں گا، تب مہینے دو مہینے میں مکمل کر پاؤں گا۔ آپ نے میری موجودگی میں لندن خط لکھا تھا اسکول آف ایشین اینڈ افریقن اسٹڈیز کے پتے پر، باغ و بہار کے سلسلے میں؛ کیا اُس کا جواب آیا؟ اگر نہ آیا ہو، تو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کام چلا لوں گا، اپنی سی کوشش تو ہم دونوں نے کرلی اور یہی اصل بات ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ خط بہ حفاظت آپ تک پہنچ سکے گا، یعنی ڈاک کا نظام بھی اب ٹھیک ہو چکا ہوگا۔ مولانا[13] کا خط بہت پہلے آیا تھا، کل اُن کو بھی جواب لکھا ہے، اُنھوں نے کچھ تحقیقی موضوعات پوچھے تھے۔ خط لکھیے۔ بھابی صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

مخلص
رشید حسن خاں

اور ہاں، گپتا صاحب نے ابھی تک پکّی رسید نہیں بھیجی۔ اگر کبھی مل جائیں تو یاد دلا دیجیے گا۔

(۱۱)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
ٹی بی ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷
۶؍مئی ۱۹۹۰ء[14]

میرے بھائی!

خط ملا، معِ مبارک بادِ عید۔ شکریہ۔
تفصیل معلوم ہوئی، لیکن اُس مصیبت اور زحمت کا میں یہاں بیٹھ کر ذرا بھی اندازہ نہیں کرسکتا جو آپ کو اُٹھانا پڑی ہے اور اُٹھانا پڑ رہی ہوگی۔ اور کیا کہوں، خدا آپ کو اِس کی جزا دے گا

اور موتی کے محل اور حوریں عطا کرے گا (اگر یہ سب کہیں موجود ہے)۔ اِس جنم میں آپ ہر لحاظ سے پریشان خاطر رہے ہیں، اِس لیے یہ تو لازم ہے کہ اگلا جنم اِس سے بہتر ہوگا، اور یوں آپ جنّتی بن جائیں گے۔ دل کے بہلانے کو ہی یہ خیال اچھا سہی، مگر پھر آدمی اور کرے بھی کیا!

میں جب اپنے اِردگرد کے مادرزاد منافقوں کو اور بے تہ کچ پینڈیوں کو دیکھتا ہوں اور بھرتا بھگتتا ہوں، تب آپ کی بے لوث محبت اور بے کراں خلوص کا دل کو اندازہ سا ہوتا ہے؛ مگر صحیح طور پر اندازہ کیسے ہوگا۔ میں معترف ہوں اور احسان مند۔

لڑکے کی بیماری کا احوال زبانی کبھی کہوں گا۔ اصل مرض ہے ''ڈپریشن''، عمر نکلی جا رہی ہے، کام دھام کچھ نہیں۔ اب کے جب میں گیا تھا، تو ایک یہ معاملہ بھی تھا۔ حُسنِ اتّفاق سے شہر کے بڑے بازار میں ایک دکان ایک جاننے والے خالی کر رہے تھے، ۲۱ ہزار پگڑی ٹھہری، (جو درحقیقت کم ہے) وہ ادا کر دی گئی۔ اِس طرح اب وہ دکان اُن کے لیے مل گئی۔ اب کے جا کر ۱۵، ۲۰ ہزار روپے اور دینا ہیں، تا کہ وہ سامان لا سکیں۔ اِس طرح اب شاید وہ نارمل ہو سکیں گے۔ لیکن میرا معاملہ وہ ہو رہا ہے کہ گوری کا جوبن چٹکیوں میں اُڑا جا رہا ہے۔ لڑکی کی شادی کے بعد جو دیکھوں گا تو توقّع ہے کہ بینک کا خانہ گویا خالی ہوگا، مگر اُس کا غم نہیں، یہ دونوں ذمّے داریاں کاندھے سے اُتر چکی ہوں گی۔ آج کل جہیز کا سامان خریدنے میں لگا ہوا ہوں اور پہلی بار یہ معلوم ہو رہا ہے کہ (۱) رسم و رواج کا جبر کسے کہتے ہیں، اور یہ بھی کہ پکوان خواہ پھیکا ہو، دکان اگر اونچی ہے تو ا‌س‌ ہی طرح حلال ہونا پڑے گا، بل کہ جھٹکا ہوگا۔ خیر، ایں ہم می گذرد۔ نیز مسعود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ بنارس گئے تھے۔ وہاں کا ذرا سا احوال تو لکھا ہوتا۔ لندن والے معاملے پر اب لعنت بھیجیے، جب جواب ہی نہیں ملتا، تو پھر دروازہ کھٹکھٹانے سے حاصل۔ مقدّمے میں اِس جا حوالہ دے دیا جائے گا۔ مقدّمہ[15] ابھی شروع نہیں کر سکا ہوں۔ روز روز کی بازارگردی سے فرصت ملے تو بسم اللہ کروں۔ کل ایک کرم فرما کی عنایت سے رنگین ٹی. وی فیکٹری کی قیمت پر مل جائے گا، وعدہ تو کیا گیا ہے، یعنی اصل قیمت سے دو ہزار روپے کم دینا پڑیں گے۔ جاؤں گا۔ پھر اُدھر والوں کے جوڑے جو بنیں گے، اُن کا کپڑا خریدنا ہے۔ توبہ توبہ! کاہے کو ایسے دن دیکھے تھے کبھی، میر و غالب کی محفل سے نکل کر بھرے بازار میں گھومنا بجائے خود ایک سزا ہے۔ مگر بھگتنا ہے۔ کیا بنارس میں فسانے کا آپ کے سوا کسی اور نے نام لیا تھا؟ نہیں لیا ہوگا، امکان اِسی کا ہے۔ بھائی! ایک بار پھر اعترافِ خلوص اور پھر رخصت۔ مولانا اور ظہور[16] صاحب کو بھی آج ہی خط لکھے ہیں۔

ضروری: وہ L.I.C. کی رسید (بیمے) ہنوز نہیں ملی، ذرا اُن سے کہیے تو۔ کاغذات بھی نہیں ملے۔ اور ہاں دستخط دیکھیے، سچ ہے، ہیرا پھیری سے آدمی نکل نہیں پاتا۔

لیکن صاحب! کمال کیا ہے آپ نے بھی، کیا دیوانِ غالب نسخہ امروہہ بھی آپ ہی نے لکھا تھا؟

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری

گاندہال

۲۸ر جون ۱۹۹۰ء [۱۷]

برادرم! آپ کہاں ہیں، آپ کے خط کا انتظار رہا اور ہے۔

ملاقات میں صورتِ حال میں نے بتادی تھی۔ اُس کے بعد آپ کو میرا وہ خط بھی مل گیا ہوگا جو میں پہلے بھیج چکا تھا۔ پچھلے ہفتے جموں ڈویژن کے .L.I.C کے دفتر سے ایک نوٹس موصول ہوا کہ قسط بھیجو، ورنہ جرمانہ پڑے گا۔ اب میں حیران ہوں کہ کیسے بھیجوں۔ آپ سے بات بھی ہوگئی تھی۔ پالیسی کے کاغذات آج تک نہیں ملے۔ خیر۔ اب یہ فوری طور پر لکھیے کہ اگلی قسط کس طرح بھیجوں۔ آسان راستہ یہ ہے کہ میں چک بھیج دوں، اگر وہ لوگ قبول کرلیں۔

بٹیا کی شادی اکتوبر میں ہوگی۔ تاریخ ابھی طے نہیں، مگر شاید پہلے ہفتے میں ہو۔ اگر اُس کام کا کچھ ڈھب نکل آتا تو مزید آسانی ہوجاتی۔ چوں کہ آپ کو، مجھ سے زیادہ فکر ہے، اِس لیے مزید کچھ کہنا نہ مناسب ہے نہ ضروری۔ البتہ ظہور صاحب سے ذرا تاکید کردیجیے۔ آج کل تو چھٹیاں ہوں گی۔ بھائی! خط فوراً لکھیے۔ پالیسی کی تبدیلی شاہ جہان پور اُسی وقت ہوسکتی ہے جب اصل کاغذات آجائیں اور نامنیشن بھی اُسی وقت بدلے گا۔ اِس لیے اُن کاغذات کا جلد ملنا ضروری ہے۔ کیا بیگم صاحبہ کی پالیسی کے کاغذات آگئے؟ یہ ضرور لکھیے۔

چشم بہ راہ۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری

۱۶ر جولائی ۱۹۹۰ء [۱۸]

برادرم!

خط مل گیا تھا، میں موسمی اثرات کا بے طرح شکار رہا کئی روز تک، یوں اب خط لکھ رہا ہوں۔ آپ کی تحریر کے مطابق چک بھیج رہا ہوں۔ آپ کے پاس یوں بھیج رہا ہوں تا کہ اِس کی رسید اِس

بار بہ حفاظت مجھ پر آسکے اور یہ نہ ہو کہ ''راستے میں کہیں گم ہوگئی ہوگی''۔ جیسا کہ گپتا صاحب نے لکھا تھا۔

آپ[۱۹] کی تحریر سے تو یہ اندازہ ہوا کہ بل ابھی تک جمع نہیں ہوئے ہیں۔ خیر، اِسے آپ جانیں۔ لیکن بھائی! کچھ کیجیے۔

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں

اِس خط کی رسید بھیجیے۔

فضل الحق والی خبر غلط تھی۔ یہاں کسی نے اُسے تصنیف کر کے اخباروں کے حوالے کر دیا تھا۔ شعبے میں جو چپقلش ہے، غالباً یہ اُسی کی دین ہے۔ بہ ہر حال، فضل الحق صاحب زندہ اور صحیح سلامت موجود ہیں آپ نے شعبے میں تعزیتی جلسہ تو نہیں کیا تھا؟ سننے میں آیا ہے کہ لاہور میں فسانۂ عجائب[۲۰] کا پاکستانی اڈیشن چھپ گیا ہے۔ ہاں فسانۂ عجائب کا اپنا نسخہ آپ مجھے بھیج دیں، اِس کے بدلے میں میں آپ کو ایک نیا نسخہ بھیج دوں گا۔ میری نظر ابھی تک جمی نہیں، نیا چشمہ پرسوں پھر بن کر آیا ہے، مگر وہ بھی پوری طرح لگا نہیں۔ اب سوچتا ہوں کہ دوسری آنکھ کا آپریشن کرا ہی لیا جائے۔ مگر اِس کے لیے فیس کے دس ہزار روپے چاہیے ہیں۔ پہلی آنکھ کے بھی اسی قدر دیے گئے تھے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ بھائی! اب آپ ذرا مزید کوشش کر دیکھیے، شاید بات جلد بن جائے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷

ار ستمبر ۱۹۹۰ء[۲۱]

محبِ مکرم!

آپ کا لفافہ، جس پر تاریخ تحریر ۲۰ راگست درج ہے، مجھے کل یعنی ۳۱ راگست کو ملا۔ آپ نے لکھا ہے کہ رجسٹری میں پیسے کیوں خرچ کرتے ہو۔ تو صاحب! یہ نہ کروں تو کیا کروں۔ چار خط لکھے، جن میں سے صرف ایک رجسٹرڈ لفافے کا جواب ملا۔ اب آپ ہی کہیے، اور کیا کرتا۔ اب یہ سادہ خط لکھتا ہوں؛ اگر اِس کا جواب ملا، تو خیر، ورنہ پھر وہی رجسٹری، یا بیرنگ۔ آپ نے یہ اچھا کیا کہ بیرنگ خط بھیجا، بہ حفاظت مل گیا۔ آیندہ بھی یہی طریقہ مناسب رہے گا۔

اب کام کی بات: آپ نے لکھا ہے کہ ''پالیسی بانڈ'' بہ قولِ آنند صاحب، وہاں سے

۱۳راگست کو رجسٹرڈ بھیجا گیا ہے، مگر مجھے تو وہ آج کے دن تک نہیں ملا۔ رجسٹری کھوتی نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ بات بنائی گئی ہے۔

بھائی! آپ میری خاطر ایک زحمت یہ گوارا کرلیجیے کہ ایک درخواست ٹائپ کرا کے اُنھیں دے دیجیے، کہ میں اپنی پالیسی، جمّوں سے شاہ جہان پور (یو۔ پی ـ Pin: 242001) منتقل کرانا چاہتا ہوں۔ اِس کام کو کرا دیجیے، تو پھر یہ میرا اور آپ کا، یعنی دونوں کا دردِ سر ختم ہو جائے گا۔ پالیسی نمبر 140219825 ہے۔ اگر ضروری ہو تو اُس درخواست کو لفافے میں رکھ کر مجھے بھیج دیجیے، میں دستخط کر کے پھر آپ کے پاس، یا بہ راہِ راست (جیسا بھی آپ مشورہ دیں گے) یہاں سے بھیج دوں گا۔ اِس طرح سے یہ مشکل ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گی۔ رسید مل گئی۔ اِس سلسلے میں جو زحمتِ بے جا آپ کو برداشت کرنا پڑی اُس کے لیے شرمندہ ہوں، معذرت طلب بھی ہوں اور پھر شکرگزار بھی۔ بہ قولِ مرزا صاحب: نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں۔

ظہور صاحب کا خط آیا تھا۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ ستمبر کے مہینے میں کام بہ ہر طور ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اِس سلسلے میں میں کچھ کہہ نہیں سکتا، سوائے انشاء اللہ کے۔

بٹیا کی شادی کی تاریخ ۷راکتوبر طے ہوئی ہے۔ میں یہاں سے ۴راکتوبر کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ کارڈ ابھی چھپ کر نہیں آئے ہیں۔ دعا کیجیے کہ سارا کام بہ حُسن وخوبی انجام کو پہنچے۔ مجھ جیسے نکمّے اور کاہل الوجود شخص کا کام ہے، اللہ ہی مالک ہے۔

آپ کی ذہنی پریشانی سے دُکھ ہوا، مگر اب تو شاید یہ نوشتۂ تقدیر سا بن کر رہ گیا ہے۔ بندگی بے چارگی والی بات ہے۔ پھر بھی قلق ہوا اور بہت۔ بٹیا کیسی ہے۔ خدا اُسے نظرِ بد سے بچائے رکھے، کہ وہی اب آپ کا ذہنی سہارا ہے۔ بھائی چند سطریں تو فوری طور پر لکھ ہی دیجیے۔

رشید حسن خاں

پُشت پر:

"پالیسی بانڈ" کا چند روز اور انتظار کروں گا، اور پھر آپ کو خط لکھوں گا اور صورتِ حال سے مطلع کروں گا۔ بھابی صاحبہ کا پالیسی بانڈ کیا آ گیا ہے؟ وہ پالیسی بھی تو میری پالیسی کے ساتھ ہی لی گئی تھی۔ ہاں، اُن سے سلام تو کہہ ہی دیجیے، یاد کر کے؛ مجھے تو بہ ہر حال دعا مل جائے گی اور جب اُدھر کا پھیرا ہو گا تو ٹھاٹھ دار کھانا بھی ملے گا۔ یہ کچھ کم ہے؟

ایک بات اور: آپ نے لفافے پر گھر کا پتا لکھا ہے، کیا اِس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں آیندہ سے خط صرف گھر کے پتے پر بھیجا کروں! یہ صراحت مطلوب ہے۔

(۱۵)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری
۱۱ر ستمبر[۲۲] ۱۹۹۰ء

محبِ مکرم!

ایک لفافہ بھیج چکا ہوں، گھر ہی کے پتے پر، کیا نہیں ملا؟

سنیچر کے دن، یعنی ۸ر ستمبر کو پالیسی بانڈ کا رجسٹرڈ لفافہ ملا۔ اس پر تاریخ ۱۳ر اگست درج ہے۔ معلوم نہیں کہاں رہا۔ اب بھائی بس آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں، یعنی کسی بھی طرح اِس پالیسی کو شاہ جہان پور منتقل کرا دیجیے۔ اور ''نامنی'' میں لڑکی کی جگہ بیگم ''نفیس بیگم'' کا نام لکھوا دیجیے۔ اِس کے لیے باقاعدہ درخواست دینا ہوگی، میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ آپ ایسی ایک یا دو درخواستوں کا مضمون بنا کر مجھے بھیج دیجیے، تا کہ میں دستخط کر کے انھیں وہاں بھیج سکوں۔ دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ معلوم نہیں آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ یہ خط[۲۳] بھی گھر کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ اِس کی رسید ضرور بھیجیے، چشم بہ راہ رہوں گا۔

آپ کی بھتیجی کی شادی کی تاریخ ۷ر اکتوبر طے ہوگئی ہے۔ میں یہاں سے ۲ر اکتوبر کو جاؤں گا اور دس اکتوبر تک وہاں رہوں گا۔ دعا کیجیے کہ سارے کام بہ حُسن و خوبی انجام کو پہنچیں۔ اور ہاں ''اُدھر'' کا یعنی فائنس والوں کا احوال کیا ہے؟

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری
۱۴ر ستمبر[۲۴] ۱۹۹۰ء

برادرم!

۶ر ستمبر کا لکھا ہوا خط ملا۔

اب سے بیس سال پہلے میں نے مفتاح التواریخ کو دیکھا تھا۔ تقریب یہ تھی کہ رضا لائبریری رام پور میں تاریخ لطیف نام کا ایک مخطوطہ ہے، جس کو کتاب خانے کے تحویل دار مہدی علی خاں نے (یہ نام محض یادداشت سے لکھ رہا ہوں) مرتب کیا تھا، یہ صاحب امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ اِس میں انھوں نے تاریخِ وفات پر شعر قطعات یک جا کیے ہیں۔ اُس کے بعد دوبارہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ بیل کی دونوں کتابوں میں غلطیاں تو ہیں، لیکن ان دونوں کتابوں کا یک جائی مطالعہ کام

کی چیز ہو سکتا ہے۔ اصل کام ہوگا اِن قطعات کا صحیح انتساب تلاش کرنا اور پھر اُن کی مستند ماخذ سے تطبیق۔ اِس طرح بہت سے شعرا کی صحیح تاریخ وفات، تاریخ ولادت اور بعض ضروری حالات یک جا ہوئیں گے اور یہ یقیناً کام کی چیز ہوگی۔

مجمع الانتخاب کے متعلق تجویز کا خاکہ بنایا یا نہیں؟ وہ بھی ضروری کام ہے۔ اگر اب خاکہ بن کر، یو. جی. سی. نہیں گیا، تو پھر کبھی نہیں جائے گا۔ اِس طرف بھی توجہ کیجیے۔ فقہ ہندی کے متعلق کسی طالب علم کو تلاش کیا؟ ایک دن کے لیے آپ مجھے وہاں بلا لیجیے، محض ایک اکسٹنشن لکچر کے لیے، تو وہاں بیٹھ کر بہت کچھ لکھا پڑھی کی جا سکتی ہے۔ صرف کرایہ آمد و رفت کافی ہوگا، اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

اب دوسری بات: میرا دوسرا خط بھی مل چکا ہوگا، جس میں میں نے اطلاع دی تھی کہ "پالیسی بانڈ" کا لفافہ مل گیا ہے۔ یہ کام تو نپٹ گیا، اب بس اِس پالیسی کی شاہ جہان پور منتقلی کا کام رہ گیا ہے، وہ بھی ہو جائے تو پھر مستقل طور پر اطمینان ہو جائے۔ اِس سلسلے میں سکھ چین صاحب کی ڈیوٹی تو آپ نے لگا ہی دی ہے، جیسا بھی ہو، مجھے لکھ دیجیے۔ یعنی ایک یا دو درخواستوں کا مضمون ٹائپ کرا کے بھیج دیجیے،[۲۵] میں دستخط کر کے واپس کر دوں گا۔ پالیسی بانڈ کی ضرورت ہوگی، تو اُسے بھی بھیج دوں گا آپ کے پاس۔ دو باتیں ہیں: (۱) پالیسی کا جمّوں سے شاہ جہان پور (یو. پی. Pin: 242001) منتقل کیا جانا۔ (۲) "نامنی" میں میری لڑکی نادرہ کا نام ہے؛ اُس کی جگہ میری بیوی نفیس بیگم کا نام شامل ہونا ہے۔ (عمر 50 سال)۔ پتا:

167-BAROOZAI-II

Shahjahan Pur (U.P), Pin:242001

لائبریری کا احوال معلوم ہوا۔ آپ کی دوڑ دھوپ ہی سے کچھ ہو رہے گا، مجھے اِس کا قطعی طور پر اطمینان ہے۔ اسماعیل میرٹھی کا وہ مشہور مصرع: کیے جاؤ کوشش مرے دوستو۔ مجھے یاد ہے۔

جین صاحب کی نئی کتاب تحقیق کا فن کل ہی میرے پاس آئی ہے۔ از راہِ لطف اُنھوں نے خود بھیجی ہے۔ جو عبارت لکھی ہے، اُس کو پڑھ کر شرم آئی کہ لوگ مجھے معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں، جب کہ میں کچھ بھی نہیں۔ بہ ہر حال، یہ اُن کی محبت ہے۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ آپ کی بھتیجی کی شادی ۷راکتوبر کو ہوگی۔ میں ۲راکتوبر کو جاؤں گا اور ۱۰رکو واپسی ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۱/اکتوبر ۱۹۹۰ء [۲۶]

محبی!

میں دو ہفتے سے کچھ زیادہ وقت شاہ جہان پور میں گزار کر، اب آیا ہوں۔ بٹیا کی شادی کا مشکل کام بہ خیر وخوبی انجام کو پہنچا۔ آپ کو اور ظہور صاحب کو دعوت نامہ بھیجا تھا۔ ظہور صاحب کا خط ۱۶/اکتوبر کو ملا، لکھا تھا کہ دعوت نامہ (وہاں کے حالات کی وجہ سے) خاصی تاخیر سے ملا۔ آپ تک شاید وہ دعوت نامہ پہنچ ہی نہیں سکا۔ بہ ہر حال، ۷/اکتوبر کو میں اِس بڑی ذمّے داری سے سبک دوش ہوگیا، اگرچہ اِس سبک دوشی نے زیر بار بنانے میں ذرا بھی کمی نہیں کی۔ خدا کا شکر ہے کہ شادی کے تیسرے دن کسی بھی شخص کا ایک روپیا بھی میری طرف واجبُ الادا نہ تھا۔ ہاں جب ۱۶/کو واپس آیا ہوں تو میری جیب میں صرف -/۲۰ تھے۔

وہاں کا احوال کیا ہے۔ کرفیو ختم ہوا؟ بٹیا کیسی ہے، اب تو اُس کی طبیعت بالکل ٹھیک ہوگی۔ گھر کا حال تو وہی ہوگا! شاید اِس مرض کی کوئی دوا موجود ہی نہیں، بس بھرنا بھگتنا ہے۔ خدا آپ کی مدد کرے! اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۲/ستمبر ۱۹۹۲ء [۲۷]

برادرم!

باغ وبہار بھیجی تھی، اُس کے ساتھ ایک خط بھی تھا نہ خط کا جواب ملا اور نہ کتاب کی رسید ملی، خیر باشد! خط لکھیے اور اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: شیام لال کالڑا عابد پیشاوری
~~۱۵~~ ۲۸ / مارچ ۱۹۹۴ء

برادرم!

خط ملا، یا تبرّا نامہ، کیوں صاحب! میں نے کس شعبے کے صدر کو نیاز نامہ بھیجا؟ کیا غلام احمد قادیانی کی طرح آپ پر بھی وحی اُترنے لگی ہے؟ یہ وہم کہیں تم کو گنہ گار نہ کر دے۔

ظہور صاحب نے کیسا کیسا بلایا، جی بھی چاہتا تھا اور بہت، کہ یہ اچھا ذریعہ تھا ملاقات کا، مگر ناسازیِ طبع نے اِس کی مہلت نہیں دی۔ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، دو چار دن خوب، پھر دو چار دن ناخوب۔ اب خوب تر کیا ہوگی! گلزارِ نسیم کے کام نے اور ہلکان کر رکھا ہے۔ آج کل اُس کے فارسی متن کی تصحیح کر رہا ہوں کہ وہی اصل چیز ہے، باقی سب ترجمے اور وہ اب تک چھپا بھی نہیں۔

آپ کیسے ہیں؟ بیٹی کیسی ہے اور بیگم تو ویسی ہی ہوگی، اُن کے متعلق کیا پوچھوں۔ اب اِس تبرّائی خط کے بدلے میں ایک اچھا سا مفصل خط لکھنا بہ طور کفارہ آپ کے ذمّے واجب ہو گیا ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ تاریخ خط کے اوپر درج ہے۔ لفافے کی پُشت پر دو مہریں ۱۹/جنوری ۱۹۸۰ء کی ثبت ہیں اور وقت ۱۵.۳۰۔ مکتوب الیہ کا پتا: جناب عابد پیشاوری Dr. Abid Peshawari, Department of Urdu, Jammu University, Jammu (J&K) Pin:180001

۲ تاریخ نیچے درج ہے۔ سرنامے پر پتا اور تاریخ دونوں انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔ لفافے کی پُشت پر جمّوں ڈاک خانے کی مہر ۷/دسمبر ۱۹۸۱ء ثبت ہے۔

۳ یہ خط دہلی سے لکھا گیا پُشت پر مہر ثبت ہے۔ جمّوں ۱۹/مئی کو پہنچا۔ خط کے سرنامے پر کچھ نہیں لکھا۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ پتا: ڈاکٹر عابد پیشاوری Head Department of Urdu, Jammu University, Jammu Pin:180001 درج ہے۔

۴ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر خاں صاحب کی دہلی والے پتے کی مہر ثبت ہے۔

۵ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۶ صدر شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونی ورسٹی، بنارس۔

۷ تاریخ نیچے درج ہے۔ سرنامے پر خاں صاحب کے پتے کی مہر ثبت ہے۔ خاں صاحب نے اپنے کتب

خانے کا بڑا حصہ جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کو بیچ دیا تھا۔ ڈاکٹر شیام لال کالرا عابد پشاوری اُس وقت صدر شعبۂ اردو تھے اور پروفیسر کے عہدے پر بھی فائز تھے۔

۸۔ سرنامے پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے اور نہ ہی مقام۔ ۱۲/اور ۱۳/مارچ والے دونوں خط ایک ہی لفافے میں ملفوف ہیں۔

۹۔ سیمانت پرکاشن، کوچۂ روہیلہ، تراہا بہرام، دریا گنج، نیو دہلی۔

۱۰۔ خط کے سرنامے پر صرف تاریخ درج ہے اور نیچے بھی۔ خاں صاحب کے دہلی والے پتے کی مہر لفافے کے باہر ثبت ہے۔

۱۱۔ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۲۔ باغ و بہار کا مقدمہ لکھنے کی تصدیق خاں صاحب کے خط مرقومہ ۱۴/اپریل ۱۹۹۰ء سے بھی ہوتی ہے جو اُنھوں نے ڈاکٹر گیان چند جین کو لکھا تھا۔

۱۳۔ ڈاکٹر منظر اعظمی، پروفیسر شعبۂ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں۔ جو عرصہ ہوا اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

۱۴۔ سرنامے پر خاں صاحب کے نام و پتے کی بنی ہوئی مہر ثبت ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۵۔ باغ و بہار کا مقدمہ۔ بیٹی کی شادی کی مصروفیات کی وجہ سے وہ باغ و بہار کا مقدمہ شروع نہیں کر سکے۔ کیوں کہ وہ اِس سلسلے میں شاہ جہان پور میں ہیں۔

۱۶۔ مولانا یعنی پروفیسر منظر اعظمی اور ڈاکٹر ظہور الدین، شعبۂ اردو جموں یونی ورسٹی، جموں۔

۱۷۔ سرنامے پر گارڈ ہال، اور تاریخ درج ہے۔ خاں صاحب کا مکمل پتا لفافے کے باہر ہاتھ سے لکھا ہوا ہے، انگریزی میں۔ کالرا صاحب اِس وقت صدر شعبۂ اردو تھے۔

۱۸۔ سرنامے پر کچھ تحریر نہیں۔ تاریخ نیچے انگریزی میں درج ہے۔ مکمل پتے کی مہر باہر لفافے پر ثبت ہے۔

۱۹۔ مکتوب الیہ کا پتا لفافے پر یوں تحریر ہے: Dr. S.L. Kalra, 5-A, New University Campus, Jammu Tawi, Pin:180001

۲۰۔ فسانۂ عجائب، دہلی اور لاہور سے ایک ساتھ، ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

۲۱۔ سرنامے اور لفافے کے باہر خاں صاحب کے پتے کی مہر ثبت ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۲۔ سرنامے پر تاریخ درج ہے۔ خاں صاحب کے پتے کی مہر لفافے پر ثبت ہے۔

۲۳۔ یہ خط دو کارڈوں پر لکھا گیا ہے، جو لُغت کے لیے بنائے گئے ہیں۔

۲۴۔ سرنامے پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب کے پتے کی مہر لفافے کے باہر ثبت ہے۔

۲۵۔ خاں صاحب کے قلم سے سہو ہوا ہے خط میں ''دیے'' لکھ دیا ہے، جب کہ ''دیجیے'' ہونا چاہیے تھا۔ ۱۱/ستمبر والے خط میں بھی یہی عبارت لکھی ہوئی ہے اور وہاں ''بھیج دیجیے'' لکھا ہے۔ یہاں ''بھیج دیے'' لکھا ہے۔

۲۶۔ سرنامے اور خط کے آخر میں خاں صاحب کے پتے کی مہر ثبت ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۷۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ مکتوب نگار کا مکمل پتا اندر یا باہر درج نہیں۔ یہ دو سال بعد کا خط ملا ہے بیچ کے خط تلف ہو گئے ہیں۔ عابد صاحب کے انتقال کے بعد انھیں سنبھال کے رکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اُن کی شریکِ حیات و بیٹی اردو سے ناواقف ہیں۔ اُنھیں خطوط کی اہمیت کا احساس بھی نہیں۔

۲۸۔ سرنامے پر مقام اور تاریخ درج نہیں۔ لیکن اس وقت خاں صاحب دہلی میں قیام پذیر تھے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط پر ڈاک خانے کی مہر ۱۹؍مارچ کی ہے۔

★★★

بنام ظفر احمد صدیقی، پروفیسر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۶/اکتوبر۱۹۸۴ء

عزیز مکرّم!

آپ کی کتاب☆ مل گئی تھی، پھر آپ کا خط پہنچا، لیکن میری عدم موجودگی میں، میں نیاز صدی کے سمینار میں شرکت کی غرض سے کراچی گیا ہوا تھا، وہاں سے اب واپسی ہوئی ہے، یوں جوابِ خط اور رسیدِ کتاب میں دیر ہوئی۔ اِس تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔

میں چند روز کے بعد ذرا اطمینان سے آپ کی کتاب پڑھوں گا، اِسے سرسری طور پر دیکھنا نہیں چاہتا، دل لگا کے اور نظر جما کے پڑھنا چاہتا ہوں، تا کہ آپ کی کاوش اور کوشش کی کماحقّہٗ داد دے سکوں۔

اِس خط کو محض رسید سمجھیے۔ آپ کی عنایت کے لیے شکر گزار ہوں کہ آپ نے یاد رکھا اور یاد کیا اور اپنی کتاب بھیجنے کی زحمت گوارا کی۔

مخلص
رشید حسن خاں

حنیف نقوی صاحب سے سلام کہیے اور اُن سے کہیے کہ مجھے اُن کے خط کا انتظار ہے۔

(۲)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷
۱۵/اپریل ۱۹۸۶ء
عزیز مکرّم!

☆ ناچیز کی کتاب ''تنقیدی معروضات'' (۱۹۸۳ء) کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

آپ کا بھیجا ہوا مضمون☆ موصول ہوا تھا۔ میں اورنگ آباد سے واپسی پر ناسازیِ طبع کا شکار رہا، یوں جوابِ خط میں اور مضمون کی رسید میں تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ مضمون آپ کا ضرور چھپے گا، اِس لیے خاص کر کہ وہ ایک معلوماتی مضمون ہے۔ پڑھ کر جی خوش ہوا۔ آپ سے مجھے اب تک ربط یگانگت اُس طرح نہیں، جس طرح مثلاً حنیف نقوی صاحب سے ہے، اِس کے باوجود جی چاہتا ہے کہ آپ کی اِس تحریر کے متعلق بعض باتیں آپ سے کہوں۔ یہ واضح کردوں کہ مراد نکتہ چینی نہیں، محض انعطافِ توجہ ہے۔ چوں کہ یہ ایک علمی تحریر ہے، اِس لیے چاہتا یہ ہوں کہ اِس میں ذرا سی بھی ایسی کوئی بات نہ ہو جسے خالِ رخِ زیبا سے بھی تعبیر کرکے، اُس کی تاویل کی ضرورت پیش آئے۔ خدا کرے آپ اِسے اِسی روشنی میں دیکھیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کئی جگہ اِس میں ایسے لفظ آگئے ہیں جن سے ایک حد تک غیر علمی اندازِ گفتگو پیدا ہوجاتا ہے، جب کہ اُنھی باتوں کو ذرا مناسب لفظوں میں بہ آسانی لکھا جاسکتا تھا۔ اخلاف کے لیے اور غلطی یا غلط فہمی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بیان میں درشتی ہی اختیار کی جائے۔ اِس سے تحریر پر بُرا اثر مرتب ہوتا ہے اور خالص علمی بحث غیر اور غیر ادبی انداز اختیار کرلیتی ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، اُنھیں کرنے دیجیے؛ آپ کیوں اپنا قلم آلودہ کریں ایسی باتوں سے اور عجزِ بیان کا مظاہرہ کریں۔ مثلاً ''میر موصوف کی عبارت میں یہ جملہ لغو بن کر رہ گیا ہے''۔ یہ علمی طرزِ گفتگو نہیں۔ آپ اِس بات کو ذرا شایستگی کے ساتھ بھی لکھ سکتے تھے۔''' وہ مسلسل انتشارِ ذہنی کا شکار رہے'' یہ جملہ بھی سنجیدگیِ بیان کے لحاظ سے نظرِ ثانی کا طلب گار ہے۔ ایسے ہی ایک دو اور مقامات۔ کیا اچھا ہو اگر آپ ایسے جملوں کو بدل دیں اور اِس طرح اپنے مضمون کی علمی سطح پر غیر سنجیدہ اندازِ گفتگو کی پرچھائیں نہ پڑنے دیں۔ میرے دوست وارث علوی صاحب ایسی عبارتیں بہت لکھتے ہیں اور میرے مخلص شمس الرحمٰن فاروقی صاحب بھی ایسے جملے بلا تکلف لکھ جاتے ہیں، مگر اِنھیں علمی حلقوں میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ آپ کیوں اِس پھیر میں پڑیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے علمی مضامین میں حوالوں کی ایک سطح ہوتی ہے، جسے آخر تک برقرار رہنا چاہیے۔ شوکت تھانوی نے ایک بار روش صدیقی کا خاکہ لکھتے ہوئے لکھا تھا: ''پیشہ: مشاعروں میں شرکت، آج لکھنؤ میں تو کل گوپا مئو میں''۔ یہ جملہ ضربِ کاری کی حیثیت اختیار کرگیا تھا۔ اگر

☆ یہ پورا خط ناچیز کے ایک مضمون سے متعلق ہے جو ''استطراد سے ادماج تک'' کے عنوان سے پہلے 'غالب نامہ' میں شائع ہوا تھا اور اب ''بلاغت کی بعض اصطلاحیں'' کے عنوان سے ''نقشِ معنی'' (۱۹۹۹ء) کا حصہ ہے۔ (ظ)

آپ ابنِ رشیق کا حوالہ دیتے ہیں متقدمین میں اور مولانا نجم الغنی کا متاخرین میں، تو پھر ابو الفیض سحر جیسے حضرات کا نام درمیان میں نہیں آنا چاہیے، ورنہ وہ مثل صادق آئے گی کہ کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند لگایا۔ ابو الفیض صاحب میرے دوست ہیں، مگر اِن مباحث کے لحاظ سے اجنبی محض ہیں، دوسری کتابیں دیکھ کر ایک کتاب کے لیے ایسا مضمون لکھ دینا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوتی۔ یہ تو محض ایک مثال تھی، اردو عربی کے ایسے کئی حوالے اِس تحریر سے خارج کیے جاسکتے ہیں۔ علمی بحث میں واقف کاروں کی تحریروں سے بحث کی جاتی ہے، عطائیوں کی تحریروں سے نہیں۔ ورنہ یوں تو بیسیوں کتابیں اِس مبحث پر لکھی گئی ہیں، سبھی کا ذکر آنا چاہیے۔ عربی کے ہی سب حوالوں کا تذکرہ ضروری نہیں، متقدمین، متوسّطین اور متاخرین میں سے چند نام چُن لیجیے اور اُنھی سے بحث کیجیے، عربی کی عبارتیں آپ۔ کے یہاں تناسب کے دائرے باہر نکل گئی ہیں اور صرف آپ کے مطالعے کو ظاہر کرتی ہیں، جس کے اظہار کی مطلق ضرورت نہیں، کیوں کہ آپ کی تحریر خود اُس پر گواہ ہے کہ آپ نے تقریباً سبھی ضروری کتابیں دیکھ لی ہیں۔ ترقیِ اردو بورڈ کی جس کتاب کا حوالہ آپ نے دیا ہے اُس کا احوال تو یہ ہے کہ اُس میں علم معانی اور علم بیان کو ایک ہی چیز بتایا گیا ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ایسی کتاب آپ کی اِس بحث میں کس حد تک مفید مطلب ہو سکے گی (کتاب اِس وقت سامنے نہیں، یہ میں محض یادداشت سے لکھ رہا ہوں)۔

ایک اور بات: آپ نے دو نئی نظموں کو ہی مثال کے طور پر پیش کیا ہے، پہلی مثال کے متعلق خاصا اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ چوں کہ آپ نے یہ صراحت نہیں کی کہ زائد اجزا اور ضرور اجزا (زیرِ بحث صنعت کے لحاظ سے) ان دونوں میں کیا فرق ہے اور یہ کہ فلاں نظم میں یہ اجزا زائد ہیں اور فلاں نظم میں یہ اِس صنعت کے تحت آتے ہیں، اِس لیے ایک طالبِ علم بہت الجھے گا، اِس لیے کہ آج کل نظموں میں حشو وزوائد بہت ملتے ہیں اور اگر اِس صنعت کا سہارا لیا جائے تو تقریباً سبھی کو جواز کے دائرے میں کھینچ تان کر لایا جاسکتا ہے۔ یہ بہت الجھن پیدا کرنے والی بات ہے اور یہ ساری الجھن پیدا ہوئی ہے اِن دو مثالوں سے۔ اِس طرف بھی توجہ کیجیے۔ ہاں اگر آپ ایک دو صفحے اور بڑھا دیں اور ایسی دو تین نئی نظموں کا تقابل کر کے اِس کی صراحت کر دیں کہ ضروری اجزا اور زائد اجزا میں کیا فرق ہوتا ہے، تب ایک طالبِ علم کے نقطۂ نظر سے افادیت روشن ہو جائے گی۔ موجودہ صورت میں اِس کی کمی بے طرح محسوس ہوگی۔

ایک جگہ آپ نے لکھا ہے: ''عجیب بات ہے کہ متداول و مروّج اردو کتب بلاغت میں ادماج کی تعریف ایک دوسرے ہی انداز سے کی جاتی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ادماج ایسے الفاظ وتراکیب کا استعمال کرنا ہے جس سے کلام میں معنوی کثرت کی شان پیدا ہو جائے اور اِس سے

متعدّد مفاہیم اِس طرح برآمد ہونے لگیں کہ کسی ایک مفہوم کے...." (ص ۹)۔

مگر ص ۹ اور ص ۱۱ "اردو کتب بلاغت" سے آپ نے جتنے بھی حوالے نقل کیے ہیں، اُن میں سے کسی ایک میں یہ نہیں کہا گیا "معنوی کثرت" پیدا ہو یا یہ کہ "متعدّد مفاہیم پیدا ہو جائیں"۔ سب نے دو مفاہیم کی تحدید کی ہے: "ایک مدح سے مدحِ دوم حاصل ہو"۔ "اس سے ضمناً دوسری تعریف اور ثابت ہوتی ہو"۔ "ایک تعریف سے دوسری تعریف ثابت ہو"۔ ان مثالوں کے ذیل میں آپ نے پھر لکھا ہے کہ "لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ ادماج کسی کلام سے دو یا زائد مفہوم کا برآمد ہونا ہے"۔ کسی نے ضرور کہا ہوگا مگر جب تک ایسے کسی حوالے کو نقل نہ کریں جس میں "دو یا زائد مفہوم" کا برآمد ہونا لکھا گیا ہو۔ تب تک آپ کی بات درست نہیں قرار پائے گی۔ ص ۹ پر آپ نے ادماج کے تحت اردو والوں کے ۵ حوالے نقل کیے ہیں اور سب میں "دو" کی تحدید ہے۔

اب آخر میں ایک بات اور: آپ نے خود ہی ایک جگہ لکھا ہے اور میری بھی یہی رائے ہے کہ اگر اردو والوں نے ایک صنعت کی ایک خاص طرح تعریف کی ہے، تو محض اِس بنا پر کہ عربی میں وہ تعریف نہیں پائی جاتی، اُسے غلطِ محض اور "غلط نویسی کی روایت کو فروغ واستحکام" بخشنے سے کیوں تعبیر کیا جائے؟ اِس بات کو آپ اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ عربی میں اس کی یہ تعریف ہے اور اردو والوں نے اِس کی یہ تعریف کی ہے، ہاں آپ اس کی صراحت کر سکتے ہیں کہ پہلی بار کہاں غلط فہمی نے ظہور کیا، مگر جب ایک "غلط فہمی" تواتر کی بنا پر مستقل حیثیت اختیار کر چکی ہو تو پھر اُسے "غلطی" نہیں کہنا چاہیے۔ دونوں کے فرق کو نمایاں ضرور کر دینا چاہیے۔ پھر یہ بھی تو دیکھیے کہ دونوں تعریفوں میں (یعنی اصل تعریف میں اور بعد کی تعریف میں) قریب کی نسبت ہے، یعنی فرق ہے تو کم کم۔ "تضاد" کی نسبت نہیں، جیسا کہ آپ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے۔ دونوں باتیں یعنی ایک مفہوم کا دوسرے مفہوم کی تہ سے برآمد ہونا اور کسی عبارت کا دو مفاہیم پر مشتمل ہونا؛ اِن میں تضاد نہیں، تفاوت ضرور ہے۔

میں آپ سے معذرت طلب ہوں کہ خط کو مضمون بنا دیا، مگر اُس علمی نسبت کی بنا پر جو دو اشخاص میں ہو سکتی ہے، مجھے توقع ہے کہ آپ میری اِس پریشان نگاری کو چیں بر جبیں ہو کر نہیں دیکھیں گے اور اسے ایک مخلص اور خیر خواہ کی اِس خواہش کا آئینہ دار سمجھیں گے جو چاہتا ہے کہ خوب سے خوب تر کی جستجو برقرار رہے۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۷
۵رمئی ۱۹۹۵ء

بھائی مولانا!

یہ "عتاب نامہ" کی ترکیب آپ نے خوب لکھی؛ مگر یہ آپ کی بے انصافی ہے میرے ساتھ۔ میں تو آپ کو اپنا عزیز جانتا اور مانتا ہوں اور اِسی تعلقِ خاطر کے اعتماد پر فرمایشیں بھی کرتا رہتا ہوں۔ آپ فوری طور پر توجہ کیجیے کہ آیندہ کبھی اِس خیالِ باطل کو قریب نہیں آنے دیں گے، بہ قولِ حسرتؔ: یہ وہم کہیں تم کو گنہ گار نہ کردے۔

میرا احوال یہ ہے کہ اُن مثنویوں کے نسخوں کی نایابی نے ذہنی طور پر پریشان کر رکھا ہے۔ غضب خدا کا، ہیروئن تو یہ کہے کہ: بھیجتے ہیں مجھے بنارس میں، اور بنارس میں کچھ نہ ملے۔ کیا اتفاقات ہیں زمانے کے! ندوے کا احوال آپ کے خط سے معلوم ہوا۔ اسلم محمود صاحب یہی بات اپنے خط میں لکھ چکے ہیں۔ جامعۂ ملّیہ، انجمن اور دہلی یونی ورسٹی کی لائبریریاں بھی اُن نسخوں سے خالی ہیں۔ سالار جنگ حیدرآباد کا بھی یہی احوال ہے۔ کل ہی وہاں سے اطلاع ملی ہے۔ پھر بھی میں نااُمید نہیں۔ کہیں تو ضرور ملیں گے وہ نسخے۔ اِس کام کو بہ ہر طور مجھے کرنا ہے، یہ طے ہے۔ اب آپ یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ بعدِ نمازِ تہجد میرے لیے دُعا کریں۔ آپ کہیں گے کہ نمازِ تہجد کی اجازت ہی "اُدھر" سے نہیں ملتی، تو خیر، بعدِ نمازِ فجر سہی۔ آپ نے لکھا ہے کہ: "امید ہے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا ہوگا"۔ ارے بھائی! غلط فہمی ہوئی ہو تو ازالہ بھی ہو۔ جو چیز ہی نہیں اور ہوئی نہیں، اُس کا ازالہ کیا ہوگا۔ میں نے شکایتاً کوئی جملہ نہیں لکھا تھا۔ یاددہانی کو شکایت تو نہیں کہتے۔ آپ سے جو ربطِ خاص ہے، اُس کے پیشِ نظر لکھتا ہوں جو کچھ لکھتا ہوں۔ ہاں چھٹیوں میں آپ کہاں ہوں گے؟ پتا کیا ہوگا؟ یونی ورسٹی کب کُھلے گی؟ گلزارِ نسیم اگر آجائے تو اُسے کس پتے پر بھجواؤں؟ ہاں، علی گڑھ کا احوال معلوم ہوگیا، وہاں بھی میرے کام کی کوئی چیز نہیں۔ مگر ہے تعجب کی بات کہ یہ سارے کتاب خانے قدیم نسخوں سے خالی ہیں۔ اب رہا بہ قول آپ کے "تیسرا معاملہ" اُسے آپ جانیں، میں اُس سے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی رائے صائب ہے کہ جوڑ پیوند کے مقابلے میں کٹی قطع و برید بہ ہر حال بہتر ہی ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ اب آپ کو یقین آگیا ہوگا کہ مجھے ذرا بھی "بدگمانی" نہیں ہوئی تھی، نہ غلط

بھی ہوئی تھی۔ اپنے عزیزوں سے میں اِن چیزوں کو روا نہیں رکھتا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ پٹنے میں دو قدیم مطبوعہ نسخے ہیں؛ مگر تین مہینے ہو چکے ہیں، ہنوز روزِ اوّل ہے۔ دیکھیے اُن کا حصول کب ہوتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

دہلی

۲۲رمئی ۱۹۹۵ء[1]

مولانا صاحب! آداب

آپ کا خط مجھے آج ہی ملا، شکریہ۔ ''زیر بریانی'' کا نسخہ مل گیا، خوب ہے۔ خدا کرے درست بھی ہو، وہ مرحوم سخن آفرینی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔

نقوی صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ یونی ورسٹی کے پوسٹ آفس پر ''قومِ جنّات'' نے قبضہ کرلیا ہے۔ خدا کرے اب تک وہ قبضۂ غائبانہ ختم ہو چکا ہو، ورنہ اِس خط کا خدا حافظ ہے۔

لذتِ عشق شوق کی مثنوی نہیں، نول کشور پریس سے شوق کی زندگی میں (۱۸۶۹ء میں) جو مجموعۂ مثنویاتِ شوق شائع ہوا تھا، اُس میں یہ بھی شامل ہے؛ مگر یہ مسلّم ہے کہ یہ اُن کی ہے نہیں۔ اُن کے رشتے کے بھانجے آغا حسن نظم کی تصنیف ہے؛ یوں مجھے اِس کی ضرورت نہیں۔ اطلاع کا شکریہ۔

ہاں صاحب! نقوی صاحب تو ۱۶ رجولائی کے بعد آئیں گے، مگر آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ وہیں رہیں گے۔ گلزارِ نسیم شاید چند روز میں چھپ کر آجائے۔ اگر آگئی، تو کیا کروں پوسٹ آفس کا قضیہ اگر یوں ہی رہا تو پھر کتاب بھیجنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ اب یہ بتائیے کہ کتاب جب آجائے تو کیا کروں؟ اپنے پاس رکھے رہوں اور جب آپ کا خط آجائے تب بھیجوں؟ اِس کتاب پر آپ کا حق بہتوں سے زیادہ ہے۔

ارے صاحب! اُن اطہر فاروقی نے میری جان کھا رکھی ہے۔ کچھ اُن کا علاج کیجیے۔☆ آج کل وہ دوسرے تیسرے (دن) آنازل ہوتے ہیں اور آپ کا حساب مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔ مجھے اُن کے عتاب و خطاب سے بچائیے۔ شاہد علی خاں نے اچھا شگوفہ چھوڑا ہے اور اُن کو مجھ پر

☆ اطہر فاروقی، خاں صاحب پر 'کتاب نما' دہلی کا خصوصی شمارہ مرتب کر رہے تھے، اس کے لیے مضمون کی فرمائش تھی۔ یہ مضمون پہلے 'کتاب نما' میں شائع ہوا اور اب 'نقشِ معنی' میں شامل ہے۔ (ظ)

مسلط کر دیا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ یہ بندۂ گریز پا ہے۔ اِن لوگوں نے بوستاں پڑھی ہوتی تو سعدؔی کا یہ قول بھی پڑھا ہوتا:

اسم است کہ مالکانِ تحریر   آزد کنند بندۂ پیر

نہ پڑھنے سے یہی فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی جو چاہے کہہ سکتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔
آپ خط لکھیں گے تو مجھے وہاں کا احوال معلوم ہو سکے گا۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
۱۶۷-باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
۱۷رمارچ ۱۹۹۶ء

بھائی مولانا وَبالفضل اولینا!

کل آپ کا خط (بیرنگ) مرقومہ ۱۰رمارچ یہاں پہنچا۔ بہت جی خوش ہوا کہ آپ نے یاد کیا۔ اِن دنوں میرا وہی احوال ہے جو مرزا صاحب کا تھا کہ جس کا خط آیا، میں نے سمجھا کہ وہ آیا۔

مگر میرے بھائی! یہ آپ نے کیسے فرض کرلیا کہ میرے پاس الہ دین کا چراغ ہے کہ جس سے جو کام چاہوں، فوراً ہو جائے۔ یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی کی طرح مجھ پر بھی حسبِ دلخواہ وحی اُترتی ہے۔ دس دن میں مضمون لکھنا اور پھر دونوں طرف کا رزرویشن حاصل کرنا مجھ جیسے کہولت زدہ کے لیے تو دوسری شادی کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔☆

جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ آپ سب سے ملاقات ہو، مگر کیسے ہو۔ آپ نے تو یہ اہتمام پہلے سے کرلیا کہ وقت اس قدر کم دیا جائے کہ آدمی خود ہی اعترافِ عجز کے لیے مجبور ہو جائے۔ اس لیے آپ حضرات کی خواہش اور اہتمام کے مطابق اعترافِ عجز پیش کرتا ہوں، قبول فرمائیے۔

آپ بریلوی تو ہوں گے نہیں، اِس کا یقین ہے۔ وہاں یہ معقولیت اور خوش ذوقی کہاں۔ دیوبندی ہوں گے یا غیر مقلد۔ اربابِ دیوبند کے علمی کمالات کا قائل ہوں (بہ استثنائے موجودہ مدنی صاحب، مولانا حسین احمد مرحوم اپنے نام کے ساتھ "ننگِ اسلاف" لکھا کرتے تھے از راہِ انکسار۔ یہ صاحب اگر اس کلمے کو لکھنے لگیں تو مبنی بر حقیقت ہوگا) مگر طبعاً میں عدمِ تقلید کو پسند کرتا

☆ خاں صاحب کو شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونی ورسٹی کے سمینار "بنارس کا ادبی ورثہ" میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا گیا تھا، یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

ہوں، اِس میں تحقیق کا تقاضا بھی کارفرما رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں آپ نذر نیاز کے قائل نہیں ہوں گے جو یہ کہوں کہ اچھا کھانا دوسروں کو کھلا کر (سمینار میں)، ثواب اُس کا مجھے بخش دیں۔ میں نذر نیاز کی ضرورت کا ضرور قائل ہوں کہ اس بہانے کبھی کبھی عمدہ چیزیں کھانے کو مل جایا کرتی ہیں۔ نیاز دوسرے کریں، کھانا میں کھاؤں۔ سمجھ داروں کا دستور شاید یہی رہا ہے ہمیشہ سے اور خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی ہو اور ایسا ہی دستور رہے اور مجھ جیسے سمجھ دار لوگ اور نیاز کرنے والے بریلوی عوام کالانعام احمقین کرام یا احمقانِ کرام ہمیشہ ہمیشہ اپنے اپنے منصب پر فائز رہیں۔ پتا میرا وہی ہے جو آپ نے لکھا۔ آج کل مرزا شوقؔ کے فرمودات سے لطف اٹھا رہا ہوں اور الجھ بھی رہا ہوں۔ یہ بھی لطف سے خالی نہیں۔ ایسی آمیزش و آویزش بھی کہاں میسّر آتی ہے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں اور آپ سے جلد تر ملاقات ہو سکے۔

رشید حسن خاں

کرکٹ کا فائنل دیکھتا جا رہا ہوں اور یہ خط لکھتا جا رہا ہوں۔ ابھی آسٹریلیائی باری ۲۴۱ پر ختم ہو چکی ہے (الحمد لِلّٰہ) اب شری لنکا کی باری ہے۔ ہنومان مہاراج ضرور اِن لوگوں کی مدد کریں گے۔ آپ بھی آمین کہیے اور راون کی آتما کو پرسنتا بخشیے۔

خط بند کرنے سے پہلے: لیجیے ابھی زلفِ شب تا بہ کمر بھی نہیں آپائی ہے کہ راون کی اُمت جیت گئی، کالوں نے گوروں کو ہرا دیا: واہ واہ!

(٦)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۱۱/ مارچ ۱۹۹۸ء

بھائی۔ تا!

آپ کے خط میرے سامنے ہیں۔ اِنھیں آپ نے لکھا کبھی ہو، یہ مجھے ملے ہیں ۸/ مارچ کو، جب میں یہاں بمبئی سے واپس آیا۔ ۱۱/ جنوری کو وہاں گیا تھا۔ اصل مقصد تھا علاج اور ضمنی طور پر اپنے مخدومِ معنوی مولانا شبلی کی روایت کو زندہ رکھنا تھا۔ (ایک ''آزاد کی محبت'' کے سوا میں اُن کی ہر بات کا قائل ہوں اور معتقد، علمی اختلاف کا حق محفوظ رکھتے ہوئے)۔ آپ کی تحریر سے میں نے اِس بار استفادہ کیا اور اُس کا متعلقہ حصّہ کلیات کی تشریحات کے ضمیمے میں بلفظہٖ شامل کیا ہے آپ کے حوالے سے (حسبِ سابق)۔ علی گڑھ اب آپ آ ہی گئے ہیں تو یہاں کی روایت کے دباؤ میں نہ آئیے گا اور محفل طرازی اور خیال بافی کے مشاغل کو دوسروں ہی کے لیے محفوظ رہنے دیجیے گا۔ یہ

بہت ضروری ہے۔ سمینار کا دعوت نامہ اُسی دن ملا جس دن سمینار تھا، کیسے آتا۔ ۶؍مارچ کو میں دہلی میں تھا؛ بمبئی سے اُسی دن آیا تھا؛ اگر معلوم ہوتا تو چلا آتا، آسان تھا میرے لیے۔ لیکن اِس اتفاق کو کیا کیا جائے کہ نہ مجھے سمینار کا احوال معلوم تھا اور نہ آپ کو اور دوسروں کو میرے سفرِ بمبئی کی واقفیت تھی۔ آپ سے ملاقات کی ایک صورت نکلتے نکلتے رہ گئی، اِس کا ضرور ملال ہے اور افسوس۔

سحرالبیان کا کام ہو رہا ہے۔ انڈیا آفس لندن کے نسخے کا عکس دہلی میں ۶؍مارچ ہی کو ملا ہے۔ ابھی شاید سال ڈیڑھ سال اس میں اور لگے گا خرابیِ صحت کی وجہ سے کام ہو نہیں پاتا۔

ہاں صاحب! آپ کی نصیحت میں نے گرہ میں باندھ لی ہے۔☆ گنتھی مضبوط لگ گئی ہے، اب اُسے کھولنے کی کوشش کروں گا، جب بھی کھل جائے۔ بہ ہر طور، میرا اسدھار ہو یا نہ ہو، آپ ضرور ثواب کے حق دار ہو گئے اور ایک مسلمان کے لیے حصولِ ثواب کا واسطہ پیدا کرنا بھی شاید عملِ نیک کے ذیل میں آئے گا، تو اِس طرح مجھے بھی ثواب مل جائے گا۔ اِسے کہتے ہیں: بیک کرشمہ دو کار۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے اور مجھ جیسے واماندگانِ صراطِ مستقیم کے لیے روشنی فراہم کرتے رہیے۔ میں ممنون ہوں گا اور آپ ماجور۔ دونوں کا بھلا ہوتا رہے گا۔ شاید ایسے ہی مواقع پر کہا جاتا ہے: اللھم زد فزد۔ اب سلسلۂ مراسلت منقطع نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۴؍اپریل ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا!

خط ملا۔ آپ کی بلیغ باتوں کو گرہ میں باندھ لیا، خدا کرے یہ گرہ ڈھیلی نہ ہو۔ آپ بھی دُعا فرمایئے۔

نقوی صاحب یہاں آئے تھے، دو دن اُنھوں نے زحمت گوارا کی غریب خانے پر آنے کی۔ آپ کا بھی بہت ذکر ہوتا رہا۔ آپ کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

علی گڑھ نہیں آسکا، اس کا افسوس رہا، آپ سے ملاقات ہو جاتی۔ میں نے معذرت کے خط قاسمی صاحب اور قاضی افضال صاحب کو لکھ دیے تھے، غالباً اُن کو مل گئے ہوں گے۔ دونوں سے

☆ ناچیز نے ایک خط میں خاں صاحب سے درخواست کی تھی کہ اب آپ عمر کی آخری منزل میں ہیں، کچھ فکرِ آخرت بھی کیجیے۔ اسی کا محبت بھرا جواب ہے۔ (ظ)

شرمندہ ہوں۔ الہٰ آباد بلایا گیا تھا، وہاں بھی نہیں جا سکا۔

''گاؤخر'' کے بجائے ''گاودخر'' ہونا چاہیے اصولاً۔ شاہ صاحب بزرگ تھے، محترم تھے، مجھ جیسے گناہ گار سے بلند تر اور برتر اور افضل؛ مگر اُن کی تعلیم کو ماننا مشکل ہے،☆ بہت مشکل۔ یہ تو منافقت کی شریعت کا حکم ہوگیا۔ یہ منصب منافق کا ہے کہ دل میں کچھ ہو، زبان پر کچھ۔ یہ مومن اور محقق کا منصب نہیں ہو سکتا، خواہ کتنی ہی تاویل کی جائے۔ اور مرزا غالبؔ نے تو اپنی نارسائی پر ماتم کیا ہے ایک طرح سے۔ اس سے اطمینانِ قلب ظاہر نہیں ہوتا، جبر کو تسلیم کرنا اور اُس کے نتیجے میں دل کو بہلانے والی بات ہے: دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اقرار باللسان کرتے رہنا چاہیے۔ محقق جب بھی سب سے بے نیاز ہو کر سچ بولتا ہے تو یہ ایک طرح سے خدا کی خدائی کا اعتراف بھی ہوتا ہے، کہ بس وہی ہے اور کوئی کچھ نہیں، خواہ ویسے وہ کچھ بھی ہو یا رہا ہو۔ یہ نفی، اثبات کی خاطر ہوتی ہے، اِس لیے لا اور الاّ کے دائرے میں آجاتی ہے۔

کیسے ہیں آپ، کب ملاقات ہوگی آپ سے۔ خدا وہ دن کرے۔ (دیکھیے اِس طرح بھی میں نے خدا کو یاد کیا اور اُس کی قدرت اور کارفرمائی کا اعتراف کیا)۔

بھائی خط لکھتے رہا کیجیے۔ قاسمی صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۱۸/اپریل ۱۹۹۸ء

بھائی مولانا!

آج ہی آپ کا خط ملا۔ مبارک باد کا شکریہ،☆☆ مگر اصلاً اِس کے مستحق نقوی صاحب ہیں۔ وہ

☆ فارسی کا مشہور شعر ہے، غالباً مولانا روم کا:

بر زبان تسبیح و در دل گاوخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

میں نے خاں صاحب کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری قدس سرہٗ اپنی مجالس میں اس شعر کو اس طرح پڑھا کرتے تھے:

بر زباں تسبیح و در دل گاودخر ایں چنیں تسبیح ہم دارد

پیش نظر خط اسی کا جواب ہے۔ (ظ)

☆☆ اتر پردیش اردو اکادمی کے انعام کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

نہ ہوتے تو یہ نہ ہوتا۔

لکھنؤ کے جس نسخۂ سحرالبیان کا حوالہ آپ نے دیا ہے، اُسے اکبر حیدری صاحب اپنے خاص انداز میں چھاپ چکے ہیں۔ وہ ہرگز معتبر نسخہ نہیں۔ اُس میں الحاقی شعر بہت ہیں، جنھیں حیدری صاحب قابلِ فخر دریافت سمجھتے ہیں۔ وائے برحالِ ایں "قوم"۔ وہ میرے کام کا نہیں۔ رہے اُس کے اعراب، تو وہ بھی میرے لیے کارآمد نہیں۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں بھی اعراب اور علامات ہیں اور وہ معتبر بھی ہیں اور بہتر بھی۔ گل کرسٹ کے نظامِ املا کے مطابق اعراب لگائے گئے ہیں اور علامات اور رموزِ اوقاف بھی۔ اُس سے بہتر اب تک کوئی دوسرا مطبوعہ یا خطی نسخہ سامنے نہیں آسکا ہے۔ اب تک دو ہزار شعر مکمل ہو چکے ہیں۔ دو سو شعر اور باقی ہیں۔ پھر اِس کے دوسرے متعلقات جن میں سال ڈیڑھ سال تو لگ ہی جائے گا۔

ہاں پچھلے خط میں غرائب اللغات کے خطی نسخے کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی کہ ذرا وہاں دیکھ لیجیے گا، ہے کہ نہیں۔ یا کہیں اور ہو اور آپ کے علم میں آئے۔ جعفر زٹلی کا کلام بھی جمع کر رہا ہوں، اُسے بھی مرتب کرنا ہے۔ دُعاؤں میں یاد رکھیے۔ میں شاید جون کے آخر میں بمبئی جاؤں گا۔ قاسمی صاحب اور قاضی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۱۶رفروری ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

آپ کس دیس چلے گئے ہیں؟ کیا وہاں رسمِ پیام وسلام جاری نہیں۔ مجھے تو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ آپ کم از کم میرے ہاتھ سے تو گئے کہ آپ نے خبر لینا اور خط لکھنا چھوڑ دیا۔ ایسا تو نہیں ہونا چاہیے۔ یا آپ کسی بات پر خفا ہیں؟ مگر ایسی تو کوئی بات ہوئی نہیں، البتہ عالمِ خیال کی مجھے خبر نہیں۔

نقد و نظر میں آپ کی دو تحریریں پڑھیں۔☆ آپ سامنے ہوتے تو داد دیتا، چوں کہ سامنے نہیں، اِس لیے یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بیان کی غیر ضروری طوالت نے ارتکاز کو ختم کر دیا۔

☆ ناچیز کے دو مضامین کی جانب اشارہ ہے، جن کے عنوانات درج ذیل ہیں:
(الف) غالب کی ایک فارسی غزل کا تجزیہ (نقد و نظر، جلد ۱۹، شمارہ ۲)
(ب) تجزیہ غزل مومن (نقد و نظر، جلد ۲۱، شمارہ ۲) (ظ)

آپ کی عمدہ باتیں، بہت سی غیر اہم باتوں میں دب کر رہ گئیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ آیندہ اِس کا لحاظ رکھیں اور بہ قدرِ ضرورت کا اصول سامنے رہے۔

مگر زیادہ اُلجھن مجھے اِس بات سے ہوئی کہ آپ نے غالبؔ کے اردو شعر نقل کیے ہیں، اُن میں سے کئی ایک کا متن درست نہیں۔ آپ سے کم از کم اِس کی توقع میں نہیں کر سکتا تھا۔ علی گڑھ پہنچ کر آپ کی خوے احتیاط کچھ کم ہوگئی ہے غالباً۔ اور جو چاہیں کریں، کوئی کہے یا نہ کہے، مگر آپ اپنے انداز کو کیوں چھوڑیں؟ آپ تو ذوقِ تحقیق رکھتے ہیں۔ ہمیں دوسروں سے کیا غرض۔

ص ۲۶۷: عاشق ہوئے ہیں وہ بھی کسی اور شخص پر۔ صحیح: عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر۔

ص ۲۶۹: ناخن پہ قرض ہے...... ناخن پہ قرض اُس گرہِ نیم باز کا۔

ص ۳۰۶: کہتے ہو نہ دیں گے دل ہم نے گر۔ پڑا پایا۔ ص: کہتے ہو نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا۔

ص ۳۱۱: ہو فشار ضعف سے۔ ص: ضعف میں۔

ایک دو باتیں اور بھی ہیں، مگر وہ بالمشافہ ہوں گی، جب بھی وہ ساعتِ سعید آئے گی۔

غزل کے تجزیے والی تحریر بہت طویل ہوگئی ہے اور اِس طوالت نے آپ کی نکتہ سنجی کو ابھرنے سے روک دیا ہے۔ کاش یہ تحریر طویل نہ ہوتی، کہ اس میں آپ کی طبعِ نکتہ سنج نے دادِ سخن فہمی دی ہے اور عمدہ باتیں کہی ہیں۔

بے اختیار میرا جی چاہا کہ آپ کو خط لکھوں اور توجہ دلاؤں اِن باتوں کی طرف، یوں کہ میں آپ کا قدرداں ہوں اور آپ کی طبعِ نکتہ سنج کا قائل ہوں۔ اگر مصروفیت زیادہ نہ ہو تو خط لکھیے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۲۵ر فروری ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

خط ملا۔ وہم دور ہوا اور دل مسرور ہوا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ میرے حلقۂ احباب اور زمرۂ متعلقین میں ایسے لوگ اب کم اور بہت کم رہ گئے ہیں جن کو خط لکھنے کو جی چاہے؛ یہ وجہ ہے کہ آپ سے شکایت کرنے کو جی چاہتا ہے اور خط کا بھی انتظار رہتا ہے۔ بیماریوں نے اب میرا احوال ذہنی طور پر مرزا غالبؔ کے ان اشعار کا مصداق بنا دیا ہے:

نے ز دانش کامیاب و نے ز بختی تنگدل   شرمسارِ کوششِ بر جبیں و کیوانش منم
ماندہ ام تنہا بکنج از دور باشِ پاسِ وضع   خانہ دارم کہ پندارند دربانش منم

دیکھیے بھائی!☆ طول نگاری، ارتکاز کی دشمن ہے اور اِس سے بعض اور خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ میں نشان دہی کیا کروں، بطخ کے بچے کو تیرنا کس نے سکھایا ہے؛ آپ خود غور کرنے پر سمجھ لیں گے۔ امتثالِ امر کے طور پر صرف یہ کہوں کہ آغاز ہی میں سطر ۶ سے "اردو دیوان... اشعار کہے ہیں" (آخری سطرِ صفحہ) تک کا حصّہ مطلقاً غیر ضروری ہے۔ ہاں اگر آپ غالبؔ کے یہاں بحروں کے تنوّع، انتخاب یا اُن سے متعلق کسی اور مبحث پر کچھ لکھتے، تب یہ سطریں کھپ جاتیں۔ اِن کو نکال دیجیے، تو آپ دیکھیں گے کہ مفہوم آپ کا ذرا بھی نادرست یا ناتمام نہیں ہوا۔ یہی پہچان ہے زوائد کی۔ ایک بات یاد رکھیے: ہم لوگ سب کے لیے نہیں لکھتے، ایک خاص حلقے کے لیے لکھتے ہیں، وہی ہمارا اصلی مخاطب ہے؛ اِس لیے ایسی تمہیدیں یا زوائد قطعاً غیر ضروری ہیں۔ ہاں کلاس روم میں جب لکچر دیں، تب یہ سب کہا جاسکتا ہے۔ اگلے صفحے کا آخری حصّہ بھی اِسی ذیل میں آتا ہے (وغیرہ)۔ جو کچھ معلوم ہو، یا جو کچھ ذہن میں ہو، سب کو شاملِ تحریر کرلینا، اچھی تحریر کے منافی ہے۔ ہر جگہ صرف بہ قدرِ ضرورت لکھا جائے۔ تنقید اور تجزیے میں لفظی کفایت شعاری کی اہمیت بہت ہے اور تحقیق میں تو ہے ہی۔ یہ بات یہاں ختم ہوئی۔

ص ۳۰۹: "لب کو آتشِ خاموش بھی کہتے ہیں۔ ع: یاقوتِ لبش کہ....."۔ دعوا بھی غلط اور مثال بھی۔ ارے بھائی! شاعر نے لب کو نہیں، "یاقوتِ لب" کو آتشِ خاموش کہا ہے۔ یہ عمدہ مرکب تشبیہ، ہے۔ یہ قصور اُسی زائد نگاری کا ہے کہ سب کچھ لکھ دیا جائے۔ فارسی میں "نگاہ داشتن" نگاہ کرنے کے لیے نہیں ملتا؛ زبان کے سلسلے میں ایسے دعوے اِس قطعیت کے ساتھ احتیاط کے خلاف ہوتے ہیں۔ لغت میں کوئی لفظ نہ ہو تو اُس کا مطلب لازماً یہ نہیں ہوگا کہ کلامِ شعرا میں بھی نہیں ہوگا۔ سارا ادب کس نے پڑھا ہے۔ نظر داشتن تو فارسی میں ہے، لغت میں بھی ہے؛ یوں نگاہ داشتن بھی ہوسکتا ہے۔ امکان سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ غالبؔ فارسی میں تقلیدِ اساتذہ کے پابند اپنے کو مانتے تھے، یوں زیادہ امکان اِسی کا ہے کہ اُنھوں نے اِسے کہیں دیکھا ہو۔ آپ یہ لکھ سکتے تھے کہ میری نظر سے یہ نہیں گزرا، یہ محتاط اندازِ بیان ہوتا۔ "درابرو" کو بھی میں نہیں لکھوں گا۔ لغت میں نہ ہونا، دلیل نہیں۔ اصل چیز کلامِ اساتذہ ہے اور سارے اساتذہ کا کلام کس نے دیکھا ہے (اور بھائی! میرے لیے تو غالبؔ ہی کا لکھنا کافی ہے)۔ آپ کی تحریر کے ۱۵ صفحے ہیں، ۵ صفحے یا چھے

☆ یہ خط پچھلے مکتوب (مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۹۹ء) کے تسلسل میں لکھا گیا ہے اور اس میں غالبؔ کی فارسی غزل کے تجزیے کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ اب یہ تجزیہ "نقشِ معنی" (۱۹۹۹ء) میں شامل ہے۔ (ظ)

صفحے ہوتے، تو خوب ہوتا۔ بھرپور بات ہو جاتی۔ آپ نے محمد علی جوہر کا وہ مشہور قول تو سنا ہوگا (وہ لمبے لمبے خط لکھا کرتے تھے) کہ مختصر خط لکھنے کا وقت میرے پاس نہیں۔ بڑی بلیغ بات کہی ہے انھوں نے۔ مختصر لکھنے کے لیے بہت غور کرنا پڑے گا، ذہن میں باتوں کو مرتب کرنا ہوگا، تجزیہ و تحلیل سے کام لینا ہوگا، تب اچھی مختصر تحریر وجود میں آئے گی۔ تحریر کو عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر نہیں بننا چاہیے۔ (اسی نسبت سے اُن کا نام یاروں نے "بخارُ اللہ شاہ عطائی" رکھ دیا تھا)۔ علی گڑھ میں رواں دواں اور قلم برداشتہ لکھنے کی روایت پُرانی ہے اور اب مزید اضافے اُس میں ہو رہے ہیں؛ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر اُس کی پرچھائیں نہ پڑے۔

ہاں بمبئی سے واپسی پر میں جعفر کا دیوان مرتب کرنا چاہتا ہوں، تب وہاں کے ایک نسخے کے عکس کے لیے آپ کو زحمت دوں گا (اور کس سے کہوں گا)۔ اور مولانا ہانسوی کی غرائب اللغات بھی سامنے ہے۔ اِس کے چار اہم ترین خطی نسخوں کے عکس میں نے یک جا کر لیے ہیں؛ ہوسکتا ہے کہ پہلے اِسے اُٹھالوں اس میں بھی آپ کے مشورے اور مدد کی ضرورت ہوگی عربی الفاظ کے سلسلے میں۔ دعا کیجیے کہ میں بمبئی جا سکوں اور پھر وہاں سے بہ عافیت واپس بھی آسکوں اور یہاں آکر حسبِ معمول اپنا کام کرسکوں۔ آبرو☆ والا کام بمبئی کے قیام کے دوران کرلوں گا۔ مجھے یاد ہے۔ بس آپ دعا کیجیے مگر سچے دل سے اور بعدِ نمازِ تہجد۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۲۵/مارچ ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

امتحانات کا زمانہ ہوگا آج کل، یوں آپ بہت مصروف ہوں گے، مگر خط پڑھنے کا وقت تو مل ہی جاتا ہوگا، میرا پچھلا خط بھی ملا ہوگا۔ اب ایک کتاب☆☆ آگئی، کیا کروں، اس میں میرا قصور ہے تو

☆ ناچیز کے "انتخابِ کلامِ آبرو" (۱۹۹۷ء) کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے درخواست کی تھی کہ اس کی خامیوں کی نشان دہی فرمائیں۔ (ظ)

☆☆ "تدوین-تحقیق-روایت" کی طرف اشارہ ہے، جو فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی کے تعاون سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ (ظ)

مگر کچھ کم، اصل قصور اُن احباب کا ہے جنھوں نے مجھے بہکایا اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے اور پھر کمیٹی سے امداد منظور کرائی، اب کیا کرتا، ہامی بھرنا پڑی۔ اب آپ کو پریشان کروں گا کہ اِسے پڑھیے۔ پڑھنے والے اِس قدر کم رہ گئے ہیں کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نام لکھنا ہوتے ہیں، آپ کا نام تو میرے یہاں سرِ فہرست ہے۔

انصاری صاحب کی کتاب بھی بھیج رہا ہوں، میری خاطر زحمت گوارا فرمایئے، ممنون ہوں گا۔ اگر وقت ملے تو رسید بھیج دیجیے گا اس سے مجھے اطمینان حاصل ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۲؍اپریل ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا!

ابھی آپ کا خط ملا۔ میں بہ طورِ محاورہ نہیں، بہ طورِ واقعہ ٹکٹ بدست ہوں، یہاں سے دہلی اور اُسی دن وہاں سے بمبئی جانا ہے۔ پچھلی بار تین (بہت مہنگے) ٹسٹ کرالیے تھے، ایک رہ گیا تھا (مجبوری تھی)۔ اب بتایا گیا کہ اِس وقفے نے اُن تینوں کے نتائج کو کالعدم کر دیا ہے ڈاکٹری نقطۂ نظر سے، اب مجھے پھر سے وہ سب ٹسٹ کرانا ہوں گے، اسی لیے جارہا ہوں۔ واپسی آخرِ جون تک ہوسکے گی۔ ذہن فی الوقت خاصا پریشان ہے، مفصل خط لکھنا مشکل ہے، مگر لکھنا ضرور چاہتا ہوں تاکہ غلط فہمی کا غبار منجمد نہ ہونے پائے۔ بھائی! جب مصلحت پسندی سے کچھ حاصل ہوسکتا تھا، تب کبھی اُس کوے ملامت کا طواف نہیں کیا، اب کیا کروں گا جب دھوپ دیوار سے اُترنے لگی ہے۔ ایسا بالکل نہیں، اور جو خیال آپ کے ذہن میں آیا ہے، وہ بھی اُس شکل میں صحیح نہیں۔ اگر میں ان مجموعوں پر الگ سے کچھ لکھتا، تب شاید پوری بات بیان میں آجاتی، اختصار نے اُس ضروری تفصیل کو رقم نہیں ہونے دیا۔ نسیم صاحب☆ کے مجموعے کو میں نے غیر معتبر یا کم رُتبہ نہیں سمجھا تھا، اب بھی نہیں سمجھتا، ایک اصولی بات تھی طریقِ تدوین کے نقطۂ نظر سے، اس لیے میں نے یہ لکھا تھا کہ اس مجموعے کی طباعت کے لیے امداد دی جاسکتی ہے۔ اگر میری نظر میں وہ غیر معتبر ہوتا تو میں یہ کیسے لکھ

☆ پروفیسر نسیم احمد (شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونی ورسٹی) کے تحقیقی مقالے ''غزلیاتِ سودا۔ تحقیق و تدوین'' (۲۰۰۱ء) کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

سکتا تھا۔ اکبر حیدری صاحب کا تذکرۂ شاعرات بھی تھا، اس کے لیے صاف طور پر لکھا تھا میں نے کہ اِسے بہ غرضِ طباعت امداد نہیں دی جا سکتی۔ آپ اِس سے میری رائے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اکیڈمی خود چھاپے اور چھاپنے کے لیے امداد دے، بس یہ فرق نظر میں تھا۔ یونی ورسٹیوں میں تدوین کا کام نہیں ہو رہا ہے یا قابلِ ذکر نہیں ہو رہا ہے، اِس سلسلے میں یہ مجموعے زیرِ گفتگو آئے تھے کہ ابھی نا امید ہونے کی ضرورت نہیں، بعض لوگ بہت محنت کرتے ہیں اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ اس خط میں تفصیل کی گنجایش نہیں، مگر میں اس موضوع پر گفتگو ضرور کرنا چاہتا ہوں اور مفصل۔ اس کے لیے میں نے یہ طے کیا ہے کہ بمبئی سے واپسی پر، موسم ذرا سا ٹھیک ہوتے ہی، یعنی نومبر میں یا اکتوبر ہی میں دو تین دن کے لیے علی گڑھ آؤں۔ کچھ کام لائبریری میں بھی ہے اور اصلاً آپ سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔ تب تک کے لیے میں اسے اٹھا رکھتا ہوں۔ آپ یہ بتائیے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں دو تین دن قیام کا انتظام ہو جائے۔ کیا اس کی گنجایش ہے کہ غیر سرکاری طور پر آنے والے لوگ بھی وہاں ٹھہر سکیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ سارا خرچ میرے ذمّے ہوگا۔ دن میں لائبریری میں اور رات میں آپ سے باتیں۔ اگر یہ ہو سکے تو آپ لکھ دیجیے تاکہ میں پروگرام بنا سکوں۔ دہلی ویسے بھی جانا ہوتا ہے، وہاں سے بہ آسانی علی گڑھ آ سکتا ہوں۔ ڈاک میری میری عدم موجودگی میں یہاں محفوظ رہے گی اور پھر میں آپ کو اپنے پروگرام سے مطلع کر دوں گا۔

آپ نے گرد پوش کی تعریف کی، یہ تو پبلشر کی تعریف ہوئی، کتاب کی نہیں، اس سے اندازہ ہوا کہ یہ مجموعہ پسندِ خاطر نہیں ٹھہرا، ٹھیک ہے، اگر یہی بات ہے تو میں اِسے اپنے طور پر بھی کالعدم فرض کر لوں گا، خواہ مخواہ فہرستِ کتب میں اندراج بڑھانے سے کیا فائدہ!

قاسمی صاحب اور قاضی صاحب کو بھی کتاب بھیجی ہے، مگر دستی، دیکھیے وہ صاحب کب پہنچاتے ہیں۔ ڈاک کے پیسے بچانے کے پھیر میں یہ کیا۔ اب پچھتا رہا ہوں کہ اُن صاحب نے اگر اس قول پر عمل کیا کہ دل اور کتاب کی چوری جائز ہے (اور میں خود اِسے مانتا ہوں) تو پھر میں تو کچھ بھی نہیں کہہ سکوں گا۔ خیر، دیکھا جائے گا۔ اب میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ اور ہاں، ضروری بات: کیا بنارس میں صدارت بدل گئی، اگر ایسا ہے تو کیا نقوی صاحب ریٹائر ہو گئے؟ اس سے متعلق ضرور لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۷/اگست ۱۹۹۹ء

برادرم صدّیقی صاحب!

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ نقوی صاحب کے خط سے فرزند دل بند کی ولادت کی اطلاع ملی☆ جی خوش ہوا۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔ خدا کرے یہ بچّہ بڑا ہوکر آپ کا اچھا جانشین ثابت ہو۔

آپ کا خط مہینوں سے نہیں آیا، مگر اُس کی شکایت کیا کروں!

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
یک شنبہ ۲۲/اگست ۱۹۹۹ء

بنا پر انسب یہ ہوگا کہ جب دونوں اجزا کو منفصل لکھا جائے، تو الف لکھا جائے (قوافی کی مجبوریوں سے قطعِ نظر، ایسے قوافی جن کا حوالہ مرزا صاحب نے دیا ہے تفتہ کی غزل کے واسطے سے) جیسے: وعظ است، گفتار است، کردار ست۔ جب ایسے اجزا کو متّصل لکھا جائے گا، جیسے: دلست، خوبست، نہانست (وغیرہ) تو ظاہر ہے کہ الف شاملِ کتابت نہیں ہوگا۔ (ایسے اجزا کو مرزا صاحب نے بھی اِسی طرح لکھا ہے)۔ جہاں اجزا کو منفصل لکھنا مناسب ہو (یعنی جہاں ملا کر لکھنے سے کسی طرح کا معنوی اشتباہ پیدا ہوسکتا ہو) وہاں الف ضرور لکھا جائے۔ جن الفاظ کے آخر میں الف ہوتا ہے، جیسے: جفا، وفا وغیرہ؛ اُن کے ساتھ ''است'' کا الف نہیں لکھا جاتا، جیسے خطاست، جفاست۔ مرزا صاحب نے بھی اِس صورت میں الف کہیں نہیں لکھا۔ میں نے اپنی کتاب اردو املا کے املاے فارسی کے باب میں اِس سلسلے کی ضروری تفصیلات کو لکھا ہے [اشاعتِ ثانی ۱۹۹۸ء] مزید تفصیلات کے لیے اُسے دیکھا جاسکتا ہے)۔

اصطبل: مرزا صاحب نے اِس لفظ کو معِ ''س'' لکھا ہے: ''خود جہاں اسطبل تھا، وہاں بیٹھتے ہیں'' (عکسِ مکتوب بہ نامِ نواب حسین مرزا۔ غالب کے خطوط، ص ۶۷۶)۔

اصل فارسی لفظ اِسی طرح ''اسطبل'' ہے۔ ''اصطبل'' اُس کی معرّب صورت ہے۔ معین نے

☆ عزیزم محمد سعد سلمہ اللہ تعالیٰ (مولود ۱۷/جون ۱۹۹۹ء) کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

فرہنگِ فارسی میں اِس کی وضاحت کی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے اندازِ فکر کے مطابق قدیم فارسی املا کو ترجیح دی ہے، اِسی بنا پر اُن کے کلام میں لازماً اِسی طرح (اسطبل) لکھا جانا چاہیے۔ (اِس لفظ کے تلفظ میں بھی تبدیلی ہوئی ہے؛ مگر یہ الگ بحث ہے، جو املا سے غیر متعلق ہے، یہاں اُس کا محل نہیں)۔

اسٹیشن: مکتوبِ غالبؔ بہ نامِ نواب کلبِ علی خاں ، مرقومہ ۱۸؍ دسمبر ۱۸۶۶ء میں یہ لفظ تین بار آیا ہے اور مرزا صاحب نے اِسے بالالتزام سین کے ساتھ لکھا ہے (عکسِ مکتوبِ ہٰذا، غالب کے خطوط، ص ۱۲۱۵)۔ پنسن (پنشن) اور اسٹیسن (اسٹیشن) اِن دونوں لفظوں کو اُنھوں نے بالالتزام اِسی طرح (معِ سینِ مہملہ) لکھا ہے، اِس بنا پر کلامِ غالبؔ میں التزام کے ساتھ ان لفظوں کے اِسی املا کو اختیار کیا جائے گا۔

اَفکندن: مرزا صاحب نے قاطعِ برہان میں لکھا ہے:

”افکندن بہ فتحۂ ہمزہ وفتحۂ کافِ عربی، مصدریست پارسی، وآنرا 'اپکندن' نیز نویسند۔ ومبدلِ آں 'اوکندن' است، بل کہ 'اوژندن' نیز؛ چنانکہ 'شیر افکن' را 'شیر اوژن' نیز نویسند“ (قاطع، ص ۴۴)۔

اِس مصدر کے مشتقات کو بہ طورِ عموم معِ گاف لکھا جاتا ہے، مثلاً عام طور پر ”شیر اَفگن“ کہتے اور لکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کی منقولہ عبارت سے بہ ظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ فارسی میں صرف ”افکندن“ (معِ کافِ عربی) ہے؛ مگر یہ درست نہیں ہوگا۔ فارسی میں افکندن اور افگندن، دونوں طرح ہے۔ برہانِ قاطع کے ایرانی مرتب اور معروف زبان شناس ڈاکٹر معین نے حاشیۂ برہانِ قاطع میں اِس مصدر کو دونوں طرح درج کیا ہے (جلد اوّل، ص ۱۵۰)۔ اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اِس کی پہلوی شکل ”اَفگندن“ (معِ گاف) ہے۔ یہی بات اُنھوں نے فرہنگِ فارسی میں لکھی ہے۔ بہ ہر طور فارسی میں یہ مصدر دونوں طرح ہے۔

چوں کہ مرزا صاحب نے وضاحتاً ”افکندن“ لکھا ہے، اِس بنا پر اُن کے کلام میں اِس مصدر کو اور اِس کے جملہ مشتقات کو صرف معِ کافِ عربی (افکندن، افکندہ، شیر افکن وغیرہ) لکھا جائے گا۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس کا مقصد محض یہ غلط فہمی نہ ہو کہ فارسی میں صرف ”افکندن“ ہے اور یہ خیال کیا جائے کہ ”افگندن“ بجائے خود غلط ہے۔

اَوَد: میر مہدی مجروحؔ کے نام ایک خط کے دو جملوں میں مرزا صاحب نے اِس لفظ کو اِسی طرح، یعنی ہ کے بغیر لکھا ہے: ”اود اخبار میں بادشاہ کے مرنے کی خبر لکھی دیکھی“۔ (۲) ”شاہ اود کی املاک کی بھی واگذاشت کی خبر ہے“۔ (عکسِ مکتوبِ غالبؔ، غالب کے خطوط، ص ۲۸۱)۔

مستعمل صورت ''اودھ'' ہے؛ چوں کہ مرزا صاحب نے بالتکرار ''اوذ'' لکھا ہے، لہٰذا اُن کی تحریر میں اِسی املا کو اختیار کیا جائے گا۔ مہیش پرشاد مرحوم نے ''اوذ'' ہی لکھا ہے (خطوطِ غالب، ص ۲۸۱) اور یہاں یہی درست ہے۔

اوفتادن: ''اوفتادن: اوفتاد، اوفتادہ، اوفتد، اوفت۔ فاعلِ ایں نیز مسموع نیست۔ ہمانا وجہش ایں باشد کہ اوفتادن فعلِ اضطراریست، نہ اختیاری۔ دیگر باید دانست کہ ایں بحث بہ حذفِ واو نیز آید، یعنی: افتادن۔ بلکہ بہ خوفِ الف الف نیز رواست، یعنی فتادن'' (پنج آہنگ، ص ۱۰۵)۔

مرزا صاحب نے یہ وضاحت کردی ہے کہ فارسی میں اِس مصدر کی تین مستعمل صورتیں ہیں (اوفتادن، اُفتادن، فتادن) اور یہ بالکل درست ہے؛ لیکن اُنھوں نے جس ترتیب سے اور جس انداز سے اِس مصدر کی اِن شکلوں کو بیان کیا ہے، اُس سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید مرزا صاحب کے نزدیک مرجح صورت ''اوفتادن'' (معِ واو) ہے یا یہ کہ فارسی میں زیادہ مستعمل صورت معِ واو ہے۔ اِسی لیے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی کہ مذکورہ تینوں شکلیں بجاے خود صحیح اور مستعمل ہیں، اور یہ کہ ''اوفتادن'' کے مقابلے میں فارسی شاعری میں ''اُفتادن'' زیادہ ملتا ہے۔ خود مرزا صاحب نے عموماً اِسی طرح لکھا ہے، ایک ہی مثال کافی ہوگی۔ مکتوب بہ نامِ علائی میں اُنھوں نے اپنی غزل میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالبؔ و کافر نتواں گفت

(عکسِ مکتوبِ غالب بہ نامِ علائی، غالب کے خطوط، ص ۳۸۹)۔ شعری ضرورت کی بات دوسری ہے کہ اُس کے تحت ''اوفتادن'' لکھا جائے، ویسے ''اُفتادن'' ہی لکھا جاتا ہے۔ نظم میں وزن کی بنیاد پر پتا چل جاتا ہے کہ یہاں افتادن ہے یا اوفتادن؛ مگر نثر میں تو اِس بنا پر تعیّن کیا نہیں جاسکتا۔ اِس لیے یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ مرزا صاحب کی نثر میں بھی ''اُفتادن'' ہی لکھنا چاہیے، اِسی طرح اِس کے مشتقات کو۔ ''اوفتادن'' کے مشتقات کا تعلق صرف شاعری سے رہے گا اور اُس کا تعیّن وزنِ شعر کی نسبت سے بہ آسانی کیا جاسکتا ہے کہ کہاں ''اُفتادن'' ہے یا اُس کا کوئی مشتق، اور کہاں ''اوفتادن'' یا اُس کے مشتقات نظم ہوئے ہیں؛ اِسی نسبت سے اُن کے املا کا تعیّن کیا جائے گا۔

بوڑھا، بڑھاپا، بُڑھیا: مولانا عرشی نے حواشیِ مکاتیبِ غالب میں مکتوبِ غالب بہ نامِ نواب کلب علی خاں مرقومہ ۱۸؍جون ۱۸۶۵ء کے ایک جملے پر حاشیہ لکھا ہے۔ جملہ یہ ہے: ''سفر، خصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر''۔ اِس پر عرشی صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

''اصل: بوڈھے، مگر اِس لفظ کو جون ۶۶ء کے عریضے کے ساتھ والی غزل میں

''بوڑھا'' ڑے کے ساتھ لکھا ہے، جس سے یہ، نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ آخر میں میرزا صاحب نے تلفظ اور املا، دونوں بدل دیے تھے'' (ص ۱۵۱)۔

عرشی صاحب کے الفاظ'' آخر میں مرزا صاحب نے تلفظ اور املا، دونوں بدل دیے تھے'' سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرزا صاحب ۱۸؍جون ۱۸۶۵ء کے محوّلہ بالا خط کے زمانۂ تحریر تک ''بوڑھا'' لکھا کرتے تھے، جون ۱۸۶۶ء سے اُنھوں نے ''بوڑھا'' لکھنا شروع کیا؛ مگر یہ بات درست نہیں۔ عرشی صاحب نے مذکورہ خط کا جو جملہ نقل کیا ہے، بلاشک اُس میں ''بوڈہا'' (ڈال کے ساتھ) لکھا ہوا ہے۔ مرقعِ غالب میں اِس خط کا عکس شامل ہے اور وہ میرے سامنے ہے۔ مگر اِس سے پہلے کی اور اِس کے بعد کی جو تحریریں مرزا صاحب کی میرے سامنے ہیں، اُن میں ''بوڈھا'' (ڈال کے ساتھ) کسی ایک جگہ نہیں ملتا، ہر جگہ بوڑھا، بوڑھے اور بڑھاپے ملتا ہے، اِسی طرح بُڑھیا:

بُڑھاپے میں: مکتوب بہ نامِ محمود مرزا، مئی ۱۸۶۳ء۔ عکس مشمولۂ غالب کے خطوط، ص ۳۵-۷

بُڑھیا:

بُڑھاپے نے: بہ نامِ نوّاب یوسف علی خاں، اکتوبر ۱۸۵۹ء،	//	//	ص ۱۲۷۶
بہ شمول بُڑھاپے کے: بہ نامِ نوّاب کلبِ علی خاں، جون ۱۸۶۶ء،	//	//	ص ۱۲۸۹
میرے بُڑھاپے اور میری مفلسی کی: // // اگست ۱۸۶۷ء	//	//	ص ۱۳۰۱
بُوڑھے فقیر کی برادری میں شرم رہ جائے // // ستمبر ۱۸۶۷ء،	//	//	ص ۱۳۰۱
تندرست ہوں مگر بُوڑھا ہوں: بہ نامِ جنونؔ بریلوی، جنوری ۱۸۶۷ء //	//	//	ص ۱۳۰۴
میں بوڑھا اور ناتواں: // // // جون ۱۸۶۴ء //	//	//	ص ۱۵۱۱

۱۸؍جون ۱۸۶۵ء کے محوّلۂ بالا خط میں جو ''بوڈہا'' ہے، اِسے لغزشِ قلم ماننا چاہیے۔ اگر مرزا صاحب اِس لفظ کو دو طرح لکھتے ہوتے تو کہیں اور بھی لکھتے۔ یہ بات کسی طرح کے اشتباہ کے بغیر واضح ہے کہ مرزا صاحب ان سب لفظوں کو ڑ کے ساتھ لکھا کرتے تھے، یعنی: بوڑھا، بڑھاپا، بُڑھیا۔ اِس بنا پر کلامِ غالبؔ میں اِن کو اِسی طرح لکھا جانا چاہیے (میں نے پیش اُنھی مقامات پر لگایا ہے، جہاں خود مرزا صاحب نے لگایا ہے۔ البتہ مرزا صاحب نے بڑھاپے، بوڑھے، بوڑھا لکھا ہے؛ دو چشمی ھ نے لکھی ہے)۔

بوٹی: مرزا صاحب نے نوّاب کلبِ علی خاں کے نام ایک خط میں خلعت سات پارچہ کی تفصیل لکھی ہے۔ اُس میں ''بنارسی تھان سنہری بونٹی'' لکھا ہے (مکتوبہ ۱۸؍دسمبر ۱۸۶۶ء۔ عکس مشمولۂ غالب کے خطوط، ص ۱۲۹۵)۔ اب عموماً ''بوٹی'' لکھتے ہیں، مگر اِس کا ایک املا مع نونِ غنّہ بھی ملتا ہے۔ فرہنگِ آصفیہ میں ''بوٹا یا بونٹا'' اور ''بوٹی یا بونٹی'' ہے۔ ''بونٹے'' باغ و بہار میں ہے

اور ''بونٹی'' سحر البیان میں ملتا ہے۔ اِسی بنا پر مرزا صاحب کے کلام میں اِس لفظ کو اِسی طرح (مع نونِ غنّہ) لکھنا چاہیے۔ دہلی میں انفیت کا رجحان بہت رہا ہے، مثلاً مرزا صاحب نے ''چانول'' (مع نونِ غنّہ) کو مستعملِ فصحا بتایا ہے (اِس کی بحث آگے آئے گی) یہ لفظ ''بونٹی'' بھی اُسی رجحان کی نمایندگی کرتا ہے۔

بھروسا: مرزا صاحب نے جنونؔ بریلوی کے نام خط میں لکھا ہے: ''پس جب اُس کو اپنے پر ایسا بھروسا ہے'' (عکس مشمولۂ غالب کے خطوط، ص۱۵۱۳)۔ غیر فارسی عربی لفظوں کے آخر میں الف اور ہ کی بحث آگے چل کر اِسی عنوان کے تحت آئے گی اور وہاں ایسے دوسرے لفظوں کی یک جائی نشان دہی کی جائے گی۔ مرزا صاحب کی کسی تحریر میں (یعنی اُن کے قلم کی تحریروں میں، جن کے عکس میرے سامنے ہیں) ''بھروسہ'' کہیں نہیں ملتا؛ اِس بنا پر اِس لفظ کے متعلق قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اِسے ''بھروسا'' لکھنا چاہیے۔

پادشاہ، بادشاہ: مرزا صاحب نے تیغِ تیز میں لکھا ہے:

> ''غالبؔ کہتا ہے: ''پاد'' بڑا پُرانا لغت بہ معنی بزرگ کے ہے، اور اِسی سے مرکّب ہے ''پادشاہ''، یعنی سلطانِ عظیم۔ ''بادشاہ'' بہ موحّدہ، غلط ہے۔ چونکہ ہندستان میں ''پاد'' گوز کو کہتے ہیں، اِس لیے ہاے فارسی کی جگہ موحّدہ لگادی ہے'' (قاطع، ص۲۸۱)۔

فارسی میں ''پادشاہ'' ہے (برہانِ قاطع۔ فرہنگِ فارسی)۔ مولفِ غیاث اللّغات نے لکھا ہے:

> ''پادشاہ، بہ ہاے فارسی صحیح است، نہ بہ ہاے عربی۔ وایں کہ در ہندستان بہ ہاے عربی شہرت دارد، ظاہرا از جہتِ استکراہِ جزوِ اوّل است از کلمۂ مذکور، کہ بہ زبانِ ہندی قبیح است۔ ولفظِ ''پادشاہ'' مرکّب است از لفظِ ''پاد'' و ''شاہ'' ......''۔

بھائی مولانا! خط آپ کا مل گیا، شکریہ۔ بھائی! میں آپ کا اس لحاظ سے گناہ گار ہوں کہ آبرو کے انتخاب کے سلسلے میں کچھ نہیں لکھ سکا۔ بس ذرا سی مہلت اور دے دیجیے، یہ ایک کام چھڑ گیا ہے۔ میری کتاب میں املاے غالبؔ پر ایک تحریر ہے، یہ اُسی سلسلے کا ہے، کہ غالبؔ کی خطّی تحریروں سے اہم الفاظ منتخب کیے جائیں اور اُن کا گوشوارہ بنایا جائے؛ تا کہ کلامِ غالبؔ کی تدوین میں یکسانی املا رہے۔ یہ جائزہ صرف مرزا صاحب کی خطّی تحریروں سے مرتّب کیا جائے گا، مطبوعہ سے بحث نہیں کہ اُن میں تو کاتب کا املا ملتا ہے عموماً۔ سحر البیان کی تصحیح میں ذرا سا وقفہ مل گیا، اس میں اس کام کو مکمّل کرنا چاہا ہے، دنوں سے پڑا ہوا تھا۔ اب ہو بھی جائے گا، ورنہ یوں ہی رہ جائے گا، تمبر

کے آغاز میں تو نہیں، ہاں اکتوبر کے آغاز میں آبرو کے متعلق ضرور اپنی رائے لکھوں گا۔ یہ اوراق اس لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ کی رائے مطلوب ہے طریقۂ کار کے متعلق۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں مشورہ کرنے کو اور مشورہ کرتے رہنے کو ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بغیر اچھا کام نہیں ہوسکتا، یوں کہ ہم سب بشریّت سے مجبور ہیں۔ اگر آپ یہ لکھیں گے کہ یہ طریقۂ کار درست ہے تو مجھے اطمینان ہوگا۔ نقوی صاحب سے بھی میں نے رائے مانگی ہے۔ اور تو کوئی نظر میں ایسا اب ہے نہیں جس سے مشورہ کرنا ضروری ہو۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ جہت بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

شروع کے صفحے رہ گئے، عکس نہیں بنا پایا، دوبارہ بھیجنے کی ہمّت نہیں پڑی؛ کیا کرتا۔ بادشاہ کی بحث ناتمام ہے اگلے صفحے پر بھی آئے گی۔ اندازہ کرنے کے لیے یہی صفحے کافی ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ مکمّل گوشوارۂ الفاظِ مصنّف (یعنی بہ خطِ مصنّف) پہلی بار مرتّب ہوگا اور اس لحاظ سے نئی چیز ہوگی اور مفید بھی۔ بیّنوا و توجروا۔

(۱۵)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

شاہ جہان پور

۱۳ر ستمبر ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا! خط مل گیا، شکر گزار ہوں۔ ہاں جاوید طفیل صاحب نے دہلی سے فون کیا تھا۔

تاریخ کے☆ کام کا پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی اور یقین ہوگیا کہ اب یہ کام قاعدے قرینے کا ہوگا۔ میں ابھی سے اس کی راہ دیکھوں گا اور اب اس عمر میں اور کس کی راہ دیکھوں گا)۔

ہاں بھائی! ایک بات دریافت طلب ہے: مرزا غالبؔ نے اپنے قلم سے بار بار اسد اللہؔ، الا اللہؔ، اللہؔ، الٰہی، الٰہ لکھا ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے کیا ایسے مقامات پر مد لکھا جاسکتا ہے؟ (حروفِ مقطعات کی طرح)۔ مگر اس کا جواب جلد تر عنایت ہو، ورنہ میرا قلم رُکا رہے گا۔

چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

آپ جب اُس دور کے اہلِ قلم کی فہرست بنالیں تو اُسے بھیج دیجیے گا۔ تب صحیح طور پر یہ دیکھا جاسکے

☆ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے لیے "تاریخ ادب اردو" کی ایک جلد تیار کرنی تھی، اس سلسلے میں خاں صاحب سے مشورہ لیا گیا تھا۔ یہاں اسی جانب اشارہ ہے۔ (ظ)

گا کہ کیا کوئی نام جسے شامل ہونا تھا، رہ گیا۔ یہی مناسب اور صحیح طریقہ ہوگا۔ اُس وقت میں ضرور غور سے دیکھوں گا اور اپنی رائے سے ضرور مطلع کروں گا۔

(۱۶)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۱۰/۱اکتوبر ۱۹۹۹ء

بھائی مولانا! وَبالفضلِ اَولانا (یا اولینا)!

دیکھیے صاحب، آپ کے خیال سے (یا ڈر سے) ''اولینا'' تو لکھ سکتا ہوں، مگر ''مولانا'' کو نہیں بدل سکتا: اِس کی معذرت۔

خط ملا تھا، خاکہ دیکھا☆، خوب ہے۔ آپ کو تو کام کرنا آتا ہے اور پھر نقوی صاحب ساتھ ہیں۔ تحقیق کو تو عدمِ تقلید راس آتی ہی ہے، اِس لیے سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ مشکل تو میری ہے جو نہ مقلد نہ غیر مقلد۔ یعنی نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا (چوں کہ اپنی مروّت منظور ہے، یوں گھر اور گھاٹ کو بیچ میں نہیں لاتا)۔

ایک بات: اٹھارویں صدی میں فورٹ ولیم کے متعلقات کیسے آسکیں گے، نہیں آسکتے۔ وہاں تو سب کچھ ۱۸۰۰ کے بعد کا ہے، خود وہ ادارہ بھی۔ اِس لیے اُس کی ''نثری خدمات'' کو اصولاً شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اِس طرح شاعروں میں حسرت، جرات، مصحفی، رنگین بھی بہ مشکل جگہ پاسکتے ہیں۔ میر صاحب آدھے اِدھر آدھے اُدھر ہیں، مگر یہ لوگ تو پورے دھڑ کے ساتھ اُدھر ہی ہیں۔ اور یہ شیر محمد خاں ایمان تو برائے بیت آگئے ہیں شاید، رجحان سازی میں یا ارتقائے زبان و اصناف میں ان کا وہ حصہ نہیں جو دوسروں کا ہے۔ اُس زمانے کا اصل ادب تو مذہبی ہے نظم و نثر دونوں میں، خاص کر منظوم فقہی رسالے، مولودنامے، شہادت نامے۔ ہاں نصاب ناموں کا ایک سکشن ضرور ہونا چاہیے۔ آپ یوں دیکھیے کہ جیسے اجے چند نامہ، عہدِ مغل سے پہلے کی تصنیف ہے، سکندر لودھی کے زمانے کی ہے۔ اردو کے لفظوں کی ابتدائی شکل صورت، تلفظ، معنی اِنھی میں محفوظ ہے۔ اسی طرح اُن لغات میں جن کی زبان فارسی ہے، مگر وہ اردو زبان کی ہیں، جیسے مولوی عبدالواسع ہانسوی کا غرائب اللّغات کہ یہ اردو کا پہلا لغت ہے۔ اردو لفظوں کے ذخیرے کے لحاظ سے ان سب کی اہمیّت ہے، یوں ایک باب اِن کے لیے ہونا چاہیے۔ ابتدائی نقوش تو انھی میں بہتر طور پر ملیں گے۔

☆ تاریخ ادب اردو (اٹھارھویں صدی) کے مجوزہ خاکے کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر مکتوب مورخہ ۱۳/ستمبر ۱۹۹۹ء میں آچکا ہے۔ (ظ)

جمل خاں کے معنی میں پنڈت خانہ، اِس کی مجھے ضرورت تھی، کہاں ملا؟ اجے چند نامہ میں اس کا ابتدائی اور اصلی روپ ''پنڈت شالا'' ملا۔ یہ اہمیت ہے ان کی۔ اب علمی قید خانے کا مفہوم سمجھ میں آیا کہ اُس زمانے میں ان پاٹھ شالاؤں میں جو جاتا تھا، جب تک سب کچھ نہ پڑھ لے، نکل نہیں سکتا تھا وہاں سے، دنیا کی نعمتیں اُس کے لیے گویا تھیں ہی نہیں۔

مدد کی تفصیل کا شکریہ۔ ابھی تو نہیں، چند مہینوں کے بعد آپ کو ایک زحمت دوں گا۔ گناہ گار تو میں ہوں اور از سرتا پا، تھوڑا سا گناہ گار زبان اور نگاہ کا آپ کو بھی بنانا چاہتا ہوں۔ سحر البیان سے نپٹ جاؤں تو دیوانِ جعفر زٹلی مرتب کرنا ہے، لندن اور جرمنی اور کناڈا سے اِس کے چار نسخوں کے عکس آگئے ہیں ابھی پچھلے ہی ہفتے۔ ایک نسخہ یا دو نسخے علی گڑھ میں ہیں، زحمت یہ دوں گا آپ بہ چشمِ خود انھیں دیکھ کر یہ بتائیں کہ اُن میں سے کون سا نسخہ تدوین کے لحاظ سے کام کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس کے لیے دو چار صفحے تو پڑھنا ہی پڑیں گے آپ کو۔ خیر، چوں کہ کاتبینِ اعمال فرشتے ہیں (جیسا کہ سنا ہے) اور وہ اردو جانتے نہیں، اس لیے آپ کی زبان سے جو لفظ نکلیں گے، انھیں سمجھ ہی نہیں پائیں گے اور اُن کے پاس ایسا بھی کوئی نہیں ہوگا جیسے آپ میرے لیے ہیں، کہ جب کچھ مشکل ہوئی، خط لکھ دیا؟ اِس لیے شاید اُن لفظوں کی بنا پر کوئی گناہ درج کا غذات نہ ہو سکے۔ اور ہو بھی گیا تو کیا ہوگا، آپ کے اچّھے کام اتنے ہوں گے کہ وہ سب اس کے بوجھ کے نیچے دب جائیں گے۔

خدا کرے آپ بہ عافیتِ کامل ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۱۲؍ جولائی ۲۰۰۰ء

بھائی مولانا!

آپ آخر ہیں کہاں؟ مہینوں سے کچھ پتا نشان ہی نہیں ملا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ کیا کر رہے ہیں۔

ہاں صاحب! سحر البیان چھپ گئی۔ میں نے انجمن کو گیارہ افراد کی فہرست بھیجی تھی کہ ان کو کتاب فوری طور پر بھیج دی جائے۔ آج صبح وہاں سے فون پر بتایا گیا کہ آج (۱۲؍ جولائی) کو کتاب بھیج دی جائے گی، اطمینان ہوا۔ آپ کا نام اُس فہرست میں ہے، اور اسے تو ہونا ہی تھا۔ ''غفور رّحیم''

کے سلسلے میں آپ کے مکتوب کا حوالہ شروحِ تشریحات ہی میں ہے۔ کتاب ملتے ہی رسید بھیج دیجیے گا تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ کتاب پہنچ گئی۔ آپ کی مفصل رائے کا بھی منتظر رہوں گا۔

آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شمس الرّحمان فاروقی صاحب کی صحت کا احوال کیا ہے۔ اُن کا خط پچھلے ہفتے آیا تھا، مگر اُنھوں نے تفصیل لکھنے سے گریز کیا۔ میں مبتلاے اُلجھن ہوں۔ اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو تو فوری طور پر مطلع کیجیے گا۔ اُن کا صحت مند رہنا بہت ضروری ہے۔ یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے۔ مجھے بہت تشویش ہے عدمِ معلومات کی بنا پر۔

آپ اِس سلسلے کی کتابوں میں مفصّل رائے لکھتے آئے ہیں، اِسی لیے اب بھی ویسی ہی مفصّل رائے کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۱۲ر فروری ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا وَ بالفضل اولانا!

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ ایک زمانے سے آپ کے تحریری التفات سے محروم ہوں۔ خیال کیا کہ میں ہی زحمت دوں کہ اسی طرح آپ سے مسرّتِ تخاطب حاصل ہو جائے۔ جعفّر نے ایک ہجو میں (ایک خاتون کی ہجو میں) دو تین شعروں میں عربی کی پیوند کاری بھی کی ہے، اُن اشعار کے سلسلے میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں:

اَیَا اہلُ الدُّو پھر کی وَالبُغارا ۔۔۔ بِچاری اَلمَنذِ وَالغبُ السّپارا
چو نامت ہست عصمت بیگم، اخ تھو ۔۔۔ قُم فی اللّیلِ خُذ مؤتُھ السّپارا

قُم اللّیلَ خُذِ المؤتُھ السُّپارا

مرجّح مصرع کون سا ہوگا ــــ پہلی شکل میں ''موتُھ'' کی تھ مفتوح رہے گی نا! اگر دوسری شکل مرجّح ہے تو پھر اُس کے اعراب کیا ہوں گے: لیلَ، خُذِ، موتُھ۔

اُلوفُ الثَّلَّۃِ الدَّفُو سَٹا کا ۔۔۔ ترا گاید سمرقند و بخارا

''الوف'' کے معدود اور ''الوف'' کے ف، اور ''ثلۃ'' کی ۃ کے اعراب؟ مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ (اہلِ سمرقند و بخارا) سٹاک سے اندر جانے والے ڈفو (ذَکَر) کے ہزاروں دھکّوں کے ساتھ تیرے ساتھ... (''گاید'' مضارع ہے گاییدن کا۔ گاییدن: جنسی عمل میں مصروف ہونا)۔

یہ ثَلّا وہی ہے جو گلّی ڈنڈے کے کھیل میں سُننے میں آتا ہے اور اِسی سے ''ٹلّے نویسی'' کی

اصطلاح بنی ہے: دھکّے کِھتا۔ ٹِلا اور ٹِلا درست دونوں طرح ہے۔ میں نے بہ فتحِ اوّل کو جو ترجیح دی ہے تو حواشی میں اِس کی وجہ لکھ دی ہے۔

بھائی! اِس شاعر نے بہت پریشان کیا ہے۔ بے حد ذہین شخص تھا اور آڑے ترچھے پن کو لازم گردانتا تھا، اِسی نے دوسروں کے لیے مشکلیں پیدا کردی ہیں۔ اسی خاتون کی ہجو میں اسی نظم میں کہا ہے:

چہ خوش گنجایشے داری تو در کُس　　　کُس است ایں یا سرائے روشن آرا

کُس کو سرائے کہنا ذہانت کی روشن مثال ہے، کہ سرائے میں بھی لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اور اُس کی وسعت سب کے لیے سازگار ہو جاتی ہے۔

چُد کولیس وَالچپاٹ فی الدّہر　　　چو تو اے لنڈ بازِ ٹل بخارا

میرا خیال ہے کہ اِس شعر میں تو کوئی دریافت طلب بات ہے نہیں۔ (چپاٹ: چپٹی باز)۔

میر انیس نے کہا ہے:

کیا مفہوم کیا رہِ عصیاں کے میل کو　　　لو کو فیو! گرا دیا حرفِ ثقیل کو

مدرسے میں یہ سب پڑھا تھا، سب بھول گیا۔ ذرا دو سطروں میں لکھ دیجیے کہ کوفہ و بصرہ کا اختلاف کیا ہے، اور یہ کہ ''پٹاری اللنڈ'' میں ی کا سقوط کیا اِسی قاعدے کے تحت ہوا ہے؟

آپ کہیں گے کہ بیگار خوب لاتے ہیں؛ مگر مولانا؟ میں بھی کیا کروں۔ دوسروں کی طرح چوتڑوں سے گھاس کاٹنا مجھے نہیں آتا، اور عربی کے لیے میرے پاس آپ سے بہتر کوئی دوسرا ہے نہیں، اِس لیے صبر کر لیجیے۔

اصغر عبّاس صاحب والا خط آپ ہی کے توسّط سے چند روز کے بعد بھیجوں گا۔

آپ کے التفات کا طلب گار
رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۳/اپریل ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا!

بہ عافیت پہنچ گیا۔☆ آپ نے جس محبت اور تعلّقِ خاطر کے ساتھ میرے ساتھ وقت گزارا اور

☆ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کسی پروگرام میں شرکت کے لیے خاں صاحب علی گڑھ تشریف لائے تھے۔ یہ وطن واپسی کے بعد کا خط ہے۔ (ظ)

اسٹیشن تک جانے کی زحمت گوارا کی، اُس کے لیے منت پذیر ہوں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ میری توقع کے عین مطابق ہوا۔ آپ سے ایسی توقعات وابستہ نہ کروں گا تو اور کہاں جاؤں گا اور کدھر دیکھوں گا۔ علی گڑھ میں ایک آپ ہیں اور ایک میرے پُرانے رفیق مسعود عالم صاحب؛ آگے آیت۔ باقی سب سے سلام دعا ہے۔

آپ کے فون کا انتظار کیا اور کروں گا۔ سمجھ گیا کہ آپ انصاری صاحب سے رابطہ قائم نہیں کر سکے ہیں ابھی تک۔ دیر تو لگے ہی گی۔ بہ ہر طور منتظر رہوں گا، یوں کہ اور کوئی صورت نظر میں نہیں۔

فی الوقت دو کتابیں بھیج رہا ہوں آپ کے مشورے کے مطابق۔ ایک قاضی جمال صاحب کو دے دیجیے۔ اب یہ اُن پر ہے کہ ایسی غیر دل چسپ کتاب کو پڑھیں یا نہ پڑھیں اور دوسری امتیاز احمد کو۔ یہ نوجوان شخص ضرور پڑھے گا، اس کا مجھے یقین ہے۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

آپ کا خط آنے پر وہ کتاب بھیجوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہان پور
۲/اگست ۲۰۰۱ء

بھائی مولانا!

خط ملا، جس میں ایک بڑا یاس آمیز جملہ بھی مندرج تھا کہ سکوں میسّر نہیں۔ مجھے بھی میسّر نہیں، مگر مجھے اُس کا احساس ہی نہیں۔ سکون تو وہاں بھی نہیں ملے گا، یہاں کی کیا بات ہے۔ اِنھی حالات میں سب کچھ کرنا ہے۔

جس کتاب کا نام آپ نے پوچھا ہے، اُس کا نام ہے: اشاریۂ کلامِ غالب۔ یہ عرض کر دوں کہ یہ مرحوم فاروقی صاحب کا کرایا ہوا کام تھا اور اُن کے کرائے ہوئے سارے کام ساقط المعیار ہیں، یہ بھی ویسا ہی ہے۔ انھوں نے صدر کی طاقت سے کام لے کر آخر میں میرا نام بھی دو دوسرے ناموں کے ساتھ لکھ دیا تھا اور میں اسے روک نہیں سکتا تھا، مگر میرا حصّہ دور کا جلوہ ہے اور بس۔ اس کے اندراجات سے میں ذرا بھی مطمئن نہیں اور نہ مآخذ سے۔ ہاں یہ خواہش ضرور تھی کہ اس کام کو میں اپنے انداز سے کر سکتا۔ کبھی کروں گا ضرور، مگر وہ کبھی کب آئے گا، یہ معلوم نہیں۔ آپ سے ملاقات ناتمام سی رہی، اب اگر ادھر سے گزرنا ہو تو لکھیے گا، چند گھنٹے آپ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع مل

جائے گا۔ اب کبھی کبھی تنہائی کا احساس ہونے لگتا ہے اور یہ اِس کا نشان ہے کہ قُوا واقعی مضحل ہوگئے ہیں۔ اب سے پہلے ہمیشہ تنہا رہا اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ تنہا ہوں۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ بہ قولِ غالبؔ دُکانِ بے رونق کے خریدار ہیں۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

۲؍دسمبر ۲۰۰۲ء

بھائی مولانا!

آپ ہیں کہاں؟ گھر پر فون کیا تو بتایا گیا کہ لاپتا ہیں۔ خیال آیا کہ تلاشِ گم شدہ کی رپٹ لکھاؤں۔ پھر خیال آیا کہ شاید دہلی گئے ہوں نارنگ صاحب کے یہاں۔ بہ ہر طور، ایک بنڈل چار کتابوں کا کوریر سے شعبے کے پتے پر بھیجا تھا، ملا☆؟ اب یہ چند ورقی رسالہ بھیج رہا ہوں،☆۲ یہ آپ کے کسی مطلب کا ہے؟ نہ ہو تو کسی کو دے دیجیے، (اگر کوئی اِس قابل ہو۔ اس جملے کے ''اگر'' کو چار بار لکھنا چاہیے تھا مجھے)۔ ؎

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی

بھائی مولانا!

آپ کی فرمایش پر یہ اوٹ پٹانگ سی تحریر، جو جوڑ پیوند سے تیار کی گئی ہے مگر جس میں شروع کے دو صفحے تازہ تازہ ہیں، آپ کی نذر ہے☆۳۔ پسند آئے تو فبہا، ورنہ سند ثبوت کے لیے اپنے ہی پاس محفوظ کر لیجیے۔ رسید فوراً دیجیے فون پر۔ آنے کا پروگرام کیا ہے؟ بہت گرمی ہے اور بجلی کا ذرا سا بھی بھروسا نہیں۔ اب آپ جانیں۔ مہینا بھر اور ٹھہر جایئے کہ موسم ذرا سا سنبھل جائے۔ یا جیسا

☆ ''مصطلحاتِ ٹھگی'' کی طرف اشارہ ہے۔ (ظ)

☆۲ اس سے مراد ''کفایۃ المتحفظ و نہایۃ المتلفظ'' فارسی رسالہ ہے، جو ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل معروف بہ ابن الاجدابی الطرابلسی کی تصنیف ہے۔ (ظ)

☆۳ ناچیز نے آرٹس فیکلٹی جرنل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی، یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مضمون ''صحتِ متن'' کے عنوان سے متذکرہ جرنل (جنوری ۲۰۰۵ء، شمارہ:۳) میں شامل ہے۔ (ظ)

آپ مناسب سمجھیں۔ نقوی صاحب سے آج ہی بات ہوئی اور فاروقی صاحب سے بھی۔
رشید حسن خاں
(۱۸؍اگست ۲۰۰۴ء)☆

(۲۳)

بنام: پروفیسر ظفر احمد صدیقی
شاہ جہاں پور
۹؍ستمبر ۲۰۰۴ء

بھائی مولانا!
لیجیے تحریر حاضر ہے۔☆☆ اگر آپ کی نظر میں ٹھیک ٹھاک ہو تو کہیں پر جوڑ لگا دیجیے، آخر میں بھی بے محل نہیں رہے گا۔ یہ خط جب مل جائے تو رسید مُنہ زبانی عطا فرمایئے، اِس بہانے آپ کی آواز ایک بار پھر سن لوں گا۔ ہاں اب اُس لغت کی ترتیب کا مسئلہ طے ہو جانا چاہیے، کب؟
رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ اِن لینڈ لیٹر کی پشت پر دہلی اور وارانسی کے ڈاک خانوں کی دو مہریں بالترتیب ۲۳؍اور ۲۵؍مئی ۱۹۹۵ء کی ثبت ہیں۔

۲۔ اس خط کے پہلے تین صفحوں کا عکس نہیں۔ خاں صاحب نے خط کے آخر میں لکھا ہے کہ عکس نہیں بن پایا اس لیے نہیں بھیج سکا۔ اصل میں یہ خط نہیں غالب کے کلام اور تحریروں میں استعمال ہونے والے الفاظ کا گوشوارہ ہے۔ یہ شاہ جہان پور سے ہی بھیجا گیا ہے۔

۳۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے تحریر ہے۔ یکم جنوری ۱۹۹۶ء سے رشید حسن خاں صاحب مستقل طور پر شاہ جہان پور منتقل ہو گئے تھے، لہٰذا یہ خط شاہ جہان پور سے ہی لکھا گیا ہوگا۔

۴۔ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج نہیں ہے۔ خط کے ساتھ لفافہ بھی نہیں ہے۔

★ ★ ★

☆ یہ خط ملنے کی تاریخ ہے، جو میں نے اُسی وقت لکھ دی تھی۔ (ظ)

☆☆ خاں صاحب نے اپنے مضمون ''صحتِ متن'' میں شامل کرنے کے لیے علاحدہ سے ایک مختصر تحریر بھیجی تھی، جسے ان کی ہدایت کے مطابق آخر مضمون میں لاحق کر کے شائع کر دیا گیا۔ (ظ)

بنام ظفر ادیب

(۱)

مکرّمی!

خط ملا، اس سے پہلے میں اردو بازار کے پتے پر آپ کو لفافہ لکھ چکا ہوں، جس میں میں نے یہ لکھا ہے کہ جس رسالے کا آپ تقاضا کرتے ہیں، میں نے اس کی صورت ہی نہیں دیکھی۔ آپ کے دو فرستادے تشریف لائے تھے، اُن سے زبانی یہی بات کہہ دی تھی، اب آپ نے پھر وہی مطالبہ کیا ہے۔

صاحب! میں اپنی اور آپ کی مرحوم جوانیوں کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ وہ رسالہ میرے پاس نہیں، میں نے دیکھا ہی نہیں۔ میرے پاس وہ آتا ہی نہیں۔ اردو بازار میں ملتا ہے، آپ آپ وہیں پھیرا لگاتے ہیں، اس کے باوجود آپ کا تقاضا مجھ پر ہے۔ اب اور کیا کہوں۔

خدا کرے آپ بعافیت[۱] ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱ خط پر مقام و تاریخ درج نہیں۔ اِس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کب اور کہاں سے لکھا گیا اور کس پتے پر۔ 'بعافیت' خاں صاحب نے یہاں ملا کے لکھا ہے، جسے یہ عموماً الگ 'بہ عافیت' لکھا کرتے تھے۔

★★★

بنام ظہور الدین، ڈاکٹر

(۱)

۱۳ر ستمبر ۱۹۸۹ء[1]

محبِ مکرّم!

کل دعوت نامہ ملا۔ میں جلدی میں ابھی سے مبارک باد بھیجے دے رہا ہوں، وقت کا بھروسا نہیں۔ میری طرف سے پیشگی یہ دلی مبارک باد قبول کیجیے۔ آپ کی ہمّت اور وسعتِ قلب کی داد دیتا ہوں کہ شروع سے لے کر اب تک ''ادائے فرض'' سے غافل نہیں ہوئے، جب کہ یہ سارا کاروبارِ شوق ''یک طرفہ'' ہوتا رہا (اور شاید آیندہ بھی یک طرفہ ہی رہے گا) سچ ہے: ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔

خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور ایسی ہی توفیق، ایسا ہی ظرف اور ایسی ہی ''نشاطِ کار کی ہوس'' اوروں کو بھی عطا کرے۔ بیگم صاحب کی خدمت میں آداب۔

خدا کرے آپ اِس ذمّے داری سے بھی حسبِ معمول بہ خیر و خوبی عہدہ برآ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں، میں ۱۷ر اکتوبر سے ۲۴ر اکتوبر تک احمد آباد میں رہوں گا، وہاں پرائمری کے اساتذہ کے لیے املا ورک شاپ ہے۔ یہ محض احتیاطاً لکھ رہا ہوں۔ میرا خط تو مل گیا ہوگا۔

(۲)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

۲ر مارچ ۱۹۹۴ء[2]

ظہور صاحب مکرّم!

کل آپ کا خط ملا۔ کان فرنس کی کامیابی کا احوال پڑھ کر بے حد مسرّت ہوئی، اُسی نسبت سے اپنی عدمِ شرکت کا افسوس ہوا۔ آپ سے ملاقات کو دل بہت چاہتا ہے، دیکھیے کب اس کی نوبت آتی ہے۔

میں آج کل گلزارِ نسیم کو مرتّب کر رہا ہوں۔ باغ و بہار کی اِس وقت کوئی جلد میرے پاس

نہیں، ورنہ فوراً بھیجتا۔ میں نے بھیجی تھی، اب وہ راستے میں غائب ہوگئی تو کیا کروں! معلوم ہوا کہ خوش ذوق لوگ ہیں۔ چلیے، یہ بھی غنیمت ہے۔ اسی طرح سہی کتاب پڑھیں تو۔

میرے مضامین کا مجموعہ تفہیم چھپا ہے، اور مختصر سی ایک کتاب بچّوں کے لیے انشا اور تلفظ۔ ایک کتاب عبارت کیسے لکھیں زیرِ طبع ہے۔ آجائے تو بھیجوں گا، مگر گھر کا پتا لکھیے، تاکہ بہ حفاظت پہنچ سکے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور حسبِ معمول فعّال۔ بیگم صاحب کی خدمت میں آداب اور دعائیں، دونوں ایک ساتھ۔

صدارت کب بدلے گی؟

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

شاہد علی خاں صاحب 'کتاب نما' کا ایک خاص نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی اُسے کتابی صورت میں بھی لائیں گے۔ اُن کی اور میری، دونوں کی خواہش ہے کہ آپ کی تحریر بھی اُس میں شامل ہو۔ دو بار سے زیادہ وہاں طویل ساتھ رہا ہے (آزاد صاحب کے زمانے میں) اور وہ شب و روز آپ کی نظر میں ہوں گے۔ اگر ممکن ہو تو اپنے تاثرات بھیج دیجیے جو بھی آپ چاہیں وہ موضوع رکھیے، بات تو ایک ہی رہے گی، بہ قولِ نسیم: یہ چاند اُس کے ساتھ چلا جو جدھر گیا۔

(۳)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
۱۹؍مارچ ۱۹۹۴ء

برادرم!

آج ۱۹؍مارچ کو آپ کا خط ملا۔ چوں کہ آپ نے اس پر تاریخِ تحریر لکھی نہیں، اس لیے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کب لکھا گیا تھا۔

میں اپریل میں خالی رہوں گا اور پھر ۱۵؍مئی کے بعد بھی خالی رہوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے یہاں امتحانات کب ہوں گے۔ بہ ہر صورت، آپ جس طرح چاہیں طے کرلیں۔ بس مجھے اواخر اپریل یا پھر مئی میں کسی وقت دن بھر کے لے چنڈی گڑھ جانا ہوگا، ہریانہ اکیڈمی کا ایوارڈ لینے کے لیے۔ آپ ۱۵؍اپریل کے بعد رکھ سکتے ہیں۔ دس بارہ دن کا وقفہ یوں ضروری ہے کہ رزرویشن بہ آسانی مل سکے۔

خیال تھا کہ حسرت سمینار میں آپ سے ملاقات ہوگی، مولانا سے کل ضرور ملاقات ہوئی۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

گائر ہال

۱۴ر اگست ۱۹۹۴ء

محبی!

کل آپ کا خط یہاں پہنچا تھا، اکتوبر، نومبر، دسمبر کی تخصیص نہیں، آپ کے لیے سارا سال ہی خالی ہوں۔ جو مصروفیات ہیں، وہ تو نوشتۂ تقدیر ہیں کہ زندگی بھر ساتھ رہیں گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں بس ایک بات: ذرا یہ دیکھ لیجیے گا کہ مہمان خانے (نئے اور پرانے) میں کوئی باتھ روم انگریزی انداز کا بھی ہے۔ جب سے گھٹنے کی ہڈی بڑھ گئی ہے، تب سے اُکڑوں بیٹھنا مشکل ہوگیا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ہر شخص کو نہیں لکھ سکتا اور ایسی مجبوری ہے کہ اِس کا مداوا بھی نہیں۔

(۵)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

شاہ جہان پور

۲۸ر ستمبر ۱۹۹۴ء

محبِ مکرم!

آپ کا ایک خط آیا تھا، جس کا جواب فوری طور پر لکھ دیا گیا تھا۔ یہ انداز اُ دو مہینے پہلے کی بات ہے۔ اُس سلسلے میں اُس کے بعد سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا، تشویش ہے۔ خدا کرے حالات سازگار ہوں اور متعلقین بہ عافیت ہوں اور شعبے کا کام بہ حُسن وخوبی ہو رہا ہو۔ صورتِ حال سے مطلع کیجیے، ممنون ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۸ر اگست ۱۹۹۵ء

محبِ مکرّم!

آج رزرویشن ہوگیا۔ میں یہاں سے ۳۱ر اگست کو شالیمار اکسپریس سے چلوں گا۔ یکم ستمبر کو صبح وہاں پہنچوں گا۔ اگر آپ کسی طالبِ علم کو اسٹیشن بھیج دیں گے، تو اِس سے مجھے بہت سہولت ہوگی اور بہ آسانی آپ تک پہنچ سکوں گا۔

میں اُسی دن، یعنی یکم ستمبر سے اپنا کام شروع کردوں گا۔ دس ساڑھے دس بجے تک تیار ہوکر شعبے پہنچ جاؤں گا۔

برسات کا عالم ہے اور یقین ہے کہ وہاں بھی پانی دھواں دھار برس رہا ہوگا؛ پھر بھی توقع کرتا ہوں کہ یہ خط آپ تک بہ حفاظت پہنچ جائے گا۔ اگر آپ ایک سطری رسید بھیجیں گے تو مجھے اطمینان ہوجائے گا کہ یہ خط آپ تک پہنچ گیا۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

گائر ہال

۱۲ر اگست ۱۹۹۵ء

مخمی ظہور صاحب!

چند روز قبل ایک لفافہ بھیج چکا ہوں، جس میں اپنے آنے کا پروگرام لکھا تھا کہ میں ۳۱ر اگست کو یہاں سے چلوں گا شالیمار اکسپریس سے، یکم ستمبر کی صبح کو جموں پہنچوں گا۔

چوں کہ ڈاک کا نظام بھی آج کل یوں ہی سا ہے اور موسم برسات کا ہے، یوں محض احتیاطاً یہ دوسرا خط لکھ رہا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

شاہ جہاں پور

۴ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

محبِ مکرّم!

میں بہ خیریت یہاں پہنچ گیا۔ آپ نے جس اپنائیت، خلوص اور جذبۂ غم گساری کے ساتھ خبر گیری کی اور اپنی محبت سے نوازا، اُس کے لیے بہ دل ممنون ہوں۔ شکریہ کیا ادا کروں، کہ آپ کا

طرزِ عمل اُس سے کہیں برتر تھا۔ خدائے پاک ہمیشہ آپ کو کام یاب اور شادکام رکھے اور اپنے مخلصین پر اسی طرح مہربان رکھے۔ بیگم صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔ یہاں آتے ہی قہوہ بنوایا، عمدہ بنا؛ مگر دو باتیں ضرور محلِ نظر رہیں: ایک تو یہ کہ میں نے اُن کی ہدایت کے مطابق زعفران کا ایک تار ایک پیالی میں ڈالا تھا، مگر وہ گھلا نہیں، بدستور رہا۔ سو اُسے چمچے سے اٹھا کر زبان پر رکھ لیا۔ آپ کے یہاں وہ بھی گھل گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ بادام کے ریزے تہ میں بیٹھ گئے۔ آپ کے یہاں قہوے پر تیر رہے تھے۔ اِس میں یقیناً میرے اناڑی پن کو دخل رہا ہوگا۔ خیر، نقل کرتے ہی کرتے بھانڈ بنتا ہے۔ خدا کرے لغت کے کارڈ بننا شروع ہو گئے ہوں۔ میں ۱۵/اکتوبر کے قریب دہلی پہنچوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
شاہ جہان پور
۱۷/اکتوبر ۱۹۹۵ء
محبی!

میں کل یعنی ۱۸/اکتوبر کو دہلی کے لیے روانہ ہوں گا۔ یہاں آج کل کا ایک پرانا شمارہ مل گیا، جس میں آگ کا دریا سے متعلق ایک مضمون تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی طالبِ علم کا موضوع آگ کا دریا کا تہذیبی مطالعہ بھی تھا۔ کام یاد نہیں۔ ایک لڑکی (جو کہیں استاد بھی ہے) اس کا موضوع بھی کچھ ایسا ہی تھا، شاید کئی ناولوں کا مطالعہ۔ بہ ہر حال، یہ تحریر جس کے بھی کام کی ہو، آپ بہ طورِ خود اُسے دے دیجیے۔ اُس کے کچھ کام آجائے گی۔ میرے پاس بے کار ہی پڑی رہے گی۔ میرا پہلا خط آپ کو مل گیا ہوگا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
گائر ہال
۵/نومبر ۱۹۹۵ء
محبی!

میں نے شاہ جہان پور سے دو خط لکھے تھے۔ ایک لفافے میں ایک مطبوعہ تحریر بھی تھی آگ

کے دریا سے متعلق۔ رسید نہیں ملی، تشویش ہے۔ ازراہِ لطف اپنی خیریت سے فوری طور پر مطلع فرمایئے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
۱۶؍مارچ ۱۹۹۶ء

بھائی میرے! دونوں خط مل گئے۔ آپ مجھ بوڑھے کو کہاں بلا رہے ہیں۔ مقامی جلسہ ہے، اس کے لیے آپ سے بہتر اور کون ہوگا۔ میں ضرور آؤں گا، مگر پھر کبھی۔ اِس وقت تو میری معذرت قبول کر لیجیے۔ دن بھر کے لیے وہاں آ کر کیا کروں گا۔ زہرِ عشق کی ہیروئن کے الفاظ میں یہی کہنا پڑے گا: حسرتِ دل نگوڑی باقی ہے۔

خدا کرے آپ کا جلسہ کام یاب ہو اور یہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کا جلسہ نا کام یاب کبھی نہیں ہوتا۔ خدا آپ کو خوش رکھے کہ ہمیشہ اور ہر موقعے پر یاد رکھتے ہیں اور یاد کرتے ہیں۔ اب یہ وضع داری کہاں!

اربابِ جلسہ کو سلام

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
۱۱؍جنوری ۱۹۹۷ء

محبی! نیا سال مبارک ہو۔

دِنوں سے خیر خبر کچھ نہیں معلوم ہوئی۔ چند روز قبل جموں سے ایک ایسے صاحب کا نئے سال کی مبارک باد کا خط آیا تھا، میں جن سے واقف نہیں: امین بنجارا صاحب۔ اُن کا خط پا کر اچانک یاد آیا کہ وہ بھی ایک زمانہ تھا جب جموں سے کم سے کم ایک مخلص وغم گسار کا خط ضرور آتا تھا۔ دِنوں پہلے سنا ہوا ایک شعر یاد آ گیا، غالباً پاکستانی شاعر عزیز حامد مدنی کا ہے:

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے، تو کیا تری بزمِ خیال سے بھی گئے!!

اب معلوم ہوا کہ لوحِ دل پر شاید ایک نام دُھندلا گیا ہے، کم تاب ہو گیا ہے۔ خیر، خدا کا شکر ہے کہ

کم تاب ہی ہوا ہے، مٹا نہیں۔

کیسے ہیں آپ، بچّے کیسے ہیں اور بھابی کا احوال کیا ہے۔ میں ٹھیک ہوں جتنا اِس عمر اور اِس موسم میں ٹھیک رہ سکتا ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف اور مشغول۔ مثنویاتِ نوّاب مرزا شوق (زہرِ عشق والے) مرتّب کر چکا ہوں، جلد ہی چھپے گی اور اب مثنوی سحرالبیان شروع کی ہے۔ آپ کی یاد آتی ہے تو اکثر آتی ہے۔ غالبؔ سمینار میں دہلی گیا تھا، خیال تھا کہ شاید آپ بھی ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔

ہاں بھائی! وہ دلجیت ورما کے مقالے کا کیا ہوا۔ اُس غریب کو ڈگری ملی یا نہیں؟ بہت پہلے اُس کا خط آیا تھا، کئی مہینے پہلے، میں جواب نہیں لکھ سکا تھا اور لکھتا بھی کیا۔ پھر کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔ کالرا صاحب نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے، اب اُنھیں کیسے مناؤں؟

اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

شاہ جہان پور

۳۰؍جون ۱۹۹۷ء

محبِ مکرّم!

ایک زمانہ ہو گیا کہ آپ کے التفات سے محروم ہوں، نہ خط نہ خبر، نہ پیام نہ سلام۔ آخر ایسی کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے؟

تم سلامت رہو ہزار برس

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

۱۶۷- باڑوزئی- دوم

شاہ جہان پور- ۲۴۲۰۰۱

۱۵؍ستمبر ۱۹۹۷ء

مُحبّی!

آپ کا مکتوب مورخہ ۶؍جولائی ۱۹۹۷ء پیشِ نظر ہے۔ یہ خط مجھے کل ملا ہے۔ میں ۱۰؍جولائی کو بمبئی کے لیے روانہ ہوا تھا۔ دو ماہ کے بعد پرسوں ۱۳؍ستمبر کو واپسی ہوئی ہے۔ ڈاک میں آپ کا

خط محفوظ تھا۔ ہاں بھائی! بمبئی علاج کے سلسلے میں وہاں گیا تھا، بہت سی دوائیں ساتھ لے کر آیا ہوں۔ مگر تشویش کی کوئی بات نہیں۔ کینسر کا شبہ تھا، سو وہ غلط ثابت ہوا۔ سارے ٹسٹ کرا لیے گئے، البتہ یہ کہا گیا اور یہ بات اب سے چار مہینے پہلے کہی گئی تھی، جب میں بمبئی گیا تھا، کہ .T.B کے کچھ ہلکے اثرات ہیں۔ اُن کا علاج کیا گیا۔ اب بہت بہتر ہوں، مگر ابھی ۲۵ر اکتوبر تک دوا کھانا ہوگی، اُس کے بعد آزاد ہو جاؤں گا۔

آپ کی مصروفیات کی اطلاع کالرا صاحب کے خط سے ملی تھی۔ مبارک ہو۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور مصروف۔ دسمبر کے چوتھے ہفتے میں غالب سمینار میں دہلی جاؤں گا اور وہیں سے غالب صدی سمینار میں شرکت کے لیے بمبئی جاؤں گا، جو جنوری کے پہلے ہفتے میں ہوگا۔ یہ ہے میرا پروگرام۔ دسمبر تک خالی ہوں اور جنوری کے بعد بالکل خالی ہوں۔ یہ بات آپ کے استفسار کے جواب میں لکھ رہا ہوں۔ آپ سے ملاقات کو گویا مدت گزر گئی۔ خدا کرے جلد تر ملاقات کی صورت نکلے۔ بیگم صاحب سے سلام کہیے۔ توقع کرتا ہوں کہ سب لوگ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین

شاہ جہان پور

۲۲ر مئی ۱۹۹۸ء

محبی! آداب

ایک زمانے کے بعد آپ کا خط ملا۔ کیسی مسرّت ہوئی ہے، یہ میرا دل جانتا ہے۔ آپ نے بہت عمدہ مذاکرہ کیا ہے۔ جی خوش ہوا۔ اس عمدہ کارکردگی پر میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔ صحت میری بس یوں ہی سی ہے، مگر کام برابر کرتا ہوں۔ سحرالبیان اب مکمّل ہونے ہی والی ہے۔ اس پر ڈھائی سال لگ چکے ہیں۔

آپ کا یہ سمینار میرے لیے تو اِس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ اس کے واسطے سے آپ کا خط مجھے مل سکا۔ خدا کرے آپ ایسے سمینار کرتے ہی رہیں تاکہ مجھ کو آپ کے خط ملتے رہیں۔ بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے اور دیگر رفقائے شعبہ سے بھی۔ کالرا صاحب سے آج کل برابر مراسلت ہو رہی ہے۔ وہ غالباً ۳۱ر مئی کو رٹائر ہوں گے۔

ہاں یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر اسلم پرویز کو رٹائرمنٹ کے بعد پروفیسر شپ ملی ہے اور بنارس میں حنیف نقوی صاحب بھی پرنسپل پرموشن اسکیم میں آگئے ہیں اور اصلی پروفیسر شپ غالباً

قمر جہاں کو ملی ہے۔ کالرا صاحب وہاں گئے تھے۔ مجھے ایک اور صاحب نے مطلع کیا تھا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور حسبِ معمول مصروف۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
شاہ جہان پور
۱/۵ اکتوبر ۱۹۹۸ء

مخی ظہور صاحب!

میں دو ماہ کے بعد اب بمبئی سے آیا ہوں، وہاں زیرِ علاج رہا۔ دنوں سے آپ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی، نہ کالرا صاحب کا احوال معلوم ہوا۔ جی چاہا کہ آپ کی خیریت معلوم کروں۔ اپنے احوال سے مطلع کیجیے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر ظہور الدین
شاہ جہان پور
۱۶/ا کتوبر ۱۹۹۸ء [۱۲]

مخی!

خط ملا، شکریہ۔ ہاں بھئی! اب کے بہت پریشان رہا۔ ڈاکٹروں کے پھیر میں بے طرح یا بُری طرح آگیا تھا۔ کم بختوں نے بڑے مہنگے ٹسٹ کیے، تین ٹسٹ؛ مگر مشکل یہ آن پڑی کہ دو ڈاکٹر تھے، کوئی فیصلہ نہیں کر پائے۔ دوائیں دے دی ہیں، پھر بلایا ہے۔ اب کون جاتا ہے۔ جان بچی تو لاکھوں پائے۔ اُن لوگوں نے تو کپڑے تک اُتروا لینے کا انتظام اور اہتمام کر لیا تھا۔

میں پہلے کی طرح ہوں، اٹھتا بیٹھتا ہوں، کھاتا پیتا ہوں، وہی صبح ساڑھے پانچ بجے اٹھتا ہوں، دن بھر کام کرتا ہوں، رات بھر سوتا ہوں۔ ہاں احتیاطاً دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ نہ بخار نہ کھانسی۔

مخطوطات کا احوال معلوم ہوا۔ اصلاً اِس میں بڑا حصہ آپ کی سخت جانی کا بھی ہے؛ ورنہ سند ثبوت ہوتے ہوئے بھی لوگ کچھ نہیں کر پاتے۔ محتسب کی اہمیت اور ضرورت ہمیشہ رہے گی، زندگی میں بھی اور ادب میں بھی۔ بمبئی سے دو ماہ بعد ۲۷ ستمبر کو واپسی ہوئی تھی۔

اور آپ کے لُغت کا، خوش نویسی سیکھنے والے طلبہ کے املا کا اور سردار صاحب (نام بھول گیا،

ہیلتھ ڈپارٹ منٹ کے رٹائرڈ) کے تحقیقی مقالے کا کیا ہوا۔ آپ کے بچے اب تک سارے امتحانات سے گزر کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ گئے ہوں گے۔ بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے۔ اور ہاں فیض پر جس کتاب کو لکھا جانا تھا؛ لیجیے یہاں بھی نام بھول گیا، آپ کی چھوٹی بھاوج (حیرت ہے کہ اُس بچی کا نام ذہن سے نکل گیا۔ توبہ توبہ! آپ اُس سے نہ کہیے گا!) انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب سنبھل کر فیض پر ایک کتاب مرتب کریں گی، یعنی لکھیں گی، اور غیر جذباتی طور پر جائزہ لیں گی۔ کچھ کیا صاحب زادی نے؟

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے، اس کی پشت کا عکس ہے۔ خاں صاحب اِس وقت دہلی ہی میں تھے۔ مکتوب الیہ کا پتا یہ ہے:

Dr. Zahoor Uddin, Department of Urdu, Jammu University, Jammu

۲ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳ مکتوب نگار کا مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۴ تاریخ نیچے درج ہے۔

۵ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہے لیکن تاریخ نیچے انگریزی میں بھی درج ہے۔

۷ مقام اوپر درج ہے اور تاریخ نیچے۔

۸ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۰ نام، مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۲ ان لینڈ خط کی پشت پر پتا یوں درج ہے: پروفیسر ظہور الدین

1- Prof. Zahoor Uddin, Head Department of Urdu, Jammu University, Jammu-180004

رشید حسن خاں

2- BAROOZAI-II, Shahjahan Pur - 242001, U.P

خط کی عبارت کے دائیں طرف کسی Abnd نام کے تین ٹیلی فون نمبر درج ہیں:

576235, 520323, 431162

★ ★ ★

بنام: عابد حسین کلیم بریلوی، سیّد

(۱)

رام پور رضا لائبریری
فورٹ، رام پور، یو. پی (انڈیا)
۲۶/دسمبر ۱۹۶۲ء

برادرم!

خط ملا تھا۔ آج توفیقِ جواب ہوئی ہے۔ اِس وقت رات کے ۱۲½ بجے ہیں۔ دن بھر کے کام پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد، یہ خط بہ عجلت لکھ رہا ہوں۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہیں، اور اعضا شل ہیں۔ سارا دن مسلسل لائبریری میں کام کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا تفصیل زبانی۔ میں کوشش کروں گا کہ اکتوبر کی کسی تاریخ کو آؤں، دیکھیے فرصت ملتی ہے یا نہیں۔

بھائی صاحب سے سلام کہیے۔ باقی سب کو سلام و دعا۔ تمھارے مفصل خط کا منتظر ہوں۔ ہاں! کل عروجؔ صاحب کے والد کا انتقال ہوگیا۔

رشید حسن

پتا: برادرم سیّد عابد حسین کلیم بریلو، دفتر اخبار ''ندرت'' محلہ شاہ آباد، بریلی Bareilly

(۲)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۶
۲۱/اگست ۶۳ء

عابد صاحب!

ایک لفاف کئی ہفتوں پہلے ارسال کیا تھا، جواب غائب! یہ کیا حرکت ہے، فی الحال اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ بھائی صاحب کو سلام و نیاز۔ چشم بہ راہ ہوں۔

رشید حسن

(۳)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۶
۴ر اکتوبر ۶۳ء[۳]

برادرم!
دو خط لکھ چکا ہوں۔ جواب ندارد۔ یہ کون سا انداز ہے۔ پہلی فرصت میں بفصل خط لکھیے تا کہ پچھلا کفارہ بھی ادا ہو جائے۔ بھائی صاحب کیسے ہیں، سلام نیاز
رشید حسن

(۴)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۶
۲۴ر جون ۱۹۶۴ء[۴]

برادرم!
آپ کا لحاف مع غزلوں کے ملا تھا۔ میں اس کے تیسرے دن شاہ جہان پور چلا گیا تھا اچانک۔ گھر سے خط آیا کہ طبیعت خراب ہے۔ فوراً چل دیا۔ واپسی پر پیچش سے دوچار ہوگیا۔ اس تاخیر پر معذرت طلب ہوں۔ میں نے دو غزلیں رسالۂ 'تحریک' کے حوالے کر دی تھیں۔ ایک غزل جو خط کی پشت پر تھی، نہ معلوم کیا ہوئی۔ آپ کو غزل علاحدہ کاغذ پر لکھنا چاہیے تھی۔ اس افراتفری میں وہ خط معلوم نہیں کہاں رکھ دیا۔ نتیجتاً غزل بھی گئی۔
کیا اڈیٹر تحریک نے رسید غزل بھیجی؟ اور کیا حال ہے۔ بھائی صاحب کیسے ہیں؟ اور بچّے کس حال میں ہیں۔ سب کو درجہ بدرجہ سلام و دعا۔ البتہ اپنی بیگم سے سلام ہی عرض کرنا بلکہ سلام نیاز۔
رشید حسن

(۵)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
۴۰-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی[۵]
دہلی-۶
۷ر جولائی ۶۴ء[۶]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا۔ میں اس سے پہلے ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں۔ وہ بھی ملا ہوگا۔ بھائی! بدگمانی کیوں کرتے ہو، گناہ گار ہوگے۔ میں نے وہ غزلیں رسالۂ تحریک کے حوالے کر دیں۔ ان کا خط آپ کو ملا ہوگا رسید کا۔ چھپ بھی جائیں گی۔ اب کیا شکایت ہے؟ ہاں، میرا تازہ تبصرہ پڑھا؟ رائے تو لکھی ہوتی۔ کہ ذرا جی خوش ہو جاتا۔ یہ تو دیکھو، کیسے کیسے رستم و اسفندریار سے جرأت مقاومت کرتا ہوں۔ کبھی داد بھی دو۔ اچھا اب تو خط لکھو۔

رشید حسن

(۶)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
۱۸۲-جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی[۶]
دہلی-۶
۱۰/اگست ۶۴ء

برادرم!

لفاف مع غزل ملا۔ بھائی میں ادھر سخت حیران رہا۔ اس سال مجھے ہوسٹل میں کمرہ نہیں مل رہا تھا، بمشکل کل ملا ہے۔ لیکن پہلا والا کمرہ چھوٹ گیا۔ ایک دوسرا کمرہ دیا گیا ہے۔ پہلے ۴۰ میں تھا اب ۱۸۲ میں آگیا ہوں، لہٰذا اسے نوٹ کر لیجیے اور آیندہ پتے میں ۱۸۲ لکھیے۔

کل سامان منتقل ہوگا۔ ذرا سانس لوں تو غزل کہیں بھیجوں۔ تحریک میں غزلیں غالباً اسی ماہ آجائیں گی۔ اور کیا حال ہے۔ بھائی صاحب کیسے ہیں۔ میرا اسلام کہہ دیجیے۔ برادر! میری کاہلی کو نظر انداز کر کے، آپ برابر خط لکھتے رہا کیجیے۔ میں بعض دفعہ کاموں میں اس طرح کھو جاتا ہوں کہ دم لینے کی فرصت نہیں ملتی۔ لہٰذا بدگمانی کے بجائے فراخ دلی سے کام لیا کیجیے اور خط لکھ دیا کیجیے تا کہ ذرا یاد دہانی ہی ہو جائے۔ میں شاید اگلے ماہ کے آخر میں ۲ دن کے لیے شاہ جہان پور جاؤں گا۔ اگر گیا، تو دو تین گھنٹوں کے لیے بریلی بھی رکوں گا۔

مخلص
رشید حسن

(۷)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی
C-11/11 ماڈل ٹاؤن[۸]
دہلی-۹
۳/مئی ۶۵ء

برادرم!

یہ تیسرا خط ہے، پہلے دو خطوں کا ہنوز منتظر ہوں، خیریت ہے؟
اب کے تو آپ بے پروائی میں مجھ سے بھی آگے بڑھ گئے۔
چشم براہ ہوں۔

رشید حسن

(۸)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی

رضا لائبریری
رام پور
۳؍جون ۶۵ء

برادرم!

میں ۴؍کی شام کو ۸ بجے آرہا ہوں۔ گھر پر ہی ملاقات ہونا چاہیے۔ یہ اطلاع محض احتیاطی ہے کہ آپ کہیں چل نہ دیں۔ رات ہی میں واپسی ہوگی۔

رشید حسن

(۹)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی

C-11/11 ماڈل ٹاؤن
دہلی-۹
۴؍جولائی ۶۵ء

برادرم!

اب سے بس کچھ دیر پہلے ہی لوٹا ہوں۔ بچے ساتھ آئے ہیں۔ شاہ جہان پور جس دن پہنچا اسی دن رات میں بعض احباب بالجبر نینی تال لے گئے دس پندرہ دن وہاں گزارنے کے بعد واپسی ہوئی۔

یہ خط محض خیریت کی اطلاع کا ہے، کوئی خاص بات۔

رشید حسن

(۱۰)

بنام: سیّد عابد حسین کلیم بریلوی

دہلی-۶
۱۲؍اگست ۶۵ء

عُمرت دراز باد۔ فراموش گارِ ما

رشید حسن

حواشی:

۱ عروج زیدی بدایونی۔ پوسٹ کارڈ قیمت ۶ ر چھ پیسے نئے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲ لفافے کو ''لفاف'' لکھا ہے۔

۳ نام کے ساتھ ''خاں'' کا لاحقہ نہیں ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۷ اس طرح کو ''اسطرح'' ملا کر لکھا ہے ''بل کہ'' کو بلکہ لکھا ہے۔ بعض جگہ اِس کے نیچے زیر کا استعمال نہیں کیا ہے۔ ''تشدید'' کا استعمال بھی نہیں اور ''رائے'' اور ''جائے'' پر ہمزہ کا استعمال بھی ندارد ہے۔ ''یہ'' کے نیچے لکھن نہیں میں نے لگا دیا ہے۔ کہہ دیجیے ملا کر لکھا گیا ہے۔ پتے میں انگریزی ہندسوں کا استعمال کیا ہے جب کہ تاریخ میں اردو ہندسوں کا استعمال ہے۔

۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

بنام عابد سہیل

(۱)

شاہ جہان پور
۲۴؍مارچ ۱۹۹۹ء[1]

برادرم!

کتاب (جینے والے) مل گئی تھی، رسید اب بھیج رہا ہوں۔ اپنی رائے (کتاب پڑھ کر، بغیر پڑھے نہیں) مغربی بنگال اردو اکیڈمی (یعنی جناب سالک لکھنوی) کو بھیج رہا ہوں آج ہی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ کے نام سے وہاں اسی سال سے ایک نیا انعام شروع کیا گیا ہے افسانوی مجموعے پر، جو ۹۸ء کا مطبوعہ ہے۔ میری نظر میں اس کے لیے اس مجموعے سے بہتر کوئی اور مجموعہ نہیں ۹۸ء کی مطبوعات میں۔ تجریدیت کی لایعنیت کے خاتمے کے اعلان کے طور پر اس کو دیکھا جانا چاہیے، جس میں کہانی پن، بیانیہ اور سماجی حقیقت نگاری؛ تینوں اہم افسانوی اجزا نے مجموعی طور پر جگہ پائی ہے۔ انھوں نے مجھے بھی اُس پینل میں شامل کیا ہے جس سے رائے مانگی گئی ہے۔ ماننا نہ ماننا اُن کا اختیار ہے۔

آج ہی اپنی فضول نگاری کا بھی ایک مجموعہ بھیج رہا ہوں جو کل ہی آیا ہے۔ اسے بھریے بھگتیے۔ رسید بھیجیں گے تو ممنون ہوں گا اور اطمینان ہوگا کہ وہ آپ تک پہنچ گیا۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عابد سہیل
شاہ جہان پور
۲۶؍مئی ۲۰۰۱ء[2]

مخمی!

کئی دن پہلے خط ملا تھا۔ بمبئی سے واپسی پر طبیعت خراب ہی رہی۔ خط میں والدہ صاحبہ کے انتقال کی اطلاع پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ ہر وہ شخص جس کی محبت کرنے والی ماں کا انتقال اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوا ہو، وہ اِس حادثے کی دل دوزی سے خوب واقف ہوگا؛ میں بھی اِس سے

دوچار ہو چکا ہوں اور آپ کے غم کو محسوس کرسکتا ہوں۔ خداے پاک (اگر وہ کہیں ہے) مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ (یہ جملہ محض بر بناے روایت لکھا گیا ہے۔ جنت کیا واقعتاً ہے؟ اِس کا احوال مجھے معلوم نہیں۔ میں تو بس ایک جنت کو مانتا ہوں جو شدّاد نے بنوائی تھی اور ہمارے زمانے میں جس کے نمونے دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ اِس آنکھوں دیکھی کے سوا اور کسی خیالی فردوس سے میں واقف نہیں۔ اِسے جملۂ معترضہ سمجھا [جا]ئے)۔

ایسی بہن کا اُٹھ جانا بھی قیامت سے کم نہیں۔ آپ اِن تین حادثوں سے دوچار ہو کر (نصرت پبلشرز کا مرحوم ہو جانا، والدہ کا انتقال اور بہن کی جدائی) جس کرب سے دوچار ہوں گے، اُسے دوسرے اچھی طرح سمجھ نہیں پائیں گے۔ یہاں آپ کی روایتی سخت جانی حقِ رفاقت ادا کرے گی اور باہوش وحواس رکھے گی۔ کاش مجھے اس کی توفیق ہوتی کہ وہاں آکر تعزیت کرسکتا اور سچی ہمدردی کے چند بول کہہ سکتا۔ ہاں آنے والے دنوں میں اِس کی ایمان دارانہ کوشش ضرور کروں گا کہ چند گھنٹوں کے لیے وہاں آکر، کچھ دیر بیٹھ کر ایسی باتیں کریں جیسی باتیں محفل میں نہیں کی جاسکتیں؛ یعنی کچھ غیبت کریں، کچھ تبرّا بھیجیں، ایک دوسرے کے احوال پر مل کے آہ وزاریاں کریں اور اِس طرح مابعدِ جدیدیت کے مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ خدا وہ دن کرے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط عابد سہیل پبلشر لکھنؤ کے نام ہے۔

22-SP, Sector 'C', Aliganj, Lucknow - 226024

۲۔ عابد سہیل لکھنؤ میں کسی زمانے میں پبلشر تھے۔

★★★

بنام عبدالرّزاق قریشی

(۱)

E 2/16 ماڈل ٹاؤن
دہلی-۹
۲۹/دسمبر ۶۶ء[۱]

محبِ مکرّم!

پرسوں شام کو شاہ جہاں پور سے واپسی ہوسکی، لیکن اس حال میں کہ بخار اور نزلہ جلو میں تھا اور اب بھی رفیق ہے۔ میز پر آپ کا پُرخلوص تعزیت نامہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے جس مخلصانہ انداز سے غمگساری کی ہے، اس سے مجھے بہت تقویت ملی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے۔ اِس زمانے میں رسم غمگساری اُٹھتی جارہی ہے، آپ جیسے کچھ مخلص برانوں کی یادگار باقی ہیں۔ اس کے بعد اللہ جانے کیا ہوگا۔

ہاں بھائی، میرے ذہن نے دھوکا دیا تھا، میرے پاس حکایت کا جو مجموعہ ہے وہ وہی ہے جو آپ کے پاس ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ ناقص الآخر ہے۔ صرف ۵۸ صفحات ہیں۔ اگر یہ آپ کے کام کے ہوں، یعنی آپ کے پاس جو نسخہ ہے، اس سے کچھ زیادہ صفحے اِس نسخے میں ہوں تو بھیج دوں۔ کام کی کتاب کام والے شخص کے پاس پہنچ جائے گی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ انجمن اسلام کا نسخہ بھی ناقص الآخر ہے۔

خدا کرے آپ بعافیت کامل ہوں۔

رشید حسن

(۲)

بنام: عبدالرزاق قریشی
70- جبلی ہال، مال روڈ
دہلی-۹
۷/دسمبر ۶۸ء[۲]

محبِ مکرّم!

تقریباً ایک ماہ کے بعد حیدرآباد سے واپسی ہوئی۔ اور آتے ہی حسبِ معمول نزلے کا شکار

ہوا۔ کاموں کا وہ ہجوم ہے کہ الاماں۔ یہ مرزا غالبؔ تو واقعی مصیبت بن گئے ہیں۔ بقول شخصے: شامت اعمال، صورت غالب گرفت۔ بھائی، مضامین کا یہ، سلسلہ میں نے دل لگا کر شروع کیا تھا۔ اور اس کی تکمیل میری سب سے بڑی تمنا ہے۔ بہت کچھ کہنے کے لیے ابھی باقی ہے۔ لیکن آج کل یہاں غالب پرستی کے طوفان میں اس طرح گھرا ہوا ہوں کہ فرصت کے لمحات عنقا ہیں۔ صبح سے شام بل کہ رات گئے تک یہی مصیبت رہتی ہے تو برادر! اس بار معاف کر دیجیے۔ چار قسطیں تو مسلسل شائع ہوئی ہیں۔ پانچویں قسط ایک وقفے کے بعد شائع ہو تو کچھ ایسا بُرا نہیں۔ مجھے خود اس کی بہت فکر ہے۔ اور مجھ سے زیادہ خوشی کسے ہوگی اس سلسلے میں کچھ باتیں کہہ کر، لیکن بندگی بے چارگی۔ کیا کروں، بے حد مجبور ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ برادرانہ نوازش سے کام لیتے ہوئے اس بار مجھے ضرور بخش دیں گے اس کے بعد عذر معذرت کروں تو لائق تعذیر۔

زیدی صاحب کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔

مخلص

رشید حسن

(۳)

بنام: عبدالرزاق قریشی

70- جبلی ہال، مال روڈ

دہلی-۷

۲۶ رمئی ۶۹ء

محترمی!

محبت نامہ ملا، منت پذیر ہوں۔ بھائی! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مضمون نہ لکھوں، آپ سے وعدہ خلافی کروں۔ جب کہ آپ کی نوازش خاص ہمیشہ میرے شاملِ حال رہتی ہے۔ آپ نے میری مجبوری پر ترس کھا کر، خود ہی وقت بڑھا دیا۔ اب آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ۲۰ رجون کو یہ مضمون حوالۂ ڈاک ہو جائے گا۔ میں شاہ جہان پور جانا چاہتا تھا، لیکن اب یہ طے کر چکا ہوں کہ یہ مضمون لکھ کر ہی سفر کروں گا۔ تاخیر کا کچھ تو کفارہ ادا ہو۔

ہاں بھائی، ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ خواجہ میر دردؔ کے دیوان کا کوئی قدیم ترین مطبوعہ اڈیشن وہاں ہے اور اگر ہے تو کس سنہ کا ہے، سخت ضرورت ہے۔ اور کیا آبِ حیات کا دوسرا اڈیشن کہیں دیکھنے کو مل سکتا ہے۔ آپ کے علم میں ہے؟ اِن دونوں امور کا جواب مطلوب ہے، چشم

براہ ہوں۔ میرا مضمون آپ قطعی سمجھیے، ہاں جولائی کے آجکل میں غالبؔ سے متعلق شائع شدہ کُتب ورسائل پر میرا مفصّل تبصرہ شائع ہوگا، جی چاہتا ہے کہ آپ اسے ملاحظہ فرمائیں اور مجھے داد دیں۔

رشید حسن

حواشی:

۱۔ مقام نہیں، تاریخ اوپر درج ہے۔ نیچے صرف نیاز مند رشید حسن لکھا ہے۔ خاں کا لاحقہ نام کے ساتھ نہیں۔

۲۔ مقام و تاریخ سرنامے پر درج ہے۔ ٹکٹ پر ڈاک خانے کی مہر ۹؍دسمبر ۱۹۶۸ء کی ہے اور دوسری مہر بمبئی جی. پی. او. کی ۱۰؍دسمبر ۱۹۶۸ء کی ہے۔ ان لینڈ لیٹر کی قیمت چھے پیسے۔

۳۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے باہری ٹکٹ پر ڈاک خانے کی مہر ۲۷؍مئی ۱۹۶۹ء کی۔ ان لینڈ لیٹر کی قیمت پندرہ پیسے ہے۔ نام صرف رشید حسن لکھا ہے۔

★★★

بنام عبدالوہاب خاں سلیم

(۱)

شاہ جہان پور
۲۷ر ستمبر ۲۰۰۴ء

محبِ مکرّم!

دنوں سے آپ کی آواز سُننے کو نہیں ملی، تشویش ہے۔ ازراہِ لطف خیر و عافیت سے مطلع فرمایئے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ خیریت ہوں۔ میں نے فرض کرلیا ہے کہ آپ عمرہ کرنے چلے گئے ہوں گے اور وہاں میرے لیے دُعا کر رہے ہوں گے۔ یہی بات ہے نا! آپ کی آواز سُننے کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۱۴ر جنوری ۲۰۰۵ء

آپ کا بھیجا ہوا لفافہ علی گڑھ سے ہوتا ہوا یہاں آ گیا، یہ پرسوں کی بات ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔ میں نے کل (جُمعے کے دن) آپ کو فون کیا۔ آپ کے خط میں دو فون نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے نمبر پر جواب ملا کہ مکان بدل گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر جو کہا گیا اُس سے میں بس اِتنا ہی سمجھ پایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں۔ میری اُلجھن اور بڑھ گئی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ اِس وقت کہاں ہیں۔ میں فون کرنا چاہتا ہوں، مگر یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کو میں کس نمبر پر فون کروں، جہاں آپ موجود ہوں، ازراہِ لطف کسی سے مجھے فون کرا دیجیے تاکہ میں صورتِ حال سے واقف ہو کر، اپنی تسکین کے لیے آپ کو فون کرسکوں اور آپ کی خیریت معلوم کرسکوں۔ منتظر ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے۔

دعا گو اور منتظر
رشید حسن خاں

(۳)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۶رمئی ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرّم! سلامِ شوق

آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۲۷/اپریل نظر نواز ہوا۔ بہت ممنون ہوں کہ آپ نے دیارِ پاک میں بھی اپنے اِس نیاز مند کو یاد رکھا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کے طفیل میری صحت یابی کی رفتار مزید تیز ہو جائے گی۔ جزاک اللہ خیرا۔

ہاشمی صاحب کا لاہور سے خط آیا تھا، مشفق خواجہ مرحوم کے خط منگائے تھے۔ میرے پاس مرحوم کے بہت خط تھے، طویل خط، وہ میں نے یہاں انجمن کو دے دیے تھے کہ محفوظ ہو جائیں۔ بہت تلاش کرنے پر ایک خط ملا، پرسوں وہی بھیج دیا ہے، اِس تاکید کے ساتھ کہ اُس کی عکسی نقل وہ رکھ لیں اور اصل خط آپ کے نام امریکہ بھیج دیں۔ اُس میں (دیگر کئی خطوں کی طرح) آپ کا نام دو جگہ آیا ہے۔ میرا جی چاہا کہ یہ اصل خط آپ کے پاس محفوظ ہو جائے۔

مرحوم کی یاد بہت آتی ہے، بہت۔ اب ایسا کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔ ہاں، ہاشمی صاحب نے کچھ مطبوعہ مضامینِ تعزیت بھی بھیجے، اُن میں ایک تحریر ڈاکٹر معین الرحمان کی بھی ہے۔ خاں صاحب! میں نے ایسی غیر مناسب اور نامعقول تعزیتی تحریر آج تک نہیں دیکھی تھی، دل دُکھ گیا۔ افسوس!!

ہاں، علی گڑھ سے لفافہ میرے پاس بہ حفاظت آ گیا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے سپاس گزار ہوں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ کی یہ غمگساری (غم گساری) میرے لیے کیسا آبِ حیات بن گئی فوری طور پر ——

تم سلامت رہو ہزار برس　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

میں نے علی گڑھ دو بار فون کیا، رابطہ قائم نہ ہو سکا، معلوم نہیں فون خراب ہے یا وہ لوگ تھے نہیں۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۲۲/اگست ۲۰۰۵ء

محبِ مکرّم!

چند روز پہلے سلمان خلیل صاحب کا بھیجا ہوا لفافہ موصول ہوا۔ میں ادھر بارہ ۱۴ (چودہ) دن سے بستر سے لگا رہا، یوں اُن کو رسید بھی نہیں بھیج سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ کل سے طبیعت رو براہ (بہ راہ) ہوئی ہے تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

میں بارہا سوچتا ہوں کہ اگر آپ کا بے ریا خلوص اور غم گساری میرے شاملِ حال مسلسل نہ رہتی تو کیا صورتِ حال پیدا ہو جاتی! آپ کی صحت و عافیت کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ خدا کرے ذیابیطس کی شکایت اب پریشان کُن نہ ہو۔ میں اِدھر بے خوابی کی شکایت سے بے طرح متاثر ہوا ہوں۔ ساری ساری رات گزر جاتی ہے اور ایک لمحے کے لیے نیند نہیں آتی۔ خیر، یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔

ایک بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کلیاتِ اقبال پر میرا مفصّل تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں میں نے لکھا تھا کہ اقبالؔ کو سب کچھ ماننے کے باوجود آج کے دن تک اُن کے اردو فارسی کلیات کا کوئی اڈیشن اصولِ تحقیق و تدوین کے مطابق مرتب نہیں کیا جا سکا۔ نمایشی کام تو بہت کر لیا گیا لیکن خالص علمی سطح پر متن کی ترتیب نہیں کی جا سکی، کیوں کہ اِس کے لیے جس قدر محنت کی ضرورت ہے، اُس کے لیے کسی کے پاس یا تو صلاحیتیں نہیں یا وقت نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی صاحب نے میرے اِس مضمون کی مکمّل تائید میں ایک مضمون لکھا تھا تو شائع ہوا تھا۔ اب اُن کی جو نئی کتاب اقبالیات: تفہیم و تجزیہ شائع ہوئی ہے، اُس میں اُنھوں نے میرے اُس تبصرے کو بھی شامل کر لیا ہے اور اپنے اُس تائیدی مضمون کو بھی۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اب پاکستان میں یہ بہت مشکل اور بہت صبر آزما کام نہیں ہو پائے گا۔ انجمنِ ترقّیِ اردو (ہند) نے ایک تجویز میرے پاس بھیجی ہے کہ میں کلیاتِ اقبال اُردو کو اصولِ تحقیق کے مطابق مرتب کروں۔ اِسے انجمن اپنے طور پر چھاپے گی۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی اور اپنی ساری خرابیِ صحت کے باوجود میں نے اِسے منظور کر لیا، لیکن اس ترمیم کے ساتھ (کہ اقبالؔ میوزیم، لاہور میں) اقبالؔ کے جو کاغذات ہیں جن میں اُنھوں نے اصلاح و تبدیلی کی ہے، اُن سے استفادے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لیے عملی صورت یہ ہے کہ ترتیب کلّیات کے اس کام کو میں اور ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی، دونوں مل کر کریں۔ سرورق پر مرتّب کے طور پر دونوں کا نام ہو، اِس طرح یہ کام آسانی سے ہو جائے گا اور بہتر طور پر ہو سکے گا۔

انجمن نے میری اس تجویز کو منظور کر لیا اور ہاشمی صاحب کو خط لکھا ہے۔ سو اگر یہ کام ہو گیا تو خان صاحب! یہ اپنے انداز کا منفرد کام اور یادگار کام ہوگا اور دونوں ملکوں کی طرف سے ایک طرح

سے خراجِ عقیدت ہوگا۔ یہ بہ جائے خود ایک نئی علمی مثال ہوگی علمی تعاون کی۔ مگر آپ کی دُعاؤں کے بغیر یہ کام نہیں ہو پائے گا۔ میری درخواست ہے کہ آپ بہ طورِ خاص کئی بار دُعا کیجیے کہ مجھے اِس کام کی تکمیل کی توفیق عطا ہو۔ آپ کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔ یہ میری زندگی کا آخری بڑا یادگار کام ہوگا۔ اِس کا اعتراف مقدمۂ کتاب میں واضح لفظوں میں کیا جائے گا کہ اگر عبدالوہاب خاں سلیم کی دُعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں اور اُن کی مسلسل غم گساری، اُن کا اصرار، اُن کی ہمت افزائی میری معاونت نہ کرتی تو یہ کام نہیں ہوسکتا تھا —— اب یہ فرمائیے کہ یہ تجویز آپ کو پسند آئی؟ غالب والے کام کی کمپوزنگ ہو رہی ہے اور تصحیح بناتا جاتا ہوں، غالباً سال بھر میں وہ مکمل ہو جائے گا اور کتاب پریس چلی جائے گی۔ کلیاتِ اقبال والا کام ہاشمی کا خط آتے ہی شروع کرنے کا مصمّم ارادہ ہے۔ آپ نے متعدد حج کیے ہیں، عُمرے کیے ہیں، شب بیداری اور خدا کی یاد اور عبادت آپ کی طبیعت کا جُز ہے؛ اِس لیے یقین ہے مجھے کہ جب آپ اِس نئے کام کی تکمیل کے لیے دُعا کریں گے تو وہ ضرور قبول ہوگی —— میرا فون کچھ دنوں تک خراب رہا، اب پرسوں ٹھیک ہوا ہے۔ آپ کی ہمت بڑھانے والی آواز دنوں سے نہیں سُنی، ممنون ہوں گا اگر آپ فون کریں گے۔ یہ فرمائش میں کسی اور سے نہیں کرسکتا، اور کرتا بھی نہیں۔ بہ قولِ غالب: ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۲۸ راگست ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۴ راگست کو ملا، شکریہ۔

میں اِس سے پہلے ۲۲ راگست کو ایک خط آپ کے نام بھیج چکا ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ اب تک وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ سلمان خلیل صاحب کے خط کی رسید بھیج دی گئی۔

میں نے اُس خط میں کلّیاتِ اقبال سے متعلّق ضروری تفصیلات لکھ دی ہیں۔ اِس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ دو چار دن میں جب بھی آپ ہاشمی صاحب کو فون کریں، یہ تاکیداً کہہ دیں کہ انجمن کو اور مجھے اُن کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ ہاشمی صاحب بہت عمدہ آدمی ہیں، مگر خط لکھنے میں بہت کاہل ہیں، کیا کیا جائے! اُن کا خط آجائے تو میں کلّیاتِ اقبال کے تحقیقی اڈیشن کا خاکہ

بنا کر اُن کے پاس بھیجوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ یہ کام جلد ہی شروع ہو جائے۔ جلدی خاص کر یوں ہے کہ بے خوابی کے مرض نے سارا ذہنی نظام ہلا کر رکھ دیا ہے۔ راتیں گزر جاتی ہیں اور پلک نہیں لگتی۔ خیر، یہ سب تو یوں ہی رہے گا۔ میں اقبال والے کام کو مثالی کام کے طور پر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اِس میں دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔

آپ کی عافیت اور صحت کا احوال پڑھ کر بہت اطمینان ہوا۔ آپ کے لیے ہر وقت دُعا کرتا ہوں۔ آپ جیسا دوسرا مخلص اور غم گسار مجھے کہاں ملے گا! ہاں، اب تو فون کر لیجیے، میرا فون بالکل ٹھیک ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم

شاہ جہان پور

یکم ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرّم!

کل شادی کا سادہ و پُر کار دعوت نامہ ملا۔ اِس کی سادگی و پُر کاری دیکھ کر آپ کے حُسنِ ذوق پر ایمان لے آیا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد (؟) قبول فرمائیے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی ہدیۂ تحسین و آفریں اور مبارک باد (؟) پیش کرتا ہوں۔ دُعا کرتا ہوں کہ دولھا دُلھن ہمیشہ شادکام و بامراد رہیں (آمین)۔ آپ نے اِس پُر مسرّت موقعے پر یاد فرمایا، اِس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ یہ آپ کی وضع داری ہے۔

اس سے پہلے کے میرے دو خط اب تک آپ کو مل چکے ہوں گے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم

شاہ جہان پور

۸؍ ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِ مکرّم!

غالبؔ سے متعلق میری کتاب "گنجینۂ معنی کا طلسم" کے شروع کے حصے کی کمپوزنگ مکمل

ہوگئی، کل ہی مجھے یہ پیکٹ ملا ہے تصحیحات بنانے کے لیے۔ میں اپنے مقدّمے کے آخری صفحے کا عکس آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں یوں کہ پوری کتاب چھپنے میں تو سال ڈیڑھ سال لگ جائے گا۔ آپ کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ فون پر ایک دن آپ کی آواز کئی بار سُنی، مگر ہر بار سلسلہ منقطع ہوگیا، لائن میں کہیں خرابی ہوگی ـــ ہاں ہاشمی صاحب سے آج فون پر بات ہوگئی، وہ ضروری کاغذات اقبال میوزیم سے لے کر بھیج دیں گے، اُن کے ملتے ہی کلّیاتِ اقبال کی تدوین کا کام شروع ہوجائے گا۔ اس کے مقدّمے میں بھی آپ کی کتاب دوستی کا اِسی طرح حوالہ دیا جائے گا۔ آپ جیسا مخلص علم دوست کوئی دوسرا مجھے کہاں ملے گا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور کوئی وہ تقریب سعید بہ حُسن وخوبی انجام کو پہنچی ہوگی۔ میرا مبارک باد کا خط اب تک مل چکا ہوگا آپ کو۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۶ر دسمبر ۲۰۰۵ء (یومِ احتجاج)

مُحبِ مکرّم!

توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پہلے کی طرح لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو چکے ہوں گے اور کسی طرح کی پریشانی نظروں کو نہیں ہوتی ہوگی۔ (نظر تو آپ کی ہمیشہ سے پاک باز رہی ہے، اُسے تو ویسے بھی کچھ نہیں ہونا چاہیے؛ ہم جیسے گنہ گاروں کی بات دوسری ہے)۔

میں ٹھیک ہوں مگر کام معطّل ہے۔ سردیوں کا موسم مجھے راس نہیں آتا۔ سر جھکا کر نہیں بیٹھ پاتا، آنکھوں سے آنسو اور ناک سے ریزش، چھینکیں، بس اِنھی میں اُلجھا رہتا ہوں۔ غالبؔ اور اقبالؔ والا بستہ باندھ کر عارضی طور پر رکھ دیا ہے، مہینا بھر کے بعد قلم اپنا کام شروع کر سکے گا۔ آپ کے ایک لفافے میں داوؔر رہبر صاحب کی پُر لطف نظم دیکھی، جی خوش ہوا، اِس کا شکریہ۔

ہاں صاحب! آپ سے ملاقات کا تو امکان ہے نہیں، یوں غالبؔ کے لفظوں میں جنّتِ نگاہ تو ملنے سے رہی؛ مگر فون کے واسطے سے فردوسِ گوش کا لطف حاصل ہو جایا کرتا تھا؛ اب کئی ہفتے سے وہ بھی حاصل نہیں، خیر باشد! آنکھیں آپ کی تحریر کی مشتاق ہیں اور کان آپ کی آواز کے منتظر۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب

رشید حسن خاں

پس نوشت:

ایک ضروری بات رہی جاتی تھی: ہاشمی صاحب کا خط آیا تھا، بیمار ہیں میری طرح، مجھ سے اُنھوں نے مرحوم خواجہ صاحب کے خطوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اُن کو خط لکھا، مگر یہ لکھنا بھول گیا کہ میرے پاس مرحوم کا اب کوئی خط نہیں۔ بہت خط تھے اور مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے انجمن کو دے دیے تھے۔ خیر، انجمن کے ہفتہ وار ہماری زبان کا مشفق خواجہ نمبر نکلا تھا پچھلے مہینے۔ اُس میں اُن لوگوں نے مرحوم کے میرے نام کے بھی دو خط چھاپے ہیں؛ اگر وہ چاہیں تو اُن دونوں خطوں کو وہاں سے لے سکتے ہیں۔

(۹)

بنام: عبدالوہاب خاں سلیم
شاہ جہان پور
۱۲رجنوری ۲۰۰۶ء

مُحبِ مُکرّم! سلامِ شوق

رجسٹرڈ لفافہ مل گیا۔ ممنون ہوں اور شکر گزار۔ سعدیؔ نے کہا ہے:

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بُتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

یہ شعر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے اور آپ کو پیشِ نظر رکھ کر کہا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندستان کے بیش تر علاقوں کو دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے، لیکن آپ جیسا علم دوست، کتاب دوست اور غم گسار نہیں دیکھا۔ کسی تمنا اور کسی طرح کے لگاؤ کے بغیر جو سلوک آپ روا رکھتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بے مثال ہے۔

خرابیِ صحت کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔ دُعا کرتا ہوں کہ خدائے پاک جلد تر صحتِ کامل عطا کرے۔ آپ نے میرا حال پوچھا ہے تو جناب! جب تک آپ جیسا مخلصِ بے ریا اور مُحبِ صادق موجود ہے، میرا احوال اچھا ہی رہے گا۔

آپ کا خط جو ایک اعتبار سے بشارت نامہ ہے، مجھے ۹رجنوری کو مل گیا تھا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

ہاں! زندہ رود مجھے مل گئی۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ کرم نہ فرماتے تو میں اس کتاب سے محروم رہتا۔

یہ واقعتاً پڑھنے کی چیز ہے۔ کیسی کیسی بحثیں اِس میں آگئی ہیں!! ایک بار پھر شکریہ۔

حاشیہ

۱ پیدائش: ۶ر فروری ۱۹۳۹ء۔ موجودہ پتا:

Abdul Wahab Khan Salim
2245 61 street
Brooklyn, New York 11204 U.S.A
Phone: Res: (718) 236-5130, (718) 438-0270

***

بنام علی احمد فاطمی، پروفیسر

(۱)

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۴رفروری ۱۹۸۳ء[۱]

عزیزم!

خط ملا۔ یہ سُن کر مسرّت ہوئی تھی کہ آپ کا انتخاب الٰہ آباد کے لیے ہوگیا۔ اب اُس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ عقیل صاحب کو اب آپ جیسے مخلصین کی واقعتاً شدید ضرورت محسوس ہوگی وہاں، میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔ لیکن اب اصل مسئلہ آپ کے جانشین کا ہے، اِس کے لیے کچھ کیجیے، ورنہ یہ بڑا نقصان ہوگا۔

غالب کے تلمذ نظیر کے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا، بہ ظاہر یہ گپ باطن کی اُڑائی ہوئی ہے محض انتقاماً۔ نظیر کا سالِ پیدائش بھی صحیح طور پر معلوم نہیں۔ عبدالغفور شہباز نے جو کچھ لکھا ہے، وہ محض قیاس آرائی اور خیال بافی ہے اور کچھ نہیں۔ بعض اور لوگوں کی طرح نظیر کا سالِ ولادت بھی اب تک معلوم نہیں ہوسکا ہے۔

اب تم خط لکھو کہ جانشین کا کیا رہا اور مجمہ یہ کُتب خانے والے کام کا کیا ہوگا؟

میں ۴رمارچ کو بمبئی جاؤں گا چکبست سمینار میں اور وہاں سے سیدھا لکھنؤ آؤں گا، ایوارڈ کمیٹی کی میٹنگ ہے، واپسی ۱۰رکو ہوگی گھر والوں کو دعائیں۔ خط لکھو۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۹ردسمبر ۱۹۸۳ء[۲]

عزیز مکرم!

میاں! میں تمھارا گنہ گار ہوں کہ خط کا جواب اب لکھ رہا ہوں، حالاں کہ خط بہت پہلے ملا تھا۔

معذرت کیا طلب کروں، تاخیر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تم اگر ناراض ہو، تو اِس کا حق پہنچتا ہے؛ لیکن چوں کہ ہو بہت مہذّب اور وضع دار، اِس لیے دل یہ کہتا ہے کہ جلد ہی مَن جاؤ گے۔ یہ تو دیکھو کہ اِس قدر اور اِس طرح کا اعتماد ہر ایک پر تو نہیں ہوتا۔

توقّع کرتا ہوں کہ بیگم اب بہ خیریت ہوں گی۔ عقیل صاحب سے خیریت معلوم ہو گئی تھی، اُن کے ساتھ رفیع اللہ صاحب بھی تھے، اُن سے بھی عافیت کا احوال معلوم ہو گیا تھا، مقصد یہ ہے کہ ترے خیال سے غافل نہیں رہا۔ ہاں رفیع اللہ صاحب ایک وعدہ کر گئے تھے، شاید بھول گئے، ذرا یاد تو دلا دیجیے۔

مقالے کی کتابت غالباً شروع ہو چکی ہوگی اور توقّع ہے کہ جلد ہی آنکھیں اُس سے روشن ہو سکیں گی۔ بھائی! کبھی کبھی خط ضرور لکھا کرو۔ میں ہر ایک سے دل نہیں لگاتا، نہ توقّع قائم کرتا ہوں اور نہ فرمایش کرتا ہوں۔ جب خط ملتا ہے تو کچھ دیر کے لیے جی خوش ہو جاتا ہے اور اب یہ نعمت کم یاب ہے۔

بھائی! وہ آگرے میں کُتب خانۂ محمدیہ کا کام کب ہوگا؟ میں نے کہا تھا کہ جب تم اُدھر آؤ تو میں بھی آ جاؤں۔ اب تو سردی کا شباب ہے، اگر ممکن ہو تو اواخر فروری میں اِس کام کو کر ڈالو، ثواب ملے گا، اور کیا کہوں ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تھوڑا سا پیٹھا کھانے کو مل جائے گا۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی

احمد آباد ودّیا پیٹھ، گجرات

۷؍جولائی ۱۹۸۹ء

فاطمی صاحب!

خط آپ کا مل گیا تھا، لیکن میں آمادۂ سفر تھا۔ احمد آباد میں بیٹھا ہوا یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ یہاں ودّیا پیٹھ میں قیام ہے۔ اردو گجراتی لغت اِن لوگوں نے تیار کیا ہے، اُس کے اردو کے حصے پر نظرِ ثانی کرنا ہے۔ میں یہاں سے ۱۲؍جولائی کو دہلی کے لیے روانہ ہوں گا۔

مولوی عبدالرزاق کان پوری کی کتاب کو اب جا کر لائبریری سے نکلواؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہ مضمون کتنا طویل ہے یا کس قدر مختصر ہے۔

تلمیذِ امیر والی بات میں نے کان پوری صاحب کے حوالے سے لکھی تھی۔ چوں کہ ان کے

حالات کی تحقیق اُس وقت مقصود نہیں تھی، اِس لیے تحقیق اور تصدیق نہیں کی تھی۔ میرا خیال ہے کہ سوانح والے اُس پورے ڈیڑھ صفحے کی عبارت کو نکال دینا چاہیے۔ وہ ہے بھی اصل مضمون سے غیر متعلق۔

تم نے پتے کی جگہ ''شعبۂ اردو حیدر آباد یونی ورسٹی.....'' لکھا ہے اب میں حیران ہوں کہ یہ کیا بات ہوئی؟ کیا تم وہاں چلے گئے؟ بہ ہر حال میں یہ خط شعبۂ اردو الٰہ آباد یونی ورسٹی ہی کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ اگر مل جائے تو فوری طور پر دو سطری خط ضرور لکھ دینا تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ قمر صاحب سے ملاقات ہوئی، تو پوچھوں گا۔

خط کے لیے منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

ہاں، سب غلطیوں پر تفصیل سے بحث ضروری نہیں۔ صرف اشارہ کرنا اور یہ لکھنا کافی ہے کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ غلطیوں پر بحث کرنے سے عموماً اپنی بات رہ جایا کرتی ہے، دوسروں ہی کی باتیں زیرِ بحث آتی رہتی ہیں۔ رہے مرزا جعفر حسین، سو وہ مرحوم اِس معاملے میں، یعنی تحقیق وغیرہ میں غیر مکلّف تھے۔ اور خاص بات یہ ہے کہ سخن سازی، سخن تراشی اور سخن آفرینی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ جانتے بہت کچھ تھے، لیکن مزاج افیمی داستان گویوں جیسا پایا تھا اور اِس سلسلے میں حُسنِ بیان اور لطفِ سخن کے لیے (محمد حسین آزاد کی طرح) حاشیہ آرائی میں کچھ بُرائی نہیں سمجھتے تھے۔ خاص کر ہمہ دانی اور خوش بیانی کے پھیر میں آکر وہ ہر طرح کی باتیں کر جایا کرتے تھے۔ یوں اُن کی تردید تو بالکل ضروری نہیں، محض اشارہ کافی ہے۔

(۴)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۲؍مارچ ۱۹۹۵ء

عزیزم!

یکم مارچ کا خط ۹؍مارچ کو پہنچا۔ اب اِسے حُسنِ اتّفاق کہو یا سوءِ اتّفاق کہ میں الٰہ آباد نہیں گیا۔ کیا کرتا، جو بھی وہاں نہیں تھے۔ اِس میں مدد اِس سے ملی کہ جعفر رضا صاحب کا خط مجھے عید کے چوتھے دن ملا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت میں پروگرام نہیں بنا سکتا تھا۔ اب جب تم یہاں آؤ گے، تبھی ملاقات ہوگی۔

ایک ضروری بات: میں نے نواب مرزا شوق لکھنوی کی تینوں (فریبِ عشق، زہرِ عشق،

بہارِ عشق) کو مرتب کرنے کا خاکہ بنایا ہے۔ کام بھی شروع کر دیا ہے۔ مجھے ان مثنویوں کے قدیم اڈیشنوں کی ضرورت ہے۔ یعنی ۱۲۶۰ھ سے لے کر ۱۲۸۰ھ تک کے چھپے ہوئے۔ ذرا میرے کرم فرما عقیل صاحب سے پوچھو؛ اُن کو کسی نہ کسی نسخے کا یا نسخوں کا احوال ضرور معلوم ہوگا۔ اصل نسخے کی ضرورت نہیں، اُس کا عکس بہ آسانی بن سکتا ہے۔ اور ہاں لائبریری میں ضرور ہونا چاہیے۔ میری خاطر ایک دن خراب کر ڈالو اور لائبریری میں تلاش کر لو۔ میں بہت شکر گزار رہوں گا۔

گلزارِ نسیم چھپنے چلی گئی ہے۔ دس بارہ دن میں چھپ کر آجائے گی۔ ۲۴۷ صفحے بنے ہیں۔ اِس میں چکبست و شرر کے پورے معرکے کا احاطہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ اِس کے بعض مباحث کا تعلق شرر سے ہے، اِس لیے میرا ارادہ ہے کہ ایک جلد بھیج دوں تمھارے لیے، اگر تم کو اِس قدر ضخیم کتاب سے وحشت نہ ہو۔

انتساب کی بشارت پر خوش ہونا قدرتی بات ہے، مجھے بھی اِس سے مسرّت ہوگی۔ شکریہ پیشگی۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۷ر نومبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

خط ملا۔ مہینوں سے غالبؔ انسٹی ٹیوٹ کی طرف جانا نہیں ہوا۔ اب خاص کر یوں جانا نہیں چاہتا کہ اِس بار اُن لوگوں کی بار بار کی تحریری فرمایش کے باوصف سمینار میں شرکت نہیں کر سکوں گا، اگر چہ وعدہ کر لیا تھا تحریری طور پر۔

میں اُن دنوں لاہور میں ہوں گا، وہاں اورینٹل کالج کا سوا سو سالہ جشن منایا جائے گا۔ ہندستان سے تین افراد مدعو کیے گئے ہیں: جگن ناتھ آزاد، نثار احمد فاروقی اور ایک میں۔ جانا چاہتا ہوں کہ اِس بہانے احباب سے ملاقات ہو جائے گی، ویسے تو ویزا ملتا نہیں۔ اِس لیے اِس بار کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہت معذرت۔ میں خود منہ چور بن گیا ہوں۔ میں لاہور سے ۲۷ر دسمبر کو واپس آؤں گا اور ۲۹ر کو بمبئی جاؤں گا، وہاں حافظ پر تین روزہ انٹرنیشنل سمینار ہے۔ اگر تم آئے بھی تو ملاقات نہیں ہو پائے گی۔

عقیل صاحب سے سلام کہو اور کہو کہ کتاب کی رسید کا انتظار ہے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی
شاہ جہان پور
۱۱ر مارچ ۱۹۹۸ء

عزیزم فاطمی صاحب!

میں دو ماہ کے بعد ۷ر مارچ کو یہاں آیا، بمبئی میں قیام تھا بہ غرضِ علاج۔ یہاں آپ کا خط ملا۔ میاں! میں تو پہلے ہی اُس خط کو چھاپنے کی اجازت دے چکا ہوں، دو مہینے پہلے جو خط لکھا تھا، اُس میں۔ پھر دوبارہ اجازت کی ضرورت کیا آ گئی۔

غالبؔ پر مضمون ضرور لکھوں گا، وعدہ کیا ہے تم سے، مگر جب تم غالبؔ نمبر نکالو گے، یا وہاں کسی مذاکرے کا انتظام کرو گے۔ اب کچھ لکھنے کے لیے کسی تقریب یا بہانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سارا وقت تو اصل کام یعنی سحرالبیان کی تدوین میں لگ جاتا ہے۔ بمبئی میں بھی اُسی کام میں لگا رہا۔ دو سال ہو گئے ہیں اور ابھی شاید ڈیڑھ سال اور لگے گا۔ اُس کے بعد کیا ہوگا، اُس کا اصول معلوم نہیں۔ شاید پھر کچھ نہ ہو۔ عقیلؔ صاحب سے میرا اسلام کہو۔ اُن کو کبھی کبھی ضرور یاد کرتا ہوں۔ توقع کرتا ہوں کہ وہاں کے حالات سازگار ہوں گے اور بہتر۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی
شاہ جہان پور
۲۳ر مارچ ۱۹۹۸ء

عزیزم!

تم تو آرام جاں تھے، یہ دشمنِ عافیت کیسے ہو گئے! بوڑھا، بیمار شخص، اُس کو زمین کا گز بنانا چاہتے ہو اور اُس عالم میں جب کہ یہاں سے کوئی قاعدے کی ٹرین نہیں گزرتی۔ اب میں پہلے دہلی جاؤں، وہاں کسی کو لکھ کر رزرویشن کراؤں، وہ صاحب اِس ناروا زحمت کو گوارا کر لیں، تب الٰہ آباد کی گاڑی میں بیٹھوں۔ کتنے اگر اور مگر ہیں اس میں۔ اچھے بچے اچھی باتیں کیا کرتے ہیں۔ تم بھی ویسی ہی باتیں کیا کرو۔ وہاں مجھ سے کہیں بہتر لوگ آئیں گے جو واقعی روشن خیال ہوں گے اور زمانہ شناس، (شاید زمانہ ساز بھی ہوں) ایسے میں میری نہ ضرورت نہ گنجایش اور پھر غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں! میاں! میری معذرت قبول کر لو خدا (جس کے متعلق یہ نہیں معلوم کہ وہ ہے تو کہاں ہے) تم کو جنّت دے گا اور بہت سی حوریں اگر اچھے دل سے مان لو گے یہ بات۔ بُرے

دل سے مانوگے تو وہاں حوروں کی جگہ غلمان ملیں گے، یہ یاد رکھو۔

نئے شمارے کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی

شاہ جہان پور

۴راکتوبر ۱۹۹۸ء[۲]

عزیزم!

میں دو ماہ کے بعد بمبئی سے اب واپس ہوا ہوں۔ توقع کرتا ہوں کہ تم بھی سفر سے واپس آچکے ہوگے۔ میں نے بمبئی سے رضا صاحب کی معرفت تین جلدیں مثنویاتِ شوق کی بھجوائی تھیں: تمھارے لیے، عقیل صاحب کے لیے اور مجاور صاحب کے لیے؛ اُن کی رسید نہیں ملی۔ معلوم نہیں کہ وہ تم تک پہنچیں یا نہیں۔ صورتِ حال سے مطلع کرو۔ صحت میری بس یوں ہی سی ہے، صبح سے شام تک دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر علی احمد فاطمی

شاہ جہان پور

۱۶راکتوبر ۱۹۹۸ء[۹]

فاطمی صاحب!

توقع کرتا ہوں کہ اب تک آپ سفر سے واپس آچکے ہوں گے۔ میں نے بمبئی سے مثنویاتِ شوق کی تین جلدیں رجسٹرڈ آپ کے نام کالی داس گپتا رضا صاحب کی معرفت بھجوائی تھیں۔ ایک عقیل صاحب کے لیے، ایک مجاور صاحب کے لیے اور ایک آپ کے لیے۔ میں حیران ہوں کہ اس کی رسید آج تک نہیں ملی، اور کیا لکھوں!

رشید حسن خاں

حواشی:

[۱] پروفیسر اے. اے. فاطمی اردو ڈیپارٹ منٹ، یونی ورسٹی آف الٰہ آباد، الٰہ آباد۔ مقام اور پر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۔ مقام وتاریخ اوپر درج ہے۔ تاریخ نیچے بھی درج ہے۔

۳۔ مقام اوپر نہیں لکھا ہے۔ لیکن عبارت کے اندر موجود ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے، قیمت ۳۵ ر پیسے۔

۴۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۶۔ مقام وتاریخ اوپر درج ہے۔

۷۔ مقام وتاریخ اوپر درج ہے۔

۸۔ مقام وتاریخ اوپر درج ہے۔

۹۔ مقام وتاریخ اوپر درج ہے۔

★★★

بنام فرحت

۳۱رجنوری ۱۹۸۸ء[1]

فرحت صاحب مکرّم! سلامِ مسنون

آپ کا خط مرقومۂ...... موصول ہوا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں بروقت آپ کے خط کا جواب نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے آپ سے معذرت طلب ہوں۔ ہوا یہ کہ کیرالا سے جب میں واپس آیا تو اچانک تبدیلی سے شدید بخار اور نزلے میں مبتلا ہو گیا۔ یہاں تو تیز سردی تھی، تریونڈرم پہنچا تو پنکھے چل رہے تھے؛ اب قُوا اِس قدر مضمحل ہو گئے ہیں کہ ایسی تبدیلیوں کی تاب نہیں لا پاتے۔ یہ وجہ ہوئی ناروا تاخیر کی۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ میری معذرت کو قبول کر لیں گے۔

آپ کا خط پڑھ کر صحیح معنی میں مسرّت ہوئی، دو وجہوں: ایک تو یہ کہ اب عموماً ایسے اچھے سوالات نہیں پوچھے جاتے۔ زبان اور متعلقاتِ زبان سے واقفیت بھی کم ہو چلی ہے اور دل چسپی بھی۔ دوسرے یہ کہ اِس طرح آپ سے رابطہ قائم ہوا؛ میں آپ جیسے افراد کا قدر دان ہوں اور قدر شناس اور توقع کرتا ہوں کہ آیندہ بھی رابطۂ مراسلت کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہے گا۔

ہاں، آپ نے جواب کے لیے لفافہ بھی رکھ دیا، اِس سے مجھے تکلیف پہنچی۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ اگر جواب کے لیے لفافہ نہیں رکھا گیا، تو جواب نہیں ملے گا۔ آخر مجھے آپ نے اِس قدر بد اخلاق کیوں فرض کر لیا! ایسے ہی وہم آدمی کو گنہ گار کر دیا کرتے ہیں۔ آیندہ کے لیے توبہ کیجیے۔ جدیدیت کے آداب سے میرا کچھ واسطہ نہیں، نہ ادب میں اور نہ تہذیب میں۔ میں اِس سلسلے میں پُرانے ادب آداب پر ایمان رکھتا ہوں۔

اب آپ کے سوال کا جواب:

دیکھیے میرے بھائی! علمُ اللسان ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہر زبان کے اپنے قاعدے قانون ہوتے ہیں اور دوسری زبانوں کے جو لفظ کسی زبان میں داخل ہوتے ہیں، یا اُس کا جُز ہوتے ہیں، وہ اُس زبان کے ضابطوں کے سانچے میں ڈھل کر جُزوِ زبان بنتے ہیں۔ ایسے الفاظ کے لیے اصل زبان سے سند نہیں لائی جاتی، بل کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِس زبان میں وہ کس طرح مستعمل ہیں۔ عربی فاتح زبان کی حیثیت ایران میں داخل ہوئی تھی، مگر فارسی اور عربی دو بالکل مختلف خاندانوں کی زبانیں ہیں، عربی سامی خاندان کی زبان اور فارسی انڈو ایران خاندان کی، اِس لیے دونوں زبانوں میں آہنگ اور تلفظ اور لہجے کے بنیادی اختلافات ہیں؛ اُس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ عربی کے بے شمار

لفظ فارسی زبان کی خراد پر چڑھ کر اور ترش تراش کر شاملِ زبان ہوئے۔ کسی فارسی والے نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو عربی کا لفظ ہے، اِسے عربی زبان ہی کی طرح استعمال کرو۔ یہی نہیں، عربی کے طریقِ اشتقاق کے قیاس پر بہت سے لفظ فارسی دانوں نے بنالیے، مثلاً زلف سے مزلّف، زیب سے مزیّب، نقد سے تنقید، شکل سے تشکیل وغیرہ۔ اب آپ عربی کے لغات میں ڈھونڈھیں تو ''تنقید'' آپ کو نہیں ملے گا، کیسے ملے، وہاں تو نقد اور انتقاد اصل لفظ ہیں، لیکن بابِ تفعیل سے تنقید بنالیا گیا۔ زلف تو سراسر فارسی لفظ ہے، اِس سے عربی قاعدے کے مطابق اسمِ مفعول مزلّف بنالیا گیا۔ ''قرآن'' بروزنِ مفعول ہے، مگر فارسی کے اساتذہ نے بیسیوں جگہ قُران بروزنِ فعول نظم کیا ہے۔ ایسے لفظوں کو مفرّس کہا جاتا ہے اور مفرّس لفظ اردو میں بلاتکلف مستعمل ہوتے ہیں، ''قران'' بھی استعمال میں آتا رہا ہے، صرف ایک مثال، میرؔ کا شعر ہے:

مت مانیو کہ ہوگا یہ بے دردِ اہلِ دیں گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا

سیّد انشاؔ کا شعر ہے:

کھا قسم، جھوٹ بولے ہے کتنا چُپ ہو چپ بس قران کے صدقے

سوداؔ کے شاگرد میر امانی اسدؔ کا شعر ہے:

مت دیجو اپنے مصحفِ رخسار کی قسم رکھ جائے گا ابھی کوئی ہاتھ اِس قران پر

(اگر ''قران'' کی مثالیں فارسی میں دیکھنا ہوں تو آپ میری کتاب زبان اور قواعد میں دیکھ سکتے ہیں)

آپ دریائے لطافت کو ایک بار ضرور پڑھ لیجیے، پھر آپ کو بہت سے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ یہ دل چسپ بات ہے کہ اردو میں جو عربی کے عالم گزرے ہیں، مثلاً مولانا شبلی، مولانا حالی، مولانا سیّد سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی؛ اُن سب کا کہنا یہی ہے کہ اردو ایک مستقل زبان ہے، اس کے اپنے قاعدے قانون ہیں جس قدر لفظ اس میں مستعمل ہیں، وہ اب اردو کے ہیں اور اُسی طرح صحیح ہیں جس طرح مستعمل ہیں۔ خواہ عربی فارسی میں وہ دوسری طرح مستعمل ہوں یا سرے سے موجود ہی نہ ہوں یا عربی فارسی لفظوں کے قیاس پر بن گئے ہوں۔ میں نے اپنی کتاب زبان و قواعد میں ایسے سب اقوال یک جا کردیے ہیں، آپ اُسے دیکھ سکتے ہیں۔

تمازت ایک لفظ ہے، یہ آپ کو عربی میں نہیں ملے گا، نہ فارسی میں۔ بدلا، تبادلہ، تبدیلی: اِن میں سے کوئی لفظ آپ کو عربی میں نہیں ملے گا۔ غلطی، زیادتی، نورچشمی جیسے لفظ میں صرف اردو میں ملیں گے۔ آراضی، باغات، زمیندار، فوج داری جیسے بیسیوں لفظ ہیں اور یہ سب آپ کو اردو ہی میں ملیں گے۔ عادی آپ کو عربی میں نہیں ملے گا، وہاں اِس معنی میں مُعتاد ہے۔ شکریہ آپ کو نہ فارسی میں ملے گا نہ عربی میں۔

تنوین عربی کا خاص قاعدہ ہے، مگر اندازاً اور نموناً اردو والے استعمال کرتے ہیں۔ اب آپ پوچھیں کہ یہ لفظ کس زبان کے ہیں، تو یہی کہا جائے گا کہ اردو کے ہیں۔ عربی میں ہیں یا نہیں، ہمیں اِس سے کچھ غرض نہیں۔ الف لام کے ساتھ ترکیب کا قاعدہ عربی سے خاص ہے، مگر ذرا اِن ناموں کو دیکھیے: خورشید الاسلام، اختر الایمان، اختر الزماں؛ عربی کی کتاب لے کر بیٹھیں گے تو آپ کو ان سب کو غلط قرار دینا ہوگا، جب اِنھیں اردو کے لفظ مانیں گے، تب اِن کا جواز نکلے گا۔ اب لیجیے ''دعاے گنج العرش'' گنج فارسی، دعا عربی، پھر الف کی ترکیب کیسے درست ہوگی، مگر درست ہے۔ اسی طرح قریبُ المرگ، فوقُ البھڑک۔ آسیب کے اصلی معنی ہیں: صدمہ، تکلیف، اردو والے بھوت پریت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ بُخار کے لیے فارسی لفظ تب ہے، جسے تپ بھی کہا گیا ہے، بخارات میں یہ اصلی معنی میں مستعمل ہے، مگر مفرد لفظ بخار اصل معنی میں نہیں، اردو کے معنی میں مستعمل ہے۔ حرامی کے اصلی معنی ہیں: چور ڈاکو۔ اردو میں ناجائز اولاد کو کہتے ہیں۔ شادی کے اصلی معنی خوشی ہیں، مگر ہم بلاتکلف برات کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

حلال خور آپ کو نہ فارسی میں ملے گا نہ عربی میں، اردو والے مہتر کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ خود مہتر کے اصلی معنی ہیں: سب سے بڑا، اِسے ہم بھنگی کے لیے لاتے ہیں۔ طوائف عربی میں اور فارسی میں طائفہ کی جمع ہے، ہم رنڈی کو کہتے ہیں۔ حجام خلیفہ جی کو کہتے ہیں، مگر عربی میں اس کے بالکل دوسرے معنی ہیں، پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں اور اِسی لفظ خلیفہ جی کو لیجیے۔ عربی میں خلیفہ کے معنی دیکھیے اور پھر اردو میں اس کا جو حشر ہوا ہے، اُسے دیکھیے، مگر ہمارے لیے بالکل درست ہے۔

کہنا یہ ہے کہ اردو میں ہزاروں نئے لفظ بن گئے ہیں (جیسے: رہایش، شکریہ وغیرہ) تلفظ بدل گیا ہے، (جیسے: عربی میں عِیاں اور عِیال، اردو میں عَیاں اور اہل وعَیال) عربی کے قیاس پر لفظوں کو بنالیا گیا ہے (جیسے عربی کے بدل اور تبادُل سے بدلا، تبادلہ، تبدیلی) عربی کے قیاس پر حروف کا اضافہ کر کے نئے لفظ بنا لیے گئے ہیں (جیسے: تمازت، حجامت، باغات، آراضی، اسلحہ جات)۔ اب یہ سب لفظ اردو کے ہیں، بالکل صحیح اور فصیح۔ جو لوگ ان کو غلط کہیں گے یا ان پر شک کریں گے، اُس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اردو کو کوئی مستقل بالذّات زبان نہیں مانتے، اور یہ بھی کہ وہ علم اللّسان سے واقف نہیں۔

یہی احوال اِس لفظ ''شروعات'' کا ہے۔ اس پر ایک زمانے میں، یعنی اب سے تقریباً تیس برس پہلے طویل بحث ہو چکی ہے۔ آپ کہیں گے کہ ''شروع'' کافی ہے، پھر خواہ مخواہ ''شروعات'' کیوں کہا جائے۔ مگر زبان میں ایسے لفظ جن میں زور نہ ہوں، برابر بنتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''تابع دار'' کو لیجیے، تابع کے وہی معنی ہیں جو تابع دار کے ہیں، یوں تابع دار نہیں بننا چاہیے تھا، مگر

بنا اور یوں بنا زبانوں میں لفظ اِس طرح بھی بنتے ہیں، مولانا حالی کا شعر ہے:

ماں باپ کے حکموں پہ پُتلی کی طرح پھرتی رہیں
غم خوار ماؤں کی رہیں، باپوں کی تابعدار تم

(مناجاتِ بیوہ)

جواہر جمع ہے، مفہوم اس سے مکمل ہو جاتا ہے، مگر اِس سے جواہرات بنا لیا گیا اور فصحا نے بلا تکلّف اِس کو استعمال کیا ہے۔ شدّت پسندی کی عینک لگا کر دیکھیے تو جواہرات بالکل غیری ضروری ہے، جواہر کافی ہے، مگر زبان شدّت پسندی کے دائرے میں قید نہیں ہوا کرتی۔ آپ مثنوی گلزارِ نسیم کے اِس شعر کو ذرا ایک بار پڑھیے:

جو شخص ہے اُس جگہ پہ جاتا   لاکھوں ہے جواہرات پاتا

تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ لفظ صوتی حیثیت سے اور معنویت کی وسیعُ الذّیل کیفیت کے لحاظ سے کس قدر ضروری اور کار آمد لفظ ہے۔ مولانا حالی کی نظموں کے ایک مجموعے کا نام ''جواہراتِ حالی'' ہے۔

جن لوگوں نے شروعات پر شک کا اظہار کیا تھا، ان کا کہنا یہی تھا کہ یہ عربی میں موجود نہیں، اور یہ کہ شروع کافی ہے۔ اگر اِن دونوں باتوں کو معیار قرار دیا جائے تو ہزاروں لفظوں کو اردو سے دیس نکالا دینا پڑے گا اور آخر میں بس کورا کاغذ، ہمارے ہاتھ میں رہ جائے گا۔

یہ خط تو دفتر ہوگیا، طومار بن گیا، مگر سخن ہائے گفتنی بہت ہیں؛ مجبوراً یہیں پر اِس کو ختم کرتا ہوں (اب اگر کوئی صاحب کہیں کہ آپ نے ''یہیں پر'' کیوں لکھا، ''یہیں'' کافی تھا، تو اس کے سوا کہ میں ان کی سادہ مزاجی پر صبر کر کے چُپ ہو جاؤں اور کچھ نہیں کر سکتا)۔ اگر اب بھی کچھ شبہ آپ کے ذہن میں ہو تو آپ مجھے خط لکھ سکتے ہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن

حاشیہ:

۱؎ سال ۱۹۸۸ء میں رشید حسن خاں صاحب ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۷ میں مقیم تھے۔ یہ خط انھوں نے وہاں سے ہی لکھا ہوگا۔ مگر مکتوب الیہ کا پتا خط کے عکس کی پشت پر تحریر نہیں ہے اس لیے مقام کا تعین نہیں ہو پاتا ہے اور نہ ہی فرحت صاحب کے پورے نام کا پتا چلتا ہے۔

★★★

بنام فرید الدین شاہ مسکینی، سیّد

(۱)

ٹی. ڈی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲ر جون ۱۹۸۸ء

گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ میں شاہ جہان پور چلا گیا تھا، یوں جواب میں تاخیر ہوئی، پھر بھی معذرت طلب ہوں۔

مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ مصطفا کمال پاشا کے یہاں انتہا پسندی تھی، اور انتہا پسندی ہمیشہ بُری چیز ہوتی ہے اپنے اثراتِ مابعد کے لحاظ سے، مگر میں اِس کو اُس زمانے کے اُن حالات کی روشنی میں دیکھتا ہوں جن میں طبقۂ علما نے بادشاہت کی بے جا حمایت کرکے اور ہر ترقی پسند اقدام کی مخالفت کرکے بے حد عجیب صورتِ حال پیدا کردی تھی اور مغربی طاقتوں کے استیلا واستعماریت کے لیے زمین ہموار کررکھی تھی۔ مصطفا کمال کے یہاں جو غیر مناسب اور سراسر ناروا اندازِ نظر پیدا ہوا، وہ انھی حالات کا ردِ عمل تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ ردِ عمل میں ہمیشہ انتہا پسندی شامل ہوتی ہے۔ اِس سے میرا مقصد اُس کا جواز پیش کرنا نہیں، صرف اُس کی وجہ پر گفتگو کرنا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہے کہ مصطفا کمال نے ترکی حکومت کو بچایا بھی اور آج اگر وہ ملک آزاد ہے، تو یہ اُنھی انتہا پسندوں کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک دوسرا پہلو ہے اور یہ بھی غور طلب ہے۔

ایک بات اور عرض کروں: ہمارے زمانے میں یعنی اِس بیسویں صدی میں تاریخ نے ایک موقع فراہم کیا تھا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ خالص مذہبی حکومت بھی کام یاب ہوسکتی ہے؛ مگر آپ نے دیکھا کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ اور ایرانی حکومت نے، یا یوں کہیے کہ مذہبی شدّت پسندوں نے یہ ثابت کردیا کہ طبقۂ علما کے ہاتھ میں اگر عنانِ اختیار آجائے گی تو کیا ہوگا۔ اب اگر ایران میں کوئی ردِ عمل ہوا اور وہ کام یاب بھی ہوا، تو وہ ایک دوسری انتہا کی نمایندگی کرے گا اور وہ انتہا پسندی بھی (اگر وہ وجود میں آسکی) ویسے ہی حالات کا ردِ عمل ہوگی۔

بہ ہر حال، یہ موضوع دل چسپ ہے اور زبانی گفتگو کا متحمل ہوسکتا ہے، اگر کبھی آپ سے ملاقات ہوئی تو گفتگو ہوگی۔ آپ نے جن کلماتِ پسندیدگی سے نوازا ہے، اُن کے لیے سپاس گزار ہوں۔

وہ آپ کے ایک معتقد اور میرے مخلص اطہر فاروقی صاحب کہیں کھو گئے ہیں، کیا اُن کا حال احوال کچھ آپ کے علم میں ہے؟

خدا کرے مزاجِ گرامی بہ خیر ہو۔

مخلص

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔

بنام قمر الہدیٰ فریدی

(۱)

۱۶۷- باڑوزئی دوم،
شاہ جہان پور
۳۱ر مارچ ۲۰۰۲ء

عزیز مکرم فریدی صاحب! بہت سی دعائیں۔

کتاب میں نے پڑھ لی۔ مقدّمہ پڑھ کر بے اختیار تحسین و آفریں کے کلمات زبان پر آ گئے۔ مجھے ایک یہ بات بھی بہت پسند آئی کہ مقدّمے کے چالیس صفحوں میں نہ حشو و زوائد ہیں، نہ تکرار ہے اور نہ شوقِ بازگوئی کی نمود ہے۔ کام کی باتیں، سادہ و صاف زبان میں لکھی گئی ہیں۔ لفظوں کے انتخاب میں مقدّمہ نگار کا یہ شعور بین السطور کارفرما رہا ہے کہ زبان کے ساتھ کسی طرح کی چیرہ دستی نہ کی جائے اور بیان ایسا رہے جو سمجھنے سمجھانے کے کام آتا ہے، اُس سے قارئین کو ڈرانے دھمکانے کا کام نہ لیا جائے۔ بقراطیت نہ چھانٹی جائے اور وہ خود فروشی اور خودنمائی کا اعلانیہ نہ بننے پائے۔ جی خوش ہوا اور آپ کے لیے دل سے دُعا نکلی۔

چوں کہ اِس کی دوسری جلد بھی آپ مرتّب کر رہے ہیں، جیسا کہ آپ نے کہا تھا، اِس لیے میرا جی چاہا کہ بعض باتوں کی طرف آپ کی توجہ منعطف کراؤں، محض اِس بنا پر کہ میں آپ کی قدر کرتا ہوں۔ اعتراض کرنا مقصود نہیں، بس احتیاط کے تقاضوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ چوں کہ یہ تحریر ذاتی طور پر لکھی جا رہی ہے، اِس لیے توقّع کرتا ہوں کہ آپ اِسے اِسی نظر سے دیکھیں گے۔

کمپوزنگ، یا یوں کہیے کہ مشینی کتابت کی غلطیاں اچھی خاصی تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اِن میں سے کچھ غلطیاں ایسی ہیں جو جملے کو بگاڑ رہی ہیں۔ اِس طرف توجہ کیجیے۔ میں محض بہ طورِ مثال ایسے کچھ مقامات کی نشان دہی کرتا ہوں؛ مگر پہلے ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔ پیراگراف بنانا ازبس ضروری تھا۔ آج کے قاری کے لیے مختصر پیراگراف ضروری ہیں۔ اِس کے بغیر نگاہ پڑھنے سے پہلے ہی اُلجھ جاتی ہے۔ یہ مثل آپ نے ضروری سنی ہوگی کہ کھانا پہلے آنکھیں کھاتی ہیں، وہی بات یہاں بھی ہے۔ مثلاً ص ۴۵ سے جو ایک پیراگراف شروع ہوا ہے تو وہ ص ۴۹ تک چلا گیا ہے۔ پھر ص ۵۱ سے جو پیراگراف شروع ہوا ہے، وہ ص ۵۵ تک چلا گیا ہے۔ اصل میں کیا ہے، اِس سے بحث نہیں۔ کچھ بھی ہو، انتخاب میں ایسا نہیں ہونا چاہیے اور چھوٹے چھوٹے پیراگراف بنائے جانا

چاہیے۔ مرتب کو اِس کا حق حاصل ہے اور یہ ضروری ہے۔

ص۲۴، سطر۲: زندگی کے موج خرام۔ کی ہونا چاہیے۔ ص۳۲: سرِ مثلِ گندم خام۔ گندم کی جگہ گنبد ہوگا اور خام...... ص۴۴، شعر: کہے تو کہہ۔ غلطی ظاہر ہے کہ ''کہ'' کو ''کہہ'' بنادیا گیا ہے۔ ص۵۷، سطر۲۲: لکھا تھا کہ۔ اسے ذرا اصل میں دیکھ لیجیے کہ کیا یہی ہے۔

ص۵۸، س۱۸: از کجاست تا بہ کجا شُت ــــ ''تا بہ کجا'' درست ہے۔ نیز ص۲۳۷ پر ــــ

ص۶۰: کشتیِ مرا۔ اضافت کا زیر نہیں ہونا چاہیے۔ اِسی صفحے کی چھٹی سطر کو ذرا اصل میں دیکھ لیجیے۔ سطر۱۹: جدھر جی چاہے چلے جانا ــــ ذکر ہے خواصوں کا، اِس لیے چلی جانا کا محل ہے۔

ص۶۱، سطر۸: بہ مجردِ حکم ــــ اضافت کا زیر نہیں ہونا چاہیے ــــ سطر۲۲: بعد ادائے دعا و ثنائے بادشاہی کے ــــ اصل سے مقابلہ کیجیے، بہ ظاہر بادشاہی کے محلِ نظر معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ادائے اور ثنائے پہلے آچکے ہیں، یوں ''کے'' بے محل ہے۔ مگر دیکھ لیجیے اصل کو، تا کہ بات صاف ہوجائے۔

ص۶۲، سطر۵: از روئے قواعدِ رمل کے ــــ اضافت کا زیر محلِ نظر ہے۔

ص۸۷: مثلِ برق و باد کے ــــ // // // // //۔

ص۱۳۷، س۷: جواناں مرگ ــــ جوانا مرگ ہونا چاہیے ــــ ص۱۳۹، سطر۲: آٹھ سو استادے جواہر نگار پر ــــ اصل سے مقابلہ کیجیے ــــ مقیش کو ہر جگہ لازماً مع تشدید مقّیش لکھا جانا چاہیے۔ ''روپہلی'' کئی جگہ آیا ہے۔ یہ ''اوس'' کی طرح کا قدیم املا ہے، اب رُپہلی لکھیے ــــ ص۱۵۶، س۸: سوجھائی نہ دیتا تھا ــــ سجھائی۔

ص۱۵۹، سطر۵: زمزمۂ مناجاتیوں میں؟ ــــ زمرۂ ہوگا (غالباً)۔

ص۱۸۷، س۱۷: میلے کے قریب حد کے پہنچا، جہاں کو راستہ پایا؟؟ ــــ سطر۱۹: خیام۔ تشدید بے محل ہے ــــ ص۱۸۹: یوں کیجیے عبادت ــــ ''کیجیے'' کا محل ہے، ص۱۸۸، س۳: اوپچیں ــــ واو زائد ہے ــــ سطر۷: پاپچے۔ پائچے صحیح املا ہوگا۔

ص۱۹۰، سطر۲: مَسی ــــ تانبے کے معنی میں مِسی ہونا چاہیے۔ ظروفِ مِسی: تانبے کے برتن۔ // //، سطر۶: سنکریوں۔ یہ سنکرنوں ہے ــــ س۱۹: کھاردے۔ واو کی جگہ دال نے لے لی ہے۔

ص۱۹۱: ایک سمت خوشبو ساز دماغ و جاں معطر فرماتے تھے ــــ بہ ظاہر دماغِ جاں کا محل ہے۔ اس کے بعد جو تین شعر ہیں، اُن میں ''دکان'' نے مصرعے کو بحر سے خارج کر دیا ہے۔ دکاں ہونا چاہیے۔

ص۱۹۳، س۵: پہلے مصرعے کے وزن کو دیکھیے۔ کہیں بھیاس؛ یہ درست نہیں ــــ کہیں پہ بہاگ ــــ یہ مصرع ساقط الوزن ہے۔ ص۱۹۴، س۱۸: تجمل میلے میں جانے کے لیے منگوا کر ''تجمل'' کی

جگہ کچھ اور ہوگا۔ ص ۲۰۷: لوہار — لُہار ہونا چاہیے — ص ۲۰۸: اردبیگنیاں — اُردابیگنیاں
— ص ۲۳۲: تارجیل: کھوپڑا — یہ تو کھوپڑی کا اسمِ مکبّر ہوا۔ ناریل کافی ہے، یا کھوپرا لکھیے۔
ص ۲۳۳: منھنال — مُنّہنال — اس میں ہاے مخلوط نہیں، ہاے ملفوظ ہے۔

منھ — مُنہ — " " " " " " " "

وزاں: رواں — x — وزیدن کے معنی ہیں: ہوا کا چلنا۔

یہ محض چند مقامات کی نشان دہی ہے۔ آپ بہ طورِ خود دیکھیں گے تو اور سب مقامات سامنے آجائیں گے۔ اگلی جلد میں اِس طرف خاص کر توجہ کیجیے۔

کتاب کے لیے شکرگزار ہوں۔ ہاں بھائی! الفاظ کا وعدہ آپ نے پورا نہیں کیا کہ وہ مجھے ہنوز نہیں ملا۔ خان صاحب سے آپ نے میرا اسلامِ شوق تو کہہ دیا ہوگا! خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور ایسے ہی اچھے کام کرتے رہیں۔

اس خط کی رسید ضرور بھیجیے کہ اطمینان ہو۔

رشید حسن خاں

★★★

بنام گیان چند جین، ڈاکٹر

(۱)

ایف ۳/۴، ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹
۶ر ستمبر ۱۹۷۴ء

مکرّمی!

محبت نامہ ملا تھا۔ یہ ''دیوگش'' کی خوب رہی۔ بہ ہرحال، آپ کی داد سرآنکھوں پر۔ اور اِس بار کی قید کیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ آپ نے ہر مناسب موقعے پر اپنی پُرخلوص ہمت افزائی سے کام کرنے کا حوصلہ بڑھایا ہے، اس کا مجھے اعتراف ہے۔

ترقی اردو بورڈ والے کہتے ہیں کہ کتاب اب آپ تک پہنچ گئی ہے، اللہ جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ سرکاری باتوں کا کیا بھروسا۔ براہِ کرم آپ لکھیے کہ صحیح صورت کیا ہے۔ سنا تھا کہ آپ آنے والے ہیں مگر پھر کچھ معلوم نہیں ہوا۔ اب کب آنے کا ارادہ ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ اب جب آپ یہاں آئیں تو ''ہمزہ'' کے مسئلے پر آپ سے ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو ہو۔ مجھے بہت کچھ کہنا ہے، مگر زبانی۔ ''ہندستانی زبان'' والا مضمون میں نے پڑھ لیا ہے۔ آپ تو ''شعراءِ کرام'' اور ''شعرائے کرام'' کو ایک کردینا چاہتے ہیں، اِس پر یقیناً مجھے کچھ کہنا ہے۔ دو علامتوں کے احتجاج کا تضاد، یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ بہ ہرصورت، اس پر آپ سے کھل کر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کرکے جب بھی اب آپ تشریف لائیں تو بہ ذریعۂ خط پہلے مجھے مطلع ضرور کردیں پھر پروگرام بھی بن جائے گا۔ اس خط کا جواب فوراً دیجیے، چشم براہ ہوں۔ اس کا سخت افسوس ہے کہ کتاب آپ تک نہیں پہنچ پارہی ہے اور میں سرکاری ضابطہ پرستی کے پھیر میں آگیا ہوں، اس مجبوری پر سوائے اظہارِ معذرت اور کیا کرسکتا ہوں۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۲۴ر اگست ۱۹۷۸ء

مکرّمِ بندہ! آداب

گرامی نامہ موصول ہوا، میرا بھیجا ہوا رجسٹرڈ پیکٹ آپ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔ کاپیوں کی تصحیح

کے لیے چوں کہ اس کی ضرورت ہوگی، اس لیے براہِ کرم اُسے جلد ہی واپس بھیج دیجیے گا۔ زحمت تو ہوگی اور اس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ مگر یہاں پروفوں کی تصحیح کا کام ان اوراق کے بغیر نہیں ہو سکے گا، اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو میں ہرگز زحمت نہ دیتا۔

آپ کی تجویز سر آنکھوں پر، مگر یہ ذرا تاخیر سے مجھ تک پہنچی۔ زیرِ طبع کتاب میں ایسے چار مضمون شامل ہیں اردو شاعری کا انتخاب ، دیوانِ غالب ، علی گڑھ تاریخ ادب اور تاریخ ادب مولفہٗ جمیل جالبی (کراچی)۔ فیضؔ والا مضمون تنقیدی مضامین کے مجموعے میں شامل ہو سکے گا۔ انتخابِ ناسخ والا مقدمہ اور یہ مضمون اور ایسے دو ایک اور مضمون پر مشتمل تنقیدی مضامین کا جو مجموعہ مرتب ہوگا اُس میں یہ مضمون شامل ہوگا۔ آپ کی ہمت افزائی شاملِ حال رہی تو یہ مجموعہ بھی مرتب ہو جائے گا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ ہمیشہ داد سے نوازتے رہے ہیں اور ہمت بڑھاتے رہے ہیں۔ دیوانِ غالب صدی اڈیشن والے تبصرے پر جس محبت کے ساتھ آپ نے داد دی تھی اور جس طرح اُس کی تعریف کی تھی، وہ مجھے یاد ہے۔ میں نے آپ کے اُس خط کو کئی بار پڑھا تھا اور بہت متاثر ہوا تھا۔ آپ نے اِس تبصرے کو ''دیوافگن'' لکھا تھا۔ ویسے بھی آپ نے اپنے دو مضامین میں خاص طور پر میری کاوشوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی اہمیت اور ضرورت پر جس طرح زور دیا ہے، ان سے بھی مجھے بہت مدد ملی۔

زبان اور قواعد کیا لائبریری میں مل گئی؟ اگر نہ ملی ہو تو پھر میں خرید کر تحفتاً آپ کی خدمت میں پیش کروں، کیوں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ کتاب آپ کی نظر سے ضرور گزرے۔ اُس میں شامل ایک مضمون ''صحتِ الفاظ'' پر آپ سے میں زبانی داد پا چکا ہوں۔ براہِ کرم اس امر سے مطلع فرمایئے۔

جس کتاب کے متعلق آپ نے لکھا ہے، اس کی صرف ایک کاپی میرے پاس تھی۔ آپ اُس کے ناشر سے براہِ راست منگا سکتے ہیں۔ میرے پاس اگر کوئی زائد کاپی ہوتی تو میں فی الفور پیشِ خدمت کرتا۔

خدا کرے مزاجِ گرامی بہ خیر ہو۔

اظہار (بمبئی) میں تاریخ ادب مرتبہ جمیل جالبی پر میرا مفصل تبصرہ آیا ہے، کیا آپ کی نظر سے گزرا؟

رشید حسن خاں

پس نوشت:

حضرات! ادبی دنیا میں اس وقت یہ عجب صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے کہ ہمارے بعض معروف افراد آسان پسندی کے پھیر میں آگئے ہیں اور دنیا طلبی کی دوڑ میں شامل ہوگئے ہیں۔ آخر نئے کام کرنے والوں کے سامنے ہم کس قسم کی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں؟ جمیل جالبی صاحب کی تاریخ

اب دہلی میں بھی چھپ گئی ہے اور کسی اور کتاب کی عدم موجودگی میں عموماً اُسی سے استفادہ کیا جائے گا۔ لوگ مختلف وجوہ سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں بغیر اُس کو پڑھے ہوئے، جب کہ اُس کے مندرجات کا احوال عجیب بل کہ عجیب تر مثلاً مولف کے نزدیک عہدِ تغلق میں اردو زبان موجود تھی اور بین الاقوامی بن چکی تھی۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ذریعہ تعلیم اردو زبان تھی۔ شاہ جہاں کے عہد میں سرکاری ملازمت کے لیے اردو جاننا لازم تھی اور شاہ جہاں خود بھی اردو لکھا کرتا تھا۔ امیر خسرو نے خسرو خان کی جنگ کے حالات اصلاً پنجابی زبان میں لکھے تھے۔ اُن کے نزدیک فارسی عربی الفاظ، اسلامی زبانوں کے لفظ ہیں اور ''مسلمانوں کے لفظ'' ہیں۔ اور اردو اس طرح بنی کہ ''اسلامی زمانوں'' کے ہزارہا لفظ مقامی زبانوں میں داخل ہونے لگے۔ غرض اس طرح کے عجائبات کی کان ہے یہ کتاب۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کس طرح چپ رہا جائے! اگر تبصرہ کیا جائے اور صحیح بات کہی جائے تو کہا جائے گا کہ یہ نکتہ چینی ہے، تخریب ہے، تنقیص ہے۔ زور صاحب کی کتاب کا بھی احوال یہی تھا اور یہی صورت تھی علی گڑھ تاریخ ادب کی۔ بالکل یہی عالم تھا دیوانِ غالب صدی اڈیشن کا۔ مرتب نے غضب یہ کیا کہ اصولِ تدوین کی طرف کم سے کم توجہ کی۔ حد یہ ہے کہ جس نسخے پر متن کی بنیاد رکھی، اُسے بہ چشمِ خود دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ تذکیر و تانیث، صحتِ املا، املاے مصنف، صحتِ وزن، غرض ضروری امور کی طرف سے بے حد بے پروائی برتی گئی۔ یہی بات اس تبصرے کی محرک ہوئی۔ وہ میرے محترم ہیں، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ کثرتِ تالیف کے پھیر میں آ کر معیار کی طرف سے انھوں نے قطع نظر کو روا رکھا ہے۔ اب یہ آپ کے اوپر ہے کہ اسے تخریب کہیے یا تنقیص، میں بجاے خود اسے ایک ضرورت سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی فرد یا ادارے کی چھٹائی یا بڑائی پر نظر نہیں کی، اپنی بساط بھر صحیح بات کہتا رہا اور اس کے نتیجے میں ساری دنیا سے گویا تعلقات خراب ہو گئے اور اُس کے نتائج اب بھی بھگت رہا ہوں، مگر خدا کا شکر ہے کہ پشیمان نہیں اور اپنے نقصانات پر افسوس ضرور ہے مگر یہ احساس ہے کہ اس راہ میں یہی ہوتا ہے۔ جین صاحب! میں نے حق گوئی کی بہت قیمت ادا کی ہے اور ادا کر رہا ہوں، کبھی نیاز حاصل ہوا تو تفصیلی عرض کروں گا۔ میری کوششیں بہت ناچیز ہیں، خود میری طرح؛ مگر اس کا یقین ہے کہ ان سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچا ہے کہ اب تحقیق کے سنجیدہ طالبِ علم ان مسائل پر غور کرنے لگے ہیں اور صرف نام متاثر نہیں کر پاتا اور نہ مرغوب کر پاتا ہے۔ معیار کے تحفظ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اُس پر جب کبھی حرف آئے تو اس کی نشان دہی کی جائے۔ البتہ توفیق شرط ہے اور مقدور کی بھی بات ہے۔ میں تو اس سلسلے میں آپ کی دعاؤں کا اور ہمت افزائی کا خواستگار ہوں کہ آیندہ وہ کام بھی کروں جو بعض مجبوریوں پر اب تک نہیں کر سکا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گارٹہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۰ رمئی ۱۹۸۰ء
مکرّمی!

آپ کا خط مورخہ ۱۵ رمئی ملا، شکر گزار ہوں۔ ''متوطنِ حال'' کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ ''یہ ساری شرارت آگرہ والوں کی ہے'' میں عرض کروں کہ اِس تحریف کے بانی مبانی نول کشور پریس کے مصحح تھے۔ آگرے والوں نے تو محض نقل اور عبارت آرائی کی ہے۔

میرے سامنے نول کشور پریس کا نسخہ ۱۸۸۲ء موجود ہے اور اُس میں ''متوطنِ حال'' لکھا ہوا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ ۱۸۶۷ء والے اڈیشن میں پہلی بار یہ تحریف داخل ہوئی ہے۔ ۱۸۶۲ء کا ایک نول کشوری نسخہ میرے سامنے ہے اور اُس میں یہ موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ۱۸۶۷ء میں، حقوقِ اشاعت کے معاہدے کے بعد پہلی بار نول کشور پریس سے یہ کتاب چھپی، تو اس وقت کسی صاحب نے یہ کارگزاری کی۔ میں اِسی لیے ۱۸۶۷ء کے نول کشوری نسخے کی تلاش میں ہوں۔ اُس اشاعت کے مصحح فدا علی عیش تھے (جنھوں نے شعلۂ جوالہ کو مرتب کیا تھا) قیاس یہ ہے کہ یہ دخل اندازی اُنھی مرحوم کی ہے۔

یہی نہیں، دس بیس سے زیادہ مقامات پر نول کشوری نسخے میں لفظ یا ٹکڑے بدلے ہوئے ہیں اور یہ سب پریس والوں کی عنایت ہے، کہیں تو اُنھوں نے بہ خیالِ خویش تصحیح کی ہے اور کہیں زبانِ حال کے مطابق جملے کو کر دیا ہے۔

یہ بھی عرض کروں کہ ''تبدیلیوں کی چھوٹ دیباچے ہی پر پڑی ہے'' اِس سے صورتِ حال کی صحیح طور پر ترجمانی نہیں ہوتی۔ مطبعے کا نام کی تبدیلی کے سوا، دیباچے میں اور بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ اشاعتِ اول ۱۲۵۹، اشاعتِ مصطفائی ۱۲۶۲، اشاعت حسنی ۱۲۶۳، اشاعت افضل المطابع ۱۲۷۶ (وغیرہ) کو اگر سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دیباچہ کتاب میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں غالباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ۱۲۶۷ھ میں مطبع محمدی کان پور سے جو نسخہ چھپا ہے، اُس میں سرورؔ نے بہت زیادہ تبدیلیاں کی ہیں۔ عبارتیں کی عبارتیں بدل دی ہیں۔ لیکن اس کے بعد ۱۲۷۶ میں جب اُنھوں نے آخری بار نظرِ ثانی کی، تو اُن تبدیلیوں کو خود رد کر دیا اور ۱۲۶۳ کے مطبعِ حسنی والے نسخے کے مطابق متن کو رکھا۔ معمولی ترمیموں کے ساتھ)۔ مطبعِ حسنی کی اشاعتِ ثانی میں شرف الدولہ والی عبارت تھی نہیں، اِس لیے وہ بعد کے کسی بھی نسخے میں نہیں۔ اُس کے

علاوہ اور سب کچھ علیٰ حالہٖ رہا (لفظی ترمیموں سے قطع نظر)۔

مطبع مصطفائی کا اڈیشن، میرا خیال ہے کہ سرورؔ سے پوچھے بغیر چھاپا گیا ہے۔ اُس زمانے میں ایسی کوئی پابندی تھی بھی نہیں۔ مطبع والوں نے اپنی طرف سے یہ تصرّف کیا ہے عبارت میں کہ سرورؔ نے جہاں مطبع میر حسن رضوی کی تعریف کی تھی، وہاں سے وہ جملے نکال دیے ہیں اور عبارت کو اِس طرح بدل دیا ہے کہ لکھنؤ کے عام مطبعوں کی تعریف معلوم ہوتی ہے۔ یہ تعریف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصطفائی کا نسخہ صفحہ بہ صفحہ اشاعتِ اول (میر حسن رضوی کے مطبع حسنی) کی نقل ہے، البتہ مصحّح نے دس پندرہ مقامات پر لفظی تبدیلیاں کی ہیں اور بہ ظاہر یہ مطبع والوں ہی کی کارروائی ہے۔

ایک بات اور: مصطفائی کے نسخے میں (غالباً) تین مقامات پر اصل عبارت میں کسی لفظ پر نؔ لکھ کر، حاشیے میں اُس کا بدل لکھا گیا ہے۔ اِس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پریس میں، اشاعتِ اوّل والے نسخے کے علاوہ، کوئی اور نسخہ بھی تھا۔ (غالباً خطی ہوگا) لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہ ہرصورت، مصطفائی والا نسخہ، اصلاً اشاعتِ اوّل کی نقل ہے، اُس تحریف کے ساتھ جو دیباچۂ کتاب کی عبارت میں مطبعے کے ذکر کے ذیل میں کی گئی ہے اور بعض اُن معمولی لفظی تبدیلیوں کے ساتھ جو متن میں ہیں۔

سرورؔ نے جب کسی نسخے پر نظرِ ثانی کی ہے تو خاتمے میں اُس کا اظہار کیا ہے اور دیباچے میں، پرانے مطبعے کا ذکر نکال کر، اُس نئے مطبعے کا ذکر شامل کردیا ہے اور ایسے صرف تین نسخے ہیں: مطبع حسنی ۱۲۶۳، مطبع محمدی کان پور ۱۲۶۷ھ، مطبع افضل المطابع کان پور ۱۲۷۶ھ۔ اگر مصطفائی والے نسخے کو سرورؔ دیکھتے تو پریس کا ذکر اس میں ضرور بدلا ہوا ہوتا۔ اس کے علاوہ، مصطفائی میں خاتمت الطبع کی جو عبارت ہے اُس سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مصنّف کا دیکھا ہوا نسخہ نہیں، پریس نے ازخود اس کتاب کو چھاپا ہے۔

مختلف نسخوں کے متن کا مقابلہ کرنے کے لیے میں نے اپنے احباب میں سے پانچ حضرات کی خدمات حاصل کی تھیں اور اُن لوگوں نے ازراہِ لطفِ خاص میری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا تھا، اُن میں سے ایک میرے عزیز دوست تنویر علوی صاحب بھی تھے، اور بس۔

صاحب! جُوے کی ایک اصطلاح سمجھ میں نہیں آرہی ہے، سرورؔ نے دیباچے میں اہلِ لکھنؤ کی فراخ دلی کے بیان میں، ''پیر بخارا'' کے شہدے کو پیش کیا ہے کہ وہ بھی اِس قدر ہمّت والا ہے کہ ''دُوے کے دانو پر اَدھی نہ لگائی...... سیکڑوں دانو منجی گئے، منہ سے نہ پنجی گئے''۔ ''منجی'' یا ''منجے'' کے معنی ہیں: دانو کا خالی جانا۔ لیکن اس لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے اور دوسرے ٹکڑے کا تعیّن کیسے ہو، اگر آپ کے ذہن میں کوئی بات ہو تو مطلع فرمائیے۔

سچ عرض کروں کہ اِس متن نے مجھے ہلکان کردیا ہے۔ اس قدر اُلجھاوے نکلیں گے، یہ میں

نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔اس طویل مکتوب کی معذرت۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۸/اگست ۱۹۸۲ء

مکرّم بندہ! آداب

گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔وہ ایک اضطراری بات تھی۔یار لوگوں نے نام لکھا دیا اور مجھے مجبور کیا کہ واپس نہ لوں۔اصل آدمی ان میں حسینی شاہد صاحب تھے، ان سے مراسم اس قدر ہیں کہ اس فرمایش کو ٹال نہیں سکا اِس طرح آ پھنسا۔مجھے آپ کی اِس رائے سے مکمّل اتفاق ہے کہ یہ سب ''ادبی سیاست کا حصہ ہے'' اور امکان بھر اِس سے دور رہنا چاہیے۔بہ ہر صورت، آپ نے جس یگانگت اور صفائی کے ساتھ بات لکھی، اُس سے بے حد مسرّت ہوئی، معاملے کی ایسی صفائی اور وضاحت اب کم یاب ہے۔میرے دل میں آپ کا وقار جو پہلے ہی سے جاگزیں تھا، اب کچھ اور بڑھ گیا، اور کہتا ہوں سچ کہ......

ذکر وفکر مجھے کہاں ملی؟ مجھے تو حقائق بھی نہیں ملی تھی۔کئی بار تقاضا کرنے کے بعد خاموش ہوگیا تھا، اِس بار میں نے تقاضا کیا ہی نہیں، اگر چہ کئی بار ہڑک اُٹھی۔بہ ہر حال، کبھی نہ کبھی تو مل ہی جائے گی، محروم ہوں، مایوس نہیں۔

خدا کرے مزاج گرامی بہ خیر ہو۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۷/اپریل ۱۹۸۳ء

مکرّمی! آداب

آپ کا خط ملا تھا۔ چوں کہ اُس کے جواب کا تعلق دراصل تنویر علوی صاحب سے تھا، اِس لیے اُسی دن میں نے اُس خط کو اُن کے حوالے کر دیا تھا اور اُنھوں نے وعدہ بھی کیا تھا جواب لکھنے کا، غالباً اُن کا خط آپ کو مل چکا ہوگا۔

کتاب اب تک نہیں چھپی ہے، اور بہ ظاہر اُس کے چھپنے کا امکان بھی نہیں معلوم ہوتا۔ مقدّمے سے متعلق اگر کوئی بات ایسی ہو جس کا جواب میں لکھ سکوں، تو مطلع فرمایئے؛ جو کچھ میرے علم ہے، اُس سے اطلاع دی جائے گی اور مجھے اس خدمت کی بجا آوری سے مسرّت ہوگی۔

میں ۱۴ر اپریل کو جموں جاؤں گا اور واپسی یکم مئی کو ہوگی۔ اس درمیان میں اگر آپ خط لکھیں تو عابد پیشاوری صاحب کی معرفت لکھیں۔ میں تفصیل سے جواب لکھنے کی کوشش کروں گا۔

ہاں آپ کے ایک سوال کا جواب یہ ہے کہ اِس کتاب کو تنہا میں نے مرتب کیا ہے۔ شرکتِ غم کا ویسے بھی میں قائل نہیں، البتہ دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے اختلافِ نسخ تیار کرنے میں چار افراد سے مدد لی گئی ہے، جن میں سے ایک فرد تنویر صاحب بھی ہیں۔ کاپیاں میں نے خود پڑھی ہیں چار بار، اس کے بعد اِس خیال سے کہ کوئی غلطی کتابت کی مجھ سے اب بھی چھوٹ نہ گئی ہو، ڈاکٹر شارب ردولوی سے میں نے درخواست کی اور شروع کے ۵۰ صفحات کو پانچویں بار انھوں نے پڑھا اور جب ان صفحوں میں کوئی غلطی نہیں نکلی، تب کچھ اطمینان ہوا۔ البتہ فسانۂ عجائب کی مختلف اشاعتوں کے نسخے چھے سات جگہ سے ملے اور اِس حد تک یہ سب لوگ گویا شریکِ کار ہیں۔ یہ ہے کل داستان۔

کبھی کبھی خط لکھ کر یاد کر لیا کیجیے، اِس سے بڑا حوصلہ ملتا ہے اِن دل شکن اور صبر آزما حالات میں۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

ہاں فسانۂ عجائب کے حواشی ۴۰۰ صفحات پر محیط ہیں، اس کے بعض اجزا نمونتاً دو قسطوں میں اردو اکیڈمی کے رسالے اکادمی میں چھپے ہیں۔ اگر آپ کی نظر سے یہ نہ گزرے ہوں تو مطلع فرمایئے، میں بھیج دوں گا۔ توقع تو یہی ہے کہ اُن کو پڑھ کر آپ خوش ہوں گے اور میرے طریقۂ کار کا بھی اندازہ کر سکیں گے۔ اس بات سے ضرور مطلع فرمایئے۔ ان اجزا کو میں اپنے ساتھ جموں لیتا جاؤں گا اور اگر آپ کا خط وہاں مجھے ملا، تو وہیں سے اِن کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔

(۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۵؍مارچ ۱۹۸۴ء
مکرّمی!

آپ کا لفافہ مرقومہ ۲۱؍فروری ملا تھا، معذرت طلب ہوں کہ جواب بروقت نہیں لکھ سکا۔ یہاں N.C.E.R.T میں نصابی کتابوں سے متعلق ایک ورک شاپ تھی، ایک ہفتے تک اُس میں صبح سے شام تک بے طرح الجھا رہا۔ نارنگ صاحب نے میری معذرت قبول ہی نہیں کی، اِس لیے شرکت کرنا پڑی۔

آپ کے تنویر علوی صاحب کے پیش لفظ کا اقتباسِ ضروری درج ذیل ہے:

''میرے اور شعبۂ اردو دانش گاہ دہلی کے دوسرے ساتھیوں کے لیے یہ بے حد طمانیت و شادمانی کی بات ہے کہ نئے تعلیمی سال ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران دبستانِ لکھنؤ کی معروف ادبی تصنیف اور نثری داستان فسانۂ عجائب کی تحقیقی اشاعت عمل میں آرہی ہے، جس کی ترتیب وتحشیہ کا نہایت اہم کام رشید حسن خاں صاحب نے انجام دیا ہے۔

رشید حسن خاں اپنی تحقیقی ژرف نگہی اور تنقیدی بصیرت کے لحاظ سے ہندو پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک خاص امتیاز اور درجۂ اعتبار رکھتے ہیں اور یہ بات خود شعبۂ اردو اور اس دانش گاہ کے لیے وجہِ تمیز و تخصیص قرار دی جاسکتی ہے کہ وہ تقریباً پچھلی ایک ربع صدی سے شعبے کے ادارۂ تصنیف وتالیف سے وابستہ ہیں......۔

رشید حسن خاں نے اس کام کو جس لاگ، جس لگن اور جس لگاؤ کے ساتھ انجام دیا ہے، اس کے معیاری نمونے ہماری ادبی تدوین کی تاریخ میں بہت کم یاب ہیں۔ ان کا اپنا مطالعہ، تجزیاتی ذہن اور زبان وقواعد کے مسائل سے اُن کی گہری دل چسپی قدم قدم پر ان کے ساتھ نہ ہوتی، تو یہ کام اس سطح اور اس طرح پر انجام دیا جانا ممکن نہ ہوتا''۔

علوی صاحب نے پہلے دن سے قطعی طور پر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ یہ کتاب چھپے گی اور صرف تمھارے نام سے چھپے گی، انھوں نے صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے ضابطے کے مطابق پیش لفظ بھی لکھ کر دے دیا تھا (جس کے بعض اجزا کو اوپر نقل کردیا گیا ہے) پھر اُس کے بعد کیا پیچ پڑا، اُس سے میں بے خبر ہوں، کہ یہ کتاب نہیں چھپ سکی۔ اب میں اور کیا عرض کروں۔ بہ ہر حال، انھوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ اُن کا نام بہ حیثیت مرتب آنا چاہیے، وہ اِس معاملے میں بے قصور ہیں۔ ہاں

سب باتوں کے باوصف کتاب نہیں چھپی، یعنی اصل بات وہیں کی وہیں رہی۔

میں نے اب بددل ہو کر اُس کو باندھ کر رکھ دیا ہے، چھپے یا نہ چھپے، میری بلا سے۔ اِس کا مقدّمہ میں نہیں لکھ پایا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقدّمہ کتاب کے مکمّل ہونے پر ہی لکھا جاتا ہے۔ کتاب کی کتابت جب مکمّل ہوگئی اور مقدّمہ شروع کرنے ہی کو تھا کہ دوسرے جھگڑے پیدا ہوئے اور میں نے قلم کو روک لیا۔ اب بیشتر مباحث ذہن سے نکل گئے ہیں، اگر کبھی لکھنا پڑا تو معلوم نہیں لکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں اپنی زندگی میں اِس قدر بے چارگی اور بے کسی کے احساس سے اِس سے پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا، اب معلوم ہوا کہ جی لگا کر کام کرنا فضول ہے، بل کہ کام کرنا ہی بے کار ہے۔ اب تو ریٹائر ہونے کے بعد ہی شاید کچھ کرسوں۔ بیدلی ہائے تمنّا کا مفہوم اب معلوم ہوا۔

ظہیر صاحب نئے صدرِ شعبہ ہیں، میرے ہمدرد ہیں اور مخلص؛ میں نے ان سے ابھی بات نہیں کی ہے، ابھی وہ دوسرے کاموں میں الجھے ہوئے ہیں۔ مہینے دو مہینے کے بعد اُن سے گفتگو کروں گا اور تب معلوم ہو سکے گا کہ صورتِ حال کیا ہے۔ شاید کوئی صورت نکل آئے، مگر جی بے طرح اُچاٹ ہوا ہے اِس جھگڑے میں۔

آپ کے مخلصانہ کلمات نے بہت تسکین بخشی ہے، شکرگزار ہوں۔

ہاں ایک بات دریافت طلب ہے: میری کتاب زبان اور قواعد کا دوسرا اڈیشن نکلا ہے، مجھے ۵ کتابیں دی گئی ہیں؛ اگر یہ کتاب آپ کے پاس نہ ہو، تو ایک کاپی بھیج دوں۔ یہ آپ جیسے اہلِ زبان کے پڑھنے کی چیز ہے۔

آپ کے مخلصانہ برتاو اور عزّت افزائی کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ترقّی اردو بورڈ پاکستان کے لُغت پر میرا تبصرہ اظہار (بمبئی) میں چھپا ہے، نظر سے تو گزرا ہی ہوگا!

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۹ر مارچ ۱۹۸۴ء
مکرّمی!

کل کی ڈاک سے گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔ میں جوشؔ سمینار میں شرکت کے لیے کل لکھنؤ

جاؤں گا، مضمون لکھنے میں بے طرح مصروف ہوں، اس لیے مختصراً یہ خط لکھ رہا ہوں، محض رسید کے طور پر۔ ۱۳ر کو واپسی ہوگی۔

ہاں، میں نے چند روز پہلے جو خط لکھا تھا، (شعبے کے پتے پر) وہ آپ کو مل چکا ہوگا، جس میں میں نے تنویر علوی صاحب کے نوشتہ پیش لفظ کے بعض اقتباسات بھیجے تھے۔ اِس فسانۂ عجائب نے آپ کو مبتلائے مصیبت کیا، اِس کا افسوس ہے اور وہ ''معذرت نامہ'' دیکھنے کا مشتاق ہوں، جس کا حوالہ آپ نے خط میں دیا ہے۔

آپ کی ہمدردی اور ہمت افزائی شاملِ حال رہی تو یہ کتاب چھپے گی ضرور، بہ تاخیر سہی، اِس کا مجھے یقین ہے۔

آپ کو بھی اب اندازہ ہوا ہوگا کہ بیش تر دانش گاہوں میں اچھا کام کیوں نہیں ہوتا! اور کام کرنے والے برداشتہ خاطر اور ''ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی'' کی تصویر کیوں بنے رہتے ہیں! میں نے زبان و قواعد کے متعلق دریافت کیا تھا کہ وہ آپ کے پاس ہے؟ نہ ہو تو میں بھیج دوں، اشاعتِ ثانی کی چند کاپیاں مجھے ملی ہیں۔ اِس کا جواب ضرور لکھیے۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۸ر مارچ ۱۹۸۵ء

مکرّمی! تسلیم

آپ کے دو شاگرد غالب انسٹی ٹیوٹ کے تقریری مقابلے میں حصّہ لینے کے لیے آئے تھے، اُن سے آپ کی خیریت معلوم ہوگئی تھی اور اطمینان ہو گیا تھا۔

یہ خط آپ کے مضمون ''دلّی اور لکھنؤ کی زبان کا مسئلہ'' کے سلسلے میں لکھ رہا ہوں، جو کتابت کے بعد میری نظر سے گزرا ہے۔ بے اختیار جی چاہا کہ بعض امور کی طرف آپ کو متوجہ کروں۔

آپ نے فسانۂ عجائب کے نسخے مطبوعہ مطبعِ محمدی کان پور (۱۲۶۷ھ) کی ایک عبارت نقل کی ہے، جس میں ''عطا حسین خاں'' کا نام آیا ہے، اِس کے ذیل میں آپ نے لکھا ہے: ''سرور کی زندگی کے کسی اور اڈیشن میں عطا حسین خاں کا ذکر نہیں''۔ اور اِس بنیاد پر آپ نے بعض نتائج نکالے ہیں۔ یہ بحث کم و بیش ایک صفحے میں آئی ہے۔ میں یہ عرض کروں کہ ۱۲۷۹ھ میں مطبعِ خاص

افضل المطابع سے اس کتاب کا جو نسخہ مصنف کی نظرِ ثانی کے بعد چھپا تھا، اُس نسخے میں بھی وہ عبارت اُسی طرح ہے جس میں ''عطا حسین خاں'' کا نام آیا ہے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق یہ ۱۲۷۹ھ والا نسخہ مصنف کا نظرِ ثانی کیا ہوا، آخری نسخہ ہے۔ اِس میں مصنف نے اچھی خاصی تبدیلیاں کی ہیں اور اضافے کیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اِس صورت میں یہ پوری بحث آپ کی نظرِ ثانی کی طلب گار ہو جاتی ہے۔

ایک بات اور: فسانۂ عجائب کی ایک اور عبارت (اِس سے پہلے) آپ نے نقل کی ہے، جس میں ایک مثل اِس طرح مندرج ہے: ''کہ مثل مشہور ہے نہ چولھے میں آگ نہ گھڑے میں پانی''۔ اور اِس عبارت کے لیے آپ نے حوالہ دیا ہے اطہر پرویز مرحوم والے نسخے کا۔ میں عرض کروں کہ اطہر پرویز والے نسخے میں ''نہ چولھے آگ نہ گھڑے میں پانی'' ہے۔ جس قدر معتبر نسخے اِس کتاب کے میرے سامنے ہیں، اُن سب میں اِسی طرح ہے۔ یعنی پہلے جز میں ''میں'' شامل نہیں۔ ہاں سلیمان حسین والے نسخے میں ''نہ چولھے میں آگ نہ گھڑے میں پانی'' ہے (دونوں اجزا میں ''میں'' شامل ہے)۔ سلیمان حسین نے یہ لکھا ہے کہ اُن کا متن دو نسخوں پر مبنی ہے: (۱) نسخۂ مطبع محمدی کان پور ۱۲۶۷ھ۔ مگر اِس نسخے میں یہ جملہ ہی نہیں۔ اِس نسخے میں یہ عبارت یوں ہے:

''عہدِ دولت بابرے تا سلطنتِ شاہ عالم کہ دہلی کی آبادی ویران تھی، خلقت مضطر و حیران تھی''۔

(۲) دوسرا نسخہ نول کشوری ہے مطبوعہ ۱۲۸۳ھ۔ اِس میں ضرور ''نہ چولھے میں آگ نہ گھڑے میں پانی'' ہے۔ مگر یہ مطبعے والوں کی کارفرمائی یا کارستانی ہے۔ مصحح نے یہ خیال کیا ہوگا کہ جب دوسرے ٹکڑے میں ''میں'' ہے تو پہلے ٹکڑے میں بھی ہونا چاہیے۔ اِس نسخے کو دیکھے بغیر یار لوگوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اِس پر سروؔر نے نظرِ ثانی کی تھی۔ یہ محض مفروضہ ہے اور قطعاً غلط خیال ہے۔ اِس نول کشوری نسخے میں تحریفات کی بھی کمی نہیں (اور ہاں، ضمنی طور پر عرض کر دوں کہ سلیمان حسین صاحب والا نسخہ بھی بہت سی غلطیوں کا امین ہے)۔ یہ بھی عرض کروں کہ اصلاً مثل اِس طرح ہے: ''چولھے آگ نہ گھڑے پانی'' (فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات)۔ مصنف نے یہ تصرّف کیا کہ شروع میں ''نہ'' بڑھا دیا اور آخری جز میں ''میں'' شامل کر دیا۔ بہ ہر صورت، اِسے نقل اُسی طرح ہونا چاہیے جس طرح مصنف نے لکھا ہے۔

یہ بحث یہاں ختم ہوئی۔

اب ایک اور دل چسپ اختلافات کا ذکر بھی غیر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے اِسی مضمون میں دو جگہ ایک عبارت فسانۂ عجائب کے دیباچے کی نقل کی ہے، جس میں یہ جملہ بھی ہے: ''میر امّن صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے دہن کے حصے میں

یہ زبان آئی ہے"۔

یہ دل چسپ بات ہے کہ اِس کتاب کے جس قدر نسخے میرے سامنے ہیں، اُن سب میں، بہ استثنائے نسخۂ مطبعِ محمدی کان پور ۱۲۶۷ھ، "ہم لوگوں کے دہن حصے میں یہ زبان آئی ہے" ہے۔ صرف مطبعِ محمدی کان پور والے نسخے میں "دہن کے حصے میں" ہے۔ یہ اختلاف بھی توجہ طلب ہے۔ پہلے اڈیشن سے لے کر آخری نظرِ ثانی شدہ اڈیشن تک "دہن حصے میں" کی تکرار ملتی ہے (مذکورۂ بالا استثنا کے ساتھ) یہ مسلسل تکرار محض بے اصل نہیں ہو سکتی۔

اب اگر نسخۂ مطبعِ محمدی کان پور کے مطابق "دہن کے حصے میں" کو ترجیح دی جائے اور یہاں اِس نسخے کی مطابقت اختیار کی جائے تو پھر ایک اور سوال پیدا ہوگا، وہ یہ کہ فسانۂ عجائب کا یہ اقتباس جو آپ کے مضمون میں اِسی صفحے پر آیا ہے:

"جو گفتگو لکھنؤ میں ہے...... مثل مشہور ہے نہ چولھے میں آگ نہ گھڑے میں پانی، دہلی کی آبادی ویرانی تھی"۔

اس عبارت میں سب نسخوں میں "دہلی آبادی ویرانی تھی" ہی ہے، بہ استثنائے نسخۂ محمدی کان پور، جس میں یوں ہے: "دہلی کی آبادی ویران تھی"۔ اگر نسخۂ مطبعِ محمدی کی بنا پر "دہن کے حصے میں" لکھا جائے تو پھر یہاں پر "ویران" بھی مرجح ٹھہرے گا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۳ رمئی ۱۹۸۵ء

مکرّم بندہ! آداب

یہ خط جلدی میں لکھ رہا ہوں اِس توقع کے ساتھ کہ اِس کے جواب سے جلد تر سرفراز کیا جاؤں گا۔

میں آج کل باغ و بہار کو مرتب کر رہا ہوں، مکمل اعراب و علامات اور تشریحات کے التزام کے ساتھ۔ فسانۂ عجائب کا بکھیڑا ابھی نمٹا نہیں، مگر بہ قولِ عرفی:

گفتہ گر رفت ز کف، شکر کہ ناگفتہ بجاست
از دو صد گنجِ گہر یک درمے باختہ ام

ارادہ یہ ہے کہ نوطرزِ مرصع، باغ و بہار، مثنوی سحرالبیان، مثنوی گلزارِنسیم اور فسانۂ عجائب؛ اِن پانچ کلاسکی (اور نصابی) متنوں کو اِس طرح مرتب کروں کہ اِن کو پڑھانے میں اساتذہ کو آسانی ہو اور پڑھنے میں طلبہ کو زیادہ مشکل نہ پیش آئے۔ آج کل اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، اِن متنوں کی تکمیل میں مصروف ہوں۔ باغ و بہار کو نصف سے کچھ زیادہ مکمل کر چکا ہوں۔ یہ تو تھی تمہید، اب اصل بات:

بادشاہ آزاد بخت کے قصے میں خواجہ سگ پرست جب اپنی سرگذشت سناتا ہے اور وہاں پر پہنچتا ہے جب اُس کے دونوں بھائیوں نے اُسے ''زندانِ سلیمان'' میں قید کرا دیا تھا (کوتوال کو رشوت دے کر) وہاں ایک جملہ یوں ہے:

''رات کو چپکے یے دونوں بھائی اور کوتوال کے ڈنڈے نے مجھے اُس پہاڑ پر لے گئے''۔

میرے سامنے جو نسخے ہیں، اُن میں اِسی طرح ہے (نسخۂ فورٹ ولیم کالج مطبوعہ ۱۸۰۳ء، مرتبہ فوربس ۱۸۴۶ء، مرتبہ مولوی عبدالحق مرحوم ۱۹۴۴ء۔ انڈیا آفس کا ایک خطی نسخے کا عکس بھی پیش رہا ہے، اُس میں اِس مقام پر لفظ مغشوش ہیں، ''ڈنڈلے'' لکھا ہوا ہے) گل کرسٹ نے باغ و بہار کے ۱۰۲ صفحے ہندی مینول میں چھاپے تھے، یہ نسخہ فورٹ ولیم سے سال بھر پہلے کی بات ہے۔ گویا یہ روایتِ اوّل ہوئی اِس متن کی۔ یہ کتاب ہاتھ نہیں آئی تھی کسی کے اب تک، بس نام پڑھا تھا، حُسنِ اتفاق سے لندن کے اِن صفحات کا عکس مل گیا۔ اس میں بھی ''کوتوال کے ڈنڈے نے'' ہے۔ عبدالحق صاحب نے اپنے دیباچے میں خصوصیاتِ زبان کے متعلق لکھا ہے کہ: ''نے کا استعمال یا ترک بعض افعال کے ساتھ، جواب حال کے محاورے کے خلاف ہے اور دکن میں اب تک رائج ہے'' اور مثال میں یہی جملہ لکھا ہے (کوتوال کے ڈنڈے نے ......) —— اِس سلسلے میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ''دکن میں اب تک رائج ہے'' اور کیا یہاں ایسا تو نہیں کہ ''نے'' کتابت کے سہو کا کرشمہ ہو جو ایک بار دخل پا گیا اور پھر نقل ہوتا رہا۔ میں نے ''ڈنڈے نے'' ہی لکھا ہے، بس اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔ ''نے'' کے ترک و اختیار کی بہت سی مثالیں قدما کے یہاں محفوظ ہیں اور میری نظر میں ہیں، خود میر امّن کے یہاں بھی ایسی مثالوں کی کمی نہیں، مگر جو صورت اِس خاص جملے میں ہے وہ ذرا زیادہ عجیب معلوم ہوتی ہے، یوں ذہن میں شک نے سر اُبھارا ہے۔ آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ایک بات تو رہ ہی گئی: ذرا آگے بڑھ کر ایک جملہ ہے: ''جب مجھے کنویں میں گرایا، تب یہ اُس کے مینڈ پر لیٹ رہا''۔ اصل نسخوں میں اِسی طرح ہے (صرف نسخۂ انڈیا آفس میں ''اُس کے من پر لیٹ رہا'' ہے۔) مولوی عبدالحق کے نسخے میں بھی ''کے'' ہے۔ میر امّن کی نثر میں تذکیر و تانیث کا عجب احوال ہے (آج کل کے لحاظ سے) مثلاً اُنھوں نے ''غور'' کے ساتھ ''شک'' کو بھی مونث لکھا ہے: ''اُس کے دل میں شک آئی''۔ ایسے بعض اور الفاظ بھی ہیں۔ اِس پر نظر رکھی جائے تو ''مینڈ'' کی تذکیر کی تاویل نکل آئے گی، مگر یہ بھی ہے عجیب اختلاف۔ میں نے ''کے'' ہی لکھا ہے، مگر اِس سلسلے میں بھی آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کیا ''مینڈ'' کو آپ نے کہیں بہ تذکیر دیکھا یا سنا ہے؟ (آصفیہ میں اِسے جملہ معانی میں مونث لکھا گیا ہے) ''من'' اور ''مینڈ'' (اِس معنی میں) دونوں مونث ہیں۔

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۸ر جولائی ۱۹۸۵ء

مکرّمی!

آپ کے خط کے جواب میں میں نے ایک مفصل خط لکھا تھا، جس میں ایک دو باتیں جواب طلب تھیں استفسار کے سلسلے میں۔ مجھے ہنوز اُس کے جواب کا انتظار ہے۔ دو تین ضروری باتیں میں نے پوچھی تھیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۳۱ر جنوری ۱۹۸۶ء

مکرّمی! تسلیم

توقع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

(۱) باغ و بہار کے دوسرے درویش کی کہانی میں، جہاں جوگی کا ذکر ہے، ایک جملہ یہ ہے: ''بالوں کا جوڑا باندھا۔ موچھوں پر تاو دے کر، چڑھواں جوتا اڑایا''۔ نسخۂ فاربس اور نسخۂ مولوی عبدالحق میں یہی ہے۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں ''اڑایایا'' ہے۔ یہاں واضح طور پر غلطیِ کتابت ہے۔ یا تو ''اڑایا'' ہوگا یا ''اڑیایا'' راویتِ اوّل کا جو عکس میرے سامنے ہے، اُس میں ''اڑیایا'' ہے۔ اگر مصدر ''اڑیانا'' مانا جائے تو اُس سے ''اڑیایا'' بنے گا (جیسے: گھگھیانا سے گھگھیایا) اور اگر ''اِڑانا'' مانا جائے تو ''اِڑایا'' بنے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اڑیانا یا اڑانا، جوتا پہننے کے معنی میں (ایڑی میں ڈالنا کی نسبت سے غالبًا) کہیں آپ کی نظر سے گزرا ہے؟

(۲) قصہ خواجۂ سگ پرست میں ایک جملہ یوں ہے: ''سب سرکار میں جو تحفہ چاہتا، میری ہی دکان سے جاتا'' (نسخۂ عبدالحق ص ۱۲۵) نسخۂ ڈنکن فاربس میں بھی یہی ہے۔ مگر نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں ''چاہیتا'' ہے (''جو تحفہ چاہیتا'') میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ یہاں کیا ہونا چاہیے۔ آپ کی رائے اِس بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مراد ہے ''جو تحفہ چاہیے ہوتا'' سے، یوں ''چاہتا'' تو بہ ظاہر بے محل معلوم ہوتا ہے، اور ''چاہیتا'' میری نظر سے کہیں گزرا نہیں۔ پنجابی یا دکنی میں کیا یہ صورت پائی جاتی ہے؟

اِسی داستان میں ایک اور جملہ ہے: ''میں تمھارا غلام ہوں، بھائی چاری کا دعویٰ نہیں رکھتا''۔ سب نسخوں میں ''بھائی چاری'' ہے۔ میں نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ یہ ''بھائی چارے'' ہوگا۔ یہاں بھی آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ''بھائی چاری'' میری نظر سے کہیں نہیں گزرا نہ کبھی سنا۔ آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی سی ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۷ ستمبر ۱۹۸۶ء ۵

مکرّمی!

ایک نہایت ضروری بات دریافت طلب ہے۔ باغ و بہار میں بادشاہ آزاد بخت کی سرگزشت میں خواجۂ سگ پرست کے قصّے کے شروع میں ایک جگہ یہ عبارت ہے:

''تین برس کے عرصے میں ایسی دُکان جمی کہ میں صاحبِ اعتبار ہوا۔ سب

سرکاروں میں جو تحفہ چاہتا میری ہی دُکان سے جاتا''۔

خط کشیدہ لفظ بحث طلب ہے۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں یہی ہے۔ نسخۂ ڈنکن فوربس میں اِس کی جگہ ''چاہتا'' ہے۔ مولوی عبدالحق کا نسخہ چوں کہ اُس کی نقل ہے، اِس لیے اُس میں بھی ''چاہتا'' ہے۔ ''چاہتا''، پلیٹس کے لغت میں موجود ہے، البتہ نظم و نثر میں کہیں اور یہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ اِس کو ''کہتا'' پر قیاس کیا جا سکتا تھا، مگر وہ تو ''کہنا'' (بہ معنی کرنا) کا ماضی مطلق ہے [ع: کہتا ہوں ترے نام کوں میں ورد زباں کا] یوں ''چاہنا'' کو اگر مصدر مانا جائے، تب اُس سے ''چاہتا'' بنے گا۔ اور ''چاہنا'' تو کہیں بھی نہیں ملتا۔ مرادِ مصنف ہے ''جو تحفہ چاہیے ہوتا'' سے۔ میر امن کی نثر میں ایسے لفظوں کی کمی نہیں جن کی مثال کسی اور مصنف کے یہاں شاید ہی مل سکے، مثلاً اُنھوں نے ''بھائی چاری'' لکھا ہے، جائداد کی تقسیم سے متعلق: ''میں بھائی چاری کا دعویٰ نہیں رکھتا'' یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ یہاں مصنف نے ''بھائی چاری'' لکھا ہے، ''بھائی چارے'' نہیں۔ اِس کی بحث میں نے اُس مقام پر کی ہے۔ یوں ''چاہتا'' کو آسانی سے رد کر دینا میرے لیے مشکل ہے۔

اِس سلسلے میں آپ کی رائے مطلوب ہے۔ یعنی یہاں آپ کی رائے میں مرجح صورت کیا ہونا چاہیے اور کیا ''چاہتا'' سے چاہیے مراد لیا جا سکتا ہے، یا یہ مراد ہے کہ: سب سرکاروں میں جو (شخص) تحفہ چاہتا......؟

ہاں یہ عرض کر دوں کہ میں نے ''چاہتا'' کو ترجیح دی ہے، یوں کہ معنی ''چاہتا'' اور ''چاہتا'' کے ایک ہیں۔ اگر ''چاہتا'' بہ لحاظِ مفہوم یہاں آ سکتا ہے تو ''چاہتا'' بھی آ سکتا ہے۔

ازراہِ کرم پہلی فرصت میں اپنی رائے سے مطلع فرمایئے۔ ممنون ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں، اِس لیے شعبے کے پتے پر یہ خط لکھ رہا ہوں کہ آپ کو مل بھی جائے گا۔

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۹ر ستمبر ۱۹۸۶ء

مکرّم بندہ! آداب

سنیچر کی شام کو آپ کا خط ملا تھا۔ آپ نے لکھا ہے کہ ۳۰ر ستمبر کو آپ حیدرآباد سے چل دیں گے، یوں یہ خط لاجپت نگر کے پتے پر لکھ رہا ہوں۔

۴؍اکتوبر کو آپ لاجپت نگر میں ہوں گے، مگر میں لکھنؤ میں ہوں گا۔ ۶؍اکتوبر کو واپسی ہوگی۔ اگر ۴؍کو یہاں ہوتا تو آپ سے ضرور ملاقات کرتا۔ میں ۶؍اکتوبر سے ۲۰؍اکتوبر تک دہلی میں رہوں گا، اگر اِس وقت میں کوئی تاریخ ایسی نکل سکے کہ آپ لاجپت نگر آجائیں تو میں بھی وہاں آجاؤں اور یوں ملاقات کی صورت نکل آئے۔ ۲۰؍اکتوبر کو اردو مجلس کے ایک پروگرام کی ریکارڈنگ ہے اُدھر تو میرا جانا ہوگا ضرور، اُسی دن اگر آپ ۴ بجے کے قریب وہاں آسکیں تو خوب ہو، یا اُس سے پہلے کسی دن۔

میں نے مسعود صاحب کو بھی خط لکھا تھا، اُن کا کہنا ہے کہ پوری یوپی کی بولیوں میں اُنھوں نے ''چاہتا'' بہ معنی 'چاہتا' سنا ہے۔ مگر میرامن کو پوری یوپی کی بولیوں سے کیا واقفیت ہوگی! یہ ذرا دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ نوراللغات میں ''چاہتا'' ہے، مگر یہ ''چہیتا'' کی قدیم صورت ہے، یعنی اسم صفت ہے۔ مہذب اللغات میں مولّف نے لکھا ہے کہ ''چاہتا'' اب متروک ہے، اور ''چہیتا'' مستعمل ہے؛ اِس سے بات صاف ہوجاتی ہے۔ پلیٹس نے بھی اِسے بہ طورِ اسم درج لغت کی ہے، فعل کے طور پر نہیں۔

میرامن کے مختارات سے مجھے اختلاف کا حق حاصل ہے، اُن پر اعتراض کرنے کا بھی حق ہے، مگر اُن کی عبارت میں ترمیم کا حق نہیں۔ اِس سلسلے میں میرا ذہن بالکل روشن اور صاف ہے۔ واضح غلطی کو نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ میرا بھی اصول یہی ہے کہ متن میں صحیح صورت کو جگہ دی جائے؛ مگر ''غلطی'' کی تعریف میرے نزدیک یہ ہے کہ قطعیت کے اور کامل یقین کے ساتھ اُس کا تعین کیا جاسکے۔ قدیم زبان اور بیان میں ایسی ایسی صورتیں سامنے آتی رہتی ہیں (خاص کر میرامن کے یہاں) کہ ہر اجنبی اندراج کو غلط مان لینا، بڑے خطرے کی بات ہوگی۔ اب آپ سے گفتگو ہو تو اِس پر مزید بحث ہو۔ آپ ایک بار پھر اِس پر غور کرلیجیے۔ خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

ایک اور لفظ بحث طلب ہے، ذرا اِس پر بھی غور کرلیجیے۔ یہ لفظ ہے ''سپنا''۔ آصفیہ میں ''سُپنا'' ہے اور نوراللغات میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ صحیح بہ ضمِ اوّل ہے۔ فیلن نے بھی ''سُپنا'' لکھا ہے اور 'سَپنا' کو گنوارو تلفظ بتایا ہے۔ پلیٹس نے البتہ دونوں تلفظ لکھے ہیں کسی تفریق کے بغیر اور دونوں کے دو مادّے سنسکرت کے لکھے ہیں ایک بہ ضمِ اوّل اور ایک بہ فتحِ اوّل۔

میرے سامنے باغ و بہار کے قدیم نسخے ہیں، اُن میں اِس لفظ پر اعراب موجود نہیں۔ البتہ مولوی عبدالحق کے نسخے میں س پر پیش لگا ہوا ہے۔ میں اِس لفظ پر اعراب نہ بھی لگاؤں (جس

طرح نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں اور نسخۂ فوربس میں اعراب کے بغیر ہے) مگر ضمیمۂ تلفظ واملا میں اِس پر بحث تو لازماً کرنا ہوگی۔ ہندی والوں کو میں نے ''سُپَن سُندری'' اور ''سُپْنا'' بولتے بارہا سنا ہے، البتہ دہلی میں جہاں تک سماعت ساتھ دیتی ہے، ''سَپنا'' سننے میں آیا ہے۔ اب ذرا آپ بھی اِس پر روشنی ڈالیے۔

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

۵ر جنوری ۱۹۸۷ء

مکرّمی! آداب

میں کل شام کو شاہ جہان پور سے واپس آیا ہوں، یوں جوابِ خط میں تاخیر ہوئی، معذرت طلب ہوں۔

آپ کے استفسار کا جواب لکھنے سے پہلے ایک اور بات لکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اب یہ یاد نہیں کہ میں نے اپنے کسی پچھلے خط میں یہ بات لکھی تھی یا نہیں۔ خیر، اطلاع یہ دینا ہے کہ ''چاہتا'' ''گنجِ خوبی'' میں بھی موجود ہے۔ مجھے خیال تھا کہ میر امن کی اِس کتاب کو بھی دیکھ جاؤں۔ میں ایک بار مطبوعہ نسخے کو پڑھ گیا، اُس میں کہیں نہیں ملا۔ پھر خیال آیا کہ یہ تو اصولی غلطی ہوئی، تب اُس کے مخطوطے کا عکس نکالا، اور اُس میں شروع ہی میں یہ فعل موجود ہے:

''جس تعلیم و تربیت کو بارہ برس چاہیتے، سو تین برس کے عرصے میں بہ خوبی ہوجاتی ہے''۔

اردو رسمِ خط میں گنجِ خوبی دوبار چھپی ہے، ایک بار کلکتے سے اور ایک بار دہلی سے، اور دونوں مطبوعہ نسخوں میں اِس مقام پر ''چاہیے'' چھپا ہے؛ مگر اس کے مخطوطے میں نہایت واضح طور پر ''چاہیتے'' میر امن کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ ت کے دونوں نقطے الگ الگ اور روشن ہیں۔

اب آپ حضرات یہ فیصلہ کریں گے کہ فعل کی اِس خاص صورت کی سرگزشت کیا ہے، مثال میں نے فراہم کردی ہے۔ یہ ضمنی بات یہاں ختم ہوئی۔

آپ کے استفسار کے جواب میں یہ عرض کرنا ہے کہ ھ کو حروفِ تہجی میں شامل کرنے کا میں موید نہیں، میں اِس کے خلاف ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہ کی ایک شکل ہے، علاحدہ کوئی حرف نہیں، جس طرح مثلاً ہمزہ ہے۔ ہمزہ کو حروفِ تہجی میں لازماً شامل ہونا چاہیے، مگر ھ کو نہیں۔ اِس کی وجہ تو سامنے کی بات ہے کہ یہ ایک حرف کی ذرا بدلی ہوئی شکل ہے۔ زبان سے بھی پہلے اُسی حرف کا نام ادا ہوگا، مگر اس کے بعد کا حرف یا حروف چوں کہ متحرک نہیں، اِس لیے اس حرف یا حروف کا نام بھی پہلے حرف کے ساتھ آجائے گا۔ یہ پیوندی حرف یا حروف اِس طرح اپنے

جزم کا اعلان بھی کرلیں گے۔

یہ بات یہاں ختم ہوئی۔

اب ایک قیاسی بات، جس کے ثبوت کی تلاش میں ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ میر امّن ''پرانی دہلی'' کے رہنے والے تھے اور ''پرانی دہلی'' سے اُس زمانے میں مراد ''شاہ جہان آباد'' کے باہر کی آبادی ہوتی تھی، جو شیر شاہ (وغیرہ) کے زمانے کی یادگار تھی۔ میر امّن نے خود بھی فصیل کے اندر کی آبادی کو ''نیا شہر'' اور باہر کی آبادی کو ''پرانا شہر'' لکھا ہے۔ اِس کا بھی امکان ہے کہ وہ محلّہ ''سیّد واڑہ'' میں رہتے ہوں، جسے سورج مل کی فوجوں نے لوٹ لیا تھا۔ میر امّن سیّد تھے اور شیعہ تھے، یوں سیّد واڑہ کی طرف ذہن جاتا ہے، پھر اُنھوں نے باغ و بہار کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جب سورج مل نے جاگیر کو ضبط کرلیا، پھر اُن کی جو زبان ہے، وہ کئی جگہ مضافاتی ہونے کی چغلی کھاتی ہے۔ ایک مثال: متن میں ایک جگہ ''وِتنا'' آیا ہے، مگر غلط نامے میں اِس کو غلط بتا کر، اس کی جگہ ''اتنا'' لکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، مگر میر امّن نے گنجِ خوبی میں کئی جگہ 'وتنا' اور 'وتنی' لکھا ہے (اور یہ کتاب باغ و بہار کے بعد لکھی گئی ہے) غالباً افسوس نے یا میر بہادر علی حسینی نے ''نظرِ ثانی'' کے ذیل میں اس لفظ کو بدلوا دیا۔ گنجِ خوبی چوں کہ اُس زمانے میں چھپی ہی نہیں تھی (اُس کے تقریباً چالیس سال بعد چھپی ہے) اس لیے اُس میں باقی رہ گئے یہ لفظ۔ اور دہلی میں ''وِتنا'' اور ''وِتنی'' کرخنداروں کی زبان پر اب بھی ہیں۔ اُس زمانے کی کسی اور معتبر نثر میں یہ لفظ نہیں ملے مجھ کو۔ بہ ہرحال، یہ بحث بھی اپنے محل پر آئے گی۔ کیا آپ نے ''وِتنا'' اور ''وِتنی'' کسی دہلوی کی تحریر میں (اُس زمانے کی تحریر میں) دیکھے ہیں؟ —— مجھے تو ''چاہتا'' اور ''چاہیے'' بھی اِسی قبیل کے لفظ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ خدا کرے آپ معُ متعلّقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی. سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۴؍نومبر ۱۹۸۸ء

مکرّمی! آداب

آپ کا خط کئی روز کی تاخیر سے مجھے ملا، وجہ یہ تھی کہ میں چند روز کے لیے شاہ جہان پور

گیا ہوا تھا۔ مسوّدہ واقعتاً میرے پاس تھا، تاخیر دو وجوہ سے ہوئی: ایک تو میری مسلسل علالت، خاص کر آنکھوں کی تکلیف۔ دوسری اور زیادہ اہم وجہ یہ تھی کہ مجھے اس مسوّدے کے سلسلے میں تامّل بہت تھا۔ آپ سے میرے جیسے مراسم تھے اور ہیں، اُن کے پیشِ نظر میں کئی بار خط لکھتے لکھتے رہ گیا، خیال آیا کہ کہیں اسے آپ میری کافر طبیعتی پر محمول نہ کریں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں نے ساہتیہ اکیڈمی کے انعام کے سلسلے میں مبارک باد کا خط لکھا تھا تو اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی اِس کتاب سے میرا جی خوش نہیں ہوا ہے، اس لیے کہ اس میں ایسی ہلکی تحریریں بھی ہیں جنھیں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور آپ نے اپنے جوابی خط میں اِس سے اتّفاق کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ ادبی وقار اور عام شہرت، دونوں کے لحاظ سے آپ اس مرتبے پر فائز ہیں کہ اب یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہر طرح کی ہلکی اور گہری، معمولی اور عمدہ، ناقابلِ التفات اور بے حد قابلِ التفات تحریریں یکساں طور پر آپ سے منسوب ہوتی رہیں۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ آدمی دن بھر جو کچھ لکھتا ہے یا کہتا ہے وہ سب لازماً درج رجسٹر ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی ہر تحریر لازماً شائع کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بات میری رائے میں نظرِ ثانی کی محتاج ہے۔

جو بات میں نے آپ کی اُس مطبوعہ کتاب کے متعلق لکھی تھی، وہی بات اس غیر مطبوعہ کتاب کے سلسلے میں کہنا چاہتا ہوں۔ ہر مہینے ہر طرح کی کتابیں چھپتی ہیں اور چھپتی رہیں گی، مگر میرا جی چاہتا ہے کہ اردو کی نثری داستانیں، شمالی ہند میں اردو مثنوی ، تفسیرِ غالب اور لسانی مطالعے کے مصنّف کے نامۂ اعمال میں کم درجہ تحریریں مندرج نہ ہونے پائیں۔

یہ خواہش یوں ہے کہ میں آپ کا قدر شناس ہوں اور آپ کو محترم سمجھتا ہوں۔ ہر شخص سے ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔

اس مسوّدے میں جو تحریریں ہیں، اُن میں سے نصف ضرور ایسی ہیں جو بڑی حد تک غیر ضروری ہیں، مثلاً آپ ہی بتائیے کہ اُمید کے لبِ گویا کے تبصرے سے اہلِ نظر کی معلومات میں کیا اضافہ ہوگا، شاعر بھی معمولی اور اُس کے مجموعے پر تبصرہ اُس سے بھی زیادہ معمولی۔ یا مثلاً ارشد کی کتاب، کہ اس سے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ ایک عام سی تحریر ہے۔ علمی نہیں، صحافیانہ بحث کی متقاضی ہے اور اُس سے متعلق آپ کی تحریر بھی ویسی ہی ہے، یعنی وہ بلند علمی سطح پر نہیں۔ ایسی تحریریں نہ ادب کے طلبہ کے کام آئیں گی اور نہ آپ کے وزن و وقار میں اضافے کا سبب بنیں گی۔

آپ مدلّل مداحی کے بہ قولِ خود قائل نہیں، مگر اس مسوّدے میں کم از کم ایک طویل مضمون اشک کے ناول سے متعلق اسی ذیل میں آتا ہے۔ خاص کر لفظ "عظیم" کا استعمال، کہ یہ اس لفظ کے ساتھ انصاف کے منافی ہے۔

بہ ہر حال آپ چوں کہ اِن تحریروں کو چھپوانا ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں، اس لیے میں کون

ہوتا ہوں ٹوکنے والا اور روکنے والا۔ البتہ مجھے یہ ضروری معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے آپ کو واضح طور پر مطلع کردوں۔ اگر آپ اپنے ایک نیاز مند اور قدر شناس کی رائے پر غور کرنا مناسب خیال کریں۔

یہ کتاب ضرور چھپے گی، اگر آپ نے اس کے خلاف فیصلہ نہ کیا۔ اگر آپ اب بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ ان تحریروں کو اسی طرح چھپنا چاہیے، تو پھر چھپنے دیجیے میں بھی تائید کرتا ہوں۔ مسوّدہ کل تک انجمن میں پہنچ جائے گا۔

آپ نے اپنے خط کی پیشانی پر ''ذاتی'' لکھ دیا تھا، میں بھی اُس خط کو ''ذاتی'' قرار دے کر اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ توقع کرتا ہوں کہ اس تحریر کو بھی ذاتی سمجھا جائے گا اور یہ عرض نیاز میرے اور آپ کے درمیان محدود رہے گی۔

میں بھی آپ کے ساتھ ہی رٹائر ہوں گا، یعنی اکتوبر ۸۹ میں۔ دہلی میں میں بھی نہیں رہوں گا، نئی کتابوں کا احوال پڑھ کر بے حد مسرّت ہوئی، خدا کرے یہ جلد تر چھپیں، کیوں کہ ان میں سے ہر کتاب میرے خیال کے مطابق قابلِ قدر بھی ہوگی اور قابلِ ذکر بھی۔ یہی میرا جی چاہتا ہے کہ آیندہ آپ سے ایسی ہی کتابیں منسوب ہوتی رہیں اور باقی تحریروں کو آپ لکھ کر بھول جایا کریں۔ میں عرض کروں کہ ریڈیو پر ساٹھ ستر تقریریں تو میں نے کی ہی ہوں گی، بعض واقعی اچھے موضوعات پر تھیں، مگر کسی ایک کو بھی شاملِ کتاب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ یہی احوال اکثر تبصروں اور مقدّمات کا ہوا کرتا ہے، کاش آپ بھی اس پر عمل کرتے!

اب ایک اور بات: میرامّن نے قید خانے کے لیے ''پنڈت خانہ'' لکھا ہے، متعدّد مقامات پر؟ مجھے اس کی اصل نہیں ملتی۔ آخر پنڈت اور جیل خانہ کا تعلق کیا ہے؟ کیا آپ نے کہیں یہ لفظ (پنڈت خانہ) ان معنوں میں پڑھا ہے؟

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

میرے مضامین کا مجموعہ چھپ چکا ہے، اس فکر میں ہوں کہ اُدھر کا جانے والا کوئی مل جائے تو دستی بھجواؤں۔ کوشش کروں گا کہ اب جلد تر کسی کو تلاش کرلوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، اگر آپ بھی اس کو مناسب سمجھیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اگر اپنے دو تین مقالے اس میں شامل کردیں اور دو تین ہلکے تبصروں کو نکال دیں، تو پھر یہ کتاب دو حصّوں میں تقسیم ہو کر مفید تر ہو جائے گی، مثلاً اسلوبیاتی تنقید سے متعلق آپ کا مضمون، وہ مضمون جو ارمغان فاروقی میں ہے اور آجکل[۸] میں سرور پر جو مضمون چھپا تھا۔ یہ سب نہایت

عمدہ مضامین ہیں۔ یہ محض میری ذاتی رائے ہے، اس کا مان لینا قطعاً لازم نہیں۔ آپ کی صواب دید پر منحصر ہے۔

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۹۔ ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۱۱۰۰۰۷
۱۶/نومبر ۱۹۸۸ءؔ

مکرمی!

آپ کا خط ملا تھا۔ اُس میں ویسے تو کوئی جواب طلب بات تھی نہیں، مگر ''صبح خیزیا'' کے ذیل میں آپ کا یہ اندراج کہ یہ سرشار کے ذہن کی تخلیق ہے، اس خط کا باعث بنا۔ یہ لفظ بہت پہلے سے اردو میں مستعمل تھا، مثلاً میر امّن اور سودا دونوں کے یہاں موجود ہے۔ باغ و بہار میں تو شروعِ قصہ ہی میں آتا ہے، اور سودا کی وہ مثنوی جو کوتوال کی ہجو میں ہے، اُس کا شعر ہے:

بچ سکے اب کسی کی کیوں کر شے   مُلّا مسجد کا، صبح خیزیا ہے

لُغات میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ ''پنڈت خانہ'' کے متعلق یہ عرض کروں کہ یہ ہر جگہ ''پنڈت خانہ'' ملتا ہے، یعنی ت علاحدہ لکھی ہوئی ہے، یوں یہ اشتباہ نہیں پیدا ہوسکتا کہ شاید یہ ''بند میخانہ'' ہو۔ ایک بات اور: ابھی ایک طالبِ علم نے ایک کتاب دکھائی جو عہد ہمایوں کی ہے، اُس میں ''قید خانہ'' کے مرادف کے طور پر ''پنڈت شالہ'' مندرج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قدیم لفظ ہے اور اِس کی اولین شکل ''پنڈت شالہ'' تھی، (''دھرم شالہ'' وغیرہ کے انداز پر) بعد کو یہ ''پنڈت خانہ'' بنا ہے۔ کوئی نہ کوئی نسبت ہے ضرور، آپ بھی ذہن میں رکھیے گا، میں بھی کوشش کرتا رہوں گا کہ اس کی اصل معلوم ہوسکے۔ مطلب یہ کہ یہ لفظ ''میر امّن کے ذہن کی اُپج'' نہیں۔ باغ و بہار: کے متعدّد لفظوں کے متعلق پہلے میرا خیال بھی تھا کہ وہ میر امّن کی خاص بولی سے تعلق رکھتے ہیں، مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سب قدیم مستعمل لفظ ہیں۔ باغ و بہار کی اس تدوینِ نو سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ بہت سے لفظوں کے تلفظ و املا وغیرہ کے متعلق بہت کچھ معلوم ہوگیا؛ اس بنا پر کہ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ جملہ قلیل الاستعمال اور کثیر الاستعمال لفظوں کے تلفظ اور املا سے متعلق وضاحتی نوٹ ضرور لکھے جائیں۔ چوں کہ میر امّن کی تقلید میں میں نے بھی لفظوں پر اعراب لگائے ہیں، اس لیے یہ لازم ٹھہرا کہ میں یہ بھی بتاؤں کہ اس لفظ پر یہ اعراب کیوں لگائے گئے ہیں یا یہ کہ اس لفظ کا یہ املا کیوں اختیار کیا گیا ہے۔ اسی طرح جہاں بھی اضافت کا زیر لگایا ہے، وہاں بھی اس کی وضاحت کی ہے، یعنی ایسے سارے مقامات پر، جہاں کسی بھی طرح کا اشتباہ یا کوئی سوال پیدا

ہوسکتا ہے، مثلاً لفظِ ''صاحب'' کے مرکبات، کہ اردو میں یہ مع اضافت بھی مستعمل ہیں اور بغیر اضافت بھی، جب کہ قواعد کی کتابوں میں اس لفظ کو ''مقطوع الاضافت'' لکھا گیا ہے، یعنی بہ صورتِ اضافت ب کے نیچے زیر نہیں آئے گا۔ میں نے ایسے جملہ مرکبات کے ذیل میں یہ بتایا ہے کہ یہاں اضافت کا جو زیر لگایا گیا ہے، یا نہیں لگایا گیا ہے، اُس کی وجہ کیا ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ امریکہ میں آپ نے اپنے خون کا مکمل تجزیہ کرایا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ آپ وہم کو دل میں جگہ نہ دیجیے، آپ بالکل ٹھیک ہیں اور ٹھیک رہیں گے۔ ہم سب کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔

خدا آپ کو دنوں تک زندہ اور توانا رکھے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی سی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۰ر فروری ۱۹۸۹ء

مکرّمی! آداب

آپ کا خط مجھے کل ملا۔ ارے صاحب! وہ مسوّدہ تو میں نے اُسی دن انجمن کو بھیج دیا تھا، جس دن میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔ میں نے اپنے خط میں یہ صراحت بھی کر دی تھی کہ میں مسودہ ایک دو دن میں واپس بھیج دوں گا، سو اُسی کے مطابق میں نے ایک دو دن کے بجائے اُسی دن واپس کر دیا تھا، اِس کو تو اب بہت دن ہونے کو آئے ہیں۔

یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں آپ سے وعدہ خلافی کروں! میں آپ سے غلط وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں نے فوراً اُسے بھیج دیا تھا۔

میں بھی نومبر میں رٹائرمنٹ لے لوں گا۔ میری آنکھ میں موتیا بند ہے، اُس کا آپریشن بھی ہونا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے جدید طریقے والا آپریشن کرایا ہے (لینس لگانے والا) یا پرانے طریقے کے مطابق۔ میں ابھی یہ طے نہیں کر پایا ہوں کہ آپریشن کہاں ہو اور کس طرح۔

''فنِ تحقیق'' کو میں شوق اور دل چسپی کے ساتھ دیکھوں گا، اس کا انتظار ابھی سے رہے گا۔

خدا کرے اب آنکھ بالکل ٹھیک ہوگئی ہو۔

ارے صاحب! آپ نے تو جوانی میں بھی کسی کو ''اُس نظر'' سے شاید ہی دیکھا ہو؛ پھر آپ کی

آنکھوں میں خرابی کیسے در آئی؟ ہم گنہ گاروں کی بات دوسری ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۷ر ستمبر ۱۹۸۹ء[۱۱]

مکرّمی! آداب

ہماری زبان سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو حیدرآباد یونی ورسٹی ہی میں ایک طرح سے مزید توسیع مل گئی ہے اور اب آپ مزید تین سال وہاں قیام کریں گے۔ اِس اطلاع سے بے حد مسرّت ہوئی تھی۔ مجھے واقعتاً اِس پر بہت مسرّت ہے کہ آپ ایک جمی جمائی جگہ پر رہیں گے اور اِس طرح ذہنی طور پر مطمئن بھی رہیں گے، جو آپ کے کام کے لیے بہت ضروری چیز ہے۔ میری طرف سے اِس توسیع پر، جو ایک طرح سے اعزاز ہے، مبارک باد قبول کیجیے۔

پتا میں بھول گیا، اور وہ شمارہ اب میرے سامنے نہیں، اٹکل سے خط لکھ رہا ہوں اِس توقّع پر کہ یہ آپ تک پہنچ ہی جائے گا۔ از راہِ کرم نئے پتے سے مطّلع کیجیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۵ر اکتوبر ۱۹۸۹ء[۱۲]

مکرّمی! آداب

خط مل گیا۔ حکم کی تعمیل کی جائے گی، میں ۱۶ر اکتوبر کو احمد آباد جاؤں گا، ایک املا ورک شاپ ہے، اُس میں شرکت کرنے کے لیے۔ وہاں سے واپس آتے ہی مفصّل خط لکھوں گا اور مطلوبہ معلومات بھیجوں گا۔

کل فسانۂ عجائب چھپنے کے لیے چلی گئی اور میرے سر سے ایک بوجھ اُتر گیا۔ سب سے پہلے اُس کی ایک جلد آپ کے پاس پہنچے گی۔ شاید نومبر کے اواخر تک چھپ کر آسکے گی۔

حضرت! ابھی تو آپ کو بہت کام کرنا ہے۔ یقین رکھیے کہ آپ توانا و تندرست رہیں گے۔
ایں دعا از من از جملہ آمیں آباد۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی ہی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۶/جنوری ۱۹۹۰ء [۱۳]

مکرّمی! آداب

خط ملا۔ میں یہ خط جموں میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں۔ ۱۴/فروری کو دہلی واپسی ہوگی۔ آپ کے ہمّت افزا کلمات سے دل کو تسکین ملی اور کام کرنے کا حوصلہ بڑھا۔ اِس کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ باغ و بہار کی کتابت مکمّل ہو چکی ہے، صرف مقدّمہ لکھنا باقی ہے، غالباً دو تین مہینے میں یہ کتاب بھی چھپ کر سامنے آجائے گی۔ چوں کہ یہ نقشِ ثانی ہے، یعنی اِس کا متن فسانۂ عجائب کے بعد تکمیل کو پہنچا ہے؛ اِس لیے مجموعی طور پر یہ کتاب اُس سے کچھ بہتر ہوگی۔ ضخامت بھی اِسی لیے اُس سے بڑھ گئی ہے، یعنی آٹھ سو صفحات کے قریب یا اِس سے بھی کچھ زیادہ۔

میں ۳۱/دسمبر ۸۹ء کو رٹائر ہو گیا، یعنی مقرّرہ مدّت سے صرف ایک ماہ قبل۔ اِس کی وجہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔ اب ۱۱/جنوری سے ڈاکٹر فضل الحق صدرِ شعبہ ہیں۔

میں فی الحال ۳۱/دسمبر ۹۰ء تک یعنی سال بھر مزید گائر ہال ہی میں رہوں گا۔ اُس کے بعد کا احوال پھر لکھا جائے گا۔ میری آنکھ، جس کا آپریشن ہوا تھا، ابھی تک پوری طرح کارفرما نہیں ہو سکی ہے، دو بار چشمے کا نمبر بدل چکا ہے، یوں ابھی تک باضابطہ لکھنا پڑھنا شروع نہیں ہو سکا ہے۔

انجمن نے جو ستم ظریفی روا رکھی ہے سالِ اشاعت کے سلسلے میں، اُس کے متعلق اب کیا کہوں۔ میں خود اِس سند کو دیکھ کر حیران رہ گیا، لیکن اب کیا چارہ ہے۔ مجبوری کا نام صبر ہے، مگر ہے یہ قطعی طور پر خلافِ قاعدہ بات۔ مجھے پہلے سے اِس کا علم ہو جاتا تو میں قطعیت کے ساتھ منع کر دیتا۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۲ر اپریل ۱۹۹۰ء [۱۴]

مکرّمی! آداب

یہ خط خاصی تاخیر سے لکھ رہا ہوں، حالاں کہ دریافت طلب مسئلے کے تعلق سے ذرا پہلے لکھنا چاہیے تھا۔

آپ نے اپنے ایک خط میں اب سے سال ڈیڑھ سال پہلے لکھا تھا کہ علی گڑھ یونی ورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ حبیب گنج میں قصۂ چہار درویش (فارسی) کا سب سے قدیم نسخہ ہے۔ یہی بات آپ نے اردو کی نثری داستانیں (طبعِ دوم) میں لکھی ہے۔ آپ نے سنہ بھی لکھا ہے اور عبارت کا ایک ٹکڑا بھی۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری (مرحوم) (سابق صدر شعبۂ فارسی دہلی یونی ورسٹی) نے مجھے بتایا تھا کہ علی گڑھ میں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ ان کی بیگم نے ''میر امّن دہلوی'' پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا، جواب سے کچھ پہلے چھپا تھا۔ اُس میں بھی یہی بات لکھی گئی ہے کہ وہاں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اُس وقت تو بات رہ گئی، مگر اب جب میں نے باغ و بہار کے اپنے مرتبہ اڈیشن کا مقدّمہ لکھنے کا پروگرام بنایا تو یہ مسئلہ پھر سامنے آیا۔ میں نے ایک نہایت ذمّے دار شخص کو وہاں بھیجا، انھوں نے پورا کتاب خانہ چھان مارا، مگر نہ تو حبیب گنج کلکشن میں اور نہ کسی دوسرے ذخیرے میں وہ نسخہ ملا جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ وہاں جو قدیم ترین نسخہ محفوظ ہے، وہ ۱۲۰۴ھ کا ہے۔ لائبریری کے پرانے رجسٹروں کو بھی دیکھ لیا گیا۔ ازراہِ لطف یہ بتایئے کہ کیا آپ نے بہ چشم خود اُس نسخے کو دیکھا تھا؟ یا کسی دوسرے ذریعے سے اطلاع ملی تھی؟ وہ ذریعہ کیا تھا؟ مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ مقدّمے سے فرصت پا کر دوسری آنکھ کا آپریشن بھی کرا لوں، کام کرنے میں کافی دقّت ہوتی ہے۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۴؍اپریل ۱۹۹۰ء[15]
مکرّمی! آداب
میں نے حیدرآباد کے پتے پر ایک لفافہ بھیجا تھا، جواب نہیں ملا۔ ہماری زبان آیا تو معلوم ہوا کہ پتا بدل گیا ہے۔ اب اس نئے پتے پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

آپ نے اپنے ایک خط میں مجھے اطلاع دی تھی کہ قصہ چہار درویش (فارسی) کا سب سے قدیم مخطوطہ علی گڑھ میں ہے۔ یہی بات 'اردو کی نثری داستانیں' (طبعِ جدید) میں آپ نے لکھی ہے۔ مرحوم ڈاکٹر نورالحسن انصاری کی بیوی نے میرامّن پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا تھا، جواب چھپ گیا ہے۔ انھوں نے اُس میں یہ لکھا ہے کہ علی گڑھ میں ایسا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اب چوں کہ میں باغ و بہار کا مقدّمہ لکھنا چاہتا ہوں تو اب مجھے اس طرف توجہ کرنا پڑی۔ میں نے ایک نہایت ذمّے دار فرد کو علی گڑھ بھیجا، انھوں نے دو دن تک سب کچھ دیکھنے کے بعد یہ بتایا کہ اُس لائبریری میں وہ نسخہ، جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے، نہ موجود ہے اور نہ کبھی موجود تھا۔

ازراہِ لطف مطلع فرمایئے کہ اُس نسخے کے متعلق آپ کو کس نے اطلاع دی تھی، آپ نے تو اس کی ذرا سی عبارت بھی نقل کی ہے۔ کیا آپ نے بہ چشمِ خود اسے دیکھا تھا؟ جواب کے لیے چشم براہ رہوں گا۔ نیا مکان مبارک ہو۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۲۸؍جون ۱۹۹۰ء

حضرت سلامت! آداب
آپ کا خط، جس پر تاریخِ تحریر "۲۰؍مئی ۹۰ء" درج ہے، یہاں ۲۰؍جون ۹۰ء کے بعد پہنچا۔ اب یا تو آپ نے جون کے بجائے مئی لکھا، یا پھر ڈاک والوں نے اپنی کارگزاری دکھائی۔ یہ صراحت یوں خاص کر کی گئی کہ آپ مجھے تاخیرِ جواب کا مجرم نہ گردانیں۔

میں شکرگزار ہوں معترض یا معترضین کا، جن کے سبب سے آپ کو میری یاد آئی۔ خیر، ایں ہم غنیمت است۔ خدا کرے یہ لوگ آیندہ بھی ایسے اعتراضات کرتے رہیں اور آپ مجھے درخورِ خطاب سمجھتے رہیں۔ میں آپ کی یاد سے بہرحال غافل نہیں رہا۔

"کتابوں" اور "نصابوں" کا قافیہ بالکل درست ہے۔ دور دور ایطا کا پتا نشان نہیں؛ نہ خفی نہ

جلی۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر حرفِ☆ روی کے بعد شامل حروفِ الحاقی کو الگ کرنے کے بعد ہم قافیہ لفظ بچیں تو ایطا نہیں ہوتا۔ کتاب اور نصاب ہم قافیہ رہتے ہیں "ون" کے نکالنے کے بعد۔ اب محض بہ طورِ مثال اِس شعر کو دیکھیے:

رکھے سیپارۂ گُل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

اِس میں ایطا ہے، کیوں کہ "ون" کو الگ کرنے کے بعد 'عندلیب' اور "شہید" بچتے ہیں، جو ہم قافیہ نہیں۔ ایطا کے قاعدے بہت تفصیل طلب ہیں اِس خط میں اُن کو بیان کرنے کی گنجایش نہیں۔ مثلاً "دوستاں" اور "دشمناں" مطلع میں بہ طورِ قافیہ اگر آئیں گے تو ایطا ہوتا، اس لیے کہ "ان" (حرفِ جمع) لگانے کے بعد دوست اور دشمن باقی رہیں گے جو ہم قافیہ نہیں ہو سکتے، مگر دوستاں اور بوستاں کا قافیہ درست ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں لفظوں کے آخر سے "ان" کو نکالا جائے تو ایک جگہ بامعنی لفظ (دوست) بچے گا اور ایک جگہ بے معنی لفظ (بوست) رہے گا، یوں ایطا نہیں ہوگا۔ (ایطا میں تکرارِ معنی شرط ہے)۔ ایک جگہ مفرد لفظ ہو اور ایک مصرعے میں مرکّب تب بھی ایطا نہیں ہوگا، مثلاً "جہاں" اور "گلستاں" ہم قافیہ ہو سکتے ہیں (وغیرہ وغیرہ)۔

اگر کوئی کسی پرانے محاورے کو بدل کر کہے گا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ اہلِ زبان کے استعمال کے خلاف ہے، قابلِ قبول نہیں۔ اب رہی محاورے بنانے کی بات، تو محاورہ بنایا نہیں جاتا، خود بنتا ہے۔ یہ ایک طرح کا لسانی عمل ہے جو طویل زمانی وقفہ چاہتا ہے، اس لیے ایسے سوالات بجائے خود پیدا ہی نہیں ہوتے کہ محاورہ اب بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ہاں کوئی نیا محاورہ بن سکتا ہے اور ضرور بن سکتا ہے اور بنتے ہی ہیں، لیکن ادبی زبان میں شاذ و نادر، البتہ اہلِ حرفہ اور اہلِ صنعت کی زبان میں امکانات زیادہ رہتے ہیں۔ اہلِ صنعت و حرفہ کی دنیا پہلے بھی اہلِ زبان کی دنیا سے مختلف ہوتی تھی اس لیے ایسے محاوروں کے لیے اہلِ زبان کی سند قطعی طور پر ضروری نہیں۔ اور صنعت و حرفت کی ترقی ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی، مگر "اہلِ زبان" اللہ کو پیارے ہو گئے اور جو چند اُن کے نام لیوا باقی رہ گئے ہیں وہ بھی بس اس محفل سے اٹھنے ہی والے ہیں۔ مثلاً دہلی میں اب کرخندار اور تاجر ملتے ہیں، جو اہلِ زبان تھے، وہ کراچی نشیں ہو کر جنّت نشیں بن چکے ہیں۔ ایسے میں اہلِ زبان کی تلاش، عنقا کو ڈھونڈنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ادبی زبان میں جب بھی کوئی حوالہ دیا جائے گا تو یہ لازماً دیکھا جائے گا کہ یہ قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ اس میں اہلِ زبان اور زبانوں داں، دونوں کی یکساں حیثیت ہے۔ "اہلِ زبان" کی جو تقسیم تھی، اُس کے لحاظ سے تو مولانا شبلی، مولانا حالی، مولوی نذیر احمد اور بابائے اردو مولوی عبدالحق، کوئی بھی اہلِ زبان نہیں۔ شبلی بہار کے تھے، حالی پانی پت کے، عبدالحق ہاپڑ کے

اور نذیر احمد بجنور کے۔ خود غالبؔ اور میرؔ اکبر آباد کے تھے۔ لیکن یہ سب زبان داں درجۂ اوّل کے تھے اور بہت سے اہلِ زبان سے ان کا مرتبہ بلند ہے اور بلند تر۔ مولانا عبدالرزّاق کان پوری (مصنّفِ البرامکہ) نے اپنی کتاب یادِ ایام میں لکھا ہے کہ میں نے مرزا داغؔ سے پوچھا کہ مولوی سیّد احمد دہلوی نے بیس سال کی محنت سے فرہنگِ آصفیہ لکھی، جو زبانِ دہلی کا گنجینہ ہے، اُس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ داغؔ نے ذرا تامّل کے بعد صرف یہ کہا: ''سیّد احمد عرب سرائے میں رہتے تھے''، یعنی فصیل باہر تھے، یوں وہ اہلِ زبان تو ہو نہیں سکتے۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر خواجہ حسن نظامی بھی اہلِ زبان نہیں ہو سکتے، کیوں کہ وہ بھی عرب سرائے کے علاقے میں رہتے تھے۔ (میں نے خواجہ حسن نظامی سیمنار میں یہ بات کہی بھی تھی)۔ دہلی و لکھنؤ، دونوں شہر اہلِ زبان کے مرکز تھے، لیکن پورے شہر نہیں، شہر کے کچھ حصّے انشاؔ نے دریائے لطافت میں دہلی کے اُن علاقوں کے نام لکھے ہیں جہاں اہلِ زبان رہتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ خود انشاؔ پیدا ہوئے مرشد آباد میں، دو ڈھائی سال دہلی میں رہے اور باقی عمر لکھنؤ میں گزاری یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ لیکن اُن کا شمار اہلِ زبان میں کیا جاتا ہے۔ زبان داں تو بہ ہر حال تھے، یوں دیکھیے تو اہلِ زبان اور زبان داں، دونوں کی حیثیت یکساں ہے؛ بل کہ بعض اختیارات سے زبان داں کا پلّہ بھاری ملے گا۔ مگر اہلِ زبان کا تصوّر تھا برحق اور ضروری۔ زبان کے تشکیلی دور میں اگر اہلِ زبان کا تصوّر کارفرما نہ ہوتا تو زبان میں یہ صفائی و شائستگی شاید نہ آپاتی۔ اور بھانت بھانت کی بولیوں سے زبان بھی منار بابل بن جاتی۔ یوں اس تصوّر کی تاریخی حیثیت اور اہمیّت ہے اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے انکار عدم بصیرت کا غمّاز ہوگا۔ آدمی معتبر اہلِ زبان ہو یا معتبر زبان داں، تو اُس کے قول کو اہمیت دی جائے گی اور اِن کے مقابلے میں ہما شما کے فرمودات کو قابلِ ترجیح قرار نہیں دیا جائے گا۔ اہلِ زبان جب پائے جاتے تھے تو ان کا قول زبان داں کے قول پر ہر لحاظ سے افضلیت رکھتا تھا اور بجا طور پر۔ یہاں تک کہ ایک پڑھے لکھے زبان داں کے قول پر ایک بے پڑھی اہلِ زبان خاتون کے قول کو افضلیت حاصل تھی اور ہے اور رہے گی۔ میر امنؔ علم کے لحاظ سے مثلاً مولانا شبلیؔ سے کہیں کم درجہ ہیں، لیکن زبان کے معاملے میں اُن پر افضلیت رکھتے ہیں۔

مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ لفظ ''نمش'' میں شروع کے دونوں حرفوں (ن اور م) پر کیا حرکات ہیں۔ اِس سلسلے میں میں نے دہلی میں آپا حمیدہ سلطان صاحبہ سے رجوع کیا (کہ میری نظر میں اب وہ واحد 'دلّی والی' خاتون ہیں) اور پھر لکھنؤ میں نواب صاحب شیش محل کی بیگم صاحبہ سے دریافت کرایا اور اِن دونوں کے اقوال کو باقی سارے علما اور فضلا کے اقوال پر ترجیح دی (باغ و بہار میں یہ لفظ آیا ہے، اس کے متن کی ترتیب کے دوران یہ ضرورت پیش آئی تھی)۔ میرے شہر شاہ جہان پور اور آپ کے مستقر سکندر آباد میں اگر یہ لفظ مستعمل ہو اور ان دونوں مقامات پر اِس کا تلفظ

اُس تلفظ سے مختلف ہو جو دہلی و لکھنؤ میں تھا، تو اِس کو بس مقامی حیثیت دی جائے گی، اسے ترجیحی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔ اس ایک مثال سے میری رائے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ داغ نے جب کہا تھا:

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

تو یہاں ''غیروں'' سے اُن کی مراد اہلِ لکھنؤ سے تھی۔ داغ ہی نے کہا ہے:

اردو ہے جس کا نام، ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

تو ''ہمیں'' سے وہی اہلِ زبان سے مراد لی تھی یعنی خاص دلی والے۔ داغ کا ایک طویل قطعہ قواعد شاعری سے متعلق ہے، اُس میں انھوں نے وضاحت بھی کردی ہے:

مستند اہلِ زباں خاص ہیں دلی والے
اِس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا

یہی دعوا بعد میں اہلِ لکھنؤ نے کیا۔ دونوں کے دعوے بجائے خود درست تھے۔ دوسرے مقامات کے لوگوں کو ان مقامات کے اہلِ زبان کی تقلید واجب تھی اور یہ نہایت ضروری بات تھی، ورنہ ہر علاقے والا کہہ سکتا تھا کہ میرے یہاں تو ایسے بولتے ہیں اور یہی سند ہے۔ ۵۰ء کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ وہ علاقے ہی نہیں رہے اور وہ لوگ بھی نہیں رہے اور وہ حالات بھی نہیں رہے۔ چوں کہ زبان تشکیلی دور سے نکل کر دورِ ارتقا میں داخل ہے اس لیے اب اُن حد بندیوں کی ضرورت بھی نہیں، لیکن زبان کا جو پچھلا سرمایہ ہمارے پاس ہے، اُس میں ترجیحی صورتوں کا تعین اُنھی پرانے ضوابط کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ نئی زبان کے نئے لوگ مالک ہوسکتے ہیں۔

اب رہی تغیرات کی بات، تو وہ تو ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان کو تسلیم بھی کیا جائے گا اور کیا جانا چاہیے، لیکن ہر شخص کے فرمودات کی بنیاد پر نہیں۔ یہ دیکھا جائے گا کہ کہنے والا کیا حیثیت رکھتا ہے، زبان شناس ہے یا نہیں۔ یہاں بھی روایتِ حدیث والی بات ہے کہ راوی کا ''معتبر'' ہونا بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جو بہت سے ... کے لفظوں میں ''طفلانِ بے تہ'' اور ناآشنائے زبان و بیان خوش فعلیاں فرماتے رہتے ہیں تو یہ بس سننے کی چیز رہی، توجہ کے قابل نہیں۔ اب ''زبان شناس'' کی شرط اصل حیثیت رکھے گی۔ مگر اس سے ''ماہرِ لسانیات'' مراد نہیں کہ ان میں سے اکثر زبان شناس نہیں۔ زبان شناس وہ شخص ہے جو اردو کے سارے پچھلے سرمایے سے کماحقہٗ واقف ہو، لغت، قواعد، متروکات وغیرہ مباحث اور دبستانی اختلافات پر اُس کی نظر ہو، اور مزاجی طور پر وہ زبان اور بیان کی نزاکتوں کے عرفان کا شعور اور مناسبت رکھتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے

لوگ کم یاب ہیں اور یہی کم یاب لوگ فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

محاورہ، روزمرّہ، ضرب المثل: یہ تین مختلف اجزا ہیں۔ محاورے اور روزمرہ کی سب سے اچّھی تعریف مولانا حالی نے مقدمۂ شعروشاعری میں کی ہے۔ ڈیڑھ پونے دو صفحے کی عبارت ہے، اُسے دیکھ لیجیے۔ یہاں نقل کرنا مشکل ہے۔ ضرب الامثال پر ابھی ڈاکٹر یونس اگاسکر کی کتاب چھپی ہے، اُسے دیکھا جائے۔ یہ خط یوں ہی طومار بن گیا ہے، اس لیے اِن کی تفصیلات کے بیان سے گریز کرتا ہوں۔

یہ مجھے پہلی بار آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ میرے اُس انٹرویو پر اخباروں میں گفتگو کی گئی تھی۔ میں قطعی طور پر بے خبر رہا۔ اگر آپ کے پاس کچھ تراشے محفوظ ہوں تو ازراہِ لطف اُن کے بھیجنے کی زحمت گوارا کیجیے، پڑھ کر واپس کردوں گا۔ اس خط کی رسید ضرور عنایت ہو۔

معلوم نہیں آج کل آپ کہاں مصروفِ فیض بخشی ہیں کبھی دہلی کی طرف پھیرا ہو تو مطلع کیجیے گا، تاکہ ملاقات کی کوئی صورت نکالی جاسکے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی.سی.۹، گائرہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۴رستمبر ۱۹۹۰ء [۱۶]

مکرّمی! آداب

آپ کی بھیجی ہوئی کتاب کل شام کی ڈاک سے ملی، اِس لطفِ خاص کے لیے شکرگزار ہوں۔ میں ایسی کتاب کا ایک ایک لفظ توجہ کے ساتھ پڑھوں گا۔ چوں کہ میں آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے جم کر مطالعہ نہیں کر پاتا، یوں قسطوں میں پڑھ پاؤں گا۔ کچھ وقت تو لگے گا، لیکن اس طرح مباحث بھی اچھی طرح ذہن نشیں ہوسکیں گے۔

میری بیٹی کی شادی ۷/اکتوبر کو ہوگی، یوں ۱۵، ۲۰ دن تک شاہ جہان پور میں رہنا پڑے گا، وسط اکتوبر تک بہرحال دہلی واپسی ضرور ہوگی۔

ایک بار پھر اس اچھی اور معلومات افزا کتاب کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہماری باتیں ہی باتیں ہیں، سیّد کام کرتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۹ر ستمبر ۱۹۹۲ء

مکرّمی! آداب

میں نے اب مثنوی گلزارِ نسیم کا کام شروع کر دیا ہے۔ آپ نے نثری داستانیں میں لکھا ہے کہ ''مذہبِ عشق اردو نثر میں گلِ بکاولی کے دو نسخوں میں سے ایک ہے'' (ص ۳۴۵)۔ دوسرا نسخہ کون سا ہے؟

کیا اس مثنوی کے سلسلے میں کوئی اور ایسی چیز آپ کے پاس ہے جو میرے کام کی ہو۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

کیا مذہبِ عشق کا مجلسِ ترقی ادب والا اڈیشن آپ کے پاس ہے؟ اگر ہو تو اِس کی مجھے ضرورت پڑے گی۔ کام کے مکمل ہوتے ہی بہ احتیاط واپس کر دیا جائے گا۔ ہاں یہ بات ضرور پیشِ نظر رہے کہ میں تیزی سے کام نہیں کر پاتا، آہستہ خرام ہوں۔

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۱۴ر اپریل ۱۹۹۳ء

مکرّمی! آداب

لفافہ موصول ہوا، مگر ذرا تاخیر کے ساتھ، ڈاک میں آج کل گڑبڑ بہت ہے۔ اطہر فاروقی صاحب سے ایک مہینا پہلے سرسری سی ملاقات ہوگئی تھی، اُنھوں نے بتایا تھا کہ وہ ایک سمینار کے سلسلے میں ۲ر مارچ کو لندن جائیں گے۔ وہ واپس آئے یا نہیں، اِس کا احوال مجھے معلوم نہیں، غالباً ابھی نہیں آئے۔ وہ جیسے ہی میرے پاس آئے، یہ لفافہ اُن کو دے دوں گا۔

میری مسلسل بیماری نے بہت سے کام خراب کر رکھے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مجھ پر دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ بڑا سخت حملہ تھا بر وقت اسپتال پہنچا دیا گیا تھا، یوں بچ گیا، دو مہینے وہاں رہا۔ اب تک اُس کے اثرات کارفرما ہیں، یوں بہت سے ضروری کام یوں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ کتاب میں نے پڑھ لی ہے، مختصر سی اشاراتی یادداشتیں بھی لکھ لی تھیں۔ اب ایک بار پھر اُسے پڑھوں گا، تب کچھ لکھ سکوں گا۔ آج کل میری پوتی یہاں آئی ہوئی ہے، اسے بلڈ کینسر ہے، اسپتال میں پرسوں داخل ہوئی ہے، یوں اور پریشانی بڑھ گئی ہے۔ بہ ہر حال یہ تو زندگی کے متعلقات ہیں،

کسی نہ کسی شکل میں ساتھ ہی رہیں گے۔

''ان گنا'' کی تشریح وہی کی ہے جو آپ نے لکھی ہے، مگر یہ صراحت بھی کردی ہے کہ عورتوں کی زبان پر الف کے زیر کے ساتھ ہے اوراس میں دہلی و لکھنؤ کا بھی اختلاف نہیں۔ یہ عورتوں کی زبان کا خاص لفظ ہے، اس لیے تلفظ بھی اُنھی کا ماننا ہوگا، اصل کچھ بھی ہو۔ یہاں وہی استعمال عام کا مسئلہ ہے۔ اثر مرحوم اور مولوی سیّد اللہ ہم سے آپ سے زیادہ اُس عہد کے تلفظ سے باخبر تھے ہمیں اس سلسلے میں اُن کی بات ماننا ہوگی۔ آج اگر عورتیں ''ان گِنا'' کہیں بھی تو اِسے اُس عہد کے تلفظ پر حاوی نہیں مانا جاسکتا۔ اُس عہد کی زبان میں اُسی عہد کا تلفظ رکھا جائے گا (اور اب اکثر کئی عورتیں تو اس لفظ ہی سے واقف نہیں ہوں گی، وہ قصہ ہی ختم ہوگیا)۔ آپ نے جس انداز میں اور جن الفاظ میں تحسین وآفرین سے نوازا ہے، اُس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مثنوی گلزارِ نسیم بھی اسی انداز پر مرتب ہوگی، اطمینان رکھیے۔

اب ایک خاص بات: علی گڑھ تاریخ ادب کے سلسلے میں جس قول کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ قطعی طور پر صحیح نہیں۔ جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں ڈاکٹر اشفاق محمد خاں شعبۂ اردو میں ریڈر ہیں وہ اُس زمانے میں یونی ورسٹی کے دفتر میں اُس سکشن کے انچارج تھے، جہاں V.C کا وہ آرڈر آیا تھا کہ کتابیں بازار سے اٹھالی جائیں اور فروخت بند کردی جائے۔ اس آرڈر کو خود اُنھی نے وصول کیا تھا اور اس پر عمل درآمد کرایا تھا اور کیا تھا۔ میں نے بہ ذاتِ خود یونی ورسٹی جاکر سب کے سامنے اُن سے صورتِ حال معلوم کی اور انھوں نے یہ ساری تفصیلات بتائیں۔ اگر آپ کہیں گے تو میں اُن سے تحریری بیان بھجوادوں گا۔ اصل میں یہ اُس تبصرے کی اہمیت کو کم کرنے کی ایک کوشش تھی، یوں کہ یہ تاریخی بات ہے کہ ایک تبصرے کی بنا پر اتنی بڑی اسکیم کی کتاب باضابطہ واپس لے لی جائے۔ اس کی کوئی دوسری مثال اردو میں تو ہے نہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اصل بات کو برقرار رکھیں یا پھر اس جھگڑے ہی کو بیچ میں سے نکال دیں۔ اُس تبصرے کی اہمیت تو بہ ہر طور سب کے سامنے ہے۔ ہاں: سردار جعفری کی مرتبہ رباعیاں اور جمیل جالبی کی تاریخ ادب والے تبصرے اور ثقافت پاکستان کے تبصرے بھی توجہ طلب ہیں۔ میں اگر مالک رام صاحب کی ادبی خدمات پر مضمون لکھتا تو ضرور دوسرے مسائل سے متعلق اعترافات سے کام لیتا، مگر میں نے تو ایک خاص کتاب پر تبصرہ لکھا تھا اور یوں مجموعی خدمات کا اعتراف کا کوئی محل نہیں تھا اور وہ دیوان بہ ہر حال اُن کی شہرت کے مساوی نہیں۔

اور ہاں، کیا سرور صاحب کو تاریخِ ادب کے مرتب کا منصب قبول کرنا چاہیے تھا؟ وہ نقاد ہیں، تحقیق سے اُن کو دور کی بھی مناسبت نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ نائب تھے مجنون صاحب۔ خود سرور صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ طرح طرح کی ذمے داریوں میں وہ پھنسے ہوئے تھے۔ تو کیا

ایمان داری کا یہی تقاضا تھا کہ اتنے بڑے منصوبے کی ذمے داری کو بھی قبول کرلیا جاتا۔ میں اسے بہت بڑی بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ اتنا روپیہ اب کبھی تاریخ ادب کے لیے نہیں ملے گا، غضب یہ کیا یارلوگوں نے کہ جو اقتباسات پیش کیے، اُن کے متن تک کی تصحیح ضروری نہیں سمجھی۔ اس پر ان کا ''دل سوزی کے ساتھ لکھنا''، یعنی میرے تبصرے کی شکایت کرنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور پھر انھوں نے لکھا کیا ہے، یہ لکھا ہے کہ کچھ اغلاطِ طباعت تھیں جن کو نمایاں کیا گیا تھا۔ جھوٹ بولنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

اب ایک اور بات: کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کے توسط سے میں آپ کے شاگرد کلیم الحسن قریشی کے مقالے سے استفادہ کرسکوں۔ یہ میری عادت ہے کہ اگر میں کسی سے استفادہ کرتا ہوں تو اُس کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ میں اُس مثنوی کے متن کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہوں، کراچی سے بھی اور حیدرآباد سے بھی۔ اگر وہ مقالہ مل جائے تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی، بہ صورتِ دیگر میں مثنوی کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کروں گا، کیوں کہ اس کے بغیر میرا کام مکمل نہیں ہوسکتا۔ میں نے عزت اللہ بنگالی کے فارسی متن کا عکس بھی منگوایا ہے اور توقع ہے کہ آجائے گا۔ دعا کیجیے کہ مثنوی گلزارِ نسیم کا متن بھی انھی دونوں کتابوں کے انداز پر مرتب ہوجائے گا۔ بس صحت کی خرابی کی وجہ سے مُشوّش رہتا ہوں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ اگر کسی بہانے لکھنؤ آنا ہوا تو آپ سے ملاقات ضرور ہوگی۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی سی۔9، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷

۲۱ را پریل ۱۹۹۳ء

مکرّمی! آداب

میں نے دو دن پہلے ایک خط حوالہ ڈاک کیا تھا۔ اُس میں آپ کے مضمون کی رسید بھی تھی اور یہ بھی دریافت کیا تھا کہ مثنوی خیابانِ ریحان سے متعلق آپ کے شاگرد کا مقالہ مجھے دیکھنے کو مل سکتا ہے۔

میں نے اس مثنوی کے حصول کی دوسرے ذرائع سے بھی کوشش کی تھی، چناں چہ آج معلوم ہوا کہ نسخۂ کراچی کا عکس مجھے جلدتر مل جائے گا اور نسخۂ حیدرآباد کا بھی۔ اس صورتِ حال کے

پیشِ نظر اب مجھے قریشی صاحب کے مقالے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اصل متن مل جائیں گے اور مقصود تھا اصل متن کو دیکھنا۔

اب میں عزت اللہ بنگالی کے فارسی نسخے کے عکس کی فکر میں ہوں۔ کلکتے اور لندن، دونوں جگہ احباب کو لکھا ہے۔ توقع تو یہی ہے کہ مل جائے گا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی۔سی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۰ ؍مئی ۱۹۹۳ء

مکرمی! آداب

۲۴؍اپریل کا خط ملا، شکریہ۔ مگر میرا دوسرا خط اُس کے بعد ہی آپ کو ملا ہوگا، جس میں میں نے یہ لکھا تھا کہ ریحان کی مثنوی کراچی سے آجائے گی، یوں اب اُس تحقیقی مقالے کی ضرورت نہیں رہی۔ میرا مقصد اس مثنوی کے متن کی تصحیح نہیں تھی، صرف یہ چاہتا ہوں کہ عزت اللہ بنگالی کے فارسی متن مذہبِ عشق اور گلزارِ نسیم میں واقعات کی کمی بیشی اور تغیر و تبدل کو معلوم کروں؛ ہاں میرا کام کسی بھی نسخے سے بہ خوبی ہو سکتا ہے۔ اُن کے مقدمے وغیرہ کے مباحث سے میرا کچھ واسطہ نہیں، اُن کو میں بہ طورِ خود، حسبِ انجام دوں گا۔

ہاں صاحب، میں خود بھی میر و سودا کے کلیات مرتب کرنا چاہتا تھا۔ ترقی اردو بورڈ نے ایک زمانے میں کلیاتِ میر کو مرتب کرنے کے لیے مجھ سے کہا تھا۔ میں نے منظوری بھیج دی اور ساتھ میں اُن نسخوں کی فہرست، جن کے عکس مجھے درکار ہوں گے۔ بورڈ نے معذرت کر لی کہ مختلف نسخوں کے عکس فراہم کرنا۔ اُس کے فرائض میں شامل نہیں تب میں نے معذرت کر لی؛ اُنھوں نے اُس کے بعد ظلِ عباس والا نسخہ شائع کر دیا۔ وہ بھی خوش، میں بھی خوش۔

میر اور سودا کے کلیات اُس وقت تک صحیح طور پر مرتب نہیں ہو سکتے جب تک اُن کے اہم خطی نسخوں کے عکس پہلے یک جا نہ کر لیے جائیں۔ یہ کام کوئی ادارہ ہی کر سکتا ہے، کوئی فرد، خاص کر مجھ جیسا شخص نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے زیادہ وسائل کی ضرورت ہوگی۔ ادارہ کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اس طرف توجہ کرے یوں یہ دونوں کام ناتمامی کا شکار ہیں اور شاید رہیں گے۔

ہاں نوطرزِ مرصع بھی میری فہرست میں شامل ہے۔ اس کو بھی مرتب کروں گا اور ضرور۔ اس

کے نسخے تعداد میں کم ہیں، یوں مشکل نہیں ہوگی۔ افسوس یہ ہے کہ جموں والا نسخہ دریا بُرد ہو گیا۔ خیر ہاں وہ تحریر میں نے اطہر فاروقی کو ڈاک سے بھیج دی ہے، اب تک مل چکی ہوگی۔ معلوم ہوا تھا کہ اُن کی طبیعت آج کل خراب ہے، یوں ملاقات نہیں ہو پا رہی ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی سی ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۹ رمئی ۱۹۹۳ء[۲۱]

مکرّمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۴ رمئی مل گیا، شکر گزار ہوں۔ یہ جوئی دریافت ہے، اس کے متعلق یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قصۂ گل بکاولی ہی ہے۔ "شہ زین الملوک" قطعی بات نہیں۔ امکان تو یہی ہے کہ یہ وہی قصہ ہے، مگر صراحت ضروری ہے، اس کے بغیر کچھ کہنا مشکل ہوگا۔ آپ از راہِ لطفِ خاص اگر گوہر نوشاہی صاحب سے یہ بات معلوم کرلیں کہ کیا یہ وہی قصۂ گل بکاولی ہے؟ تو مجھے اس سے مدد ملے گی، یعنی اِس کا باضابطہ حوالہ دیا جا سکے گا۔ اس زحمت کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر اس کے بغیر میرا کام نہیں ہو پائے گا، توقّع کرتا ہوں کہ آپ اس زحمت کو ضرور گوارا کرلیں گے۔ نوشاہی صاحب سے یہ کہیے کہ وہ جس قدر تفصیلات بھیجیں گے، وہ اُنھی کے الفاظ میں، اُنھی کے حوالے سے درجِ کتاب ہوں گی۔ میں اس سلسلے میں بخل کا ذرا بھی قائل نہیں۔ ہاں میں اُن کا شکر گزار بھی ہوں گا اور بہت۔

کراچی والا نسخۂ باغ و بہار آ گیا، یعنی اُس کا عکس۔ یہ نسخہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں بہت سے مفصّل حواشی بھی ہیں۔ کسی خوش ذوق نے متعدّد اشعار سے متعلق اپنی رائے لکھی ہے۔ چوں کہ مجھے متن تو اس کا مرتّب کرنا نہیں، یوں سب نسخوں سے تقابل۔ میرے لیے غیر ضروری ہے، اسے میں کلیم الحق صاحب کے لیے چھوڑتا ہوں۔ میں تو صرف واقعات کی ترتیب اور اُن کی تفصیلات کی کمی بیشی کو دیکھوں گا اور بس۔

فارسی متن کے لیے کاغذی گھوڑے ہر طرف دوڑا رہا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ کلکتے کی ایشیاٹک سوسائٹی والوں نے بہ طورِ اصول یہ طریقہ اپنا لیا ہے کہ وہ کسی بھی خطّی یا مطبوعہ کتاب کا مکمل عکس نہیں دیتے۔ میں خود چند سال پہلے کلکتے جب گیا تھا، خلیق انجم صاحب ساتھ تھے، تو میں خود

لائبریری کے ڈائرکٹر سے ملا تھا اور اُنھوں نے معذرت کر لی تھی۔ مگر اُس وقت دستنبو کے ایک نسخے کا معاملہ تھا۔ لندن سے متن مل سکتا ہے، مگر میری ترجیح کلکتے والے نسخے کے لیے ہے، کیوں کہ خیال یہ ہے کہ نہال چند نے اُسی سے ترجمہ کیا ہوگا۔ بہر حال، اگر ہر طرح سے ناکام رہا تو پھر لندن کا رُخ کروں گا۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ فارسی متن میرے لیے ازبس ضروری ہے، میں اُس کے بغیر اس کام کو مکمل کر ہی نہیں سکتا۔ میں آپ کے خط کا چشم بہ راہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۱ رمئی ۱۹۹۳ء

مکرّمی!

۱۳ رمئی کا خط ملا، لفافے میں تین صفحوں کا عکس ملفوف تھا۔ اس عنایت کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ میں آج ہی گوہر نوشاہی صاحب کو خط لکھوں گا۔ جواب کی کچھ زیادہ توقع تو نہیں بہر حال میرا کام خط لکھنا ہے۔ مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ نو دریافت مثنوی، وہی قصۂ گل بکاولی ہے، کچھ اور نہیں۔ حوالے کے لیے یہ تصدیق ضروری ہے۔

میری پریشان خاطری کی وجہ سے کام رُک سا گیا ہے۔ چاہتا ہوں کہ جلد تر اُسے دوبارہ شروع کر سکوں۔

کلکتے سے عزت اللہ بنگالی کے فارسی متن کا عکس ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کئی ذریعوں سے کوشش کر چکا ہوں۔ اب نسخۂ لندن کے لیے کوشش کروں گا، اگرچہ میں چاہتا یہی تھا کہ نسخۂ کلکتہ مل جاتا۔

ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں اصل تاریخ کے حساب سے ۶۸ سال کا ہوں، شاید وہ لوگ ۷۰ کا انتظار کریں گے اُس مجموعے کے لیے، معلوم نہیں زندگی مستعار کا ارادہ کیا ہے۔ یہ بات یوں لکھی کہ آپ اُس تحریر کی طرف سے پریشان نہ ہوں وہ اُن صاحب کے پاس محفوظ رہے گی۔ مجھے اُنھی کی طرف سے یہ پیغام ملا تھا جو میں پہنچا رہا ہوں۔ بچی کی طرف سے خاصا پریشان ہوں یوں دل جمعی سے محرومی

سی ہے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۵؍جون ۱۹۹۳ء

مکرّمی! آداب

پوسٹ کارڈ مرقومہ ۲۹؍مئی ملا، مبارک باد کے لیے شکرگزار ہوں۔ جوڑ توڑ کے اس دور میں مجھ جیسے شخص کا نام لیا جانا اور ایسے مواقع پر کبھی کبھی جتلائے تعجب ضرور کر دیتا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۷؍ستمبر ۱۹۹۳ء [۲۲]

حضرت سلامت! اُس دن تو کمال ہو گیا۔ میں بھاگم بھاگ جامعہ سے انجمن پہنچا، معلوم ہوا کہ آپ جا چکے ہیں، تعجب ہوا اور افسوس بھی۔

حیدرآباد سے آپ کے ایک شاگرد کا خط آیا تھا کہ کتاب نما کے گوشے کے لیے آپ سے متعلق ایک تحریر درکار ہے۔ تین مہینے کی مہلت دی تھی، میں نے فوراً جواب لکھا اور وعدہ کر لیا کہ ضرور بالضرور لکھوں گا۔ بس یہ کیجیے گا کہ دو ماہ کے بعد یاددہانی کا ایک خط لکھ دیجیے گا۔ اُس کے بعد عابد پیشاوری صاحب آگئے، اُن سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ دراصل ایک کتاب کا پروگرام ہے اور یہ کہ تحقیق کا فن پر وہ نہایت مفصّل مضمون لکھیں گے۔ اب میں دُبدھا میں پڑ گیا کہ کیا کتاب نما کا وہ گوشہ نہیں نکلے گا جس کے لیے مجھ سے کہا گیا تھا مضمون لکھنے کے لیے اور اُن صاحب کا حیدرآباد سے پھر کوئی خط بھی نہیں آیا، معلوم نہیں صورتِ حال کیا ہے۔

میں ۳۱؍اکتوبر کو چند گھنٹوں کے لیے لکھنؤ آؤں گا لاری صاحب کے جلسے میں۔ ممکن ہے وہاں آپ سے ملاقات ہو سکے۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۱/۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء

مکرّمی! آداب

خط ملا۔ ۲۵، ۲۶ کو یہاں غالب سمینار ہے، اُس میں شرکت کرنا ہے، اس کے بعد ہی شاہ جہان پور جانا ہے۔ واپسی ۱۵، ۲۰ جنوری تک ہو گی۔ آتے ہی پہلا کام یہ ہوگا کہ اُس تحریر کو مکمل کرلیا جائے۔ میری کوشش ہو گی کہ اواخر جنوری یا پھر اوائل فروری تک وہ تحریر آپ تک ضرور پہنچ جائے۔ شاید میں یہ لکھ چکا ہوں کہ عزت اللہ بنگالی کے فارسی متن کے نسخہ ہائے کلکتہ و پٹنہ و لندن میں نے منگالیے ہیں، یعنی ان کے عکس۔ کراچی سے ریحان کی مثنوی کا عکس بھی آ گیا ہے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ریحان کو لکھنوی کیوں لکھا گیا۔ مثنوی میں تو ایسی کوئی شہادت ہے نہیں بل کہ بعض قرائن سے شاعر کا حیدر آبادی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ہاں، معرکہ چکبست و شرر کے مرتب ''خلاصۃ الحکماء مرزا محمد شفیع شیرازی'' سے آپ واقف ہیں؟ میں اب تک کوشش کے باوجود اِن سے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں کر پایا ہوں۔ ایک لکھنوی دوست نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نام فرضی تھا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء

مکرّمی!

کل شام کی ڈاک سے آپ کا ان لینڈ ملا، مرقومہ ۱۲ جنوری۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ ''آج صبح ایک پوسٹ کارڈ لکھا'' مگر مجھے آپ کا کوئی پوسٹ کارڈ نہیں ملا۔ معلوم نہیں آپ نے اُس

میں کیا لکھا تھا۔

تاریخ ادب کا حوالہ دیکھا، اِس کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں، مگر لکھنے والے نے یہ نہیں لکھا کہ یہ روایت اُنھوں نے سنی ہے یا یہ کہ خود اس نسخے کو دیکھا ہے۔ سنہ بھی نہیں لکھا کہ یہ کس سنہ کی تصنیف ہے۔ ڈھاکے کا میرا کوئی جاننے والا ایسا نہیں جس سے کچھ معلوم کرسکوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ مدد کرسکیں تو بہت ممنون ہوں گا۔ یہ بات صاف طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کتاب کس سنہ میں لکھی گئی تھی، یہ مطبوعہ ہے یا خطی نسخہ ہے اور یہ کہ کسی نے اسے دیکھا ہے، محض سنی سنائی نہیں۔ حبیب اللہ غضنفر غالباً وہی صاحب ہیں جنھوں نے ہندستانی اکیڈمی الٰہ آباد سے ناسخ کی ایک مثنوی (غالباً سراجِ سخن) شائع کی تھی۔ کچھ کیجیے۔

پرسوں سے مجھے بخار پھر آگیا، یہ تیسری بار بازگشت ہوئی ہے، سخت نقاہت ہے۔ احساس صاحب کا خط آیا تھا، جواب لکھ دیا ہے، ذرا دم لے لوں اور کمر سیدھی ہو جائے تو لکھوں۔ ہفتے دس (دن) میں شاید ٹھیک ہو جاؤں گا۔

ریحان کی مثنوی کا نسخہ کراچی کا عکس میرے پاس ہے۔ چوں کہ مجھے اس کے متن کو مرتب نہیں کرنا ہے، وہ آپ کے شاگرد کر چکے ہیں، اس لیے بقیہ نسخوں کی فکر میں نے نہیں کی۔ شاعر نے صرف اپنا تخلص ریحان لکھا ہے، کاتب نے ترقیمے میں ''ریحان الدین لکھنوی'' لکھا ہے۔ زبان اور بیان تو اِس قدر ناقص ہے کہ لکھنوی معلوم نہیں ہوتے۔ مطلب یہ کہ ''ظہور حسن رام پوری نے سب سے پہلے ریحان کا نام ریحان الدین لکھنوی لکھا ہے'' یہ درست نہیں۔ سب سے پہلے اُس کاتب نے لکھا ہے، پھر سیّد خورشید حسن نے اپنے مضمون میں تکرار کی اور ظہور صاحب تو نرے ناقل ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ریحان کی مثنوی انھوں نے دیکھی ہی نہیں۔ جس قدر شعر اُنھوں نے اپنے مضمون میں پیش کیے ہیں، وہ سب بالترتیب خورشید حسن کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔ اس کا نام شاعر نے کہیں نہیں لکھا۔ اس نے صرف یہ لکھا ہے کہ ''باغ و بہار تاریخ ہے۔ سیّد خورشید حسن نے سب سے پہلے اسے ''تاریخی نام'' مانا اور پھر دوسروں نے۔ یہ بات تو بالکل سمجھ میں نہیں آئی کہ اس کا نام ''خیابانِ ریحان'' کیسے مشہور ہوگیا۔ یہ نام تو کہیں آیا ہی نہیں۔ خیابان ۴۰ ہیں اس میں، غالباً اس کی وجہ سے یہ فرض کرلیا گیا کہ یہ نام بھی ہوسکتا ہے۔ موجودہ صورت میں اس کا صحیح نام معلوم نہیں، یوں کہ شاعر نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ دوسروں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ محض قیاس ہے۔ باغ و بہار تاریخی نام نہیں، محض مادۂ تاریخِ تکمیلِ مثنوی ہے۔ حسبِ صراحت شاعر اگر بنگالی نسخے کا حال معلوم ہوسکے تو یہ بڑے کام کی چیز ہوسکتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس سلسلے

میں کسی سے کچھ معلوم کرسکیں۔ شاید جالبی صاحب کچھ بتا سکیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں زحمت گوارا کریں گے تو میں ممنون ہوں گا اور اس سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔

میرے لیے دعا کیجیے

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

۲۴ر جون ۱۹۹۴ء

مکرّمی!

آپ کا خط کئی دن پہلے آیا تھا، مگر میں سخت بیمار تھا۔ آج بستر سے اٹھا ہوں اور یہ چند سطریں عجلت میں لکھ رہا ہوں۔

اب میں کیا کہوں کہ کن ''معتبر'' حضرت نے مجھے وہ غیر معتبر خبر سنائی تھی۔ میری غلطی یہ کہ تصدیق کے بغیر یقین کرلیا اور دھوکا کھایا، شرمندگی الگ۔ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور آپ سے معذرت طلب ہوں۔ دعا کیجیے کہ میری صحت جلد روبراہ ہوسکے۔ نقاہت حد سے زیادہ ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷

۱۰ر اگست ۱۹۹۴ء

مکرّمی! آداب

میں ۱۰ر جولائی کو شاہ جہان پور گیا تھا۔ ۹ر اگست کو واپسی ہوئی۔ یہاں ڈاک میں آپ کا خط محفوظ تھا۔ اِس بار ملاقات نہ ہونے کا واقعی افسوس رہا۔ علی گڑھ کی خبر سے اطمینان ہوا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۹ / مارچ ۱۹۹۵ء [۲۵]

مکرّمی! آداب

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

یہ اطلاع دے چکا ہوں کہ گلزارِ نسیم کی تدوین کا کام مکمل ہوگیا۔ شاید یہ بھی لکھا تھا کہ اصل فارسی متن بھی شامل کرلیا ہے۔ اِس طرح اِس کی ضخامت ۲۴۷ [۲۶] صفحات ہوگئی ہے۔ شاید اپریل کے آخر تک چھپے گی۔ چھپتے ہی آپ کے پاس پہنچے گی۔

اب میں نے مثنویاتِ نواب مرزا شوق کی تدوین کا کام شروع کیا ہے، اِس سلسلے میں آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اُن کی تینوں مثنویوں کا کوئی قدیم نسخہ (یعنی اُنیسویں صدی کا) آپ کے پاس ہے؟ زہرِ عشق کا قدیم ترین مطبوعہ نسخہ (۱۸۶۲ء) میرے پاس ہے۔ فوری طور پر جواب سے نوازیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۳ / اپریل ۱۹۹۵ء

مُحبِّ مکرّم!

میں نے ایک خط لکھا تھا، کئی ہفتے ہوئے، جواب نہیں ملا، اور یہ آپ کے معمول کے خلاف ہے۔ ہوسکتا ہے وہ خط پہنچا ہی نہ ہو۔

میں نے اُس خط میں یہ لکھا تھا کہ میں مثنویاتِ شوق (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) مرتّب کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے کسی مثنوی خاص کر بہارِ عشق کا کوئی نسخہ قدیم آپ کے پاس

ہے، یا آپ کے علم میں ہے کہ وہ کہاں ہے، جہاں سے اُس کا عکس مل سکے۔ نیز مسعود صاحب کے یہاں ۱۲۶۶ھ کا نسخہ تھا، مگر بہ قول اُن کے ایک صاحب لے گئے اور واپس نہیں کیا۔

کیا یہ اشاعت کہیں اور ہے؟ اِس کا ملنا ضروری ہے۔ زہرِ عشق کا ۱۸۶۲ء کا اڈیشن میرے پاس ہے۔ غالباً یہ قدیم ترین مطبوعہ نسخہ ہے (میری معلومات کی حد تک)۔

فریبِ عشق کا ۱۲۷۲ھ کا اور بہارِ عشق کا ۱۲۸۳ھ[۲۷] کا نسخہ میرے پاس ہے۔ رام پور میں بہارِ عشق کا ۱۲۷۷ھ کا نسخہ ہے اور قدیم نول کشوری اڈیشن (کلّیات) ۱۸۷۱ء ہے۔ ان کا عکس مل جائے گا۔

آپ کے خط کا انتظار ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

کسی صاحب کی حیاتِ شوق کے نام سے کوئی کتاب ہے۔ اُس کی بھی تلاش ہے۔ وہ غالباً ۱۹۹۱ء میں لکھنؤ سے چھپی ہے، نظامی پریس سے۔ لکھا تو کئی جگہ ہے، مگر ہنوز کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔

(۳۹)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی بی.9، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷

۲۵/اپریل ۱۹۹۵ء[۲۸]

مکرّمی! آداب

آپ کے نام کا خط حوالۂ لیٹر بکس کر کے آیا ہی تھا کہ آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔

نوطرزِ مرصّع واقعی مزے کا کام ہے، مگر ہو کیسے۔ اِس کے سب نسخوں کا عکس منگانا میری استطاعت سے باہر ہے۔ کوئی ادارہ یہ کام کرے تو میں اِس متن کو سب سے پہلے مرتب کروں گا۔ مسعود حسن صاحب رضوی کے یہاں جو خطّی نسخے تھے (یا تھا) وہ آپ نے جموں کے لیے خرید لیے تھے، مگر وہ وہاں دریا بُرد ہو گئے۔

ترقّی اردو بورڈ نے ایک زمانے میں کلّیاتِ میر کی تدوین کے لیے کہا تھا۔ میں نے ہامی بھرلی۔ خطّی نسخوں کی فہرست بنا کر دی کہ اِتنے نسخے ضرور سامنے ہونا چاہیے، اِن کے عکس منگا دیے جائیں۔ کہا گیا کہ یہ کام اِس ادارے کے دائرے میں نہیں آتا۔ عکس خود منگائیے۔ تدوین کا

معاوضہ ڈھائی روپے صفحہ ہم ضرور دیں گے۔

اب فرمائیے، کیا اسی طرح ایسے کام ہوتے ہیں؟ ترقّیِ اردو بورڈ نے کسی پھیر میں پڑنے کے بجائے ظلِ عبّاس عبّاسی صاحب سے اُس کام کو کرالیا اور پہلی جلد چھاپ بھی دی۔ دوسری جلد کا مسوّدہ اب سے چھے سال پہلے رائے کے لیے میرے پاس آیا تھا، ضروری کاغذ ساتھ نہیں تھے۔ اُن کے لیے لکھا گیا، آج تک نہیں آئے اور وہ مسوّدہ ویسا ہی پڑا ہوا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اُسے کوئی واپس لینے بھی نہیں آیا (گویا خس کم، جہاں پاک)۔ مثنویاتِ شوقؔ کے بعد میرا ارادہ غرائب اللّغات کو مرتب کرنے کا ہے۔ اِس مصنّف کے ساتھ بہت بے انصافی ہوئی ہے۔ یہ کتاب الگ سے چھپی بھی نہیں اب تک۔ خانِ آرزو نے اُس غریب کو جہالت کا ایسا سرٹی فکٹ عطا کیا کہ آج تک اِس کی تکرار کی جارہی ہے۔ اِس کے متعدد خطّی نسخے ہیں اور اکثر کے عکس میں نے حاصل کرلیے ہیں۔ بس نسخۂ رام پور رہ گیا ہے۔ وہاں کا احوال خراب ہے، ذرا حالات سُدھریں تو اُسے بھی حاصل کرلوں گا۔ مجنوں والا نسخۂ زہرِ عشق میرے پاس نہیں۔ مجھے اُس نسخے کی بھی تلاش ہے جسے نظامی بدایونی نے ۱۹۱۹ء میں چھاپا تھا۔ یہاں نہیں ملا۔

انتساب کے لیے شکر گزار ہوں۔ البتہ خیال یہ ضرور آیا کہ اگر یہ چھے افراد ''چند کاملانِ تحقیق'' میں سے ہیں، تو گویا ''کاملانِ تحقیق'' اِس زمانے میں درجن بھر تو ہوں ہی گے۔ آپ نے وابستگانِ تحقیق اور کاملانِ تحقیق میں دوئی کا فرق مٹادیا اِسے کیا کہا جائے، عطائے شاہانہ! میں نے بارہا یہ محسوس کیا ہے کہ نکتہ چینی یا اختلافِ رائے اور اعترافِ خدمات میں اکثر آپ کسی انتہا پر متمکن نظر آتے ہیں۔ آپ نے انعام کے لیے میرا نام تجویز کیا، اِس کا بھی شکریہ۔ اکثر ایسے کام ہوا نہیں کرتے۔ بہ ہرحال، مجھ سے اگر پوچھا جاتا تو میں دو نام تجویز کرتا۔ ایک نام آپ کا اور ایک مسعود حسین خاں کا۔ آپ دونوں مجھ سے ہر لحاظ سے اعلا و افضل ہیں؛ عمر میں بھی، علم میں بھی اور کام کے لحاظ سے بھی۔

آپ کی تحریر اُسی زمانے میں متعلقہ طالبِ علم کو بھیج دی گئی تھی۔ شاہد علی خاں نے بتایا کہ وہ آج کل پی. ایچ. ڈی کے مقالے کی تکمیل میں بے طرح مصروف ہیں۔ اگست تک بہ ہر صورت اُسے جمع ہونا ہے۔ اُس کے بعد وہ اُس کام کو کریں گے۔ یہ میں نے لکھا تھا کہ دسمبر کے اواخر میں میں عمر کے ستّر سال مکمل کرلوں گا۔ شاید شاہد علی خاں کے ذہن میں یہ بھی ہو کہ اُس موقعے پر کچھ کیا جائے۔

بیگ احساس صاحب سے، شبلی سمینار میں ملاقات ہوئی تھی، میں نے دریافت کیا، اُنھوں

نے بتایا کہ ابھی آپ سے متعلق کتاب کو بھی مکمل ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ کتنا، یہ اُنھوں نے نہیں بتایا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۵رمئی ۱۹۹۵ء[۲۹]

مکرّمی! آداب

میں کل ہی شاہ جہان پور سے واپس آیا ہوں۔ ۲۸ر کا خط مل گیا، شکریہ۔ حیاتِ شوق میرے پاس آگئی ہے، اب اُس کی ضرورت نہیں۔ آپ اُس کے لیے زحمت گوارا نہ کریں۔ عقیل رضوی صاحب نے یہ کتاب بھیج دی ہے۔

حیاتِ شوق کے مولف نے لکھا ہے کہ بہارِ عشق کا ۱۲۶۸ھ کا نسخہ لکھنؤ یونی ورسٹی لائبریری میں ہے۔ اگر اِس سلسلے میں آپ کچھ معلوم کرسکیں تو ممنون ہوں گا۔ میں نے نیّر صاحب کو بھی لکھا ہے۔

فریبِ عشق علاحدہ سے ضرور چھپی تھی۔ اِس کا ۱۲۷۲ھ کا نسخہ میرے پاس ہے۔ شاہ عبدالسلام صاحب کا یہ قول درست نہیں کہ وہ "علاحدہ سے نہیں چھپی"۔

اکبر حیدری صاحب کا خط آیا تھا کہ وہ کشمیر جا رہے ہیں۔ میں نے کشمیر کے پتے پر رجسٹرڈ خط لکھا۔ ہنوز اُس کا جواب نہیں آیا۔ منتظر ہوں۔

حیدرآباد سے جو اطلاع آئی ہے (کالرا صاحب کی معرفت) اُس سے معلوم ہوا کہ سالار جنگ میں کوئی نسخہ میرے مطلب کا نہیں۔ رام پور اور پٹنے سے تفصیلات کا انتظار ہے۔

توقّع کرتا ہوں مزاج بہ خیر ہوگا اور وہاں کے موسم کی قہرسامانی سے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت آپ نے نکال لی ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی۔۱۱۰۰۰۷
۱۲رمئی ۱۹۹۵ء

محبِ مکرّم! آداب

آپ کا خط ملا۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے، میں اُس سے سو فی صدی متفق ہوں۔ اور جس دل سوزی اور تعلقِ خاطر کے ساتھ لکھا ہے، اُس سے میں بہت متاثر ہوا۔ اِس کام کو تو اب ادھورا نہیں چھوڑ سکتا؛ اِس کے بعد آپ کے مشورے پر لازماً عمل کروں گا۔ ذرا موسم ٹھیک ہو جائے تو دن بھر کے لیے لکھنؤ آنے کا ارادہ ہے۔ اُس وقت مفصل گفتگو کروں گا۔

اِن مثنویات میں الجھ گیا ہوں۔ لوگوں نے ایسی ایسی بے سر و پا باتیں لکھی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ ''غمِ دل ربا'' والی تاریخ بھی مجھے مصنوعی معلوم ہوتی ہے، بل کہ وہ سارا قصہ ہی بنایا ہوا لگتا ہے۔ خیر، اِس پر ابھی کوئی بات نہیں لکھ سکتا ہوں، نہ کہہ سکتا ہوں؛ اِس سلسلے میں ابھی کچھ کام اور کرنا ہے۔

آپ اگر زحمت گوارا کرلیں تو ایک کام ہو جائے۔ ڈاکٹر سیّد محمد، جنھوں نے حیاتِ شوق لکھی ہے، وہ میں نے دیکھی۔ اُس کا علم مجھے آپ ہی کے خط سے ہوا تھا، اُس میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مندرجہ ذیل نسخے بہ طورِ خود دیکھے ہیں:

(۱) بہارِ عشق، مطبوعہ ۱۲۶۸ھ، مخزونہ لکھنؤ یونی ورسٹی لائبریری لکھنؤ۔

(۲) زہرِ عشق، نسخہ مرتبہ نظامی بدایونی، سالِ طبع ۱۹۱۹ء (اشاعتِ ثانی: ۱۹۲۱ء)۔

(۳) زہرِ عشق، مرتبہ عشرت رحمانی، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۳ء۔

میں سیّد صاحب سے ناواقف ہوں، اُن کا پتا بھی میرے پاس نہیں کہ خط لکھ سکوں۔ وہ شاگرد ہیں ملک زادہ صاحب کے اور ملک زادہ صاحب ٹھہرے جہانیاں جہاں گرد، نہیں معلوم کب کہاں ہوں گے۔ اگر آپ اُن سے اِن سیّد صاحب کا پتا (ٹیلی فون پر) معلوم کرسکیں تو خوب ہو، تاکہ میں خط لکھ سکوں۔ یا پھر آپ خط لکھ کر اُن سے یہ پوچھ لیں کہ اِن میں سے کون سے نسخے اُن کے پاس ہیں، خاص کر نظامی بدایونی والا نسخہ۔ اور کیا لکھنؤ والا نسخہ (۱۲۶۸ھ کا) اُنھوں نے بہ چشمِ خود دیکھا ہے؟ یعنی وہ ہنوز محفوظ ہے۔

میں بہت ممنون ہوں گا اگر یہ کام ہو سکے اور اِن نسخوں کا پتا لگ سکے۔ یہاں باوجودِ تلاش مجھے نظامی بدایونی اور عشرت رحمانی کے نسخے نہیں ملے، جب کہ اِن کی ضرورت ہے۔ لکھنؤ والے

نسخے کا حوالہ جس طرح سیّد صاحب نے دیا ہے، اُس سے قطعیت کے ساتھ (یا پھر یوں کہوں کہ وضاحت کے ساتھ) یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ اُنھوں نے دیکھا ہے۔ اگر اُنھوں نے دیکھا تو اب بھی موجود ہوگا (یا ہونا چاہیے)۔ آپ توجہ کریں گے تو یہ مسئلہ بہ خوبی حل ہو سکے گا۔ آپ ہی سیّد صاحب کو خط لکھ دیں تو انسب ہوگا غالباً۔ مجھے وہ کیا جانیں اور کیوں جانیں۔ ہاں ملک زادہ صاحب ضرور میرے کرم فرما ہیں، مگر آنکھ او جھل، پہاڑ او جھل۔

آپ کے التفات کا طلب گار ہوں۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت: مجنوں والی زہرِ عشق ضرور بھیج دیجیے۔ میں اپنا کام مکمل کر کے بہ احتیاط واپس کر دوں گا؛ مگر تکمیل میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ آپ رجسٹری سے بھیجیے گا تا کہ بہ حفاظت آ جائے۔ اِس زحمت کے لیے معذرت طلب ہوں۔

(۴۲)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۵ر مئی ۱۹۹۵ء ۱ءے

مکرّمی! آداب

زہرِ عشق مرتبہ مجنوں کا پیکٹ مل گیا۔ اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ حُسنِ اتفاق سے زہرِ عشق مرتبہ نظامی بدایونی، جس کی مجھ کو بہت تلاش تھی، وہ بھی مل گئی۔ شمس الرحمان فاروقی صاحب نے بھیج دی۔

اب بس تینوں مثنویوں کے بعض قدیم اڈیشنوں کی تلاش ہے۔ خیال یہ ہے کہ مہینے ڈیڑھ مہینے میں وہ سب مل جائیں گے۔ اُن میں سے بعض پٹنے میں ہیں، بعض رام پور اور ایک خاص نسخہ اکبر حیدری صاحب کے پاس ہے جو فی الوقت کشمیر میں ہیں۔ خط اُن کا آ گیا ہے کہ وہ لکھنؤ آتے ہی اُسے بھیج دیں گے۔ گلزارِ نسیم ابھی نہیں چھپ سکی، پریس میں بھیج دی گئی ہے، کچھ جھگڑا کاغذ کا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
ٹی سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۹ر مئی ۱۹۹۵ء[۳۲]

مکرمی! آداب

۱۹ر مئی کا خط ملا، شکریہ۔

نظامی اڈیشن مل گیا، شمس الرحمان فاروقی صاحب کے پاس تھا، اُنھوں نے بھیج دیا۔ لکھنؤ یونی ورسٹی میں جو اڈیشن ہے یا ہونا چاہیے، وہ پٹنے میں موجود ہے، وہاں سے عکس بہ آسانی آجائے گا؛ اِس لیے اب کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرے مطلوبہ سبھی نسخے اب علم میں آچکے ہیں اور جلد ہی ہاتھ بھی آجائیں گے۔ آپ نے اِس سلسلے میں جو زحمت اُٹھائی، اُس کے لیے ممنون ہوں۔ زہرِ عشق نسخہ مجنوں کی رسید بھیج چکا ہوں۔

تعجب ہوتا ہے اُسے دیکھ کر، مجنوں صاحب ہمارے اچھے ناقدین میں سے تھے، کلاسکی ادب کے رمز آشنا تھے، لیکن تحقیق سے اُن کے مزاج کو ذرا بھی مناسبت نہیں تھی۔ اِسی نے اِس نسخے کو کم درجہ بنادیا اور اِسی نے علی گڑھ تاریخِ ادب کے ساتھ وہ سلوک کیا۔ تحقیق سے بے تعلقی نے ہماری تنقید کے بڑے حصّے کو محض خیال آرائی بنا کر رکھ دیا ہے۔

گلزارِ نسیم ابھی چھپی نہیں، جیسے ہی چھپ کر آئی، آپ کے پاس پہنچے گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
شاہ جہاں پور
۱۴ر اگست ۱۹۹۶ء[۳۳]

مکرمِ بندہ! آداب

میں ۲۰ دن کے بعد پرسوں آیا تو آپ کا بھیجا ہوا تحفہ ملا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ آپ کے یہاں مطالعے کی جو وسعت اور جزئیات کو بہ حسن و خوبی مرتب کرنے کی جو بے مثال صلاحیت ہے، یہ مقالہ اُس کی بہت اچھی ترجمانی کرتا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ نظر کی گہرائی بھی ہر جگہ تہ نشین ہے۔ یہ میری بے لاگ رائے ہے کہ اِس موضوع پر اِس قدر

جامعیت کے ساتھ شاید ہی کوئی دوسرا اہلِ قلم لکھ سکتا۔ حکیم صاحب نے آپ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا اور بالکل صحیح طور پر کیا۔ زیرِ بحث شخصیت پر گفتگو کرنے کے لیے اور باتوں کے علاوہ، جس ہمدردانہ اندازِ نظر کی ضرورت ہوتی ہے، آپ نے اُس کا بھی حق ادا کردیا ہے۔ کسی دوسرے سے یہ کام بھی اس قدر خوبی کے ساتھ نہیں ہو پاتا، ہاں ایک دو جگہ نظر رکتی ہے، مگر یہ تو ہر کتاب کے ساتھ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ البتہ قاضی صاحب کے لیے ایک جگہ ''شرافت'' کا جو لفظ قلم سے نکل گیا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ شرافت کا متقابل رذالت ہے؛ اگر یہ کہا جائے کہ یہ شرافت کے خلاف ہے تو مطلب یہی ہوگا کہ یہ رذالت کے مطابق ہے۔ چوں کہ آپ بزرگوں اور بڑوں کے لیے اندازِ بیان میں احتیاط کے قائل ہیں، اِس لیے اِس طرح اشارہ کیا گیا۔

ہاں کاپیوں کی تصحیح میں متعلقین نے نہایت درجہ بے پروائی سے کام لیا ہے؛ ایسی اچھی تحریر میں جیسی اور جس قدر اغلاطِ کتابت ہیں، اُن کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ کتابت کی غلطیوں سے شاید ہی کوئی تحریر محفوظ رہی ہو (اور رہ سکے) مگر غلطی اگر بالتکرار ہو، تو پھر اُسے غلطی ماننا مشکل ہوتا ہے، وہ بے پروائی کے ذیل میں آتی ہے۔ میں صرف دو ایسی غلطیوں کی نشان دہی کروں گا۔ ''عروضی دعویٰ'' (ص۳۲) یہ اِس صفحے پر دو جگہ ہے۔ کاتب صاحب نے ''عروضی دعوی'' کی یہ شکل بنائی اور مصحح کی نظر نے اپنا کام نہیں کیا۔ اِس سے بڑھ کر یہ غلطی ہے کہ ص۳۶ پر ''گوپاموی'' کو کاتب نے ''گوپامئوی'' بنادیا ہے۔ یہ اِسی صفحے پر تین جگہ ہے اور یہ نہایت نامعقول غلطی ہے۔ ایسی غلطیاں بہت پریشان کن ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں کاپیاں کس نے پڑھیں۔ اچھی تحریروں میں ایسی بُری اغلاطِ کتابت کی زیادتی بہت گراں گزرتی ہے۔

اِس عمدہ تحفے کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک ہی دن میں پوری کتاب پڑھ لی، اِس سے اِس تحریر کی دل چسپی کا بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

میں نے اب مثنوی سحرالبیان کی تدوین کا کام شروع کردیا ہے۔ آج کل اُس کے مختلف ضروری نسخوں کی فراہمی میں لگا ہوا ہوں۔ مثنویاتِ شوق کتابت کے آخری مراحل میں ہے، غالباً اِس سال کے آخر تک چھپ سکے گی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ حسبِ معمول علمی کاموں میں مصروف ہوں گے۔ اب ایسی ''وفاداری بہ شرطِ استواری'' کم یاب ہے اور کچھ دنوں میں نایاب ہونے والی ہے۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۱۶ر ستمبر ۱۹۹۷ء

مکرّمی! آداب

۱۳ر ستمبر کو دو ماہ کے بعد بمبئی سے یہاں آیا تو آپ کے دو کرم نامے ملے۔ اِس التفات کے لیے شکر گزار ہوں۔

میری طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے، مگر علاج جاری رہے گا۔ دسمبر میں پھر بمبئی اِسی سلسلے میں جانا ہوگا۔ مضمون میں نے بمبئی میں پڑھ لیا تھا، رضا صاحب نے رسالہ بھیج دیا تھا۔ اِس کے لیے ممنون ہوں۔ بعدِ قطع و برید سہی، مضمون تو چھپ گیا، یہی کیا کم ہے۔ مجھے اِس کی توقع تھی نہیں اُن لوگوں سے۔ اب آپ کے مجموعۂ مضامین کا انتظار کروں گا۔ تب تک آپ کی وہ کتاب بھی آجائے گی جو کراچی میں چھپ رہی تھی اردو کی ادبی تاریخوں پر۔

رضا صاحب نے ایک دن فون پر کہا کہ آپ مستقلاً امریکہ جا رہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ میرے لیے تو یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔ اِس سے ضرور مطلع کیجیے۔

قاضی صاحب پر کتاب ضرور لکھیے۔ وہ عہد ساز اور راویت ساز تھے اور پوری ایک نسل کی ذہنی تربیت اُن کی تحریروں نے کی ہے۔ اِس باب میں اُن کا کوئی مقابل نہیں۔ شیرانی صاحب کے سوا باقی سب کا قد اُن سے دبتا ہوا ہے، کہیں کم، کہیں زیادہ اور بہت زیادہ۔ نیا دور میں ''تدوین کے پچاس سال'' کے عنوان سے جو مضمون میرا ہے، اُس میں میں نے قاضی صاحب کا بھی ذکر کیا ہے اور مناسب تفصیل کے ساتھ۔ کیا آپ کی نظر سے وہ گزرا؟

سحر البیان کا کام اب شروع کروں گا۔ اب تک دس قدیم خطی نسخوں کے عکس جمع کر سکا ہوں۔ آپ سے ایک درخواست ہے۔ مشفق خواجہ نے دو نسخوں کے عکس بھیجے تھے، نہیں، تین نسخوں کے۔ دو مزید عکس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر آپ وہ عکس اُن سے لے سکیں تو خوب ہو۔ میں اُن کو خط بھی لکھ رہا ہوں۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ صحت مند ہوں گے اور اپنے کاموں میں مصروف۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۲۶؍نومبر ۱۹۹۷ء

مکرمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۲۰؍نومبر مل گیا، شکریہ۔ میرے پاس جو نسخہ ہے، اُس میں کوئی ضمیمہ شامل نہیں۔ جو اور نسخے میں نے دیکھے ہیں، اُن کا احوال بھی یہی ہے۔ ہوا یہ ہوگا کہ لوگوں کے اعتراض کرنے یا کہنے سننے پر کوئی ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہوگا اُن جلدوں میں جو بچی ہوں گی۔ بے دلی سے جو کام کیا جاتا ہے، وہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ بھلا تحقیق کا ذکر کیوں کرتے۔ آپ نے لکھا ہے کہ نقاد پر آپ نے انھیں توجہ دلائی تھی۔ یہی ہوتا ہے ایسے معاملات میں۔ اب اس کی شکایت بے کار ہے۔ اُن کے اضافے سے میری قدر و قیمت میں کچھ اضافہ نہیں ہوا اور شامل نہ کرنے سے کچھ کمی نہیں ہوئی تھی۔ یہ چیزیں اضافی ہوتی ہیں۔

آپ سے ملاقات ہوئی مگر بہت ناتمام سی، جی چاہتا تھا کہ کئی گھنٹے بیٹھوں، مگر واپسی کی فکر نے اِس کا موقع نہیں دیا۔ مجھے آپ کے چلے جانے کا بہت دُکھ ہوگا اور رہے گا۔ اب آپ جیسا کام کرنے والا کون آئے گا۔ میرے لیے یہ ایک سانحہ ہوگا۔

آپ کی صحت و سلامتی کا ہمیشہ متمنی رہوں گا۔ آپ وہاں سے ایک خط ضرور لکھیے گا، تاکہ آپ کا مستقل پتا مجھے مل سکے۔ یہ ضروری ہے۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۱۱؍اپریل ۱۹۹۸ء

مکرمی! آداب

مکتوب مرقومہ ۳؍اپریل موصول ہوا۔ یادآوری کے لیے ممنون ہوں اور شکرگزار۔ اُس حادثے کا مجھے علم حنیف نقوی صاحب کے خط سے ہو چکا تھا۔ پھر وہ ۲۸؍مارچ کو غریب خانے پر تشریف لائے اور زبانی تفصیل بیان کی۔ سخت افسوس ہوا اس پورے حادثے کی تفصیل سن کر۔ آپ

پر جو گزری ہوگی اور جس قدر پریشانی ہوئی ہوگی، اُس کا اندازہ کر سکتا ہوں۔

آپ بہ عافیت ہیں اور مطمئن، اِس سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔ رہی اجنبیت، سو وہ بھی کچھ دنوں میں کم ہو جائے گی، شاید ختم تو نہیں ہو پائے گی۔ جب آپ کی کتابیں پہنچ جائیں گی، تب مصروفیت کا سروساماں بھی فراہم ہو جائے گا اور یہ احساس اور کم ہو جائے گا۔

میں ویسے ٹھیک ہوں، بس یہ ہے کہ وقفوں کے بعد کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے؛ مگر نہ مایوس ہوں نہ پریشاں خاطر۔ کام حسبِ معمول ہو رہا ہے۔ سحر البیان کے دو ہزار شعر حواشی کے لحاظ سے مکمل ہو چکے ہیں، بس دو سو اور باقی ہیں۔ اُس کے بعد اُس کے دوسرے متعلقات شروع ہوں گے۔ خیال یہ ہے کہ ابھی سال بھر اور لگے گا۔ خلیق انجم صاحب کا خط آیا تھا پرسوں، لکھا تھا کہ ۱۵ دن میں مثنویاتِ شوق چھپ کر آ جائے گی، میں نے ایک مہینا فرض کر لیا ہے۔ آپ کے پاس پہنچے گی اور ضرور پہنچے گی۔ وہ ذمّے داری میری ہے۔ آپ سے زیادہ اور کون اُس کو دیکھ کر خوش ہوگا اور پڑھ کر مطمئن۔ ایک صاحبِ نظر کی داد ہزاروں تحسینوں پر بھاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد میرا ارادہ عبدالواسع ہانسوی کے لغت غرائب اللغات کو مرتب کرنے کا ہے۔ اُس کے متعدد خطی نسخوں کے عکس اب سے پہلے ہی جمع کر لیے تھے۔ لاہور گیا تھا تو ذخیرۂ شیرانی کے نسخے کا عکس لیتا آیا تھا۔ اُس کے ساتھ زمانے نے اور خانِ آرزو نے اور پھر آخر میں سیّد عبداللہ نے بہت نا انصافی کی ہے۔ اردو جس علاقے میں پیدا ہوئی (بہ قولِ اربابِ لسانیات) اُس علاقے کے کسی شخص نے اُس زمانے میں اُس علاقے کے تلفظ، معنی اور صورت کی شکل بندی کی تو یہ تو اچھا کام کیا، بڑا کام کیا۔ آرزو نے زبانِ گوالیاری 'فصح الستہ' کے پھیر میں اور سیّد عبداللہ نے اِس علاقے کو نہ جاننے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اُسی پر گرہ لگائی۔ تو طرزِ مرصع کو اُس کے بعد دیکھوں گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کل کی خبر نہیں؛ مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہی بے خبری سارے کاموں کی بنیاد بنتی ہے۔ یہ نہ ہوتی اور علم ہوتا، تو شاید کوئی بھی کام نہ ہو پاتا۔ اور آخر کار تو ہر شخص یہی کہنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے کہ: جو رہی سو بے خبری رہی۔

آپ کا خط پا کر جس قدر مسرّت ہوئی، اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ آپ کی صحت و سلامتی کا متمنّی ہوں۔ بیگم صاحب کی خدمت میں آداب۔ توقع کرتا ہوں کہ یہاں کی طرح وہاں سے بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اور میں آپ کے مشوروں سے مستفید ہوتا رہوں گا۔ ہاں ایک چھوٹی سی بات؛ جو لکھنے کی تو نہ تھی، مگر یوں لکھتا ہوں کہ شاید آپ تک خبر دیر سے پہنچے۔ چوں کہ آپ کو اُس کی مسرّت شاید بہت زیادہ ہوگی، اکیڈمی نے مولانا آزاد ایوارڈ کے لیے میرے نام کا اعلان کیا ہے۔ یہ کوئی قابلِ

ذکر بات تو نہیں، بس لکھ دی۔ ہاں ایک لاکھ گیارہ ہزار روپے کی رقم ضرور میرے کئی کاموں کی تکمیل میں معاون ہوگی، یہی پہلو بس توجہ طلب ہے۔اس سے چھوٹی ایک بات: حسنِ اتفاق یہ کہ اُسی ہفتے میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے پرویز شاہدی ایوارڈ کی اطلاع وہاں سے آئی تھی۔ یہ اُن کا آل انڈیا ایوارڈ ہے۔ اب میں اِس پریشاں نگاری کو ختم کرتا ہوں۔توقع کرتا ہوں کہ آپ پوری طرح بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۲۸ر جولائی ۱۹۹۸ء [۳۵]

مکرّمی! آداب

آپ کا پچھلا خط ملا تھا جس میں آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ مثنویاتِ شوق پر تبصرہ لکھ کر کسی رسالے کو بھیجیں گے۔ میری درخواست یہ ہے کہ ازراہِ لطف اُس تحریر کی ایک نقل آپ مجھے بھی بھیج دیجیے، ممنون ہوں گا۔کل رام پور گیا تھا، رضا لائبریری کے دوسوسالہ جشن سے متعلق سمینار میں شرکت کے لیے۔ بہت سے لوگ آئے تھے۔ دنوں کے بعد متعدّد حضرات سے ملاقات کی صورت نکلی۔ میں نے تدوین کی روایت اور عرشی صاحب کے موضوع پر پرچہ پڑھا تھا۔ پرچہ وہیں جمع ہوگیا۔نقل اُس کی اب اُن کو لکھ کر منگاؤں گا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے، بتیسی بن چکی ہوگی، آپ کی کتابیں سب آپ کے پاس پہنچ چکی ہوں گی اور آپ حسبِ سابق مصروف ہوں گے۔

آپ کی اور متعلقین کی عافیت وصحت کا خواہاں

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۱۰ر نومبر ۱۹۹۸ء

مکرّمی! آداب

کل آپ کا خط ملا، شکر گزار ہوں۔ تبصرہ پڑھ لیا تھا۔ آپ نے تعریف کی ہے اور بہت۔ یار لوگوں کا آتش زیرِ پا ہونا یا بے مزہ ہونا قدرتی بات ہے۔ بہ ہر طور اِس تحسین کے لیے شکر گزار ہوں۔ ایسی باتوں سے ہمت بڑھتی ہے اور کام کرنے کا ذوق بالیدگی پاتا ہے۔ یہ کوشش ہوگی کہ آیندہ بھی اِس انداز اور معیار کو برقرار رکھوں۔

میں نے کوئی نیا مضمون نہیں لکھا تھا، مثنویاتِ شوق میں جو تمہیدی حصّہ ہے، وہی چھپا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ محمد شاہ رنگیلے کی خرابیوں کو بیان کیا جائے تو کوئی دلّی والا بُرا نہیں مانے گا۔ یہ نہیں سمجھے گا کہ دلّی والوں کو بُرا کہا گیا ہے۔ اِس کے برخلاف لکھنؤ کے حکم رانوں مثلاً نصیرالدین حیدر اور واجد علی شاہ کے متعلق کتنی ہی صحیح بات کہی جائے، سمجھا یہی جاتا ہے کہ لکھنؤ کی تہذیب پر اور اصلاً شیعہ طبقے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ تبرّا بھیجنے کی صدیوں پُرانی روایت ایسے مواقع پر نثری صورت میں رونما ہوتی ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ مسعود حسین رضوی مرحوم نے واجد علی شاہ پر جو کتاب لکھی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت مولانا واجد علی شاہ قدس اللہ سرہٗ کی سوانح لکھی گئی ہے۔ اِسی کی توقع دوسروں سے کی جاتی ہے۔ جب یہ توقع پوری نہیں ہوتی، تو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی گھٹیا باتیں قابلِ التفات نہیں ہوتیں۔

میرا اگلا کام کیا ہو، یہ بات واضح نہیں ہو سکی ہے۔ میں تو جعفر زٹلی کے کلام کو مرتب کرنا چاہتا تھا، مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ اُسے چھاپے گا کون۔ انجمن چھاپ نہیں سکتی، پھر کون چھاپے گا۔ اِس لیے اُس خیال کو چھوڑنا پڑے گا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کس متن کے مطلوبہ نسخے مل سکتے ہیں۔ شاید دو چار ماہ میں کوئی فیصلہ ہو سکے۔ سحر البیان کے مقدّمے کا ایک حصّہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔ .... مکمل کر رہا ہوں۔ دو ماہ میں غالباً مکمل ہو جائے گا۔ پھر غور کروں گا۔ لائبریریاں اب مخطوطات کے عکس دیتی نہیں، صاف طور پر انکار کر دیا جاتا ہے۔ پھر تدوین کا کام کیسے ہوگا، یہ سوچنا پڑے گا۔ ہاں، ڈاکٹر یونس اگاسکر کا جمبئی سے خط آیا تھا، وہ آپ کا تبصرہ کتاب نما والا ترسیل میں چھاپیں گے۔ انھوں نے گپتا رضا صاحب سے بھی غالباً کچھ لکھوایا ہے۔ میں نے چار سال پہلے آپ پر جو مضمون لکھا تھا، اُسے آج کل کو بھیجا تھا ۲۰ دن پہلے، آج کے دن تک وہاں سے نہ خط آیا اور نہ مضمون کی رسید۔ خوب لوگ ہیں۔ دو چار دن مزید انتظار کر کے خط لکھوں گا۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۵۰)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۲۲؍جون ۱۹۹۹ء

مکرّمی! آداب

پچھلے مہینے میں بمبئی میں تھا، وہاں رضا صاحب نے بتایا کہ جولائی یا اگست میں آپ ہندوستان تشریف لائیں گے، اِس اطلاع سے بہت مسرت ہوئی۔ خاص کر یوں کہ میری نئی کتاب تدوین، تحقیق، روایت چھپ کر آگئی ہے۔ میں بھیجنا چاہتا تھا؛ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ آپ یہیں تشریف لارہے ہیں، تب یہ خیال کیا یہاں خود پیش کروں گا۔ ازراہِ لطف اپنے پروگرام سے مطلع فرمایئے۔ میں ٹھیک ہوں اور سحرالبیان کی تصحیح بنانے میں مشغول ہوں۔ اِس کے بعد دیوانِ جعفر زٹلی مرتب کرنے کا ارادہ ہے۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے مع بیگم صاحبہ۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۲۸؍ستمبر ۱۹۹۹ء[۳۶]

مکرّمی! آداب

خط ملا تھا۔ ارادہ تھا اتوار کے دن ۱۷؍اکتوبر کو لکھنؤ آنے کا۔ حنیف نقوی سے فون پر بات بھی کرلی تھی۔ اب جو آپ کا خط ملا، جس میں آپ نے ازراہِ لطفِ خاص مجھے اِس کی اجازت دی ہے کہ میں ۱۲؍اکتوبر کو سیالدہ اکسپریس کے آنے کے وقت شاہ جہان پور کے اسٹیشن پر آپ سے مل سکتا ہوں، تو اب کاہلی نے اس پر آمادہ کرلیا کہ ۱۲؍اکتوبر کو یہیں اسٹیشن پر آپ سے نیاز حاصل کرلوں۔ ملاقات اصل چیز ہے، وہ دو منٹ کی ہو یا دو گھنٹے کی۔ لکھنؤ آتا، تب بھی گھنٹا دو گھنٹے سے زیادہ نہ بیٹھ پاتا۔ کچھ کمزوری ارادے میں یوں بھی آئی کہ ۱۸؍کو دسہرا ہے، آج کل جو حالات ہیں، اُن میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کب کیا ہوگا اس لیے آپ اب مجھے اس کی اجازت دیجیے کہ میں ۱۲؍اکتوبر کو یہیں اسٹیشن پر آپ سے مل لوں۔ یہ بہت ناتمام ملاقات ہوگی، مگر نہ ہونے سے بہرحال

بہتر ہے۔ ٹرینوں کا احوال کچھ اچھا نہیں، خدا کرے اب آپ مزید پریشان نہ ہوں۔ بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۵۲)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہاں پور

۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۹ء

مکرّمی! آداب

ابھی آپ کا خط ملا۔ جی ہاں میں ساڑھے نو بجے رات تک اسٹیشن پر رہا، گاڑی لیٹ تھی۔ پھر میں نے لکھنؤ فون کیا، گھنٹی بجتی رہی، کسی نے اٹھایا ہی نہیں؛ یہ ٹونک ہاؤس کی بات ہے۔ پھر میں نے اندرا نگر فون کیا، اُن سے رابطہ قائم ہوگیا، انھوں نے بیگم صاحب کا احوال بتایا اور یہ بھی کہا کہ اِس وقت وہ مظفر نگر میں ہیں۔ اب آپ کے خط سے تفصیل معلوم ہوئی۔ اتفاقات اِنھی کا نام ہے۔ توقّع کرتا ہوں کہ بیگم صاحب جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔ مزید توقّع کرتا ہوں کہ یہ خط بھی آپ کو بروقت مل جائے گا۔

آپ سے ملاقات نہ ہو پانے کا بہت قلق ہے۔ خیر، یہ بھی سہی، اتفاقات ہیں زمانے کے۔

سحرالبیان کی کتابت مکمّل ہوگئی، تصحیح بھی بن گئی، اب چار چھے مہینے میں چھپ بھی جائے گی۔ میں نے ایک گستاخی کی ہے، خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم!! اس کتاب کو آپ کی نذر کیا ہے آپ کی اجازت کے بغیر؛ اگرچہ کتاب اِس قابل نہیں، خیر، کتاب کم درجہ ہے تو ہو، انتساب کے پیچھے جو جذبہ ہے، وہ کم عیار نہیں، اِسی بنا پر توقّع ہے کہ کتاب کے بجائے جذبۂ انتساب پر نظر رہے گی۔

تدوین تحقیق روایت پر اگر آپ تبصرہ لکھیں تو اُسے شاہد علی خاں کو بھیج دیجیے گا اور اگر ممکن ہو تو اُس کی ایک کاپی مجھے بھی، کراچی کے کسی رسالے کو چلا جائے گا اور جلد تر چھپ جائے گا۔ ہاں، میں نے ایک نیا کام شروع کیا تھا، شاید مہینا بھر میں مکمّل ہو جائے گا۔ مرزا غالبؔ کی جس قدر خطّی تحریروں کے عکس دستیاب ہیں، اُن کی بنیاد پر ایک مفصّل اور توضیحی گوشوارہ بنایا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے قلم سے کس لفظ کو کس طرح یا کس کس طرح لکھا ہے۔ اِس کے بعد مصطلحاتِ ٹھگی اور دیوانِ جعفر زٹلی کو مرتّب کرنا ہے، دونوں کے خطّی نسخوں کے عکس جمع کر رہا ہوں۔

رموزِ غالب کی بشارت ملی، چشم براہ رہوں گا۔ ترسیل بمبئی کا شمارہ ملا آپ کو، اُس میں آپ کا بھی ایک مضمون ہے۔ میرا فون نمبر 27804 ہے اور شاہ جہان پور کا کوڈ نمبر شاید 05842 ہے۔ آپ نے اِس خط میں مظفر نگر کا فون نمبر نہیں لکھا، ورنہ فون پر آپ سے باتیں ہوتیں، آواز تو سن ہی لیتا۔ مشفق خواجہ نے اطلاع دی ہے کہ مثنویاتِ شوق وہاں انجمن نے چھاپی ہے؛ ابھی میرے پاس نہیں آئی۔ اگر آپ اپنا پروگرام اگلے خط میں لکھ سکیں تو خوب ہو، شاید ملاقات کی کوئی صورت نکل آئے، بیگم صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

شاہ جہان پور

۴/اپریل ۲۰۰۰ء

مکرمی! آداب

میں حیدرآباد اور ممبئی گیا ہوا تھا، مہینا بھر کے بعد اب واپسی ہو پائی ہے۔ یہاں آپ کا ۲۲/فروری کا خط محفوظ تھا۔ یادآوری کے لیے شکر گزار ہوں۔

تبصرہ دیکھا، اِس کی اطلاع حیدرآباد میں مل گئی تھی، رسالہ ممبئی میں یہ ملا، ممنون ہوں۔ دوسری قسط دیکھیے کب آتی ہے۔ ابھی تو تازہ شمارہ یہاں میرے پاس آیا نہیں۔

ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ کالرا صاحب مرحوم سے میں نے وہ نہیں کہا تھا، جو انھوں نے آپ سے کہا۔ یا تو یادداشت نے اُن کا ساتھ نہیں دیا، یا پھر میں صحیح طور پر وضاحت نہیں کرسکا۔ آج کل میں آپ سے متعلق میری جو تحریر اپریل ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی تھی، میں اُس کی چند سطریں نقل کرتا ہوں، تاکہ ریکارڈ درست ہوجائے: ”اب سے چند سال پہلے اُن کی جو کتاب تحقیق کا فن کے نام سے آئی ہے؛ جی تو میرا یہ چاہتا تھا کہ اِس صحیفۂ یادگار کے لیے اُس پر مفصل مضمون لکھوں؛ لیکن ڈاکٹر عابد پیشاوری نے اُس کتاب پر مفصل مضمون لکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ مجھے اطمینان ہوگیا کہ وہ مجھ سے بہتر اِس کام کو انجام دیں گے۔ اِس کتاب کا میں نے خاص کر یوں نام لیا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے، جس میں بہت سے توجہ طلب اور بحث طلب مسائل زیرِ تحریر آئے ہیں“۔

سحرالبیان مکمل ہوچکی تھی، ہنوز رکھی ہوئی ہے۔ پبلشر کا کہنا ہے کہ تین ماہ بعد چھپے گی۔

بندگی بے چارگی۔ جی چاہتا تھا کہ یہ کتاب جلد چھپ جاتی اور آپ کے پاس پہنچ جاتی۔ املاے غالب کی کتابت تو مکمل ہو گئی ہے، مگر اُس کی تصحیح دو بار کر چکا ہوں اور تیسری بار پھر تصحیح کرنا ہے۔ مشینی کاتب صاحب نے وہی انداز اپنایا تھا جو آپ کی ان دونوں کتابوں کی کتابت میں کاتب صاحب نے اپنایا تھا۔ پریشان ہو گیا تصحیح کرتے کرتے۔ مگر میں نے کہہ دیا ہے کہ جب تک میں ہاں نہ کہوں، کتاب نہ چھپے۔ دیکھیے یہ ہاں کب منہ سے نکلتی ہے۔ ابھی تو غلطیوں کی تصحیح بنا رہا ہوں۔ غیر تربیت یافتہ کمپوزیٹر ہیں، انھیں کچھ معلوم نہیں۔ یہ تو کاتبوں سے بھی بدتر ہیں۔ قاضی صاحب والی کتاب میں واقعتاً غلطی ہائے کتابت نہیں ہیں، مگر اُن کے لیے آپ ذمّے دار نہیں۔ پبلشر کی ذمّے داری تھی کہ وہ تصحیح کراتا۔ اُس نے محض تجارتی غرض کو ملحوظ رکھا، اِس میں آپ کا ذرا بھی قصور نہیں۔ آیندہ اگر آپ کوئی کتاب چھپوائیں تو ناشر سے کہیے کہ کاپایاں تصحیح کے لیے میرے پاس بھیجے، میں تصحیح بناؤں گا۔

ٹھگوں کی زبان والا کام ہو رہا ہے۔ سب ضروری کتابیں اب جا کر مل پائی ہیں۔ اس کی تکمیل میں شاید سال ڈیڑھ سال لگے گا۔ اس کے بعد جعفر زٹلی کا دیوان مرتب کرنا ہے۔ حیدر آباد کے ادارۂ ادبیاتِ اردو میں اس کا قدیم ترین مخطوطہ ملا (اب تک کی معلومات کے مطابق) ۱۱۷۵ھ کا۔ اُس کے عکس کا انتظام کیا ہے، خیال تو یہی ہے کہ مل جائے گا۔ برلن کے ذخیرۂ اشپرنگر میں اس کا عمدہ نسخہ ہے، اُس کا عکس ایک کرم فرما کی عنایت سے مل گیا اور یہ بڑا کام ہوا۔ انڈیا آفس لندن اور رضا لائبریری کے نسخوں کے عکس بھی آگئے ہیں۔

آپ[۳۸] کا مفصّل خط پا کر مجھے بہت مسرّت ہوئی۔ خدا (اگر وہ ہے) آپ کو خوش رکھے۔ آپ کی قدردانی سے بہت حوصلہ ملتا ہے اور کام کرنے کا ولولہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین

۱۶۷-باڑوزئی دوم،

شاہ جہان پور (یوپی)

پن: ۲۴۲۰۰۱[۳۹]

محبّ مکرم!

۲۶/جولائی کا خط ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ کی صحت کی طرف سے بہت تشویش ہے۔ اب

تک تو ہرنیا کا آپریشن ہو چکا ہوگا اور آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں گے اور صحت مند۔

صحت میری بھی بہتر نہیں۔ اب پہلے کی طرح کام نہیں ہو پاتا۔ اُتار کا زمانہ ہے۔ دسمبر میں زندگی کے ۷۵ سال پورے ہو جائیں گے، یہ کچھ ایسی زیادہ عمر تو نہیں کہ کام نہ ہو سکے، بس مختلف امراض نے اپنے اثرات کچھ زیادہ نمایاں کرنا شروع کر دیے ہیں۔ بہ ہر طور، کچھ تو کرنا ہی ہے۔

ٹھگوں کے لُغت والا کام تقریباً مکمل ہو گیا۔ مہینا دو مہینے کی بات اور ہے، صرف مقدّمہ لکھنا ہے۔ جعفر زٹلی کے کلّیات کا کام ہو رہا ہے تھوڑا تھوڑا۔ بڑا جان لیوا کام ہے۔ متن کی تصحیح بہت مشکل ہے، نقل در نقل نے بے شمار جملوں اور مصرعوں کو مسخ کر دیا ہے۔ سال دو سال میں یہ بھی نپٹ جائے گا۔ اُس کے بعد عبدالواسع ہانسوی کے لُغت غرائب اللغات کا کام کرنا ہے اور اُس کے بعد آگے آیت، بس ختم؛ اگر اُس وقت تک میں خود ختم نہ ہو گیا، جو کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔

میرے گھٹنے میں اِس قدر زیادہ تکلیف ہے کہ چلا نہیں جاتا۔ گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں۔ نوطرزِ مرصّع اور باقی کاموں کو میں نے گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا دیا ہے۔ اب دوسروں کی باری ہے۔ ثاقب قزلباش کا شعر یاد آ گیا:

دعائیں دیں مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے مرے ہمراہ منزل سے

(اُستاد نے فارسی سے بات اُڑائی ہے مگر کچھ سلیقے کے ساتھ اور اِسی نے جواز فراہم کر دیا ہے: خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت ــــ منّتے بر قدمِ راہ روان است مرا۔ مگر فارسی کا شعر بلند تر ہے)

اب ایک اور بات: آپ نے لکھا ہے: میں فی الحال اس پر تبصرہ نہیں لکھوں گا...... دوسروں کو بھی موقع دوں۔ کن دوسروں کو؟ ہے ایسا کوئی دوسرا؟ اب گنتی کے افراد کو چھوڑ کر پوری کتاب کوئی پڑھتا ہی نہیں۔ اور پھر دردِ سر یہ ہے کہ جو پڑھتے ہیں وہ تحقیق کے معاملات سے ناآشنا ہوتے ہیں اور اپنے ناآشنا ہونے سے بے خبر بھی ہوتے ہیں۔

آپ انتساب والے صفحے کو بھول جائیے، یہ فرض کر لیجیے کہ آپ کے نسخے میں وہ ورق تھا ہی نہیں۔ اُس کا اشارتاً بھی ذکر نہ کیجیے، نہ کسی اور بات کا۔ اُسی طرح تبصرہ کیجیے جیسے آپ نے اِس سلسلے کی دوسری کتابوں پر تبصرہ کیا ہے۔ میں کسی وقت ان سب تبصروں کو یک جائی طور پر چھپوانا چاہوں گا۔ تو صاحبِ من، مصروفیت اپنی جگہ وہ تو رہے گی آخر تک، جس طرح دنیا کے اور کام ہوتے رہیں گے اُسی طرح یہ کام بھی ہو جائے۔ میرے لیے یہ بہت مسرّت بخش ہوگا اور یہ سلسلہ ناقص نہیں رہے گا کہ سب کتابوں پر تبصرے ہوں اور یک جا ہوں۔ از راہِ لطف اِس طرف توجہ

فرمایئے، ممنون ہوں گا۔ میں اور کس سے کہنے جاؤں گا۔ اپنی صحت کے احوال سے مطلع فرمایئے۔

املائے غالب ابھی تک نہیں چھپی، نہ دہلی میں نہ کراچی میں۔ ہاں وہ آپ کی کتاب اردو کی ادبی تاریخیں چھپ گئی؟ اِس سے ضرور مطلع فرمایئے۔

رشید حسن خاں

(۵۵)

بنام ڈاکٹر گیان چند جین
شاہ جہان پور
۱۶؍اکتوبر ۲۰۰۰ء

مکرّمی! آداب

میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا، اِسے کئی ہفتے ہونے کو آئے۔ یہ پوچھا تھا کہ آپریشن ہوا یا نہیں، اور ہوا تو اب آپ کیسے ہیں، آپ کی صحت کیسی ہے۔ از راہِ لطف صورتِ حال سے مطلع فرمایئے۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: ڈاکٹر گیان چند جین
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
مئی ۱۹۸۵ء

مکرّمی! آداب

آپ کا خط ملا تھا، میں فوراً جواب لکھنا چاہتا تھا، مگر بعض ناگزیر مجبوریوں کی بنا پر ایسا نہیں ہو سکا۔ آپ نے لکھا ہے: ''......'کے ڈنڈے نے' کا فقرہ حشو ہے'' ہے۔ میں عرض کروں کہ سارا مسئلہ ''نے'' کا ہے اِس جملے میں۔ ''ڈنڈے'' بامعنی ہے۔ مطلب ہے کہ دونوں بھائیوں اور کوتوال کے بھیجے ہوئے سپاہیوں نے زندانِ سلیمان میں لے جا کر ڈال دیا۔ ''ڈنڈا'' سپاہی کے معنی میں آیا ہے اور اِس معنی میں یہ لفظ پلیٹس کے لغت میں موجود ہے۔ ''کوتوال کے ڈنڈے'' یعنی کوتوال کے مقرر کیے ہوئے یا بھیجے ہوئے سپاہی۔ میں نے فقرے کو علیٰ حالہٖ رکھا ہے، اِس پر ضروری حاشیہ لکھ دیا ہے۔

اب مزید زحمت دے رہا ہوں دو اور فقروں کے سلسلے میں (۱) ''جس ملک میں پہنچے، وہاں کے آدمیوں کے ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا''۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں '' کی ساتھ سنگت'' ہے اور باقی نسخوں میں بہ شمولِ ہندی مینول ''کے ساتھ سنگت'' ہے۔ ایسے مرکب ٹکڑے جن کا ایک جز مذکر ہو اور دوسرا مونث، اُن کی تذکیر و تانیث محض سماعی ہے، کوئی اصول و قاعدہ نہیں۔ (جلالؔ نے مفید الشعرا میں اِس پر گفتگو کی ہے)۔ یہاں آپ کی رائے میں مرجّح صورت کیا ہوگی؟ میری یادداشت میں ''ساتھ سنگت'' کی تذکیر یا تانیث سے متعلق کوئی بات یا مثال محفوظ نہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ''کے'' مرجّح معلوم ہوتا ہے، مگر اس صورت میں یہ احتمال نمایاں ہوسکتا ہے کہ گویا ''ساتھ'' اور ''سنگت'' کو الگ الگ لفظ مانا گیا ہے اور اس صورت میں یوں لکھنا ہوگا: ''وہاں کے آدمیوں کے ساتھ، سنگت سے......''۔ ''کی'' کو اگر رکھا جائے تو اس صورت میں ''ساتھ سنگت'' کا ایک ٹکڑا ہونا نمایاں رہے گا اور اِس لحاظ سے یہ مرجّح صورت معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

(۲) ''بارے خردمند وزیر کی ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی''۔ یہاں نسخۂ فورٹ ولیم میں ''خردمند وزیر کے'' ہے اور نسخۂ مولوی عبدالحق میں ''کی'' ہے۔ ہندی مینول میں سے یہ عبارت یوں ہے: ''بارے ایسی ایسی عرض معروض کرنے سے خردمند وزیر کی آزاد بخت کے دل کو ڈھارس بندھی''۔ اِس سے ''کی'' کی ترجیح ظاہر ہے۔ اگر صرف ''عرض معروض'' کا ٹکڑا ہوتا، تب تو کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ ''عرض معروض کرنا'' کی صورت میں اب ''کے'' لکھتے ہیں۔ میں نے ہندی مینول پر نظر رکھتے ہوئے ''خردمند وزیر کی'' کو برقرار رکھا ہے۔ اِس سلسلے میں بھی آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اِس زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں، لیکن اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ یہاں میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس سے زبان و متعلقاتِ زبان سے متعلق ایسے مشورے کیے جاسکیں، ہاں پڑھے لکھے لوگ بہت ہیں۔ پُرانے لوگ اللہ کو پیارے ہوگئے یا پاکستان چلے گئے اور نئے لوگ بہت کچھ جانتے ہیں، مگر زبان کے مباحث سے کم اور بہت کم تعلقِ خاطر رکھتے ہیں۔ اِس کا واضح طور پر مظاہرہ ہوتا ہے ان حضرات کے مرتّب کیے ہوئے متنوں کو دیکھ کر۔ مقدّمے کے تنقیدی مباحث خوب بلکہ خوب تر۔ تحقیق بھی کچھ ایسی بُری نہیں، مگر اصل متن معیار سے فروتر۔ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مقدّمے میں تنقیدی بحث کچھ ضروری نہیں۔ اصل چیز ہے بالکل صحیح متن، جس کا ہر لفظ اور ہر جملہ اپنی جگہ درست ہو۔ اضافت کے زیر لازماً ہوں اور اس صورت میں بہت سے جملوں

پر حواشی لکھنا ہوں گے۔ توقیف نگاری ہو مکمل طور پر اور اعراب بھی لگائے جائیں خاص خاص لفظوں پر اور یہ بتایا جائے کہ لفظ پر جو اعراب لگائے گئے ہیں اُس کی وجہ کیا ہے۔ مثلاً باغ و بہار کے اِس متن میں "زُبان" اور "چھپنا" اور "مِٹّی" اور "مُحلّہ" اور "بَرَکت" اور "بہشت" اور "مانند" جیسے لفظوں پر مفصّل نوٹ لکھے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ مثلاً "چھپنا" کیوں نہیں لکھا گیا، جب کہ دلّی والے اب "چُھپنا" کہتے ہیں۔ (میر امّن نے اپنے قلم سے کم و بیش پچاس مقامات پر، چھ کے نیچے زیر لگایا ہے۔ اور انشا کے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "چھپنا" مغل پورے والے کہتے ہیں۔ ہاں غالب نے "چُھپنا" لکھا ہے۔ اِس نوٹ میں یہ ساری بحث یک جا کردی گئی ہے۔) نسخۂ فورٹ ولیم کالج اور ہندی مینول میں بھی التزام کے ساتھ ہر جگہ "چھپنا" ملتا ہے۔ عہدِ میر امّن میں دہلی کے فصحا بہ قولِ انشا "چھِپنا" کہتے تھے۔ بعد کو "چھپنا" کہنے لگے اور عہدِ غالب میں تو "چھپنا" ہی کہتے تھے۔

ایک مضمون میں آپ نے فسانۂ عجائب کے دو جدید مرتبہ نسخوں کی تعریف کی ہے۔ یہ درست ہے کہ مقدّمے ان میں مفصّل ہیں، مگر صحتِ متن کے لحاظ سے دونوں نسخے غیر معیاری ہیں۔ آج کا طالبِ علم اور آج کا نیا اُستاد، ان کے جو مسائل ہیں، ان کے لحاظ سے بھی اب بعض مزید التزامات ضروری ہیں، خاص کر اعراب و علامات۔

میں نے جو یہ سلسلہ شروع کیا ہے اِس کا مقصد یہ ہے کہ جن متون کے ضروری نسخے میں خود جمع کر سکتا ہوں، اُن سے کام کا آغاز کیا جائے اور سارا زور صحتِ متن پر صرف کیا جائے اور اس سلسلے میں کسی طرح کی سہل نگاری سے کام نہ لیا جائے۔ چاہتا یہ ہوں کہ جو نصابی متن ہیں، اُن میں سے بعض اہم متن ایک بار اِس طرح مرتّب ہو کر سامنے آجائیں کہ مثال و معیار کی صورت پیدا ہوسکے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بیش تر حضرات توقیف نگاری، علامات اور اضافت کے تعین کے اہتمام کو ضروری نہیں سمجھتے۔ یہ صحیح ہے کہ اِس طرح جھگڑوں میں پڑنے سے آدمی محفوظ رہتا ہے، مگر متن کی تصحیح کماحقہٗ نہیں ہو پاتی۔ کلّیاتِ میر و سودا جیسے متن تدوین کی راہ دیکھ رہے ہیں، مگر یہ کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں کہ ان کے سارے ضروری نسخے جمع کر سکے یا عکس فراہم کر سکے۔ ادارہ اس کام کو کر سکتا ہے، مثلاً ترقّی اردو بورڈ، اُس کا احوال یہ ہے کہ مجھ سے ایک بار فرمائش کی گئی ہے کلّیاتِ سودا کے متن کو مرتّب کرنے کی، میں تیار ہوگیا بہ خوشی، جب یہ کہا گیا کہ فلاں فلاں نسخوں کے عکس منگوا دیے جائیں، تب کہا گیا کہ بورڈ کے نظام میں اِس کی گنجایش نہیں۔ تو آپ ہی بتایئے کہ ایسے کام کیسے ہوں! جن کتابوں کے نسخوں کو میں کسی طرح جمع کر سکتا ہوں، اُن کو میں نے منتخب

کرلیا۔ ہاں نوطرزِ مرصع میری فہرست میں شامل ہے اور باغ و بہار کے بعد میں اُسی کو شروع کروں گا۔ جموں والا نسخہ میں نے دیکھا ہے۔ اگر کوئی اور اہم نسخہ اس کا آپ کی نظر میں ہو تو مطلع کیجیے۔ میں اِس کام کو اگلے سال شروع کرسکوں گا۔ یہ میرا قطعی ارادہ ہے۔ اگر آپ اس کے اہم نسخوں کی ایک فہرست بنادیں تو خاص کر ممنون ہوں گا۔ اِس متن کو ضرور مرتب کرنا ہے مجھے، خاص کریوں کہ اس کے پرانے پن کے سبب سے اُس کے طویل جملوں کے اجزا کو الگ الگ کرنا دل چسپ ثابت ہوگا اور مشکل بھی، اِسی لیے مجھے اِس متن سے دل چسپی بھی زیادہ ہے۔ باغ و بہار کے نسخے حسنِ اتفاق سے سب مل گئے، اِس لیے پہلے اسی کو شروع کردیا گیا۔ سحرالبیان کو جو صاحب مرتب کررہے ہیں، اُن کو کرنے دیجیے، میرا کام بہ دستور محفوظ رہے گا۔ تدوین اور تحقیق میں جو فرق ہے، وہ اپنا کرشمہ دکھائے گا۔ اُن کی تحقیق سے میں ضرور فائدہ اٹھاؤں گا، لیکن تدوین دوسری دنیا کی چیز ہے۔ اور یہ اُن کا کمزور پہلو ہے اور اس سے میں بہ خوبی واقف ہوں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حاشیہ:

۱۔ خط کے عکس پر مکتوب الیہ کا پتا نہیں ہے۔ عکس یک طرفہ ہے، اِس سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خط کس پتے پر روانہ کیا گیا۔

۲۔ مکتوب نگار کا مکمل پتا خط کے اوپر انگریزی میں درج ہے مع تاریخ۔

۳۔ مکتوب نگار کا مکمل پتا اور تاریخ اوپر انگریزی میں درج ہے۔ آخر میں تاریخ اردو میں درج ہے۔

۴۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مگر تاریخ نیچے انگریزی میں بھی درج ہے۔

۷۔ خاں صاحب نے ''لسانی جائزے'' لکھا ہے۔ اصل کتاب کا نام ''لسانی مطالعے'' ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۸۔ ''آجکل'' کو یہاں خاں صاحب نے ملا کر لکھا ہے جب کہ عموماً اِسے ''آج کل'' یعنی الگ صورت میں لکھتے ہیں۔

۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں، پشت پر دونوں پتے درج ہیں۔

۱۰۔ ڈاکٹر گیان چند جین ڈیپارٹمنٹ آف اردو، سنٹرل یونی ورسٹی حیدرآباد

Dr. G.C. Jain, Department of Urdu, Central Univresity,

Hydrabad, (A.P), Pn: 500134

رشید حسن خاں، ۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷ اوپر لکھا ہے اور تاریخ نیچے۔

۱۱۔ مقام و تاریخ اوپر نیچے درج نہیں۔ ان لینڈ لیٹر کی پشت پر دونوں پتے درج ہیں۔ ڈاک خانے کی تین مہریں ثبت ہیں۔ ایک ۱۸ر ستمبر کی اور دوسری ۲۱ر ستمبر کی ہے۔ جین صاحب کا پتا یوں درج ہے:

Dr. G.C. Jain, Department of Urdu, Central Univresity,
Hydrabad, (A.P)

۱۲۔ اِس خط پہ جگہ اور رشید حسن خاں کا پتا درج نہیں ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر بھی خاں صاحب نے اپنا پتا درج نہیں کیا۔ نہ جانے خاں صاحب سے ایسا کیوں کر ہوا۔ وہ اپنا پتا اور پوسٹل زون لکھنا کبھی نہیں بھولتے تھے۔ اوپر درج خط میں اور اس میں صرف ۱۸ دن کا وقفہ ہے۔ اس میں احمد آباد جانے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی فسانۂ عجائب کا چھپنے کے لیے جانے کا بھی ذکر ہے۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط بھی دہلی سے ہی لکھا گیا۔

۱۳۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۵۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۶۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۷۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۸۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۹۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۰۔ خاں صاحب کا نام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۱۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۲۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۳۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۴۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۵۔ خاں صاحب نے ہر خط کے نیچے اپنے دستخط کیے ہیں اور ساتھ میں تاریخ (۹ر مارچ ۹۵ء) اس طرح لکھی ہے میں نے صدی ساتھ لکھ دی ہے اور اِسے ۹ر مارچ ۱۹۹۵ء کر دیا ہے۔

۲۶۔ خاں صاحب نے رومن میں 724 لکھا تھا میں نے اسے اردو ہندسوں میں بدل دیا ہے۔ مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے پتے خط کی پشت پر درج ہیں۔ جین صاحب کا پتا یوں درج ہے:

Dr. G.C. Jain, House No. 25, Sector-9, Indira Nagar
Lucknow - 226016 (UP)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جین صاحب حیدر آباد سے لکھنؤ لوٹ آئے تھے۔

۲۷۔ ۱۲۸۳ کے ساتھ 'ھ' یا 'ء' نہیں تھا، میں نے ہجری سن کو ظاہر کرنے کے لیے 'ھ' ساتھ میں لکھ دیا ہے۔
مکتوب نگار کا پتا اوپر اور پشت پر درج نہیں۔

۲۸۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے پشت پر درج ہیں۔

۲۹۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر دونوں پتے درج ہیں۔

۳۰۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کی پشت پر دونوں پتے درج ہیں۔

۳۱۔ مقام اوپر تاریخ نیچے اور دونوں پتے پشت پر درج ہے۔

۳۲۔ مقام اوپر تاریخ نیچے اور پتے پشت پر درج ہیں۔

۳۳۔ مقام اوپر تاریخ نیچے اور پتے پشت پر درج ہیں۔

۳۴۔ مقام و تاریخ درج نہیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے آرکائیوز کا نمبر حوالہ: ۴۰:۱۰۷ دیا گیا ہے اور خط کی تاریخ ۲۴ر نومبر ۱۹۹۷ء درج ہے۔

۳۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔

۳۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔

۳۷۔ ڈاکٹر گیان چند جین C/o Mr. Ramesh Chander (Advocate), 276/1, Civil line
North Muzaffar Nagar (U.P) Pin: 251001
مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔ پشت پر خاں صاحب کا پتا بھی درج ہے۔

۳۸۔ Dr. Gian Chand Jain, 23 Nevada, Irvine CA 92606-1764, USA
مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خاں صاحب کا شاہ جہان پور والا پتا بھی پشت پر درج ہے۔

۳۹۔ خط کے سرنامے پر اور نہ ہی نیچے تاریخ درج ہے۔ لیکن خط کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط اگست ۲۰۰۰ء میں تحریر کیا گیا، کیوں کہ خط کی شروعات ہوتی ہے اس طرح: "۲۶ر جولائی کا خط ملا" یعنی امریکہ سے لکھا ہوا خط شاہ جہان پور اگست کے پہلے ہفتے میں پہنچا ہوگا ساتھ ہی یہ عبارت: "دسمبر میں زندگی کے ۷۵ سال پورے ہو جائیں گے"۔ خاں صاحب کی پیدائش ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء کی ہے لہٰذا تحریر سے ثابت ہوا کہ یہ خط اگست ۲۰۰۰ء میں لکھا گیا۔

۴۰۔ خاں صاحب نے ۲۳ر مئی ۱۹۸۵ء کو ایک خط ڈاکٹر گیان چند جین کو لکھا جس میں میرامن کے باغ و بہار میں آئے ہوئے چند جملوں: "کوتوال کے ڈنڈے نے"، "کے ساتھ سنگت" وغیرہ سے متعلق چند باتیں معلوم کرنا تھیں۔ ڈاکٹر جین نے اِن کا جواب دیا۔ خاں صاحب مطمئن نہیں ہوئے۔ اُنھوں نے اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے اِن باتوں کے علاوہ چند اور معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ماہ جون میں گاڑ ہال دہلی یونی ورسٹی ہی سے لکھا گیا۔

★★★

بنام لئیق صلاح، پروفیسر

(۱)

ٹی سی ۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۳ر دسمبر ۱۹۸۹ء[1]

محترمہ! آداب

میں اب بہتر ہوں۔ عارفی صاحب نے آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا شکریہ۔ ابھی لکھنا پڑھنا بند سا ہے، مگر اس ماہ کے آخر تک مکمل طور پر ٹھیک ہو جاؤں گا۔

منظور فہیم صاحب کا خط آیا ہے، اُنھوں نے لکھا ہے کہ ۱۱ر جنوری سے ۱۵ر جنوری تک ورک شاپ ہوگی۔ مجھے منظور ہے۔ میں نے آج ہی منظوری کا خط اُن کو لکھا ہے کل میں نے ایک طالبِ علم کو بھیج کر رزرویشن کرالیا، دونوں طرف کا، یعنی دہلی سے بمبئی اور پھر واپسی کے لیے بمبئی سے دہلی۔ میں یہاں سے ۸ر جنوری کو راجدھانی سے چلوں گا، جو ۹ر کو صبح ۱۰ بجے بمبئی سنٹرل پہنچے گی۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ پلیٹ فارم پر منظور فہیم صاحب کار لے کر آجائیں گے۔ میں نے اسی کے مطابق پروگرام بنایا ہے۔ از راہِ لطف اس کا مکمل انتظام کر دیجیے کہ ۹ر جنوری کی صبح کو بمبئی سنٹرل کے پلیٹ فارم پر منظور صاحب پہنچ جائیں۔ میرے کمپارٹ منٹ کا نمبر A-2 ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ضابطے کا خط مجھے ابھی تک نہیں ملا ہے جس سے تفصیلات کا علم ہو۔ اس طرف توجہ فرمائیے۔ میں نے بمبئی سے دہلی واپسی کے لیے ۲۱ر جنوری کا رزرویشن کرایا ہے۔ میں ۱۷ر کو بمبئی آجاؤں گا اور وہاں دو تین ٹھہروں گا۔ اس کے لیے میں نے عبدالستار دلوی صاحب کو خط لکھ دیا ہے۔

آپ فوری طور پر اس خط کا جواب لکھیے۔ چشم براہ ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۳ر فروری ۱۹۹۰ء

محترمہ! آداب
میں جموں اور بمبئی سے چھوٹ کر اب یہاں پہنچا ہوں۔
آپ کی عنایت کا بہ دل شکر گزار ہوں۔ آپ کا پروگرام بہت اچھا اور بہت کامیاب رہا، اس کی مزید خوشی ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گی۔ میری خاطر آپ نے جس طرح زحمت گوارا کی اور جس قدر خلوص کے ساتھ مہمان نوازی کا حق ادا کیا، اُس کا نقش میرے دل پر ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔
ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح
۱۶۷- باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور (یوپی)
۲۷ر نومبر ۱۹۹۶ء

خدیجہ صاحبہ! آداب
میں نے گلزارِ نسیم اور فسانۂ عجائب کی ایک ایک جلد بہ ذریعۂ رجسٹری یونی ورسٹی کے پتے پر بھیجی تھی، اب تک کسی ایک کتاب کی رسید نہیں ملی۔ کیا یہ کتابیں آپ تک نہیں پہنچیں؟
گلبرگہ میں گھر کا پتا مجھے معلوم نہیں تھا، اِس لیے شعبے کے پتے پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح
۱۶۷- باڑوزئی دوم

شاہ جہان پور (یو. پی) -۲۴۲۰۰۱

۱۰ر دسمبر ۱۹۹۶ء[۴]

محترمہ!

آپ کا خط مل گیا، شکریہ۔ جہاں تک بہ قول آپ کے ''ہدیہ'' کا تعلق ہے تو عرض کرنا ہے کہ میں کتابوں کی تجارت نہیں کرتا، یہ کتابیں تحفتاً آپ کو بھیجی گئی ہیں۔ اگر تحفے کا قبول کرنا آپ کے لیے مناسب نہ ہو، تو آپ اِنھیں اپنی لائبریری میں داخل کر دیں میری طرف سے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح

شاہ جہان پور

۳۱ر جنوری ۲۰۰۰ء[۵]

محترمہ! آداب

ایک زمانے کے بعد ہماری زبان میں آپ کی مفصل اور عمدہ اور معلوماتی تحریر دیکھی؛ بہت جی خوش ہوا، مگر زیادہ مسرّت اس کی ہوئی کہ اِس طرح آپ کا نیا پتا مل گیا۔ میرا خیال تھا کہ آپ کرناٹک میں ہیں، اب معلوم ہوا کہ حیدرآباد میں ہیں؛ مگر یہ اب بھی نہیں معلوم کہ یہ عارضی پتا ہے یا مستقل۔ ازراہِ لطف خط لکھیے تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہو سکے، ممنون ہوں گا۔

اِدھر کئی کتابیں شائع ہوئیں، آپ کو بھیجنا چاہتا تھا، مگر وہی بات کہ یقینی طور پر پتا معلوم نہیں تھا، اب آپ کا خط آئے گا تو وہ کتابیں بھیجوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح

شاہ جہان پور

۳ر اپریل ۲۰۰۰ء[۶]

محترمہ! آداب

میں بہ عافیت یہاں پہنچ گیا۔ آپ نے جس خلوص کے ساتھ مہمان نوازی کی، اُس کا نقش

دل پر ثبت ہو گیا۔ منت پذیر ہوں اور شکر گزار۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ کا کام ہو رہا ہوگا۔ یہ جلد مکمل ہو سکے تو خوب ہو۔

بھائی صاحب سے سلامِ شوق کہیے۔ اُن کی زندہ دلی اور خوش دلی کی یاد بھی ساتھ لے کر آیا ہوں۔

ہاں، آپ کے کہنے کے باوصف گلبرگہ نہیں جا سکا، اِس کی معذرت۔ بہت تھک گیا تھا۔ بہ شرطِ صحت و عافیت آیندہ وہاں ضرور چلنا ہوگا، یہ وعدہ تو میں آپ سے کر ہی چکا ہوں، بہ شرطے کہ وہاں کا پروگرام آپ قاعدے قرینے کا بنوا سکیں۔ میں وہاں کے لوگوں سے واقف نہیں۔

ہاں میرا مکان نمبر بدل گیا ہے، نیا نمبر 22 ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور مصروفِ کار۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح

شاہ جہاں پور

۱۹ر مئی ۲۰۰۰ء

مکرمہ!

آپ کا خط کئی دن پہلے یہاں پہنچ گیا تھا، مگر میری عدم موجودگی میں، میں دہلی میں تھا۔ اب واپسی ہوئی ہے۔ ایک ضرور کام سے کئی دن وہاں رُکنا پڑا۔

آپ کا پچھلا رجسٹرڈ پیکٹ مل گیا تھا؛ جس میں اردو عربی لُغت کے چند صفحات کا عکس تھا اور سب سے بڑھ کر شکوے کا عربی ترجمہ منظوم تھا، جسے میں نے بہت احتیاط اور حفاظت سے رکھ لیا ہے۔ یہ غالباً غیر مطبوعہ ہے۔ اِس تحفے کے لیے میں بہت ممنون ہوں۔

اب اِس خط سے یہ معلوم ہوا کہ خزائن الامثال کے ایک نئے نسخے کا سُراغ ملا ہے۔ خدا کرے یہ محض سُراغ نہ ہو، عکس بھی مل سکے۔ جہاں اِتنا انتظار کیا ہے، کچھ اور سہی، کہ یہ نسخہ بھی مل جائے۔ آپ اطمینان سے اپنا کام کیجیے گا۔ اچھا کام ایک ہی بار ہوتا ہے، اس کی تکرار نہیں ہوتی، تکرار تو صرف بہ قولِ شاعر تجلّی کی ہوتی ہے۔ توقع کرتا ہوں گھر کے سب لوگ بہ عافیت ہوں گے۔ بھائی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

ہاں، آپ نے جوابی خط کیوں بھیجا؟ ارے صاحب! میں اِس قدر بداخلاق نہیں کہ خط کا

جواب نہ لکھوں۔ آیندہ جواب کے لیے خط کبھی نہ بھیجیے گا۔ میں تو آپ کے کاموں کا قدر دان ہوں اور اِس کا متمنی کہ آپ مزید اچھے کام کریں، جن میں سے ایک کام خزائن الامثال کی ترتیب بھی ہوگا اور یہ ضرور مکمل ہوگا، اِس کا مجھے یقین ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح

شاہ جہان پور

۱۷ر جون ۲۰۰۰ء[8]

محترمہ لئیق صلاح صاحبہ! آداب

۲ر جون کا خط اب ملا ہے۔ خیر، مل تو گیا۔ یہ پڑھ کر اطمینان ہوا کہ وہ خطی نسخہ مل گیا۔ اب وہ کام بہتر طور پر ہو سکے گا۔ میں ابھی سے اُس دن کی راہ دیکھوں گا جس دن آپ کے کام سے متعلق اوراق کا پہلا پیکٹ مجھے دیکھنے کو ملے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

واپسی پر بھائی صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجیے گا مع مبارک باد۔ عمرہ کرنے کے بعد پچھلے سب گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے، اِس طرح کچھ نئے گناہ کرنے کا جواز نامہ مل سکے گا۔ یہ ضمنی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔ اُن کی خوش ذوقی سے مجھے یہ توقع ہے کہ ابھی وہ ترکِ دُنیا کا ارادہ نہیں کریں گے، اُن سے ملاقات ہوگی تو زبانی بھی ہدیہ مبارک باد پیش کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر لئیق صلاح

شاہ جہان پور

۴ر مارچ ۲۰۰۱ء[9]

محترمہ لئیق صلاح صاحبہ! آداب

دِنوں سے آپ کی خیریت کا احوال نہیں معلوم ہوا، اِس بنا پر فکر ہے۔ از راہِ لطف اپنی صحت اور عافیت سے مطلع فرمائیے۔ آپ نے فون پر پچھلی بار کچھ الرجی کا ذکر کیا تھا؛ اُس کا احوال کیا ہے۔ چشم براہ ہوں۔

ہاں، آپ نے عربی میں مترجم ''شکوہ'' مجھے دیا تھا، اُس کے سرورق پر دو نام مرقوم ہیں۔ ایک نام تو غالباً آپ کے والد صاحب مرحوم و مغفور کا ہے، جنھوں نے اُسے نقل کیا ہے۔ جن صاحب نے عربی میں نظم کیا ہے، نام تو اُن کا بھی لکھا ہوا ہے؛ مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ کون صاحب تھے۔ کیا آپ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ کیا یہ ترجمہ کہیں شائع ہوا ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ اسے لاہور کے کسی عربی رسالے میں چھپوا دوں۔ اور ہاں، اُس کام کا کیا ہوا؟ آپ نے شروع کیا یا ابھی نہیں۔ نیز یہ کہ وہ خطی نسخہ مل گیا؟ میرے کام ذرا رُکے ہوئے ہیں۔ چند ماہ کے بعد شروع ہو سکیں گے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ بھائی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۔ ایضاً

۴۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ اِس خط کا عکس ہفت روزہ 'ہماری زبان' دہلی کے 'رشید حسن خاں نمبر' کے شمارہ یکم تا ۲۸ ستمبر ۲۰۰۶ء کے صفحہ ۲۷ سے حاصل کیا گیا ہے۔

۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۷۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۸۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

★★★

بنام محبوب علی خاں اخگرؔ

(۱)

شاہ جہان پور

۲۷ رمئی ۲۰۰۰ء[۱]

مکرمی! آداب

گرامی نامہ[۲] موصول ہوا۔ شکر گزار ہوں۔ ادبی تحریروں کا تصویروں سے کیا تعلق! میں اِسے اچھا نہیں سمجھتا کہ خود نمائی کی یہ صورت پیدا کی جائے۔ اِس لیے میری تحریر کو تو ازراہِ لطف تصویر کے بغیر ہی رکھیے۔ میں اِس طرح کی ظاہر آرائی سے بہت گھبراتا ہوں۔ آپ کی یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ میری معذرت شرفِ قبول سے محروم نہیں رہے گی۔ معذرت طلب ہوں۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: محبوب علی خاں اخگر

شاہ جہان پور

۲۰ راگست ۲۰۰۳ء

مکرمی! سلام مسنون

خطوط کا ایک نسخہ کل ملا۔ آپ نے مجھے یاد رکھا، اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ مرتّب کتاب کا بھی شکر گزار ہوں۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: محبوب علی خاں اخگر

شاہ جہان پور

۳ر مارچ ۲۰۰۴ء

مکرّمی! تسلیم

کلام جوہر کا ایک نسخہ موصول ہوا، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ یہ، آپ نے بہت اچھا کام کیا کہ مرحوم کے نامِ نیک کو محفوظ کر دیا اور مجھ جیسے دور افتادہ کو اُن کی شاعری سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا۔ حضرت صفؔی اورنگ آبادی کے نام اور کلام کو محفوظ کر کے آپ نے بڑی عمدہ روایت قائم کی تھی اور یہ اُس روایت میں اچھا اضافہ ہے جن لوگوں نے اپنی ساری عمر ادب کی نذر کر دی، اُن کو یاد کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ بہت کچھ بدل گیا اور تیزی سے بدل رہا ہے، لیکن آپ جیسے اور مجھ جیسے افراد تو نہیں بدلے اور نہ بدلیں گے، یوں یہ ہم سبھی کی دل چسپی کی چیز رہے گی۔ پچھلوں کو بھلا دینا، ذہنی پس ماندگی کی پہچان بن جایا کرتی ہے اور اُن کو یاد کر لینا، ایک اچھی روایت کی پاسداری ہے۔

یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱؎ اِس خط کا عکس ہفت روزہ 'ہماری زبان' دہلی کے یکم یا ۲۸ر ستمبر ۲۰۰۶ء کے "رشید حسن خاں نمبر" کے ص ۲۷ سے لیا گیا ہے۔

۲؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

نوٹ: محبوب علی خاں اخگر صاحب کے نام کے تین خطوط کے عکس حاصل ہوئے ہیں، مگر پشت کے عکس نہ حاصل ہونے کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس پتے پر لکھے گئے۔

★★★

بنام محمد احرار ہندی

(۱)

شاہ جہاں پور
۵؍نومبر ۲۰۰۵ءؔ

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا لفافہ اب سے دو ہفتے پہلے ملا تھا۔ میں اپنی خرابیِ صحت کی بنا پر بروقت خط نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے شرمندہ ہوں اور معذرت طلب۔ شب خون میں آپ کی خطاطی سے آنکھوں کو روشن کرتا رہا ہوں۔ اساتذۂ ایران کی روشوں کو جس طرح آپ نے ذہن اور قلم سے قریب رکھا ہے، وہ بے مثال ریاض کا درجہ رکھتا ہے اور وہ روشیں آپ کے یہاں ایک نئے قالب میں اِس طرح ڈھلی ہیں کہ آپ کا خاص انداز بن گئی ہیں۔ آپ نے جو چند نمونے لفافے میں رکھ دیے، اُن کو کئی بار دیکھ کر جنّتِ نگاہ کی کیفیت سے سرشار ہو چکا ہوں۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

ہاں صاحب! اب کتابت ہی رہ گئی ہے اور وہ بھی کہاں ہے، مشینی کتابت نے اپنا قبضہ جما رکھا ہے اور اب اِسی کو فروغ حاصل ہوتا رہے گا، یہ نئے عہد کا تقاضا ہے۔ خطاطی تو بہت پہلے اُٹھ چکی تھی، بس باکمال کاتب رہ گئے تھے؛ پریس کے ساتھ اِن سب تغیرات کا وجود میں آنا لازم تھا؛ اب وہ کاتب بھی نہیں رہے، نوسکھیے ہیں جن کے قلم سے کچا پن ٹپکتا رہتا ہے۔ یہ بھی زمانے کا تقاضا ہے۔ آپ کتنی ہی تصحیح بنائیے کاپیوں پر، مشینی کاتب سب کی درستی نہیں کرتا، بہت سی چھوٹ جاتی ہیں۔ اردو میں باقاعدہ ٹرینڈ پروف ریڈر ہوتے نہیں، یوں تصحیح پوری طرح نہیں ہو پاتی اور مصنّف سر پیٹتا رہ جاتا ہے۔

ایک مشکل یہ بھی ہے کہ خطاطی کی جو روش رہی ہے، اُس میں متعدّد باتیں اردو املا سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ جیسے رحمان یا رحیم کی کششیں، ہاے مخلوط وہاے ہوز کا امتیاز کہ خطاطی کا اِس سے کچھ تعلق نہیں رہا ہے، ایسی ہی بعض اور باتیں۔ اساتذہ یعنی اعلا درجے کے خطاط کتاب لکھنے کو

اپنی توہین سمجھتے تھے، یہ منصب کاتبوں کے حصّے میں آیا۔ خطاطی کی متعارف روشوں کے ساتھ کوئی نصابی کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی۔ خطاطی اور کتابت کا یہ فرق کارفرما رہا ہے اور رہے گا اور ہمیں اِسے تسلیم کرلینا چاہیے۔

آپ نے ایک دور اُفتادہ کو یاد کیا، اُسے نوازا، اِس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔ یادفرمائی کا ایک بار پھر شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: محمد احرار ہندی

شاہ جہان پور

۶ر ستمبر ۲۰۰۵ء

مکرّمی!

لفافہ ملا، ممنون ہوں۔ آپ سے غائبانہ تعارف شب خون کے واسطے سے ہوا تھا، اب آپ کے لطفِ خاص نے اُسے دلی تعلّق بنادیا ہے۔ سردیوں کا موسم مجھے راس نہیں آتا، لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کرپاتا؛ وہی احوال ہے آج کل۔ ذرا طبیعت کو سکون ملے تو مفصّل خط لکھوں گا۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: محمد احرار ہندی

شاہ جہان پور

۳ر جنوری ۲۰۰۶ء

محبّ مکرّم! سلام شوق

لفافہ مل گیا اور آپ کی ''مشقِ سخن'' بھی، ممنون ہوں۔ یہاں شدید سردی پڑرہی ہے، یوں خط کی رسید بروقت نہیں بھیج سکا، معذرت۔

خطاطی کے اصول و آداب کی پابندی خطاطوں کے لیے لازمی ہے۔ اسی کے ساتھ ہم کو یہ بھی مان لینا چاہیے کہ املا کے مسائل خطاطی کے مسائل سے الگ ہیں۔ صحتِ املا کے لحاظ سے ایسی کئی چیزوں کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا جو خطاطی کے متعلقات سے ہیں۔ میں محض بہ طورِ مثال عرض کروں

کہ بنیاد کو املا کے لحاظ سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی طرح پرچہ، چرخ؛ یا مثلاً نقطوں کا مسئلہ، مثلاً بنیاد؛ یا ں اور ے اور ہ اور ھ کا مسئلہ؛ خطاط کو خطاطی کے آداب کے تحت جو رعایتیں حاصل ہیں صحتِ املا کے لحاظ سے اُن میں سے کئی ایک نا قابلِ قبول رہیں گی۔ مجھے اور آپ کو اِس پر اتفاق کر لینا چاہیے کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے، اِس میں غلطی اور صحت کی بحث کو دخل نہیں ملنا چاہیے۔ گل کرسٹ پہلا شخص ہے جس نے نصابی کتابوں کی تیاری کے لیے پہلی بار نستعلیق ٹائپ کو اختیار کیا۔ ۱۸۲۰ء تک وہاں کی ساری کتابیں اِسی میں چھپتی رہیں اور اُسی نے املا پر اردو میں پہلی کتاب مرتب کی تھی۔

خطاطی پریس سے پہلے کی چیز ہے، اِس لیے اُس میں اور صحتِ املا میں مختلف باتوں پر اختلاف لازمی تھا۔ اور اب تو مشین نے ہاتھ کی جگہ لے لی ہے، یوں ایسی ساری بحثیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ خطاطی اپنے دائرے میں گردش کرے گی اور صحتِ املا کا اپنا دائرہ رہے گا۔

میں آپ کا قدر دان ہوں یوں آپ کی بات کا بُرا مان ہی نہیں سکتا، اطمینان رکھیے۔ ذرا موسم خوشگوار ہو جائے تو نسبتاً مفصل خط لکھنے کا موقع ملے گا۔ ہاں صاحب! یہ تو لکھیے کہ آپ کس شعبے میں کارفرما ہیں جو سفر کرنا پڑتا ہے۔ آپ جیسے شخص کو تو قالین نشین رہنا چاہیے۔

توقع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱؎ محمد احرار ہندی شبلی باری پوسٹ آفس کمار دھابھی دھن باد-۸۲۸۲۰۳ بہار کے رہنے والے ہیں اور ایک باکمال خطاط ہیں۔ رشید حسن خاں صاحب نے یہ خط ۵/نومبر ۲۰۰۵ء کو لکھا، جو احرار صاحب کو ۱۴/نومبر ۲۰۰۵ء کو موصول ہوا۔ خط کی پشت پر موصول ہونے کی تاریخ بھی یہی ہے۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہیں۔

۲؎ یہ خط احرار صاحب نے ۲۳/دسمبر ۲۰۰۵ء کو 1.30 بجے موصول کیا۔ پشت پر احرار صاحب کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور خط پر ۰۵-۱۲-۱۲، ۰۵-۱۲-۲۱ اور ۰۵-۱۲-۲۳ کی مہریں ثبت ہیں۔

۳؎ یہ خط ۱۳/جنوری ۲۰۰۶ء کو ۶ بجے شام بدست شاہد موصول ہوا۔ اِس کی پشت پر دو مہریں ثبت ہیں جو پھیکی ہیں پڑھی نہیں جاتیں۔

★★★

بنام محمد انصاراللہ، ڈاکٹر

(۱)

ٹی بی۔۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷ ۱۱۰۰۰
۵ر جنوری ۱۹۸۴ء[1]

مُحبِ مکرّم!

مقالہ مل گیا، شکریہ۔ آپ نے بہت محنت کی ہے۔ اِس ماہ کے آخر میں غالب نامہ کے اڈیٹوریل بورڈ کی میٹنگ ہوگی، اُس میں اِسے پیش کردیا جائے گا۔ ذرا طویل ہوگیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک اشاعت میں غالباً نہیں آسکے گا۔ بہ ہر حال، دیکھا جائے گا۔ میں اواخر جنوری میں آپ کو صورتِ حال سے مطلع کردوں گا۔

ہاں ''گفت وشنود'' کا ایک جگہ ذکر آگیا ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ اردو میں ''گفت وشنید'' مستعمل ہے، ''گفت وشنود'' نہیں۔ میں عرض کروں کہ دونوں لفظ مستعمل رہے ہیں۔ باغ و بہار میں بھی ''گفت وشنود'' موجود ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اب بالعموم ''گفت وشنید'' مستعمل ہے۔

کیا اچھا ہوتا اگر انتخابِ دواوین پر آپ ذرا اور تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے۔ خیر، پھر سہی۔

جو پتا میں نے اوپر لکھا ہے اس پر مراسلت بہتر ہے۔ اب اِس پیام و سلام کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ مجھے اپنا مخلص سمجھیے اور قدر داں۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر محمد انصاراللہ
ٹی بی۔۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۷ ۱۱۰۰۰
۲۹ر فروری ۱۹۸۴ء[2]

مُحبِ مکرّم!

محبت نامہ مرقومہ ۲۲ر فروری موصول ہوا۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔

(۱) غالب نامہ کا پوراسٹ مل سکتا ہے اور کمیشن بھی مل جائے گا۔
(۲) اڈیٹوریل بورڈ کی میٹنگ ابھی تک نہیں ہوئی ہے، اب شاید اگلے ماہ کے آغاز میں ہوگی، اُس وقت مطلع کرسکوں گا۔
(۳) دیکھیے صاحب! میں آپ کا معترف ہوں اور قدرداں؛ آپ پوری کتاب تیار کرلیجیے، اور مسوّدہ مکمّل ہوجائے، تو میرے پاس بھیج دیجیے، اُس کا انتظام ہوجائے گا۔ آغا میر سے متعلق مقالہ نہیں، کتاب ہونا چاہیے، چھپوانے کی ذمّے داری میری رہی۔ اگر آپ اسے تین مہینے میں مکمّل کردیں تو پھر اگلے تین سے لے کر چھے مہینے تک یہ چھپ بھی جائے گی۔

بھائی! میں اگرچہ ہیچ کارہ ہوں، لیکن آپ جیسے کام کرنے والوں کے لیے بہ دل و جان حاضر ہوں۔ کتاب کے چھپنے کی آپ مطلق فکر نہ کیجیے، بس مسوّدہ میرے پاس بھیج دیجیے۔ انشاء اللہ اِسے اردو اکیڈمی اپنی طرف سے چھاپے گی۔ خط لکھتے رہا کیجیے، کچھ دیر کے لیے جی بہل جاتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر محمد انصاراللہ

ٹی سی ۹، گاگر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۱۹ر مئی ۱۹۸۴ء

آپ کا خط مرقومہ ۷ر مئی موصول ہوا تھا، میں اِن دنوں اِس قدر اُلجھنوں میں مبتلا رہا کہ جواب بروقت نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔

آپ کا پُرمغز اور معلومات آفریں مقالہ میرے پاس محفوظ تھا، اب وہ غالب نامہ کے دفتر میں ہے۔ اِس اشاعت میں اِس کا نصف حصّہ شامل ہوسکتا تھا اور نصف حصّہ اگلے شمارے میں شامل ہوتا۔ میں نے خیال کیا کہ اِس طرح تو بات بگڑ جائے گی، کیوں کہ دو حصّوں میں تقسیم ہوکر اُس کی افادیت گویا ختم ہوجائے گی۔ جب تک دوسرا حصّہ شائع ہوتا، تب تک لوگ پہلے حصّے کو بھول چکے ہوں گے اور یہ مجھے گوارا نہیں تھا؛ اِس لیے میں نے یہ خیال کیا کہ بہتر صورت یہ ہوگی کہ مکمّل مقالہ ایک ساتھ اگلے شمارے میں شامل ہو۔ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے دو حصّوں میں بٹ جانے سے مقالے کی اصل حیثیت کو نقصان پہنچتا اور جو مقالہ اِس قدر محنت سے لکھا گیا ہو، اُس

کو یوں ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یوں اب وہ مقالہ اگلے شمارے میں شامل ہوگا۔ میں توقع کرتا ہوں کہ اِس ناگزیر تاخیر کو آپ بہ خوشی گوارا کرلیں گے۔

صاحب! میں آپ کی دیدہ ریزی اور لگن کا معترف ہوں اور اِسی لیے یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی تحریریں اِس طرح سامنے آئیں کہ آپ کی محنت کا صحیح طور پر دوسروں کو بھی اندازہ ہو اور آپ کو آپ کا وہ حق ملے جس سے آپ اب تک گویا محروم رہے ہیں؛ اگرچہ آپ کے مجھ سے جیسے قدرداں آپ کی علمی صلاحیتوں کے معترف ہیں اور معترف تھے۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں بھائی! اب ایک میری مشکل کو بھی سن لیجیے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ علی گڑھ میں فسانۂ عجائب کے ۱۸۸۵ء تک کے کون کون سے نسخے موجود اور محفوظ ہیں۔ چاہتا یہ ہوں کہ کسی دن اُدھر کا پھیرا کروں اور دن بھر کے لیے لائبریری میں بیٹھوں اور اِس طرح آپ جیسے احباب سے بھی ملاقات کی صورت نکل آئے۔ یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب وہاں میرے کام کے ایک دو نسخے نکل آئیں اور ظاہر ہے کہ اِس کی معتبر اطلاع آپ کے سوا وہاں اور کون دے سکتا ہے۔ میری خاطر اِس زحمت کو بھی گوارا کرلیجیے۔

(۴)

بنام: ڈاکٹر محمد انصار اللہ

ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۸؍جون ۱۹۸۴ء

مُحبِ مکرم!

آپ کا خط کئی دن پہلے موصول ہوا تھا، معذرت طلب ہوں کہ بر وقت جواب نہیں لکھ سکا، تیز گرمی کے اثر سے پہلے زکام ہوا اور پھر بخار، کئی دن اِس کی نذر ہوگئے۔

صہبائی والا مقالہ آپ کا بہت کام کا ہے، اِسی لیے میری رائے یہ ہوئی کہ یہ ایک ہی بار شائع ہو، تاکہ پڑھنے والے صحیح معنی میں استفادہ کرسکیں اور آپ کی محنت کا نقش صحیح طور پر نمایاں ہوسکے۔ اگر یہ دو قسطوں میں چھپتا، تو یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ دیر آید درست آید۔

آغا میر والا کام مکمل ہوگیا، اِس سے مسرّت ہوئی، رمضان کے فوراً بعد آپ اُسے میرے

پاس بھیج دیں، میں جب لکھنؤ جاؤں گا، تو اپنے خط کے ساتھ اُسے کمیٹی کے سامنے پیش کروں گا۔ انشا اللہ تعالیٰ۔ رمضان کے مہینے میں کمیٹی کا جلسہ نہیں ہوگا۔ یہ کتاب اِس طرح یا پھر فخرالدین کمیٹی سے چھپے گی ضرور، اِس کی آپ مطلق فکر نہ کریں، یہ ذمّے داری میری ہے۔ یہ، بتائیے علی گڑھ میں آپ کتابت کا انتظام کرسکتے ہیں؟ آپ کی نگرانی میں کام ہوگا تو صحت کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ وہاں کاتب صاحبان کا احوال کیا ہے۔ اور اُجرت کیا لیتے ہیں وہ لوگ۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر محمد انصاراللہ

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۱۱۰۰۰۷

۸رستمبر ۱۹۸۴ء

محبِّ مکرّم!

کل واپسی ہوئی ہے۔ پہلے لکھنؤ گیا تھا، پھر شاہ جہان پور گیا اور وہاں سے اب واپسی ہوئی ہے۔ اکیڈمی کے چیرمین مولانا رضا انصاری فرنگی محلی آپ کی تعریف کر رہے تھے اور کتاب کی بھی۔ اُس مسوّدے کو ضابطے کے مطابق، کسی اکسپرٹ کے پاس رپورٹ کے لیے بھیجنا ضروری تھا۔ مفتی صاحب نے اُسے اِس خیال سے خود لکھ لینے کا وعدہ کرلیا کہ جلدتر یہ کام انجام کو پہنچے، ورنہ عام طور پر لوگ بہت تاخیر سے کام لیا کرتے ہیں۔ میں جلدی کی تاکید کر چکا تھا۔

اب مفتی صاحب نے مجھے بتایا کہ اُنھوں نے نصف کے قریب اُس مسوّدے کو دیکھ لیا ہے، اور ایک ہفتے کے اندر وہ اِس کام کو مکمل کرلیں گے اور اپنی رپورٹ پیش کردیں گے۔ اُنھوں نے مجھ سے ذاتی طور پر یہ کہا کہ مسوّدے میں بعض مقامات معمولی تبدیلیوں کے متقاضی ہیں۔ یا تو مسوّدے کو مصنّف ازخود دیکھ لیں اور درست کردیں یا پھر آپ دیکھ لیجیے یا مجھے اجازت دیجیے کہ بعض معمولی تبدیلیاں کردی جائیں۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ انصاراللہ صاحب مجھ سے بہ خوبی واقف ہیں اور میرے تعلّق سے اُن کی رائے غالباً بُری نہیں؛ اِس لیے آپ اُن سے پوچھ لیجیے کہ وہ جس صورت کو پسند کریں، اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔

میں دو مثالیں ایسے مقامات کی نقل کرتا ہوں: ایک جگہ آپ نے لکھا ہے کہ (۱) ص ۱۰: غازی الدین حیدر نے بہ گمانِ غالب ولی عہد کے زمانے میں آغا میر کو معتمد الدولہ کا خطاب دیا تھا۔ مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ افضل التواریخ وغیرہ میں صراحت ہے کہ "شاہ" بننے پر اُنھوں نے خطاب دیا تھا۔ ولی عہد کو خطاب دینے کا حق بھی نہیں تھا۔

(۲) ص ۲۵: "اکّہ سامنے آیا تو پڑھا" اِس سے آپ نے مراد یہ لی ہے کہ سواروں والا اِکّا مراد ہے، اور اِسی نسبت سے صاحبِ آبِ بقا پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے "واقعے کو بے تکا بنا دیا ہے"۔

"دراصل "اِکّا" ایک بتّی والے شمع دان کو کہتے ہیں، جو مشاعرے میں گردش کیا کرتا تھا اور جس کے سامنے آتا تھا، وہ غزل پڑھتا تھا"۔

ایسی ہی معمولی اور ضمنی چند باتیں ہیں، جن کی تصحیح محض چند الفاظ کی تبدیلی سے ہو سکتی ہے۔ اب آپ مجھے مطلع کیجیے کہ کیا صورت اختیار کی جائے؟ اگر آپ اجازت دیں تو مفتی صاحب ایسے مقامات پر ضروری لفظی ترمیم یا تبدیلی کر دیں، یا پھر آپ خود ایک بار دیکھ لیں۔ آپ جس طرح کہیں گے، اُسی طرح کام انجام کو پہنچے گا —— میری ذاتی رائے یہ ہے کہ چند ایسی ضمنی ترمیموں کے لیے اگر آپ مفتی صاحب کو مجاز قرار دے دیں تو اِس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی اور کام کی تکمیل بھی جلد ہو جائے گی۔

براہِ کرم اِس خط کے ملتے ہی مجھے اپنی رائے سے مطلع کیجیے، چشم براہ ہوں۔ جلدی یوں ہے کہ میں ۱۷ ستمبر کو کراچی جانا چاہتا ہوں دس بارہ دن کے لیے۔ اگر آپ کا خط مجھے آٹھ دن کے اندر مل جائے تو خوب ہو، کہ میں مفتی صاحب کو صورتِ حال سے مطلع کر دوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ یہ کتاب جلد تر چھپ کر سامنے آ جائے۔ یہ عرض کر دوں کہ آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوگا اور کوئی بڑی یا بنیادی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

خط فوراً لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر محمد انصار اللہ

ٹی بی ۹، گائڑ ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی -۱۱۰۰۰۷

۱۲رنومبر ۱۹۸۴ءؔ

مُحبِ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۷رنومبر ملا۔ شکر گزار ہوں۔ بھائی! عجیب اتفاق ہوا۔ میں جب پاکستان سے واپس آیا اور ایک انسٹی ٹیوٹ کی طرف گیا تو معلوم ہوا کہ نذیر صاحب نے آپ کا مقالہ واپس کردیا ہے۔ سخت تعجب ہوا اور اُس سے زیادہ تکلیف اور افسوس۔ میں اِس صورتِ حال کو بالکل نہیں سمجھ سکا۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں اِس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکا اور مجھے اُس وقت صورتِ حال کا علم ہوا جب میں کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ سے شرمندہ ہوں!

اکیڈمی میں ۵رنومبر کو جانا تھا، وہ جلسہ ملتوی ہوگیا۔ آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے جو خط رضا انصاری صاحب کو لکھا تھا، وہ اُن تک نہیں پہنچا۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ کے خط کے حوالے سے جو خط میں نے اُن کو لکھا تھا، وہ بھی نہیں پہنچا۔ ڈاک کا احوال بہت تباہ ہے۔

اب آپ میری خاطر یہ زحمت گوارا فرمایئے کہ ایک خط اور مفتی صاحب کو بھیج دیجیے اور یہ بھی زحمت گوارا کرلیجیے کہ اُسے رجسٹری سے بھیجیے۔ اُس میں وہی مضمون لکھ دیجیے جو آپ کے پہلے خط میں لکھا تھا اور احتیاطاً اُس کی ایک نقل لفافے میں رکھ کر مجھے بھیج دیجیے۔ براہِ کرم اِس زحمت کو ضرور گوارا کرلیجے۔ اب یہ مسئلہ میرے لیے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اِس بار بھی مجھے آپ سے شرمندہ ہونا پڑے۔

براہِ کرم دونوں خط فوراً لکھیے۔ میں آپ کے لفافے کے لیے چشم براہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر محمد انصاراللہ

گائر ہال، دہلی

۱۴رفروری ۱۹۸۵ءؔ

مُحبِ مکرّم!

آپ کے دو پوسٹ کارڈ میرے ذمّے واجب الجواب ہیں۔

بھائی! وہ مسودہ میرے پاس واپس آگیا تھا۔ مگر میں نے ابھی ہمت نہیں ہاری ہے اور ۲۴ر

فروری کو میں جب پھر لکھنؤ جاؤں گا تو اُس کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ میرے لیے بھی یہ وقار کا مسئلہ ہے اب۔ آپ مطمئن رہیے کہ وہ مسوّدہ پوری طرح محفوظ ہے۔ میں جب واقعتاً ناامید ہو جاؤں گا تو تب اُسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں کہ وہ تب تک محفوظ رہے گا۔ میں نے اُس کے سلسلے میں متعلق افراد سے ۱۲ر فروری کو، یعنی پرسوں، پھر گفتگو کی تھی جب میں لکھنؤ گیا تھا۔ اب ۲۴ر کو جاؤں گا اور مزید گفتگو کروں گا۔ فی الحال کچھ دنوں کے لیے آپ اِس کو میرے ہی پاس رہنے دیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر محمد انصار اللہ

۲۵ر اپریل ۱۹۸۵ء[۸]

مُحبِ مکرّم!

خط آپ کا ملا۔ مفتی رضا انصاری صاحب بہ غرضِ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور میرا اِدھر لکھنؤ جانا ہوا نہیں۔ اگلے مہینے تک اُدھر جاؤں گا اور مفتی صاحب بھی آ چکے ہوں گے۔ اُس وقت کوئی قطعی فیصلہ کر لوں گا اور آپ کو مطلع کر دوں گا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ یہ کتاب چھپے گی ضرور۔ توقع کرتا ہوں کہ فخرالدین کمیٹی نے آپ کو اب تک مطلع کر دیا ہوگا۔ میں تو بہت پہلے اُس مسوّدے کو مع رائے بھیج چکا تھا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر محمد انصار اللہ

۵ر اگست ۱۹۸۶ء[۹]

مُحبی!

آپ کا خط ملا۔ آپ کا مسوّدہ کاتب کو دے دیا گیا تھا کتابت کے لیے، یہ اب سے مہینوں پہلے کی بات ہے۔ وہ اللہ کا بندہ غائب ہے۔ اب تک کتابت کر کے نہیں لایا۔ میری تاکید پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ایوب تاباں صاحب نے اِس سلسلے میں خاص طور پر کوشش شروع کی ہے۔

جیسے ہی وہ کاتب مسوّدہ لایا، ویسے ہی اگلی کاروائی ہوگی، یعنی طباعت کا کام شروع ہوگا۔

خدا کرے اُس نے کتابت کرلی ہو۔ یہ، کاتب صاحبان بہت پریشان کرتے ہیں اور اِن کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

ایوب صاحب علی گڑھ میں آپ سے مل کر زبانی بھی تفصیلات بیان کردیں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر محمد انصار اللہ

۲۵ رمئی ۱۹۸۹ء[۱]

برادرم!

دونوں خط مل گئے۔

''شرلوک'' سے میں واقف نہیں۔

''جانِ عالم'' سے مراد واجد علی شاہ کا مراد لیا جانا بہ ظاہر دور کی کوڑی ہے، میرے نزدیک یہ قابلِ قبول نہیں۔ جب یہ کتاب پریس گئی ہے، اِس وقت محمد علی شاہ زندہ تھے اور امجد علی شاہ ولی عہد تھے۔ میں نے دفتر میں بات کی تھی۔ آپ سکریٹری کے نام ایک خط لکھ دیجیے، سادہ سا، کہ مجھے رائلٹی کی رقم پیشگی دے دی جائے، اور بس، باقی کاروائی ڈائرکٹر صاحب کریں گے۔ میں نے اُن سے بات کرلی ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر انگریزی میں تحریر ہے۔ مکتوب کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا تحریر نہیں، کیوں کہ یہ سادہ کاغذ پر ہے؛ شاید لفافے میں بھیجا گیا۔

۲۔ مقام مکتوب کے اوپر اور تاریخ نیچے تحریر ہے۔ مکتوب کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا تحریر نہیں، کیوں کہ یہ سادہ کاغذ پر ہے؛ شاید لفافے میں بھیجا گیا۔

۳۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر انگریزی میں تحریر ہے۔ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علی گڑھ کے پتے پر لکھا گیا ہے۔ اس مکتوب پر کوئی القاب بھی نہیں لکھا گیا، سیدھا ہی شروع کردیا ہے۔

۴۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر انگریزی میں تحریر ہے۔ یہ مکتوب بھی سادہ کاغذ پر ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر انگریزی میں تحریر ہے جسے راقم نے اردو میں بدل دیا ہے۔ تاریخ مکتوب کے آخر میں اردو میں تحریر ہے۔ مکتوب میں ڈاکٹر محمد انصاراللہ کی کتاب آغا میر کا فخر الدین کمیٹی کی طرف سے چھپنے کی بات درج ہے۔

۶۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر انگریزی میں تحریر ہے۔ تاریخ نیچے بھی انگریزی میں درج ہے۔

۷۔ مقام و تاریخ مکتوب کے اوپر اردو میں تحریر ہے اور نیچے تاریخ انگریزی میں درج ہے۔ اِس مکتوب میں ڈاکٹر محمد انصاراللہ کے مسوّدے سے متعلق تحریر ہے۔

۸۔ مکتوب کے اوپر مقام اور تاریخ تحریر نہیں ہے۔ نیچے اردو میں تاریخ درج ہے۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۹۔ مکتوب کے اوپر مقام و تاریخ تحریر نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب سادے کاغذ کے پرزے پر ہے۔ اس لیے مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے مقام کا پتا نہیں چلتا۔ مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کی کتابت دہلی میں ہو رہی ہے اور کاتب کتاب مکمل کر کے خاں صاحب کے پاس نہیں لایا۔

۱۰۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ اس پر بھی مکتوب نگار نے سرنامے پر کچھ نہیں لکھا صرف ''برادرم'' لکھ کر لکھنا شروع کر دیا اور مکتوب کے آخر میں اپنے دستخط اور تاریخ لکھ دی ہے۔ پشت پر مکتوب الیہ کا یہ پتا تحریر ہے:

ڈاکٹر انصاراللہ Dr. Ansar ullal, 4/585, Sir syed Road, Sirsyed Nagar, Aligarh (UP)

★ ★ ★

بنام محمد ایوب واقف، ڈاکٹر

(۱)

Rasheed Hasan Khan
T.C.9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007
۱۵ر جون ۱۹۸۷ء[1]

مکرّمی! آداب

آپ کا پوسٹ کارڈ پرسوں ملا تھا۔ پڑھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ارے صاحب! میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کتاب کے واپس کرنے کی۔ میں تو آپ کا خط پڑھ کر حیران رہ گیا۔ کل میں نے پوسٹ مین کو جا کر پکڑا اور پوچھا کہ کیا اُس نے میرے نام کی کوئی کتاب واپس کی ہے؟ اُس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ اُسے ایسی کوئی کتاب ملی ہی نہیں۔

میں تو کتاب کے قدردانوں میں سے ہوں، اُسے واپس کیسے کرسکتا ہوں، یعنی ایک کتاب کے مطالعے سے اپنے آپ کو محروم رکھوں۔ قسم لے لیجیے جو کبھی اِس طرح سوچا بھی ہو؟

اب آپ ازراہِ کرم یہ لکھیے کہ وہ کتاب آپ نے کس پتے پر بھیجی تھی اور کیا رجسٹرڈ بھیجی تھی؟ اگر اُس کا ریپر محفوظ رہ گیا ہو تو ایک لفافے میں اُسے رکھ کر ضرور بھیج دیجیے، میں اِس کی پوری تحقیقات کروں گا۔ یہ پہلا موقع ہے پچھلے تیس سال میں کہ ایسی صورت پیدا ہوئی ہو۔ اگر وہ نسخہ اب بھی محفوظ ہو تو ازراہِ لطفِ خاص اُسے ایک بار پھر بھیجنے کی زحمت گوارا فرمالیجیے اور رجسٹری ضرور کردیجیے، اِس طرح کتاب محفوظ رہتی ہے۔ میں بہت ممنون ہوں گا اگر آپ اِس خط کے جواب سے مجھے نوازیں گے۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: محمد ایوب واقف

Rasheed Hasan Khan
T.C.9, Gwyer Hall

Delhi University
Delhi-110007
۲۶؍جون ۱۹۸۷ء[۲]

مکرّمی واقف صاحب!

آپ کی کتاب آج مجھے ملی ہے۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ یہ خط فوری طور پر اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطمینان ہو جائے۔ میں دہلی سے باہر جا رہا ہوں دو تین ہفتوں کے لیے واپسی پر اِسے شوق کے ساتھ پڑھوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳)

بنام: محمد ایوب واقف
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۱؍دسمبر ۱۹۸۷ء[۳]

واقف صاحب مکرّم!

آپ کی کتاب ملی تھی اور میں نے آپ کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ کتاب کو میں پڑھتا ضرور ہوں۔ آپ کی کتاب بھی پڑھی تھی اور شوق کے ساتھ۔ اب رہا معاملہ رائے لکھنے کا، تو صاحب! یہ ضروری نہیں کہ جس کتاب کو پڑھا جائے، اُس کے متعلق رائے بھی ضرور لکھی جائے۔ یہ دو الگ باتیں ہیں۔ میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے یاد رکھا اور کتاب کے تحفے سے نوازا اور توقع کرتا ہوں کہ آئندہ بھی یہ اندازِ کرم برقرار رہے گا۔

مخلص
رشید حسن خاں

پتا: جناب محمد ایوب واقف
Janab M.A. Waqif, C.P.W. Colony
Block 11/130 'Sahar' ville parle (east)
Mombay-400099

حواشی:

۱؎ مقام اوپر درج ہے اور تاریخ نیچے۔ پتے کی مہر خاں صاحب کی اپنی بنوائی ہوئی ہے۔ نیچے نام کی جگہ نیاز مند رشید حسن خاں لکھا ہے۔ خط کا عکس یک طرفہ ہے، اس لیے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سادہ کاغذ ہے یا اِن لینڈ لیٹر ہے۔

۲؎ مقام اوپر درج ہے اور تاریخ نیچے۔ اڈریس کی مہر خاں صاحب کی اپنی لگائی ہوئی ہے۔

۳؎ مقام اوپر درج ہے اور تاریخ نیچے۔ یہ پوسٹ کارڈ پندرہ پیسے قیمت کا ہے۔ اِس پر ڈاک خانے کی مہر دہلی پن کوڈ ۱۱۰۰۰۶، ۲۲/ستمبر ۱۹۸۷ء کی ہے۔

★★★

بنام محمد عقیل رضوی، پروفیسر سیّد

۹/اپریل ۱۹۸۲ء

مُحبِّ مکرّم!

(۱) آپ سے یہ طے ہوا تھا کہ الٰہ آباد یونی ورسٹی میں موجود نسخۂ باغ و بہار کے متعلق آپ خط لکھیں گے، لیکن شاید آپ کی وضع داری آڑے آئی اور نہیں لکھ پائے۔

اب اسی درخواست کی تکرار کرتا ہوں۔

(۲) ''سِٹھنیاں'' اُن گالیوں کو کہتے تھے جو سمدھنوں کو شادی میں سُننا پڑتی تھیں۔ اظہر علی فاروقی صاحب کی کتاب میں ''سیٹھیں'' اسی معنی میں کئی جگہ آیا ہے اور ''سیٹھ'' بھی۔ وہ آپ کے محلے دار ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اُن سے یہ معلوم کرلیں کہ کیا یہ لفظ انھوں نے خود سنا ہے اور اس کا صحیح تلفظ کیا ہے۔ میں نے ''سیٹھیں'' نہ پڑھا نہ سنا۔

کیا ''سِٹھنیاں'' اُنھوں نے سنا ہے۔ اِس کی ایک شکل ''سیٹھنے'' بھی ہے ''طعنے سیٹھنے''۔

آگرے میں ۱۷رکو آپ سے ملاقات ہوگی میں بہت ممنون ہوں گا اگر یہ معلومات حاصل ہوجائے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

''سِٹھنی'' انشا کے یہاں موجود ہے:

ع: سِٹھنی کے عوض تو نے جو تیار کی گالی

یہ لفظ فسانۂ عجائب میں بھی آیا ہے اور سارا جھگڑا اُسی کی بدولت ہے۔ اِس کتاب نے تو مجھے تھکا مارا ہے۔

(۲)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

ٹی.بی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۲/جولائی ۱۹۸۹ء

حضورِ والا!

شاعر کے دو شمارے کل ایک ساتھ ملے، ان میں آپ کا مضمون نئی غزل سے متعلق شامل ہے۔ پڑھ کر جی بہت خوش ہوا اور بے اختیار جی چاہا کہ آپ کو مبارک باد دوں اِس اچھی، روشن اور پُر معنی تحریر پر۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے اور ایسی ہی تحریریں لکھتے رہیے۔

ہاں ایک اور بات: علی احمد فاطمی کا ایک خط آیا تھا، اس پر پتے کی جگہ 'شعبۂ اردو حیدر آباد یونی ورسٹی' لکھا تھا۔ اب میں حیران کہ یہ کیا ہے۔ خط جواب طلب تھا، میں نے شعبۂ اردو الٰہ آباد یونی ورسٹی کی معرفت خط لکھا تھا جس کا جواب ندارد، مطلب یہ ہوا کہ خط نہیں پہنچا۔

تو بھائی! از راہِ لطف فوری طور پر مطلع فرمائیے کہ وہ صاحب زادے اب کہاں ہیں؟ چشم براہ ہوں۔ روایتی کاہلی سے ذرا قطع تعلق کر لیجیے گا اور خط لکھ دیجیے گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

ٹی بی۔۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۷ ۱۱۰۰۰

۱۴؍اپریل ۱۹۹۴ء

مُحبِ مکرّم!

کتاب مل گئی تھی۔ اس عنایت کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ میری رائے میں اِس موضوع پر اِس سے پہلے اس انداز سے کوئی تحریر سامنے نہیں آئی۔ آپ نے جن خاص پہلوؤں کی طرف متوجہ کیا ہے، وہ واقعتاً توجہ طلب ہیں۔ مثلاً ذاکر اور مرثیہ گو کی رقابت کا مسئلہ، یا لکھنؤ کی شاہی کا تعلق مراثی کی تفصیل نگاری سے (وغیرہ)۔ مراثی کے سلسلے میں میرا مطالعہ بہت ناتمام ہے، پھر بھی یہ اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب صحیح معنی میں فکر انگیز ہے۔ اب رہے اختلافات، جن کا آپ نے بھی شروع میں اشارتاً ذکر کیا ہے، سو اُن کا وجود تو ہمیشہ رہے گا۔ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ کوئی تحریر محض باز آفرینی اور محض سرسری تکرار پر مبنی ہے، یا اُس میں اوریجنلٹی بھی ہے، وہ فکر انگیز بھی ہے اور اُس سے شعور کے سامنے اہم سوالیہ نشان بھی آتے ہے؛ اِس اعتبار سے یہ کتاب قابلِ ذکر ہے کہ اس نے نئے سوالیہ نشان لگائے ہیں اور نئے سوال اٹھائے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض چیزوں کی تفسیر نئے اندازِ نظر کے تحت کی گئی ہے۔

ایک سوال میرے ذہن میں یہ بھی پیدا ہوا ہے کہ جن نئے مراثی کا آپ نے حوالہ دیا ہے اور

اُن سے کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں، گویا یہ نئے مرثیے نئے سماجی احساس سے خالی نہیں، پھر بھی اُن میں وہ طاقتور تاثر کیوں نہیں جو اُن پرانے مراثی کی خاص صفت ہے۔ جو مثالیں آپ نے دی ہیں، وہ بھی خاصی بے رنگ ہیں۔ کیا یہ محض عہد کا مسئلہ ہے یا اس میں یہ بھی پنہاں ہے کہ یہ خاص صنف اپنے امکانات سے آخری حد تک کام لے چکی ہے اور اب اس میں بقدرِ شوق والی وسعت نہیں۔ جوش کو چھوڑیے، کہ اُن کی شاعری پر تو گرجنے برسنے والا انداز حاوی رہتا ہے، وہ کچھ بھی کہیں، اور یہ تاثر دشمن انداز ہے؛ دوسرے نئے شعرا کے نئے مراثی میں آخر وہ جاذبیت، دل کشی اور وہ شعری محاسن کیوں نہیں، جو انیسؔ کا حصّہ ہیں۔ زبان اور بیان میں وہ حسن کیوں نہیں کہ آدمی کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول کر اُسی میں کھو جائے۔ یہ شاید سب سے بڑا سوالیہ نشان ہے۔ مثلاً ص ۱۰۹ پر صفدرؔ کے جو اشعار نقل کیے گئے ہیں، وہ حسنِ بیان سے بڑی حد تک خالی ہیں۔ تیغ کا تھرک کے ناز سے قفا پہ جانا یا کڑک کے سن سے چلی، یہ کڑک اور سن سے چلنا کا اتصال، کیا میر انیسؔ اس طرح لکھ سکتے تھے؟ (وغیرہ)۔ ص ۷۷۱ پر آپ نے جو حاشیہ لکھا ہے، اس کے سلسلے میں عرض کروں کہ ٹہرنا، ٹھہرنا، ٹھیرنا؛ تینوں شکلیں مصوّر کی مستعمل رہی ہیں۔ شاعر 'ٹھیر جاتا ہے' لکھا ہوگا، جو کاتب نے 'ٹھہر جاتا ہے' بنادیا۔ مولانا حالی کا یہ معروف مطلع تو ذہن میں ہوگا:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
(دیوان طبعِ اوّل)

اور ہاں بھائی! آپ نے انتساب میں سوکھے ہوئے درخت پر قلم باندھی ہے، حالاں کہ ایسے درخت میں قلم نہیں لگائی جاتی۔

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اس کتاب سے میری معلومات میں اضافہ ہوا ہے اور بعض نئی باتوں کی طرف توجّہ منعطف ہوئی ہے اور ایسی کتابیں، جو ذہن پر نئے نقش بنا سکیں، نئے سوالات اٹھا سکیں، کم اور بہت کم لکھی جاتی ہیں۔ آپ نے یہ کتاب 'یکم اپریل' کو بھیجی تھی اپنے دستخطوں کے ساتھ، میں نے پھر بھی اسے بلا تکلف قبول کرلیا۔ (یہ بات محض تفریحاً لکھی گئی ہے، یکم اپریل کی رعایت سے)۔ میں ایک بار پھر اس گراں بہا تحفے کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آیندہ بھی ایسی نوازشوں سے محروم نہیں رہوں گا۔

مخلص
رشید حسن خاں
(یوم الامبیڈکر)

(۴)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
ٹی بی۔۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۷، اپریل ۱۹۹۴ء

مُحبِّ مکرّم!

محبت نامہ (تاریخ ندارد) موصول ہوا۔ میں نے اس خط کے ملنے سے تقریباً پانچ دن پہلے کتاب کی رسید کا مفصّل خط لکھا تھا، جس میں اپنی راے بھی لکھی تھی۔ توقّع کرتا ہوں کہ اب تک وہ خط مل چکا ہوگا۔

ہاں بھائی! کتاب مل گئی تھی، پوری کتاب پڑھ گیا اور جتنی مسرّت ہوئی اسے پڑھ کر، اُسے صحیح طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ چوں کہ اپنی راے لکھ چکا ہوں، اس لیے اب اُسے کیا دُہراؤں۔ دعا کرتا ہوں کہ آپ ایسی کئی کتابیں اور لکھیں۔ عام تنقیدی موضوعات پر تو اب کچھ لکھنا اور لکھتے رہنا کچھ ایسا مشکل نہیں رہا ہے، لیکن کوئی فکر انگریز بات کہنا یا ایسی کتاب لکھنا جو ذہن کو نئے پہلوؤں کی طرف متوجہ کرے اور نئی تعبیر کی ضرورت کا احساس دلائے، مشکل تھا اور مشکل ہے۔ آپ کی کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے۔

ہاں صاحب! دو 'دریابادی' صاحبان کے درمیان میں دخل دینے والا کون۔ ممکن ہے کہ لکھنؤ میں یہی مرجّح ہو۔ اور آپ تو عوامی ادب کے بھی قائل ہیں، سو آپ کو 'دریاباد' کے عوامی روپ کو مان لینے میں کیوں تکلّف ہے۔ میں 'دریاباد' نہیں کہ پاؤں گا، میری زبان ہی سے نہیں ادا نہیں ہوگا، لیکن لکھوں گا 'دریا آباد'۔ مولانا نے غالباً تلفظ اور تحریر کی یکسانی کو مرجّح قرار دیا۔ اوروں کو بھی 'دریابادی' ہی لکھتے دیکھا ہے۔ میں 'احمدآباد' کہوں گا، لیکن لکھوں گا 'احمد آباد' یا 'الٰہ باد' کہوں گا، لیکن لکھوں گا 'الٰہ آباد'۔ صدیقی صاحب 'الٰہ آباد' لکھتے تھے۔ آج کل گلزارِ نسیم میں اُلجھا ہوا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

یہ ستم ظریفی دیکھیے، خط لکھ چکا، پتا لکھنے کے لیے موڑا تو معلوم ہوا کہ سادہ ہے۔ بہ ہر حال ڈاک خانے والوں کا آپ کے نام کا خط ہو اور اتنی بھی بُل بجھی نہ ہو تو پھر بات ہی کیا ہوئی!

(۵)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۵/اپریل ۱۹۹۵ء
محبِّ مکرّم!

مکتوبہ مرقومۂ ۳۰/مارچ مل گیا۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ ہاں صاحب! اب شوقؔ کی مثنویوں کا متن مرتّب کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے قدیم اڈیشن درکار ہیں، یعنی ۱۲۶۰ھ سے ۱۲۸۰ھ تک کے نسخے۔ ہر طرف خطوں کے گھوڑے دوڑا رہا ہوں۔ اکثر کتاب خانے اِن نسخوں سے خالی ہیں۔ علی گڑھ، جامعہ، بمبئی، انجمن؛ جیسے مقامات پر کچھ نہیں ملا۔ وہی موخر نسخے ہر جگہ ہیں جن کی میرے حساب سے کوئی استنادی حیثیت نہیں۔ نیرؔ مسعود صاحب کے یہاں ۴ ایسے نسخے تھے۔ بہ قول اُن کے، دو تو اکبر حیدری صاحب لے گئے تھے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ واپس کر دیے تھے، مگر نیرؔ صاحب کا کہنا ہے کہ واپس نہیں ملے، بہ ہر حال وہ کانِ نمک کا حصّہ بن گئے۔ دو بقیہ نسخے انھوں نے بھیج دیے۔ رام پور کا احوال اچھا نہیں۔ تالے پڑے ہوئے ہیں، خود جا کر پیروی کروں تو کچھ معلوم ہو؛ البتہ پٹنے سے امید افزا جواب آیا ہے۔ سُو یہ ہے داستانِ غم۔

جن کتابوں کا آپ نے حوالہ دیا ہے، وہ میرے سامنے ہیں، استثنا بس ایک کتاب کا ہے۔ میں اِس سے لاعلم تھا۔ آپ کے خط سے اِس کا احوال معلوم ہوا۔ یہ میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ اب اِسے یہاں تلاش کروں گا۔ کیا آپ کے (پاس) نہیں ہے؟ اگر ہو تو چند روز کے لیے عنایت ہو، بہت احتیاط کے ساتھ اور ایمان داری کے ساتھ واپس کر دوں گا۔ یہ ہے حیاتِ شوقؔ اُن خاتون میّہ کی، میں اس کے بعد کا لفظ نہیں پڑھ پایا شاید 'سیّد حیدر' ہے۔ اشاعت ۱۹۹۱ء۔ آپ کے لطفِ خاص کا طلب گار ہوں۔ سیّد سلیمان صاحب کی کتاب، بہ قول آپ کے چھپی نہیں۔ چھپ بھی جاتی تو کچھ زیادہ کام کی نہ ہوتی۔ خیال یہی ہے میرا، اُن کے پچھلے کاموں کی بنا پر۔ انگریزی ترجمہ شاہ عبدالسلام والا بھی غیر ضروری ہے۔ اُن کا مرتّب کیا ہوا کلیاتِ شوقؔ دیکھ چکا ہوں، وہ ہے میرے پاس۔ حیرت ہوتی ہے ایسے کاموں کو دیکھ کر۔ البتہ نظامی پریس بدایوں سے زہرِ عشق کا جو نسخہ چھپا تھا، وہ اب تک نہیں ملا، اُسے ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔ زہرِ عشق کا ۱۲۶۲ھ کا اڈیشن میرے پاس ہے۔ غالباً یہ قدیم ترین اڈیشن ہے (بہ قول گارساں دتاسی)۔ نول کشوری اڈیشن ۲ ہیں: ۱۸۶۹ء، ۱۸۷۱ء۔ دونوں میرے کام کے نہیں، مجبوری کی بات اور ہے۔

معاف کیجیے، اِس طولِ نگارش پر، مگر جب کسی ہم سخن اور پیش نظر کو پاتا ہوں تو بے اختیار جی چاہتا ہے پوری کہانی سنانے کی۔ اب قحط ہے ایسے لوگوں کا اور قحط بھی دمشق والا۔ معلوم نہیں ہوتا کیا ہے! میں چوں کہ کچھ اور نہیں کرسکتا، اس لیے یہی کیے جاتا ہوں۔

گلزارِ نسیم ابھی چھپی نہیں۔ یہ کتاب آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔ ۷۴۴ صفحات ہیں۔ اصل فارسی داستان بھی شامل کردی ہے جو آج تک نہیں چھپی تھی اور شاید ہی کسی نے اُسے دیکھا ہو، گل کرسٹ اور نہال چند کے علاوہ۔ چوں کہ تنقیدی بیانات اس سلسلۂ کتب کے دائرے سے خارج ہیں، اس لیے صرف متن اور متعلقاتِ متن سے سروکار رہا ہے۔ معرکۂ چکبست و شرر نے خاصا پریشان کیا، یوں کہ ایسے مباحث میں اختلافِ رائے اور اختلافِ تعبیر ناگزیر ہوتا ہے۔ اس میں بھی ہوگا۔ بنیادی کام میں نے کردیا ہے، اب باقی کام دوسرے لوگ کرتے رہیں گے، اس میں اختلاف بھی شامل ہے۔ اب لوگ بنیادی کام تو کرنا نہیں چاہتے، ہاں کوئی کردے تو ضمنی باتوں پر زورِ طبع صرف کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

یونی ورسٹی پوسٹ آفس میں لفافے آج کل نہیں ملتے، پچھلے ایک مہینے سے۔ یوں یہ ان لینڈ لکھ رہا ہوں۔ خیر، اس سے بھی کام چل جائے گا۔

فاطمی نے خط کا جواب نہیں لکھا۔ اکبر سمینار میں آنا چاہتا تھا، لیکن .... زہرِ عشق میں شروعِ داستان میں ایک شعر ہے، جب بام پر ہیروئن کو دیکھا ہے:

تاب نظارہ اتنی لا نہ سکا
کہ اشارے سے بھی بلا نہ سکا

پہلے مصرعے کی دو قرائتیں ہوسکتی ہیں: تابِ نظارہ اتنی —— تاب نظارہ اتنی —— میں نے اوّل الذکر ترجیح دی ہے، آپ کی رائے کیا ہے۔ ایسے مقامات بہت پریشان کرتے ہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ہاں، مجاور حسین رضوی صاحب کے پتے میں 'اتر سوئیا' ہے، میں اسے صحیح طور پر پڑھ ہی نہیں سکا۔ چوں کہ کبھی خط نہیں لکھا، یوں ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ اِس کا تلفظ کیا ہے۔ یہ کوئی محلہ ہے؟ میں اِسے کیسے لکھوں؟ پتے میں 'دریاباد' ہی لکھ رہا ہوں، یوں کہ سرنامہ یہی چھپا ہوا ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ اِس سلسلے میں قصوروار نہیں قرار دیا جاؤں گا۔ یہ وہ استعمالِ عام یا چلن ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں۔

(۶)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

۲۶/اپریل ۱۹۹۵ء

مُحبّ مکرّم!

آج اسرار گاندھی صاحب آئے تھے، اُنھوں نے حیاتِ شوق بہ حفاظت پہنچا دی۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکرگزار ہوں۔ خط آپ کا پرسوں مل گیا تھا۔

میں کل (۲۷/اپریل کو) شاہ جہان پور جاؤں گا تقریباً دو ہفتے کے لیے۔ یہ بات خاص کر یوں لکھ رہا ہوں کہ فاطمی صاحب اگر آئیں تو اُن کو ضرور بتا دیں۔ اُن کا خط آیا تھا کہ وہ آئیں گے۔ میں تو موجود نہیں ہوں گا۔

مفصّل خط واپس آ کر لکھوں گا۔ اِسے صرف رسیدِ کتاب سمجھیے۔ ہاں صاحب! اب جب بھی فاطمی آئیں، تو اُن کے ہاتھ زہرِ عشق مرتبہ مجنوں ضرور بھیج دیجیے گا۔ اُس کی ضرورت پڑے گی۔ یہ وعدہ کرتا ہوں (کانگریسیوں والا نہیں، مولویوں والا بھی نہیں؛ شرفا والا وعدہ) کہ اِن دونوں کتابوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ آپ تک پہنچوا دوں گا۔ لیکن اِس کام کی تکمیل کے بعد۔

آپ جہانیاں جہاں گرد ہیں، یوں یہ بات پوچھ رہا ہوں کہ عشرت رحمانی اور نظامی بدایونی کی مرتبہ زہرِ عشق ہیں کسی کے پاس؟ ان کی بھی ضرورت پڑے گی۔ یہاں تو قحط والا عالم ہے۔ اساتذہ نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور نئے لوگ سب جدیدیت زدہ ہیں، اُنھیں تو یوں بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اور کلاسکس کا نام لینا تو گویا کُند ذہن ہونے کا اعلان کرتا ہے؛ البتہ اب بورژوا ذہنیت والی گالی نہیں دی جاتی، جو پہلے تکیہ کلام بن گئی تھی۔ میں تو اِس کا ہدفِ خاص رہ چکا ہوں۔

ارے بھائی! آپ نے میرا خط کس عالم میں پڑھا تھا؟ بات تشدید کی نہیں، اضافت کی تھی۔ جب تنویر علوی ذہن میں گردش کر رہا ہو تو پھر ایسی ہی سوجھے گی۔ خیر، اب اُسے کالعدم سمجھیے۔ اب میں نے رائے قائم کر لی ہے کہ یہ مع اضافت مرجّح ہے۔ پہلے ایک خیال یہ ذہن میں آیا تھا کہ 'نظارہ' فاعل بھی تو ہو سکتا ہے، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ غیر مرجّح صورت ہو گی۔

آپ کے حافظے نے واقعی دھوکا دیا۔ مذہبِ عشق فارسی میں نہیں، اردو میں ہے۔ گل کرسٹ نے منشی نہال چند لاہوری سے اصل فارسی داستان (قصۂ گل بکاؤلی) کا اردو میں ترجمہ کرایا تھا۔ مذہبِ عشق اس کا تاریخی نام ہے۔ اس کے خطّی اور مطبوعہ نسخے بہ کثرت ملتے ہیں۔ اصل فارسی داستان اب تک نہیں چھپی۔ اس کے چھے خطّی نسخوں کا علم ہے (لندن، جرمنی، پٹنہ، کلکتہ)۔ میں

نے فارسی متن کو شامل کرلیا ہے۔ اِس طرح اب پہلی بار یہ چھپے گی (شاید اگلے مہینے تک)۔
مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
ٹی.سی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۵/دسمبر ۱۹۹۵ء
محبی!

گلزارِ نسیم ڈاک سے بھجوائی تھی، رسید اب تک نہیں ملی۔ مگر یہ خط اُس کے تقاضے کا نہیں، اِس کا تعلق میری غلط نگاری سے ہے۔ معلوم نہیں کس دُھن میں میں ص ۴۰۷ پر نسیم کو رشک کا استاد بھائی لکھ گیا ہوں، حالاں کہ رشک، ناسخ کے شاگرد تھے۔ ازراہِ لطف اپنے نسخے میں اِس کی تصحیح کرلیجیے اور نسیم کے استاد بھائی' کو قلم زد کردیجیے۔

اسی طرح ص ۴۰۵ کے حاشیے میں 'باپ اپنی بیٹی سے کہتا ہے' کی جگہ 'ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے' ہونا چاہیے۔

ہاں صاحب! آپ کی نظر میں کہیں امراؤ جان ادا کا پہلا اڈیشن بھی ہے؟ اگر آپ اِس سلسلے میں میری مدد کریں گے تو بہت ممنون ہوں گا۔ میں اُس کا متن مرتّب کرنا چاہتا ہوں۔ بار بار کی طباعتوں نے بعض مقامات کی صورتیں بدل دی ہیں۔ نیز متن سے متعلق بعض اشارات ضروری ہیں، یعنی وضاحتی اشارے۔ اِس سلسلے میں کچھ کیجیے۔ آپ کے شاگردوں کی تو کمی نہیں اور اِس سلسلے میں میرا اشمار غریب غربا میں ہے۔ اواخر جنوری میں مستقلاً شاہ جہان پور منتقل ہوجانے کا عزم کرلیا ہے۔ وہاں کا پتا یہ ہے:

رشید حسن خاں
167-BAROOAZI-II, SHAHJAHANPUR (U.P) Pin:242001

ازراہِ لطف اپنی ڈائری کے ساتھ ساتھ رسالے کے رجسٹر میں بھی اِس پتے کو درج کرادیجیے، تاکہ اس سے محروم نہ رہوں۔ شوق سے متعلق آپ کی بھیجی ہوئی کتاب بہ حفاظت رکھی ہوئی ہے۔ مقدمۂ مثنویات مکمل کرتے ہی اُسے رجسٹری سے بھیج دوں گا مگر اِس میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔
مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی
ٹی بی۔9، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۷
۱۵؍دسمبر 1995ء؁

مجی!

آپ کا خط مرقومہ ۵؍دسمبر مجھے آج ۱۵؍دسمبر کو ملا، ایں ہم غنیمت است، ورنہ بعض خط تو مہینا بھر کے بعد ملتے ہیں۔

میں نے ایک خط اور لکھا تھا، اُس کا حوالہ آپ کے اِس خط میں نہیں، اِس سے میں نے یہ خیال کیا کہ وہ ۱۵؍تک نہیں پہنچا تھا۔ شاید اب مل گیا ہو۔ بہ ہر طور اُس میں دو تصحیحات مندرج ہیں، از راہِ لطف اپنے نسخے میں اُنھیں بنا لیجیے گا۔

ہاں بھائی! میں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ''واجد علی شاہ کی تینوں مثنویاں ان کے دادا محمد علی شاہ کے عہدِ حکومت کی تصنیف ہیں'' میں لکھتا بھی کیسے، میں نے اُن مثنویوں کو دیکھا ہی نہیں۔ ص ۴۹۸ پر واجد علی شاہ کی مثنوی دریائے تعشق کا ایک شعر زیرِ بحث آیا ہے کہ اُس میں 'حَمل' ہے یا 'حُمل'۔ یہ مثنوی میرے پاس تھی نہیں، یہاں ملی بھی نہیں، یوں اِس کے لیے نیّر مسعود صاحب کو لکھا گیا اِس شعر کے متن کی مطابقت کے لیے۔ اُنھوں نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا تھا، اُسے میں نے نقل کر دیا ہے؛ مگر اُنھوں نے بھی تینوں مثنویوں کے متعلق یہ بات نہیں لکھی۔ صرف اِس مثنوی سے متعلق یہ لکھا ہے کہ ''واجد علی شاہ نے یہ مثنوی اپنے دادا....''۔ میری بحث اِس شعر کے متن سے تھی، اِس مثنوی سے یا اِس کے زمانۂ تصنیف سے نہیں۔ اگر کبھی ان مثنویوں سے متعلق کوئی کام کرنا پڑا، تب اِس بحث سے میرا سروکار ہوگا۔ میں نے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ 'دریائے تعشق' میں یہ شعر ہے یا نہیں، اور ہے تو اُس کا متن کیا ہے، اور بس۔ آپ ص ۴۹۹-۴۹۸ ایک بار پھر دیکھ لیجیے۔ آپ کی مثنوی کا تیسرا اڈیشن، جس کا آپ نے اس خط میں حوالہ دیا ہے، مجھے دیکھنے کو نہیں ملا۔ ملتا کیسے، آپ چاہتے تو دیکھتا۔ آپ نے نہیں چاہا، سو میں کیسے دیکھ لیتا۔ پھر یہ کہ واجد علی شاہ کی مثنویوں کے زمانۂ تصنیف سے میرا واسطہ ہی نہیں تھا، خود ان مثنویوں کی بحث نہیں تھی، صرف ایک شعر میں ایک لفظ کی تصدیق مطلوب تھی۔

'حلوائے سوہن' کی ترکیب ویسی ہی ہے جیسی محرمِ آب رواں اور سمتِ کاشی۔ اعلام میں اور ان الفاظ میں جن کا بدل موجود نہیں، اضافتِ فارسی کو اساتذہ نے جائز رکھا ہے۔

حلوہ سوہن کہیے یا حلوائے سوہن، دونوں درست، دونوں برحق اور صحیح۔ فارسی میں تو بردوشِ

کہاروں اور رضائیِ بوٹا دار جیسی ترکیبیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ اور اردو میں بھی امیر مینائی نے لبِ سڑک لکھا ہے اور بہ ذریعہ رجسٹری (وغیرہ) خیر، اس بحث کو چھوڑیے، کتاب آپ کو پسند آئی، اس سے جی خوش ہوا۔

ہاں، میں یہ لکھ چکا ہوں کہ اواخر جنوری میں شاہ جہان پور منتقل ہو جاؤں گا، وہاں کا پتا بھی لکھ دیا ہے۔ آپ نے اپنی نوٹ بک میں اُسے ضرور درج کر لیا ہوگا۔ ۱۶ر دسمبر کو لاہور جانا تھا، عین وقت پر معلوم ہوا کہ وہ سمینار ملتوی ہو گیا، یوں وہاں کا سفر بھی ملتوی۔ فاطمی آئیں تو اُن سے کہہ دیجیے گا۔ اُن کا خط آیا تھا۔ میں ۲۹ر دسمبر سے ۹ر جنوری تک بمبئی میں رہوں گا۔ غالب سمینار میں ملاقات ہو سکے تو خوب ہو۔ اس خط کی رسید سے سرفراز کیا جاؤں۔ مثنویاتِ شوق کی ترتیب کا کام فی الوقت رُکا ہوا ہے، اب شاہ جہان پور جا کر ہی اِسے کر سکوں گا۔

اپنی خیریت سے کبھی کبھار تو مطلع کرتے ہی رہا کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۱۲ر فروری ۱۹۹۶ء

حضورِ والا! حیاتِ شوق بہ ذریعہ رجسٹری واپس کر رہا ہوں، اس کے لیے بہ طورِ خاص آپ کا شکر گزار ہوں کہ یہ کتاب بر وقت مل گئی تھی۔

اب آپ سے میری دو درخواستیں ہیں۔ پہلی درخواست تو یہ ہے کہ مثنویوں پر جو آپ کی پُر مغز تصنیف ہے (نیا اڈیشن) چند روز کے لیے اگر آپ اُسے مرحمت فرمائیں گے تو یہ مجھ پر احسان ہوگا۔ اُس کے مندرجات سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ بہت احتیاط کے ساتھ اُسے بھی واپس کر دوں گا۔ یہاں وہ کتاب دستیاب نہیں۔

دوسری درخواست ذرا زحمت طلب ہے۔ کاشف الحقائق میرے پاس نہیں۔ اُس میں نواب صاحب نے شاید کچھ ایسی بات لکھی ہے کہ شوق کی مثنویاں فحش ہونے کی بنا پر مدّت سے ممنوع الاشاعت ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اِس کتاب کی اصل عبارت مل سکے۔ آپ کے پاس تو ضرور ہوگی۔ میں سدا کا بے برگ و نوا، بے سروساماں اور مانگ تانگ کے کام چلانے والا؛ میرے پاس وہ کتاب کیوں ہوتی۔ شاید یو. پی والوں نے چھاپی تھی دوسری بار۔ آپ کے پاس تو پہلا اڈیشن ہوگا جو معتبر ہے۔

اس خط کو سلام روشنائی سمجھیے اور جوابِ باصواب سے ارشاد فرمائیے۔ غالبؔ کی تقلید میں، اُنھی کی طرح روزے بھی رکھ رہا ہوں اور تراویح بھی پڑھ رہا ہوں اور یہ 'فحش' مثنویاں بھی مرتب کر رہا ہوں، اس کی داد دیجیے۔

رشید حسن خاں

اور ہاں، کیا اعمال نامہ ہے؟ اُس میں بھی شاید سیّد صاحب نے ممنوع الاشاعت ہونے کی بات لکھی ہے۔ آپ کا جی چاہے تو جی بھر کے تبرّا بھیج لیجیے اِس زحمت دہی پر، یہ مجھے گوارا ہوگا اگر آپ واقعتاً اِس زحمت کو گوارا کرلیں گے۔ ایسا مفت ثواب آسانی سے آپ کو نہیں مل سکے گا، اس لیے بھائی صاحب! میری مدد کر ہی ڈالیے۔

نیا پتا تو آپ کے پاس تھا، احتیاطاً پھر لکھ رہا ہوں:

رشید حسن خاں

167-BAROOZAI-II, Shahjahn pur-242001 (U.P.)

(۱۰)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۲۷ر نومبر ۱۹۹۶ء[۸]

مُحبِ مکرّم!

ابھی آپ کا خط ملا۔ سوداگر کا امام باڑا میں نے فسانۂ عجائب کے زمانے میں دیکھا تھا۔ رہی شوقؔ سے متعلق روایت، تو اِسے اہلِ لکھنؤ کی روایتی گپ سمجھیے۔ یہ میرا تجربہ ہے فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم اور مثنویاتِ شوق کے سلسلے میں ایسی بیش تر روایتیں گپ کے ذیل میں آتی ہیں۔ میں یہ بھی نہیں مانتا کہ یہ 'واقعہ' تھا۔ صیغۂ متکلّم (واحد یا جمع) محض طرزِ ادا اور اندازِ بیان کا حصہ ہے، اِس لیے میں سوداگر کے گھر اور شوقؔ کے گھر کے پھیر میں پڑا ہی نہیں۔

ہاں مثنویاتِ شوق زیرِ طبع ہے، یعنی پریس جا چکی ہے۔ شاید اگلے ماہ کے آخر تک آجائے۔ آپ کے پاس پہنچے گی۔ اب میں سحرالبیان کے پھیر میں پڑا ہوں۔ اُس کے خطّی نسخے (۱۲۲۰ھ تک کے صرف) جمع کر رہا ہوں۔ ۱۲۰۶ھ کا نسخہ مل گیا ہے، یعنی اُس کا عکس، باقی کی توقّع ہے۔ ۱۲۰۶ھ، یعنی مصنف کے انتقال کے سات برس بعد کا اور مثنوی کی تصنیف کے آٹھ برس بعد کا۔ بہ مشکل ہاتھ آیا ہے۔ آپ کے علم میں ایسا کوئی نسخہ ہے؟ ضروری مطبوعہ نسخے تقریباً سب میرے پاس ہیں بہ شمولِ نسخۂ فورٹ ولیم کالج: ۱۸۰۵ء۔

آپ کی محبت کا معترف ہوں اور کاوش کے لیے سپاس گزار۔ دسمبر کی ۴ر کو میں دہلی جاؤں گا

ایک میٹنگ میں، ۵؍دسمبر کو کتابیں روانہ ہو جائیں گی۔ زیادہ سے زیادہ ۶؍دسمبر کو۔ یہاں کتابیں میرے پاس نہیں، وہاں انجمن کے دفتر سے بھجوادوں گا۔ پیکنگ بھی باضابطہ ہو جائے گی۔ نام آپ ہی کا ہوگا، یعنی بھیجنے والے کا۔ مگر پتا؟ وہ تو انجمن کے دفتر کا ہوگا، الٰہ آباد کا پتا دہلی کا ڈاک خانہ شاید قبول نہ کرے۔ اگر قبول کرلے گا تو پھر نام کے ساتھ پتا بھی آپ کا ہوگا۔

ایک بار پھر شکریہ کہ آپ دکانِ بے رونق کے خریدار ہیں۔ اب یہ نایاب کی حد تک کم یاب ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۸؍دسمبر ۱۹۹۶ء

مُحبِّ مکرّم!

میرا خط مل چکا ہوگا، جو میں نے دہلی جانے سے پہلے لکھا تھا۔ کل واپسی ہوئی ہے۔ لیجیے صاحب! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی اور قلندری راستے میں نہیں آئی۔ تینوں کتابیں بہ ذریعۂ رجسٹری ہوائی ڈاک سے بھیج دی گئیں، آپ کی طرف سے، جیسی کہ آپ کی ہدایت تھی۔ -/470 کا جو بل آیا، اُسے آپ کے نام کے کھاتے میں لکھ لیا گیا، اُس کھاتے میں جس میں طویل المدّت ادائگی کے اندراجات ہوتے ہیں اور جس میں ایک سو دس فی صدی سود لگایا جاتا ہے، مولوی نذیر احمد کی یاد میں اور اُن کی تقلید میں۔ چوں کہ مولوی صاحب کے بعد طویل مدّت کا وقفہ آگیا ہے، اس لحاظ سے اُن کے زمانے کے لحاظ سے شرحِ سود میں بھی اضافہ ہوگیا ہے اور اب وہ -/۱۱۰ فی صد ہے۔ توقّع کی جاتی ہے کہ آپ کو اس شرحِ سود پر اعتراض نہیں ہوگا۔

اب ایک دوسری بات: سحرالبیان میں ایک جگہ ''اُسی کی بہشت'' ہے ایک بنیادی نسخے میں۔ کیا لفظِ 'بہشت' بہ تانیث کہیں اور بھی آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ آصفیہ میں میر کا ایک شعر تانیث کی سند میں لکھا ہوا ہے۔ اُس کے علاوہ اور کسی جگہ اِسے بہ تانیث نہیں دیکھا گیا، عموماً اساتذہ کے یہاں بہ تذکیر ملتا ہے (موجودہ استعمال سے بحث نہیں)۔

علی گڑھ میں سحرالبیان کا ۱۲۰۶ھ کا نسخہ ہے، یعنی قدیم ترین خطّی نسخہ۔ مصنف کی وفات کے صرف سات برس بعد کا۔ اُس کے حصول میں بہت مشقت کھینچی گئی؛ جب سامنے آیا تو نہایت معمولی نسخہ ثابت ہوا۔ کاتب کم سواد ہے۔ ساری خوشی کافور ہوگئی۔ خیر، یہ تو اِس کاروبار میں ہوتا ہی ہے۔ اب ۱۲۰۹ھ کا ایک خطّی نسخہ ملا ہے۔ اگلے ہفتے میرے پاس آجائے گا۔ شاید وہ کام کا نکل آئے۔ اب تک ۱۸۰۵ء کا نسخۂ فورٹ ولیم ہی سب سے بہتر ثابت ہوا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۳ر فروری ۱۹۹۷ء

مُحبِّ مکرّم!

کل کتاب مل گئی۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ موسم نے بُرا حال کر رکھا ہے۔ ۱۵ر فروری کو ایک ماہ کے لیے بمبئی جانا ہے، کتاب ساتھ لے جاؤں گا اور اطمینان کے ساتھ وہاں پڑھوں گا اور لطف اٹھاؤں گا۔ اُس وقت تک طبیعت بھی روبراہ ہو جائے گی اور نزلے زکام کی گرفت سے آزادی مل جائے گی۔

ایک بار پھر شکریہ

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

۸۰۴-بیچھ اپارٹ منٹ، ۷-بنگلوز

جے. پی. روڈ، اندھیری (ویسٹ) ممبئی 400061

۱۸ر مارچ ۱۹۹۷ء

مُحبِّ مکرّم!

پچھلے ایک ماہ سے یہاں ہوں اور بازیچۂ اسپتال بن کر رہ گیا ہوں۔ مختلفُ الاقسام ٹسٹ ہو رہے ہیں۔ کل فائنل پیشی ہوگی۔ فی الحال گلے کی گلٹیوں میں ٹیوبرکلوسس تجویز ہوا ہے اور T.B.۔ کل دواؤں کا احوال معلوم ہوگا۔

آج دہلی سے انجمن ترقی اردو کے حبیب خاں کا خط یہاں آیا ہے، لکھا ہے کہ قطر جن صاحب کے نام کتابوں کا پارسل بھیجا گیا تھا، وہ صاحب وہاں موجود نہیں۔ پارسل واپس آ گیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ میں یہاں ۲۷؍ مارچ تک رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور

۴؍ اپریل ۱۹۹۷ء

مُحبِّ مکرّم!

ڈیڑھ ماہ کے بعد اب بمبئی سے واپس آیا ہوں۔ بہ غرضِ علاج وہاں گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا تختۂ مشق بنا رہا۔ گلے میں ایک گلٹی ہے، ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اِس میں کینسر کے اجزا ہیں۔ بہت سے ٹسٹ کیے گئے، آخر میں معلوم ہوا کہ ٹیوبرکلوسس کا مواد ہے، کینسر کا نہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اِس نجات اور اِس دریافت پر خوش ہوں یا بیزار۔ علاج شروع ہوگیا ہے۔ چھے ماہ کا کورس بتایا گیا ہے۔ سارا دن دوائیں کھاتے گزر جاتا ہے۔ لکھنا پڑھنا سب چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔

بمبئی سے ایک خط میں نے لکھا تھا۔ وہاں دہلی سے مطلع کیا گیا تھا کہ قطر والی کتابوں کا پیکٹ واپس آگیا، اِس نوٹ کے ساتھ کہ اِس نام (سیّد شمیم حیدر) کے کوئی صاحب وہاں موجود نہیں؛ اِس کی اطلاع آپ کو دی تھی۔

ہاں صاحب! مابعد جدیدیت مبارک ہو! کہیں پڑھا تھا کہ لہو لگا کے شہیدوں میں شامل ہونے پر بھی ثواب مل جاتا ہے۔ حبِّ علی اور بغضِ معاویہ؛ اِن دونوں ٹکڑوں کا مفہوم اب کھلا۔ یہ بُڑھاپے میں آپ کو کیا سوجھی تھی؟ 'بڑھاپے' کا بُرا نہ مانیے، اب آپ سے (اور مجھ سے بہ درجۂ اوّل، یعنی بہ درجۂ اولا) عشق کون کرے گا۔ اِسی کا نام بُڑھاپا ہے۔ ہاں فراق صاحب والی قسمت کسی کو ملی ہو تو اور بات ہے۔

ارے بھائی! فراق صاحب کا انٹرویو پڑھا؟ میرا مطلب ہے اُس کا شروع کا حصّہ، یعنی پہلے سوال کا جواب۔ میں تو پڑھ کر حیران رہ گیا۔ اِس میں بیزاری بھری ہوئی تھی!

فاطمی کیسے ہیں، خدا کرے آپ مع متعلّقین بہ عافیت ہوں اور ہاں، سحرالبیان طبعِ اول (فورٹ ولیم کالج کلکتہ) کہیں آپ کی نظر میں ہے؟ یہ نسخہ میرے پاس ہے، مگر سرورق سے محروم ہے۔ اِس کے دو اور نسخے میرے علم میں ہیں: علی گڑھ، پٹنہ؛ دونوں میں سرورق نہیں۔ ایک نسخہ کراچی میں ہے، اُس کے لیے کل خط لکھا ہے۔

اِس خط کی رسید سے ازراہِ لطف مطلع کیجیے۔ آج کل لکھنا پڑھنا سب بند ہے، بس خطوں پر

گزارا ہے؛ یا پھر دواؤں پر، کہ دن میں آٹھ خوراکیں مقرر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سارا دن دوا کھاتے گزر جاتا ہے، بچے ہوئے وقت میں دوا کھانے کا غم کھاتا رہتا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۱۶راپریل ۱۹۹۸ء

مُحبِّ مکرّم!

خط ملا۔ مبارک باد کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کا شمار اپنے مخلصین میں کرتا ہوں اور اپنا غمگسار سمجھتا ہوں؛ آپ خوش نہ ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا۔

کچھ تو ہوتے ہیں ...... یہ شعر میرے پاس کہیں یادداشت میں لکھا ہوا ہے، اِس وقت تو وہ کاغذ نہیں ملا، لیکن میں پھر تلاش کروں گا اور ملتے ہی آپ کو مطلع کروں گا۔ دوسرے شعر کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

بیگم صاحبہ کا احوال حنیف نقوی کے خط سے معلوم ہوگیا تھا۔ اب آپ کے خط سے اُس کی تصدیق ہوئی۔ میں آپ کی پریشانی کا خوب اندازہ کرسکتا ہوں۔ خدا کرے وہ جلد تر صحت یاب ہوں۔ مثنویاتِ شوق شاید دس پندرہ دن میں پریس سے آجائے گی اور آپ کے پاس پہنچے گی، فی الوقت سحرالبیان کی تدوین میں مصروف ہوں۔ ڈیڑھ سال اُس پر لگ چکا ہے اور ابھی سال بھر کا کام اور ہے۔ الٰہ آباد نہیں آسکا، فاطمی نے بلایا تھا۔ اس طرح ملاقات کا ایک اچھا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ صحت میری بس یوں ہی سی ہے۔ اصل میں اب ہم سب اپنے اپنے عظیم آباد میں ساون کے منتظر بیٹھے ہیں؛ مگر قلم کا کام چلنا ہے اور وہ چل رہا ہے۔ یہی ہم لوگوں کا واحد سہارا ہے اور مرکزِ توجہ۔ آپ کی صحت اور طمانیت کا متمنی ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۲۸رجون ۱۹۹۹ء

مُحبِّ مکرّم! آداب

خط ملا تھا، انتظار کرتا رہا ہماری زبان میں اُس تحریر کے شائع ہونے کا، کہ دونوں کا شکریہ

ایک ساتھ ادا کروں؛ مگر وہ تحریر تو دختِ افراسیاب ہوگئی، یوں آپ کے خط کی رسید بھیج رہا ہوں۔

ہاں صاحب! اب کتابوں کو پڑھنے والے اتنے کم رہ گئے ہیں کہ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کتاب پڑھی تو جی خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ کا خط پاکر بہت مسرّت ہوئی۔ آدمی اتفاق کرے یا اختلاف، کتاب تو پڑھے۔ اور اساتذۂ کرام نے تو اب پڑھنا گویا چھوڑ ہی دیا ہے، اِس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ بہ ہر طور شکر گزار ہوں۔ دیکھیے، وہ تحریر کب سامنے آتی ہے۔

میں ٹھیک ہوں اور آپ کی صحت و عافیت کا خواہاں، آج کل سحرالبیان میں یعنی اُس کی کتابت کی تصحیح میں الجھا ہوا ہوں۔ جب بھی چھپی، کتاب آپ کے پاس پہنچے گی۔

شاعری کے مجموعے کا اشتہار دیکھ لیا۔ یہی ایک کمی تھی، سو اب وہ بھی پوری ہوگئی۔ مبارک ہو۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۲۶ر ستمبر ۱۹۹۹ء

مُحبِّ مکرّم!

دیکھیے صاحب! اِس خط کی حیثیت سلام روشنائی کی ہے۔ پرسوں ایک خط آیا، اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ: ''الٰہ آباد میں عقیل صاحب کا دل ٹھگنے والیوں سے معاشقہ رہا ہے، اُن سے ٹھگوں کے بارے میں ضرور دریافت کیجیے'' (نقل مطابقِ اصل مع بیانِ حلفی)۔ سلسلۂ سخن یہ تھا کہ الٰہ آباد کے ایک صاحب تھے: علی اکبر الٰہ آبادی۔ انھوں نے ۱۸۳۶ء میں ایک کتاب لکھی مصطلحاتِ ٹھگی۔ مجھے کسی نے یہ بتایا تھا کہ یہ اُسی زمانے میں چھپی تھی، مگر میں نے نہیں دیکھی۔ میں اِسے مرتّب کرنا چاہتا ہوں۔ حیدرآباد میں ۱۹۶۹ء میں آصفیہ میں میں نے اس کا خطّی نسخہ دیکھا تھا، جواب وہاں سے غائب ہو چکا ہے (یہ بات پچھلے ہفتے معلوم ہوئی)۔ خیر، اس کے دو خطّی نسخے اور بھی ہیں جن میں سے ایک انڈیا آفس میں ہے۔ تو صاحب کیا اس اشاعتِ اوّل کو آپ نے کبھی یا کہیں دیکھا ہے؟ آپ چوں کہ (لکھاڑ کے وزن پر) پڑھاڑ ہیں، یوں پوچھ رہا ہوں۔ اور کس سے پوچھوں؟ بیش تر لوگوں نے اب پڑھنا چھوڑ دیا ہے، ہاں کان پر قلم رکھے رہتے ہیں۔

اور ہاں، معروف انگریزی ناول 'ایک ٹھگ کے اعتراضات' (یہ ترجمہ میں نے کرلیا ہے انگریزی لفظ کا ہے) کے دو اردو ترجمے چھپے تھے 'امیر علی ٹھگ' کے نام سے۔ یہ حیدرآباد میں ہے ایک جگہ شاید وہاں سے اس کا عکس مکمل بن کر آجائے، کہا تو ہے اُن صاحب نے۔ کیا یہ کتاب

الٰہ آباد میں کہیں ہے؟

ہاں صاحب! دل ٹھگنے والیوں کا ذکرِ خیر پڑھنا چاہتا تھا، آپ نے گئو دھول میں تو ضرور لکھا ہوگا۔ اگر کبھی دہلی جانا ہوا کسی کام سے، تو وہاں کسی لائبریری میں اِس کتاب کو تلاش کروں گا اور ضرور پڑھوں گا۔

سحرالبیان کے ۵۵۰ صفحوں کی کتابت ہو چکی ہے، ستر اسّی صفحے اور باقی ہیں۔ چھپتے ہی کتاب آپ کے پاس پہنچے گی۔ آج کل جعفر زٹلی کے کلام کے خطّی نسخوں کے عکس جمع کر رہا ہوں۔ دو عکس پرسوں انڈیا آفس سے ایک صاحب نے بھیجے ہیں اور کناڈا سے بیدار بخت صاحب نے ایک اچھے خطّی نسخے کا عکس بھیجا ہے۔ ایک خطّی نسخہ جرمنی کے ذخیرۂ اشپرنگر میں ہے۔ اس کے لیے مشفق خواجہ کو لکھا ہے، انھوں نے منگوا دینے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ وہ آجائے تو پھر آپ سے پوچھوں گا الٰہ آباد میں کوئی نسخہ ہے؟ خطّی نسخہ۔ ذرا ذہن میں رکھیے گا۔ اِسے 'بلفظہٖ' چھاپنا ہے۔ بُرا تو سنتا ہی رہتا ہوں، اُس میں کچھ اضافہ ہی سہی۔

جوابِ خط کے لیے چشم براہ رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۳۱ر دسمبر ۲۰۰۰ء

مُحبِّ مکرّم!

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ املاے غالب کی ایک جلد بھجوائی تھی، اُس کی رسید نہیں ملی۔ اِس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ کتاب آپ تک نہیں پہنچی۔ اگر نہ پہنچی ہوں تو مطلع کیجیے ناشر کو تاکید کی جائے کہ وہ ایک جلد فوری طور پر بھیجے۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۱۵ر نومبر ۲۰۰۲ء

مُحبِّ مکرّم!

دنوں سے حال احوال معلوم نہیں! توقّع کرتا ہوں کہ بہ عافیت ہوں گے۔ لیجیے الٰہ آبادی

بزرگ کی کتاب آگئی، آپ کو نہ بھیجوں تو اور کس کو بھیجوں۔ اب اِس عمر میں کچھ معلومات اِس 'فن شریف' کی بھی سہی۔ صلاے خاص ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔ رسید سے نوازیے۔ نیا سفر کا پچھلا شمارہ نہیں ملا، کیا فاطمی کچھ خفا ہیں؟ یا اب 'بورژوا' کو اچھا رسالہ بھیجنا ممنوع ہوگیا ہے۔

رشید حسن خاں

ہاں صاحب! فون نمبر اپنا ضرور لکھ بھیجیے۔ کبھی کبھی بے اختیار جی چاہتا ہے کہ آواز کانوں تک پہنچے اور میں یہ محسوس کرلوں کہ صورت دیکھ رہا ہوں۔ ایک زحمت گوارا فرمایئے۔ ایک جلد مجاور صاحب کے یہاں بھجوا دیجیے، ممنون ہوں گا۔

رسید کا انتظار کروں گا۔

(۲۰)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

۲۲- باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور[۱۲]

۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء

مُحبِ مکرّم!

مفصّل خط ملا تھا، بے حد شکر گزار ہوں۔ رسیدِ خط میں کئی دن کی تاخیر ہوئی کہ میری صحت ٹھیک نہیں۔ ۲۰ر دسمبر کو دہلی جانا تھا غالب سمینار میں، ڈاکٹر نے سفر کرنے کی سختی سے ممانعت نافذ کردی۔ اُس کا کہنا ہے کہ ضرباتِ قلب غیر مرتب ہیں (اِررِگولر)۔ پیس میکر لگوانے کی ہدایت کی ہے؛ مگر میں کہاں اور یہ وبال کہاں! جب تک کی زندگی ہے، جی لیں گے؛ پھر وہی ہوگا جو قانونِ قدرت ہے۔

بھائی! میں نے اِدھر بہت دیکھ بھال کی۔ آخر میں یہی معلوم ہوا کہ یہ منت عموماً عورتیں مانا کرتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ کھڑا دَونا (مشکل کشا کا کھڑا دونا) اور کھڑی نیاز، ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جس فرق کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے (نیاز-فاتحہ) یہ بعد کا اضافہ ہے، دورِ اوّل میں، یعنی عہدِ سرور تک یہ فرق نہیں تھا۔ اور یہ کہ یہ منت مولا مشکل کشا کے نام کی ہوتی تھی، حضرت فاطمہؓ کے نام کی نہیں۔ نیاز بروزن فاع اور نیاز بروزنِ فعول میں کچھ قباحت نہیں۔ پیار، پیاز، پیاس جیسے لفظوں میں یاے مخلوط بھی ملتی ہے اور یاے مظہرہ بھی۔

فسانۂ عجائب میں اِس کا ذکر دو جگہ آیا ہے: ص ۱۲۹ پر اور ص ۲۴۸ پر۔ دونوں جگہ منت ماننے والی عورتیں ہیں۔ ص ۲۴۸: ''تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دوں گی''۔ نوراللغات میں واضح طور پر اِسے ''حضرت علیؑ کی نیاز'' لکھا گیا ہے اور یہ بجاے خود درست ہے۔ یہ نیاز فوراً دی جاتی ہے، اسی لیے کھڑا دونا کہلاتی ہے، یعنی منت پوری ہوتے ہی دونے میں شیرینی فی الفور آئی اور فوراً نیاز

دی گئی۔ (ہاتھوں ہاتھ کے کام کو، فوری طور پر کام کرنے کو 'کھڑا کھیل' کہا جاتا ہے)۔

اردو لغت کی پندرھویں جلد میں ''کھڑا دونا'' کے تحت لکھا گیا ہے:

''مٹیار دونا، بازار سے منگوائی ہوئی شیرینی، مراد: ہاتھ کے ہاتھ، فوراً کے فوراً نیاز دلوانا:

کسی نے مشکل کشا کا کھڑا دونا مانا تھا، کسی نے بی بی کی پڑیاں مانی تھیں (جادۂ تسخیر)۔

بیگم صاحبہ صندوقچہ کھول کر بولیں: لو یہ ڈھائی روپے کی پنچ میل مٹھائی منگا کر کھڑا دونا دو ('آبلہ دل کا')۔

کھڑا دونا دوں گی: فقرہ۔ عورتیں؛ یعنی منت مانتی ہوں کہ مراد پوری ہونے پر فوراً نیاز دلواؤں گی۔ نیازِ مشکل کشا دست بدست خواہم داد (دریائے لطافت)'' (جلد پانزدہم، ص ۶۶۴)۔

آخری مثالیہ عبارت سیّد انشا کی دریائے لطافت کی ہے اور اِس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ اور نیاز کا فرق (اگر ہے اور جو بھی ہے) وہ بعد کی چیز ہے۔ اور یہ کہ ''کھڑا دونا'' کی نیاز کا تعلق صرف حضرت علیؓ سے ہے، حضرت فاطمہؓ سے نہیں۔ اور یہ اضافے کہ کھڑے کھڑے نیاز دی جائے یا کھڑے کھڑے اُس شیرینی کو کھایا جائے، یہ سب بعد کے خیالی اضافے ہیں۔

اسی لغت (اردو لغت) میں اسی ذیل میں مثالاً رنگین کا یہ شعر بھی درج کیا گیا ہے:

شرطی اُڑاؤں پڑیاں اور دوں کھڑا میں دونا
گر اب کے مجھ سے مل جائے پیر میری باجی

''کھڑی نیاز دلانا/ دینا: مراد پوری ہونے پر فوراً نیاز دینا، کھڑا دونا دینا (علمی اردو لغت، نور اللغات، جامع اللغات)'' (ایضاً ص ۶۷۶۔

مختصر یہ کہ جس قدر شیعہ/سنّی مآخذ ملتے ہیں، اُن سب کے اندراجات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ (۱) کھڑا دونا/ کھڑی نیاز مرادف الفاظ ہیں، ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (۲) یہ منت حضرت علیؓ کے نام کی ہوتی ہے (بی بی فاطمہ کے نام کی نہیں)۔ (۳) اور یہ کہ منت پوری ہوتے ہی یہ نیاز دی جاتی ہے (کہ بازار سے فوری طور پر شیرینی دونے میں منگائی گئی اور نیاز دی گئی)۔

باقی جس قدر اضافے ہیں، وہ بعد والوں کی خیال آرائیاں ہیں، جن کا تعلق بعد کے حالات سے ہے، اصل نیاز سے نہیں۔ ''کھڑا دونا'' اور ''کھڑی نیاز'' کا اندراج کرنا ہے مجھے اپنی 'کلاسکی ادب کی فرہنگ' کی تیسری جلد میں، (پہلی جلد چھپنے ہی والی ہے، صفحات: ۷۰۰)۔ یوں یہ چاہا کہ ہر طرف سے معلومات حاصل کرلوں، مجھے غلطی نہ ہو جائے۔ یہ خاصے نازک معاملات ہوتے ہیں، آپ تو جانتے ہیں۔ کلیاتِ جعفر کب چھپے گی، معلوم نہیں۔ میں ۲۰ ردسمبر کو دہلی جانے والا تھا۔

سمینار میں، ڈاکٹر نے سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی، اگر جاتا تو خلیق صاحب سے بات کرتا۔ اب تو مردے از نجیب کا انتظار کرنا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ طبیعت میری ٹھیک نہیں رہتی۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ کی تینوں جلدیں مکمل ہو جائیں تو بڑا کام ہو۔

رشید حسن خاں

میرے (یعنی سبھی کے) فون نمبر 2 کا اضافہ ہوگیا ہے۔ اب وہ نمبر یوں ہے: 227804۔

(۲۱)

بنام: پروفیسر سیّد محمد عقیل رضوی

شاہ جہان پور

۱۱ ر ستمبر ۲۰۰۳ء[۱۳]

مُحبِ مکرّم!

کل آپ کا خط ملا۔ دنوں کے بعد یہ ملاقات ہوئی۔ پہلے استفسار کا جواب:

(۱) وہ شعر مغل شاہ زادے جہاں دار شاہ کا ہے (جواں بخت جہاں دار شاہ، ابنِ شاہ عالم)۔ صحیح متن یہ ہے:

آخر گِل اپنی صرفِ درِ مے کدہ ہوئی   پہنچے وہاں ہی خاک، جہاں کا خمیر ہو

یہ شعر گلشنِ بے خار اور تذکرۂ کریم الدین میں موجود ہے۔ جہاں دار شاہ کا دیوان ڈاکٹر وحید قریشی نے مرتّب کیا تھا، جسے مجلس ترقیِ ادب لاہور نے چھاپا تھا (جنوری ۱۹۶۶ء) اُس میں بھی موجود ہے۔

(۲) میر کی مثنوی کے جو شعر آپ نے لکھے ہیں، وہ اُن کی معروف مثنوی 'تسنگ نامہ' سے متعلق ہیں۔ کلّیاتِ میر مرتّبہٗ آسی میں اور کلّیات مرتّبہٗ کلبِ علی خاں فائق میں متعلقہ مصرع یوں ہے:

بس تم اِس بستی میں میاجی رہے

اور یہی صحیح صورت ہے۔ فائق نے 'تسنگ نامہ' کے تحت لکھا ہے:

"نسخۂ آسی میں 'نسنگ' اور طبعِ دوم وسوم نول کشور میں 'تسنگ' ہے، جو صحیح ہے۔ یہ موضع ضلع میرٹھ میں ہے اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی جائے پیدائش لاوڑ سے دس میل کے فاصلے پر ہے۔ ...... میر نے اپنی محبوبہ کے ساتھ تسنگ (ضلع میرٹھ) کا سفر ۱۱۸۶ھ کے لگ بھگ کیا تھا"۔

'تسنگ' کا 'تسنگ' بن جانا معمولی بات ہے۔

آپ نے میرا حال پوچھا ہے، وہ مصرع یاد آگیا: اب بھی پوچھا تو مہربانی کی۔ میرا حال ٹھیک نہیں رہتا۔ ڈاکٹر نے سختی کے ساتھ چلنے سے منع کر دیا ہے، قلب کی رفتار اچانک بگڑ جایا کرتی ہے۔ پیس میکر کے لیے کہا ہے، مگر وہی بات: درم و دام اپنے پاس کہاں۔ پھر یہ کہ یہ بھی کہا ہے کہ اِس میں کچھ 'رِسک' بھی ہے، تو پھر یوں ہی ٹھیک ہے، جب تک چل سکے۔ بایاں گھٹنا بے کار ہو گیا ہے، دونوں پیروں میں گٹوں تک ورم آگیا ہے، پیشاب کی بڑھاپے والی شکایت مزید برآں، دل کا مریض ہوں یوں ڈاکٹر آپریشن کرنے میں تامّل کرتے ہیں۔ دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔

ہاں سخت جانی حقِ رفاقت ادا کر رہی ہے پوری طرح، یوں ہاتھ کو بھی جنبش ہے اور قلم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوسکی۔ مسلسل کام تو نہیں کر سکتا، بس یہ ہے کہ گھنٹا بھر کرسی پر بیٹھا، پھر آدھے پون گھنٹے کے لیے بستر پر دراز ہوگیا؛ دن بھر یہی مشق ہوتی رہتی ہے۔ جب تک بس چل سکے، ساغر چلے۔

جعفر زٹلی کا کلیات مرتب ہوگیا، کمپوزنگ بھی مکمل ہوگئی، شاید دو چار مہینے میں چھپ جائے۔ آپ کے پاس لازماً پہنچے گا۔ مصطلحاتِ ٹھگی تو میں نے آپ کو بھیجی تھی۔ بس ایک شرمندگی ہے متعدد احباب سے اور آپ سے بھی، کلاسکی ادب کی فرہنگ نہیں بھیج سکا، کیسے بھیجتا، کتاب میرے پاس آئی ہی نہیں۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات ہے۔ اس کی تین جلدیں ہوں گی۔ پہلی جلد چھپی ہے۔ دو جلدوں کا کام ہونا ہے ابھی۔ میری اِس بیماری نے کام کو روک دیا ہے، چاہتا ہوں کہ کسی طرح ان کو مکمل کرلوں۔

لفظیاتِ غالب کا کام ہو رہا ہے۔ تقریباً سترہ ہزار کارڈ بنا چکا ہوں۔ کلیاتِ نظم اردو میں مستعمل جملہ الفاظ کا گوشوارہ بنے گا، مع امثلہ۔ مقصد یہ ہے کہ تنقید کے نقطۂ نظر سے اس کا تجزیہ کیا جاسکے کہ کن لفظوں کو مرزا صاحب نے کن کن جہتوں سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً اُن کے کلیدی الفاظ میں 'آئینہ' (آئنہ) بھی ہے، بہ یک نظر یہ بات سامنے آسکے کہ اُن کے یہاں یہ لفظ کتنی جگہ آیا ہے اور کن معنوی انسلاکات کے ساتھ آیا ہے۔ ہر اندراج کے ساتھ مثال کا شعر بھی ہے، تاکہ دیوان نہ دیکھنا پڑے (نسخۂ عرشی اب ملتا بھی کہاں ہے)۔ میرا خیال ہے کہ یہ کام اردو میں (اور میری معلومات کی حد تک ہندستان کی کسی بھی زبان میں) پہلی بار ہو رہا ہے۔ خیال یہ ہے کہ سال بھر میں مکمل ہو جائے گا۔ ہاں صاحب! تنقیدی نقطۂ نظر سے یہ کسی کام آئے گا؟ اِس کے بعد نظیر اور پھر انیس کے کلام کا اشاریہ بنانا چاہتا ہوں۔ اور کل کی خبر نہیں! ـــــ

آپ[۱۱] کا خط آیا تو جی بہت خوش ہوا کہ ابھی پُرسانِ حال موجود ہیں۔ خدا (اگر وہ کہیں ہے) آپ کو خوش رکھے، اگرچہ اُس نے آج کل حرام زادگانِ ادب کو خوش رکھنے کا دس سالہ پلان بنالیا ہے۔ خیر، یہی سہی۔ بھائی! آپ کا فون نمبر کہیں گم ہوگیا۔ اب جب بھی خط لکھیں تو فون نمبر ضرور

لکھیے گا۔ آواز سنوں گا تو سمجھوں گا کہ آپ کو دیکھ لیا۔ والسلام

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Dr. Aqeel Rizvi, Mohmood Manzil, Dariyabad, Allahabad (UP)

۲ مقام اوپر، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳ پتا: Dr. Aqeel Rizvi, Mohmood Manzil, Dariyabad, Allahabad (UP) Pin: 211003

مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے اور دہلی سے لکھا گیا۔ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

۴ مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے پتے دونوں خط کی پشت پر درج ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ پشت پر ڈاک خانے کی مہر ۶/اپریل ۱۹۹۵ء کی ثبت ہے۔

۵ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ اِس خط میں اواخرِ جنوری شاہ جہان پور منتقل ہونے کا ذکر ہے۔

۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۷ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہے۔

۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۹ مقام و تاریخ مکتوب کے سرنامے پر درج ہے۔

۱۰ مقام و تاریخ اوپر درجہ ہے۔

۱۱ خط کی پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ دونوں حضرات کے پتے خط کی پشت پر درج ہیں۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ الٰہ آباد کے ڈاک خانے کی مہر ۱۹/دسمبر کی ثبت ہے۔

۱۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط اِن لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر دو مہریں ہیں الٰہ آباد کی مہر ۱۵/ستمبر ۲۰۰۳ء کی ہے۔

۱۴ پروفیسر سید محمد عقیل رضوی، محمود منزل دریاباد، الٰہ آباد (یوپی)، پن نمبر: ۲۲۱۰۰۳

★★★

بنام محمود انصاری

شاہ جہان پور
۱۶ردسمبر۲۰۰۲ء

محمود صاحب!

آپ اب کیسے ہیں؟ پیٹھ کی تکلیف کا احوال کیا ہے؟ خدا کرے اب آپ پہلے سے بہتر ہوں۔

اوراق واپس کر رہا ہوں۔ آپ سے معذرت طلب ہوں کہ نشاناتِ تصحیح کچھ زیادہ بن گئے ہیں۔ مگر بیش تر اِس، اُس، تشدید اور اضافت کے زیر کے ہیں۔ البتہ ایک بات یہ کہنا ہے کہ یہ، شہ، مہ (ماہ کا مخفف) ایسے لفظ جن کے آخر میں ہائے ملفوظ ہوتی ہے، اُس ہ کے نیچے شوشہ لازماً لگے گا: یہٖ، مہٖ، شہٖ۔ اِسی طرح کہنا کا امرِ حاضر 'کہٖ' ہوگا۔ اِسے 'کہہ' لکھا جائے، تو ایک ہ کی جگہ دو ہ آجائیں گی، جب کہ یہ لفظ دو حرفی ہے (ک۔ہ)۔ 'یہٖ' وغیرہ کے نیچے لٹکن کے لیے کاما کے نشان کو بہ خوبی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

دو باتیں بہت ضروری ہیں: (۱) ص۲۲ پر ''زٹل نامہ'' سے پہلے ''حالاتِ زندگی'' کا حصہ آئے گا۔ اِسے شامل کرنا آپ بھول گئے ہیں۔ اصل مسوّدے میں یہ ص۲۰ سے ص۲۴ تک ہے۔ اِسے شامل کر لیجیے اور اِن صفحات کو دوسرے صفحات کے ساتھ تصحیح کے لیے بھیج دیجیے گا۔

(۲) میری بدحواسی نے بعض لفظوں کے معانی کو شامل نہیں ہونے دیا۔ آپ کی وہ بھول اور میری یہ بدحواسی، دونوں مل کر برابر ہوگئیں۔

ایسے چار یا پانچ مقامات ہیں — اِنھیں درست کر دیجیے گا — اِس زحمت کے لیے بہت سی دعائیں دوں گا کہ دنیا میں ملیں نہ ملیں، جنّت میں آپ کو بہت سی حوریں ملیں (اگر وہاں ''جنت'' واقعتاً کہیں ہے! علما کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ محض استعاراتی اندازِ بیان ہے)۔ حوریں بالفرض ملیں گی تو غلمان بھی ملیں گے، اُن کو دوسرے اربابِ ذوق کو دے دیجیے گا، ضرور۔

اب آپ کے نئے پیکٹ کے لیے چشم براہ ہوں۔ ہاں، ''حالاتِ زندگی'' کا حصہ شامل کرنے سے صفحات کے نمبر سب بدل جائیں گے (یعنی وہاں سے لے کر آخر تک) یہ کام پہلے ہوجائے، تاکہ میں صفحات نمبر کے حوالے سے فرہنگ بنا سکوں۔

رشید حسن خاں

بنام مختارالدین احمد آرزو، پروفیسر

(۱)

C-11/11، ماڈل ٹاؤن
دہلی-9
۲۴؍نومبر ۱۹۶۵ء[1]

مکرّم بندہ! سلام مسنون

یاددہانی کا خط حاضر ہے۔ حسبِ ذیل امور آپ کی توجہ کے محتاج ہیں:

(۱) باغ و بہار کے جو مطبوعہ نسخے آپ کے پاس ہیں، وہ مرحمت فرمایئے۔[2] جلد از جلد اِن سے متن کا تقابل کر کے واپس کر دوں گا۔

(۲) ایشیاٹک سوسائٹی اور مولانا آزاد[3] کالج کلکتہ کے کتب خانوں میں کیا باغ و بہار کا کوئی[4] مخطوطہ ہے؟ آپ نے فرمایا تھا کہ آپ اِس سلسلے میں کسی صاحب کو خط لکھیں گے۔ یہ کام آپ کی توجہ کے بغیر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ[5] میں کلکتے میں کسی سے واقف نہیں، نہ وہاں جانے کی سکت۔

(۳) چہار درویش فارسی کے مطبوعہ و قلمی نسخوں سے متعلق معلومات۔

دونوں کتابیں بھی خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ اور اِس سلسلے میں بھی ایک زحمت دینا چاہتا ہوں: یہ مکتبہ جامعہ کا سلسلہ ہے۔ یہ چاہتا ہوں کہ مکتبے کے ماہنامے کتاب نما میں ''اہلِ نظر کی نظر میں'' کے عنوان سے اربابِ علم و خبر کی آرا پیش کروں۔ میں بہ طور خاص درخواست کروں گا کہ آپ ان کتابوں سے متعلق اپنی مفصل رائے سے مطلع فرمایئے تاکہ اِس کو میں اِس عنوان کے ذیل میں پیش کرسکوں۔ اِس عنوان کے ذیل میں صرف ۴، ۵ افراد کی رائیں ہوں گی۔ ظہیر صدیقی صاحب آرہے ہیں اگر وہ نسخے آپ اِن کو دے دیں تو مجھ تک بہ حفاظت پہنچ جائیں گے۔ آپ کے خط کا منتظر اور نگاہِ التفات کا بھی۔

نیاز مند
رشید حسن[6]

یہ خط اور کتابیں زیدی صاحب کے ہاتھ ارسال ہیں۔ اگر ہوسکے تو باغ و بہار کے وہ نسخے آپ زیدی صاحب کو عطا کر دیجیے۔ یہ کتابیں اہتمام و حفاظت سے مجھ تک پہنچیں گی۔ اور اِس طرح جلد اِن سے فرصت ہوجائے گی۔

رشید حسن

(۲)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو
C-11/11، ماڈل ٹاؤن، دہلی-۹
۲۴ر دسمبر ۱۹۶۵ء

محبِ مکرم! سلام مسنون

باغ و بہار[8] کا نسخہ کامل قریشی صاحب کے توسط سے موصول ہوا۔ منت پذیر ہوں۔ یہ صرف پہلے درویش کی سیر پر مشتمل ہے اور ناقص الآخر۔ نیز سرورق بھی موجود نہیں۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوپاتا کہ یہ کس کا مرتب ...... بہ ہر حال کام ......اور بحفاظت واپس کیا جائے گا۔ البتہ ذرا تاخیر سے۔ مطمئن رہیے۔

فرہنگ کے جو صفحات اس کے ساتھ تھے، وہ دراصل فوربس کے مرتبہ نسخہ باغ و بہار کی فرہنگ سے متعلق ہیں۔ یہ اڈیشن میں دیکھ چکا ہوں اور اس کا ایک نسخہ انجمن کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

آپ کے لطفِ خاص کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیازمند
رشید حسن

(۳)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۲۱/اپریل ۱۹۸۰ء

محبِ مکرم!

آپ کا خط موصول ہوا تھا۔ اُن دنوں میں یہاں تھا نہیں، ایک پریشانی میں مبتلا ہو کر شاہ جہان پور گیا تھا اور وہاں دس بارہ دن رُکنا پڑا۔ اس کے بعد میں سخت بیمار ہو گیا، تیز بخار اور اُس کے متعلقات۔ بیزاری کا عجیب عالم رہا۔ اِن وجوہ سے جواب میں تاخیر اور بہت تاخیر ہوئی، اس کے لیے معذرت طلب ہوں اور آپ کے حُسنِ اخلاق سے متوقع ہوں کہ در خورِ عفو قرار دیا جاؤں گا۔

تنویر علوی صاحب کے یہاں ایک دن آپ کا مرتبہ دیوان دیکھا تھا۔ بلا مبالغہ عرض کروں کہ میں اندازِ ترتیب سے متاثر ہوا اور بہت زیادہ۔ آپ نے بالکل نیا اور نہایت درجہ مفید انداز

اختیار کیا ہے۔ اس کی افادیت کا دائرہ زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ اچھے کام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اُس کی تعریف کی جائے اور میں اپنے آپ کو اُس کی تعریف پر مجبور پاتا ہوں۔ اِس مفید اور اچھے کام پر میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔

شعبے میں آج کل فسانۂ عجائب کے متن کی تصحیح میں اُلجھا ہوا ہوں۔ عبارت کے کاواک پن نے بہت سی اُلجھنیں پیدا کر دی ہیں۔ چوں کہ اعراب نگاری اور توقیف نگاری کا بھی التزام کیا گیا ہے، اِس لیے اُلجھنیں بڑھ گئی ہیں۔ ابھی اِس میں وقت لگے گا۔ اِس کے سبھی اہم نسخے مل گئے ہیں، اور یہ محض حسنِ اتفاق ہے، لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ نول کشوری نسخہ نہیں مل سکا ہے۔ منشی نول کشور نے ۱۸۶۷ء میں اِس کے حقوقِ اشاعت سرورؔ سے خرید لیے تھے اور اُسی سال اِس کا ایک اڈیشن اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا۔ یہ گویا باضابطہ پہلا اڈیشن تھا اِس مطبعے کا، بس یہی اب تک نہیں مل سکا ہے، نہ لکھنؤ میں ملا، نہ بنارس میں۔ اللہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔

آج کل آپ کیا کر رہے ہیں؟ بے کار تو آپ بیٹھنے سے رہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزوؔ
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
۲۴ر دسمبر ۱۹۶۵ء[۱۰]

مکرّمی! آداب

انجمن ترقیِ اردو کی مجلسِ عام کی رکنیت کے لیے میرا نام بھی بعض احباب نے تجویز کیا ہے۔ میں اِس سلسلے میں آپ کی حمایت کا متمنّی ہوں اور توقّع کرتا ہوں کہ پہلے کی طرح اِس بار بھی آپ کی ''طرف داری'' مجھے حاصل رہے گی۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزوؔ
۹۔ ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
تاریخ؟؟ ۱۹۶ء[۱۱]

مکرّمی! آداب

آپ کا خط مرقومۂ ۲۲ راگست موصول ہوا تھا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔

یہ بات میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ قاضی صاحب کے خط میں نے خلیق انجم صاحب کے اصرار پر انجمن ترقیِ اردو کو دے دیے تھے، وہیں محفوظ ہیں۔

جہاں تک حواشی کا تعلق ہے، تو یہ بات میرے ذہن میں قطعی طور پر واضح اور روشن ہے کہ حواشی نہیں ہونا چاہیے۔ کئی وجوہ کی بنا پر، من جملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ جن مختلف لوگوں کے نام خط ہیں، اُن سب کے جملہ معاملات اور کیفیات سے آپ ضروری نہیں کہ کما حقہٗ واقف ہوں۔ آپ اپنے نام کے خطوں پر تو حواشی لکھ سکتے ہیں، مگر دوسروں کے خطوں پر حواشی اُس اعتماد کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ اِس میں اختلافات بھی ہو سکتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اصل حقائق کے خلاف کچھ لکھا جائے، عدمِ معلومات کی بنا پر۔ اِس کے علاوہ، دوسروں سے متعلق تحریروں پر، یوں بھی اِس طرح کچھ لکھنا مناسب نہیں۔ معاصرت سب سے بڑی آفت ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ کہ آدمی قاضی صاحب کی تحریر پڑھنا چاہے گا، دوسروں کی نہیں۔ ضخامت بھی ایک مسئلہ بن جائے گی۔

جی ہاں، جمیل جالبی صاحب کا خط آیا تھا۔ میں نے فہرست مقالات بنانے سے فی الوقت معذوری ظاہر کی ہے۔ آپ جیسے حضرات اِس کام کو بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔

انجمن کے لیے سات نام تجویز کرنے کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اِس کام کو بھی میں نے اپنے سے بہتر افراد کے لیے چھوڑ دیا ہے، میں ایسے جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو
ٹی ہی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۱ ردسمبر ۱۹۸۹ء ۱۲

مکرّمی!

آپ کا خط ملا تھا۔ پرسش کے لیے نہایت درجہ شکر گزار ہوں۔ آنکھ میں ابھی ذرا سا کچا پن ہے، یوں مفصّل خط نہیں لکھ سکتا، اِس کی معذرت۔ وہ کتاب محفوظ ہے، کام مکمّل ہونے پر انجمن کو ضرور دے دی جائے گی۔ ہاں فسانۂ عجائب کو انجمن نے چھاپا ہے، مگر میری آنکھوں نے ابھی تک

اُسے دیکھا نہیں۔ شاید چند روز میں دیکھنے کو ملے۔
ایک بار پھر شکریہ اور اِس ناتمام خط کی معذرت۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۰ر نومبر ۱۹۹۲ء[۱۳]

مکرّمی! آداب
اردو ادب میں آپ کا مقدمہ پڑھا۔ سچی بات یہ ہے کہ اِسے پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ آپ نے بہت ضروری باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ مگر میں یہ بات کسی طرح بھی معلوم نہیں کر سکا کہ "نین سکھ" نام کہاں آیا ہے؟ کیا اس دیوان میں کہ آیا ہے؟ یا پھر کہیں اور۔
مگر خط لکھنے کی وجہ کچھ اور ہے۔ آپ نے میر عبدالجلیل بلگرامی کے ۲۲ خطوں کے سلسلے میں ایک انگریز مؤلف کی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ حُسنِ اتفاق سے یہ نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ دنوں سے رکھا ہوا تھا، بھول بھی گیا تھا، آپ کی تحریر میں اِس کا حوالہ دیکھا تو یاد آ گیا۔ اب میرا ارادہ ہے کہ فارسی مکاتیب کے متن کو غالب نامہ میں شائع کرادوں ایک دو صفحے کے پیش لفظ کے ساتھ۔ آپ کی رائے اِس باب میں کیا ہے۔ کیا یہ مناسب رہے گا؟

مخلص
رشید حسن خاں

(۸)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزو[۱۴]
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۱ر جون ۱۹۹۳ء[۱۵]

مُحبِّ مکرّم!
معذرت طلب ہوں کہ خط کا جواب بہت تاخیر کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ تاخیر کی ایک وجہ تو میری بیماری ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا پتا میرے پاس نہیں تھا۔ خط میں آپ نے لکھا نہیں

تھا۔ حبیب خاں کو خط لکھا، کل وہ خود آئے پتا لے کر، تب آج یہ خط لکھ رہا ہوں۔

تحریک کا سلور جبلی نمبر میرے پاس تھا، مگر رہا نہیں۔ اب تفصیل کیا عرض کروں۔ وہی ہوا جو عموماً ہوتا ہے۔ اُس میں میرے مضامین ضرور تھے اور قاضی[۱۶] صاحب کے بھی تھے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کہاں ہوگا۔ بمبئی میں رضا صاحب[۱۷] کے پاس ہو سکتا ہے۔

میرے پاس قاضی صاحب کا کوئی مضمون نہیں۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے میں نے سارے پُرانے رسالے دے دیے، یوں وہ سب ذخیرہ اِدھر اُدھر ہو گیا۔ غالب نامے میں ایک طالبِ علم جمیل احمد خاں نے قاضی صاحب کے مضامین کا اشاریہ مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ وہ تو آپ کے سامنے ضرور ہوگا۔

آج کل کا اشاریہ شائع ہوا ہے اُس میں بھی قاضی صاحب کے مضامین ہیں۔

املائے خطوط کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمہ املا کو اختیار کرنا چاہیے۔ املائے مصنّف (یعنی مکتوب نگار) کے لیے اُس کے مختلف زمانوں کے چند خطوں کے عکس شامل کیے جائیں، اِس صورتِ حال کی وضاحت ہو جائے گی۔ مقدّمہ و مرتّب میں اِس کی صراحت کر دی جائے کہ اِن وجوہ سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ بعض باتیں تو طے شدہ ہیں مثلاً اضافت کی صورت میں ی اور ے پر ہمزہ کا نہ لکھنا، ہائے ملفوظ و مخلوط کا امتیاز، غیر عربی و فارسی لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی کی جگہ الف۔ ہائے ملفوظ کے نیچے شوشہ بہ طورِ علامت۔ میری نظر میں اِس لحاظ سے اُن کی مفصّل ترین تحریر قاطعِ برہان و رسائل متعلقہ ہے۔ اِس کا مکمّل مسوّدہ قاضی صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اور کتابت حرف بہ حرف اُسی کے مطابق ہوئی ہے۔ چوں کہ کاپیاں میں نے پڑھی تھیں، اِس لیے مجھے یہ بات معلوم ہے۔ اُس میں جو املائے الفاظ ہے، آپ بلا تکلّف اور بلا تامّل اور بلا استثنا اُسی کو معیار مان لیجیے۔

اب ایک مشورہ: آپ کو معلوم ہوگا کہ انتخابِ غالب کا اصل نسخہ ڈاکٹر صدّیقی[۱۸] مرحوم کے پاس تھا۔ وہ اُس کو مرتّب کر کے چھاپنا چاہتے تھے۔ مگر چھاپ نہ سکے اور اُن کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے نے اب وہ سب کاغذ میرے پاس بھیج دیے ہیں۔ ان میں ڈاکٹر صدّیقی مرحوم کے لکھے ہوئے حواشی ہیں اور مالک رام صاحب کا لکھا ہوا مقدّمہ ہے۔ یہ سب کتابت شدہ ہیں۔ متن کی کتابت بھی ہو چکی تھی بہت پہلے مرحوم کی زندگی میں۔ مگر یہ سب بٹر پیپر پر ہے۔ خیر، آپ یہ بتائیے کہ کیا اِس مختصر مجموعے کو چھپنا چاہیے؟ مرحوم نے متن کی کتابت اصل نسخے کے مطابق کرائی تھی یعنی اُسی املا میں۔ یہ اب الجھن میں ڈالنے والی چیز بن جائے گی، اِس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے۔ کیا رضا صاحب نے اِسے شائع کر دیا ہے؟ میں نے اُسے نہیں دیکھا۔

بہ ہر صورت سارے اُمور کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے مشورے سے نوازیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزوؔ
گائرہال
۳؍جولائی ۱۹۹۳ء [۱۹]

مکرمی! آداب

آپ کا خط مرقومہ ۱۴؍جون خاصی تاخیر سے پہنچا تھا۔ رضا صاحب نے مجھے لکھا ہے کہ ''میری کتاب رقعات واشعارِ غالب اُسی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی والے مخطوطے ہی کا عکس ہے، آپ اُسے سامنے رکھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ اِسے دوبارہ چھاپنے کی کوئی اہمیت ہے کہ نہیں''۔ (مکتوبِ ۲۵؍مئی ۹۳ء)۔ اِس سے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کتاب چھپ چکی ہے، مگر میں نے اُسے نہیں دیکھا اور اب آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے بھی اُسے نہیں دیکھا۔ اُسے دیکھنا ضروری ہے۔ دہلی میں مجھے وہ کہیں نہیں ملی۔ آپ ہی تلاش کیجیے۔

مسلم صاحب خطوں کا جواب دیتے نہیں، ضروری باتیں پوچھتا ہوں، تب بھی خاموشی اُن کا جواب رہتی ہے۔ یہ مزید پریشانی ہے۔

دہلی میں وَنڈائک [۲۰] کی چھپائی کا انتظام نہیں۔ میرے علم میں صرف الٰہ آباد میں ہے۔ یوں یہاں اُس کا چھپنا مشکل تر ہے۔ آپ ذرا نذیر صاحب سے بات کیجیے۔ اِسے دراصل غالب انسٹی کو چھاپنا چاہیے۔ وہ تیار ہوں تو میں سارا مسالا آپ کے پاس بھیج سکتا ہوں۔ اور کوئی ادارہ شاید ہی چھاپے۔ غالباً کتابت ازسرِنو کرانا ہوگی۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ پرانی کتابت کو الٰہ آباد بھیجا جائے تو شاید وہ لوگ صحیح بات بتا سکیں، مگر میں وہاں کسی کو جانتا نہیں۔ اب آپ ہی مشورہ دیجیے کہ کروں کیا!

تبدیلیِ مذہب کے بارے میں میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا، محض افواہ معلوم ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے مشورے کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزوؔ
۲۰؍جولائی ۱۹۹۳ء [۲۱]

مکرمی! آداب

۱۴ر جولائی کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ملا، شکریہ۔

میں کل پٹنے جا رہا ہوں چند روز کے لیے، واپسی ۲۵ر یا ۲۶ر تک ہوگی۔ حبیب خاں سے رابطہ پیدا نہ کرسکا، آپ اِس زحمت کو گوارا فرمالیجیے اور وہ کتاب کسی طرح اُن کے ہاتھ بھیج دیجیے۔ اور اُن سے کہیے کہ وہ اُسے میرے پاس ڈاک سے بھیج دیں، یوں جلد تر مل جائے گی۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

نیازمند

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؔ

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۵ر اگست ۱۹۹۳ء[۲۲]

مُحبِّ مکرّم!

میں نے ایک خط لکھا تھا، پھر مجھے پٹنے جانا پڑا۔

رضا صاحب کی اُس کتاب کا مجھے انتظار ہے۔ میں اُسے دیکھے بغیر کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ وہ رسالہ چھپ جائے۔ اگر حبیب خاں وہاں کہیں آپ کے ہاتھ آجائیں تو اُن کے ہاتھ بھیج دیجیے۔ میں اُن تک نہیں پہنچ پایا، اور فی الحال اُدھر جانے کا ارادہ بھی نہیں۔

اگر آپ ڈاک سے بھیج دیں تو پھر سارے واسطے ختم ہوجائیں گے۔ میری طبیعت آج کل رو براہ نہیں، زیرِ علاج ہوں۔ گھٹنے میں بہت درد ہے، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ذرا سی ہڈی بڑھ گئی ہے، روز دو گھنٹے مشینی سنکائی اور مشینی مالش ہوتی ہے اور ابھی کم از کم مہینا بھر تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔

خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؔ

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۰ر ستمبر ۱۹۹۳ء[۲۳]

مکرمی!

مکتوب مرقومہ ۲؍ستمبر مل گیا، شکریہ۔

حبیب خاں گئے ہیں تو واپس بھی ضرور آئیں گے، اُن کو آجانے دیجیے، اُنھی کے ہاتھ سب چیزیں بھیجیے گا۔ اِس طرح اطمینان رہے گا اور بہ حفاظت پہنچیں گی۔ رضا صاحب کی کتاب بھی ساتھ ہی بھیج دیجیے گا۔

توقع کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم کے مسوّدے کے بارے میں آپ نے نذیر صاحب سے بات کرلی ہوگی۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزو

ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۴؍جون ۱۹۹۴ء

مُحبِ مکرّم! آداب

اِس وقت صرف یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ''انشاے غالب'' کو، آپ کے مشورے کے مطابق، مرتّب کرکے ناشر کے حوالے کردیا گیا۔ غالباً اگست کے اواخر تک چھپ جائے گی۔ ترتیب یہ ہے: (۱) عرضِ مرتّب (۲) مقدّمہ از مالک رام (۳) متن (صدیقی صاحب مرحوم کا کتابت کرایا ہوا) (۴) حواشی از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم (۵) حواشی از مالک رام (۶) اصل مخطوطے کا عکس۔ نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن کو سامنے رکھتے ہوئے مرحوم مالک رام صاحب کی دونوں تحریریں شامل کرلی گئیں۔ آپ کی بھی خواہش یہی تھی۔

مسلم صاحب کو اطلاع دے دی گئی۔ کل اِن کا خط آیا۔ اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی عبدالودود صاحب کے خطوط نکال کر الگ کرلیے ہیں اور چاہتا ہوں کہ اِنھیں خلیق انجم صاحب کو بھیج دوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے بھی اُن کو اِس سلسلے میں کبھی خط لکھا تھا۔ خیر، انجمن میں آگئے تو اُس صورت میں بھی آپ اُن سے استفادہ کرسکیں گے۔ مگر وہ کب بھیجیں گے، اِس کے متعلق میں کیا، کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُن کی رفتارِ کارکردگی پر مجھے بعض اوقات بہت حیرت ہوتی ہے۔ ہاں ''عرضِ مرتّب'' میں آپ کے ایک خط کا ایک اقتباس بھی شامل کیا گیا ہے، جس میں اِس مجموعے کی اشاعت کے سلسلے میں مشورہ دیا گیا ہے۔ اصل مخطوطہ میں چاہتا ہوں کہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں جمع

کرادوں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ میں اِس کا عکس پہلے سے موجود ہے عطیۂ کالی داس گپتا رضا صاحب۔

ہاں مجموعے کا نام "انشاے غالب" ہی رکھا ہے، اگر چہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ نام کس کا رکھا ہوا ہے۔ گلزارِ نسیم کا کام مکمل ہوگیا، کتابت ہو رہی ہے۔ آخرِ سال تک غالباً چھپ جائے گی۔ تقریباً ساڑھے چھے سو صفحات میں سارے جسامت سما پائیں گے۔ پورے معرکۂ چکبست و شرر پر محاکمہ کیا گیا ہے، اور اِس کی جو اصل فارسی روایت ہے عزت اللہ بنگالی کی لکھی ہوئی جواب تک چھپی نہیں اور کم سے کم لوگ اُس سے واقف ہیں، میں نے اُسے بھی شامل کرلیا ہے۔ مجھے پہلے تامّل تھا فارسی روایت کی شمولیت میں، پھر خیال کیا کہ یہ اب نہ چھپی تو کبھی نہیں چھپے گی اور اصل چیز وہی ہے، چوں کہ اُس کو دیکھا نہیں گیا، اِس لیے لوگ اُس کے مندرجات سے عموماً بے خبر ہیں۔ یوں میں نے اُسے بھی شامل کرلیا۔ آپ کی اِس بارے میں کیا راے ہے؟ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزو

گائر ہال

۲۶ر ستمبر ۱۹۹۴ء[۲۵]

مُحبِّ مکرّم!

مکتوب مرقومۂ ۳۱ر اگست، مجھے ۲۳ر ستمبر کو ملا، جب میں ۲۴ دن کے بعد شاہ جہان پور سے واپس آیا۔ پھر بھی تاخیرِ جواب کی معذرت۔

مُشفق خواجہ صاحب کے لفافے میں تین خط تھے، جو متعلق افراد کو فوری طور پر بھیج دیے گئے تھے۔ آپ کے نام کا کوئی خط اُس میں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو سب سے پہلے وہی بھیجا جاتا۔ حبیب خاں کو بھی میں نے مطلع کر دیا ہے۔ خواجہ صاحب نے کسی اور کے لفافے میں آپ کا خط رکھا ہوگا، نام میرا یاد رہ گیا۔

اُس مَوعودہ لطیفے کا منتظر ہوں اور مشتاق۔

انشاے غالب کی کتابت شدہ کاپی یعنی عرضِ مرتب کی کتابت میرے پاس بہ غرضِ تصحیح آئی تھی، کل ہی اُسے واپس کیا ہے۔ اب خیال یہ ہے کہ دو مہینے میں ضرور چھپ جائے گی۔ آپ کے پاس اُس کا ایک نسخہ ضرور پہنچے گا۔ باقی کتابت تو تصحیح شدہ تھی، یوں میں نے اُسے نہیں دیکھا، یا یوں کہیے کہ اُس میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؔ
۲۸؍ستمبر ۱۹۹۳ء [۲۶]

مُحبِّ مکرّم!

ایک خط پرسوں حوالۂ ڈاک کر چکا ہوں۔ کل رسالۂ تحقیق ملا۔ اُس میں آپ کا ایک خط وہ بھی ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ کربل کتھا کا متن میں نے مرتب کیا تھا۔ میں عرض کروں کہ ایسا ہے نہیں۔ میں جب شعبے میں آیا ہوں تو یہ متن مکمّل طور پر تیار کیا ہوا کتابت کے لیے رکھا تھا۔ جامعہ ملیہ میں ایک صاحب ہیں یا تھے، جن کا نام اب یاد نہیں آرہا، اُنھوں نے میرے آنے سے پہلے اِس کام کو کیا تھا اور یونی ورسٹی نے اُن کو باضابطہ اِس کام کا معاوضہ چک کی صورت میں ادا کیا تھا۔ معاوضے کی ادائگی کا چک میرے سامنے گیا تھا یوں مجھے یہ بات معلوم ہو سکی۔ یہ صاحب فاروقی صاحب کے قریب یا دور کے رشتے دار بھی ہیں۔

آپ اگر خط لکھنے سے پہلے معلوم کر لیتے تو یہ غیر صحیح بات تحریری صورت میں نہیں مرتسم ہو پاتی۔ کربل کتھا سے میرا تعلق اِس کے سوا کچھ نہیں کہ پریس سے جب پروف آیا ہے، تو اُس کو ایک نظر ضرور دیکھا تھا۔ چوں کہ معلوم تھا کہ فاروقی صاحب ایک خاص تاریخ تک اِس کو بہ ہر صورت چھاپنا چاہتے ہیں، یوں کچھ کہنا بے کار تھا۔ تذکرۂ سرور کے سلسلے میں کئی صفحوں پر مشتمل ایک یادداشت میں نے دی تھی۔ یہ اِس کے بعد کی بات ہے۔ اِس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اِس کی طباعت شعبے کے لیے باعثِ بدنامی و رسوائی ہوگی، مگر وہاں بھی وہی بات تھی کہ تاریخ مقرر ہو چکی تھی اور اُس وقت تک کسی بھی صورت میں کتاب کا چھپنا ضروری تھا۔ فاروقی صاحب کو معیار سے کبھی کوئی دل چسپی نہیں رہی، اُن کی دل چسپیوں کے مراکز دوسرے ہوتے تھے۔ بہ ہر حال آپ کا خط پڑھ کر ایک غیر مصدقہ بات لکھنے پر مجھے افسوس ضرور ہوا۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؔ
۴؍اکتوبر ۱۹۹۴ء [۲۷]

مکرّمی! آداب

۳۰؍ستمبر کا خط آج ملا۔ میں دو خط آپ کو لکھ چکا ہوں، یہ ڈاک کی ستم ظریفی ہے کہ اب تک نہیں پہنچے۔

جاے علی خاں ...... کا احوال مجھے معلوم نہیں۔ جو لغات میرے پاس ہیں، اُن میں یہ موجود نہیں۔ کوئی مقامی تلمیح معلوم ہوتی ہے۔ دہخدا کی کتاب امثال و حکم کی (چار جلدیں) ہیں، اُس میں اکثر و بیش تر امثال مندرجہ ہیں، یہ اُس میں بھی نہیں۔ قاضی صاحب کے جو خط محفوظ رہ سکے تھے، وہ میں نے انجمن میں جمع کرادیے تھے، عرشی صاحب کے بھی چند خط بچے تھے، وہ بھی وہیں ہیں۔

انشاے غالب کے متعلق پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں اور ایک خط رسالۂ تحقیق کے حوالے بھی لکھا تھا۔ میں پٹنہ نہیں گیا۔ مشفق خواجہ کے خط کے متعلق اُسی خط میں لکھ چکا ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزو

۲۶/اکتوبر ۱۹۹۴ء[۲۸]

مکرمی! آداب

آپ کا خط ملا۔ جی ہاں یہی نام ہے۔ آپ کو خوب یاد آیا۔ غالباً پہلے ہی سے آپ کے ذہن میں یہ تھا۔

آپ کے سوالات کا جواب ایک مکمل مضمون کا طلب گار ہے اور فی الوقت اِس کی فرصت یوں نہیں کہ گلزارِ نسیم کے کام میں بے طرح الجھا ہوا ہوں۔ اِس سے فرصت پاکر میں بہ طورِ خود ایک مفصل مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ بس ذرا سی یہ بات مانع آتی ہے کہ خواجہ صاحب بیماری کی جس منزل میں ہیں، اِس کے پیشِ نظر یہ انسانی نقطۂ نظر سے مناسب ہوگا؟ بہر حال اِس پر اُسی وقت غور کروں گا۔ آپ تردید کی زحمت کیوں اُٹھائیں، میں خود ہی اِس فرض کو ادا کردوں گا اور غالباً بہتر طور پر۔ آپ نے پٹھانوں والی بات اُسی انداز سے لکھی ہے جس انداز سے مرزا غالب نے کہا تھا کہ: نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب، سو اب اِس کی گنجائش کہاں! طعن و تشنیع کی منزلوں سے گزر چکا ہوں۔ انشاے غالب پریس چلی گئی ہے۔

مسلم صاحب نے رسالۂ معربات کے متعلقات بھیج دیے ہیں۔ فرصت مل جائے تو اُنھیں دیکھوں گا۔ غالبیات سے متعلق مرحوم کی تحریریں بھیج دی ہیں، پہلے اُنھیں مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ اُن کے مضامین کی دو جلدیں چھپنے کا انتظام ہوجائے۔ غالباً یہ آسانی ہوجائے گا۔ مجھے ذرا سی فرصت مل جائے تو میں ان دونوں کو مرتب کرلوں۔ مضامین اور متعلقہ کتابیں اور رسائل مسلم صاحب نے سب بھیج دیے ہیں۔ ان میں مہیش پرشاد اور مالک رام کے

بہت سے خط بھی ہیں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزوؔ
۸؍نومبر ۱۹۹۴ء[۲۹]

محبِ مکرم!

آپ کا خط مل گیا۔ ارے صاحب! میں رسالہ معرّبات کو مرتب نہیں کر رہا۔ یہ غلط فہمی آپ کو کیسے ہوئی؟ میں نے تو یہ لکھا تھا کہ اُس کا خطّی نسخہ میرے پاس آگیا ہے اور میں اُسے خدا بخش لائبریری میں محفوظ کرادینا چاہتا ہوں۔

جو کاغذ آئے ہیں، اُن میں علیم صاحب بھی کے کئی خط ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ معرّبات اُن کی نگرانی میں چھپ رہا تھا۔ ٹائپ میں چھپے ہوئے فرمے بھی آئے ہیں۔ متن مع اشاریہ مکمّل طور پر چھپا ہوا ہے، مقدّمہ موجود نہیں، غالباً اِسی بنا پر طباعت بھی مکمّل نہیں ہو سکی۔ ان مطبوعہ فرموں کو بھی وہیں بھیج دینا چاہتا ہوں۔ اِس کے ساتھ ایک اور رسالہ کتاب المعربات ہے عربی میں، خطّی نسخہ ہے حلب میں جس کی کتابت ہوئی ہے۔ منشی مہیش پرشاد کے متعدّد خط ہیں، مالک رام صاحب کے تو بیس پچیس خط تھے، وہ حبیب خاں صاحب کو دے دیے، کہ وہ مکاتیب مالک رام مرتّب کرنا چاہتے ہیں۔ ایک خط نظم طباطبائی مرحوم کے صاحب زادے کا بہت دل چسپ ہے، جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ مراثیِ انیس جو نظامی پریس بدایوں سے چھپی ہے، سو اُس کا متن بہت غلط چھپا ہے یوں کہ مطبع والوں نے ہدایت کی اور تصحیح کی پابندی نہیں کی۔

انشاے غالب چھپ گئی، مگر میں نے ابھی نہیں دیکھی، یوں کہ مکتبے کی طرف میرا جانا ہوتا نہیں اور اُدھر کا جانے والا ملتا نہیں۔ کوئی آیا تو ایک کاپی لیتا آئے گا تب دیکھوں گا۔

ہاں آپ خوش ہوں گے کہ مقالاتِ صدّیقی کی دوسری جلد کی کتابت شروع ہو گئی ہے۔ اُس میں صرف غالبیات سے متعلق مضامین ہوں گے۔ ڈیڑھ سو صفحے کی کتابت بنے گی۔ اُس کے بعد تیسری جلد میں عام مضامین ہوں گے۔ دوسری جلد جنوری، فروری ۹۵ء تک ضرور چھپ جائے گی۔ میں اُس دن بہت مسرور ہوں گا۔ یوں کہ پہلی جلد جو اتر پردیش اردو اکیڈمی نے چھاپی تھی، اُس کا انتظام بھی میں نے ہی کیا تھا، اور مسلم صاحب نے خلافِ عادت سارے مضامین بھیج دیے تھے فوری طور پر۔ اب بھی اُنھوں نے فوری طور پر سارے مضامین اور اُن سے متعلق کاغذاب بھیج دیے۔ اِس سے مجھے آسانی ہوئی۔ صدّیقی صاحب مرحوم کو میں اپنا معنوی اُستاد مانتا ہوں۔ املا

کے واسطے سے، میں نے اُن سے بہت کچھ حاصل کیا ہے، یوں میں اِسے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان کی تحریروں کو مکمل طور پر شائع کراؤں۔ یہ حُسنِ اتّفاق ہے کہ خلافِ توقّع میں اِس میں پوری طرح کام یاب رہا ہوں۔ یوں بھی کہ اب میرے سوا غالباً کوئی دوسرا شخص اِس کام کو کرنا ضروری نہیں سمجھے گا اور اُن کی تحریریں منتشر حالت میں رہ جائیں گی۔ کیا آپ انشاے غالب پر تبصرہ کرنا پسند کریں گے؟ مالک رام مرحوم نے اِس کا اہتمام کیا کہ تذکرۂ ماہ وسال تک میں میرا نام نہ آنے پائے۔ مگر میں نے اُن کی دونوں تحریروں کو انشاے غالب میں شامل کیا، حالاں کہ میں بہ آسانی اُن سے صرفِ نظر کر سکتا تھا۔ وہ تحریریں صرف میرے پاس تھیں اور کسی دوسرے کو اُن سے متعلق معلومات تھی ہی نہیں اور مسلم صاحب نے مجھے اِس کا مجاز بنایا تھا کہ میں جس طرح چاہوں، انشا کو مرتب کروں۔ میں نے نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن پر عمل کیا۔ یہ بات صرف آپ کو لکھ رہا ہوں، نہیں چاہتا کہ کسی دوسرے صاحب تک یہ بات پہنچے۔ وہ خداے پاک کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے اب تک پچھلی باتیں دُہرانے سے کیا حاصل۔ آپ بھی اِن جملوں کو کہیں نقل نہیں کریں گے۔ مرحوم نے تبصرۂ دیوانِ غالب پر مجھے آخر تک معاف نہیں کیا اور میں اُن کے اِس غیر علمی انداز پر ہمیشہ افسوس اور تعجب کرتا رہا۔ حالاں کہ مرحوم کو میرا ممنون ہونا چاہیے تھا۔

یہ خط خواہ مخواہ طویل ہو گیا۔ اصل مقصد تھا رسالہ معرّبات کی تدوین سے متعلق غلط فہمی کو دور کرنا۔ ہاں آپ نے لکھا ہے کہ "قومی زبان کے انٹرویو میں بھی یہی روش اختیار کی ہے"۔ قومی زبان کراچی والا؟ مگر وہاں تو میرا کوئی انٹرویو غالباً چھپا نہیں۔ اگر چھپا ہے تو پھر میں اُس سے بے خبر ہوں۔ کسی سے پوچھوں گا۔ یا آپ ہی بتائیے کہ وہ شمارہ ہے آپ کے پاس۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزو

۲۶ر نومبر ۱۹۹۴ء[۳۰]

مکرّمی! آداب

آپ کا خط ملا تھا۔ میری طبیعت آج کل ٹھیک نہیں رہتی، موسم کی تبدیلی کا یہ کرشمہ ہے۔ جی ہاں، وہ کتاب جوالبیہقی ہی کی ہے۔ کاتب نے ترقیمہ میں سنہ کتابت لکھا ہے...... سنہ الف و ثلاثمائه و خمسه هجريه"۔ یہ بھی صراحت کی ہے کہ: نقل عن نسخة فی مکتبة المدرسه الاحمدية فی مدينة الحلب"۔ جس نسخے سے یہ نقل ہوا ہے وہ "سنة تسع و عشرين و خمس ماة للهجرة" کا ہے، اُس نسخے پر متعدد علما کے دستخط تھے مثلاً: نقله و قراه علی مؤلفه.... یا جیسے: سمعه من مؤلفه فی سنة ثلاث و ثلاثين و خمس ماة.....

الہ آباد سے ادھر کئی پلندے آئے ہیں، ایک میں معربات رشیدی کے مقدمے سے متعلق بہت سے کاغذ ہیں، متفرق یادداشتیں ہیں۔ ٹائپ شدہ صفحے بھی ہیں، مگر نامکمل۔ انھیں پڑھنا اور مرتب کرنا کارے دارد۔ کم از کم میرے بس کا نہیں۔ میں ان سب کو پٹنے بھیجنا چاہتا ہوں۔ ہاں علیم صاحب کے خط کہیں کاغذوں میں مل گئے ہیں۔ فی الوقت اِن کو نکالنا مشکل ہے۔ میں یوں بھی آج کل گلزار نسیم میں بے طرح الجھا ہوا ہوں۔ اِس سے فرصت ملے تو پھر سارے کاغذ کھنگالوں۔

آپ کبھی دہلی آئے تو بعض چیزیں آپ کو دکھاؤں گا۔ کئی چیزیں آپ کی دل چسپی کی نکل سکتی ہیں۔ خاص کر قاضی صاحب کے بہت سے خط۔ ایک خط سے معلوم ہوا کہ وہ ۱۹۴۶ء میں مستقلاً پٹنے سے منتقل ہو کر رام پور یا کہیں اور رہنا چاہتے تھے، فسادات کے خوف سے۔ قاضی صاحب کے طویل خط میں نے پہلی بار دیکھے۔

اب ایک بات مجھے معلوم کرنا ہے۔ ایک خط ہے ''سراج الملۃ والدّین'' کا علی گڑھ یونی ورسٹی میں دینی تعلیم سے متعلق جنوری ۱۹۰۷ء کا۔ جس میں یہ سرٹی فکٹ دیا گیا ہے کہ میں نے طلبہ کا امتحان لیا، وہ سب امور دینی سے باخبر تھے، اس لیے اب طلبہ کالج کا یوروپی علوم پڑھنا غیر مناسب نہیں۔ از راہِ لطف اِن عالم کے نام سے مطلع فرمایئے۔ خط میں کوئی نام نمبر سوائے ''سراج الملۃ و الدّین'' کے۔ اور ہاں، سجاد مرزا حیدرآبادی کے جو خط ملے ہیں، اُن سے تو میرا سارا خیال انشائے غالب سے متعلق بدل گیا۔ ذرا فرصت مل جائے تو یا آپ ادھر آئے تو وہ خط دکھاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ اصل مخطوطہ دراصل سجاد مرزا صاحب کے پاس تھا، اُنھوں نے صدّیقی صاحب کو دیا تھا۔ باقی باتیں پھر۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزو

شاہ جہان پور

۲۱ر نومبر ۱۹۹۷ء [۱۳۱]

مکرّم! آداب

آپ کا مکتوب مرقومہ ۱۸ر نومبر مجھے آج ہی ملا۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔

قاضی صاحب کے خطوں کا احوال یہ ہے کہ میں نے قاضی صاحب، مہیش پرشاد، ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور کئی دوسرے حضرات کے جملہ خط ایک ضخیم پیکٹ میں رکھ کر خدا بخش لائبریری (پٹنہ) بھیج دیے تھے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار اُس وقت وہاں تھے۔ خیال یہ تھا کہ وہاں خاص طور پر محفوظ

رہیں گے۔ بیدار صاحب کا رسید کا خط آگیا، جو میرے پاس محفوظ ہے۔ بیدار صاحب نے لکھا تھا کہ مفصّل رسید دفتر کی طرف سے پہنچے گی، سو وہ آج تک نہیں پہنچی۔ بیدار صاحب اُس کے بعد ہی رٹائر ہو گئے۔ میں نے دو خط لکھے نئے سربراہ صاحب کے نام، اُن کی بداخلاقی کا یہ عالم کہ اُنھوں نے خط کا جواب دینا گوارا نہیں کیا۔ میں نے اُن سے کچھ طلب نہیں کیا تھا، جو کچھ میں دے چکا تھا اُس کی رسید مانگی تھی۔

مختصر یہ کہ میں قاضی صاحب کے سارے خط خدا بخش بھیج چکا ہوں اور سنداً بیدار صاحب کا خط میرے پاس محفوظ ہے، میرے خط کا تو جواب ملا نہیں، اب آپ وہاں خط لکھ کر دیکھیے، شاید آپ کے خط کا جواب مل جائے۔ خط سب وہیں ہیں۔

اب فرمایئے، کیا اب بھی میں قابلِ ملامت ہوں؟

میں آپ کا نیاز مند ہوں، آپ مجھ سے صورتِ حال کو معلوم تو کر لیتے، بدگمانی قائم کرنے سے پہلے۔ خیر، میری نیاز مندی پہلے کی طرح ہے اور رہے گی۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: پروفیسر مختار الدین احمد آرزو

شاہ جہان پور

۸/اکتوبر ۱۹۹۹ء[۳۲]

مکرّمی! آداب

خط مرقومہ ۴/اکتوبر ملا، اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔

صاحب! میری سمجھ میں تو کچھ آیا نہیں۔ میں اِس پر پہلے بھی غور کر چکا ہوں، مگر کہیں کسی کتاب میں اِس کا حوالہ نہیں ملا۔ قیاساً اب جو بھی کہہ لیا جائے۔ آپ نے جو مفہوم متعیّن کیا ہے، اگر آپ اُسے لکھ دیتے، یا اب لکھ دیں تو اِس سے میری معلومات میں اضافہ ہوگا۔

ترسیل کی ایک کاپی میرے پاس آئی تھی، وہ بھی ایک صاحب لے گئے۔ اب شاید ہی واپس ملے۔ خیر، وہ ایسی کوئی سینت کر رکھنے والی چیز بھی نہیں۔ جین صاحب سے یہاں اسٹیشن پر ۱۱/اکتوبر کو ملاقات ہوگی۔

آپ نے میرے کاموں کو پوچھا ہے۔ مثنوی سحرالبیان مرتّب کر رہا تھا۔ اب اِس کی کتابت بھی تقریباً مکمّل ہو گئی ہے ۶۰۰ صفحے ہیں تقریباً۔ شاید چار چھے مہینے میں چھپ جائے۔

ایک پُرانا خیال تھا، اُس کی تکمیل میں مصروف ہوں اب۔ مرزا غالبؔ نے اپنے قلم سے خاص خاص (اور توجہ طلب یا بحث طلب) لفظوں کو کس طرح یا کس کس طرح لکھا ہے، اُس کا مکمّل

توضیحی گوشوارہ۔ مرزا صاحب کی بہت سی دستی تحریریں چھپ چکی ہیں عکسی صورت میں، اُن کو بنیاد بنایا ہے۔ اِس کا پہلا حصّہ زیرِ ترتیب ہے جس میں اصول اور طریقِ کار پر گفتگو کی جائے گی، اِس کے بھی ۲۰، ۲۵ صفحے لکھ لیے ہیں۔ مرزا صاحب نے جہاں جہاں کسی لفظ سے متعلق یا کسی قاعدے سے متعلق کچھ لکھا ہے، اُسے بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور حواشی میں یا متن میں ضروری حوالے دیے گئے ہیں۔ شاید ۲۰۰ صفحے کی کتاب ہوگی۔ مکمل ہو جائے تو کسی پبلشر سے بات کروں۔ انجمن سے تو میری دوسری کتابیں چھپیں گی۔ جس میں سب سے پہلے سحرالبیان کا نمبر ہے؛ کسی اور ناشر کو دیکھوں گا۔

اب کے آپ نے بہت دنوں کے بعد یاد کیا۔ بہت ممنون ہوں گا اگر کبھی کبھی اِسی طرح یاد کرلیا جائے۔ ہاں، کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ مرحوم صدّیقی صاحب نے ابنِ دُرید پر انگریزی میں کچھ لکھا تھا، جس کا پہلا حصّہ شائع ہوا تھا۔ اُسے آپ نے دیکھا ہے؟ اور دوسرے حصّے کے متعلق کچھ معلوم ہے؟ ممنون ہوں گا اگر اِس سلسلے میں آپ میری معلومات میں اضافہ فرمائیں۔ منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزوؔ

شاہ جہان پور

۱۷ر دسمبر ۱۹۹۹ء [۳۳]

مکرمی!

آج ہی آپ کا خط ملا۔ میں نے مقالاتِ صدّیقی جلدِ دوم مرتب کر کے مکتبۂ جامعہ میں دے دی تھی شاہد علی خاں کو، پھر میں یہاں چلا آیا۔ اب نہ وہ کتاب چھپی اور نہ وہاں سے کسی خط کا جواب ملتا ہے۔ میں وہاں ہوتا تو شاید کچھ ہو پاتا۔

میرے پاس بھی مرحوم کا ایک طویل مقالہ ہے انگریزی میں ابنِ دُرید پر، یہ الٰہ آباد یونی ورسٹی جرنل میں چھپا تھا۔ اچھی خاصی کتاب ہے۔ احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔ املاے غالب پر ابھی کام مکمل کیا ہے چند روز پہلے۔ غالبؔ کی خطّی تحریروں کو ماخذ بنایا ہے۔ دیکھیے کب چھپتا ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: پروفیسر مختارالدین احمد آرزوؔ

شاہ جہان پور
سہ شنبہ، ۲ر شوال ۸۴ ؁ [۱]

مکرّم! آداب

آپ کا خط کئی دن پہلے مل گیا تھا؛ موسمی اثرات کا شکار تھا، یوں جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ معذرت طلب ہوں۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون کی کتاب میں نے آج تک دیکھی ہی نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس فرمایش کو پورا نہیں کر سکا۔ صدّیقی صاحب کے جو خط میرے پاس تھے، جن میں سے کئی خط ۳، ۳ اور چار چار صفحوں کے تھے فل اسکیپ سائز کے، املا کے سلسلے میں، وہ سب میں نے خدا بخش لائبریری کے لیے عابد رضا بیدار صاحب کو دے دیے تھے۔ اب وہ کہاں ہیں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قاضی صاحب کے خطوں کا پورا مٹھا دوسرے بہت سے خطوں کے ساتھ بیدار صاحب کے حوالے کیا تھا، اُس کے بعد میں نے کئی خط لکھے لائبریری کو، کوئی جواب ہی نہیں دیتا کہ وہ خط کہاں ہیں اب۔ اُن میں ایک خط ذاکر صاحب کا بھی تھا اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ اب آپ اُنھی لوگوں سے پوچھیے۔ اگر صدّیقی صاحب کے خط جمع کر دیے گئے ہوں گے تو لازماً وہیں ہوں گے۔

آپ نے لکھا ہے کہ کتاب ہو تو اُس کا عکس بن جائے۔ میرے پاس کتاب ہوتی، تو میں فی الفور اصل کتاب بھیج دیتا، عکس کا کیا سوال۔ مجبوری ہے کہ وہ کتاب میری نظر سے گزری ہی نہیں۔

توقّع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

طارق صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجیے گا بہت سی دعاؤں کے اضافے کے ساتھ۔

میں نے ایک نئے کام کی شروعات کی ہے۔ غالبؔ کے فارسی، اردو کلام نظم و نثر میں جس قدر فارسی، عربی مرکّبات آئے ہیں، اُن کا گوشوارہ مرتّب کرنا ہے۔ چوں کہ انجمن ترقّیِ اردو کے لیے "کلاسکی ادب کی فرہنگ" تین جلدوں میں مرتّب کرنا ہے اور اُس کی پہلی جلد مکمّل ہو کر چھپنے چلی گئی ہے اور دوسری جلد میں غالبؔ کے کلام کو بہ طورِ ماخذ خاص طور پر سامنے رکھا جائے گا، یوں ترکیبوں کا گوشوارہ ضمنی طور پر مرتّب ہوتا جائے گا۔ ٹھگوں کی زبان کا مکمّل لغت بھی چھپنے کے لیے جا رہا ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج ہے۔ سنہ ۶۵ء لکھا ہوا ہے۔ راقم نے ۱۹ سو ساٹھ لکھ کر ۱۹۶۵ء لکھ دیا ہے۔

۲۔ "فرماءیے" میں دوسری 'ے' کا شوشہ بنائے بغیر دو نقطے دے کر ہمزہ کو ان سے پہلے لکھ دیا ہے۔ اسے "فرمائیے" کی صورت میں نہیں لکھا ہے۔

۳؎ ''مولینا آزاد'' کو اپنی بعد کی تحریروں میں (ارزو املا تصنیف کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء) ''مولانا آزاد'' لکھنے کو ترجیح دی ہے۔

۴؎ 'کوئ' یہاں یاے معروف کے ساتھ شوشہ بنائے بنا اوپر ہمزہ لکھ دیا ہے۔ ان کے بعد کے خطوط میں بھی 'کوئ' کی یہی صورت نظر آتی ہے۔

۵؎ ''کیونکہ'' کو یہاں ملا کے لکھا ہے جب کہ بعد میں اسے الگ ''کیوں کہ'' لکھنے پر زور دیا ہے۔

۶؎ خط کے آخر میں اپنا نام خاں صاحب نے صرف ''رشید حسن'' لکھا ہے۔ ''خاں'' کا لاحقہ ساتھ نہیں ہے۔

نوٹ: ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو نے خط پہ موصول ہونے کی تاریخ ۱۰ر دسمبر ۶۵ء لکھی ہے۔ جواب دینے کی تاریخ نہیں لکھی، بعد میں اِس کا التزام رکھا گیا ہے۔

۷؎ مقام و تاریخ خط کے اوپر دائیں طرف لکھے ہوئے ہیں نیچے نام صرف ''رشید حسن'' لکھا ہوا ہے۔

۸؎ ''باغ و بہار'' پر خط نہیں کھنچا ہوا ہے۔

۹؎ مقام و تاریخ اوپر انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔

نوٹ: خط پہ ذاتی لکھا ہے اور آخر میں نام ''رشید حسن خاں'' پورا لکھا ہوا ہے۔

۱۰؎ مقام اور اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

مکرمی ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو

4/286-Nazma Manzil, Amin Nishan Road, Civi line

Aligarh (U.P.), Pin: 202001

خط کی پشت پر دو مہریں ڈاک خانے کی ثبت ہیں، جن میں سے ایک مہر ۱۱ر دسمبر کی ہے۔

۱۱؎ خط کے اوپر مقام درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے آخر میں درج ہے۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۲؎ خط کے اوپر مقام درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ ہاں خط کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔ خاں صاحب نے اپنے نام و پتے کی مہر بنوا رکھی ہے۔ بعض اوقات وہ ثبت کر دیتے ہیں۔ خط پہ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں ۲۱ر دسمبر دہلی کی اور ۲۲ر دسمبر کی علی گڑھ کی۔ مختارالدین احمد صاحب نے خط پہ موصولہ تاریخ ۸۹/۱۲/۲۲ء درج کی ہے۔

۱۳؎ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مختارالدین احمد صاحب نے خط کی تاریخ موصولہ اور جواب ۹۲/۱۱/۲۵ء درج کی ہے۔

۱۴؎ ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو اب پروفیسر ہو گئے ہیں۔ اس لیے خاں صاحب نے ڈاکٹر کی جگہ اڈریس پر ''پروفیسر'' لکھا ہے۔

۱۵؎ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ مکمل پتے خط کی پشت پر لکھے ہیں۔

۱۶؎ قاضی صاحب یعنی قاضی عبدالودود صاحب۔

۱۷۔ رضا صاحب یعنی کالی داس گپتا رضا صاحب۔

۱۸۔ ڈاکٹر صدیقی مرحوم یعنی ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی مرحوم۔

نوٹ: پروفیسر مختارالدین احمد آرزو نے خط پہ موصول ہونے کی تاریخ ۹۳/۶/۱۴ء اور جواب کی بھی ۹۳/۶/۱۴ء درج کی ہے۔

۱۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۰۔ وَنڈائک' (Vandyke) یہ انگریزی لفظ ہے۔ ایک خاص طریقۂ کتابت وطباعت اِس کے معنی ہیں۔
(نوٹ): مکتوب الیہ نے خط پر تاریخ موصولہ و جواب ۹۳/۷/۷ء درج کی ہے۔

۲۱۔ مقام اوپر نہیں اور نہ ہی پشت پر۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ تحریر سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔ پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۹۳/۷/۲۴ء درج کی ہے۔

۲۲۔ مقام خط کے اوپر نہیں پشت پر تحریر ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۹۳/۹/۲ء اور جواب کی ۹۳/۹/۳ء درج کی ہے۔

۲۳۔ مقام خط کے اوپر نہیں پشت پر تحریر ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۹۳/۹/۱۵ء درج کی ہے۔

۲۴۔ مقام خط کے اوپر نہیں پشت پر تحریر ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۹۴/۶/۳۰ء اور تاریخ جواب ۹۴/۷/۸ء درج کی ہے۔ تاریخ موصولہ اور تاریخ جواب ہر خط پر تحریر کرنا یہ مکتوب الیہ ہی کا کام ہے۔ ایسا اہتمام میری نظر سے نہیں گزرا۔

۲۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مکتوب الیہ نے خط پہ تاریخ موصولہ ۹۴/۱۰/۱ء اور تاریخ جواب ۹۴/۱۰/۱۲ء درج کی ہے۔

۲۶۔ مقام خط کے اوپر اور نہ پشت پر درج ہے۔ لیکن اس جملے سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط بھی گائر ہال دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا ہے۔ ''ایک خط پرسوں حوالۂ ڈاک کر چکا ہوں''۔ پرسوں والا خط دہلی سے لکھا گیا تھا۔ تاریخ خط کے نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ نے خط پہ تاریخ موصولہ ۹۴/۱۰/۷ء اور تاریخ جواب ۹۴/۱۰/۱۲ء درج کی ہے۔

۲۷۔ خط کے اوپر اور پشت پر مقام درج ہے۔ لیکن خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے یہ خط بھی دہلی سے لکھا گیا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۹۴/۱۰/۸ء اور تاریخ جواب ۹۴/۱۰/۱۲ء درج کی ہے۔

۲۸۔ مقام نہ خط کے اوپر اور نہ ہی پشت پر درج ہے۔ تاریخ آخر میں انگریزی میں درج ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۸/اکتوبر کی ثبت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔
نوٹ: مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ و جواب ۹۴/۱۱/۲ء درج کی ہے۔

۲۹۔ مقام خط کے اوپر تحریر نہیں ہے اور نہ ہی پشت پر۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ خط پہ ڈاک خانے

کی ہلکی مہریں ثبت ہیں ان سے معلوم پڑتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔نوٹ: مکتوب الیہ نے خط کی پشت پر تاریخ موصولہ ۱۵/۱۱/۹۴ء اور تاریخ جواب ۱۶/۱۱/۹۴ء درج کی ہیں ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے ''کوئی ۷۵ سطروں کا تفصیلی خط''۔ اس قسم کا حساب رکھنا و اہتمام کرنا مشکل کام ہے۔ کاش کہ پروفیسر مختارالدین احمد نے ان خطوط کے عکس بھی رکھے ہوتے۔ مرحوم خاں صاحب کے ہاں سے اس قسم کا ایک خط بھی نہیں ملا۔ انھوں نے اس کا اہتمام ہی نہیں کیا۔

۳۰۔ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب نگار کا پتا پشت پر بھی درج نہیں۔ صرف ڈاک خانے کی مہر سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے حوالۂ ڈاک کیا گیا ہے۔

۳۱۔ خط کے اوپر مکتوب نگار کا نام، مقام و تاریخ درج ہے۔ مکتوب نگار کا پورا پتا خط کی پشت پر یوں درج ہے: رشید حسن خاں، 167-Baroozai-II, Shahjahanpur (U.P), Pin: 242001۔ مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۲۸/۱۱/۹۷ء درج کی ہے۔

۳۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔ خط پہ ڈاک خانے کی تین مہریں ثبت ہیں جن میں سے شاہ جہان پور والی ۹/۱۰/۹۹ء کی اور علی گڑھ والی ۱۲/۱۰/۹۹ء کی ہے۔ نوٹ: مکتوب الیہ نے تاریخ موصولہ ۱۲/۱۰/۹۹ء درج کی ہے۔

۳۳۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ خط کی پشت پر دو مہریں ڈاک خانے کی ثبت ہیں۔ علی گڑھ کی مہر ۲۴/۱۲/۹۹ء کی ہے۔

۳۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ مرحوم خاں صاحب کا پہلا خط ہے جس میں تاریخ ''سہ شنبہ، ۲ر شوال'' درج ہے۔ اِس وقت تک راقم کے پاس مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے پونے پانچ سو سے زیادہ خطوط جمع ہیں جو اُنھوں نے مختلف حضرات کو لکھے ہیں، لیکن کسی بھی خط میں تاریخ (ہجری) اس طرح تحریر نہیں۔ خط کی پشت پر ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ شاہ جہان پور والی ۱۹/۱۲/۰۱ء اور دوسری علی گڑھ والی ۲۱/۱۲/۰۱ء کی ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸/۱۲/۰۱ء کو لکھا گیا۔

★★★

بنام مخمور سعیدی

(۱)

بازوزئی دوم، شاہ جہان پور
۱۹/اگست ۱۹۵۸ء

مکرمی مخمور صاحب!

گرامی نامہ موصول ہوا تھا۔ اس امر کے لیے شکر گزار ہوں کہ آپ نے بارِ اوّل کرمِ خاص سے سرفراز فرمایا اور توقع کرتا ہوں کہ برابر سرفراز فرماتے رہیں گے۔

رہا مضمون کا مسئلہ تو حضرت! اس کے لیے متل صاحب کافی ہیں، یہ کارِ ناخوش گوار انھیں کے حصے میں رہنے دیجیے، وہ برسوں سے طلب و تقاضا کا کاروبار کرتے کرتے اس سلسلے میں ماہر ہو چکے ہیں۔ مضمون نگار جانے وہ جانیں۔ آپ اور کچھ اچھی اچھی باتیں کیجیے۔ آپ جیسے صاحبِ ذوق اور خوش فکر حضرات کے لیے تو اور بہت سے موضوع ہو سکتے ہیں، ان پر گفتگو کیجیے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص ایک ہی قسم کی بات چیت کرتا رہے۔ براہِ کرم بہ واپسیِ ڈاک خیریتِ مزاج اور کسی نئی غزل یا نظم سے سرفراز فرمائیے، آپ کے کلام کو پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

جواب کے لیے چشم براہ رہوں گا۔

نیاز مند
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۷ ۱۱۰۰۰
۱۰/جولائی ۱۹۸۹ء

مخمور صاحب مکرم!

خط ملا، شکریہ۔ ہاں بھائی! ایک زمانے سے آپ سے صحیح معنی میں بات چیت ہوئی نہیں۔ آپ کا احوال بھی پریشان کن رہا اور میں بھی خوش نہیں رہا۔

غزل دیکھی، ایک بار پھر جی خوش ہوا۔ وہ خیال تو صحیح نہیں نکلا کہ کسی شعر میں ردیف ساقط ہے، خیال نے جلدی میں دھوکا دیا تھا؛ البتہ اُس سے مختلف ایک بات ضرور ہے کہ مقطعے سے پہلے جو شعر ہے، وہ اپنی معنویت کے باوصف اِس غزل میں کھپتا نہیں، محض اندازِ بیان کی وجہ سے۔ اِس میں ''وہاں میں کون ہوں'' اُس طرح نہیں آپایا ہے جس طرح دوسرے اشعار میں آیا ہے۔

اسی طرح میری ایک راے اور بھی ہے کہ مقطعے کے پہلے مصرعے میں ''اپنا کون سا چہرہ'' بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا، اس کی جگہ کچھ اور ہو تو خوب ہو۔ یہ مفہوم بلیغ سہی، مگر بجاے خود اچھا نہیں۔ آپ کی مشکل یہ ہے کہ آپ کا چہرہ ایک ہی ہے، اُسے بدلتے رہنا آپ کے بس کی بات نہیں، یہ 'کمال' تو دوسروں ہی کو آتا ہے۔

کسی دن ملاقات ہو تو خوب ہو۔ ۲۳ر اگست کو انجمن میں مختلف اکیڈمیوں اور اداروں کے نمایندوں کا ایک دن بھر کا جلسہ ہے۔ اگر آپ کسی وقت وہاں آجائیں تو پھر دوپہر کے کھانے کے وقت وقت نکال کر الگ جا بیٹھیں گے اور باتیں کرلیں گے۔

نومبر میں میرا رٹائرمنٹ ہے (وقت سے ذرا پہلے) آپ کی وہ نظم مجھے بے ساختہ یاد آئے گی جو انجمن تعمیرِ اردو کے جلسے میں اب سے تقریباً بیس بائیس برس پہلے آپ نے پڑھی تھی، شاید چار بند تھے اُس میں،

دلّی کی محفلیں نہیں واقف کہ آج تک
دلّی کی محفلوں میں اکیلا رہا ہوں میں

شاہ جہاں پور جا کر رہوں گا، یہاں کوئی ٹھکانا نہیں۔ افسوس یوں نہیں کہ یہ تو معلوم تھا کہ یہی ہونا ہے۔ لکھنا پڑھنا ختم سا ہو جائے گا، اس کا افسوس ضرور رہے گا۔ بہر حال دیکھا جائے گا۔

کیا آپ ۲۳ر کو اُدھر آئیں گے؟

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: مخمور سعیدی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۲ر جولائی ۱۹۸۹ء

مخمور صاحب مکرم!

بہت دنوں کے بعد دو تین دن پہلے اتفاقاً اردو مجلس میں آپ کی غزل جس کی ردیف ''کون ہوں'' ہے، سنی تھی۔ اس غزل میں جذبے اور احساس نے جس طرح یک رنگی اختیار کی ہے، اُس سے جی بہت خوش ہوا۔ کوئی نیا پن نہیں، کوئی تجربہ نہیں، نئی لفظیات نہیں، بالجبر نیا انداز بیان بھی

نہیں؛ سب کچھ پُرانا، مانوس اور متعارف؛ مگر پوری غزل شخصی احساس کی کامیاب ترجمان۔ بے اختیار جی چاہا کہ اپنی پسندیدگی میں آپ کو بھی شریک کروں۔ ہاں صرف ایک شعر میں یہ شک ہوا کہ ردیف کا جوڑ شاید کُھل گیا ہے، اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ خیال صحیح تھا یا محض میرا وہم تھا۔ بہر حال جی خوش ہوا، خوش رہیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: مخمور سعیدی

ٹی سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷

۲۲/مارچ ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب مکرّم!

میں نے ۷/مارچ کو ایک لفافہ آپ کے نام بھیجا تھا، جس میں اُمنگ کے لیے آپ کے مُجوّزہ سلسلے کی پہلی قسط ملفوف تھی۔ یہ بھی پوچھا تھا کہ دوسری قسط کب بھیجوں؟ اور یہ کہ یہ قسط مناسب بھی ہے؟ اِن باتوں کا جواب درکنار، خط کی رسید بھی نہیں ملی۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ لفافہ گیا کہاں! کیا آپ تک نہیں پہنچا؟ ازراہِ لطف اِس خط کا جواب ضرور عنایت ہو۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: مخمور سعیدی

ٹی سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی۔ ۱۱۰۰۰۷

۱۷/مئی ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب!

آپ نے وعدہ کیا تھا آنے کا، آنکھیں راہ دیکھتی رہیں اور کان آواز کے منتظر رہے۔ میں بیس دن کے بعد نرسنگ ہوم سے ہوسٹل آ گیا تھا اور پھر مزید بیس دن کے بعد ڈاکٹر نے گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ۱۸/مئی کو یعنی کل جاؤں گا۔ جولائی کے اواخر تک رہوں گا۔

اُس ویرانے میں جی بہت گھبرائے گا، اگر آپ از راہِ لطف ایوانِ اردو اور امنگ کے جون، جولائی کے شمارے وہاں بہ طورِ خاص بھیج دیں تو وقت کٹ جائے گا۔ اگر توفیق رفیق ہو تو خط بھی لکھیے کہ اس طرح دل بستگی کا سامان ذرا اور بڑھ جائے گا۔ خدا کرے اس درخواست کو آپ اپنے شاعرانہ معمول کے مطابق دوسروں پر نہ چھوڑ دیں اور بہ طورِ خود اس طرف توجہ کریں۔ نقاہت بے انتہا ہے اور علاج ابھی دنوں تک چلے گا۔

رشید حسن خاں

پتا: رشید حسن خاں
بازوزئی دوم، شاہ جہان پور (یو. پی) پن: ۲۴۲۰۰۱

(۶)

بنام: مخمور سعیدی
۶/اگست ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب مکرّم!

میں نے شاہ جہان پور سے ایک خط رجسٹرڈ بھیجا تھا، پھر دوسرا خط دہلی آکر بھیجا، یہ بھی رجسٹرڈ تھا، دونوں میں ایک ایک قسط مضمون کی ملفوف تھی۔ آج تک رسید نہیں ملی۔ تیسری قسط بھی لکھ لی تھی، لیکن اُسے بھیجا یوں نہیں کہ معلوم نہیں آپ ہیں یا نہیں اور پچھلی قسطیں ملیں یا نہیں۔

میں نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ مجھے امنگ کا جون کا شمارہ تو ملا، جس میں دوسری قسط چھپی ہے، مگر مئی کا شمارہ نہیں ملا، جس میں پہلی قسط چھپی ہے۔ اُسے ضرور بھیج دیجیے۔ وہ تو کیا ملتا، جولائی اور اگست کے شمارے بھی نہیں ملے۔

ایوانِ اردو کا وہ شمارہ تو ملا تھا جس میں اسلم پرویز کا تبصرہ چھپا ہے، اُس کے بعد کوئی شمارہ نہیں ملا۔ مخمور صاحب! آپ مجھ سے کیوں اس قدر بیزار ہیں کہ خط کا جواب لکھنا بھی گوارا نہیں۔ اور رسالے بھی بند۔ کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے؟ کچھ معلوم تو ہو۔ اگر آپ غیر مناسب نہ سمجھیں تو اس خط کے جواب سے نوازیے۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: مخمور سعیدی
۱۱/اگست ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب!

آپ کا خط مل گیا تھا۔ شام کے وقت گوکلچے میں سینما دیکھنے والوں کا ہجوم ہوتا ہے، اس

لیے آپ اتوار کے دن، یعنی ۱۸راگست کو شام کے ۴ اور ۵ بجے کے درمیان کناٹ پلیس میں، کافی ہوم میں آجایئے۔ میں ۴½ بجے تک وہاں پہنچوں گا اور ۶ بجے تک بیٹھوں گا۔

ایک ضروری بات: میں نے آخری قسط جو یہاں سے بھیجی تھی، ذرا اُسے لیتے آیئے گا۔ میں بالکل بھول گیا ہوں کہ ہ کی بحث کو کہاں پر چھوڑا تھا۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ ترتیب کے ساتھ ایک ایک حرف کے متعلقات کو بیان کروں۔

رسالے ساتھ لیتے آیئے گا۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ پہلی قسط والا شمارہ مجھے نہیں ملا تھا۔ اور اس ماہ کے شمارے (ایوانِ اردو، امنگ) بھی نہیں ملے۔ جولائی کا امنگ بھی نہیں ملا تھا۔ یہ خط آپ کو منگل تک ضرور مل جائے گا۔ اتنا وقت ہوگا کہ آپ اُسی دن مجھے خط لکھ دیں کہ آپ اس پروگرام سے متفق ہیں۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۹راگست ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب مکرّم!

آپ کے خط کے جواب میں میں نے ۱۱راگست کو خط لکھا تھا، جس میں ملاقات کے سلسلے میں یہ لکھا تھا کہ اتوار کے دن ۱۸راگست کو آپ ساڑھے چار بجے کافی ہوم آجایئے۔ آپ کے مکان سے کناٹ پلیس دور نہیں، یوں کسی طرح کی دقّت نہیں ہوگی۔

میں اتوار کی شام کو ساڑھے چار بجے سے ۶ بجے تک کافی ہوم میں بیٹھا رہا مگر کسی وجہ سے آپ نہیں آسکے اور ملاقات کی مسرّت حاصل نہیں ہوسکی۔

اب صورت یہی باقی رہتی ہے کہ آپ رسالے ڈاک سے بھیج دیجیے اور میرے مضمون کی جو آخری قسط ہے اُسے لفافے میں رکھ کر بس ایک دن کے لیے بھیج دیجیے تاکہ میں اُس سے آگے لکھ سکوں۔ اِس بار یہ دقّت آپ کی ہوگی، آیندہ کے لیے میں نقل رکھ لیا کروں گا۔ اِس بار پھر بھگت لیجیے۔ میں دو تین قسطیں ایک ساتھ بھیج دوں گا۔ مئی کے مہینے کا چک مل گیا۔ شکریہ۔ اس خط کا جواب عنایت ہو۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷

۱۲ر ستمبر ۱۹۹۱ء

مخمور صاحب!

آپ نے جب یہ طے کر ہی لیا ہے کہ تغافل کے سارے انداز مجھ غریب پر صرف کرلیں گے تو پھر شکایت کا محل تو رہتا ہی نہیں، اِس لیے کیا کہوں!

اِس سے پہلے ایک لفافہ سادہ ڈاک سے بھیجا، جس میں پانچویں قسط ملفوف تھی، تاکید کے باوجود رسید نہیں ملی۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ آپ تک پہنچا بھی یا پانی میں بہ گیا۔

پرسوں ستمبر کا امنگ ملا، شکریہ۔ لیکن آپ نے تو لکھا تھا کہ پچھلے شمارے، یعنی وہ شمارے جن میں شروع کی قسطیں چھپی ہیں، اور ایوانِ اردو یہ سب رجسٹرڈ بھیجیں گے، سو آج کے دن تک تو کچھ ملا نہیں۔

میں نے لکھا تھا کہ امنگ کا وہ شمارہ جس میں پہلی قسط چھپی تھی اور تیسری قسط چھپی تھی، یہ مجھے نہیں ملے۔ اور پچھلے تین ماہ سے ایوانِ اردو بھی نہیں ملا۔ حد یہ ہے کہ ستمبر کا امنگ آ گیا، ایوانِ اردو نہیں آیا۔ اب صرف یہ طریقہ بچا ہے کہ گریبان چاک کرلوں، آپ کا نہیں، اپنا۔ زور تو اپنے پر ہی چلتا ہے۔ ایک بدایونی شاعر کا شعر یاد آ گیا:

ہم نے خودداریِ اربابِ جنوں دیکھی ہے
ہاتھ اٹھتا ہے تو اپنے ہی گریبانوں پر

کیا آپ کے یہاں فائنس میں کچھ گڑبڑ ہے اِن دنوں! مئی کے مہینے کا چک آیا تھا، اُس کے بعد سے کچھ خیر خبر نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خط کا جواب دینا غیر مناسب نہیں، تو پھر جواب سے نوازیے، بل کہ جوابات سے۔

یہ خط رجسٹری سے یوں بھیج رہا ہوں کہ خود مجھے اطمینان حاصل رہے۔ اس کے بعد میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ جب تک کسی قسط کی رسید نہیں ملا کرے گی، میں اپنے قلم میں سیاہی بھروں ہی گا نہیں۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء[11]

محبی مخمور صاحب!

خط مل گیا اور پیکٹ بھی۔ شکریہ۔ میرے بھائی! اور سب رسالے ڈاک میں آجاتے ہیں، ایوانِ اردو بھی برابر آتا رہا ہے، بس اِدھر دو تین مہینوں سے یہ صورت پیدا ہوئی ہے۔ گڑبڑ ڈاک کی نہیں، دفتر کی ہے۔ کوئی نیا کلرک آ گیا ہوگا۔ رسید کے فارم بھی مجھے نہیں ملے تھے۔ اب آپ کے خط میں ملفوف ملے ہیں۔ انھیں بھی بھیجوں گا۔

ایک بات: باغ و بہار مکمل ہوگئی، مگر کل خلیق انجم سے بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ وہ اسے مارچ تک چھاپیں گے۔ اس صورت میں کیا یہ مناسب رہے گا کہ میں اپنے مقدّمے میں سے ایک ٹکڑا، جس میں لسانی خصوصیات پر گفتگو کی گئی ہے، ایوانِ اردو کے لیے بھیج دوں، جو فروری تک چھپ جائے۔ ۸، ۱۰ صفحے کا ہوگا۔ اگر آپ اسے مناسب سمجھیں تو میں فوری طور پر بھیج دوں۔ اگلی قسط بھی بھیج دوں گا۔ اصل میں مجھے یہ خیال نہیں رہا کہ آپ دہلی سے باہر گئے ہوئے ہوں گے۔ حالاں کہ یہ سامنے کی بات تھی۔ اِس خط کا جواب فوری طور پر لکھیے۔ ممتاز مرزا صاحبہ سے کل فون پر بات ہوئی، وہ پونے سے آ رہی تھیں فرسٹ کلاس میں، کہ جھانسی کے پاس کئی آدمیوں نے ٹرین روک کر اور ڈبے میں داخل ہو کر سب کچھ چھین لیا۔ غنیمت یہ ہے کہ کسی طرح کی جسمانی تکلیف کسی کو نہیں پہنچائی۔ اب سفر بھی کس قدر خطرناک ہو گیا ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۱ء[12]

مخمور صاحب!

مضمون کا نصفِ اوّل حاضر ہے۔ مکمل مضمون آپ کے ایک شمارے کے لیے طویل تر

ہو جاتا۔ دو قسطوں والا مضمون عموماً آپ نہیں چھاپتے؛ لیکن کوئی استثنائی صورت نکل سکتی ہو، تو میں دوسرا حصّہ بھی بھیج دوں گا۔ از راہِ لطف اس کی رسید ضرور بھیجیے۔ عرفؔی کے ایک قصیدے کا مطلع ہے:

جہاں بگشتم و دردا! بہ ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

آپ کی ملاقات بھی کچھ ایسی ہی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ کافی ہوم آپ کے نئے گھر سے کچھ ایسا دور نہیں، کسی اتوار کی شام کو آپ بہ آسانی اُدھر آ سکتے ہیں۔ میں ۲۹ر اکتوبر تک یہاں ہوں۔ ۳۰ر کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ آٹھ دس دن میں واپسی ہوگی، پھر ۲۰ر نومبر کو جموں جانا ہے اور ۲۹ر نومبر کو کراچی، نیاز لکچر کے سلسلے میں۔ ۲۹ر سے پہلے کا کوئی اتوار رکھ لیجیے۔

رشید حسن خاں

ایک اتوار تو کل ہے، ایک اُس کے بعد ۱۹ر کو ہے اور ایک ۲۶ر کو۔ ۱۹ر یا ۲۶ر والا اتوار مناسب رہے گا؟

(۱۲)

بنام: مخمور سعیدی
ٹی بی۔۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۱ر نومبر ۱۹۹۱ء [۱۳]

مخمور صاحب!

آپ کا خط مل گیا تھا۔ اُس کے جواب میں میں نے خط لکھا؛ توقّع کرتا ہوں کہ وہ اب تک آپ تک پہنچ چکا ہوگا۔ دو قسطیں اور تین رسیدیں بھیج رہا ہوں۔ ان کی رسید سے مطلع فرمائیے تاکہ اطمینان ہو۔

بھائی! آپ کے یہاں سے ڈاک بہت پابندی اور حفاظت کے ساتھ یہاں آیا کرتی تھی۔ تقریبات کے دعوت نامے وغیرہ بھی مل جایا کرتے تھے اور رسالے بھی۔ اب دو تین ماہ سے یہ ہونے لگا ہے کہ ایوانِ اردو نہیں ملتا اور بعض خط بھی۔ ذرا دفتر میں ایک بار دیکھ تو لیجیے کہ بات کیا ہے۔

چک کا لفافہ اگر وہاں سے واقعتاً بھیجا گیا تو یہاں ضرور پہنچے گا۔ چشم براہ رہوں گا۔
میں ۳۰ر کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور پھر ایک ہفتے کے لیے ۲۰ر نومبر کو جموں جاؤں گا۔

اُس کے بعد ۲۹ر نومبر کو صرف ایک ہفتے کے لیے کراچی، نیاز لکچر کے سلسلے میں۔ یہ ہے میرا پروگرام۔

۳ر نومبر کو میرے چھوٹے لڑکے کی شادی ہے۔ اِسی خط کو دعوت نامہ سمجھیے اور دولھا دلھن کو دعاؤں سے سرفراز کیجیے۔ یہ میری آخری ذمّے داری ہے، جو تکمیل کو پہنچے گی، اس کے بعد میں ایسے سارے افکار سے خالی الذّہن ہو کر کچھ کام کر سکوں گا۔ باغ و بہار کی زبان سے متعلق مضمون کی اشاعت کے لیے میں نے پچھلے خط میں پوچھا تھا، اُس کے متعلق آپ کی کیا راے ہے؟

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مکرّمی، اوّل، توقّع، حصّے اور اچھّی اچھّی پر تشدید کی علامت نہیں لگی ہوئی۔ دیجیے، کیجیے پر ہمزہ لگا ہوا ہے، میں نے خط کی عبارت نقل کرتے ہوئے اِن الفاظ کو خاں صاحب کے نئے املا کے مطابق مکرّمی، اوّل، توقّع، حصّے، اچھّی اچھّی، دیجیے، کیجیے لکھا دیا ہے اور یہ، کے نیچے لٹکن بھی لگا دیا ہے۔ یہ پوسٹ کارڈ ہے جس کی قیمت ۵ پیسے ہے۔ اس پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۱۹ر اگست ۵۸ء ثبت ہے۔ یہ خط مخمور سعیدی دفتر رسالہ ''تحریک'' ۹- انصاری مارکیٹ، دریا گنج، دہلی کے پتے پر روانہ کیا گیا۔

۲۔ مقام اوپر و تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۔ تاریخ خط کے نیچے درج ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں، صرف رشید حسن خاں لکھا ہوا ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے یہ خط دہلی یونی ورسٹی دہلی سے لکھا گیا۔

۶۔ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا ہے۔

۷۔ شمارہ کی جگہ شمار لکھا ہے۔

۸۔ خط کے اوپر مقام اور تاریخ درج نہیں، لیکن خط کے متن سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔

۹۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۰۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۲۔ مقام اوپر نہیں تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۳۔ ''میں ۳۰ر کو شاہ جہان پور جاؤں گا اور پھر ایک ہفتے کے لیے ۲۰ر نومبر کو جمّوں جاؤں گا۔ اُس کے بعد ۲۹ر نومبر کو صرف ایک ہفتے کے لیے کراچی، نیاز لکچر کے سلسلے میں۔ یہ ہے میرا پروگرام۔ ۳ر نومبر کو

میرے چھوٹے لڑکے کی شادی ہے۔ اِسی خط کو دعوت نامہ سمجھیے اور دولھا دلھن کو دعاؤں سے سرفراز کیجیے"۔ خط کے آخر میں خاں صاحب نے اپنے دستخط کے نیچے ۱۱/نومبر ۹۱ء لکھا ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل خاں صاحب نے جو خط مخمور سعیدی صاحب کو ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو لکھا اُس میں لکھتے ہیں "میں ۲۹/اکتوبر تک یہاں ہوں، ۳۰/کو شاہ جہان پور جاؤں گا۔ آٹھ دس دن میں واپسی ہوگی، پھر ۲۰/نومبر کو جموں جانا ہے اور ۲۹/نومبر کو کراچی، نیاز لکچر کے سلسلے میں"۔

دونوں خطوط کی تحریریوں کو دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء والے خط کی تاریخیں درست ہیں جب کہ ۱۱/نومبر ۹۱ء والے خط کی دو تاریخوں یعنی ۳۰/اور ۳/نومبر کا ذکر درست نہیں ہے۔

★★★

بنام مرزا خلیل احمد بیگ، پروفیسر

(۱)

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۷
۲۹/اگست ۱۹۸۷ء[۱]

مکرّمی! آداب

کتاب ملی تھی، خط بھی ملا۔ اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کی کتاب جیسے ہی آئی، ویسے ہی چلی بھی گئی۔ ڈاکٹر صابرین (N.C.E.R.T.) میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ اُسے دیکھتے ہی اپنے ساتھ لے گئے۔ دو چار دن میں واپس آجائے گی۔

بھائی! میں آپ کو داد تو دے سکتا ہوں، آپ کی محنت کا اعتراف کر سکتا ہوں، آپ کی تعریف کر سکتا ہوں (اور کروں گا) مگر کسی ادارے سے اسے نصابی طور پر منظور کرانا میرے بس سے باہر کی بات ہے۔ کسی ادارے سے میرے ایسے مراسم نہیں۔ میں خانہ نشیں ہوں اِس اعتبار سے، اور یہ چلت پھرت کی بات ہے، ملنے جلنے کا معاملہ ہے اور اِس کے لیے مراسم بھی شرط ہیں اور اِن صفات سے میں معرّا ہوں، اور یہ آج کی بات نہیں، پہلے دن سے یہی صورتِ حال ہے۔

مجھے اِس پر مسرّت ہوئی کہ آخر کار آپ نے ہاے ملفوظ کے نیچے شوشے کا ہونا مان لیا (مثلاً "جگہ") میرے بعد آپ دوسرے آدمی ہیں جس نے اِس واضح اصول کو تسلیم کیا ہے۔ اور بھی بعض باتیں قابلِ داد ہیں مثلاً یہ کہ اضافت کی صورت میں ی پر ہمزہ نہیں آئے گا۔ البتہ ے پر ہمزہ کو آپ نے ضروری گردانا ہے، میں اس پر اعتراض نہیں کرتا، مگر یہ توقع کرتا ہوں کہ کبھی نہ کبھی آپ اِس بات کو بھی مان ہی لیں گے۔ یہ بات براے بحث نہیں لکھی، محض اظہارِ خیال ہے، ے پر ہمزہ بہ صورتِ اضافہ آپ کی راے میں آئے گا، مگر جن لفظوں کے آخر میں ے جزوِ کلمہ ہے (جیسے: راے، ہاے، چاے، براے، بجاے وغیرہ) اُن کے متعلق مجھے اِس کتاب میں کوئی بات نہیں نظر آئی (شاید جلدی میں نظر نہ آئی ہو اور آپ نے کچھ لکھا ہو) بہ ہر صورت آپ کی راے میں اگر اضافت کی صورت میں ے پر ہمزہ کا اضافہ ضروری ہے، تو اُس صورت میں جب کہ کسی لفظ میں کسی بھی وجہ سے ے کا اضافہ نہیں کیا گیا، بل کہ وہ شاملِ لفظ یا داخلِ لفظ ہے، تو اس صورت میں تو

ہمزہ کو نہیں آنا چاہیے۔ میری رائے یہی ہے (جو ے جزوِ کلمہ ہے، اُس پر ہمزہ لکھنے کی مرزا غالب نے عقل کو گالی دینے سے تعبیر کیا تھا، اور بجا طور پر)۔

آپ کی عنایت کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے بے حد مسرّت ہوئی جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ املا کے مسائل کی طرف اب توجہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جب میں نے اِس کام کا آغاز کیا تھا ۱۹۶۰ء میں، اُس وقت اِس طرف شاید ہی کسی کی توجہ منعطف ہوتی ہوگی۔ تقسیم کے حادثے نے پچھلے بزرگوں کے کام کو ذہنوں سے نکال دیا تھا اور نظروں سے دور کر دیا تھا۔ بہ ہر حال میں اپنی ناچیز خدمات پر فخر ضرور کرتا ہوں کہ اِس ضروری بات کو ایک موضوع کی حیثیت سے روشناس کرانا میں نے اپنا مقصود بنا لیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس میں ہر سطح پر کام یابی ہوئی ہے۔

کبھی کبھی خط تو لکھا ہی کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

۱۷/اپریل ۱۹۸۹ء

مرزا صاحب مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۸/اپریل ملا تھا۔

بھائی! مسعود صاحب میرے محترم ہیں، مگر اُن سے مراسلت کا سلسلہ کبھی قائم نہیں ہو سکا۔ مدّت العمر میں شاید تین یا بہت سے بہت چار خطوں کا تبادلہ ہوا ہوگا۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ میرے پاس تو ''بے شمار خطوط ہوں گے'' تو برادر! یہ آپ کی محبت ہے اور حُسنِ ظن، ایسا ہے نہیں۔ سرسری تلاش سے ان تین یا چار خطوں میں سے کوئی بھی اِس وقت نہیں ملا۔ بات ذہن میں رہے گی، تلاش بھی کرتا رہوں گا اور جیسے ہی کوئی خط ملا، آپ کو مطلع کروں گا، بل کہ خط بھیج دوں گا، اِس کا اطمینان رکھیے۔ آپ کا لکھنا میرے لیے واجبُ التعمیل ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

رسالہ تحقیق (سندھ) میں آپ کا ایک مضمون پڑھا تھا۔ اس رسالے کا تعارف غالب نامہ کے تازہ شمارے میں شامل ہے۔ آپ کے مضمون کا بھی اس میں ذرا سا ذکر آ گیا ہے۔ امیر خسرو سے منسوب کلام والی بات بہت احتیاط طلب ہے۔ تجارتی مقاصد سے یہاں بحث نہیں، آپ سے یہ بات یوں کہہ رہا ہوں کہ آپ کی نظر میری چیزوں پر رہتی ہے اور آپ احتیاط کے تقاضوں سے بے خبر

نہیں اور غیر تجارتی آداب کے قائل ہیں۔

(۳)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
۲۶/اپریل ۱۹۸۹ء

مرزا صاحب!

لیجیے دو خط تو مل گئے، انھیں اِسی لفافے میں بھیج رہا ہوں، ان کی رسید سے فی الفور مطلع کیجیے۔ کم از کم ایک خط اور ملنا چاہیے، تلاش جاری رہے گی۔

خط 1 کا پس منظر یہ ہے کہ غالب اکیڈمی میں مسعود صاحب نے ایک خطبہ دیا تھا مسائلِ لغت پر، اُس میں یہ کہا تھا کہ ہ اور ھ کا امتیاز سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے متعین کیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ب اور بھ یات اور تھ (وغیرہ) کو الگ الگ حرف ماننا اُنھی سے شروع ہوا ہے، میں نے مسعود صاحب کو خط لکھا کہ یہ درست نہیں، مرزا جان طپش دہلوی نے اپنے لُغت شمس البیان میں اس امتیاز کو ملحوظ رکھا ہے اور میرے علم میں یہ اوّلین لغت ہے اِس لحاظ سے۔ اِس میں مثلاً پہلے ب کی فصل ہے، پھر بھ کی فصل ہے (وغیرہ) بے مع ہ کے الفاظ تو ب کی فصل میں ہیں (جیسے: بہت، بہبود) اور بھ سے شروع ہونے والے لفظ اس کے بعد الگ فصل میں ہیں (جیسے: بھرنا، بھاگنا)۔

خط۲ کا احوال یہ ہے کہ باغ و بہار میں ایک جگہ فعل ''چاہتا'' آیا ہے، یہ نئی شکل تھی اُس وقت تک میرے لیے، میں نے اِس سلسلے میں کئی حضرات کو لکھا تھا، مسعود صاحب کو بھی ایک خط لکھا تھا۔ یہ اُسی خط کا جواب ہے۔ (میں اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ صورتِ حال وہ نہیں ہے جس کا ذکر مسعود صاحب نے اِس خط میں کیا ہے)۔

اِن دونوں خطوں کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں، اپنے پاس رکھ لیجیے، محفوظ رہیں گے۔ یہاں گُم گُما جائیں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
۱۱/مئی ۱۹۸۹ء

مرزا صاحب مکرّم!

خط آپ کا مل گیا۔ بھائی! میری خاطر آپ یہ زحمت تو گوارا کر ہی لیجیے کہ اُس کتاب کو بہ

ذریعۂ ڈاک بھیج دیجیے۔ کتاب ایسی چیز ہوتی ہے کہ اُسے فی الفور پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور کسی قاصد کا انتظار نہ کیجیے، کہ کتاب کے معاملے میں قاصد عموماً غیر معتبر ثابت ہوتے ہیں، یہ پُرانا تجربہ ہے۔ رجسٹری کرا دیجیے۔

غالب نامہ کے اڈیٹوریل بورڈ کی میٹنگ اِس ماہ کے آخر میں یا پھر اگلے ماہ کے وسط میں ہوگی؛ انشاء اللہ آپ کا نام اُس فہرست میں شامل ہو جائے گا اور رسالہ ملا کرے گا، اِس کے لیے کبھی کچھ بھیج بھی دیجیے گا۔ بل کہ اگلے شمارے کے لیے آپ اگر کوئی تحریر بھیج دیں تو اِس سے رسالے کو فائدہ پہنچے گا۔ اگلا شمارہ دسمبر میں شائع ہوگا، یعنی اِس شمارے کے بعد جو جون کے اواخر میں آئے گا۔

آپ کو زحمت دے رہا ہوں، مگر اِس توقّع کے ساتھ کہ یہ زحمت بارِ خاطر نہیں بنے گی، توقّع کرتا ہوں کہ آپ مجھے ممنون کریں گے۔

ہاں محض ضمنی طور پر یہ عرض کروں کہ غالب نامہ میں شائع ہونے والے مقالات کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے (وہ کم سہی، مگر یہ محض ضمنی بات ہے، صرف بہ طورِ اطلاع لکھی گئی ہے)۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

۲۳؍مئی ۱۹۸۹ء[۵]

میرزا صاحب مکرّم!

کتاب مل گئی، اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

لطیف خاں صاحب کو بھی خط لکھوں گا، لیکن چند روز کے بعد، یعنی کتاب پڑھ کر۔ ایک بار پھر شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

۲؍جون ۱۹۸۹ء[۶]

مرزا صاحب مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا، مگر اُس سے پہلے میں آپ کو خط لکھ چکا تھا، ابھی لطیف صاحب کا بھی ایک خط ملا ہے۔ آج اُن کو خط لکھ رہا ہوں اور آپ کو اِس کی اطلاع دے رہا ہوں۔ آپ کی عنایت کا شکریہ پہلے ہی ادا کر چکا ہوں۔

اور ہاں، جین صاحب نے مسعود صاحب کے ''اردو خلقیہ'' کو اپنے مضمون (ہماری زبان) میں جس طرح ''اسلامی خلقیہ'' میں بدلا ہے اور پھر وہ شعر لکھا ہے، اُسے آپ نے دیکھا؟
رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
۱۰/ اگست ۱۹۸۹ء

مرزا صاحب مکرّم!
دونوں کتابوں کا پیکٹ مل گیا۔ آپ کی اِس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ لطفِ خاص کا یہ سلسلہ غیر منقطع ثابت ہوگا۔
یہ بھی توقّع رکھتا ہوں کہ نذرِ مسعود جب بھی چھپے گی، اُس کی ایک جلد آپ مجھے بھی بھیجیں گے۔ یہ بات ابھی سے یوں لکھ دی ہے کہ سند رہے اور کام آئے۔
ابھی وہ تیسرا خط نہیں ملا ہے، تلاش بہرحال جاری ہے، یہ دیکھوں گا کہ میں نے اُسے انجمن میں تو جمع نہیں کر دیا۔
آپ کا سفر پاکستان آپ کے لیے باعثِ مسرّت ثابت ہوا، اس کی مجھے بھی مسرّت ہے۔ خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

پسِ نوشت: لطیف الزّماں صاحب کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔

(۸)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
۲۶/ جنوری ۱۹۹۰ء

مُحبِّ مکرّم!
آپ کا خط مرقومہ یکم جنوری مجھے ۲۲/ جنوری کو اُس وقت ملا جب میں بمبئی سے واپس ہوا۔ نذرِ مسعود مل گئی تھی، اُس کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ ابھی اُسے پوری طرح پڑھ بھی نہیں سکا ہوں۔ کچھ تو مسلسل سفر اور کچھ یہ بات کہ آنکھیں ابھی تک ساتھ نہیں دے پا رہی ہیں دو بار چشمے کا نمبر بدل چکا ہے، مگر اب تک نظر جمتی نہیں یوں لکھنا پڑھنا گویا بند ہے، بس ضروری خط لکھ لیا کرتا ہوں۔
میں نے فسانۂ عجائب، مسعود صاحب کے ہاتھ بھیجی تھی، ملی ہوگی۔ اُس کی رسید سے

نوازیے۔ میں ۳۱ر دسمبر ۸۹ء کو ریٹائر ہوگیا، مگر ابھی اِس سال کے آخر تک یعنی دسمبر ۹۰ء تک یہیں گائر ہال میں رہوں گا، جب بھی پتا بدلے گا، آپ کو ضرور مطلع کروں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۴ر اگست ۱۹۹۲ء

مرزا صاحب!

خط ملا۔ میں خود یہاں آپ کی رفاقت کا خواہش مند ہوں۔ اطمینان رکھیے، خط آپ کا بروقت ملا۔ دو دن بعد ملتا تو بعد از وقت ہوتا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ[۱۰]

۵ر جون ۱۹۹۳ء

خلیل صاحب مکرّم! آداب

۲۵ر مئی کا خط مجھے کل ۴ر جون کو ملا۔

مبارک باد کا شکریہ۔ آپ جیسے مخلص اور غم گسار احباب کے ایسے الفاظ سے تسکین ملتی ہے اور کام کرنے کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ باغ و بہار کے بعد اب میں مثنوی گلزارِ نسیم کو اُسی انداز پر مرتب کر رہا ہوں۔ غالباً دو سال میں، کام مکمل ہو سکے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ[۱۱]

۱۰ر مئی ۱۹۹۵ء

مرزا صاحب!

آپ کا وعدہ تو کانگریسی وعدہ ہوگیا کہ وفا ہوتا ہی نہیں۔ اب تو یاد دہانی کا فریضہ بھی ادا ہوگیا، اب التفات فرمایئے۔ چشم براہ ہوں، بہت ممنوں ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

گائڑ ہال

۲۴ مئی ۱۹۹۵ء

مرزا صاحب! آداب

آج ہی آپ کا خط ملا۔ شکریہ۔ نفس اللغۃ سے ۱۲۵۶ ہی نکلتے ہیں، ملاحظہ ہو:

ن ۵۰، ف ۸۰، س ۶۰، ا ۱، ل ۳۰، غ ۱۰۰۰، ۃ ۵=۱۲۵۶

آپ بھی شمار کرلیجیے۔ مفتی صاحب کو سہو ہوا یا پھر کتابت میں ۶ کا ہندسہ ۴ بن گیا۔ جو بھی ہوا ہو، ۱۲۵۴ قطعی طور پر نا قابلِ قبول ہے۔

عربی میں ت اور ۃ دو الگ شکلیں ہیں۔ ت کو تاے اصلی کہتے ہیں اور ۃ کو تاے مدوّر یا تاے موقوفہ۔ قواعد میں دونوں کے احکام بھی الگ ہیں۔ ت کے ۴۰۰ عدد ہیں اور ۃ کے ۵۔ عربی میں حالتِ وقت میں ۃ کو ہاے مختفی کی طرح زبان سے ادا کیا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک جن لوگوں نے قواعدِ تجوید کے ساتھ پڑھا ہے، اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں ۃ ہے، جب ان پر وقف کیا جائے یا پڑھنے میں سانس ٹوٹ جائے اور یوں وقف کرنا پڑے، تو اُس صورت میں ہ کی آواز نکلے گی، یعنی مختفی ہ کی۔ مثلاً ساعۃ کو ساعہ (یا ساعہ) کہا جائے گا۔ یہیں سے ہاے مختفی نے وجود پایا، ورنہ فارسی میں اصلاً ہاے مختفی کہاں، مگر اِس بنا پر فارسی میں اِس نے مستقل شکل کی حیثیت اختیار کرلی، یہاں تک (کہ) بعض لفظوں میں ت اور ۃ نے دو مختلف شکلیں پیدا کردیں، مثلاً: ارادت، ارادہ۔ عربی میں ''لغات'' جیسے لفظوں میں تاے دراز لکھی جاتی ہے، یوں کہ اِس میں تاے اصلی ہے اور لغت کو لغۃ لکھا جائے گا، یوں کہ اس میں تاے مدوّر ہے۔ اسی طرح آیات اور آیۃ یا آیہ، ساعات اور ساعۃ یا ساعہ (وغیرہ)۔ اردو فارسی والے تاے مدوّر کو مع نقطہ بھی لکھتے ہیں اور بغیر نقطہ بھی آیۃ، آیہ۔ اسی طرح لغۃ یا لغہ یالغۃ۔ ہر صورت میں اس ہ کے عدد پانچ شمار کیے جائیں گے۔ قواعد تاریخ گوئی کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔ سراج اللغۃ لکھیں یا سراللغہ، نفس اللغۃ لکھیں یا نفس اللغہ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ عدد آخری حرف کے پانچ ہی لیے جائیں گے۔ میں ہمیشہ اصل صورت کو ملحوظ رکھتا ہوں اور نفس اللغۃ یا سراج اللغۃ لکھتا ہوں۔

اردو املا تو آپ کے پاس ہے؛ اُس میں ۱۱۷ سے ۱۱۹ تک ت اور ۃ کا بیان ہے، آپ اُسے ایک نظر ضرور دیکھ لیجیے۔ میں نے ضروری تفصیلات لکھ دی ہیں۔

آپ نے سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے زحمت گوارا کی، اِس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار؛ لیکن میں آپ کے مجتہد صاحب کے جوابات سے نہ مطمئن ہوا نہ متاثر۔ مثلاً اُنھوں نے بتایا کہ ''جنگ خندق میں حضرت جبریل نے حضرت علی کی تلوار کی زد پر اپنا پر لگایا تھا''۔ میرے پاس یہ، اطلاع ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر سے متعلق ہے۔

ذوالفقار کے لیے لکھا ہے کہ یہ ''جنگ خیبر میں'' رسول اللہ نے دی تھی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ، واقعہ جنگِ احد سے متعلق ہے (دائرۃ المعارفِ اسلامیہ)۔ ''نادِ علیؑ'' کے نزول میں بھی یہی اختلاف ہے اور شانِ نزول میں بھی۔

یہ لکھا ہے کہ ''خاتم الانبیا'' میں خاتم کی ت کے نیچے زیر ہے۔ خاتَم اور خاتِم لغت میں دونوں طرح ملتا ہے (المنجد) اور قرآنِ پاک میں ''خاتَم النّبیّین'' آیا ہے، اس آیت میں جو یہاں سے شروع ہوتی ہے: ماکانَ محمد آباء احدٍ من رجالکم ... (سورۂ احزاب)۔ اس لحاظ سے تو بہ فتحِ تا مرجح قرار پائے گا۔ میں نے فسانۂ عجائب میں ص ۱۷۴ پر اِس کی تفصیل لکھی ہے۔ غرض کہ مجتہد صاحب کا کہنا یہاں بھی میرے لیے قابلِ قبول نہیں، یوں کہ مرجّح صورت موجود ہے۔ میں فی الوقت یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ان اختلافات کا حقیقی احوال کیا ہے۔ میں اب اِس سلسلے میں مزید تحقیق کروں گا اور لکھنؤ میں خاندانِ اجتہاد یا خاندانِ سعید الملۃ سے معلوم کروں گا۔

بھائی! میں اپنے آپ کو معمولی طالبِ علم سمجھتا ہوں۔ یہ محض گویائی نہیں، حقیقتِ نفس الامر ہے۔ ہمیشہ پوچھتا رہتا ہوں اپنے بڑوں سے بھی، احباب سے بھی اور چھوٹوں سے بھی۔ اِس میں ذرا بھی شرم نہیں کرتا۔ میرے اساتذہ نے مجھے یہی بتایا تھا اور اس پر بہت زور دیا تھا۔ البتہ ایمان جلد نہیں لاتا، جب تک کہ نفسِ مطمئنہ حاصل نہ ہو جائے اور یہ بات تحقیق نے سکھائی ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ اگر مجتہد صاحب سے کبھی یوں ہی ملاقات ہو جائے تو برسبیلِ تذکرہ کہہ تو دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

ٹی سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

۱۳/۷ اگست ۱۹۹۵ء

مرزا صاحب!

۲۲؍جون کا خط خاصی تاخیر سے ملا۔

کتاب نما کا وہ شمار(ہ) اب جو ڈھونڈا تو فوری طور پر نہیں ملا، رسالوں میں دب گیا ہے۔ کسی دن فرصت پا کر اُسے ڈھونڈ نکالوں گا اور اپنی رائے ضرور لکھوں گا۔ اصل میں آج کل مثنویاتِ شوقؔ نے بے طرح ذہن کو گھیر رکھا ہے۔ ہر وقت اُسی کی لفظیات میں اُلجھا رہتا ہوں۔ اس کا یقین ہے کہ آپ کی تحریر سرسری نہیں۔ آپ عموماً سوچ سمجھ کر لکھتے ہیں۔

یاد تو یہی پڑتا ہے کہ آپ کی یہ تحریر بھی بہت سنجیدگیِ فکر سے معمور تھی۔ اب رہا اتفاق و اختلاف، سو وہ تو ایسے مسائل میں ہمیشہ رہے گا۔ اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں ایک مسئلے پر میں ضرور متفکر ہوں کہ مختلف قسم کی تجاویز سے پڑھنے والوں کے ذہن میں انتشار تو نہیں پیدا ہوگا؟ چار آدمی چار تجاویز پیش کریں تو اُن کا ردِ عمل یہ بھی ہوسکتا ہے۔ بہ ہر حال، یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ چار چھے سنجیدہ مزاج اور صحیح معنی میں واقف کار بیٹھ کر پہلے آپس میں تبادلۂ خیال کریں، جس حد تک اتفاق ہو سکے، اُسے سب کے سامنے پیش کیا جائے، باقی مسائل کو مزید غور و فکر کے لیے رکھا جائے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ املا ایسا موضوع ہے کہ اس میں لسانیات کے اصولوں کی پابندی ممکن نہیں۔ یہ قواعدِ زبان کا مسئلہ ہے اور اس کا تعلق بعض دوسری باتوں سے بھی ہے۔ بہ ہر طور پر، کبھی ایسا ہوا کہ مفصل ملاقات کی صورت نکلی تو اُس وقت تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

پتا اوپر سرنامے پر درج ہے، مقالے کا صرف ''فکر انگیز'' ہونا کافی نہیں، عمل اور نفاذ کے مشکل مرحلے کو ضرور نظر میں رہنا چاہیے۔ انجمن ترقیِ اردو نے مولوی عبدالحق کے زمانے میں یہ کیا تھا کہ مقررہ اصولوں کی ساری مطبوعات میں پابندی کرائی تھی، مگر تقسیم کے بعد آں دفتر را گاؤ خورد۔ اب مکتبۂ جامعہ میں بڑی حد تک اصولِ املا کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے۔ خدا کرے آپ سے جلد تر ملاقات ہو اور گفتگو ہو۔

رشید حسن خاں

ایک ضروری بات: محترمی مسعود حسین خاں صاحب نے کسی مضمون میں (غالباً) یہ لکھا ہے کہ کلیات قلی قطب شاہ کا جو مخطوطہ حیدر آباد میں ہے، اُس میں کسی نظم پر کوئی عنوان نہیں (یعنی یہ بعد والوں کی کارگزاری ہے)۔ آپ ازراہِ لطف اُن سے میرے حوالے سے یہ دریافت کر لیجیے کہ یہ بات اُنھوں نے کہاں لکھی ہے اور یہ بات درست ہے کہ اصل مخطوطے میں کسی نظم پر کوئی عنوان نہیں۔ اِس زحمت دہی پر معذرت طلب ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ
شاہ جہاں پور
۱۰ر جنوری ۲۰۰۵ء[۱۴]

محبِ مکرّم بیگ صاحب! سلامِ شوق
آج ہی آپ کا کارڈ ملا نئے سال کی مبارک باد کا، یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ میری طرف سے بھی مبارک باد قبول فرمائیے۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص
رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ مکتوب نگار کا پتا اور تاریخ سرنامے پہ درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا معلوم نہیں ہوسکا کیوں کہ مکتوب کے لفافے کا عکس نہیں ملا۔

۲۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔
رشید حسن خاں
۹۔ ٹیچرس کورٹ گاڑہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔۷-۱۱۰۰۰۷
جناب مرزا خلیل بیگ

Faisal Villa
Sir Syed Road, Sir Syed Nagar
Aligarh (U.P) Pin code 202001

۳۔ خط پہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کا پتا درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے وہی پتے درج ہیں جو ۱۷راپریل ۱۹۸۹ء والے خط پہ ہیں۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔

۵۔ خط کی پشت پہ صرف مکتوب الیہ کا وہی پُرانا پتا درج ہے، مکتوب نگار کا نہیں۔ تاریخ خط کے آخر میں درج ہے۔ خط کا آغاز خاں صاحب نے "مرزا" کے "میرزا" لکھ کر کیا ہے۔

۶۔ خط کی پشت پر مکتوب الیہ کا پتا درج ہے لیکن مکتوب نگار کا نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ خط کا آغاز "میرزا صاحب مکرّم" سے کیا ہے۔

۷۔ خط کی پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے وہی پُرانے پتے درج ہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۸۔ مکتوب الیہ کا پتا پُشت پر درج ہے، مکتوب نگار کا نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔

۹۔ مکتوب نگار کا پتا اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا درج نہیں۔

۱۰۔ مکتوب نگار کا پتا درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ پُشت پر مکتوب الیہ کا پتا درج ہے۔

۱۱ خط کی پُشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے:

جناب مرزا خلیل احمد بیگ

A/B-86, Medical College, Univrsity Campus
Aligarh-202002

۱۲ سرنامے پر مکتوب نگار کا پتا و تاریخ دونوں درج ہیں۔ پُشت پر مکتوب الیہ کا پتا درج نہیں۔

۱۳ خط پہ مکتوب نگار کا پتا اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ پُشت پر مکتوب الیہ کا پتا وہی درج ہے جو ۱۰ر مئی ۱۹۹۵ء والے خط پہ درج ہے۔

۱۴ یہ خط ۱۰ر جون ۲۰۰۵ء کو شاہ جہاں پور سے لکھا گیا۔ مکتوبِ الیہ کا پتا یوں درج ہے:

Prof. M. K. A. Beg
Chairman Dep. of Linguistics, Aligarh Muslim University,
Aligarh-202002

★★★

بنام مقصود احمد، ڈاکٹر

شاہ جہان پور

۸/ ستمبر ۲۰۰۵ء

عزیز مکرم مقصود احمد صاحب!

کتاب کا تحفہ مل گیا، اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے روشِ عام سے ہٹ کر موضوع کا انتخاب کیا اور پھر اُس کی تفصیل نگاری کو بہت سلیقے اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا؛ اِس کی جس قدر داد دی جائے، کم ہے۔ آپ جیسے اچھے کام کرنے والے شخص سے ملاقات تو اب سے بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھی۔ مجھے آپ کی اِس کتاب نے بہت متاثر کیا۔

جی نہیں، مشفق خواجہ مرحوم نے مقالاتِ صدیقی کی کوئی جلد شائع نہیں کی، دوسری جلد مرحوم کے صاحب زادے مسلم صدیقی مرحوم نے مرتب کر لی تھی، اُس کی کتابت بھی اُنھوں نے کرالی تھی، پھر میرے توسط سے وہ مکتبۂ جامعہ دہلی میں چھپنے کے لیے دی گئی۔ مکتبے کے جنرل منیجر شاہد علی خاں صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ جلد شائع کریں گے، مگر ہنوز روزِ اوّل ہے۔ مشفق خواجہ اُسے کراچی سے چھاپنا چاہتے تھے اگر جامعہ والے نہ چھاپنا چاہیں، مگر شاہد علی خاں نے نہ میرے خطوں کا جواب دیا نہ مشفق خواجہ کے متعدد خطوں کا جواب لکھا۔ میں رٹائرمنٹ کے بعد دہلی سے چلا آیا اور یہاں آکر اس طرح بیمار ہوا کہ اب تک صحت یاب نہیں ہو سکا ہوں۔ ۱۹۹۱ء میں دہلی ہی میں حملۂ قلب سے دوچار ہوا تھا، پھر دوسری بار یہاں وہی صورت پیدا ہوئی۔ ڈاکٹروں نے گھر سے باہر جانے پر پابندی لگا دی ہے یوں بس ایک کمرے کا قیدی بن کر رہ گیا ہوں۔ دیکھیے شاہد علی خاں کب التفات فرماتے ہیں!

ہاں، الٰہ آباد سے مسلم صاحب نے جو کاغذات میرے پاس بھیجے تھے، اُن میں صدیقی صاحب کی ایک تالیف معرّباتِ رشیدی کا نسخہ بھی تھا ناتمام۔ متن (انگریزی میں) مکمل تھا، حواشی منتشر تھے۔ میں نے وہ سب کاغذات کراچی بھیج دیے تھے۔ مشفق خواجہ نے یہ بڑا کام کیا کہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی سے اُس نسخے کو ازسرِ نو مرتب کرا کے شائع کر دیا۔ مظہر محمود صاحب پوتے ہیں حافظ محمود خاں شیرانی کے۔ اُنھوں نے بہت محنت کے ساتھ مقدمہ و حواشی کے ساتھ

اُسے مرتب کیا۔ یہ کتاب آپ کے علم میں نہیں آسکی۔ ایک نسخہ میرے پاس اُنھوں نے بھیجا تھا۔ بہت عمدگی کے ساتھ یہ کام ہوا ہے۔ میں نے وہ نسخہ علی گڑھ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی کے پاس بھیج دیا۔ (یہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریڈر ہیں اور ندوے کے فارغ التحصیل ہیں)۔

اچھی کتاب کا تحفہ سب سے قیمتی تحفہ ہوتا ہے؛ یوں بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

نوٹ: اِس خط کا عکس مہر الٰہی ندیم (علیگ) کے توسط سے حاصل ہوا — (ٹی.آر.رینا)

حاشیہ:

ا ابتدا میں اس میں جس کتاب کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا گیا ہے اس کا عنوان ہے ''احوالِ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مقالاتِ صدیقی جلدِ اوّل کا مفصل جائزہ'' (مقصود احمد) وصول پایا ۱۹ر دسمبر ۲۰۰۵ء۔

★ ★ ★

بنام ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر

(۱)

ٹی سی .9، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۱۷ر جولائی ۱۹۷۹ء
مکرّمی!

آپ کا خط مورخہ ۸ر جولائی، مجھے اب ملا، جب میں موسم گرما کی تعطیلات کے بعد واپس آیا ہوں۔ تاخیرِ جواب کا سبب یہی تھا۔ آپ کے اِس لطفِ خاص کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے مضمون کی داد دیتا ہوں۔ نہایت درجہ اہم موضوع کی طرف آپ نے توجہ کی ہے۔ غفلت کا عالم اِس قدر گہرا ہے کہ آپ کو بار بار توجہ دلانا ہوگا۔ اِس سلسلے میں ایک دو مضمون اِسی انداز کے آپ کو اور لکھنا ہوں گے۔ بہ ہر حال، جس انداز سے آپ نے مضمون لکھا ہے، وہ داد طلب ہے: متوازن، سنجیدہ، جذباتیت سے پاک اور دلائل سے آراستہ۔

آپ نے جن الفاظ میں میرا ذکر کیا ہے، اُس کے لیے بھی شکر گزار ہوں اور آپ کی اِس غائبانہ نوازش کے لیے ممنون ہوں۔ اردو املا کا انتخاب اردو کیسے لکھیں کے عنوان سے ابتدائی درجوں کے طلبہ کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اور اِسے مکتبۂ جامعہ نے چھاپا ہے۔ غالباً وہ آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ طلبہ کے لیے اُس کا حوالہ مناسب رہے گا۔ املا نامہ بھی اردو املا کا انتخاب ہے۔ لفظاً لفظاً۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ رپورٹ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ بہ ہر صورت، مجھے مسرّت اِس پر ہے کہ میری ناچیز کوششیں رایگاں نہیں گئیں اور سنجیدہ حلقوں میں اُن کو سنجیدگی اور دل چسپی کے ساتھ دیکھا گیا ہے، اور اب لوگ اِس طرف توجہ کرنے لگے ہیں۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ املا کو مستقل موضوع کی حیثیت حاصل ہو، اور اُس میں بہت کچھ کام یابی ہوئی ہے۔

میں نے طلبہ کے لیے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے، صحتِ زبان و بیان کے موضوع پر؛ یہ بالاقساط رسالہ پیامِ تعلیم میں چھپ رہا ہے۔ اُس کی ایک قسط آپ کے لیے ملفوف ہے۔ یقین ہے کہ آپ اِسے ضرور پسند کریں گے۔

میرے پتے میں آپ نے صرف "9" لکھا ہے، یہ درست نہیں، "T.C.9" لکھنا چاہیے

تھا، ورنہ خط کے کہیں اور پہنچ جانے کا امکان رہے گا۔

ایک بار پھر اِتنے اچھے مضمون کے لیے آپ کو قابلِ مبارک باد سمجھتا ہوں۔ اگر آیندہ اِس سلسلے میں آپ کچھ لکھیں، تو میری درخواست یہ ہے کہ اُس سے مجھے محروم نہ رکھیں۔ اگر آپ کبھی کبھی خط لکھتے رہیں گے تو میں بہ طورِ خاص منت پذیر ہوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۱ر اگست ۱۹۷۹ء

عزیزِ مکرّم!

آپ کا خط مورخہ ۲ر اگست موصول ہوا۔ شکریہ۔ املا کا حال بہت بُرا ہے۔ لوگ عام طور پر اِس طرف توجہ نہیں کرتے۔ اِس میں شک نہیں کہ اب دو چار سال سے کچھ لوگ اس کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے دیکھنے لگے ہیں اور احتیاط بھی کرتے ہیں؛ مگر اکثریّت کا احوال وہی ہے۔ بہ ہر حال، کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ آپ اِس سلسلے میں ایک دو مضمون اور لکھیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ بہ ہر صورت، مجھے اِس پر فخر ہے کہ اِس موضوع کی طرف میری تحریروں نے لوگوں کو متوجہ کیا ہے اور آپ جیسے دو چار لوگ اور فراہم ہو جائیں جو اپنے علاقوں میں اِس طرف توجہ دلائیں، تو اور بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مجھے آپ کی تحریر اور آپ کی لگن، دونوں نے متاثر کیا۔ یہ دونوں اجزا ذرا کم یک جا ہوتے ہیں۔ بھائی! کیا کہوں، ابھی پاکستان سے ترقی اردو بورڈ کے لغت کی پہلی جلد میرے پاس آئی ہے؛ اُس کا احوال یہ ہے کہ ایک لفظ کی تین تین صورتیں اُس میں موجود ہیں۔ اب اور کسے موردِ الزام ٹھہرایا جائے! میں اِس لغت پر مفصّل تبصرہ کروں گا۔

ہاں صاحب! آپ نے یہ نہیں لکھا کہ اِس وقت آپ کیا کر رہے ہیں؟ ملازمت کی کیا صورت ہے اور آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ اِس کی تفصیل ضرور لکھیے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ کچھ پریشان خاطر ہیں؛ اِس کا مطلب کیا ہے؟

(۱) اردو میں ''کلاتھ'' صحیح لفظ اور صحیح املا ہوگا۔ ''فارم'' اور ''فورم'' دو الگ لفظ ہوئے۔ انگریزی کا 'O' اکثر صورتوں میں اردو میں 'A' بن جاتا ہے۔ مثلاً گاڈ، پاٹ۔ یہ اردو کے تلفظ کا کرشمہ اور رجحان ہے کہ انگریزی کی آواز اردو میں سیدھا پن اختیار کر لیتی ہے۔ ''دِلّی کلاتھ مل'' اور

''کلاتھ مرچنٹ'' زبان زد ہیں۔ یہی انسب ہے۔

(۲) 'S' کی آواز مختلف لفظوں میں مختلف رہی ہے اور بعض صورتوں میں دو شکلیں بن گئی ہیں۔ مثلاً ''رام اینڈ سنز'' دو طرح لکھا جاتا ہے۔ مگر مجھے اوّل الذکر صورت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ بہ لحاظِ اصل ''س'' کا محل ہے۔ اِس کو دونوں طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد کوئی ایک صورت خود بخود تعین ہوجائے گی۔

ہماری اردو لغت کی ترتیب اب کسی فرد کے بس کی بات نہیں۔ کوئی ادارہ اِس کام کو کرا سکتا ہے۔ میں سارے وسائل سے محروم اور اداروں سے دور۔ گوشہ گیر اور مردم بیزار۔ میں کیا کروں گا۔ آپ دعا کرتے رہیے کہ مردے از غیب بروں آمد و کارے بکند۔ آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

ہمارے یہاں شعبۂ اردو میں ایک ہندی اردو (دولسانی) لغت مرتّب کیا جارہا ہے؛ میں تو اُسی کو نہیں دیکھ پاتا، اور کیا کروں گا۔ میں اچھا خاصا کام چور مردم بیزار اور کوتاہ قلم ہوں؛ کاہلی مزید برآں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳؍فروری ۱۹۸۰ء

مکرّمی!

دنوں کے بعد آپ کا خط ملا۔ یہ پڑھ کر واقعی مسرّت ہوئی کہ آپ اب باضابطہ ملازمت حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئے ہیں۔ خدا مبارک کرے اور راس لائے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔ کبھی کبھی خط ضرور لکھتے رہا کیجیے۔ آپ کے سوالات کے جوابات:

(۱) میرے نزدیک مرجح املا ''ذرا'' ہے، وجوہ اردو املا میں لکھ چکا ہوں اور وہ آپ کے پاس ہے۔ برادر! یہ کہانی دردناک بھی ہے اور عبرت ناک بھی، کیا عرض کروں! املا کمیٹی کی سفارشات کا مطلب یہ تھا کہ وہ میری کتاب پر مبنی ہوں اور وہ دراصل اُسی کی لفظ بہ لفظ نقل ہیں۔ آپ مقابلہ کرلیجیے۔ یہ سب میری مرضی کے مطابق ہورہا تھا اور مطمئن تھا۔ پھر موسمِ گرما کی تعطیل میں جب میں دہلی سے باہر چلا گیا تو اُن سفارشات کو، سفارشات کے بجائے، کتابی صورت میں مرتّب کیا گیا اور مرتّب کا نام اِس طرح لکھا گیا جیسے وہ باضابطہ کتاب ہو۔ میری کتاب کا مکمّل مسوّدہ سفارشات کے مرتّب کو دے دیا گیا تھا اسی مقصد سے۔ اور پھر بعض اختلافات بھی ضروری

تھے، ورنہ علاحدہ کتاب کیسے بنتی۔ جب میں واپس آیا تو کتاب چھپ کر بٹ چکی تھی۔ لکیر پیٹتا رہ گیا تھا۔ شکوے شکایت، لڑائی جھگڑا، تھکا فضیحتی سبھی کچھ ہوا، مگر تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔ یہ ہے داستان، شرم آتی ہے جسے بیان کرتے ہوئے۔ آپ دیکھ لیجیے اُس مجموعۂ سفارشات کو، کتاب کے کسی صفحے پر مرتّب کا نام نہیں ملے گا۔ صرف سرورق پر نام ملے گا۔

(۲) کھکیڑ یا کھکھیڑ: بہت پُرانا لفظ ہے، ذوقؔ کا مقطع ہے:

آوارگی سے کوے محبت کی ہاتھ اُٹھا
اے ذوقؔ یہ اُٹھا نہ سکے گا کھکیڑ تو

اِس غزل کا مطلع ہے:

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی، اپنی نبیڑ تو

(۳) خردہ، اصل لفظ ہے "کھدرا" اس کا عوامی تلفظ ہے، سُننے میں آیا ہے؛ لیکن فُصحا اِس لفظ کو استعمال نہیں کرتے، نہ تحریر میں نہ گفتگو میں۔ لوگوں کو بولنے دیجیے، آپ کیوں اس میں شریک ہوں۔ "خردہ" نہیں تو ریزگاری کہیے۔

(۴) "جائزہ" اِسی طرح لکھا جائے گا، یعنی مع ہمزہ۔ جیسے: طائفہ، لائقہ، فائدہ، مائدہ وغیرہ۔

(۵) "محلّہ" عربی کے لحاظ سے تو مفتوح ہے لیکن زبانوں پر بہ ضمِ میم "مُحلّہ" ہے اور اب اِسی طرح فصیح ہے۔

(۶) صحیح املا: سُومُوار۔

(۷) "گرگس" یعنی کاف اور گاف، دونوں پر زبر۔ یہی فارسی میں ہے، یہی اردو میں۔

(۸) چُپقَلِش، اِس کی بحث اردو املا میں دیکھیے۔ یا پھر زبان اور قواعد میں کہیں اس کا ذکر آگیا ہے۔ اس وقت دونوں کتابیں میرے پاس نہیں، آپ ہی زحمت کیجیے۔ زبانوں پر "چَپقَلِش" ہے۔ قائمؔ کے ایک شعر میں یہ "کشِش" کے قافیے کے طور پر آیا ہے۔ وہ شعر بھی وہیں ملے گا جہاں میں نے بحث کی ہے۔ اردو میں لام بہ ہر حال مکسور ہے۔ قاف کو کچھ لوگ زبر کے ساتھ اور کچھ لوگ پیش کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

(۹) یو۔ پی میں عموماً "قبرِستان" کہتے ہیں، لیکن خواجہ حسن ثانی نظامی نے مجھے بتایا کہ دہلی میں کرخندار تو "قبرُستان" کہتے ہیں لیکن فُصحا "قبرِستان" کہتے ہیں۔ بہ لحاظِ قواعد بھی ر پر زیر آنا چاہیے، جیسے: پرِستان، پاکِستان، شبنمِستان، فارِستان وغیرہ، میں بہ ذاتِ خود "قبرِستان" کو مرجح سمجھتا ہوں۔

(۱۰) میں تو ''آتَش'' کہوں گا اور اِس پر اصرار کروں گا۔ اب رہا تشنہ، نشتر وغیرہ کا مسئلہ تو صاحب! مدرسے کے اثر سے میری زبان پر ''نِشتر'' اور ''تِشنہ'' ہیں۔ لیکن میں ''تِشنہ'' اور ''نَشتر'' کو غلط نہیں کہوں گا، کیوں کہ اب یہ تلفظ عام ہو گیا ہے۔ میرے سامنے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اب اگر اردو کا کوئی لغت مرتب کیا جائے تو اُس میں ایسی تبدیلیوں کا لازماً ذکر ہونا چاہیے۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ایسے الفاظ کے دونوں تلفظ قابلِ تسلیم مان لیے جائیں۔ اصل لفظ ''عِیاں'' ہے تو اب آپ کیا ''عِیاں'' کہیں گے۔ نہیں صاحب! میں تو قیامت تک ''عِیاں'' نہیں کہوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے لفظوں میں تو مطلقاً تبدیلی ہو گئی ہے اور اب اصل حرکت گویا ساقط ہو گئی ہے اور کچھ لفظوں میں تلفظ ابھی سیّال حالت میں ہے۔ اِس صورتِ حال کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

(۱۱) غالبؔ کے عہد تک فصحاے دہلی ''واں'' اور ''یاں'' کو غیر فصیح کہتے تھے اور اِن کے بجاے ''یہاں'' اور ''وہاں'' کو فصیح مانتے تھے۔ غالبؔ نے ایک خط میں نہایت وضاحت بل کہ سختی کے ساتھ، اصلاح دیتے ہوئے یہ، لکھا ہے کہ ''وہاں'' جب شعر میں نہ آئے تو اس کا مخفف ''وھاں'' بہ ہاے مخلوط التلفظ ہوگا۔ ''واں'' نہیں ہوگا۔ یہ بے امتیازی تو اِس زمانے میں ہوئی ہے کہ ہم شعراے دہلی کے یہاں ''واں'' اور ''یاں'' لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ آپ یادگارِ غالب کا پہلا اڈیشن دیکھیے۔ مولانا حالی نے التزام کے ساتھ اشعارِ غالبؔ میں ایسے مواقع پر ''وھاں'' اور ''یھاں'' لکھا ہے ہر جگہ۔ یا آپ مولانا آسی کا مرتبہ کلیاتِ میر اُٹھا لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں ہر جگہ ''وھاں'' اور ''یھاں'' ہوگا۔ ایک جگہ بھی ''واں'' اور ''یاں'' نہیں ملے گا۔

مقصد یہ ہے کہ یہ دو آوازیں، جواب متروک سی ہیں، اردو کی بنیادی ہائیہ آوازیں میں شامل ہیں۔ ''یھ'' تو اب متروک ہے لیکن انگریزی کے اثر سے ''وھ'' مروّج ہے۔ وھائٹ اور وھاٹ میں یہی اردو کی پُرانی آواز ہے۔ اِس سلسلے میں آپ ایک بار میرا تبصرہ دیوانِ غالب صدی اڈیشن پڑھ لیجیے، میں نے اُس میں یہ بحث اُٹھائی ہے اور مرتب کی کوتاہ اندیشی اور ناواقفیت کا ماتم کیا ہے، جس نے ادبی تحقیق میں بھی شامل ہے۔ یہ کتاب وہاں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گی۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''آپ 'وھ' کو اردو کا صوتیہ تسلیم کریں گے یا نہیں''۔ تو صاحب میں عرض کرتا ہوں کہ میں ہوتا کون ہوں تسلیم نہ کرنے والا۔ یھ اور وھ، یہ دونوں اردو کی قدیم ہائیہ آوازیں ہیں جو عہدِ غالبؔ کے ذرا بعد تک شاملِ گفتگو رہیں۔ اب اگر ہم لوگ ان کو بھول گئے ہیں، تو یہ ہماری بے خبری ہے۔

آپ کے سوالوں کے جوابات ختم ہوئے۔ اب اس خط کی رسید سے نوازیے۔

ہاں صاحب! پتا مکمل لکھا کیجیے۔ ادھورے پتے سے مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے، یعنی پوسٹل

زون نمبر لازماً ہونا چاہیے۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ یہ خط ادھورے پتے کی بنا پر کہیں راستے میں نہ رہ جائے۔ یہاں ایک صاحب زادے حاجی پور کے ہیں، وہ ہمارے شعبے میں عارضی طور پر لکچرر بھی ہوگئے ہیں؛ اُن سے پوچھا، وہ بھی پوسٹل زون سے ناواقف نکلے، خوب!

مخلص

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی بی .۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۲۱راپریل ۱۹۸۰ء
محبِ مکرم!

آپ کا خط ملا تھا، مجھے اچانک ایک الجھن میں مبتلا ہوکر شاہ جہاں پور جانا پڑا تھا؛ واپسی پر سخت بیمار ہوگیا اور اب تک پوری طرح نجات نہیں مل سکی ہے۔ تاخیرِ جواب کا سبب یہ ہوا۔ پھر بھی معذرت۔

آپ کا خط ملتا ہے تو جی خوش ہوتا ہے، خاص کر اِس بات پر کہ آپ کے اندر معلوم کرنے اور سمجھنے کی سچّی لگن ہے اور اب اِس کا توڑا ہے۔ ہمارے نئے اساتذہ اب امکان بھر لکھنے پڑھنے کے پھیر میں پڑنے سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کے بجائے کمیٹی اور چندے میں جی کھپاتے ہیں اور ترقّی کے ہتھکنڈے کرنے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ آبرو سے شیوۂ اہلِ نظر پر ہجری وقت، پڑا ہے اور بُل ہوسی نے احساس کی دھار کو کُند کردیا ہے۔ سخت اذیّت ناک صورتِ حال ہے یہ۔

ایک صورت پیدا ہوئی تھی آپ سے ملاقات کی۔ حسنین صاحب نے مگدھ یونی ورسٹی میں بلایا تھا۔ وہاں سے پٹنے آتا، لیکن وہ پروگرام ہی ملتوی یا ختم ہوگیا۔ ۷رمئی کو وہاں آنا تھا، یوں بھی کچھ خط میں تاخیر ہوئی کہ زبان گفتگی ہوجائے گی۔ پھر سہی۔ میں جون کے مہینے میں دہلی سے باہر رہوں گا اور غالباً ۱۵رجولائی تک واپسی ہوگی۔ اب آپ کے استفسارات کے جوابات:

(۱) مِٹّی اور مَٹّی، یہ لفظ دونوں طرح مستعمل ہے اور تھا۔ اہلِ لکھنؤ عموماً بہ کسرِ اوّل (مِٹّی) کہتے ہیں۔ کچھ علاقوں میں بہ فتحِ اوّل اور کچھ علاقوں میں بہ کسرِ اوّل بولا جاتا ہے۔ ''مٹّی'' ہی کی ایک صورت ''ماٹی'' ہے، جو ہندی میں عام ہے (ماٹی کہے کمھار سے...)۔

لغات میں یہ لفظ بہ ہر دو تلفظ مندرج ہے۔ انشا نے دریائے لطافت میں اِسے بہ ہر دو حرکات فصیح بتایا ہے۔ میں آج کل فسانۂ عجائب کا متن مرتب کر رہا ہوں، اُس میں میں نے اِسے بہ کسرِ اوّل مرجح قرار دیا ہے اور یہ اہلِ لکھنؤ (یا اساتذۂ لکھنؤ) کے مطابق ہے۔

(۲) دھوبن، مالن وغیرہ بہ فتحِ سوم مرجح ہیں۔ بہ کسرِ سوم لہجہ ہے اور مشرقی علاقوں کا اثر ہے۔

(۳) ''زبان'' بھی ''مٹی'' کی طرح بہ فتحِ اوّل و بہ ضمِ اوّل، دونوں طرح درست اور مستعمل ہے، لیکن بہ فتحِ اوّل زیادہ اور بہ ضمِ اوّل کم۔ یہ اختلاف خود فارسی میں ہے اور وہیں سے اردو میں آیا ہے۔ میں ''زَبان'' کہتا ہوں لیکن ''زُبان'' بھی سنا ہے۔ مرجح بہ فتحِ اوّل ہے۔

''مَقام'' بہ فتحِ اوّل کے معنی ہیں: جاے قیام۔ اور بہ ضمِ اوّل (مُقام) کے معنی ہوں گے: قیام کرنا۔ یونی ورسٹی میں آج کل تو اسٹرائک ہے، وہ ختم ہو تو حال معلوم ہو۔ تعطیل کے زمانے میں آپ کا پتا کیا ہوگا؟ اور ہاں، اب کے آپ نے پوسٹل زون نمبر نہیں لکھا، صاحب! مجھے ادھورے پتے سے بڑی الجھن ہوتی ہے، یہ بات میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔

مضمون کا تراشہ مل گیا، خوب ہے اور نہایت مفید۔ اس سلسلے کو بہ ہر طور جاری رکھیے، یہ بہت ضروری ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۷ر ستمبر ۱۹۸۰ء

آپ کا خط ملا تھا، میں ایک مہینے تک دہلی سے باہر رہا، خاص کر اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ طبیعت اب ٹھیک ہے۔ آپ نے اکتوبر میں یہاں آنے کو لکھا ہے، مجھے آپ سے مل کر واقعی مسرّت ہوگی۔

اب جوابات:

(۱) گڑھا اور ''گڈھا'' دونوں مستعمل ہیں لیکن اوّل الذکر بیش تر اور ثانی الذکر کم۔ لیکن ''علی گڈھ'' اب مستعمل نہیں۔ یہ قدیم صورت ہے۔ اب علی گڑھ لکھتے اور بولتے ہیں۔ ڈ اور ڑ کا تعلق علاقائی اصوات سے ہے۔ ہریانے کے بیش تر علاقوں میں بیش تر ڈ کا چلن ہے۔ جیسے ''بوڑھا'' کو عموماً ''بوڈھا'' کہتے ہیں۔

(۲) ''مانند'' قدما کے عہد تک لازماً مذکر تھا۔ اب بیش تر یہ تانیث مستعمل ہے۔ ''بجائے'' مذکر ہی مستعمل ہے (اس کے بجائے)۔

(۳) ژ کی آواز واضح ہے جیسے: اژدہا، ژالہ، ژرف، واژگوں۔ ی کی آواز ذرا اور گہری

ہو کر نکلتی ہے مثلاً مشہور فرانسیسی نام، آندرے ژید۔

(۴) عربی کے خاص حروف کی آواز اردو میں اردو تلفظ کے مطابق سادگی کے ساتھ ادا ہوتی ہے اور اسی طرح ادا ہونا چاہیے۔ ث اور س ہم آواز ہیں، اِسی طرح ظ، ذ، ز، ض بھی ہم آواز ہیں وغیرہ۔ ان کو لکھا تو جائے گا اصل کے مطابق لیکن بولنے میں اصل کا خیال مطلقاً نہیں کیا جائے گا اگر کوئی شخص اردو تلفظ کو عربی تلفظ بنانا چاہتا ہے تو وہ اصولِ زبان سے ناواقف ہے۔ ایسے حضرات کو عقل سے پیدل سمجھنا چاہیے۔

(۵) صحیح لفظ ''گونج'' ہے۔ مصدر: گونجنا۔

(۶) تلفظ کے سلسلے میں ہر خاص لفظ پر علاحدہ بحث کی جانا چاہیے۔ رہے عام لفظ، تو اُن پر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ ''توقّع'' اور ''انکشاف'' جیسے بہت سے لفظ جو آپ کے لکھے ہیں، وہ مدِ زائد میں آتے ہیں۔ اِن میں کچھ تبدیلی نہیں ہوتی، پھر بحث کیسی۔

(۷) دو طرح سے بولے جانے والے کچھ لفظ تو میری کتاب میں مل جائیں گے اور باقی کے لیے لغت سے استفادہ کرنا ہوگا۔

(۸) ''سمندر'' اردو میں بہ فتحِ اوّل مستعمل ہے —— ''کنارہ'' بہ فتحِ اوّل فصیح ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱/۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء

مکرّمی!

ایک زمانے کے بعد آپ کا خط ملا۔ اس کا واقعی افسوس ہوا کہ آپ یہاں آئے اور ملاقات نہیں ہو سکی۔ قاضی عبدالودود صاحب کا حکم تھا، اس لیے مجھے شیرانی سمینار میں جانا پڑا تھا۔ زبان و ادب والے مضمون کا انتظار کروں گا۔

صاحب! اب آپ مجھے کیوں زحمت دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ سلیقے سے کام کرنے لگے ہیں اور یہ بہت ہے۔ آپ کے مراسلہ اوراق میں کوئی غلطی نہیں۔ رہی تکمیل، سو وہ خود بہ خود ہو جائے گی، اُس کی فکر نہ کیجیے۔ البتہ یہ ضرور ذہن میں رکھیے کہ لفظ ''غلط'' کا استعمال بہت کم کیجیے بل کہ نہ کیجیے۔ آپ صرف صحیح املا پیش کیجیے۔ بعض صورتوں کو ''غلط'' کہنا مناسب نہیں ہوگا۔ اصل سوال مرجح

اور غیر مرجح کا ہوتا ہے۔ آپ یہ لکھ سکتے ہیں کہ ''اس طرح لکھیے'' اور ''اس طرح نہ لکھیے''۔ احتیاط شرط ہے۔ مثلاً ''رؤساء'' عربی کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے، اگر کوئی اس طرح لکھے تو اُسے غلط نہیں کہا جا سکتا، البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اب کس طرح لکھنا چاہیے۔ یا مثلاً ''عش عش'' ہم یہی کہیں گے کہ ''اش اش'' لکھنا چاہیے۔ وغیرہ۔ یا مثلاً ''طشت'' ''تشت'' کا معرّب ہے، غلط کیسے ہوگا؟ ہاں اب ''تشت'' مرجح ہے۔ عربی میں ''نسبۃً'' ہی صحیح ہے۔ اگر کوئی لکھے تو غلط ہرگز نہیں کہیں گے، یہی کہیں گے کہ اب ''نسبتاً'' مرجح ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجیے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

ٹی۔بی۔9، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۲۵/اپریل ۱۹۸۵ء

ہاں صاحب! آپ نے برسوں کے بعد خط لکھا، خیر، لکھا تو۔ میں نے کئی بار یہ خیال کیا کہ آپ شاید ہندستان سے باہر کہیں چلے گئے ہیں، ورنہ اِس قدر طویل مدّت تک رسمِ مراسلت میں تعطّل نہ پیدا ہوتا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ یہیں ہیں اور بہ عافیت ہیں۔

آپ کے مقالے کے متعلّق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اُس سے آپ کو ضرور مطّلع کروں گا۔ مگر خطوں میں یہ داستان کیسے سما سکے گی، کبھی آپ اِدھر کا پھیرا کریں تب زبانی گفتگو میں تفصیلات معرضِ بیان میں آسکیں گی۔ موسم ذرا اچھا ہو، تب آئیے، یعنی اکتوبر نومبر میں یا اُس کے بعد۔

یہ واقعہ ہے کہ لوگ املا کو ایک موضوع سمجھنے لگے ہیں اور یہ کم نہیں۔ زنگ خوردہ ذہنوں کی بات الگ رہی۔ آپ بھی اِس سلسلے کو جاری رکھیے اور املا کے سلسلے میں خطوں کے ذریعے یا تبصروں کے واسطے سے توجّہ منعطف کراتے رہیے۔ ہماری قوم بے طرح روایت زدہ ہے اور زوال آمادگی کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے، اِس لیے ہر اچھی بات نئی معلوم ہوتی ہے اور ہر نئی بات سے وحشت ہوتی ہے۔ کٹھ ملّائیت نے الگ اپنا جال بچھا رکھا ہے اور ذہنوں کو مفلوج اور ناکارہ بنا رکھا ہے؛ لیکن باہمیں مرداں بباید ساخت۔

میں چند ماہ پہلے پاکستان گیا تھا، وہاں ہر بڑے اخبار نے انٹرویو لیا اور اُسے قاعدے سے چھاپا، ان میں املا کے سوالات ضرور شامل ہوتے تھے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صورتِ حال کی طرف لوگ متوجّہ ہو رہے ہیں اور کاوشیں رائگاں نہیں گئیں۔ میرے لیے یہ شرف بہت ہے۔ میری کتاب اردو املا کو انجمن ترقی اردو کراچی بالاقساط اپنے رسالے اردو میں چھاپے گی۔

پہلی قسط چھپ بھی گئی ہے۔ اُن کے لیے میں نے اِس کتاب کو از سرِ نو لکھا ہے اور سارے مباحث کو نئے انداز سے مرتّب کیا ہے۔ مباحث وہی ہیں، ترتیب و تفصیل بدل گئی ہے۔ آپ خط برابر لکھتے رہا کیجیے، جی خوش ہوتا ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۳ر جولائی ۱۹۸۵ء

مکرمی!

آپ کا خط دنوں کے بعد ملا، یہ پڑھ کر بہت مسرّت ہوئی کہ آپ یہاں آئیں گے، میں نومبر میں دہلی ہی میں ہوں گا، مگر آنے سے پہلے مجھے خط ضرور لکھ دیں اپنے پروگرام سے متعلق، تاکہ میں اطمینان کے ساتھ آپ سے ملاقات کر سکوں۔ اگر کہیں جانا ہوا بھی تو بس ایک یا دو دن کے لیے ہوگا۔

آپ نے لکھا ہے: ''دلّی میں میرے ایک سالا رہتے ہیں''۔ فعل جب جمع کی صورت میں آئے، خواہ جمع کے لیے، خواہ تعظیمی طور پر، خواہ اسلوبِ بیان کی بنا پر؛ ہر صورت میں متعلق اسم معرّف طور پر آئے گا، اور اس لحاظ سے ''میرے ایک سالے'' لکھنا تھا۔ ''میرے'' بہ جاے خود ''میرا'' کی معرّف صورت ہے، اِس کی نسبت سے ''سالا'' کی جگہ ''سالے'' لکھنا لازم ہے۔

آپ اطمینان رکھیے، مجھے آپ سے ملاقات کر کے اور بہت سی باتیں کر کے سچ مچ خوشی ہوگی۔ جو وقت آپ کے ساتھ گزرے گا، وہ مسرّت آفریں اور راحت بخش ہوگا ہم دونوں کے لیے۔ آپ کی قدر میرے دل میں ہے۔ آپ جیسے سنجیدہ فکر لوگ اب کم ہوتے جا رہے ہیں۔ کھوکھلی جدیدیت، اب زندگی پر بھی حاوی ہوتی جا رہی ہے۔

مجھے آپ کا انتظار ہے اور بہت

مخلص

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

ٹی.بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۷-۱۱۰۰۰۷

۳۱؍جنوری ۱۹۸۶ء[۹]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا۔ تاخیرِ جواب کے لیے معذرت طلب ہوں۔ میں اواخرِ مارچ اور اوائلِ اپریل میں دہلی ہی رہوں گا۔ آپ ضرور تشریف لائیے۔

آپ کا خط ملنے کے بعد سے ظہیر صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ بروقتِ ملاقات سلام علیک ضرور پہنچادوں گا۔ آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔

اب بعض توجہ طلب باتیں: ''جناب رشید حسن خاں صاحب''۔ ''جناب'' کے ساتھ ''صاحب'' کا اجتماع اچھا نہیں۔ ایک ہی لفظ استعمال کرنا چاہیے۔

''اُنھوں نے املا پر خاص توجہ دی ہے''۔ ''توجہ دینا'' متصوف کی اصطلاح ہے، جو ایک خاص مفہوم میں مستعمل ہے۔ اِسی طرح ''توجہ ڈالنا''۔ اردو والے ''توجہ کرنا'' کہتے ہیں۔

''میں اُسی کے مطابق اپنا سفر طے کروں گا''۔ ''سفر طے کرنا'' محلِ نظر ہے۔ ''سفر کرنا'' کہیے۔ ''جناب ظہیر احمد صدیقی صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے''۔ اِس میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک تو ''جناب'' اور ''صاحب'' کا اجتماع۔ دوسری یہ کہ ''میرا سلام عرض کردیجیے'' غیر مناسب اندازِ بیان ہے۔ ''میرا سلام پہنچادیجیے'' لکھنا تھا۔ ''سلام عرض کرنا'' تو آدمی خود اپنے لیے لکھ سکتا ہے، دوسروں سے اس کی فرمایش نہیں کرسکتا۔

آپ کا خط پا کر جی خوش ہوجاتا ہے اور اگلے خط کا انتظار رہتا ہے۔

ہاں! رسالۂ آموزگار جلگاؤں (مہاراشٹر) میں نصابی کتابوں میں املا اور علامات کے موضوع پر میری ایک تحریر شائع ہوئی ہے، کیا آپ نے اِسے دیکھا؟

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۲۲؍فروری ۱۹۸۷ء[۱۰]

ممتاز صاحب مکرّم!

خط آپ کا ملا، شکریہ۔

بہت دنوں کے بعد آپ نے یاد کیا۔ میری آنکھوں میں تکلیف اب بہت بڑھ گئی ہے، لکھنا

پڑھنا بھی کم ہوتا ہے، آپریشن ہو تو کچھ راحت ملے۔

آپ یہاں ضرور آیئے۔ میں اپریل میں تو غالباً یہیں رہوں گا۔ مارچ میں مجھے میسور جانا ہے۔ اِس سے بہت مسرّت ہوئی کہ آپ کا مقالہ مکمل ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے دل لگا کر اور نظر جما کر کام کیا ہوگا۔ مجھے اُسے دیکھ کر مسرّت ہوگی۔

آج کل باغ و بہار زیرِ ترتیب ہے۔ پچھلے تین برسوں سے اِسی ایک کام کو کر رہا ہوں۔ جب آپ یہاں آئیں گے تو اُسے دیکھ سکیں گے، اور خوش ہوں گے۔ اپنے آنے سے پہلے ایک خط ضرور لکھ دیجیے۔ آپ کو دیکھنے کو میرا جی بہت چاہتا ہے۔ خدا وہ دن کرے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۲۲/اگست ۱۹۸۸ء[۱۱]

ممتاز صاحب!

آپ کا خط ایک زمانے کے بعد ملا۔ جی خوش ہوا۔ میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ کل جو زلزلہ آیا تھا اور جس سے بہار کے کئی ضلعے بُری طرح متاثر ہوئے تھے، خدا کرے آپ کا علاقہ اُس کے اثرات سے محفوظ رہا ہو۔

کبھی کبھی اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔ ڈگری ملنے پر میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۱۹/اپریل ۱۹۸۹ء[۱۲]

عزیزِ مکرم!

آپ کا خط مرقومہ ۲/اپریل ۸۹ء ملا تھا۔ مجھے بھی آپ سے مل کر بہت مسرّت ہوئی اور میں نے آپ کو تکلف سے بری اور ریاکاری سے دور شریف انسان پایا۔ اب اس جنس کی خاص کمی ہے۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ انٹرویو اگر کہیں چھپے، تو اُس کی نقل ضرور بھیجیے گا۔ کتاب نما میں چھپنے کا امکان ذرا کم معلوم ہوتا ہے۔

عید کی مبارک باد پیشگی۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

ٹی.سی.۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

۱۳
۴ر دسمبر ۱۹۸۹ء

عزیزِ مکرم!

خط ملا۔ آپ کے یہاں واقع ہونے والے حادثات کا احوال پڑھ کر بہت قلق ہوا۔ خدائے پاک آپ کی مدد کرے۔ یکم نومبر کو میری بائیں آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، موتیا بند کا، اب کچھ بہتر ہوں، مگر ابھی لکھنا پڑھنا بند ہے، بس اٹکل سے چند سطریں لکھ لیتا ہوں۔ ابھی ایک مہینا اور لگے گا مکمل طور پر ٹھیک ہونے میں۔ خبر نامہ مل گیا تھا آپ کے مجموعے کا انتظار رہے گا۔

والدہ صاحبہ کا انتقال ایک بہت بڑے سانحے سے کم نہیں۔ برکت کا سایہ سر پر سے اُٹھ جایا کرتا ہے۔ صبر کی تلقین آپ کو کیسے کروں اور کس دل سے، یہ حادثہ تو بالائے صبر ہوا کرتا ہے۔ خدائے پاک مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ میں اس غم میں آپ کا شریک ہوں۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔ اس بار آپ نے بہت دنوں کے بعد خط لکھا ہے۔ رہے حالات، تو وہ اب مجھے سلجھتے دکھائی نہیں دیتے۔ اس لیے کہ فرقہ پرستی نے اب سیاسی پناہ گاہ بھی حاصل کرلی ہے۔ خدا ہی حافظ و ناصر ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۱۴
۴ر مارچ ۱۹۹۰ء

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا تھا۔ اُس کے بعد سے کچھ خیر خبر نہیں معلوم ہوئی۔ اب آپ یہ لکھیے کہ اِس وقت آپ کہاں ہیں۔ اندازاً یہ خط مروّت پور کے پتے پر لکھ رہا ہوں۔ خط لکھیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
۱۴/اپریل ۱۹۹۰ء[15]

برادرم!

آپ کا خط ملا تھا۔ میں بہ خیریت ہوں۔ اِس ماہ کے اوائل میں احمد آباد میں تھا، وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا (گجرات اڈیشن) میں ملازم ہیں، یعنی نامہ نگار ہیں، انھوں نے بتایا کہ وہ آپ کے بھانجے ہیں۔ اُن سے مل کر جی خوش ہوا۔ اُنھوں نے میرا انٹرویو بھی لیا تھا، جو احمد آباد کے اڈیشن میں ۳/اپریل کو شائع ہوا تھا۔ اُن کا نام اقبال مسعود خاں ہے۔

میں دسمبر کے اواخر تک گاڑ ہال ہی میں رہوں گا۔ جب پتا بدلے گا تو آپ کو ضرور مطلع کروں گا۔ آپ کی کتاب کا منتظر ہوں۔ میری مرتب کی ہوئی کتاب فسانۂ عجائب شائع ہوگئی ہے۔ ناشر کو میں نے تاکید کردی ہے کہ وہ ایک کاپی آپ کے پتے پر ضرور بھیج دے۔ باغ و بہار کا مقدمہ لکھ رہا ہوں آج کل۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
۱۴/جون ۱۹۹۰ء[16]

ممتاز صاحب!

لفافہ ملا۔ خیر بھوروی صاحب سے میں بہت کم واقف تھا۔ بس نام کی حد تک شناسائی تھی۔ مجھے قطعی طور پر یہ معلوم نہیں کہ اُن کے حالات کے سلسلے میں کہاں سے معلومات حاصل ہو سکتی ہے۔ معذرت طلب ہوں۔

آپ کے پچھلے خط سے معلوم ہوا تھا کہ آپ نے فسانۂ عجائب کا مقدمہ پڑھا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ بہ وقتِ فرصت اس کے حواشی، خاص کر تشریحات اور تلفظ و املا کا حصہ ضرور پڑھ جائیے۔ اِس سے آپ کو بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اِس پر میں نے بہت محنت کی ہے اور کئی سال صرف کیے ہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

آپ نے لفافے پر جہاں پتا لکھا تھا، وہیں پر ڈاک خانے والوں نے مہر لگا دی۔ انکل سے پڑھ لیا ہے، خدا کرے صحیح ہو اور یہ خط آپ تک پہنچ جائے۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی۔ ۹ بی، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۴؍ جنوری ۱۹۹۱ء[۱۷]

ممتاز صاحب مکرّم!

آپ کی کتاب مل گئی تھی۔ میں اِدھر مسلسل سفر میں رہا ہوں۔ رسید بھیجنے میں تاخیر ہوئی۔ اِس کی معذرت۔ میں بہت شوق کے ساتھ اِسے پڑھوں گا۔ میں کل ہی بمبئی سے واپس آیا ہوں۔ نئے سال کے ساتھ نئی کتاب کی بھی مبارک باد قبول کیجیے۔ خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

باغ و بہار ابھی نہیں چھپی، جب چھپے گی تو آپ کے پاس پہنچے گی۔ نارنگ صاحب کی تجاویز سب کو خوش کرنے والا کھیل ہیں۔ یہ علمی نہیں، محض تجارتی رویّہ ہے اور عمومی مقبولیت حصول اِس کا اصل مقصد ہے۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
۱۶؍ فروری ۱۹۹۱ء[۱۸]

ممتاز صاحب!

خط ملا تھا۔ آپریشن کے بعد ابھی میری آنکھ پوری طرح کارفرما نہیں ہو سکی ہے، شاید ابھی دو ہفتے اور لگیں گے۔ ''پیش لفظ'' اضافت کے بغیر صحیح ہے۔ ''پسِ منظر'' اور ''پس منظر'' دو مختلف المعنی لفظ ہیں۔ متعارف معنی یعنی ''بیک گراونڈ'' کے مرادف کے طور پر یہ لفظ اضافت کے بغیر درست ہے۔ اِسی طرح اس کا متقابل لفظ ''پیش منظر'' ''پیشِ منظر'': منظر کے سامنے۔ ''پیش منظر'': سامنے کا منظر۔ اِسی طرح ''پس منظر'' اور ''پسِ منظر'': ''بیک گراونڈ''۔ ''پسِ منظر'': منظر کے پیچھے۔

جناب! ناموں سے پہلے بہ طورِ کلمۂ تعظیم لایا جاتا ہے۔ ایسے متعدّد لفظ ہیں؛ جیسے: حضرت، قبلہ، حضور۔ یہ سب بہ طورِ عموم اضافہ کے بغیر مستعمل ہیں اور مرجح صورت یہی ہے۔ شعری ضرورت سے ایسے الفاظ کو اگر معِ اضافہ لایا گیا ہو، تو اُس کا تعلق ضروریاتِ شعر سے ہوگا، استعمالِ

عام سے نہیں۔ جیسے قافیے میں ''کافَر'' ملتا ہے، غالب نے لکھا ہے؛ مگر یہ شعری ضرورت ہے، مستعمل لفظ ''کافِر'' ہے اور وہی رہے گا۔ جو لوگ ''جنابِ فلاں'' بولتے ہیں، وہ اپنے آپ پر نہ سہی، زبان کی فصاحت پر ضرور ظلم کرتے ہیں۔ ہاں ''پس منظر'' میں اضافہ مقلوب ہے، یعنی ''منظرِ پس''، ''پس منظر'' بن گیا ہے۔ جیسے ''ورقِ سَر'' منقلب ہوکر ''سرورق'' بن گیا ہے، یعنی سب سے پہلا ورق۔ تقلیب میں اضافہ کا زیر ختم ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ''سرورق'' کہے تو اِس کے معنی ہوں گے: وہ عبارت جو صفحے پر سب سے اوپر لکھی ہوتی ہے۔ اِسی ''سرِفہرست'' یعنی فہرست میں سب سے اوپر۔ اور ''ورقِ سر'' کی مقلوب صورت ''سرورق'' کے معنی ہوں گے: کتاب کا سب سے پہلا ورق۔ اوپر کا ورق۔

خط لکھتے رہا کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۲۷/اگست ۱۹۹۱ء

ممتاز صاحب مکرم! آداب

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا۔ دیکھیے ہر مضمون کا ایک دائرہ ہوتا ہے جو اس کے عنوان کی نسبت سے بنتا ہے۔ میں نے اسلوب سے متعلق لکھا ہے، مولانا آزاد کی ذات یا اُن کی صفات سے متعلق نہیں؛ اِس لیے اُن کی عظمت یا بزرگی زیرِ بحث کیسے آسکتی تھی۔ صرف وہ اُمور زیرِ بحث آسکتے تھے جن کے اثر سے اُن کے اسلوب میں تبدیلی ہوئی ہے یا اُس کی ساخت میں اُن کا حصّہ رہا ہے۔ جدید نسل یا قدیم نسل میری مخاطب نہیں، میں نے تو خالص علمی انداز سے اپنے موضوع کے دائرے میں رہ کر اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ ''ان کی حق گوئی و بے باکی، جرأت مندی اور باطل و استبداد کے خلاف اُن کے غیظ و غضب اور شدّتِ جذبات'' پر میں نے مضمون نہیں لکھا ہے۔ اگر یہ باتیں میری اِس تحریر میں شامل ہوتیں تو یہ ایک طرح سے بڑا نقص ہوتا ہے موضوع کے دائرے سے باہر نکل جانے کا۔

ہاں اگر کوئی صاحب مولانا کی حق گوئی و بے باکی پر مضمون لکھیں تو پھر آپ اُن سے یہ مطالبہ کرسکتے ہیں۔ امنگ والا سلسلہ پسند آیا، اس سے مسرّت ہوئی۔ مگر اِس سلسلے میں آپ کو اڈیٹر کے نام خط لکھنا چاہیے تھا، تاکہ دوسروں کو بھی اس کا علم ہوجائے۔

باغ و بہار چھپی ہی نہیں، بھیجوں کیسے۔ میری بیماری نے سارے کام کو چوپٹ کر رکھا ہے۔ آپ اپنے یہاں کا پن کوڈ نہیں لکھتے ہیں، اُسے ضرور لکھا کیجیے۔

خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۲۷/نومبر ۱۹۹۱ء[۲۰]

ممتاز صاحب!

آج ہی آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ طبیعت کی خرابی تو اب پُرانی بات ہو چکی ہے۔ اپریل میں دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ ایک مہینے تک اسپتال میں داخل رہا۔ اب پہلے سے بہتر ہوں۔ آپ کی محبت کا معترف ہوں اور شکر گزار۔

خدا کرے آپ معِ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۶/دسمبر ۱۹۹۲ء[۱۵]

ممتاز صاحب

آپ کا خط ملا۔ میں ٹھیک ہوں اور فی الحال تو گائرہال ہی میں ہوں۔ پتا بدلے گا ضرور، جب بھی بدلے گا، آپ کو اُس کی اطلاع ضرور دوں گا۔ وہ مضمون جب چھپ جائے تو اس کی ایک کاپی ضرور بھیجیے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

گائرہال

۲۴/دسمبر ۱۹۹۳ء[۲۲]

ممتاز صاحب!

دنوں کے بعد آج آپ کا خط ملا، جی خوش ہوا۔ آپ کے تحقیقی مقالے کا دنوں سے انتظار ہے، دیکھیے کب چھپ کر آتا ہے۔

آج کل والا تبصرہ، یعنی جوابِ تبصرہ مجبوراً لکھنا پڑا تھا۔ مبصر نے نہ تو اس کتاب کے نسخے دیکھے، نہ لغت دیکھے، نہ متعلقہ کتابیں، بس تبصرہ لکھ دیا اور اُس میں اپنی ذاتی پسند و ناپسند کے تحت صحیح و غلط کا فیصلہ کرلیا۔ میں ایسی تحریروں کو عموماً نظر انداز کر دیا کرتا ہوں، مگر اڈیٹر کی فرمایش پر جوابی تحریر لکھی اور یوں بھی لکھی کہ ناواقفِ رسم و راہِ منزل ایسی تحریروں سے بہ آسانی گم راہ ہو جایا کرتے ہیں۔ دراصل یہ شخص اختلافات کا شاخسانہ ہے اور دخل اس میں حسد کو بھی ہے کہ ایک کتاب کی ہندوپاک میں اہلِ نظر نے اِس قدر تعریف کیوں کی ہے۔ آدمی خود کام نہیں کرتا، کہ یہ مشکل راستہ ہے، اعتراض کرتا ہے کہ یہ آسان تر کام ہے۔ دراصل دل کی سیاہی قلم کی زبان سے ٹپک پڑی ہے۔ فروری کے شمارے میں اِس سلسلے میں ان کا اور میرا خط بھی شائع ہوگا۔

آج ایک صاحب نے بتایا ہے کہ مکتبۂ جامعہ نے میری دو کتابیں چھاپی ہیں۔ میں نے ابھی نہیں دیکھیں۔ مضامین کا مجموعہ تفہیم کے نام سے اور بی. اے تک کے طلبہ کے لیے ایک مختصر سی کتاب ۶۰، ۷۰ صفحوں کی۔ نام ہے: انشا اور تلفظ ۔ اِس میں بچّوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ اچّھا جملہ کسے کہتے ہیں اور کس طرح لکھا جانا چاہیے۔

میں آج کل مثنوی گلزارِ نسیم مرتب کر رہا ہوں۔ کئی برس سے اِس کا خاکہ بنا رہا تھا اور متعلقات کو جمع کر رہا تھا۔ دو سال سے باضابطہ کام کر رہا ہوں اور ابھی ایک سال اور لگے گا۔

خط لکھتے رہا کیجیے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ''اخلاقیاتِ تحقیق'' پر میرا توسیعی لکچر تھا ۲۴ر جولائی کو۔ میں نے تاکید کر دی تھی کہ آپ کو دعوت نامہ بھیج دیا جائے، شاید آپ آجائیں؛ مگر آپ کو غالباً اطلاع نہیں ہو سکی۔ ورنہ ملاقات کی مسرّت حاصل ہو جاتی۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۹ر جون ۱۹۹۴ء [۲۳]

ممتاز صاحب!

آپ کا خط ملا۔ ممنون ہوں کہ آپ گاہے گاہے حال پوچھتے رہتے ہیں۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی، بس دن گزار رہا ہوں۔ گلزارِ نسیم کا کام مکمل ہوگیا، اب اُس کی کتابت ہو رہی ہے۔ یہ کتاب تقریباً چھے سو صفحوں کی ہو جائے گی۔ آپ کے پاس پہنچے گی۔

ہاں آپ نے اپنے مضمون کی بابت جو کچھ لکھا ہے، اُس کو پڑھ کر ایک خیال دل میں آیا۔ مکتبۂ جامعہ 'کتاب نما' کا ایک خاص نمبر شائع کرے گا، جو بعد کو کتابی صورت میں بھی آئے گا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُس کے لیے 'اردو املا' سے متعلق ایک مضمون لکھ دیجیے یا اپنے اِسی مضمون کو، جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، کچھ مختصر کر کے بھیج دیجیے۔ اس نمبر میں 'اردو املا' سے متعلق کوئی تحریر ہے بھی نہیں، یوں ایک کمی پوری ہو جائے گی۔ مضمون دس بارہ یا ۱۳، ۱۴ صفحوں سے زیادہ کا نہ ہو تو اچھا ہے۔ اِس کتاب کو جو اوّلیت حاصل ہے اِن مسائل کو متعارف کرانے میں، اُس کا حال آپ سے بہتر کون جانے گا۔ اِس ماہ کے آخر تک اگر یہ تحریر آ جائے تو خوب ہو۔ آپ اُسے میرے پتے پر بھیجیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

گائر ہال

۲۷ر جون ۱۹۹۴ء [۲۴]

خاں صاحب!

آپ کا لفافہ مل گیا۔ اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کی تحریر ضرور شامل ہوگی، یوں بھی کہ یہ میری دلی خواہش ہے۔ آپ کو اِس خاص موضوع سے جو دل چسپی ہے اور جس طرح اب سے بہت پہلے سے آپ اِس سے متعلق لکھتے رہے ہیں، اُس کے اعتبار سے اُس پورے علاقے میں آپ سے زیادہ اِس موضوع سے تعلّقِ خاطر رکھنے والا اور کوئی شخص کم از کم مجھے تو نظر آتا نہیں۔ لوگ یا بے تعلّق ہیں یا لکیر کے فقیر، بل کہ لکیر پیٹنے والے۔

مجھے چوں کہ آپ سے دلی تعلّق ہے اور عمر کے لحاظ سے یہ حق روایت نے مجھے دے رکھا ہے کہ میں آپ سے وہ باتیں بھی وضاحت کے ساتھ کرلوں دوسرے شاید نہیں کر سکتے۔ اِسی بنا پر مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ بھائی! اِس تحریر کا مقصد بالکل دوسرا ہے، محض اِس کتاب کا تعارف ہے اور اس کی اہمیّت کی وضاحت، یوں اِس میں کسی اختلافی بات کو نہیں آنا چاہیے، مگر مضمون کا تمہیدی حصّہ اِسی سے شروع ہوتا ہے۔ اِس کا صحیح مصرف اُس میں ہو سکتا ہے جو آپ نے 'زبان و ادب' کے لیے لکھا ہے۔ 'املا نامے' کا ذکر یہاں بے محل ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے اختلافی بیانات۔

میری خواہش اور درخواست یہ ہے کہ آپ اِس تحریر کو پھر سے لکھیے، اطمینان کے ساتھ، کوئی

بہت جلدی نہیں۔ مہینا بھر میں لکھ لیجیے۔ اِس میں ساری اختلافی باتوں سے اور تقابل سے قطعِ نظر کرکے، محض اِس کتاب کے تعارف اور اِس کے مباحث کی اہمیت تک اپنے دائرے کو محدود رکھیے۔ اِس میں تو بڑے اہم مباحث ہیں، مثلاً املا اور لغت، املا اور تدوین، فارسی املا۔ پھر اضافت کی بحث وغیرہ۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہندستان کی کسی بھی علاقائی زبان میں اِس موضوع پر اِس قدر مفصل کتاب نہیں لکھی گئی۔ ہاں آپ نے باغ و بہار میں دیکھا ہوگا کہ میر امّن نے اپنے قلم سے ہر جگہ اعلا اور ادنا اور معلا لکھا ہے۔

گلزارِ نسیم کا کام مکمل ہوگیا، یہ کتاب آپ کے پاس پہنچے گی، آپ کو یہ سن کر مسرّت ہوگی کہ کراچی سے ترقی اردو بوڈ کا جو لغت مرتب ہو رہا ہے، اور جس کی ۱۲ جلدیں آچکی ہیں، اس میں املا کے لحاظ سے بہت سی باتوں میں اردو املا کی پیروی کی گئی ہے۔ شان الحق حقی صاحب نے جو لغت کے مرتب اوّل تھے، مجھے ایک خط میں اِس سے مطلع بھی کیا تھا۔ اِس سے اِس کتاب کے اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جموں یونی ورسٹی، بمبئی یونی ورسٹی، کرناٹک یونی ورسٹی، یو. جی. سی کی مدد سے املا پر ۴، ۴ ہفتے کی ورک شاپ اساتذہ کے لیے کی گئی تھیں، ان سب کو میں نے ہی کنڈکٹ کیا تھا اور یہ سب اسی کتاب کے اصولوں پر مبنی تھیں۔ مکتبہ جامعہ اپنی مطبوعات میں بہ طورِ عموم اس کتاب کے اصولوں کی پابندی کرتا ہے۔ اُس نے تو اردو کیسے لکھیں چھاپی تھی جو اردو املا ہی کا انتخاب ہے۔ اور اب عبارت کیسے لکھیں چھاپی ہے، کہ وہ بھی اسی کا انتخاب ہے۔ اس سے زیادہ کسی کتاب کے اثرات اور کیا ہوں گے۔

یہ خط صرف آپ کے لیے ہے، اور یوں لکھا ہے کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھے آپ کی تحریر پسند نہیں آئی، ضرور پسند آئی ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اختلافی امور سے یہ پاک رہے۔ اور یہ کہ اِس کا زاویۂ بحث ذرا سا بدل جائے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ مجھے آپ کی نئی تحریر کا انتظار رہے گا، آپ اِسے جولائی کے آخر تک بھیج سکتے ہیں۔

میں نے اب اردو کے قدیم ترین لغت غرائب اللغات کی تدوین کا کام شروع کردیا ہے۔ دعا کیجیے کہ میری صحت زیادہ خراب نہ ہو۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۱۰ / اگست ۱۹۹۴ء (۲۵)

ممتاز صاحب! آداب

آپ کا بھیجا ہوا لفافہ مل گیا، شکریہ۔ آپ کی تحریر دو چار دن میں شاہد علی خاں کے پاس بھیج دوں گا، اُدھر کے کسی جانے والے کا انتظار ہے۔ اِس مختصر خط کو محض رسید سمجھیے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ اپنی نئی ذمّے داریوں کو بہ حُسن وخوبی انجام دے سکیں گے اور لکھنے پڑھنے کا کام بہتر طور پر ہو سکے گا، میری دُعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

گائزہال

۱۳؍اگست ۱۹۹۴ء[۲۶]

ممتاز صاحب!

آج آپ کا دوسرا خط ملا۔ آپ کے پہلے خط کا جواب لکھ چکا ہوں۔ لفافہ مل گیا تھا۔ میں ابھی تک وائرل فیور سے نجات نہیں پا سکا ہوں، لکھنا پڑھنا سب بند ہے۔ آنا جانا بھی۔ ذرا جان آجائے اور بخار سے نجات مل جائے تو آپ کی تحریر شاہد علی خاں کے پاس بھجوا دوں گا۔ مطمئن رہیے۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

۲۴؍ستمبر ۱۹۹۴ء[۲۷]

خاں صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۲۰؍اگست، مجھے ۲۳؍ستمبر کو ملا۔ یوں کہ میں ۲۴ دن کے بعد ۲۳؍ہی کو واپس آیا تھا۔ صحت میری اب ٹھیک نہیں رہتی۔ اِس لیے گھر چلا گیا تھا۔ آپ کا مضمون میں نے شاہد علی خاں کے پاس اُنھی دنوں بھیج دیا تھا۔ یہ مناسب اور متوازن تحریر ہے۔ مبارک باد کا شکریہ۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور اب تک پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں۔ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کیجیے۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی ایک ناتمام تصنیف انشاے غالب کو میں نے ''عرضِ مرتب'' کے اضافے کے ساتھ مکتبہ جامعہ کو دیا ہے چھپنے کے لیے۔ شاید مہینے دو مہینے میں چھپ جائے گی۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
۱۸؍ستمبر ۱۹۹۴ء[۲۸]

ممتاز صاحب! آداب
آپ کا خط ملا، شکریہ۔

ہاں بھائی! تلفظ کا حصّہ اور زیادہ وسعت کے ساتھ لکھنا چاہیے تھا۔ اِس کا مجھے احساس ہے۔ کیا کروں، مختلف مصروفیات نے فرصت کو عنقا بنا دیا ہے۔ بہ ہر حال، دیکھیے، دوسری اشاعت کے وقت کوشش کروں گا کہ اِس کی تلافی ہو سکے۔

کتاب نما کے خاص نمبر میں ابھی ذرا تاخیر ہوگی۔ مجھے ذرا بھی فرصت نہیں اور اُن کی فرمائش ہے کہ میری ایک تحریر ضرور ہو۔ اب غالباً دو چار مہینے کے بعد ہی وہ کام تکمیل کو پہنچ سکے گا۔ آپ کے مضمونِ املا کا انتظار رہے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
ٹی بی. ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۰؍فروری ۱۹۹۵ء[۲۹]
محبی!

۱۰؍فروری کا خط، مجھے ۱۹؍فروری کو ملا، یوں کہ میں شاہ جہاں پور سے اُسی دن واپس آیا۔ رسالہ مل گیا۔ آپ نے صحیح طور پر تجزیہ کیا ہے اور نہایت مناسب اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ یہ تحریر مجھے پسند آئی۔ جب پتا بدلے تو مطلع ضرور کیجیے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۵؍مئی ۱۹۹۵ء[۳۰]

خاں صاحب!
آپ کا خط (تاریخ ندارد) مل گیا، شکریہ۔

گلزارِ نسیم کی اشاعت میں شاید مزید تاخیر کا امکان ہے۔ کاغذ کی قیمتوں نے پبلشروں کو حیران کر رکھا ہے۔ مسوّدہ پبلشر کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ اس لیے کتاب نما کا خاص نمبر بھی شاید دسمبر کے آخر تک آسکے گا۔

میں پبلشروں سے بہت کم واقف ہوں۔ چوں کہ آنا جانا اور ملنا جلنا ہوتا نہیں، یوں ربط بھی پیدا نہیں ہو پاتا۔ پھر عام طور پر یہ پبلشرس اعتماد کے قابل کم سے کم ہیں۔ کیا کہیں گے، کیا کریں گے، کچھ معلوم نہیں۔ اگر آپ خود چھپوالیں گے تو یہ بہتر ہوگا۔ میں جون میں دہلی سے باہر رہوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

گاءر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۵ء[۳۱]

خاں صاحب! آداب

میں جموں یونی ورسٹی کا مہمان رہا مہینا بھر تک، بہت سے لکچر دینا تھے وہاں۔ اب واپسی ہوئی ہے۔ آپ کی کتاب کی اشاعت کی صورت نکل آئی، اِس سے مجھے بہت مسرّت ہوئی۔ مکتبۂ جامعہ کی طرف میرا جانا ہوتا نہیں۔ وہاں سے کوئی آئے تو حال معلوم ہو اُس کتاب کا۔ شاید دس پندرہ دن میں کچھ پتا چلے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۲۲ر اپریل ۱۹۹۶ء[۳۲]

مخلصی ممتاز صاحب!

۹ر اپریل کا خط ملا تھا۔ میں چند روز کے لیے دہلی چلا گیا تھا۔ آپ کا نیا پتا نوٹ کرلیا ہے۔ خدا کرے آپ اِس نئی جگہ میں جلدتر اور بہ حُسن وخوبی جم جائیں اور لکھنے پڑھنے کا کام شروع کرسکیں۔ آپ کی کتاب خدا کرے جلدتر چھپے، اُس کا انتظار ہے۔ میں یہاں حسبِ سابق اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور مطمئن ہوں۔ خدا کرے آپ بھی بہ عافیت ہوں۔

خط لکھتے رہا کیجیے کہ اس سے رابطہ برقرار رہتا ہے۔

رشید حسن خاں

نیا پتا: (باڑوزئی دوم)، R.H. Kahn, 167-Baroozai-II
Shahjahan Pur - 24001 (U.P)

(۳۳)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
۱۳ر جولائی ۱۹۹۶ء[۳۳]

خاں صاحب!

۹ر جولائی کا خط ملا، شکریہ۔ میں بہ عافیت ہوں اور حسبِ معمول مصروف۔ مجموعۂ مثنویاتِ نواب مرزا شوق لکھنوی تکمیل کے منزل میں ہے اور ہمہ وقت اُسی میں مصروف رہتا ہوں۔

غالب نامہ سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ پتا یہ ہے: شاہد ماہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ماتا سُندری لین، نئی دہلی-۲۔

کتاب نما والوں سے ملاقات ہو تو کچھ معلوم ہو۔ جب دہلی جانا ہوگا، اُس وقت کچھ معلوم ہو سکے گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
شاہ جہاں پور
۲۳ر مئی ۱۹۹۷ء[۳۴]

خاں صاحب!

خط ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں۔ اگلے ہفتے بمبئی جاؤں گا۔ بہ غرضِ علاج۔ واپسی شاید دو ماہ کے بعد ہو سکے گی۔ تب مفصل خط لکھ سکوں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں
شاہ جہاں پور

۴؍جون ۱۹۹۸ء[۳۵]

خاں صاحب! آداب

۲۴؍مئی کا خط ملا۔ مبارک باد کا شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں اور سحر البیان کی تدوین میں مصروف ہوں۔ صحت اب پہلے جیسی نہیں رہی، پھر بھی قلم چلے جاتا ہے۔ میرا ایمان غالبؔ کے اِس شعر پر ہے:

گو ہاتھ کو جنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

اور یہاں تو ابھی ہاتھ کو جنبش بھی بہ دستور ہے۔ میں نے واقعتاً دنوں سے خط نہیں لکھا، مگر آپ نے بھی تو مہینوں کے بعد خبر لی ہے۔ مہینے میں ایک بار اگر خط لکھتے رہیں تو خوب ہو۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۳؍اکتوبر ۱۹۹۸ء[۳۶]

ممتاز صاحب! آداب

میں دو ماہ کے بعد بمبئی سے ابھی آیا ہوں، وہاں زیر علاج تھا۔ اب پہلے سے ٹھیک ہوں۔ آپ کا خط پا کر بہت مسرت ہوئی۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ یہ محض آپ کے خط کی رسید ہے، کبھی پھر اطمینان سے خط لکھوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۱۱؍جنوری ۱۹۹۹ء[۳۷]

ممتاز صاحب! آداب

آپ کا خط ملا، میں پچھلے دنوں کچھ تو بیمار رہا، کچھ سفر میں رہا اور پھر بس پریشاں خاطری کے پھیر میں رہا۔ دن بہ ہر طور گزر رہی رہے ہیں اور گزر جائیں گے۔ دہلی جانا ہو تو کتاب بھجواؤں آپ

کو، ذہن میں یہ بات رہے گی؛ جب بھی دہلی گیا تو بھجوادوں گا۔ آپ کی کتاب کا انتظار ہے۔ آپ کا مضمون میرے پاس نہیں۔ شاہد علی خاں مکتبہ جامعہ، اڈیٹر کتاب نما کو بھیج دیا گیا تھا، اُنھی کے پاس ہے۔ وہ خاص نمبر چھاپیں گے یا نہیں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ اِس سلسلے میں اُن کو لکھیے۔

تاخیرِ جوابِ خط کی معذرت۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۱۶رنومبر ۱۹۹۹ء[۳۸]

خاں صاحب!

آج ہی آپ کا خط ملا ایک زمانے کے بعد، دیکھ کر بہت جی خوش ہوا۔ اطمینان ہوا کہ آپ اب بہ عافیت ہیں۔ اِدھر میں نے آپ کا کوئی مضمون نہیں پڑھا۔ خدا بخش جرنل اب میرے پاس نہیں آتا، پہلے آتا تھا۔ میں بھی کچھ نہ کچھ کیے جاتا ہوں۔ مثنویاتِ شوق تو میں نے آپ کو بھیجی تھی، اب سحر البیان کا کام مکمل ہوگیا۔ چھپنے کے لیے جائے گی۔ چار چھے مہینے میں چھپ پائے گی۔ اب کئی نئے کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔ املاے غالب کے عنوان سے ایک کام تقریباً مکمل ہوگیا ہے، ایک مہینا اور لگے گا۔ غالب کی خطی تحریروں کی بنیاد پر ایک گوشوارہ بنایا گیا ہے کہ اُنھوں نے اپنے قلم سے کس لفظ کو کیسے لکھا تھا۔ پھر اُس کے حواشی۔

کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجیے۔ ہاں مثنویاتِ شوق پچھلے مہینے کراچی سے بھی شائع ہوئی ہے۔ انجمن ترقیِ اردو پاکستان نے چھاپی ہے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۶رجون ۲۰۰۰ء[۳۹]

خاں صاحب!

چند روز قبل آپ کا خط ملا تھا، حالات معلوم ہوئے۔ اطمینان ہوا کہ اب آپ کی صحت ٹھیک ہے۔ میں بھی ٹھیک ہی ہوں۔ زندگی بہ ہر طور گزر رہی ہے اور گزر جائے گی۔

اب کے آپ نے دنوں کے بعد خط لکھا۔ مہینے دو مہینے میں خط ضرور لکھا کیجیے کہ اِس طرح خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

خدا کرے سارے متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور
۲۸؍اگست ۲۰۰۰ء

ممتاز صاحب! آداب

۲۲؍اگست کا خط ملا، شکریہ۔ اطمینان ہوا کہ آپ مع متعلقین بہ عافیت ہیں۔ میں بھی ٹھیک ہی ہوں۔ کتابوں کا احوال یہ ہے کہ قیمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ پبلشر پہلے کی طرح اب اضافی کتابیں نہیں دیتے۔ پھر میں دہلی میں ہوتا تو آنکھوں کی مروّت کچھ کام کر جاتی۔ اب جب دہلی جانا ہوا تو اپنی سی کوشش کروں گا کہ ایک دو نسخے سحر البیان کے حاصل کر سکوں۔ کئی احباب کو شکایت ہے، مگر میں کروں کیا، یہاں رہ کر اِس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ سے شرمندہ ہوں لیکن پبلشر کا قدم درمیان ہے۔ بہ ہر طور کوشش کروں گا کہ کچھ کر سکوں۔

رشید حسن خاں

(۴۱)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور
۷؍جون ۲۰۰۲ء

ممتاز صاحب!

پرسوں یا نرسوں آپ کا خط ملا تھا، شکر گزار ہوں کہ آپ نے یاد کیا۔ میں بستر نشیں ہوں فی الحال۔ ۲۷؍اپریل کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، یہ دوسرا اٹیک تھا۔ پہلا ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا جب میں دہلی میں تھا۔ نرسنگ ہوم میں رہا، اب گھر آگیا ہوں۔ پہلے سے بہتر ہوں، مگر نقاہت بہت ہے۔ بہ قول ڈاکٹر دو تین مہینے لگیں گے ٹھیک ہونے میں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۹ر دسمبر ۲۰۰۲ء[۴۲]

خاں صاحب!

خط ملا، شکریہ۔ کتاب برسوں کے بعد اُن لوگوں نے چھاپی، جب کہ میں یہاں ہوں۔ اُن لوگوں سے کسی طرح کا رابطہ نہیں رہا۔ اطہر فاروقی ملازمت کے پھیر میں دہلی سے عموماً باہر رہتے ہیں۔ اُن سے بھی مہینوں میں کبھی فون پر بات ہو پاتی ہے۔ میرے پاس کتاب کا ایک نسخہ آیا تھا، وہی ہے۔ دوسرا نسخہ ہوتا تو میں فوراً بھیج دیتا۔ اب تو بہ ظاہر یہی صورت ہے کہ آپ شاہد علی خاں کو خط لکھیں۔ آپ کا مضمون اُس میں شامل ہے، یوں ایک نسخہ آپ کو لازماً ملنا چاہیے۔ میری اُن سے مراسلت نہیں، ورنہ میں خط لکھ دیتا۔ اِس کے لیے میں آپ سے معذرت طلب ہوں۔ آپ اُن کو خط لکھیں، میرا خیال ہے کہ وہ کتاب آپ کے نام ضرور بھیج دیں گے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۱۸ر نومبر ۲۰۰۴ء[۴۳]

خاں صاحب!

آپ کا خط آج ہی ملا۔ پرسشِ احوال کے لیے شکر گزار ہوں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، گھر سے باہر بھی نہیں نکل پاتا۔ بس گزر رہی ہے۔ دونوں کتابوں کا کوئی ایک نسخہ بھی میرے پاس ہوتا تو میں آپ کو بھیج دیتا، کیا کروں، مجبوری ہے۔ حالاں کہ جی بہت چاہتا ہے کہ یہ کتابیں آپ تک پہنچ سکیں۔ پبلشر اب بہت بخل سے کام لینے لگے ہیں اور اُن کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔

پرسشِ حال کا ایک بار پھر شکریہ۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

شاہ جہاں پور

۱۷ نومبر ۲۰۰۵ء [۴۴]

عزیز مکرم!

آج ہی آپ کا خط ملا، کس قدر مسرت ہوئی، اِس کو بیان نہیں کرسکتا! جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ آپ کی صحت کا احوال پڑھ کر تشویش ہوئی، خدا کرے آپ جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں۔ میری صحت کا احوال بھی اچھا نہیں۔ ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کی ہے کہ گھر سے باہر نہ جاؤں، کیوں کہ سانس کی رفتار اچانک بگڑ جایا کرتی ہے۔ کم و بیش ڈھائی برس سے ایک کمرے کا قیدی بن کر رہ گیا ہوں۔ آپ کے مضمون کا انتظار رہے گا۔ پرسشِ احوال کے لیے بہت ممنون ہوں۔ اصل میں اسّی برس کے بعد دیوار پر سے دھوپ تیزی کے ساتھ اُترنے لگتی ہے۔ بہ ہر طور، زندہ تو رہنا ہے جب تک اُدھر کا اشارہ نہ ہو۔

خدا کرے آپ کے متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱؎ مقام اور تاریخ خط کے سرنامے پر درج ہے (ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، ساجدہ منزل محلہ باغ ملی، ڈاک خانہ حاجی (بہار) ۸۴۴۱۰۱)۔ خط جس کاغذ پر لکھا گیا ہے اُس کے بائیں کونے میں دلّی یونی ورسٹی کا ''لوگو'' ہے جس کے بیچ ایک کتاب دائیں بائیں دو چکر نیچے دو منحنی خط اور اِن کے نیچے ہاتھی کی تصویر ہے۔ اندرونی اور بیرونی دائرے میں ہندی میں دلّی وشو دھیالیہ اور نشٹھا دھرتی اور انگریزی میں یونی ورسٹی آف دلّی لکھا ہے۔ اس کے ٹھیک نیچے .Ref.No اور دائیں طرف Dated لکھا ہے۔ خط کی پشت پر کوئی پتا درج نہیں شاید یہ خط لفافے میں بند کیا گیا تھا۔ خط کے اوپر (ذاتی) لکھا ہے۔

۲؎ مقام و تاریخ خط کے سرنامے پر درج ہے۔ خط کے اوپر ''ذاتی'' لکھا ہے۔

۳؎ مقام و تاریخ خط کے اوپر درج ہے۔ خط کے اوپر ''ذاتی'' لکھا ہے۔

۴؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۶؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۷؎ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مرحوم خاں صاحب نے اس خط کو بغیر القاب کے سیدھا ''ہاں صاحب'' سے لکھنا شروع کر دیا۔

۸۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔
۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔
۱۰۔ مقام اور تاریخ خط کے اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔
۱۱۔ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط بھی دہلی سے لکھا گیا۔
۱۲۔ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۳۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا۔ اس وقت خاں صاحب دہلی ہی میں تھے۔
۱۴۔ مقام اوپر درج نہیں ہے۔ تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۵۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی دہلی سے لکھا گیا ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔
۱۶۔ مقام اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۷۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۸۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔
۱۹۔ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال سے لکھا گیا ہے۔
۲۰۔ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ نیز یہ خط بھی دہلی یونی ورسٹی سے ہی لکھا گیا ہے۔
۲۱۔ مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط بھی دہلی یونی ورسٹی کے گائر ہال سے لکھا گیا ہے جیسا کہ خط میں درج ہے۔
۲۲۔ دہلی سے لکھا گیا اس خط پر مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔
۲۳۔ اس خط پر مقام اور تاریخ اوپر درج نہیں کیا گیا جب کہ صرف تاریخ نیچے ہے اور دہلی سے لکھا گیا ہے۔
۲۴۔ اِن لینڈ لیٹر قیمت ۷۵ پیسے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ۲۷ر جون ۱۹۹۴ء کی اور حاجی پور کے ڈاک خانے کی مہر ۳۰ر جون ۱۹۹۴ء کی ہے۔ مقام اور تاریخ اوپر درج ہے۔ اور تاریخ نیچے بھی درج ہے۔

پتا: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

Dr. Mumtaz Ahmad Khan, Mohalla Bhgh Mali, P.O. Hajipur
Dist. Vaishali (Bihar) Pin 844101

رشید حسن خاں

T.C.9, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi-110007

۲۵۔ مقام اوپر درج ہے، تاریخ نیچے۔

۲۶۔ مقام اوپر درج ہے، تاریخ نیچے۔

۲۷۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ رسالہ زبان وادب ، پٹنہ ، بابت ماہ ستمبر تا دسمبر۱۹۹۴ء کی جانب اشارہ ہے جس میں راقم الحروف کا مضمون ''اصلاحِ املا سے متعلق تجاویز - ایک مختصر جائزہ'' شائع ہوا تھا۔ رشید حسن خاں۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ خط دہلی سے لکھا گیا، جو خط کی پہلی سطر سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۰۔ مقام اوپر درج ہے، تاریخ نیچے۔

۳۱۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۲۔ مقام اوپر تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۳۔ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳۵۔ مقام و تاریخ سرنامے پر مندرج ہے۔

۳۶۔ ایضاً

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ اس خط میں اُنھوں (خاں صاحب مرحوم) نے ''کیوں کہ'' کو ''کیونکہ'' یعنی ملا کر لکھا ہے۔ جب کہ ''اردو املا'' میں مرحوم نے ہمیشہ الگ لکھنے کی تلقین کی ہے۔ راقم نے اُن کے املا کے مطابق لکھ دیا ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں لکھتے ہیں کہ یہ مرحوم کا اُن کے نام یہ آخری خط ہے۔

★★★

بنام مہیندر لال پروانہ، ڈاکٹر

(۱)

۸؍دسمبر ۱۹۸۵ء[1]

پروانہ صاحب!

آپ کا خط مل گیا۔ کالرا صاحب یہاں ۱۰؍دسمبر کو آئیں گے اور ۱۲؍تک رہیں گے۔ اُن سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھا جائے گا۔ مطمئن رہیے۔

شہد کی بوتل بہ حفاظت پہنچ گئی، یہ واقعی خالص شہد ہے، لیکن اِس میں آپ کا حصّہ نہیں، یہ تو کالرا صاحب کی عنایت ہے۔ یہ میرے کام کی چیز ہے۔ اگر کسی طرح تھوڑے سے شہد کا اور انتظام ہو سکے تو مجھے آرام ملے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے کی طرح نہ ہو، ویسا ہو جیسا یہ نکلا۔ اِس کے لیے آپ کچھ کیجیے۔ آپ کے ذمّے قرضہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔

اخبار کا تراشہ مل گیا۔ ذرا یہ معلوم کر کے لکھیے کہ جموں ریڈیو والوں نے جو مذاکرہ ریکارڈ کیا تھا، وہ کب نشر ہوگا۔ میں تھا اور کالرا صاحب تھے۔ آپ بھی سن لیجیے گا۔ اگر جمیل احمد خاں وہاں کہیں آپ کو مل جائیں تو اُن سے کہیے کہ اُسے ٹیپ کرلیں۔ اِس کی اطلاع مجھے فوری طور پر دیجیے۔

مخلص

رشید حسن خاں

اپنا پتا ہر خط میں لکھیے اور صاف صاف۔

(۲)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

ٹی. بی. ۹، گائر ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۹؍فروری ۱۹۸۶ء

عزیزم پروانہ صاحب!

کل آپ کا خط ملا۔ میں آپ کو خط لکھنے ہی والا تھا۔ پرسوں اپنے کاغذات لوٹ پلٹ رہا تھا،

اُس میں ایک کاغذ آپ کے مقالے کے خاکے سے متعلق نکل آیا۔ میں تو یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ خاکہ بنا کر میں کالرا صاحب کو رجسٹری کے ذریعے بھیج چکا ہوں۔ آپ کو بھی مطلع کیا تھا۔ اب مجھے یہ شک سا پڑ گیا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ صرف جمیل صاحب کا کاغذ لفافے میں رکھ دیا اور آپ والا یہیں رہ گیا۔ آپ فوراً کالرا صاحب سے مل کر معلوم کیجیے کہ اُن کے لفافے میں آپ والا کاغذ تھا یا نہیں؟ میں یہ بات لکھ چکا ہوں کہ میں ۲۲ر کو بمبئی جاؤں گا اور ۲ر مارچ کو واپسی ہوگی۔

آپ کے خط کا انتظار ہے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

شاہ جہان پور

۴ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

میں بہ خیریت یہاں پہنچ گیا۔ غالباً ۱۵ر اکتوبر کو دہلی کے لیے روانہ ہوں گا۔ تم نے جس دل سوزی اور خلوص کے ساتھ خبر گیری کی، اُس کا نقش میرے دل پر ہے۔ دُعا کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ شادکام اور بامراد رہو۔ تمھاری خدمت گزار اور تم سے کچھ زیادہ سمجھ دار بیگم کو بہت سی دُعائیں۔ بچی کو بہت سا پیار۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۵ر نومبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

میں نے تم کو شاہ جہان پور پہنچتے ہی خط لکھا تھا، کیا نہیں ملا؟

تم نے تصویریں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، وہ کب وفا ہوگا؟

ریناصاحب اور ڈاکٹر صاحب کو بھی خط لکھے تھے۔ ملاقات ہو تو پوچھ لینا کہ ملے یا نہیں۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

گائز ہال

۲۹ر نومبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

ابھی تمھارا لفافہ ملا۔ آج ہی میں نے تمھارے نام مثنوی گلزارِ نسیم کی ایک جلد رجسٹری سے بھیجی ہے۔ چوں کہ تم کو پڑھنے کا شوق ہے، اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہو، اِس لیے میرا جی چاہا کہ یہ کتاب تم کو بھیجوں۔ اِسے غور سے، توجہ سے اور ہلکی رفتار سے پڑھنا، ورنہ بہت سی باتیں ذہن میں نہیں آپائیں گی۔ ملتے ہی رسید بھیجنا۔

میں ۱۶ر کو لاہور جاؤں گا اور ۲۷ر کو واپس آکر ۲۹ر دسمبر کو بمبئی کے حافظ سمینار میں شرکت کے لیے جاؤں گا۔

جنوری کے بعد میرا پتا یہ، ہوگا:

رشید حسن خاں

167- BAROOZAI - II

SHAHJAHANPUR (U.P(Pin:242001

میں نے ڈاکٹر امریک سنگھ کو بھی ایک خط شاہ جہان پور لکھا تھا، جب ملاقات تو ہو پوچھنا کہ میرا خط ملا تھا؟

خدا تم کو ہمیشہ خوش و خرّم اور بامراد رکھے۔ مجھ سے زیادہ میری بیوی رینا صاحب کی اور تمھاری تعریف کرتی ہیں۔ ہائے ہائے!! یہ دُنیا علم کی نہیں، باداموں اور اخروٹوں کی ماری ہوئی ہے! مطلب یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ قدر و قیمت تم لوگوں کی ہے۔ تحقیق سے نہ بھوک جاتی ہے اور نہ پیاس مٹتی ہے اور باداموں سے حلوا بنتا ہے۔ خوب ہے یہ دُنیا بھی!

تصویریں فوراً بھیجو تا کہ ۱۶ر سے پہلے مل جائیں۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

گائز ہال

۱۱ر دسمبر ۱۹۹۵ء

عزیزم!

آج تمھارا رجسٹرڈ خط ملا، اطمینان ہوا۔ ظہور صاحب نے اقبال سمینار کی دعوت دی ہے، مگر میں اُن دنوں بمبئی یونی ورسٹی میں توسیعی خطبات دینے میں مصروف ہوں گا، یوں معذرت کرلی۔ میں ۲۹ر دسمبر کو بمبئی جاؤں گا اور ۹ر جنوری کو واپسی ہوگی۔ آج کل وہاں کے لیے مضامین لکھنے میں بے طرح مصروف ہوں۔

تم نے اپنے خط میں ''پتہ'' لکھا ہے، یہ ''پتا'' ہے۔ اِسی طرح ''بجائے''۔ اِس میں ہمزہ کا کیا کام، ''بجاے'' لکھو۔ ''دیکھئے'' غلط۔ ''دیکھیے'' صحیح املا ہے۔ تم نے ''مسرّت'' کے میم پر پیش لگایا ہے ''مُسرّت'' میم پر زبر ہے۔ مَحبت اور مَسرّت دونوں میں میم مفتوح ہے۔ لوگ مُسرّت اور مُحبت کہتے ہیں، اُن پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے، مگر خود ہمیشہ مَسرّت اور مَحبت کہنا چاہیے۔

''پڑھنے کی چیز'' یوں لکھو ''پڑھنے کی۔ یعنی ڑ کی ط ذرا سی نیچے اُتار کر لگاؤ، ورنہ وہ پ کی جگہ لے لی گی۔

''آپ نے دھوپ میں کھڑے ہوکر تصویر لینا پسند نہ کیا تھا''۔ تصویر لینا، تصویر کھنچوانے کے معنی میں درست نہیں۔ ''تصویر کھنچوانا پسند نہ کیا تھا'' لکھنا چاہیے تھا۔ مزید یہ کہ ''کھڑے'' میں ط بے جگہ ہے یوں لکھو: کھڑے۔

تم نے میرا نام انگریزی میں Rashid لکھا ہے۔ اِسے ''راشد'' بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ہمیشہ ایسے مواقع پر EE لکھو، تا کہ اشتباہ نہ ہو، یعنی Rasheed۔

خدا کرے تم بہ عافیت ہو۔

ہاں بہت الجھا ہوا ہوں، یوں فی الوقت قتیل کے سلسلے میں وقت نہیں نکال سکتا۔ غالب سمینار (دہلی) حافظ سمینار (بمبئی) کے پرچے لکھنا ہیں اور تین توسیعی لکچروں کی تیاری کرنا ہے بمبئی یونی ورسٹی کے لیے۔ قتیل پر ایک تو مالک رام صاحب کا مضمون ہے اور دوسرا مقدمہ ہے۔ نثار فاروقی کا لکھا ہوا قتیل کی کتاب پر۔ واپس آکر دیکھوں گا۔ غالباً ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب فارسی کے ہندو شعرا میں بھی اُن کا حال لکھا ہے۔ سید عبداللہ کی کتاب اِس وقت سامنے نہیں، یہ بھی یاد نہیں کہ اُس کا صحیح نام کیا ہے۔ اُسے بھی آکر دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

گائرہال

۱۵ر دسمبر ۱۹۹۵ء

عزیزم پروانہ!

تمھارا خط ملا تھا، جس کا جواب میں نے لکھ دیا تھا۔ اتفاق سے قتیل کی کتاب مل گئی۔ میں نے خیال کیا کہ اِس بہانے تم اُسے مکمل طور پر خود ہی پڑھ لو، یوں بھیج رہا ہوں۔ دیکھو کہ زمانہ کس قدر آگے بڑھ گیا ہے، یا یوں کہو کہ بدل گیا ہے۔

چوں کہ تم پر اعتماد کرتا ہوں، یوں کتاب بلا تکلف بھیج رہا ہوں، پڑھ کر رجسٹری سے واپس کردو۔ اگر یہ کتاب یہاں ۱۵ر جنوری تک آجائے تو ٹھیک۔ ورنہ مجھے دشواری ہوگی، کیوں کہ اُس کے بعد کتابوں کی پیکنگ شروع ہوجائے گی۔

اِس کی رسید فوراً بھیجو۔

میں ۳۰ر دسمبر سے ۹ر جنوری تک بمبئی یونی ورسٹی میں رہوں گا۔ ۳۱ر جنوری کے بعد شاہ جہان پور کے پتے پر خط لکھنا۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

۱۶۷- بازوزئی دوم،

شاہ جہان پور

۱۹ر اگست ۱۹۹۶ء

عزیزم پروانہ صاحب! دُعائیں

ابھی خط ملا، رجسٹری کی کیا ضرورت تھی؟ میری ڈاک ویسے بھی بہ حفاظت آتی ہے، مگر یہ غلطی معاف کی گئی اِس خوشی کی بنا پر جو اِس خط کو پڑھ کر ہوئی۔ بیٹے کی آمد مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ وہ صحت مند اور بہ عافیت رہے اور بڑا ہوکر تمھارا اچھا جانشین بنے اور اُس کے اندر بھی وہی صفات ہوں جو تم میں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ میری طرف سے اپنی بیگم کو مبارک باد دو۔ سچ ہے: وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ۔ شاعروں کو اور افسانہ نگاروں کو تخلیقی فن کار اور تخلیق کار کہا جاتا ہے، حالاں کہ سچّی تخلیق کار عورت ہوتی ہے، اُس کی تخلیق کو صحیح معنی میں معجزۂ تخلیق کہا جاسکتا ہے۔ بے جان عبارت کی تخلیق اور جان دار وجود کی تخلیق میں بہت بڑا فرق ہے۔ اپنی بیوی تک، جو میری بہو ہوئیں، میری دعائیں پہنچادو اور مبارک باد بھی۔

نام رکھنا مجھے نہیں آتا۔ (''نام رکھنا'' محاورہ ہے، اِس کے معنی ہیں: عیب نکالنا، الزام لگانا)۔

میں بمبئی میں تھا، ۲۰ دن کے بعد واپسی ہوئی ہے۔ اکتوبر میں پھر جانا ہوگا۔ جموں آنا ضرور ہوگا۔ تھوڑا سا وقت لگے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی بیماری کا حال پڑھ کر پریشانی ہوئی۔ تم اُن کے گھر جا کر میری طرف سے پرسشِ مزاج کرلو۔ میرا سلام کہو اور یہ کہ دُعا کرتا ہوں کہ وہ جلد ترصحت یاب ہوں۔ ظہور صاحب سے بھی میرا سلام کہنا۔ اُنھیں بھی خط لکھوں گا۔ اُن سے کہنا کہ میں اکتوبر میں پورا مہینا بمبئی میں رہوں گا، شعبۂ اردو کے مہمان کے طور پر۔

امام ضامن کا روپیا: یہ پُرانا رواج ہے، جب کوئی سفر پر جاتا تھا تو اُس کے بازو پر ایک روپیہ کپڑے میں سی کر، تعویذ کی طرح باندھا جاتا تھا، مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص سفر میں بہ حفاظت رہے اور بہ حفاظت واپسی ہو۔ منزل پر پہنچ کر اسے خیرات کردیا جاتا تھا۔ شیعہ حضرات کے عقیدے کے مطابق امام ضامن آٹھویں امام ہیں۔ ان کا پورا نام ہے: (حضرت) علی موسیٰ رضا۔ میں تمھاری آسانی کے لیے نوراللغات کی عبارت نقل کیے دیتا ہوں:

> ''امام ضامن کا روپیہ: جب کوئی سفر کو جانے لگتا ہے تو گھر والے اور عزیز و احباب اُس کے بازو پر امام ضامن کے نام کا روپیا باندھ دیتے ہیں اور وہ منزل پر پہنچ کر خیرات کردیا جاتا ہے۔ روپے کی تخصیص نہیں، دولت مند اشرفی اور غریب پیسا باندھتے ہیں''۔

زمانے کی حقیقت پسندی نے اِس رسم کو اب پوری طرح مرحوم بنادیا ہے۔ پہلے سفر روز روز تو ہوتا نہیں تھا اور برسوں کا یا کم سے کم مہینوں کا تو ہوتا تھا، اِس لیے حفاظت کا یہ تصور تھا۔ سفر ہوتا بھی تھا بہت خطرناک، ریل اور جہاز تو تھے نہیں۔

میرا خیال ہے کہ ضمنی طور پر اِس کی تہ میں یہ تصور بھی تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ اُس کے کام بھی آسکتا ہے مثلاً دس رشتے داروں نے الگ الگ دس روپے باندھے تو دس روپیا تو اُس زمانے میں آج کے ہزار روپے کے برابر ہوتے تھے اور بہت کام آسکتے تھے۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے۔

(۹)

بنام: ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ

شاہ جہان پور

۱۱راپریل ۲۰۰۰ء

عزیز مکرّم پروانہ صاحب! بہت سی دعائیں۔

رجسٹرڈ خط آج ہی ملا۔ کیسا جی خوش ہوا ہے، اِسے بیان نہیں کرسکتا۔ میں تو خیال کرتا تھا کہ وہاں سب نے بھلا دیا ہے۔ مجھے اِس خط سے پہلے تمھارا کوئی خط نہیں ملا۔ میں خطوں کا جواب

پابندی سے دیتا ہوں۔

صحت میری بس یوں ہی رہتی ہے۔ اب چلنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے، گھٹنے میں درد ہوتا ہے۔ اِس کا علاج کیا، مگر بے فائدہ۔ دل کی بیماری تو پہلے سے ہے۔

تم نے اپنی صحت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اُسے پڑھ کر بہت پریشانی ہوئی اور دُکھ ہوا۔ دل کا عارضہ بہت پریشان کرتا ہے، مجھے تو اِس کا خوب تجربہ ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ یونی ورسٹی میں اصولِ تحقیق پر کوئی سمینار رہا تھا، ہوا ہوگا۔

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گل فام گر برسا کرے

ہاں رینا صاحب کی اور تمھاری یاد بہت آتی ہے۔ تم دونوں کو میں نے اپنا عزیز سمجھا ہے ہمیشہ اور اب بھی سمجھتا ہوں۔ معلوم نہیں ظہور صاحب کس حال میں ہیں، دنوں سے اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔

میں آج کل ٹھگوں کی زبان کا لغت مرتب کر رہا ہوں، یہ بہت دل چسپ کام ہے۔ اور ہاں ڈاکٹر امریک سنگھ کہاں ہیں، مجھے اُن کا لطف و کرم اب تک خوب یاد ہے۔ اُن سے ملنے کو اور باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ تم کوشش کر کے اُن سے میرا اسلام کہو۔ کبھی تو اُن سے ملاقات ہوگی، مجھے اُس دن کا انتظار ہے، خدا وہ دن کرے!

میں حیدرآباد گیا تھا، وہاں عثمانیہ یونی ورسٹی، سنٹرل یونی ورسٹی اور نیشنل اردو یونی ورسٹی میں کچھ لکچر دینا تھے۔ وہاں سے بمبئی چلا گیا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ مہینے کے بعد واپسی ہوئی تھی ۲۸/مارچ کو، کہ ۶/اپریل کو جے پور جانا پڑا۔ وہاں سے پرسوں ہی واپسی ہوئی ہے۔ بمبئی یونی ورسٹی میں سمینار تھا: اردو میں مہابھارت کی روایت، اُس میں حصہ لیا تھا اور اردو ادب میں مہابھارت سے متعلق تلمیحات پر پرچہ پڑھا تھا۔

دیکھو عزیزم پروانہ، خط لکھتے رہا کرو، دو مہینے میں ہی سہی، مگر خط لکھو کہ اِس طرح رابطہ برقرار رہتا ہے اور احوال معلوم ہوتا رہتا ہے۔ ہمیں دُنیا والوں سے کیا غرض؛ ہمیں تو اپنے سے غرض ہے اور اپنوں سے۔

رینا صاحب سے میری دُعائیں کہو اور امریک سنگھ صاحب سے سلام۔ تمھاری بیگم کو بھی بہت سی دُعائیں۔ تمھارا خط پا کر پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں، خدا تم کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

ہاں، تم نے جواب کے لیے لفافہ بھیجا ہے، کیوں؟ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ میں اِس کے بغیر جواب نہیں لکھوں گا؟ یہ نامعقول بات ہے، آیندہ یہ غلطی نہ ہو۔

حواشی:

۱۔ یہ خط پروانہ صاحب کو ۵؍فروری ۱۹۸۶ء کو ملا۔ کیوں کہ لفافے پہ لال پین سے یہی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ ساتھ میں پروانہ صاحب کے دستخط بھی ہیں۔ دہلی اور جموں ڈاک خانوں کی دو مہریں بھی فروری ۱۹۸۶ء کی ثبت ہیں۔ ڈاکٹر ایم. ایل. پروانہ اس وقت گورنمنٹ پی جی کالج آف ایجوکیشن جموں کے پرنسپل ہیں۔ 'داستانِ ہفت سیاح' انھوں نے مرتب کر کے شائع کی ہے۔

۲۔ اس خط میں ۱۶؍دسمبر کو لاہور جانے اور ۲۹؍دسمبر ۱۹۹۵ء کو بمبئی کے حافظ سیمینار میں جانے کا ذکر ہے۔

۳۔ یہ پہلا خط ہے جس پہ رشید حسن خاں صاحب کے دستخط نہیں۔ اُن کے قریب ۱۰۰۰ خط میری نظر سے گزر چکے ہیں، ایسا کبھی نہیں دیکھنے کو ملا۔ ہاں لفافے کی پشت پر اُن کا مکمل پتا مع دستخط تحریر ہے۔

۴۔ مارچ ۲۰۰۰ء میں بمبئی یونیورسٹی میں سیمینار تھا ''اردو میں مہابھارت کی روایت''۔ خاں صاحب نے ''اردو ادب میں مہابھارت سے متعلق تلمیحات'' پر پرچہ پڑھا تھا۔

★★★

بنام نثار احمد فاروقی، پروفیسر

(۱)

باڑوزئی دوم، شاہ جہان پور
۲۹؍مئی ۱۹۶۲ء[1]

برادر مکرّم! سلام مسنون۔

اے تو غائب زنظر ہر تو ایمان من است

بھائی قطع تعلق کی خوب کہی، بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ دہلی میں چند رفیقان صاف دل ملے تھے ان میں سے ایک آپ بھی ہیں اور بعض خوبیوں کے لحاظ سے ممتاز، بھلا آپ کو کیسے بھلا دوں گا؟ بھلانے کے لیے اور بہت سے مناسب لوگ ہیں، ان کو ہی بھلانے سے فرصت نہیں ملے گی۔

یہاں بلا کی گرمی پڑ رہی ہے، جھلسا دینے والی تیز لو اس سے بھی تیز ہے۔ سارا دن گوشۂ عافیت کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس دن سے آیا ہوں، ایک دن بھی نہ ایک صفحہ پڑھ سکا ہوں اور نہ دو سطریں لکھ سکا ہوں۔ بُرا حال ہے۔ کچھ گھریلو قصے قضیے مزید برآں۔ بچہ اب پہلے سے ٹھیک ہے، لیکن ابھی علاج برابر ہو رہا ہے اور شاید کچھ ماہ اور ہوتا ہی رہے گا۔ یہ بجائے خود ایک اُلجھن ہے۔ غرض اِنھیں پیچ وخم میں اُلجھ کر رہ گیا ہوں۔ بے حد منفعل ہوں کہ اس سے قبل کوئی خط نہیں لکھ سکا۔

ہاں برادر! یہاں تو آنکھیں بے نور سی ہو کر رہ گئی ہیں اور دل ویران۔ آپ تو اس دیارِ خوباں میں ہیں، جب بھی ان رہ گزاروں سے ملا کیجیے ایک جمی ہوئی نظر میری طرف سے بھی ڈال لیا کیجیے۔ ممکن ہے اس طرح کچھ دل بہل جائے ورنہ یہاں تو دن رات سنت رسول پر عمل کرتے کرتے مولوی بل کہ بنگالی بن کر رہ جاؤں گا۔ یہ کس قیامت کی بے بسی ہے کہ رونق و آرائش کی بھیک مانگتی ہوں، رہ گزاروں کے سوا یہاں اور کچھ پیش نظر نہیں۔ گھر کے اندر اپنی نیک بختی کو دیکھو اور باہر دوسروں کی بدبختیوں کو، ہائے ہائے۔ بسمل صاحب سے سلام کہیے، ان کو بھی جلد خط لکھوں گا اور آپ کا دلچسپ خطوں کا بدل و جان منتظر رہا کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۸؍جنوری ۱۹۸۷ء[۲]

مُحبِّ مکرّم!

آج شام کو ڈاکٹر اسلم پرویز سے مجھے اِس حادثے کی اطلاع ملی کہ آپ کے والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ بے حد قلق ہوا۔ آپ کو جس قدر غم ہو، کم ہے۔ میں اِس غم میں آپ کا شریک ہوں اور دست بہ دعا ہوں کہ خداے پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں داخل کرے اور آپ کو اور دیگر متعلقین کو صبر کی توفیق دے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۳)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۱۷؍اپریل ۱۹۹۴ء[۳]

مُحبی فاروقی صاحب!

آپ سے جو گفتگو ہوئی تھی، وہ آپ کو یاد ہوگی۔ آپ کو اپریل میں رام پور جانا تھا۔ از راہِ لطف غرائب اللغات کے متعلق معلومات کر لیجیے گا۔ کہ وہاں اس کا خطی نسخہ ہے کہ نہیں۔ اگر ہوگا تو واپس آکر مجھے خط سے مطلع کر دیجیے گا، تاکہ میں باضابطہ آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرکے خط لکھ سکوں حصولِ عکس کے لیے۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی
ٹی بی.۹، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی-۱۱۰۰۰۷
۳۰؍جون ۱۹۹۴ء[۴]

محبی!

ابھی آپ کا خط مرقومہ ۲۶؍جون ملا، یعنی چار دن کے بعد۔ خیر، خدا کرے میرا خط بروقت مل جائے۔ میں نے اسی وقت ایک خط آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کے نام لکھ دیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ مجھے آپ کے یہاں کے نسخۂ غرائب اللغات کے عکس کی ضرورت ہے۔ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جو رقم واجب الادا ہوگی، اُسے فوری طور پر بھیج دیا جائے گا۔

آپ تو جا ہی رہے ہیں، اپنے سامنے اگر اُس عکس کو بھجوا سکیں تو خوب ہو۔ اگر ایک سے زیادہ نسخے ہوں تو بہتر نسخے کا عکس درکار ہوگا۔

رشید حسن خاں

آفیسر صاحب کا نام مجھے معلوم نہیں، ہاں صرف عہدہ لکھا ہے۔

(۵)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی

۱۸؍نومبر ۱۹۹۵ء

محبِ مکرم!

۱۷؍نومبر کا خط ملا، یاد آوری کا شکریہ۔ میں آج کل بہت اُلجھن میں مبتلا ہوں۔ تفصیل زبانی۔ جنوری کے اواخر میں شاہ جہان پور منتقل ہونا ہے، یوں نامعقول مصروفیات گھیرے ہوئے ہیں۔

بھائی! اس بار میری معذرت قبول کر لیجیے، آیندہ آپ کی فرمائش ضرور پوری ہوگی۔ توقع کرتا ہوں کہ میری معذرت ناقابلِ قبول نہیں ٹھہرے گی۔ آپ کا جرنل نظر سے نہیں گزرا، اِسے اس قدر ''محفوظ'' تو نہیں ہونا چاہیے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی

۱۶۷- بازوزئی دوم

شاہ جہان پور

۲۳؍مئی ۱۹۹۷ء

محبی فاروقی صاحب! آداب

خط ملا تھا، یاد آوری کا شکریہ۔ خیریت تو ہے، مگر عافیت ذرا مشتبہ ہے۔ زیرِ علاج ہوں اور جون کے پہلے ہفتے میں مزید علاج کے لیے دوبارہ بمبئی جانا ہے۔ ۲۹؍جون کی دعوت ضرور قبول کرتا، مگر میں اُن دنوں بمبئی میں ہوں گا، اس لیے معذرت طلب ہوں۔ دعا کیجیے کہ بہ عافیت رہوں

تا کہ آیندہ سال آپ کے جلسے میں ضرور شرکت کرسکوں۔ یہ دوسری بار معذرت طلب کر رہا ہوں، اور اِس تکرار کے لیے بھی معذرت طلب ہوں۔ جی ضرور چاہتا ہے کہ کم از کم ایک بار امروہے آؤں اور پُرانی یاد کو تازہ کروں۔ اب اگلے سال کا وعدہ کرتا ہوں بہ شرطِ عافیت۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: پروفیسر نثار احمد فاروقی

شاہ جہان پور

۱۱/اپریل ۱۹۹۸ء

مُحبی فاروقی صاحب!

مبارک باد کا شکریہ۔ میں بہ عافیت ہوں، جس حد تک عافیت رفاقت کا حق ادا کرسکتی ہے، اُس حد تک۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے سحرالبیان کی تدوین میں مصروف ہوں، ابھی سال بھر اور لگے گا۔ آپ کی عافیت مطلوب ہے۔ یاد آوری کا ایک بار پھر شکریہ۔

مخلص

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ پوسٹ کارڈ پہ لکھا ہوا خط ہے۔ پوسٹ کارڈ کی قیمت ۵/ پیسے ہے، اِس کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی ۳۰/مئی ۱۹۶۲ء کی مہر ثبت ہے اور یہ ''اخی مکرّم جناب نثار احمد فاروقی دہلی یونی ورسٹی لائبریری دہلی-۶'' کے پتے پر روانہ کیا گیا ہے۔

۲۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۳۔ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۴۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۵۔ خط کے اوپر مقام درج نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار دونوں کے پتے درج نہیں۔ صرف اس جملے ''جنوری کے اواخر میں شاہ جہان پور منتقل ہونا ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ٹی.سی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی سے لکھا گیا۔

۶۔ خاں صاحب نے ۱۸/نومبر ۱۹۹۵ء کے خط میں ''آیندہ'' بغیر ہمزہ کے لکھا ہے اور یہاں مع ہمزہ ''آئندہ''۔ یہ دو طرح کا املا ہوا۔ ان کی کتاب اردو املا کے ص ۴۲۹ پر ''آیندہ'' بغیر ہمزہ کے درج ہے اور اِسے ہمزہ کے بغیر لکھنے کی سفارش کی ہے نیچے دو نقطوں کے ساتھ (اشاعتِ اوّل ۱۹۷۴ء)۔

★★★

بنام نجیب اشرف ندوی، سیّد

(۱)

۷؍دسمبر ۱۹۶۷ء، ۱۱ بجے صبح[۱]

محترمی!

مجھے نوائے ادب اس وقت تک یعنی آج صبح ۱۱ بجے تک نہیں ملا، ایک اور صاحب کے پاس یہ موجود تھا، ان سے لے کر پڑھا۔ دُہائی ہے آپ کی، میرے مضمون میں ہی سب کے حصّے کی اغلاط جمع ہوگئیں، جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ میرا سارا کیا دھرا غارت جائے۔ براہِ کرم ان کی تصحیح شائع کردیجیے۔ اسی اکتوبر کے شمارے میں، تصحیح کا صفحہ اسی عریضے کے ساتھ منسلک ہے۔

دوسری قسط اور میرا عریضہ، دونوں مل چکے ہوں گے۔ ان کی رسید کا منتظر ہوں اور دست بدعا کہ خدائے پاک آپ کو بہ ہمہ وجوہ بعافیت رکھے۔

نیازمند
رشید حسن خاں

(۲)

بنام: سیّد نجیب اشرف ندوی
۱۶؍اپریل ۱۹۶۸ء[۲]

محترمی!

گرامی نامہ ملا تھا۔ دس آف پرنٹس بھی مل گئے۔ منّت پذیر ہوں۔ میں اب بہتر ہوں۔ آپ کا مزاج اب کیسا ہے۔ دست بدعا ہوں کہ آپ بہمہ وجوہ بعافیت کامل ہوں۔ انجم کا کوئی خط نہیں آیا۔ خدا کرے وہ بھی بعافیت ہوں۔ ایک بات دریافت طلب ہے۔ کیا معراج العاشقین کا وہ گم شدہ مسودہ مل گیا اور کیا یہ مکمل نوائے ادب میں شائع ہوگی؟

خادم
رشید حسن

حواشی:

۱؎ مقام نہیں تاریخ اوپر درج ہے۔ نیچے صرف نیاز مند 'رشید حسن' لکھا ہے۔ خاں کا لاحقہ نام کے ساتھ نہیں۔

۲؎ مقام نہیں تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے، قیمت چھے پیسے ہے۔ نیچے خادم 'رشید حسن' لکھا ہے۔ خاں کا لاحقہ نہیں ہے۔ اندھیری بمبئی کے ڈاک خانے کی مہر ۱۹/اپریل ۱۹۶۸ء کی ہے۔

★★★

بنام نصرت، پروفیسر

(۱)

باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۱۶/ مارچ ۱۹۹۶ء[۱]

عزیزہ نصرت! بہت سی دُعائیں

دہلی سے شاہ جہان پور کی منتقلی نے سارا نظام درہم برہم کردیا، سارے کام چوپٹ ہوگئے، یوں یہ خط اِس قدر تاخیر سے لکھ رہا ہوں لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا۔

توقع کرتا ہوں کہ اپنا کام کرلیا ہوگا یا وہ ہو رہا ہوگا اُس خاکے کے مطابق جو بنا تھا۔ جب بھی وہ کام مکمل ہوا، شاید سب سے زیادہ مسرّت مجھ کو ہوگی۔ میرا بہت جی چاہتا ہے کہ تمھاری ایک واقعتاً عمدہ اور متوازن تصنیف سامنے آئے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ ابھی کہنے کو بہت کچھ باقی تھا اور یہ کہ شاعر انسان ہوتا ہے اور انسان کثیر الجہت ہوتا ہے۔

ضیا کیسے ہیں، بہت سی دُعاؤں کے ساتھ۔

رشید حسن خاں

ظہور صاحب نے کانفرنس میں بلایا تھا، دِن بھر کے لیے کیا آتا۔ اور فی الوقت فرصت بھی نہیں۔ آبھی نہیں سکتا تھا۔ گھر کا پتا کیا ہے؟

---

۱ مقام و تاریخ سرنامے پر اوپر درج ہے۔

★★★

بنام نعیم کوثر

(۱)

باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور
۱۶راگست ۲۰۰۰ء[۱]

نعیم کوثر صاحب! آداب

خوابوں کا مسیحا کا پیکٹ مجھے پرسوں ملا۔ اِس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ کتاب پر تاریخ ۷رفروری ۲۰۰۰ء تحریر ہے؛ مگر میرے پاس یہ پرسوں ہی پہنچی ہے۔ کیا ہوا، یہ آپ جانیں۔ یہ وضاحت یوں کی گئی کہ آپ یہ خیال نہ کریں کہ رسید بھیجنے میں میں نے تغافل سے کام لیا۔

میں فکشن سے متعلق کتابوں کو بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ فکشن سے متعلق تنقیدی تحریروں کو تو پڑھتا نہیں، ہاں افسانے ناول ضرور پڑھتا ہوں۔ فکشن سے مجھے وہ تازگیِ خیال ملتی ہے جو تحقیق کی صبر آزمائی کو خوش گوار بناتی رہتی ہے۔ آپ نے یاد کیا، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ میں اِس کتاب کو شوق اور دل چسپی کے ساتھ پڑھوں گا۔

ایک بار پھر شکریہ۔ توقع کرتا ہوں کہ ایسے مواقع پر آیندہ بھی یاد رکھا جاؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: نعیم کوثر
شاہ جہان پور
۳رستمبر ۲۰۰۰ء[۲]

کوثر صاحب!

کل آپ کا خط ملا۔ اُس میں کوئی جواب طلب بات تھی نہیں، یوں جواب لکھنا ضروری نہیں تھا؛ مگر وہ جو کھلا خط آپ نے بھیجا ہے، اُس کی رسید دینا ضروری تھا۔

میرے بھائی! ریت میں دودھ بہایا ہے آپ نے۔ کیا آپ کو یاد نہیں کہ اردو کے اچھے اچھے،

مگر اشتہاری ادیبوں کو یہ صاحب ایک بار خرید کر آزاد کر چکے ہیں اور وہ سب بہ خوشی بکے تھے، محض لالچ کی خاطر۔ جس شخص نے ادیبوں کو خریدنے میں تکلّف نہ کیا ہو، اُس سے آپ کو اور توقّع کیا ہے؟ اور یہ کہ اُس پر آپ کی اِن معقول باتوں کا اثر کیا ہوگا۔ آپ نے ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ کی بھی دُہائی دی ہے؛ کیوں بھائی! کیا آپ اُس سارے ہنگامے کو بھول گئے جو اِس سلسلے میں اُٹھا تھا، جس میں خرید اور فروخت دونوں کی بہت سی تفصیلات سامنے آئی تھیں، بالکل کُٹیا کے چھنالے والا معاملا تھا۔ اُس کا کیا اثر ہوا تھا؟ نَو دُولتیا ذہنیت ایسے معاملات کو صرف اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھتی ہے—
ہاں، اِس پوری کتھا میں، جو آپ نے لکھی ہے، مجھے اِس اصطلاح کا بہت لطف آیا: اب دُکھ تو سدا سُکھ۔ برمحل استعمال پر جی خوش ہوا۔ میں آج کل ٹھگوں کی زبان کا مکمّل لُغت مرتّب کر رہا ہوں، اِس لیے ایسی اصطلاحوں کے برمحل استعمال پر پھڑک اُٹھتا ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ کبھی اختر سعید خاں صاحب سے ملاقات ہو تو میرا اسلام ضرور کہہ دیجیے گا اور یہ بھی کہ آپ کا ایک معترف اور نیاز مند آپ کو برابر یاد کرتا ہے۔ خاص کر جب آپ کی کوئی غزل پڑھتا ہے جس میں ''دل کی آبادی کی اِس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ'' والی کیفیت تہ نشیں ہوتی ہے۔ اب ذہن پر حملہ کرنے والے شعر تو بہت پڑھنے کو ملتے ہیں، دل کو چھو جانے والے اور دل میں اُتر جانے والے شعر بھوپال کا ایک زاویہ نشیں کہتا ہے۔ خدائے پاک اِس شعر کو اور اِس کے نیاز مندوں کو ظفر اقبالیات سے محفوظ رکھے اور بدذوقی سے دور رکھے۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہاں پور

۱۵ر نومبر ۲۰۰۰ء

نعیم کوثر صاحب! آداب

پرسوں آپ کا خط ملا تھا، یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔

میں آج کل بہت مصروف ہوں ایک کام میں۔ کام یہ ہے کہ ٹھگوں کی زبان کا مکمّل لُغت مرتّب کر رہا ہوں۔ یوں فی الوقت آپ اُس کتاب کو بہ حفاظت رکھیے۔ فرصت پاتے ہی میں آپ کو زحمت دوں گا۔

کتاب کی بازیافت کی جو اطلاع آپ نے دی ہے، اُس کے لیے ممنون ہوں اور سپاس

گزار۔ توقع کرتا ہوں کہ ایسے مواقع پر آیندہ بھی یاد کرتے رہیں گے۔

رشید حسن خاں

آیندہ خط جب بھی لکھیں، پتے میں اپنا پوسٹل زون نمبر ضرور لکھیے گا۔

(۴)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۲۱ راگست ۲۰۰۱ء[۴]

عزیزِ مکرّم نعیم کوثر صاحب! آداب

صداے اردو (ص داے) کا پہلا شمارہ کل ملا۔ اِس محبت اور یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہاں کی بہت سی باتیں معلوم کر لینے کا یہ بہترین وسیلہ ہے اور اِس لحاظ سے میں بہت ممنون ہوں۔ توقع یہ کرتا ہوں کہ یاد کرنے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوگا اور میں وہاں کے دل چسپ حالات سے باخبر ہوتا رہوں گا۔

آخری صفحے کا کارٹون اودھ پنچ کے کارٹونوں کی یاد دلاتا ہے، بہت پسند آیا اور واقعیت پر مبنی اِس خوش طبعی نے جی خوش کر دیا۔ لفظ ''مُوسی'' تو اب ایک نشان کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور اِس قدِآدم تمثال دار آئینے نے مسلمانوں کے بڑے طبقے میں پیدا ہونے والی بے اطمینانی کو بڑے مضحک انداز سے پیش کیا ہے۔ اِسے تصحیف کی ایک نئی شکل کہنا چاہیے۔

خدا کرے آپ زمانے کے مردافگن ترغیبات سے ممکن حد تک محفوظ رہیں۔ تردامنی بجاے خود کوئی گناہ نہیں؛ اُس کا حاوی ہو جانا گناہ ہے۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۱۵ راکتوبر ۲۰۰۱ء[۵]

عزیزِ مکرم نعیم کوثر صاحب!

صداے اردو کا تازہ شمارہ[۱] ملا، شکر گزار ہوں۔ میں ہر شمارے کو بہت شوق اور دل چسپی کے ساتھ پڑھتا ہوں کہ اِس کے واسطے سے مجھے اردو کے ایک بڑے پرانے مرکز سے نسبت رکھنے

والے شعرا اور افراد کا احوال معلوم ہوتا ہے۔ جن شاعروں کا بس نام سنا ہے یا دو چار شعر کہیں پڑھے ہیں، اُن کے بہت سے شعر پڑھنے کو مل جاتے ہیں اور اُن سے متعلق بہت سی دل چسپ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، جیسے اِس شمارے میں کیفؔ بھوپالی کے مختصر حالات۔ یا جیسے مرتضا علی شادؔ کا بے مثال تبصرہ فیضؔ کے شعر پر، کیا عمدہ بات کہی ہے۔ کاروبار چلے پر کیا خوب تبصرہ کیا ہے! جی خوش ہو گیا۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

میں آج کل ٹھگوں کی زبان کا مکمل لغت مرتب کر رہا ہوں۔ ادبی ٹھگوں کی زبان کا نہیں، سچ مچ کے ٹھگوں کی زبان کا۔ یہ بات یوں لکھی کہ وہاں اگر ٹھگوں سے متعلق کوئی کتاب، تحریر نظر سے گزرے تو مجھے ضرور اطلاع دیں۔

(٦)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۲ء

نعیم صاحب! آداب

کئی دن پہلے آپ کی کتاب ملی تھی۔ رسید بروقت نہیں بھیج سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ ڈاکٹروں کے پھیر میں آ گیا ہوں، جتنی بیماریاں ہیں، اُن سے کئی گنا ٹسٹ اور اِس کے متعلقات ہیں۔ ذرا سنبھل جاؤں تو پوری کتاب دل لگا کر اور نظر جما کر پڑھوں گا۔ جدیدیت کے پھیر میں یار لوگوں نے کہانی کو دیس نکالا دے دیا تھا۔ اب پھر اُسی طرف واپسی ہو رہی ہے۔ آپ نے پہلے دن سے کہانی پن کو اصل چیز سمجھا، اور اِسی لیے سفر آگے کی طرف ہوتا رہا، بازگشت کے عذاب سے محفوظ رہے۔ یہ بات کچھ کم نہیں۔ وفاداری بہ شرطِ استواری اصلِ ایماں ہے۔

توقع کرتا ہوں کہ دس، پندرہ دن میں اِس قابل ہو جاؤں گا کہ پڑھنے کا سلسلہ جاری ہو سکے۔ اُس وقت آپ کا مزید شکر گزار ہوں گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

مجھے خرید لو کی رسید آج ہی زبانی بھیج دی گئی (فون پر)۔ خط لکھنے کی ہمت نہیں پڑی۔ توقع کرتا

ہوں کہ تاج صاحب بُرا نہیں مانیں گے۔ خط لکھنے کا انتظار کرتا تو اور دیر ہوتی۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۳۱ر مئی ۲۰۰۴ء

عزیزِ مکرم نعیم صاحب!

فون پر آپ سے گفتگو ہوئی تھی، یادآوری کا اور پرسشِ احوال کا شکریہ۔

میری صحت کا احوال وہی ہے جو تھا، اب بہ ظاہر اُس میں تبدیلی کی گنجایش بھی نہیں معلوم ہوتی۔ بہ ہر طور اطمینان کی بات یہ ہے کہ قلم کی سیاہی خشک نہیں ہوئی۔ اُس کی روانی میں کمی ضرور آگئی ہے، مگر ختم نہیں ہوئی۔ غالبؔ والا کام ہو رہا ہے۔ یہ کام بہت صبر آزما ہے، یوں بھی جلدی نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ کو فکر ہے اُس کے مکمل ہونے کی تو ضرور مکمل ہوگا، سخت جانی کی رفاقت مجھے حاصل ہے۔ اب تک حرفِ کاف تک پہنچا ہوں۔ ۹۲۵ صفحے مکمل ہو پائے ہیں۔ ہندستان کی کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہوگا اور ہماری تنقید کو یہ بہتر طور پر معلوم ہوسکے گا کہ مرزا صاحب کے یہاں مفرد اور مرکب الفاظ کن کن معنوی نسبت اور تلازموں کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ کس زمانے میں کن الفاظ نے بار بار اُن کے اشعار میں جگہ پائی ہے۔ یہ زمانی تعیّن بعض باتوں کی وضاحت میں بہت کارآمد ثابت ہوگا۔

بھائی! آپ نے جو طالبانِ دُنیا اور بے ضمیرانِ قوم کی نقاب کشائی کا کام شروع کیا ہے، یہ بہت ضروری تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے کیسے لوگ ہماری صفوں میں تھے۔ مجھے مرلی منوہر جوشی کے ہارنے کی خاص کر خوشی اِسی لیے ہوئی کہ اردو کے کئی منافق اور اقتدار پسند افراد کا سہارا ٹوٹ گیا۔ اِسی طرح عارف محمد خاں کی شکست سے بڑا اطمینان ہوا کہ ابھی لوگ اُتنے موقع پرست نہیں ہو پائے ہیں جتنے اور جیسے یہ صاحبان تھے۔ غور تو کیجیے، کیسے کیسے چہرے ہیں! وہ مولانا صاحب اور وہ امام صاحب اور وہ پروفیسر صاحب، کیسے کیسے لوگ سامنے آگئے اچانک! اور کیسے کیسے چہروں سے نقاب اُٹھ گئے۔ اب بشیر بدر جیسے ''قلیل القامت'' کا نام کیا لیا جائے، جب ایسے ایسے ''طویل القامت'' افراد نے اپنے قبلے کا رُخ بدل دیا۔ نصابی کتابوں میں آر ایس ایس کے نقطۂ نظر کو شامل کیے جانے کی لمبی پلاننگ کی گئی، گجرات کے فساد کو مثالی انداز بتایا گیا سبق سکھانے کا (وغیرہ) اور

ان نئے عقیدت مندوں کے لیے یہ باتیں کچھ بھی نہیں تھیں، گویا فضول واویلا تھا۔ دلوں پر جب مُہریں لگ جائیں اور آنکھوں پر پردے پڑ جائیں اور طلبِ دنیا ہر قیمت پر مقصودِ حیات بن جائے تو پھر یہی ہوتا ہے۔ اور تو اور، اُس محمودِ نامحمود و نامسعود کو دیکھیے، کہ جلسوں میں تقریریں کرتا پھرا بھاجپا کے حق میں۔ حد ہوگئی گم راہی اور گم راہ سازی کی۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے قلم کی حرمت کو اور ضمیر کی آواز کو بامعنی الفاظ کے طور پر پیشِ نظر رکھا اور پیشِ نظر رکھنے پر اصرار کرتے رہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور اِن حرام زادگانِ ادب و سیاست کے اثرات سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۱۵ ردسمبر ۲۰۰۴ء

نعیم صاحب!

خط ملا، پُرسشِ احوال کے لیے شکر گزار ہوں۔ یہ خط آپ نے اب سے ڈیڑھ دو برس پہلے لکھا ہوتا تو مفصّل جواب لکھتا۔ اب جس عالم میں ہوں، اُس کا تقاضا کچھ اور ہی ہے۔ بہ ہر طور چند اشعار سے متعلّق ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ اب میرے لیے یہ مشکل اور بہت مشکل ہو گیا ہے کہ کتاب خانے میں بیٹھ کر مختلف کتابوں کو لوٹوں پلٹوں جو کتاب سامنے آگئی، اُسی کو دیکھ لیا۔ قاضی عبدالودود (مرحوم) کی ایک پتلی سی کتاب آوارہ گرد اشعار خدا بخش لائبریری پٹنہ نے شائع کی تھی، اُس میں آپ کو ایسے بیش تر اشعار کا صحیح انتساب مل جائے گا۔ میرے پاس وہ نہیں، ورنہ بھیج دیتا۔

(۱) قیس جنگل میں اکیلا ہے...... یہ شعر غالب کے معروف شاگرد میاں وردخاں سیاح کا ہے جو سورت کے رہنے والے تھے (مالک رام: تلامذۂ غالب، طبعِ دوم، ص ۲۹۲)۔

(۲) ترچھی نظروں سے نہ دیکھو...... یاد نہیں آرہا تھا کہ اِسے کہاں دیکھا تھا، اب یادداشت کا یہی حال ہے۔ پھر یاد آیا کہ ناسخ کے تذکرے میں آبِ حیات میں آزاد نے اِسے ناسخ کے نام سے درج کیا ہے۔ کلّیاتِ ناسخ سامنے ہی رکھا تھا، اُسے دیکھا، اُس میں موجود نہیں۔ ہاں گلِ رعنا میں اِسے ناسخ کے شاگرد خواجہ وزیر کے نام لکھا گیا ہے (گلِ رعنا، طبعِ چہارم، ص ۳۷۴)

اور یہی انتساب صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وزیر کا دیوان میرے پاس ہے، لیکن اُسے تلاش نہیں کر سکتا، ورنہ اُس میں بھی دیکھ لیتا۔ بہ ہر طور، میرا خیال ہے کہ یہ شعر خواجہ وزیر ہی کا ہے۔ یہ وہی خواجہ وزیر ہیں جن کا یہ شعر بہت مشہور ہے (میں اِسے گلِ رعنا سے نقل کر رہا ہوں):

اِسی خاطر تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسفِ بے کارواں ہو کر

دیوان سامنے ہوتا تو اُس میں بھی دیکھا لیتا۔

(۳) ابتدائے عشق ہے..... یہ شعر میر کا ہے، مگر پہلا مصرع دراصل یوں ہے:

راہِ دورِ عشق سے روتا ہے کیا   آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

مشہور اُسی طرح ہے جس طرح آپ نے لکھا ہے، مگر صحیح صورت یہی ہے۔ کلیاتِ میر کے مرتب مولانا عبدالباری آسی نے اِس شعر کے حاشیے میں لکھا ہے:

"یہ شعر اِس طرح بھی مشہور ہے: ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا..... مگر صحیح اُسی طرح ہے جیسا کہ نقل ہوا" (کلیاتِ میر، مرتبہ مولانا آسی، ص ۲۹)۔

(۴)

لگے منہ بھی چڑھانے، دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجیے دہن بگڑا

یہ شعر خواجہ آتش کا ہے اور اُن کے دیوان میں موجود ہے۔ یہ آتش کی معروف غزل ہے۔ یہ شعر اِسی غزل کا ہے:

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہے، میں روتا ہوں
ہنسا گل کی طرح غنچہ جہاں، اُس کا دہن بگڑا

(۵) گرتے ہیں شہ سوار ہی.....

یہ مصرع مرزا عظیم بیگ عظیم کا ہے۔ انشا نے اِن کی شان میں ایک طنزیہ مخمس لکھا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ عظیم کی ایک غزل جو بحرِ رجز میں تھی، اُس کا ایک مصرع بحرِ رمل میں جا پڑا۔ انشا نے اِس سے متعلق ایک طنزیہ مخمس پڑھا جس کے پہلے بند کا آخری مصرع یہ تھا: "بحرِ رجز میں ڈال کے بحرِ رمل چلے"۔ عظیم نے اِس کے جواب میں مخمس لکھا، جس میں یہ بند بھی تھا:

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق   تبدیلِ بحر سے ہوئے بحرِ خوشی میں غرق
روشن ہے مثلِ مہر یہ از شرق تا بہ غرب   شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثلِ برق

وہ طفل کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

اِس معرکے کا حال آبِ حیات میں تذکرہ انشا کے تحت لکھا ہوا ہے، میں نے یہ سب کچھ وہیں سے نقل کیا ہے۔ گرتے ہیں شہسوار ہی.....، مگر زبانوں پر کسی اور طرح چڑھ گئے ہیں۔ شہرت اور چیز ہے اور درست ہونا دوسری چیز ہے۔

(۶) زاہد شراب پینے سے..... یہ شعر ذوق کا ہے اور اُن کے دیوان میں موجود ہے: کلیاتِ ذوق مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ناشر: مجلسِ ترقیِ ادب لاہور، ص ۱۶۵۔

(۷) دل کے پھپھولے جل اُٹے سینے کے داغ سے ــــ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس کا شعر ہے، ہاں آبِ حیات میں سودا کے حالات کے ذیل میں آزاد نے لکھا ہے کہ ایک مشاعرے میں، جس میں سودا بھی موجود تھے "ایک شریف زادے کی ۱۲، ۱۳ برس کی عمر تھی، اُس نے غزل پڑھی، مطلع تھا: دل کے پھپولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے....." (آبِ حیات، طبع ۱۸۹۹ء، ص ۱۵۸)۔

بہت سے مشہور اشعار کے انتساب کا معاملہ تحقیق طلب رہا ہے، مولوی صاحب تحقیق کے مردِ میدان نہ تھے، وہ بے چارے کیا کرتے، جب کہ اب تک یہ حال ہے کہ بعض اشعار کے صحیح انتساب کا علم سب کو نہیں۔ مثلاً:

بھانپ ہی لیں گے، اشارہ سرِ محفل جو کیا ——— تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں ——— وہ دن ہَوا ہوئے جو پسینا گلاب تھا
نالۂ بلبلِ شیدا تو سنا ہنس ہنس کر ——— اب جگر تھام کے بیٹھو، مری باری آئی
کیا یاد کے روؤں کہ کیسا شباب تھا ——— کچھ بھی نہ تھا، ہَوا تھی، کہانی تھی، خواب تھا
دوست دو چار نکلتے ہیں کہیں لاکھوں میں ——— جتنے ہوتے ہیں سِوا، اُتنے ہی کم ہوتے ہیں

سب کو تو نہیں معلوم ہوگا کہ یہ اشعار لالہ مادھو رام جوہر فرخ آبادی کے ہیں، جو منیر شکوہ آبادی کے شاگرد تھے۔

یا یہ شعر:

وصل بھی دیکھا، جدائی دیکھ لی ——— حق نے جو صورت دکھائی، دیکھ لی
دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار ——— جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

مصحفی کے شاگرد موجی رام موجی کے ہیں ــــ اور یہ شعر مرزا محمد تقی ترقی کا ہے:

دنیا کے جو مزے ہیں، ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے، افسوس! ہم نہ ہوں گے

ہم نے جب وادیِ غربت میں قدم رکھا تھا　　دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو
کچھ کہہ کے، اُس نے پھر مجھے دیوانہ کردیا　　اتنی سی بات تھی، جسے افسانہ کردیا

یہ کرامت علی شہیدیؔ کے شعر ہیں —— اور یہ شعر منولال صفاؔ کے ہیں:

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں　　کوئی معشوق ہے اِس پردۂ زنگاری میں
کیا ہنسی آتی ہے تو مجھ کو حضرتِ انسان پر　　کارِ بدتر خود کریں، لعنت کریں شیطان پر

یہ دونوں شعر میں نے اپنی یادداشت سے لکھے ہیں، تذکرے نہیں دیکھ سکا، غالباً انتساب درست ہے۔

یہ خاصا وسیع موضوع ہے اب اِس پریشاں نگاری کو ختم کرتا ہوں۔ یہ خط تو رہا نہیں، عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر بن گیا۔ اِس کی معذرت۔ یہ آپ کے خط کا جواب ہے، کوئی مضمون نہیں، اِس لیے چھپنے کی چیز نہیں رہ گیا۔ اِس کی رسید بھیجیے، منہ زبانی ہوتو خوب ہو۔

رشید حسن خاں

ہاں مولوی سیّد احمد دہلوی کے ذکر پر مجھے اپنا ایک پُرانا مضمون یاد آگیا، اِسے بھی دیکھ لیجیے۔ بھیج رہا ہوں۔

(۹)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۱۲رمئی ۲۰۰۵ء[۱۰]

نعیم صاحب!

آپ کیسے ہیں؟ میں ویسا ہی ہوں جیسا تھا۔ گویا یہ بھی من جملۂ وضع داری ہے اب۔

جوہرؔ نمبر کے لیے فرمایش تھی، حسبِ معمول معذرت کرلی گئی، میرا ایک پُرانا مضمون تھا، کہا گیا کہ اُسی پر نظرِ ثانی کر کے بھیج دیجیے، اب کیا کرتا، بھاگنے کی جگہ ہی نہیں رہی۔ جی چاہا کہ اِسے آپ بھی دیکھ لیں، شاید کسی کام کا ہو۔ بیش تر لوگ تو ناپسند کریں گے۔ اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور

۱۷رجون ۲۰۰۵ء[۱۱]

نعیم صاحب!

لیجیے صاحب! ''صرف پوسٹ کارڈ پر'' لکھنے بیٹھا، تعمیلِ فرمائش کے طور پر، مگر مشق کی کمی نے بات کو بڑھا دیا، اب کیا کروں! میں سب سطریں آپ کو بھیجے دے رہا ہوں، آپ بلاتکلف و بلاتامل ''صرف پوسٹ کارڈ بھر'' کے الفاظ نکال کر اپنے کام میں لائیے، باقی مجھے لوٹا دیجیے۔ یا وہیں ردّی میں شامل کر دیجیے، میں بھی تو یہاں یہی کروں گا۔ بس یہ رسید تحریری یا زبانی، بھیج دیجیے کہ خط پہنچ گیا اور یہ کہ آپ کے مطلب بھر کی چند سطریں آپ کو مل گئیں۔ نہ ملی ہوں تو لکھیے، پھر سے مشقِ سخن کروں۔ افسانے کے تعلق سے کچھ کہنا میرے لیے ایسا ہی مشکل ہے جیسے قبلہ مولوی صاحب کے لیے وعظ میں کوئی ڈھنگ کی بات کہنا۔ اِس لیے عذاب ثواب آپ کی گردن پر۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: نعیم کوثر

شاہ جہان پور[۱۲]

نعیم صاحب!

افسانوں کے دونوں مجموعے ملے، شکریہ۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ افسانے کی تنقید سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں، ہاں افسانے پڑھتا ہوں دل چسپی کے ساتھ۔ زندگی کے روپ تو ہزار در ہزار ہیں اور ہزار شیوہ زندگی کے سب روپ کون دیکھ پایا ہے؛ لیکن افسانے پڑھتے ہوئے زندگی کی ایسی جہتیں خیال کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں جنھیں ویسے ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ پاتے۔ اِس لحاظ سے افسانے میرے لیے زندگی کی بہت سی اَن دیکھی تفصیلات اور جزئیات کو دیکھنے اور سمجھنے کا بہترین ذریعہ بن جاتے ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ایک ماہرِ فن کی طرح مجھ جیسا ہر قاری یہ فیصلہ نہیں کر پائے گا کہ کسی افسانوی مجموعے کی ادبی قدر و قیمت کیا ہے؛ لیکن ایک باشعور قاری کی نظر یہ ضرور دیکھ لیتی ہے کہ اِن افسانوں میں کہانی پن کا احوال ہے اور کہانی پن کا مطلب ہوتا ہے زندگی کے کسی خاص روپ اور رنگ کی ترجمانی۔ اِن دونوں مجموعوں کے افسانوں میں ہماری حقیقی زندگی کی بہت سی تفصیلات بکھری ہوئی ہیں اور یہی افسانے کا مقصود اور مدّعا ہے۔ ایسی تفصیلات قاری کے شعور کو روشنی کی چند کرنیں مہیا کرتی ہیں، جن کی ہلکی روشنی میں عام زندگی کا مطالعہ کسی خاص جہت سے کیا جاسکتا ہے۔ اِسے ایک طرح سے زندگی کی بازآفرینی کا عمل کہنا چاہیے۔

یہاں ایک ضمنی بات کہنا چاہتا ہوں۔ اب سے ۲۵، ۳۰ برس پہلے ایک لہر اُٹھی تھی ایسے افسانوں کی جن میں کہانی پن کی جگہ کچھ اشارے، کچھ کنایے، کچھ استعارے اور کچھ مُبْہَم باتیں ہوتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک شخص ہے جس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہے؛ لیکن گونگا ہے، زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا، بس اشاروں کی زبان میں باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اب جو جتنا سمجھ لے، اور سمجھے یا نہ سمجھے۔ پھر یہ ہوا کہ جو بہت پڑھے لکھے لوگ ایسے افسانوں کو اعلا درجے کا ادب بتاتے تھے، اُن کی بلند آواز دبنے لگی، حقیقی زندگی کی بے لاگ ترجمانی کے تقاضے پھر غالب آنے لگے اور افسانے میں کہانی پن کی واپسی کا راستہ ہموار ہونے لگا۔ یہ تو ہوا مگر ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ جن لوگوں نے تنقیدی مضامین پڑھ پڑھ کر افسانے لکھنے کا سبق پڑھنا شروع کر دیا تھا، اُن کا رابطہ حقیقی زندگی کی ترجمانی سے ٹوٹ گیا تھا، اُن کے لیے بازگشت اور بازیافت کا عمل ایک بڑا مسئلہ بن گیا۔ اِس ٹوٹ پھوٹ سے ایک بات کھری سچائی کی صورت میں سامنے آئی کہ تنقیدی مضامین پڑھ کر اُن کے دباو کے تحت افسانے لکھنے کا مطلب ہوگا کہ زندگی سے تعلق ٹوٹ جائے۔ اچھا افسانہ نگار اپنی آنکھوں سے زندگی کو دیکھتا ہے، اُن آنکھوں سے جن پر کسی تنقیدی نقطۂ نظر کی رنگین عینک نہیں لگی ہوتی، تبھی وہ زندگی کا بے لاگ مطالعہ کر پاتا ہے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ ٹھگوں کا لُغت مرتب کرنے کا ذکر خط میں موجود ہے۔

۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴ ایضاً

۵ ایضاً

۶ "شمار" لکھا ہے جب کہ یہ "شمارہ" ہونا چاہیے، ہوسکتا ہے یہ سہوِ قلم ہو یا عکس بناتے وقت "ہ" غائب ہو گیا ہو۔

۷ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۸ ایضاً

۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۲ سرورق پر تاریخ درج نہیں ہے اور نہ ہی نیچے۔ مقام شاہ جہان پور آخر میں لکھا ہے۔

★★★

بنام نیّر مسعود رضوی، پروفیسر

(۱)

گائر ہال، دہلی یونیورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

۲؍مارچ ۱۹۹۱ء

برادر تسلیم۔ سنا ہے صباح الدین صاحب کی طبیعت ناساز ہے اور کچھ زیادہ۔ وہ ویسے بھی واجب الزیارت تھے، اب گویا اضافہ ہوگیا اس میں۔ میں ۱۲؍مارچ کو منگل کے دن حاضری دوں گا۔ ۸؍مارچ کو شاہ جہان پور پہنچوں گا اور وہاں سے لکھنؤ آؤں گا۔ اگر صبح تڑکے والی گاڑی مل گئی تو پھر ناشتا آپ کے ساتھ ہوگا، ورنہ 11½ بجے کے قریب پہنچوں گا، اسٹیشن سے سیدھا دین دیال روڈ، وہاں سے امین آباد، اور پھر وہاں سے اسٹیشن۔ یہ سب یوں لکھا ہے کہ (۱) آپ صائمہ کو مطلع کردیں۔ (۲) ناشتے کا انتظام (اہتمام) کر رکھیں، داشتہ آید بہ کار۔ (ہائے ہائے؛ اس کم بخت دلاور فگار نے اس مثل کو اس طرح ایک قطع میں کھپایا ہے کہ ایک معروف شخص کا طرزِ عمل نگاہوں کے سامنے آگیا۔ مصرع یہ ہے: زوجہ می آید بہ رکشا، داشتہ آید بہ کار)۔ (۳) اس دن یونی ورسٹی جانا ہو تو ۱۲ بجے کے بعد کا پروگرام بنائیں (۴) اگر ممکن ہو تو صباح الدین عمر صاحب کو فون بھی کردیں۔ (۵) اور محسن خاں سے ضرور کہہ دیں۔ اس نوجوان کی شرافت اور معقولیت کا نقش میرے دل پر ہے۔

آپ کا تبصرہ فسانہ (عجائب) اقدار (کراچی) میں چھپا ہے۔ مدیر نے آپ کے حصے کا رسالہ میرے پاس بھیج دیا ہے، لیتا آؤں گا۔ اصل کتاب کی طرح یہ تبصرہ بھی قبولِ خاص سے محروم نہیں رہا، اور ایسا کم ہوتا ہے۔ ظفر احمد صدیقی کا تبصرہ کتاب نما کے تازہ شمارے میں پڑھ ہی لیا ہوگا۔ آپ کا یہ تبصرہ کتاب نما، ایوانِ اردو اور اقدار میں چھپ چکا ہے اور قلم (بمبئی) میں چھپنے والا ہے، جیسا کہ اس رسالے کے مدیر نے مجھے بتایا تھا۔

اظہر مسعود صاحب سے پوچھیے کہ میری کتاب کا کیا ہوا؟ چھپ گئی؟ اگر ہاں، تو میرے حصے کی کتابیں مجھے بھیج دیں۔ ان کے مسلسل تغافل کا مجھے بہت گلہ ہے، اگرچہ آج تک میں نے اس کا اظہار نہیں کیا۔ ان سے مجھے اس بے نیازی کی توقع نہیں تھی۔ خیر، یہ بھی سہی۔

رشید حسن

(۲)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

دہلی

۵ر اپریل ۱۹۹۱ء

برادرم! نثار فاروقی کا پتا درکار ہے۔ غالباً آپ نے ان سے کہا نہیں تھا۔ اب مجھے خط لکھنا ہوگا۔ عید کی پیشگی مبارک باد۔ اگر رمضان المبارک سے آپ کی رسم وراہ ہو تو اس کی بھی مبارک باد۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۱ر مئی ۱۹۹۱ء

نیّر صاحب، آداب

پرسشِ احوال کے لیے شکر گزار ہوں۔ یہ خط پلنگ پر نیم دراز لکھ رہا ہوں۔ طبیعت پہلے سے بہتر ہے، مگر نقاہت بہت ہے۔ کوئی کام نہیں کر سکتا، اخبار پڑھنے کے سوا۔ بروقت خبر گیری ہوگئی، اس لیے زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ دو ڈھائی مہینے میں شاید پہلے کی طرح ہو سکوں۔ ثمرہ اور صائمہ کو بہت یاد کرتا ہوں۔ ان کے لیے بہت سی دعائیں، ان کی والدہ سے میرا اسلام کہیے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۱۳ر جون ۱۹۹۱ء

برادرم!

خط مل گیا تھا۔ طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے مگر ابھی تک اس دردِ بے پناہ کے اثرات حاوی ہیں۔ زیادہ چل پھر نہیں سکتا۔ لکھنا پڑھنا بھی بس خط اور اخبار تک محدود ہے۔ بلڈ پریشر ابھی تک نارمل نہیں ہو پایا ہے۔ بقول ڈاکٹر چھے ماہ تک یہی احوال رہے گا۔ علاج جاری ہے اور رہے گا۔

شارب (ردولوی) صاحب جس دن دیکھنے آئے تھے تو انھوں نے ایک پرچہ بھی دیا تھا جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا:

اب دل کے ارادے بھی خطرناک ہوئے ہیں
اک عمر تک اس دل کو ستایا بھی بہت ہے

شعر معمولی، مگر اس موقع پر مزہ دے گیا۔ اس ''بدعتی'' پر دراصل بددعاؤں کا اثر پڑا ہے، مگر خدا کا شکر ہے کہ آیندہ بھی ویسی ہی حرکات کا مصمم ارادہ ہے۔ آپ کا خط پا کر جی بہت خوش ہوا۔ اس ویرانے میں غالب کے اس قول کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ میں آیا کہ جس کا خط آیا، میں یہ سمجھا کہ وہ خود آگیا۔ صائمہ کا خط بھی اسی لفافے میں ملفوف ہے۔ معلوم نہیں کیوں اب آپ سب سے ملاقات کرنے کو جی بہت چاہتا ہے، خدا وہ دن کرے!

یہ آپ نے کیا لکھا کہ فاروقی صاحب کا بھی یہی احوال ہے۔ کیا شرفائے قوم ہی پر برا وقت پڑتا رہے گا اور یہ سب حرام زادگانِ ادب محفوظ و مامون رہیں گے؟ آپ کے اللہ میاں بھی خوب ہیں۔ اچھا انصاف ہے ان کے یہاں۔ آپ تو ان سے دن میں کئی بار شرفِ تخاطب حاصل کرتے ہیں، آپ ہی ان سے کچھ کہیے (میں تو ان کو شکایت کا خط لکھنے والا تھا کہ شب خون میں آزاد والے مضمون کا برا احوال بنا اور پورا ایک صفحہ ہی ایک جگہ سے نذرِ تغافلِ کتابت ہوگیا)۔ اب آپ ان کے احول سے بھی ضرور مطلع کیجیے۔

ہاں بھائی! اس بار واقعی سخت جانی نے آبرو رکھ لی ورنہ ضرب تو کاری لگی تھی اور بہ قولِ انیس... کافر نے ہاتھ بھی جنیو کا مارا تھا۔ بے دین کا ہاتھ بس ذرا سا اچٹ گیا۔ اس پر شکر تو انھیں اللہ میاں کا ادا کرنا پڑے گا۔ آپ بھی اس میں شرکت کر لیجیے تا کہ سامنا ہونے پر کہہ سکوں کہ یہ تو نیر صاحب کی پیروی میں نے کی تھی۔ ارے بھائی معاف کرنا، بھول ہی گیا تھا۔ بہ قول آپ حضرات کے ان بزرگوار کا دیدار تو ہوگا ہی نہیں، یوں قصہ ختم سمجھیے۔

میں یکم جولائی کو دہلی جاؤں گا۔ چک اَپ کے لیے اسپتال جانا ہے۔ نومبر دسمبر تک وہیں رہوں گا۔ اب آپ خط ضرور لکھیے گا، مگر گاڑہال کے پتے پر، تا کہ جب میں پہنچوں تو وہاں جا کر ہاتھ خالی نہ رہے اور آنکھیں حیرانی سے دوچار نہ ہوں بل کہ ان کی روشنی کچھ بڑھ جائے۔ باغ و بہار کے مقدمے کے بس آخری دس صفحے لکھنا تھے کہ یہ حادثہ کارفرما ہوگیا۔ اب سب سے پہلے اسی کام کو کرنا ہے، آپ بھی آمین کہہ لیجیے (مگر بالجبر)۔

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
دہلی
۷رجولائی ۱۹۹۱ء

برادرم!

میں ۲رجولائی کو دہلی بہ عافیت پہنچ گیا۔ طبیعت اب پہلے سے بہتر ہے، مگر ابھی تک لکھنا پڑھنا باقاعدہ شروع کرنے کی ہمت ہوئی ہے نہ توفیق۔ نقاہت کا خاصا اثر باقی ہے۔ مجھے سب سے زیادہ فکر باغ و بہار کی ہے۔ اس کے مقدّمے کا آخری حصّہ، جو لسانی مباحث پر مشتمل ہے، بس لکھنے کو رہ گیا تھا۔ باقی سارا کام مکمّل ہوگیا تھا۔ جس طرح بن پڑے گا، اگلے ہفتے اسے شروع کروں گا۔

شاہ جہان پور سے میں نے ایک لفافہ بھیجا تھا، اس میں صائمہ کے نام کا بھی پوسٹ کارڈ ملفوف تھا۔

آپ کیسے ہیں۔ فاروقی صاحب کہاں ہیں۔ شب خون میں مضمون جو چھپا تو مضمون کے دوسرے حصّے کے آغاز کا پورا ایک صفحہ کاتب صاحب کھا گئے۔ ویسے بھی اس بار رسالے کی ہیئت بدنما نظر آئی۔ معلوم نہیں کیا ہوگیا ہے۔ اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

ہاں، صباح الدّین عمر صاحب کی خیر خبر نہیں مل پا رہی ہے۔ کچھ ان کا احوال تو لکھیے۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
دہلی
۲۱رجولائی ۱۹۹۱ء

برادرم!

خط مل گیا تھا۔ ویسے تو یہ جواب طلب نہیں تھا، مگر اس میں ایک جگہ طاہر تونسوی صاحب کا نام آگیا ہے اور آپ نے یاددہانی کرائی ہے۔ بھائی! اُن کا ایک خط میرے پاس آیا تھا۔ لفافے میں انور سدید صاحب کا لکھا ہوا ایک خط (عکسی صورت میں) ملفوف تھا، جس میں ایک جگہ ان کے ذکر میں میرا بھی نام لکھ دیا گیا ہے مگر اس طرح کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ مراد کیا ہے۔ طاہر صاحب کا خیال غالباً یہ ہے کہ میں نے کبھی ان کے تحقیقی مقالے پر اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ میں نے ان کو جواب لکھ دیا تھا اور یہ آپ کے خط کے آنے سے بس دو چار دن پہلے ہی کی بات ہے۔ میں نے لکھا

تھا کہ بھائی! میں نے آج تک نہ آپ کو دیکھا ہے نہ آپ کے مقالے کو۔ جس چیز کو دیکھا ہی نہیں اس کے متعلق میں رائے کیا ظاہر کرسکتا ہوں۔ میں نے کبھی کچھ نہیں کہا اور نہ لکھا۔ اور کیسے کہتا یا لکھتا۔ یہ تو اللہ میاں کی ذات ہے کہ اس عالمِ کون وفساد میں کسی نے ان کو دیکھا نہیں، مگر ہر شخص ان کی ذات کا بیان اس طرح کرتا ہے جیسے ''خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔'' مگر کتاب کی بات الگ ہے، اسے جب تک دیکھا نہ جائے، تو اس کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انور سدید میں اور ان میں کچھ کہا سنی ہوگئی ہے، اور میرا نام خواہ مخواہ لکھ دیا گیا ہے، میرا خیال ہے کہ محض تفریحاً۔ آپ بھی یہ اطلاع ان کو دے سکتے ہیں۔ میں نے واقعتاً ان کا مقالہ آج تک نہیں دیکھا اور کیسے دیکھتا۔ ملتا تبھی تو نظر سے گزرتا۔

ہر مہینے چک اَپ کے لیے جانا پڑتا ہے، اس لیے یاد تازہ ہوتی رہتی ہے اور یوں سکون وقرار عنقا ہوتا رہتا ہے۔ یہ سلسلہ دسمبر تک تو چلے ہی گا۔ آپ نے فاروقی صاحب کے مرض کا ذکر کیا ہے، انھیں کیا ہوا؟ یا کیا ہوا تھا؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جب عزاداری سے فرصت وفراغت نصیب ہو تو اس کے متعلق بھی لکھیے گا۔ ابھی تو آپ بہت مصروف ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۷)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۷/ اپریل ۱۹۹۴ء

برادرم!

تفہیم کی ایک جلد رجسٹری سے بھجوائی تھی، کئی ہفتے ہونے کو آئے، رسید نہیں ملی۔ کیا کتاب آپ تک نہیں پہنچی؟

خاص کر یوں پوچھ رہا ہوں کہ یہ کام میں نے ایک صاحب کے سپرد کردیا تھا، اُنھوں نے کیا کیا، مجھے نہیں معلوم۔ یہ یقین ہے کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی – ۱۱۰۰۰۷

۴؍نومبر ۱۹۹۴ء

برادرم!

آپ کہاں ہیں؟ صائمہ کیسی ہیں؟

ضروری بات: جب بکاولی حوض میں پھول نہیں پاتی تو برہم ہوتی ہے، اُس وقت:

لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام　　　تھی سبزے سے راست مو براندام

دوسرے مصرعے میں 'تھی' بھی پڑھ سکتے ہیں اور ''تھے'' بھی۔ یعنی یوں بھی:

تھے سبزے سے راست مو براندام

اور ''تھی'' کی صورت میں زمین مبتدا ہوگئی۔ نسخۂ چکبست و نسخہ قاضی عبدالودود میں ''تھی'' ہے۔ آپ کی رائے میں مرجح صورت کیا ہے؟ جواب جلد تر عنایت ہو۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

یکم جنوری ۱۹۹۵ء

برادرم!

آج گلزارِ نسیم چھپنے کے لیے چلی گئی۔ آخری صفحے کا نمبر شمار ۲۴۷ ہے۔ اِس میں ۱۲۳ صفحے فارسی متن کے بھی شامل ہیں۔

لوگ کہیں گے کہ بات کا بتنگڑ بنایا ہے کہ ۱۵۰۰ سے کچھ زیادہ اشعار کی کتاب کو گویا داستانِ طلسم ہوش ربا کی پہلی جلد بنا دیا۔ کہنے دیجیے، ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں۔

اب ضروری بات: مگر پہلے غالبؔ کا یہ مصرعے پڑھ لوں:

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں!

آج ہی شام سے مثنویاتِ شوق کا کام شروع کر دیا ہے۔ میرے پاس زہرِ عشق کا پہلا اڈیشن (۱۸۶۲ء کا) ہے، اُس کی نقل تیار کر رہا ہوں اپنے قلم سے۔ بعد کو اختلافات کا گوشوارہ بناؤں گا۔

اب آپ حسبِ وعدہ مندرجہ ذیل نسخے فوری طور پر بھیجیے:

۱- فریبِ عشق: مطبوعہ، ۱۲۷۲ھ (یہ آپ کے یہاں ہے)

۲- بہارِ عشق: مطبع سلطانی، ۱۲۶۶ھ

۳- ؍؍ ؍؍ مطبع محمدی، ۱۸۶۸ء

۴- مجموعۂ مثنویاتِ شوقؔ، نول کشور، ۱۸۶۸ء
۵- ،، ،، ،، ،، ۱۲۷۱ھ
۶- زہرِ عشق، مرتبۂ مجنوں گورکھ پوری (کل چھے کتابیں)

لذّتِ عشق کی ضرورت نہیں۔

بھائی! میری خاطر یہ زحمت بھی گوارا کرلیجیے کہ آج ہی پارسل بنا کر رجسٹری سے بھیج دیجیے۔ اِس کام کو جلد تر مکمّل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا معلوم کل کیا ہوگا اور کل ہوگا بھی کہ نہیں۔ صائمہ کے نام کا لفافہ مل گیا ہوگا۔ میں چشم بہ راہ ہوں، خط کا نہیں، پارسل کا۔ ۲۱/جنوری کو بمبئی کے لیے روانہ ہوں گا۔ ۳۱/جنوری کو واپسی ہوگی۔ کام مکمّل ہوتے ہی (حسبِ وعدہ) کتابیں واپس کردی جائیں گی۔

مخلص
رشید حسن خاں

☆یہ خط کل نکلے گا اور تین چار دن میں آپ کو مل جائے گا، اگر ۱۰/تک پارسل مجھے مل جائے تو خوب ہو۔ توقع کرتا ہوں کہ وہ مسوّدہ آپ نے اکیڈمی بھجوادیا ہوگا۔

(۱۰)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۰/جنوری ۱۹۹۵ء

برادرم!

ابھی خط ملا۔ دیکھیے صاحب! اگر 'بہارِ عشق' اور 'فریبِ عشق' کے وہ اوّلین اڈیشن نہ ملے تو یہ تو نہیں کہوں گا کہ جس نے چھپا کے رکھے ہوں، اُس پر علیؑ کی تیغ کی مار، کشمیری کو مارا تو کیا مارا! مگر میں پھر سارے ایسے کام مستقلاً ملتوی کردوں گا۔ ارے صاحب! میں نے زہرِ عشق کا متن مکمّل کرلیا، اس کا پہلا اڈیشن ۱۸۶۲ء میرے پاس ہے۔ بہارِ عشق کا متن اپنے قلم سے ایک غیر معتبر مطبوعہ نسخے (مرتبۂ شاہ عبدالسلام) سے نقل کررہا ہوں، حواشی بھی لکھتا جاتا ہوں۔ اب اگر وہ نسخے نہ ملے تو یہ سارا کام چوپٹ ہوجائے گا۔ وہ صاحب لکھنؤ میں ہیں، ملکِ عدم نہیں، یوں اُن کے نہ ملنے کا سوال ہی نہیں۔ وہ اصل نسخے رکھ لیں، مجھے اِس پر اعتراض نہیں، اِن کا عکس ہی دے دیں۔ پھر نسخے آپ کے، نہ دینا چہ معنی دارد! ہاں آپ خود اگر نہ چاہیں تو اور بات ہے۔

دیکھیے نیّر صاحب! یہ بات نہ بنے گی اِس طرح اور نہ چلے گی اِس طرح، نسخے آپ کو حاصل کرنا ہیں، جس طرح بھی ہو، طریقۂ کار آپ جانیں۔ لیکن مجھے وہ نسخے بہ ہر طور ملنا چاہیے۔ میں کل

بمبئی یونی ورسٹی میں چار لکچر دینے کے لیے جارہا ہوں، واپسی ۲۹ر جنوری کو ہوگی۔ اُس وقت تک آپ اِس کام کو بہ ہر طور کر رکھیے۔ یا آپ چاہتے ہیں کہ میں اِس کام کو نہ کروں؟ اگر ایسا ہے تو فبہا، میں اسے تہ کر کے رکھے دیتا ہوں۔ یہ خط جلدی میں لکھ رہا ہوں، جواب بھی اسی طرح جلد تر لکھیے۔

رشید حسن خاں

صائمہ سے جب ملاقات ہوگی تو باقی ہدایات زبانی دی جائیں گی، جو زیادہ ضروری ہیں۔

(۱۱)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۶ر فروری ۱۹۹۵ء

حضورِ والا!

رمضان برحق، عبادت و ریاضت بھی مسلّم، لیکن اِس زمانے میں آدمی نرا اولیا تو نہیں ہو جاتا، دُنیا کے کچھ کام تو کرتا ہی ہے؛ پھر آخر خط کا جواب کیوں نہیں ملا۔ میں خود اِس ماہِ مبارک میں ریاضؔ کے اِس شعر پر صدقِ دل سے عمل کرتا ہوں:

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مے خانے کو ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

تراویح کے نہ آپ قائل اور نہ میں، افطار کے آپ بھی شائق ہوں گے اور میں بھی ہوں۔ ضرورتاً بھی اِن دنوں جھوٹ نہیں بولتا اور ارادتاً کبھی ایسا کام نہیں کرتا جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جبرِ مشیت کی بات اور ہے کہ آدمی مجبورِ محض ہے، جو وہ چاہتے ہیں، وہی کرتا ہے، وہ روزہ شکنی کیوں نہ ہو۔

ارے صاحب! بہارِ عشق اور فریبِ عشق کا منتظر ہوں۔ وہ صاحب وہیں لکھنؤ میں ہیں، میری بے چارگی پر رحم کھایئے اور ان دونوں مثنویوں کو کسی بھی طرح حاصل کر کے بھیجیے، خواہ اس کے لیے فوج داری کرنا پڑے۔ عشق میں سب کچھ جائز ہے۔

زہرِ عشق کا متن مکمل ہو گیا، یوں کہ اُس کی اشاعتِ قدیم (غالباً طبعِ اوّل) میرے پاس ہے۔ اب حیران و پریشان بیٹھا ہوا ہوں اور اُن غاصب کے لیے دعائیہ کلمات کی تصحیف کرتا رہتا ہوں۔ اِدھر توجہ کیجیے۔ ممنون ہوں یا نہ ہوں، تصحیف کے عملِ مسلسل سے تو نجات پاؤں گا۔ صائمہ کے لیے عید کارڈ خط کی صورت میں اِس کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۹؍مارچ ۱۹۹۵ء

بھائی صاحب، دو۲ خط لکھ چکا ہوں، جواب ندارد۔ اِسے کیا کہتے ہیں؟ میں ٹھہرا غرض مند، یوں خط نہ لکھوں گا تو کیا کروں گا؟ مگر آپ کی وضع داری پر جو حرف آئے گا، اُس کا کیا ہوگا۔

آپ نے اپنے پُرانے خط مرقومہ ۳؍جنوری میں لکھا تھا: ''شوق کی یہ دو مثنویات ہنوز میرے پاس موجود ہیں: فریبِ عشق (کرم خوردہ) مطبع آغا جان ۱۲۷۲ھ۔ بہارِ عشق: مطبع گلزار اودھ، ۱۲۸۳ھ''۔

اب پہلے تو آپ اِنھی دونوں کو رجسٹری سے بھیج دیجیے۔ پھر بقیہ کا انتظام کیجیے۔ خدا کرے میرا یہ خط جس دن ملے، اُسی دن آپ اِن دونوں مثنویوں کو روانہ کردیں اور پھر اُس کے دوسرے دن اِن آغاے کشمیری کے چنگالِ غصب سے باقی نسخوں کو نکال کر بشارت دیں۔ چشم براہ☆ ہوں۔

رشید حسن خاں

صائمہ کو بھی خط عید کی مبارک باد کا بھیجا تھا آپ کے خط کے ساتھ۔

(۱۳)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
ٹی بی ۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی -۱۱۰۰۰۷
۲۹؍مارچ ۱۹۹۵ء

برادرم!

مثنویوں کے دونوں نسخے مل گئے۔ جی خوش ہوا۔ اِس طرح ابتدائی سطح پر کام تو شروع ہو سکے گا اور وہ شروع ہو بھی گیا ہے۔

خلیق انجم صاحب سے امراؤ جان کی بابت بات کی تھی، اُن کا کہنا ہے کہ قمر صاحب نے صاف انکار کردیا اُس اڈیشن کی موجودگی سے۔ آپ آغا صاحب کا کچھ بگاڑ سکے تھے؟ نہیں نا، سو یہی احوال اب میرا ہے۔ کہیں اور دیکھوں گا۔ آپ بھی توجہ کیجیے۔

اب میری داستانِ پریشانی کا تمہیدی حصّہ شروع ہوتا ہے۔ اِس کی کئی قسطیں ہوں گی (انشاء اللہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان المدارس میں چند ماہ کے لیے داخلہ لینا پڑے گا۔ خیر، اُس پر بھی غور کروں گا، فی الوقت آپ کو قبلہ و کعبہ مانے لیتا ہوں۔

(۱) ''تیغ حق نے، بنی نے دختری''۔ تیغ سے اشارہ ذوالفقار کی طرف ہے۔ اِس کے لیے شیعہ عقیدہ یا خیال کیا ہے؟ دائرۃ المعارف میں تو یہ مرقوم ہے کہ جنگِ احد میں یہ ایک کافر کی تلوار تھی، رسول اللہ کو ملی اور آپ نے حضرت علی کو دے دی۔ کیا یہ عقیدہ یا روایت ہے کہ یہ عرش سے اُتری تھی، اِسے حضرت جبریل لائے تھے؟

(۲) ''ضربِ حیدر سے کانپتے ہیں ملک''۔ کیا اِس میں کوئی تلمیح ہے؟

غالباً دبیر کا شعر ہے:

خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر　　　کاٹے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر

دو چار سطروں میں اِس کے متعلق لکھیے۔

(۳) ''بھولی حیدر کو پھر نہ یادِ علی　　　آئی جس روز سے کہ ''نادِ علی''

''نادِ علی'' کی عبارت کیا ہے، اور تلمیح کیا ہے؟

(۴) ''ماسوا اس کے، کیا یہ اوج ہے کم　　　دوشِ احمد پہ تھے علی کے قدم''

یہ غالباً کعبے میں بتوں کو توڑنے والے واقعے سے متعلق ہے، مگر مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ذرا سی تفصیل لکھ دیجیے۔

(۵) جب کیا فتح قلعۂ خیبر　　　تھی یہی ذوالفقار زیبِ کمر

اِس کی ذرا سی تفصیل۔

(۶) مثنوی میں کربلا بار بار آیا ہے مثلاً:

''دوست جتنے تھے، رہتے تھے ہمراہ　　　کربلا میں کبھی، کبھی درگاہ''

تاریخِ لکھنؤ (کراچی) میں چار پانچ کربلاؤں کا ذکر ہے۔ یہ کون سی کربلا ہے جہاں ایسے اجتماعات ہوتے تھے۔ اور درگاہ سے تو درگاہ حضرت عباسؓ مراد ہے نا؛ اِس سے متعلق تاریخ اودھ (نجم الغنی) میں تفصیل مرقوم ہے کہ یہ بنی کیسے اور علم کی حقیقت کیا تھی۔

(۷) ''اب جو نوچندی ہے رجب کی اخیر''

''آئی نوچندی بھی رجب کی اخیر''

رجب کی اخیر نوچندی سے کیا مراد ہے، نوچندی تو ہر چاند کی پہلی جمعرات کو ہوتی تھی۔ کیا رجب کی اخیر نوچندی کسی خاص واقعے سے متعلق ہے؟

(۸) رہتا تھا تیرھویں کا جلسہ یاد　　　شام سے جاتے تھے حسین آباد

''تیرھویں'' سے کیا مراد ہے؟ اور کیا اُس دن حسین کے امام باڑے میں کوئی رات بھر کا جلسہ ہوتا تھا؟ صاحب! میں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ داخلِ حسنات ہونے کا ایک موقع فراہم کروں۔ آپ کو تو ثواب ملے گا اور مجھے معلومات۔ ضمیمہ تشریحات کے لیے اِن سب کی ضرورت ہے۔ گلزارِ نسیم چھپ گئی۔ اِس کی ضخامت کی بنا پر ڈاک سے کیا بھیجوں، کسی کے ہاتھ بھیجوں گا، کئی جلدیں بھیجنا ہیں۔ انتساب کے لیے کہہ چکا تھا کہ وہ لکھنؤ کے ایک صاحب کے نام ہے۔ نام کیا لوں، کوئی اللہ کا بندہ ہوگا۔

جواب جلد تر لکھیے

رشید حسن خاں

اُس مردود نے انکار کر کے اپنے علاقے کی روایت کی پاس داری کا حق ادا کیا ہے۔ مرتے وقت وہ اوندھا پڑا ہوگا اور شیطان اُس کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو جنّت میں بار پا لینے والے ایرانی وہاں کے غلمانوں کے ساتھ کریں گے۔ آپ بھی آمین کہیے؛ ایک بار نہیں، تین بار۔

پسِ نوشت:

ذرا شاہ عبدالسّلام صاحب سے تو معلوم کیجیے۔ مجھ سے اُن سے یاداللہ نہیں، ورنہ خود لکھتا۔

(۱۴)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۶/اپریل ۱۹۹۵ء

نیّر صاحب!

میں نے دونوں مثنویوں کی رسید بھیجی تھی اور چند باتیں پوچھی تھیں۔ اُس خط کا جواب اب تک نہیں ملا۔ منتظر ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۱/اپریل ۱۹۹۵ء

برادرم!

کل آپ کا خط ملا۔ ایں ہم غنیمت است۔ اختر صاحب کے آنے کی اطلاع

سے مل گئی تھی۔ میرے لیے بھی یہ بات باعثِ مسرّت ہے۔ اُن سے میرا اسلامِ شوق کہیے مع اشتیاقِ ملاقات۔ خدا وہ دن کرے!

آپ کی بھیجی ہوئی اطلاعات آپ ہی کے الفاظ میں مع حوالہ درج کتاب ہوں گی، یوں کہ میں ٹھہرا سُنّی، اور سُنّی بھی پٹھان، مُلّا نہیں، شیخ جی بھی نہیں: یوں ڈرتا ہوں کہ یار لوگ یہ نہ کہیں کہ تم کیا جانو اِن اسرار و رموز کو۔ باغ و بہار میں میر امّن کے لیے میں نے لکھا کہ وہ شیعہ تھے۔ مجاور حسین صاحب نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ شیعہ اثنا عشری لکھنا چاہیے تھا اور شیعہ حضرات کے اقسام لکھے۔ اب بھلا میں اِن باتوں کو کیسے جان سکتا تھا۔

اب پھر وہی رودادِ غم:

مشورہ کرکے ٹھہری یہ تدبیر　　　اب جو نوچندی ہے رجب کی اخیر
راضی اس پر کروں کہاری کو　　　کہ اُتروا دے یاں سواری کو
پاگئی جب قرار یہ تدبیر　　　آئی نوچندی بھی رجب کی اخر

تو صاحب! یہ "اخیر" کا لاحقہ محض حشو تو نہیں لگتا۔ اب یہ فرمایئے کہ نوچندی تو ہر ماہ کی پہلی چاند رات کو کہتے ہیں، جمعرات کا دن غالباً شرط ہے اِس کے لیے۔ پھر رجب، یعنی ایک خاص مہینے کی تخصیص کیوں ہے؟ کیا رجب میں کوئی خاص بات (تقریب، یادگار وغیرہ) ہوتی ہے کہ اُس کی نسبت سے اِس ماہ کی نوچندی کو کوئی خصوصیت حاصل ہو۔

مصحفی کا شعر ہے:

نوچندی آئی دھوم سے، چل تو بھی مصحفی　　　جاتی ہیں کربلا کو حسینوں کی ڈولیاں

سحر لکھنوی کا شعر ہے:

اِس مہینے کی مبارک ہو مجھے نوچندی　　　ساتھ درگاہ میں یہ بندۂ درگاہ بھی ہو

تو کیا کربلا اور درگاہ (درگاہِ حضرت عباس) دونوں جگہ یہ مجمعے ہوا کرتے تھے؟ آغا رومی نے تاریخ لکھنؤ (کراچی) میں لکھا ہے کہ ہر شیعہ کے لیے "درگاہ میں نوچندی کو حاضری ضروری تھی"۔ کیا یہ قول درست ہے؟ اور کیا اب بھی اِس پر عمل ہوتا ہے اور کیا اب بھی کربلا اور درگاہ میں "ڈولیاں" اترتی ہیں؟

"نادِ علی" میں "مَنظَرُ العجائب" ہے یا "مُظہِرُ العجائب"۔ مَظہر اسمِ ظرف ہے اور مُظہر اسمِ فاعل۔ آپ نے میر انیس کا شعر ضرور لکھا (غُل تھا علی کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے) لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ اُن کے کس مرثیے میں ہے۔

میری یادداشت میں ایک اور شعر بھی ہے:

خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر کاٹے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تن پر

کیا آپ کے ذہن میں اِس سے متعلق کچھ محفوظ ہے کہ یہ کس کا ہے، انیس کا یا دبیر کا۔ یہ شعر تو دبیر کا ہے:

شمشیر بہ کف دیکھ کے حیدر کے پسر کو جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہاں ''درگاہ'' سے مراد ''درگاہِ دوازدہ امام'' بھی ہوتی ہے، کیا وہاں بھی جلسے ہوا کرتے تھے؟

اکبر حیدری صاحب کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ میں نے ۱۹۹۲ء میں سب کتابیں واپس کر دی تھیں، وہیں نکلیں گی۔ ہاں ۱۲۶۶ھ کے نسخے کا عکس بنوالیا تھا، وہ بھیج دوں گا۔ کشمیر جارہا ہوں، واپس آکر۔ اب فرمایئے، کیا کشمیر سے کوئی واپس آیا ہے؟ ذرا ایک بار پھر تو ''تلاشی'' لے لیجیے اپنے یہاں، شاید اُنھی کا کہنا درست ہو۔

پرسوں ایک لطیفہ پڑھا تھا کسی رسالے میں، آپ بھی سن لیجیے (اگر نہ سنا ہو): چند عورتیں محوِ گفتگو تھیں۔ ایک نے کہا: بہن! جنّت میں مردوں کو تو حوریں ملیں گی، ہمیں تمھیں کیا ملے گا؟ دوسری نے کہا: ہمیں کیا ملے گا، وہی ہمارے مردوے ہوں گے۔ پہلی نے کہا: تو پھر جنّت میں جانے سے کیا فائدہ؟

جواب فی الفور عنایت ہو۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

ایوانِ اردو کا سال نامہ کل آیا ہے۔ اُس میں گلزارِ نسیم سے متعلق تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۶)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۵ رمئی 1995ء

ہاں صاحب!

خوب اتّفاق ہوا کہ ۲۷ر کو آپ دہلی پہنچے اور میں ۲۷ر ہی کو صبح کی گاڑی سے شاہ جہان پور کے لیے روانہ ہوا۔ خط آپ کا مل گیا تھا۔

میرا ایک خط جواب طلب ہے۔ حیاتِ شوق، (ڈاکٹر سیّد حیدر) سے معلوم ہوا کہ بہارِ عشق کا ۱۲۶۸ھ کا اڈیشن لکھنؤ یونی ورسٹی کی ٹیگور لائبریری میں ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ یہ نہایت درجہ ضروری بات ہے، جس طرح بھی ہو، اِس کا پتا لگوایئے۔

''رجب کی اخیر نوچندی'' والے شعر پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں؛ یہاں فہم عاجز ہے۔ ہاں امام باڑۂ حسین آباد اور درگاہِ دوازدہ امام ایک ہی چیز ہے نا؛

''ھَل اَتی'' کے متعلق مجھے بس یہ معلوم ہے کہ یہ اہلِ بیت کی شان میں ہے۔ شوقؔ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی شان میں ہے۔ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ یہاں عموم، خصوص والی بحث معلوم ہوتی ہے۔

سُنّیوں میں تابوت کا رواج نہیں۔ کم از کم میں نے نہیں دیکھا۔ کیا حضراتِ شیعہ کے یہاں یہ لازمی ہے یا صرف رواج ہے کہ لاش کو تابوت میں رکھ کر گورستان یا مدفن تک لے جایا جائے۔

اور سب سے ضروری بات یہ کہ شوقؔ کے بیان کے مطابق (زہرِ عشق میں) تابوت کے ساتھ عورتیں بھی تھیں (ماں، ماما، مغلانیاں)۔ کیا یہ رواج ہے یا تھا؟ میں نے کہیں نہیں دیکھا نہ سنا اور نہ کہیں پڑھا۔

اب اِس خط کے ساتھ دو خطوں کا جواب واجب الادا ٹھہرا ہے۔

میں کل ہی شاہ جہان پور سے آیا ہوں۔ اخترؔ صاحب سے میرا اسلام کہیے اور صائمہ کو پیار۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۱۳ر مئی ۱۹۹۵ء

برادرم!

آج طویل انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ تفصیل سے جی خوش ہوا اور میرا کام آسان ہوگیا۔ جیتے رہیے اور خوش رہیے۔ آپ کا سچّا شیعہ ہونا میرے کام آرہا ہے۔

دو باتیں لکھنا ہیں اِس خط میں؛ یہ دونوں ضروری ہیں اور توجہ طلب۔ موسم تو کئی مہینے تک ایسا ہی رہے گا، کام کیوں رُکے رہیں۔ میں بہ ہر طور اب اپنے کاموں کو، معلوم نہیں کیوں، جلد تر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ زندگی کی بے ثباتی کا نقش دل پر کچھ گہرا ہونے لگا ہے۔ اگر تصوّف کے چٹکیوں کا قائل ہوتا تو شاید اِس عمر میں اُس دیوار کے سایے میں پڑا رہتا۔ اب تو چلچلاتی دھوپ ہی میں رہنا ہے اور یوں ہی آتش زیرِ پا۔ کب تک، یہ معلوم نہیں۔ خیر، اِس پر مفصل گفتگو زبانی ہوگی۔

ہاں تو وہ دو باتیں: آپ صدرِ شعبہ ہیں آج کل، یوں ''جنّات'' کا چھوٹا سا لشکر تو آپ کے قبضے میں ضرور ہوگا۔ اگر چھٹیوں کے زمانے میں، جب کتابیں جاری نہیں کی جاتیں، دیکھ لیا جائے تو

آسانی ہوگی۔ اِس لیے ازراہِ لطفِ خاص بہارِ عشق کی اُس اشاعتِ ۱۲۶۸ھ کو ڈھنڈوا لیجیے۔ وہ اور کہیں نہیں ملے گی (آپ کی طرح مجھے بھی آغا کے وعدے کا اعتبار نہیں۔ اُنھوں نے وعدہ کرلیا، یہی کیا کم ہے)۔ آپ کے ایک نیازمند ڈاکٹر سیّد محمد حیدر نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ شوق میں اس کا حوالہ اِس طرح دیا ہے جیسے اُسے بہ چشم خود دیکھا ہو۔ ضروری عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ اس سے اُس کتاب کا موجود ہونا تو ثابت ہو ہی جاتا ہے۔

(۲) ڈاکٹر سیّد محمد حیدر نے اُس مقالے میں آپ کا نیازمندانہ حوالہ دیا ہے؛ یوں اگر آپ اُن کو خط لکھ دیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ کام آجائیں گے (محاورے میں نہیں، حقیقی معنی میں)۔ انھوں نے اپنی کتاب میں زہرِ عشق مرتبۂ عشرت رحمانی کا حوالہ دیا ہے، جو لاہور سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ حوالہ اس طرح دیا گیا ہے جیسے وہ نسخہ سامنے ہو۔ اِسی طرح زہرِ عشق مرتبۂ نظامی بدایونی کا حوالہ دیا ہے جو ۱۹۱۹ء میں اور پھر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ مجھے یہ دونوں نسخے کہیں نہیں ملے۔ یہ دونوں یا تو اُن کے پاس ہوں گے یا پھر وہ جانتے ہوں گے کہ کہاں ہیں۔ ان کے عکس بہ آسانی بنوائے جاسکتے ہیں۔ کتاب میں اُن کا پتا یہ لکھا ہوا ہے:

ٹیرہ نزد زید پور، بارہ بنکی (یوپی)

ملک زادہ صاحب یعنی جہانیاں جہاں گرد ملک زادہ صاحب اِن کے نگراں تھے۔ اگر آپ سیّد صاحب کو خط لکھ دیں گے تو ضرور اثر ہوگا۔ بھائی! اِس کام کو بھی کر ہی دیجیے۔ (ہاں آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ حیاتِ شوق عاریتاً ڈاکٹر سیّد محمد عقیل رضوی نے الٰہ آباد سے بھیجی ہے استفادے کے لیے۔ اب بھی آپ کہیں گے کہ وفا اُٹھ گئی زمانے سے)۔ پتے کی تصدیق ملک زادہ سے کر لیجیے گا فون پر۔ بڑی بچی کے بخار کا احوال پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ خدائے پاک (اگر وہ ہے کہیں) اِس پیاری بچی کو جلد تر شفا دے۔ صائمہ کو دعائیں۔ اُن سے کہیے کہ قومی زبان ہندی میں خط لکھیں۔ میں بھی ہندی میں جواب لکھ دوں گا (غلط سلط ہندی میں سہی) اُن سے باتیں تو ہوجائیں گی۔

چشم بہ راہ ہوں جوابِ باصواب کے لیے۔

رشید حسن خاں

یہ میں پچھلے کسی خط میں لکھ چکا ہوں خلیق انجم صاحب امراؤ جان کے اُس نسخے کو حاصل نہیں کر سکے۔ کہہ دیا گیا کہ میرے پاس نہیں۔ اُسے بھی اب تلاش کرنا ہے۔ اِن مثنویوں کے بعد اُسی کی باری ہے اور اِس کام کو بھی اب کر ہی لینا ہے۔

(۱۸)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷
۳۱ رمئی ۱۹۹۵ء

نیرؔ صاحب!
آج ہی بھری دوپہر میں آپ کا خط ملا، فی الفور جواب لکھ رہا ہوں۔ خدا کرے اِسی قدر جلد یہ وہاں پہنچے بھی۔

(۱) فریبِ عشق کا ۱۲۷۲ھ کا نسخہ، مطبوعہ مطبعِ آغا جان آپ مجھے بھیج چکے ہیں۔ کرم خوردہ ہے، یہ ضرور ہے، مگر میرا کام چل جائے گا اِس سے۔

(۲) بہارِ عشق کا قدیم ترین اڈیشن سلطان المطابع لکھنؤ کا ہے۔ سالِ طبع: ۱۲۶۶ھ۔ اس کے آخر میں نثرِ مصنف بھی ہے۔ یہ بنیادی نسخہ ہے اور اس کی اشد ضرورت ہے۔ متن اِسی پر مبنی ہوگا۔

(۳) بہارِ عشق مطبعِ محمدی کان پور، سالِ طبع ۱۲۶۸ھ۔ اس کے آخر میں "ترغیبِ عشقِ حقیقی" کے عنوان سے ۲۳ اشعار کا اضافہ مصنف نے کیا ہے۔ یہ دوسرا اہم نسخہ ہے۔ اِس کی بھی سخت ضرورت ہے۔

(۴) گلزارِ اودھ لکھنؤ کا مطبوعہ نسخۂ بہارِ عشق (۱۲۸۳ھ) آپ بھیج چکے ہیں اور میرے سامنے ہے۔

آپ کو جو نسخے دست یاب ہوئے ہیں، اُن میں سے دو نسخے میرے کام کے ہیں، انھیں بھیجیے:

(۱) بہارِ عشق مطبوعۂ سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ۔ بہارِ عشق محمدی کان پور ۱۲۶۸ھ۔

شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے نظامی پریس والا نسخۂ زہرِ عشق بھیج دیا ہے۔ اُس کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ زہرِ عشق مرتبۂ عشرت رحمانی کی مطلق ضرورت نہیں۔ لہٰذا اِن دونوں نسخوں کی تلاش اب غیر ضروری ہے۔ نسخۂ مجنوں گورکھپوری مجھے اب تک نہیں ملا۔ اسلم پرویز صاحب بمبئی گئے ہوئے ہیں؛ مگر گیان چند جین صاحب نے وہ نسخہ بھیج دیا اور حیاتِ شوق عقیل رضوی صاحب نے بھیج دی۔

آپ اب بہارِ عشق کے یہ دونوں نسخے بھیجیے۔ چشم براہ ہوں۔
آپ نے جو زحمت گوارا کی، اِس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۱۷؍جون ۱۹۹۵ء

نیرؔ صاحب!

پیکٹ کل مل گیا، جی خوش ہوا اور آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی۔ ۱۲۶۶ھ کا نسخہ سلطان المطابع بنیادی نسخہ ہے کہ یہی اشاعتِ اوّل ہے۔

وہ جو ناقص نسخہ ہے افضل المطابع محمدی کا، وہی مطلوب نسخہ ہے، بس ناقص الآخر ہے، خیر اس کا بھی کچھ انتظام ہو رہے گا۔ سنا ہے کہ پٹنے میں ہے۔ لکھا ہے، شاید عکس آجائے گا۔ مگر ابھی اس کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ اب بس دس دن کے بعد کام شروع ہو جائے گا۔

صائمہ کا خط مل گیا۔ جواب ان کو ذرا اطمینان سے لکھوں گا، یوں کہ لکھنے میں دیر لگے گی۔

اب میں جولائی ۱۹۱۹ء کے اُس سرکاری آرڈر کو نکلوانے کی فکر میں ہوں جس کے لیے یہ مشہور کیا گیا ہے کہ وہ ممنوع الاشاعت قرار دیے جانے والے آرڈر کی تنسیخ ہے۔ مجھے یہ سب گپ معلوم ہوتی ہے، لیکن خیر، تحقیق ضروری ہے۔ الٰہ آباد آرکائوز میں وہ کاغذ ہوں گے، اگر ہوں گے۔ فاروقی صاحب کو لکھا ہے، جواب آجائے تو پھر آگے کی کارروائی ہو۔ ذرا میری کارکردگی کی داد تو دیجیے۔ لکھنؤ ضرور آؤں گا، وہاں نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا، ذرا موسم سنبھل جائے۔ تب تک شاید گلزارِ نسیم بھی آجائے۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی
۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
دہلی - ۱۱۰۰۰۷

۲۴؍جون ۱۹۹۵ء

میرے بھائی!

یہ آپ نے مجھے کس آفت میں ڈال دیا ہے۔ اب ایک نئی کہانی۔ یہ تو شہرت تھی کہ زہرِ عشق کے چھپنے پر حکومت نے پابندی لگا دی تھی، مگر محض شہرت، سند ثبوت کچھ نہیں۔ کسی نے اس کی

تصدیق بھی نہیں کی۔

فاروقی صاحب نے زہرِ عشق کا نظامی پریس والا اڈیشن بھیجا تو اُس کے مقدّمے میں نظامی مرحوم نے لکھا ہے کہ ''اس کی ممانعتِ طبع کے مسئلے کو حل کرنے کے بعد ہم نے ......شائع کیا ہے۔'' اس پر حاشیے میں یہ حوالہ دیا ہے:

''گورنمنٹ آرڈر $\frac{3559}{931-4}$ مورخہ ۲۲؍جولائی ۱۹۱۹ء جوڈیشل (کریمنل) ڈپارٹمنٹ''

یہ پہلا حوالہ تھا جو سامنے آیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کاغذات الٰہ آباد کے آرکائوز میں ہوں گے۔ فاروقی صاحب کو لکھا۔ آج ہی اُن کا خط آیا ہے کہ انھوں نے معلومات حاصل کی کہ ۱۸۵۷ء تک کے کاغذات الٰہ آباد میں ہیں اور بعد کے کاغذ لکھنؤ میں ہیں۔ یہ بھی لکھا کہ لکھنؤ آرکائوز کی ڈائرکٹریا (ڈائرکٹرہ) محترمہ ریتا مشرا ہیں اور یہ کہ وہاں سے کاغذوں کی نقل بہ آسانی مل جاتی ہے۔ یہ بھی لکھا کہ میں ''نیّر صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ کسی کی ڈیوٹی لگائیں۔'' میں نے آج ہی اسلم محمود صاحب کو بھی خط لکھا ہے۔ اِس مسئلے کو بہ ہر حال حل کرنا ہے۔ تو برادر! کچھ کیجیے۔ یہ مصیبت کھڑی کی ہوئی تو آپ ہی کی ہے۔ نہ کتابیں فراہم کرتے اور نہ میں اِس پھیر میں پڑتا۔ اب پڑ گیا ہوں تو بھرنا بھگتنا ہے۔ ادھورا کام کیا کروں۔

صبح صائمہ کو خط لکھا تھا ہندی میں، وہ حوالہ ڈاک کرکے آیا کہ فاروقی صاحب کا خط ملا۔ اور ہاں، وہ احمد اشفاق صاحب کی طالبہ نے کیا جواب دیا؟ وہ بھی ایک مشکل رہ گئی ہے۔ آپ نے بلایا ہے، میں ضرور آؤں گا، مگر پہلے محسن خاں سے تاریخ کا تعین کرلیجیے تاکہ ''میرے دونوں بیٹھے'' کہہ سکوں۔ تاریخ سے مطلب زمانے سے ہے کہ صحیح وقت کب ہوگا اور وہ کب ہوں گے اور کب میرے لیے انتظام کرسکیں گے۔ باقی تفصیل اُن کو خوب معلوم ہے۔ اِس خط کے جواب کے لیے آنکھیں بچھائے بیٹھا رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

ٹی بی.۹، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

دہلی-۱۱۰۰۰۷

۳۰؍جون ۱۹۹۵ء

برادرم!

میرا خط مل گیا ہوگا جس میں زہرِ عشق سے متعلق سرکاری حکم نامے کی نقل حاصل کرنے کی

فرمائش کی گئی ہے۔ چوں کہ اُس کا مجھ سے زیادہ خود آپ کو خیال ہوگا، یوں اِس کا مزید حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ اب تک آپ اُس کا انتظام کر چکے ہوں گے اور ریتا مشرا صاحبہ سے مراسم بھی گٹھلیوں کے دام کے طور پر سرانجام پا چکے ہوں گے۔

۱۲۶۸ھ کا نسخہ بہارِ عشق ہنوز کہیں سے ہاتھ نہیں آیا نہ سراغ لگا۔ مشکل یہ ہے کہ میرا کام اُس کے بغیر ہو نہیں پائے گا۔ دو اشعار کی کمی بیشی کا معاملہ اسی نسخے پر منحصر ہے۔ اور کیا کہوں۔

یہ تو ضمنی باتیں تھیں، آج کی اصل بات: میں آج کل فریبِ عشق کے حواشی لکھ رہا ہوں۔ معتقداتی حوالوں سے متعلق میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر جگہ آپ کے خط کی عبارت داو ین میں لکھ دی ہے مع حوالہ۔ (ایسے دس شعر ہیں)، تاکہ داد ملے تو آپ کو اور بیداد ہو تو آپ پر۔ میں اہلِ دین کے جھگڑوں میں کیوں پڑوں اور پھنسوں، مجھ سے تو یہ قصہ چکایا نہ جائے گا۔ ٹھیک کیا نا!

اب یہاں سے بات شروع ہوتی ہے۔ آپ کو خط لکھنے سے پہلے اور بہت پہلے ایک بار علی گڑھ سے مرزا خلیل بیگ آئے تھے۔ میں اُن دنو [illegible]اہ عبدالسلام کے مرتبہ کلیاتِ شوق کو دیکھ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کام تو قاعدے سے کیے جانے کا مستحق تھا۔ شاہ صاحب نے اسے اِس طرح انجام دیا جیسے چونّی طوائف کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ مرزا صاحب آ گئے تو انھوں نے علی گڑھ کے شعبۂ دینیات کے سربراہ کی تعریف میں خاصا مبالغہ کیا، اِتنا کہ مجھے اُن کا سُنّی ہونا مشکوک نظر آنے لگا۔ خیر، میں اور تو کچھ کہ نہیں سکتا تھا، یہ کیا کہ وہ دس شعر لکھ کر دے دیے کہ ذرا اپنے فاضلِ اجلّ سے اُن کے متعلقات کو تو لکھوا دیجیے، مجھے ضرورت ہے۔ یہ گویا تمہیدی حصّہ تھا، تدوین کے اُس ابتدائی تصور کا۔ خیر، مرزا صاحب کا خط آ گیا اور میں اُسے رکھ کر بھول گیا۔ اب جو کاغذات الٹ پلٹ رہا تھا تو وہ برآمد ہوا۔ آپ کے بعض مندرجات اور اُن کے فرمودات میں اختلاف ہے۔ معلوم صرف یہ کرنا ہے کہ اس سلسلے میں اور کچھ تو نہیں کرنا ہے۔ آپ کی تشریحات علیٰ حالہٖ رہیں گی نا!

(۱) آپ نے لکھا ہے کہ ذوالفقار جنگِ اُحد میں رسولؐ نے حضرتِ علیؓ کو عنایت کی تھی۔ انھوں نے لکھا ہے: ''یہ تیغ جنگ خیبر میں رسول اللہؐ نے حضرت علی کو دی تھی۔'' (۲) آپ نے لکھا ہے کہ جنگ خیبر میں جبریل کے تین پَر کٹے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''جنگ خندق میں'' یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ (۳) آپ کے مطابق نادِعلی ''جنگِ احد میں نازل ہوئی تھی۔'' اُن کا کہنا ہے: ''جنگ خیبر کے موقع پر پیغمبرِ اسلام نے یہ فرمایا تھا۔'' نادِعلی کی جو عبارت آپ نے لکھی ہے، ان کی عبارت اس سے ذرا سی مختلف ہے۔ میں ان کی عبارت لکھتا ہوں: ''نادِعلیاً مظہر العجائب/ تجدہ عوناً لک فی النوائب/ کلُّ ھمٍّ و غمٍّ سینجلی/ بعلیٍ بعلیٍ بعلیٍ یعلی۔'' آپ کی عبارت: ''نادِعلیا مظہر العجائب تجدہ عوناً

لک فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بنوتک یا محمد یولایتک یاعلی۔‘‘

انھوں نے اسے اشعار کے طور پر لکھا ہے، جب کہ آپ کے یہاں نثری عبارت ہے۔ بھائی! مجھ غریب ’’سنّی‘‘ پر تبرّا نہ پڑنے پائے، اس لیے ذرا ان فرمودات کو دیکھ لیجیے۔ ’’نادِعلی‘‘ کی مکمّل عبارت پھر سے لکھ دیجیے، مکمّل اعراب کے ساتھ۔ یہ بھی لکھیے کہ اب اسے کن مواقع پر پڑھا جاتا ہے۔

ہاں ایک بات اس سے الگ، وہ میری تحقیق ہے: ذوالفقار کا دوسر ہونا میری رائے میں محض شاعرانہ روایت ہے، اس کا شیعی عقیدے سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ ٹھیک ہے نا!

آپ ان علی گڑھی فاضل کو تو جانتے ہوں گے۔ خدا کسی مردِ معقول کو مذہبی خصوصاً معتقداتی بحثوں میں نہ ڈالے۔ وہی بات کہ آدمی مارتا کم ہے، ڈراتا زیادہ ہے۔ صائمہ کو خط مل گیا ہوگا۔ ہندی میں لکھا تھا تاکہ آپ پڑھ ہی نہ پائیں۔ اس خط کا جواب فوری طور پر عنایت ہو۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

گائڑ ہال

۱۳؍ جولائی ۱۹۹۵ء

برادرم!

دونوں خط مل گئے۔ آفاق صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت دکھ ہوا، اُن کی قدِ آدم شخصیت نگاہوں کے سامنے آگئی۔ بہت زمانہ ہوا، پہلی بار مولوی اختر علی تلہری مرحوم کے ساتھ میں رضوی صاحب مرحوم سے ملنے کے لیے ادبستان گیا تھا۔ یہ ۵۲، ۵۳ء کی بات ہوگی۔ آفاق صاحب سے اور تلہری صاحب سے بس ایک دو منٹ بات ہوئی ہوگی۔ مجھ سے محض سلام علیک۔ اس کے بعد رضوی صاحب کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ جانا ہوا اور میں آپ کے یہاں تعزیت کے لیے گیا۔ آپ اُن دنوں تھے نہیں، شاید ایران گئے ہوئے تھے۔ خیر، آفاق صاحب اپنے کمرے سے آئے اور انھوں نے بلا تکلف فوری طور پر مجھے پہچان لیا، پھر پہلی ملاقات کا حوالہ بھی دیا اور کچھ دیر گفتگو ہوئی۔ مجھے بہت تعجب ہوا تھا اُس وقت ان کی حیرت انگیز یادداشت پر۔ خدائے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اس کو کہتے ہیں کہ ماضی کو حال سے ملانے والی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی!!

اسلم محمود صاحب کا خط آیا ہے۔ اب اُن کے دوسرے خط کا انتظار ہے جس سے آرکالوز کا

احوال معلوم ہو سکے گا۔

کئی دن سے مبتلائے بخار ہوں، شاید کسی کی نظر لگ گئی ہے، کہیں نذر چڑھاؤں گا شاید تبھی اچھا ہو پاؤں گا۔ جولائی کے اواخر میں آنے کا وعدہ تو نہیں کرتا، مگر ایماندارانہ کوشش ضرور کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۳؍جولائی ۱۹۹۵ء

برادرم!

اسلم محمود صاحب کا خط آیا، کام یابی نہیں ہو سکی۔ مجبوری ہے۔ پھر بھی دیکھا جائے گا۔

ہاں برادر! وہ ۱۲۶۸ھ کا نسخۂ بہارِ عشق نہیں ملا۔ کچھ توجہ کیجیے۔ ورنہ اُس کے بغیر ہی کام چلانا پڑے گا۔ ایسا نہ ہو تو خوب؟

بہارِ عشق میں ایک شعر ہے:

قبضۂ مرتضیٰ علی کی قسم   اُسی اللہ کے ولی کی قسم

ایک صاحب نے بتایا کہ پہلے کبھی یہ قسم بھی کھائی جاتی تھی اور "قبضہ" سے مراد قبضۂ ذوالفقار ہے۔ کیا ایسی کوئی قسم تھی؟ "قبضہ" کے ایک معنی "بازو" بھی لکھے گئے ہیں۔

اسلم محمود صاحب نے ایک کتاب کے چند اوراق کا عکس بھیجا، جن میں ذوالفقار کا بیان ہے۔ حالی کے شعر کا مطلب سمجھ میں آگیا:

جھگڑوں میں اہلِ دین کے حالی پڑیں نہ آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

سو میں بھی اِس جھگڑے میں نہیں پڑا۔

موسمی حالات کے اثر سے دس دن سے طبیعت ناساز ہے، وہی بخار اور اُس کے متعلقات۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۲۵؍جولائی ۱۹۹۵ء

برادرم!

کل ایک خط حوالہ ڈاک کیا تھا، صبح کے وقت، جس میں یہ شکوہ بھی درج تھا کہ بہارِ عشق کا ۱۲۶۸ھ کا اڈیشن نہیں ملا اور شاید ملے گا بھی نہیں۔

شام کو چار بجے ایک قاصدِ فرخندہ سیر، خوش خبر، ایک پیکٹ لایا، جس میں فریبِ عشق، بہارِ عشق اور زہرِ عشق کے چھے مختلف اڈیشن ملفوف تھے بہ شمول بہارِ عشق نسخۂ ۱۲۶۸ھ، بیان نہیں کر سکتا کہ کیسی مسرّت ہوئی ہے، بہ قولِ شاعر:

یوں اچانک ملاقات تجھ سے ہوئی
جیسے رہ گیر کو
بے طلب بے دعا
راہ میں ایک ان مول موتی ملے

سوچا آپ کو بھی اِس مسرّت میں شریک کروں۔ اشاعتِ اوّل سے راتوں رات جو مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ شاعر نے اشاعتِ اول پر باضابطہ نظرِ ثانی کی ہے اور متعدّد اشعار کا اضافہ کیا ہے، آخر کے عشقِ حقیقی والے اشعار کے علاوہ۔ اگر یہ نسخہ نہ ملتا تو میرا کام ادھورا رہتا۔ ایک نسخہ مطبعِ علوی علی بخش خاں کا بھی ہے ۱۲۷۷ھ کا۔ نول کشوری نسخے بھی ہیں ۱۸۷۱ء کے (وغیرہ)۔ اب معلوم ہوا کہ آپ کے شاہ صاحب نے بہت گڑبڑ کی ہے اپنے نسخے میں۔ خوب ہیں یہ لوگ بھی!

"قبضۂ مرتضیٰ علی" کا استفسار اُس خط میں ہے، اس کے جواب کا منتظر ہوں۔ خیر صاحب! میرا تجربہ یہ ہے کہ باغ و بہار ، فسانۂ عجائب ، گلزارِ نسیم اور اب یہ مثنویاں، اِن سب کے نتیجے میں کہ لگن سچّی ہو اور آدمی پوچھنے میں شرم نہ کرے اچھے طالب علم کی طرح، اور یہ کہ صبر کی توفیق رفیق رہے، تو پھر ہر نسخہ مل جاتا ہے اور ہر کام ہو جاتا ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز ملی نہیں، اِس میں اکثر کم توجہی کو دخل ہوتا ہے یا پھر اِس کو کہ طلبِ صادق نہیں ہوتی اور آدمی کام کو جلد تر کرنا بل کہ بھگتانا چاہتا ہے۔ میں نے باغ و بہار کے سلسلے میں ہندی مینول کی تلاش میں مکمل بیس سال تک صبر کیا اور تلاش کرتا رہا۔ آخر کو مل گیا؛ جب کہ سب کو اِس کا یقین آچکا تھا کہ وہ ناپید ہو چکا ہے۔ جب تک وہ مل نہیں گیا، باغ و بہار کے متن کو مرتب نہیں کیا۔ ہر شخص ڈاکٹر محمد حسن اور شاہ عبدالسلام بن گیا ہے۔ کہاں کا صبر اور کہاں کی تلاش اور کاہے کی لگن۔ کام ایسے کرو جیسے چوّنی مارکا رنڈی کے ساتھ بُرا کام کیا جاتا ہے اور بہ قولِ نظیر: تک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے۔ اگر ڈیرے دار طوائف اِن کے زمانے میں ہوتی تو یہ لوگ اور ایسے لوگ تو اُس کے ساتھ جنسی روابط کے آداب کی بھی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ یہ تو اِن کی خوش قسمتی ہے کہ اُس زمانے میں کارفرما

ہیں جب ہر طرف ''طفلانِ بے تہ'' کا دور دورہ ہے اور خفیف الحرکاتی نے معیار کا عنوان اختیار کر لیا ہے، دتی کا کرخندار غصّے میں آکر نئے کاریگر سے کہتا ہے: لوڑا پکڑنے کا ڈھنگ آیا نہیں اور گانڈوؤں کی فہرست میں نام لکھانے چلے آئے۔ اب کے بھی فصل آم کی یوں ہی نکل گئی!!! افسوس، صد افسوس!!! خیر، اگلے سال سہی۔

ہماری بٹیا کیسی ہے، بہت سی دعائیں۔ کبھی کبھی بیگم صاحب کی خدمت میں میری طرف سے آداب بھی پیش کر دیا کیجیے۔ آخر کبھی تو وہاں آنا ہی ہے، ناراض ہوں گی تو چائے بھی نہیں ملے گی یا ملے گی تو خالی خولی۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی

۹- ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۷/اگست ۱۹۹۵ء

حضرت سلامت!

۲۷/جولائی کا خط تین دن پہلے ملا تھا۔

بٹیا کے مصنفہ بننے کی خبر پڑھ کر جی خوش ہوا۔ یہ خبر آپ نے تمثال کو بھی سنائی؟ اِس لفافے میں =/20 کا ایک نوٹ رکھ دیا ہے، یہ میری طرف سے بٹیا کو دے دیجیے اور کہیے کہ لکھتی رہیں، انعام بھی ملتا رہے گا۔ یہ بھی کہہ دیجیے کہ میں جب آؤں گا تو دیکھوں گا کہ کیا لکھا ہے۔ بہ ہر طور میرا جی بہت خوش ہوا۔ خدا اس بچّی کی عمر اور صلاحیت، دونوں میں برکت دے۔ برسات کا موسم ہے، اِس کے باوجود اِس کا یقین ہے کہ یہ لفافہ راستے میں گم نہیں ہوگا۔

(۱) اب داستانِ غم (حسبِ معمول)۔ ''صحنک'' کا لفظ ایک جگہ آیا ہے۔ اِس سے تو میں واقف ہوں، لیکن بس یوں ہی سا۔ میں نے یہ سنا تھا کہ مرد اس میں شرکت نہیں کر سکتے، مگر مولفِ نور اللغات نے اِس لفظ کے تحت میر علی اوسط رشک کی ایک عبارت نقل کی ہے، اُس کے آخری حصے نے مجھے مبتلائے وہم کر دیا ہے۔ پہلے عبارت:

> ''رشک نے نفس اللغۃ میں لکھا ہے: آں طعامے باشد کہ زناں از برنج پزند و چند طبق سازند و بالائے آں جغرات و شکر ریزند۔ خواہ بجائے جغرات شیر انداز ند و بالائے آں قندِ سائیدہ ریزند، و لیقولات و عطر و حنا بر کنارِ آں نہند و بر آں فاتحہٗ جناب سیّدہ النساء دہانند۔ و زنانہ را زناں و مردانہ را مرداں

خورند۔ یا آنکہ در طبقہاے معیّن از دہ نہند و نذرِ مذکور دہانند۔''

خط کشیدہ ٹکڑے توجّہ طلب ہیں۔ تو کیا مردانہ صحنک بھی ہوتی ہے؟ رشک بہ ہر حال سیّد تھے اور لکھنوی تھے اور شیعہ بھی تھے۔ اب میں کیا لکھوں؟ (میر صاحبان نے مجھے بہت پریشان کیا ہے)۔

مزید یہ کہ: (۱) ترکیب یہی ہے جو رشک نے لکھی ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ زردہ بھی بعض جگہ ہوتا ہے۔ یعنی صرف زردہ (پلاو والا زردہ)۔ (۲) کیا ''زنانہ صحنک'' میں صرف ''سیدانیاں'' شریک ہوسکتی ہیں؛ کیا دوسری عورتیں پاک دامن ہونے کے باوصف شریک نہیں ہوسکتیں؟ (۳) پاک دامن ہونا شرط ہے یا اَن بیاہی ہونا بھی شرط ہے۔ آپ کی بیگم صاحبہ نے کبھی صحنک میں شرکت کی ہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے حیطۂ تصرف میں آنے سے پہلے۔ اب اُن بے چاری کو اتنی مہلت کہاں ملتی ہوگی) انھوں نے کیا دیکھا ہے، نیاز کا کھانا اور شرکا کے سلسلے میں۔ (رشک کا لغت نفس اللغۃ چھپا تو ہے ت تک، مگر اِس کا ثبوت موجود ہے کہ یہ مکمل ہو چکا تھا۔ مولفِ نور نے جو عبارت نقل کی ہے، یہ شہادت مزید کی حیثیت رکھتی ہے)۔

(۲) نُوج اِس طرُح بھی کوئی گھبرائے
نج کوئی اتنی ہَول ہَول مچائے

میرا خیال یہ ہے کہ ''نج'' اِسی ''نوج'' کی مخفف شکل ہے۔ ذرا بیگمات سے پوچھیے تو کہ کبھی یہ لفظ کانوں میں پڑا ہے؟ آپ کی خوشدامن صاحبہ شاید بہتر طور پر بتا سکیں۔ نور میں یہ موجود نہیں۔

محمود ایاز صاحب کا خط آج ملا۔ ان کو مناسب جواب کل یا پرسوں لکھوں گا۔ فی الحال تو کچھ لکھنا ممکن نہیں۔ مرزا شوق مبتلاے آفت کیے ہوئے ہیں۔ یکم ستمبر سے ۳۰ر ستمبر تک میں جموں میں رہوں گا۔ ویسے بھی برادر! جس رسالے کی میں نے کبھی شکل نہیں دیکھی، اُس کے لیے کیا لکھوں؟ وہ نارنگ صاحب کے فدائیوں میں سے ہیں، اِس لیے مجھ جیسے لوگ تو حلقۂ بیرونِ در کی حیثیت رکھتے ہوں گے۔ خیر، جموں سے واپس آ کر دیکھا جائے گا۔

اکتوبر میں شاہ جہان پور جاؤں گا، تبھی چند گھنٹوں کے لیے لکھنؤ آؤں گا۔ حافظ کے تصوف پر اور اُن کے دیوان سے فال نکالنے کے مسئلے پر گفتگو ہوگی۔ (یہ بھی ایک مصیبت کی تمہید ہے)۔

خدا کرے آپ، جس حد تک اِس زمانے میں ممکن ہے، اُس حد تک بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

۹۔ ٹیچرس کورٹ، گاٗئر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۲؍اگست ۱۹۹۵ء

سیّد صاحب!

۱۲؍ کا خط ملا، شکریہ۔ صحنک کا بیان آپ کے حوالے سے ضمیمۂ تشریحات میں درج کرلیا گیا۔ اب یہ عرض کروں کہ تینوں مثنویات کا متن مکمّل ہوگیا بہ لحاظِ تدوین۔ فرہنگ بن گئی، ضمیمۂ تلفظ و املا اور ضمیمۂ تشریحات بھی مکمّل ہوگئے۔ متن کتابت کے لیے دے دیا گیا۔ آپ سمجھے کہ یہ غیر ضروری تفصیل میں نے کیوں لکھی؟ اِس لیے لکھی ہے کہ آپ کو اطمینان ہوجائے کہ اب بار بار مخلِ عافیت ہونے کی نوبت (اِس سلسلے میں) نہیں آئے گی۔ بس یہ خط اور۔

بہارِ عشق کے آغاز میں شوقؔ نے لکھا ہے:

اپنے قابو میں جو طبیعت تھی　　　کوچہ گردی سے دل کو نفرت تھی
خفقاں گر کبھی ستاتا تھا　　　تو ہوا کھانے چوک جاتا تھا

ضمیمۂ تشریحات میں ''چوک'' کے تحت شررؔ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

''محمد علی شاہ نے ... لکھنؤ کو نہایت ہی خوب صورت شہر بنادیا۔ حسین آباد کے پھاٹک سے رومی دروازے تک دریا کے کنارے کنارے ایک سڑک نکالی، جو 'چوک' کہلاتی تھی۔ اس سڑک پر......''

(میں نے مکمّل عبارت نقل کی ہے، یہاں محض اشارے پر اکتفا کرتا ہوں)۔ آج کل جب لفظ ''چوک'' استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے تو وہ خاص علاقہ مراد لیا جاتا ہے، مگر میرے خیال میں شوقؔ نے ''چوک'' سے وہی علاقہ مراد لیا ہے جس کی صراحت شررؔ نے کی ہے۔ کیا آپ کو اِس سے اتّفاق ہے؟ اب یہاں بیٹھا ہوا میں لکھنؤ کے جغرافیے سے ناواقفِ محض، یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ شررؔ نے جس علاقے کی نشان دہی کی ہے چوک کے نام سے، وہ اِس ''چوک'' سے مختلف ہے نا؟ یہ دونوں الگ الگ علاقے ہیں نا؟

پہلے مصرعے میں 'اپنے' اور 'اپنی' دونوں قرأتیں بجائے خود درست ہیں، مگر میں نے ''اپنے'' رکھا ہے، کسی اور وجہ سے نہیں، محض اِس وجہ سے کہ ''اپنی'' سے مصرعے میں خاصی تعقید پیدا ہوجاتی ہے اور ''اپنے'' سے یہ صورت پیدا نہیں ہوتی۔ مفہوم دونوں صورتوں میں یکساں رہتا ہے۔ ضمیمۂ تشریحات میں یہی صراحت کی گئی ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

ہاں صاحب! میں یکم ستمبر سے ۳۰؍ستمبر تک جموں یونی ورسٹی میں رہوں گا۔ وہاں بوڑھے توتوں کو پڑھانا ہے۔ خط کا جواب آپ فوری طور پر لکھ دیجیے۔ مجھے مل جائے گا یا پھر یہاں محفوظ رہے گا۔ جب واپسی ہوگی تو ڈاک بہ حفاظت مل جائے گی۔

اور یہ آپ گھبرا کیوں گئے! ایسی بھی کیا بات ہے۔ امیر خسرؔو اور خواجہ حافظؔ اعلا درجے کے شاعر تھے۔ خوش ذوق انسان تھے مگر پیری فقیری یا تصوّف سے انھیں کیا واسطہ! ان کو صوفی کہنا انتہا درجے کی بدذوقی ہوگی۔ کیا منٹو کے بہ قول یہ ضروری ہے کہ ایسے سب لوگوں کو رحمۃ اللہ علیہ کی کھونٹی پر ٹانگ دیا جائے۔ میں بہ ہر طور اِسے نہیں مانتا۔ جب نہیں مانتا تو کہوں گا بھی علانیہ اور سرِ محفل۔ احمقانِ قوم چیں بر جبیں ہوں تو ہوا کریں، اُن کی تو قسمت ہی یہی ہے۔ اب رہی فال کی بات، تو یہ بالکل دوسری چیز ہے۔ اِس کا کسی غیبی لطیفے سے بالکل علاقہ نہیں۔ مجھے اب کے یہی تو کہنا ہے کہ اشعار سے فال جو نکلتی ہے، اُس کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ یہ قطعی طور پر ایک ادبی مسئلہ ہے، جس کا تعلق غزل کی شعریات سے ہے۔ اس کی تفصیل پیش کروں گا اور تجزیہ کروں گا۔ میں اکتوبر میں شاہ جہان پور آؤں گا اور تبھی چند گھنٹوں کے لیے لکھنؤ کا پھیرا ہوگا، تب اِس مسئلے پر مفصّل گفتگو ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
۹-ٹیچرس کورٹ، گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی
۸ر دسمبر ۱۹۹۵ء

برادرم!

خط ملا۔ اپنی بدحواسی کی داد دیتا ہوں کہ تسیمؔ کو رشکؔ کا استاد بھائی تحریر فرمایا۔ یہ تو واقعی خوب رہی! کون مانے گا اِس کو کہ مقدّمۂ کلامِ ناسخؔ اِسی قلم نے لکھا تھا۔ بشریّت شاید اِسی کو کہتے ہیں۔ آپ کا ممنون ہوں کہ یہ فاش غلطی سامنے آگئی۔ اگر کوئی اور بھی ایسی بات ہو تو ضرور مطلع کیجیے گا۔ نظرِ ثانی کے وقت کام آئے گی۔ فسانۂ عجائب کا دوسرا اڈیشن جلد چھپے گا۔ پہلا اڈیشن ختم ہوگیا۔ ناشر کو بھی اِس کی توقع نہیں تھی۔ بہر حال یہ خوب ہوا۔

ہاں یہ بتائیے کہ حواشی میں کیا زائد اجزا بھی ہیں؟ آپ کے خط میں جو یہ لکھا ہے کہ اربابِ نقد کو دیکھیے ۸۵ صفحوں پر ۶۲۷ صفحے ہضم ہوتے ہیں کہ نہیں۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ تشریحات کے صفحے تو کل ۳۰۰ ہیں۔ میں نے ایک بار پھر ورق گردانی کی، مگر مجھے اب بھی کوئی زائد حصّہ نظر نہیں آیا۔ یا یہ جملہ محض دوسروں کی نذر تھا۔

مثنویاتِ شوق کا کام رُک گیا ہے۔ شاہ جہان پور ہی میں مکمّل ہو سکے گا۔ متن کی کتابت بہ ہر حال ہو چکی ہے۔ مقدّمہ لکھنا باقی ہے۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، میں اواخر جنوری میں شاہ جہان پور

مستقلاً منتقل ہو جاؤں گا۔
اگر آپ کی نظر میں کوئی شخص واقعتاً ''مستحق'' ہو، محض مرتا نہیں، تو لکھیے، میرے پاس ایک جلد بچ گئی ہے، اُسے بھیج دوں۔ جنوری کی شروع کی تاریخوں میں بمبئی میں حافظ سمینار ہے، اس میں شرکت کرنے کا ارادہ ہے۔ ۹رجنوری کو وہاں سے واپسی ہوگی، اُس کے بعد شاہ جہان پور جانے کا اہتمام شروع ہو جائے گا۔ غالب سمینار میں آپ سے ملاقات ہوگی۔ امراؤ جان کے لیے کچھ لوگوں سے کہیے۔ تعجب ہے کہ لکھنؤ میں وہ اڈیشن نہیں مل سکتا۔ حیدر آباد میں شاید ہو، کچھ کیجیے۔ ''سوغات'' والی بات ٹھیک ہے، شاید اسی طرح کچھ سراغ ملے۔ محمود ایاز صاحب کے اصرار پر میں نے خط کے اُن اجزا کو شاملِ رسالہ کرنے کی اجازت دے دی ہے جن کو وہ مناسب سمجھیں۔ اصل میں ادھر کچھ دنوں سے شاعر اور شب خون میں جس طرح کے تعریفی خط چھپ رہے ہیں اُس سے طبیعت بہت منغّص ہوتی ہے، یوں میں نے اس خط کو شاملِ اشاعت کرنے سے منع کیا تھا۔ مرگِ انبوہ میں بل کہ ہیضے کی بیماری میں کون مرے! صائمہ کو بہت سی دعائیں امتحان میں اچھی کام یابی کے لیے۔ نئے سال کے کارڈ کا انتظار کروں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۸)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۲۵رفروری ۱۹۹۶ء

نیّر صاحب! باسی عید مبارک۔
آپ بھی خوب چیز ہیں، مجھے زہرِ عشق میں الجھا کر خود اطمینان سے روزے رکھتے رہے اور ثواب حاصل کرتے رہے۔ اب کئی قسطوں میں اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ پہلی قسط ہے:
بہارِ عشق کی اشاعتِ اوّل (سلطان المطابع ۱۲۶۶ھ) میں یہ مرقوم ہے کہ یہ مثنوی شوق نے ''بفرمائش نواب ابوتراب خان صاحب بہادر دام اقبالہ'' لکھی تھی۔ یہ غالباً وہی ہیں جن کے نام کا ''کٹرا ابوتراب خاں'' اب تک موجود ہے (اگر یہ نام میں نے صحیح لکھا ہے)۔ ان سے متعلق چار پانچ سطروں کا حاشیہ لکھنا ہے، زحمت گوارا کیجیے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کا احوال کہاں ملے گا۔ متن کی کتابت مکمل ہو چکی، حواشی لکھے جا چکے جو زیرِ کتابت ہیں۔ بس مقدمہ لکھنا باقی تھا، سو آج کل اسی میں اُلجھا ہوا ہوں۔ یہاں کا احوال یہ ہے کہ معمولی کتابیں ہاتھ نہیں آتیں۔ سر راس مسعود کے ''انتخابِ زرّیں'' کی بس دو منٹ کے لیے ضرورت تھی، صرف یہ دیکھنے کے

لیے کہ اس کی پہلی اشاعت کا سنہ کیا ہے اور یہ کہ زہرِ عشق کے بارے میں انھوں نے کیا لکھا ہے، اس عبارت کی ضرورت تھی۔ یہ کتاب نہیں مل رہی ہے۔ آپ کے پاس ہے؟ ضرور ہوگی، تو برادر! اس سے بھی یہ دونوں چیزیں نقل کر دیجیے۔ اللہ آپ کو اس کے بدلے میں بہت سی حوریں دے گا (اگر آپ کی بیگم صاحبہ کو اعتراض نہ ہو اور وہ "عدل" کی طالب نہ ہوئیں)۔

اگر جواب باصواب جلد تر مل سکے تو بہت ممنون ہوگا

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
بمبئی

یکم اکتوبر ۱۹۹۶ء

محبِ مکرم!

معلوم نہیں اب آپ کی صحت کا احوال کیا ہے، لیکن آپ کی صحت و عافیت کے لیے دعائیں کرنے والے اتنے ہیں کہ یہ مانے لیتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح صحت مند ہو چکے ہوں گے۔

میں آج کل مولانا شبلی کی یاد میں یہاں دن بسر کر رہا ہوں۔ راتیں گزارنے کی توفیق نہیں۔ راتیں بس کٹ جاتی ہیں۔ میں ۳رنومبر کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ اس وقت میرا جی چاہا کہ میں خیریت پوچھنے کے بہانے یونی ورسٹی لائبریری کے خطی نسخہ ہائے سحرالبیان کی یاد دلاؤں۔ بھائی! میں اس معاملے میں یکسر بے دست و پا ہوں، آپ ہی کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر یہ کام ہو سکے تو میرا کام چلے۔ کوئی صورت نکالیے۔ چوں کہ یہ کام انجمن کا ہے، اس لیے اس سلسلے کا سارا خرچ وہاں سے ملے گا۔ کیا کوئی صورت نکلی ہے؟

یہ خط آپ کو زیادہ سے زیادہ چار دن میں مل جائے گا اور آپ کا خط مجھے نویں دن مل سکتا ہے۔ میں ابھی سے اس کی راہ دیکھنا شروع کرتا ہوں۔ کیا بھائی کاظم علی خاں کام نہیں آسکتے، مدد تو وہ کرتے رہتے ہیں سب کی۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ چشم براہ

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
۱۶۷- بارزوزئی دوم
شاہ جہان پور

یکم نومبر ۱۹۹۶ء

نیّر صاحب!

۲۶ ستمبر کا خط پیش نظر ہے۔ ۲۷ کو بمبئی سے واپسی ہوئی، یعنی ۲۷ اکتوبر کو۔ آپ کا خط یہاں محفوظ تھا۔ پڑھ کر جی جل گیا، بل کہ جل بھن کے کباب ہوگیا۔ سب کچھ تھا اس میں، سوائے میرے خط کے جواب کے اور سوائے مثنوی سحرالبیان کے نسخہ ہائے دانش گاہِ لکھنؤ کے تذکرے کے۔ میں نے بمبئی سے بھی ایک خط لکھا۔ کیا نہیں ملا؟

میرے بھائی! امراؤ جان ادا کی فرمائش سر آنکھوں پر۔ اس کام کو انجام کروں گا، ضرور کروں گا، واللہ باللہ انجام دوں گا، آپ کے سر کی قسم، اور اس کا بھی یقین نہ ہو تو روضۂ مرتضی علیؓ کی قسم! ذوالفقارِ شاہِ مرداں کی قسم! مگر پہلے سحرالبیان، کہ اسے شروع کر چکا ہوں۔ اور وہ کیسے ہو، جب کہ آپ ان دونوں نسخوں کے عکس کا انتظام نہیں کرتے۔

کیا اب کچھ اور بھی لکھنے کی ضرورت ہے؟ خط کا انتظار ہے۔

صائمہ اور ثمرہ کو دعائیں۔ دونوں سے کہیے کہ نیا سال بس آنے ہی والا ہے۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۶ رمئی ۱۹۹۷ء

نیّر صاحب! آداب

۴ رمئی کا خط آج ہی ملا۔ اس عنایت کے لیے شکر گزار ہوں۔ لندن والے کاغذات آپ میرے پاس بھیج دیجیے، ان کے متعلق مشورے کے بعد کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔ ایک صاحب لندن میں ہیں، شاید وہ کام آئیں۔

میں بمبئی جا کر بیمار نہیں ہوا تھا، مقامی ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق وہاں گیا تھا چک اَپ اور علاج کے لیے۔ اوّل الذکر ہی میں دیر لگی۔ علاج جاری ہے۔ اسی سلسلے میں اوائل جون میں دوبارہ جانا ہوگا۔

آپ کی مثنویاتِ شوق میرے پاس محفوظ ہیں۔ بس تاخیر یوں ان کی واپسی میں ہوئی کہ کتاب چھپ جائے۔ شاید کسی مرحلے پر کسی نسخے کی ضرورت پڑ جائے۔ ناشر کے بہ قول سال کے آخر تک وہ کتاب چھپ سکے گی، تبھی ان نسخوں کو بھیج سکوں گا۔ اس تاخیر کے لیے معذرت طلب

ہوں۔ صائمہ اور ثمرہ کو بہت سی دعائیں۔ خدا کرے آپ اب صحت مند ہوں اور بہ عافیت۔
رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور،
۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۷ء

نیّر صاحب! آداب

جوابی پوسٹ کارڈ ملا، شکریہ۔ معلوم ہوا کہ پرسانِ حال موجود ہیں، اسی لیے ابھی یہ دنیا رہنے کی جگہ ہے۔ ایسی ہی باتوں سے زندہ رہنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ کے پاس جو خبریں پہنچی ہیں، وہ کس واسطے سے آئی ہیں، اس کا حال مجھے معلوم نہیں؛ اس لیے اُن پر تبصرہ نہیں کرسکتا۔ شاید آپ کا کشف ہو، ساٹھ سال کے بعد بہت سے لوگ اس دولت سے سرفراز ہوجایا کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ مجھ سے ایک صاحب نے یہ روایت بیان کی کہ نیّر صاحب حج کرنے گئے تھے، آپ کو معلوم نہیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے کہا کہ بھائی! یہ خبر کچھ جی نہیں۔ وہ تو نو کی تعداد بھی پوری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، ۹۰۰ کی تعداد کیسے پوری ہوئی ہوگی۔ اور بالفرض دنیاے دوں سے ایسی ہی بیزاری ہوگئی تھی تو کربلاے معلا جاتے۔ ان صاحب نے کہا کہ وہاں تو وہ مردِ نامعقول صدام حسین بیٹھا ہوا ہے، کیسے جاتے۔ میں نے جواباً کہا کہ حضرت حسینؓ تو کربلا گئے تھے افواجِ یزید کی موجودگی میں، صدام حسین کے ہوتے ہوئے نیّر صاحب کیوں نہیں وہاں جاسکتے۔ صحیح بات کیا ہے، یہ آپ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔

طبیعت میری کیسی ہے، فی الوقت اس کا ٹھیک حال مجھے بھی نہیں معلوم۔ ۲۶ر اکتوبر کو بلڈ ٹسٹ ہوگا، اس کی رپورٹ بمبئی بھیجوں گا۔ وہاں سے جواب آنے پر طبیعت کا حال معلوم ہوگا۔ بہ ظاہر کھاتا پیتا ہوں، اٹھتا بیٹھتا ہوں، لکھتا پڑھتا ہوں۔ ہاں کسی کو دیکھ کر درود شریف نہیں پڑھ سکتا، یوں کہ یہاں اس کے مواقع ہی نہیں۔ جولائی، اگست دو ماہ بمبئی میں رہا اور ڈاکٹر سے برابر رجوع کرتا رہا اور دوائیں کھاتا رہا۔ دوائیں اب بھی کھا رہا ہوں۔ دسمبر کے اواخر میں پھر بمبئی جاؤں گا اور شاید دو ماہ قیام رہے گا۔ چاہتا یہ ہوں کہ سحرالبیان کا کام مکمّل کرلوں۔ انڈیا آفس کا ایک نسخہ اور حیدرآباد کے دو نسخے اب ملے ہیں۔ شاید اگلے ماہ سے، یعنی یکم نومبر سے اس کا آغاز کرسکوں۔ ارادہ تو یہی ہے۔

اس کا قوی امکان ہے کہ اواخر نومبر میں چند گھنٹوں کے لیے لکھنؤ آؤں۔ میرے کرم فرما ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کے بھائی اشتیاق محمد خاں کا بمبئی میں انتقال ہوگیا، ان کی تعزیت کرنا ہے۔ جین صاحب مستقلاً امریکہ جائیں گے دسمبر میں، ان سے رخصتی ملاقات کرنا ہے۔

عرشی زادہ کا ایسا اچانک انتقال ہوا ہے کہ جی دہل کر رہ گیا۔ موت کا جھونکا پڑھا تھا، اس کا عمل اب معلوم ہوا۔ سچ ہے، یہ دنیا فانی ہے، مگر تدوین کا کام کرنے والوں کے لیے یہ سوچنا گناہ ہے، اس لیے میں بھی نہیں سوچتا۔ ہاں، اپنے آپ خیال آجائے، وہ اور بات ہے۔

صائمہ کو بہت سی دعائیں اور ثمرہ کو بھی! دونوں نے دنوں سے خبر نہیں لی۔ میں بھی خط نہیں لکھ سکا اس آنے جانے کی رواروی میں اور ہنگاموں میں۔ انھوں نے معمول کے خلاف اب کے نئے سال کا کارڈ بھی نہیں بھیجا۔ صبا اکبرآبادی کا یہ شعر کل پڑھا، حسنِ تعبیر سے دل پر نقش ہوگیا:

بھیڑ تنہائیوں کا میلا ہے آدمی آدمی اکیلا ہے

اور ظفر گورکھپوری کا یہ شعر بھی:

میلے کی بھیڑ راس نہ آئی فقیر کو جھولی میں چند خواب تھے جانے کہاں گرے

آپ کیسے ہیں۔ بیگم صاحبہ سے میرا سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

عشق نامہ ملا۔ عرفان (صدیقی) صاحب کا پتا میرے پاس نہیں، رسید نہیں بھیج سکا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو ایک سطری خط لکھ بھیجیے، ممنون ہوں گا۔

(۳۳)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۴ر نومبر ۱۹۹۷ء

نیرّ صاحب مکرّم!

۱۹ر کو میں لکھنؤ میں تھا۔ بہانہ تھا ریڈیو، مگر درحقیقت ڈاکٹر اشفاق محمد خاں کے یہاں تعزیت کے لیے جانا تھا۔ ان کے بھائی اشتیاق محمد خاں کا انتقال ہوگیا تھا۔ اشفاق صاحب سے دہلی کی ملاقات ہے اور بڑے مخلص اور بے ریا شخص ہیں۔ بہت سی شامیں ہم لوگوں نے ساتھ گزاری ہیں۔ وہ اندرانگر میں رہتے ہیں یعنی دوسرے لکھنؤ میں۔ وہاں محسن زیدی سے ملاقات ہوگئی کہ میرے پرانے ملاقاتی ہیں اور وہیں گیان چند جین کے یہاں ذرا سی دیر کے لیے گیا کہ وہ امریکہ مستقلاً منتقل ہونے والے ہیں۔ زیدی صاحب کے یہاں سے آپ کو فون کیا۔ عزیزم تمثال

نے بتایا کہ آپ محوِ استراحت ہیں۔ شام کو واپسی لازم تھی۔ یوں اس بار آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ اس کی معذرت۔ یہ بڑی کمی رہی۔ اب کسی دن محض آپ سے ملنے کے لیے وہاں آؤں گا۔

صائمہ اور ثمرہ کے خط مل گئے، ان کو چند روز بعد الگ سے خط لکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۹ر نومبر ۱۹۹۷ء

نیرّ صاحب!

میرا خط ملا ہوگا، جس میں معذرت طلبی کا ذکر تھا۔

اس وقت یہ خط استفسارات کے پرانے سلسلے میں لکھ رہا ہوں اور فوری طور پر جواب کا متمنی ہوں، اگرچہ موسم آج کل بہت صبر آزما ہے:

(۱) گر آواز سن صید کی کچھ کہے — تو باز آئے چیک کہ بہری رہے

یہ آصف الدّولہ کے عدل کی تعریف میں کہا گیا ہے۔ کیا کہا گیا ہے، یہ آپ ہی کو معلوم ہوگا۔ میں تو سمجھ نہیں پایا۔ کیا یہ مطلب ہے کہ اس کے عدل کی ہیبت سے شکار کی آواز سن کر چیک بہری بن جائے اور شکار سے باز رہے۔ یہ تو نری مولویانہ تاویل ہے، اور کچھ میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔

(۲) شکار کے شوق کے بیان میں:

شجاعت کا ہمّت کا یہ کام ہے — درم ہاتھ میں ہے کہ یا دام ہے/ کہ بادام ہے

میں کچھ نہیں سمجھا۔ سخاوت کا بیان ہوتا تو کہتا کہ درم اور بادام کا تقابل ہے۔ دو نسخے ہیں: بادام ہے۔ کہ یادام ہے (مختلف نسخوں میں)۔

(۳) چرندوں کا دل اس طرف ہے لگا — پرندوں کو رہتی ہے اس کی ہوا
پلنگوں کا ہے بل کہ چیتا یہی — کمر آ بندھاوے ہماری وہی

اللہ جانے بڑے میاں کیا کہہ گئے! چیتا اور پلنگ کی مناسبت ظاہر ہے، یہاں تجنیس خطی ہے چی تا اور چے تا۔ سارا جھگڑا چوتھے مصرعے کا ہے۔ چیتے کی یا جیسی کمر شاعروں نے کہا ہے، مگر یہاں کمر بندھانے کا محل کیا ہے۔ کیا یہ مطلب ہے کہ ممدوح کمر بندھاوے تب چیتے شکار کے قابل ہوں۔

اب اصل شعر: لکھنؤ کی قحط سالی کا ذکر کرتے ہوئے اور آصف الدّولہ کی رعیت پروری کے گن گاتے ہوئے لکھا ہے کہ جب یہ مصیبت خلق پر پڑی تو:

محلّے محلّہ کیا حکم یہ کہ ہاڑے کی اس غم کے کھولیں گرہ

گرہ کے لحاظ سے پہلے میں سمجھا کہ یہاں ''ناڑے'' ہوگا۔ پھر خیال آیا کہ محلّے کی مناسبت سے ''باڑے'' آنا چاہیے۔ خیال آیا کہ آپ سے پوچھوں کہ کیا یہ کوئی مقامی رسم یا طریق ہے باڑے کی یا ہاڑے سے گرہ کھولنا۔

اب آپ کا جواب آجائے تو کچھ ذہن کو روشنی ملے۔ انشا نے شاید ایسے ہی شعروں پر جل کر کہا تھا کہ مثنوی لکھی ہے یا سانڈے کا تیل بیچتے ہیں (انشا کی مراد دوسری تھی)۔

چشم براہ ہوں۔ دونوں بٹیاؤں کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۱۶ر دسمبر ۱۹۹۷ء

۱۱ر دسمبر کا خط پرسوں ملا یعنی تیسرے دن ہی مل گیا۔ یہ محکمۂ ڈاک کی مہربانی ہے۔

بھائی! آپ نے میر حسن کی طرف داری کا حق ادا کر دیا۔ ایسی تاویلیں کی ہیں کہ اب کوئی مولوی بھی آپ سے بحث نہیں کر سکتا۔ مگر خوب ذہن لڑایا ہے۔ میں نے استفادہ کیا (یا آپ کہیں تو استفادہ حاصل کیا)۔ کتربیونت کے ساتھ انھیں درجِ تشریحات کر لیا۔ آپ کا حوالہ آخر میں آئے گا۔

میں ۱۷ر دسمبر کو یعنی کل جودھ پور جاؤں گا، جی ہاں اس صبر آزما موسم میں۔ وہاں سے دہلی آؤں گا اور غالب سمینار میں شرکت کروں گا۔ آپ سحرالبیان کے نسخے وہیں لیتے آیئے گا۔ میں آپ سے لے لوں گا اور مثنویاتِ شوق والے نسخے واپس کر دوں گا۔ یعنی اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ اور مرزا صاحب کا مطلب بھی کچھ ایسا ہی ہے: سلطنت دست بہ دست آئی ہے — ایک نسخے میں ہے: آتی ہے، اور یہاں وہی مرجح ہے۔ اب تک صرف ۶۳۲ اشعار مع تشریحات و اختلافِ نسخ اور مع ضمیمۂ تلفظ و املا مکمل ہو سکے ہیں۔ بجلی کے غائب رہنے نے بیزار کر دیا ہے۔ جو کام کا وقت ہے وہی اس کے جانے کا ہنگام ہے۔ رات بھر رہتی ہے، مگر میں نے رات میں کبھی لکھنے پڑھنے کا کام نہیں کیا۔ دن کا کام دن میں اور رات والا کام رات میں۔ اب رات والے کام تو صحیفۂ منسوخ کی آیات کے مرادف ہیں، مگر عادت کے زیرِ اثر کوئی کام نہیں کر پاتا۔ صبح پانچ بجے اُٹھ کر ساڑھے پانچ بجے میز پر کام کرنے جہاں بیٹھا اور بجلی گُل۔ پھر گیارہ بجے، بارہ بجے آتی ہے۔ جی اوبھ گیا ہے۔ اسی لیے اس کام میں اتنی تاخیر ہو رہی ہے۔

ارے ہاں، ایک بات تو رہ ہی گئی۔ بڑے میاں نے لکھا ہے:

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر اُدھر، کچھ ورے، کچھ پرے

طروق تو طریق کی جمع ہوئی، مگر اس کا یہاں محل نہیں۔ یہ کہہ نہیں سکتا کہ انگریزی کے ''ٹروپ'' کو اردوایا گیا ہے۔ کہیں یہ لفظ پرے، قطار، صف کے مفہوم میں نظر سے گزرا ہے؟ طَرق یا طُرَق، یا طرَ ق۔ نسخۂ فورٹ ولیم کالج میں 'طرق'۔ آپ کے خط کا انتظار ابھی سے کر رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۳۰ر مارچ ۱۹۹۸ء

برادرم!

نیّر مسعود صاحب جوابی خط لکھیں! یہ تو صاف قربِ قیامت کے آثار ہیں۔ اس کا قوی امکان ہے کہ میں دفعہ ۵۰۱ تعزیراتِ ہند میں ازالۂ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ دائر کروں۔ یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ اس کے بغیر جواب نہیں لکھا جائے گا۔ اب کچھ لمحوں کے لیے ماتم کرنا مجھ پر فرض ہو گیا۔ بھائی! میں ٹھیک ہوں، مگر پریشاں خاطر۔ ذہن یک سو نہیں ہو پا رہا ہے۔ صحت ڈانواڈول سی رہتی ہے، کبھی عمدہ، کبھی محسوس ہوتا ہے کہ بُرے آثار ہیں۔ آج کل پچھلے چودہ پندرہ دن سے ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا ہے۔ اس کی بھی دوا ہو رہی ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ مئی کے پہلے ہفتے یا دوسرے ہفتے میں پھر بمبئی جاؤں۔

مخمور سعیدی سے ۳۶ سال کے مراسم تھے، وہ بدگمان ہو گئے۔ ہوا یہ کہ وہ اب دہلی اردو اکیڈمی کے سکریٹری ہو گئے ہیں، ان کے زمانے میں دو دن کا پہلا سمینار ہوا، مجھے چار خط لکھے، کیسے جاتا، نہیں گیا۔ اب وہ ناراض ہیں۔ ان کی ناراضی بھی برحق اور میرا نہ جانا بھی برحق۔ علی گڑھ بھی نہیں جا سکا، حالاں کہ ابوالکلام قاسمی صاحب کا بہت خیال کرتا ہوں اور ابھی الٰہ آباد سے بلاوا آیا تھا، کیسے جاتا۔ اپنا حال میں ہی جانتا ہوں، احباب کو یقین کیسے دلاؤں۔

خیر، ان فضولیات سے قطع نظر، میں ٹھیک ہوں یوں کہ سارا دن میز پر بیٹھ کر کام کرتا ہوں، وہی سحرالبیان۔ اس کے بارہ نسخے سامنے ہیں، خطی نسخے، ہر شعر میں دوسرے نسخے میں الفاظ مختلف ہیں۔ میرے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ یہ مثنوی میر حسن ہی نے کہی تھی؟ اور کہی تھی تو

انھوں نے کیا لکھا تھا؟ نیرؔ صاحب! یہ ناممکن ہوگیا ہے کہ میر حسن کے اصلی متن کا قطعیت کے ساتھ تعین کیا جاسکے۔ بس قیاس کی بنیاد پر جو کہ لیا جائے، کہ اِس شعر میں انھوں نے یہ لفظ رکھا تھا یا رکھے تھے۔ اس مثنوی میں کل ۲۱۹۸ شعر ہیں۔ اب تک ۱۱۴۰۰ اشعار کے متعلقات کی تکمیل ہو چکی ہے۔ ان ۱۱۴۰۰ اشعار کا اختلافِ نسخ اس مثنوی کی مجموعی ضخامت کے برابر ہو چکا ہے۔ اب آپ کیا کہیں گے؟ جتنے کاتب، اتنا ہی متن۔ یہ وہی بات ہوئی کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اور الحاقی اشعار کی بھی کمی نہیں۔ ایک کاتب صاحب نے ۱۲۰۹ھ میں یہ دیکھ کر کہ بیانِ وصل میں تو میر صاحب نے کچھ لکھا ہی نہیں گویا، سترہ اشعار کا اضافہ فرمادیا، جس میں یہ بات بھی ہے کہ ایک سفید رومال بھی سرہانے رکھ دیا گیا تھا (یہ جعلی اشعار اس نسخے کی وساطت سے نسخہ ندورہ تک پہنچے، جنھیں میرے کرم فرما حیدری صاحب۔ نے نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر شاملِ متن رکھا۔ خوب ہیں ہمارے حیدری صاحب بھی)۔

خلیق انجم صاحب کا خط آیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مثنویاتِ شوق پریس سے ایک ہفتے میں آجائے گی۔ میرے پاس آئے تو آپ کے پاس پہنچے، اس پر آپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔

آپ نے بلایا ہے، وہاں نہیں آؤں گا تو کہاں جاؤں گا؟ مگر ابھی نہیں، پہلے یہ سحرالبیان مکمل ہوجائے۔ یہ رہ گئی تو پھر رہ ہی جائے گی اور ساری محنت اکارت جائے گی۔ اس کا یقین ہے کہ یہ کام مکمل ضرور ہوگا، اس میں ابھی سال بھر اور لگے گا۔ اپنی سخت جانی پر جو اعتماد ہے مجھے، اس کی بنا پر یہ کہ رہا ہوں۔

صہ ؔہ کو الگ سے خط لکھوں گا۔ ان کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ضرور کھاؤں گا۔ اس کام کو مکمل کرتے ہی وہاں آؤں گا۔ صائمہ کہ مجھ سے ضرور شکایت ہوگی؛ مگر مطمئن رہیے، بہت آسانی سے انھیں منالوں گا، وہ بہت اچھی بٹیا ہے۔ اس وقت صبح کے ٹھیک پانچ بجے ہیں، یعنی جب خط لکھنے بیٹھا تھا تب پانچ بجے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے میں اپنا کام کرنے میز پر بیٹھ جاتا ہوں۔ اب سوئی وہیں پہنچنے والی ہے، اِس لیے اِس خط کو ختم کرتا ہوں اور اس کام کو شروع کرتا ہوں۔ کبھی میرے لیے دعا بھی کیا کیجیے، شاید آپ کی دعا میں اثر ہو۔ دیکھا گیا ہے کہ جن کی باتوں میں اثر ہوتا ہے اُن کی دعائیں بھی بے اثر نہیں ہوتیں۔ ہاں صاحب! آپ کا خط پا کر اس بار خاص طور پر جی بہت خوش ہوا اور تاب وتواں میں کچھ اضافہ ہوا۔ اب ایسے مخلص اور غمگسار کہاں ہیں! خدا آپ کو خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۳۷)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۲۱؍اپریل ۱۹۹۸ء

برادرم!

وہ رنگیں کنول اور وہ شمع و چراغ　　کھلے جس طرح لالۂ نور باغ
ہوا دل جو روشن چراغان سے　　پڑھے شعر نوری کے دیوان سے
وہ کالے پیادے اور ان کی نفیر　　کہ تا چرخ پہنچے صدا دل کو چیر

میں ان تینوں الفاظ سے واقف نہیں ہوں۔ نور باغ شاید لکھنؤ کا کوئی باغ ہوگا۔ ''نوری'' شاعر کون تھا، معلوم نہیں۔ یہی احوال ''کالے پیادے'' کا ہے۔ کیا ان میں سے کوئی مقام جو حل طلب ہے، حل ہوسکتا ہے؟ بیّنوا وتوجروا۔

مجھے آپ وہاں کب بلا رہے ہیں؟ مئی کا تو پورا مہینا محرم کا ہوگا۔ پھر صائمہ کے ہاتھ کا کھانا کیسے ملے گا، اور شاید ۱۹؍مئی تک تو ان کا امتحان ہی ہوگا۔ اس فنکشن کو جون میں رکھائیے۔

رشید حسن خاں

(۳۸)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۲؍مئی ۱۹۹۸ء

برادرم!

ابھی آپ کے دو خط ملے۔ شکریہ۔

ضروری باتیں: (۱) ''نوری'' نام کے شعرا سے تو واقفیت تھی، مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ صاحبِ دیوان کون ہے؟ میر حسن نے ''نوری'' کے دیوان کا ذکر کیا ہے۔ اردو کے دونوں شاعر بس دو ایک شعروں کے مالک ہیں، ان کے صاحبِ دیوان ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ فارسی میں کوئی صاحبِ دیوان ہے؟ (ویسے میر صاحب کی مراد اردو والوں ہی سے ہوگی)۔

(۲) نور باغ کے لیے بس یہی لکھا جائے گا کہ ہوگا ضرور، مگر احوال معلوم نہیں۔

(۳) رہے ''کالے پیادے''، تو حبشی دستے والی بات لگتی ہوئی ہے۔ کیا یہ بات آپ کے حوالے سے لکھی جاسکتی ہے؟ برلاس مرزا کا حوالہ میں نہیں دینا چاہتا، انھوں نے تو بہت کچھ لکھا

ہے۔ کراچی میں ان کی ایک کتاب دیکھی تھی۔ اب اس کے محتوبات سب ذہن میں بھی نہیں۔

ایک نئی بات: بے نظیر کی شادی دھوم سے ہوئی، اس نے پھر ویسی ہی دھوم دھام سے وزیرزادی کی شادی کی:

دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں　　　برابر رکھی چھل ہر بات میں

کیا لکھنؤ میں ''چھل برابر رکھنا'' کبھی مستعمل رہا ہے؟ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ چھل کے ایک معنی چھل پہل بھی لکھے گئے ہیں ایک لغت میں حوالے کے بغیر، میری غرض یہاں اس کے محاورہ ہونے یا نہ ہونے سے ہے۔ یہ باتیں یہاں ختم ہوئیں۔

دیکھیے بھائی! میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں تھا، ہو بھی نہیں سکتا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے دل کو تکلیف پہنچی۔ مجھے اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو یہ تحریر ہی وجود میں نہ آتی۔ میں اپنے مخلصین کے دل کو تکلیف پہنچانا گناہ سمجھتا ہوں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید غیر مناسب باتیں ہوں اور بحث بڑھے، یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دہلی خط ابھی لکھا ہے۔ میں جون میں وہاں جاؤں گا اور اس حصے کو ازسرِنو لکھوں گا، تاکہ شکایت کا کوئی پہلو نہ رہے اور احتیاط کے تقاضوں کی پاس داری بھی ہو جائے۔ آپ کے خط سے یہ بڑا فائدہ ہوا اور اس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ بروقت بات سامنے آگئی اور بہ آسانی اسے بنایا جاسکتا ہے۔ میں غیر ضروری بحثوں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا کہ یہ علمی کاموں کے لیے غیر سازگار ہوا کرتا ہے۔ آپ اپنے احباب سے اس خط کے حوالے سے یہ سب باتیں کہہ سکتے ہیں؛ البتہ یہ خط صرف آپ کے لیے ہے۔ اب آپ اس پر غور کر لیجیے کہ جب اس تحریر کو ازسرِنو لکھا ہی جانا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ خواہ مخواہ بات بڑھے اور یار لوگ لطف لیں اور فضول باتوں سے ان کی آرائش کی جائے۔ ایسی باتیں بہت جلد ضمنیات کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔ اس بنا پر کیا مناسب نہ ہوگا کہ اب وہ خط نہ چھپے۔ اس کا لہجہ بھی خاصا غیر مناسب ہے۔ آپ نے مجھے کالے آقاؤں کا طعنہ دیا ہے جب کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔ خیر، حسابِ دوستاں دردل۔ اس پر بھی کبھی بات ہوگی تنہائی میں بیٹھ کر۔ میں نہیں چاہتا کہ اخبار اس بحث میں شریک ہوں یا لطف لیں۔ آپ اس پہلو پر غور کر لیجیے۔ مخمور کو بہ آسانی ایک دوسطری خط لکھ کر آپ منع کر سکتے ہیں۔ وہ بھی نہیں چاہیں گے کہ خواہ مخواہ کی اختلافی بحث کا وہ نشانہ بنیں۔ تحریر بہ ہر طور انھی نے چھاپی ہے۔ اگر اب تک آپ کا غصہ کچھ کم ہو گیا ہو تو خوب ہو۔ میری تجویز آپ مان ہی لیجیے۔ ہاں بھائی! یہ خط میرے آپ کے درمیان ہے اور قطعی طور پر ذاتی ہے۔ اس کے بس ضروری اجزا کا آپ بلاتکلف حوالہ دے سکتے ہیں، مگر خط آپ کی نظروں کے لیے ہے۔

آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔

ہاں، جون تو مجھے بھی راس نہیں آئے گا، بمبئی جانا ہے اس لیے جو ہونا ہے وہاں، مئی ہی میں ہو جائے تو اچھا ہے۔ ورنہ پھر بمبئی سے آنا پڑے گا اور اس میں بہت دِقّت ہوگی۔ صائمہ بٹیا سے کہیے کہ کھانا بمبئی سے واپسی پر کھاؤں گا، پھر زیادہ بھی کھا سکوں گا اور بد پرہیزی بھی کرلوں گا۔ اس بار تو بس صبح آکر شام کو واپسی ہوگی رکوں گا نہیں۔ یہاں بھی بعض معاملات ہیں۔ آپ سے جلسے میں تو ملاقات ہوگی ہی۔ میں اسٹیشن سے سیدھا جلسے میں آؤں گا اور وہاں سے بس اڈے پر، تا کہ جلد تر گھر پہنچ جاؤں۔ مثنوی کی مطبوعہ اشاعتیں بھی پھر دیکھوں گا، اس بار نہیں، غالباً بمبئی سے واپسی پر۔

خط فوراً لکھیے، اگرچہ عشرے کا زمانہ ہے، پھر بھی۔

رشید حسن خاں

(۳۹)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۱۲؍ مئی ۱۹۹۸ء

نیّر صاحب!

ابھی ۵؍ مئی کا خط ملا۔ اطمینان ہوا۔ دہلی خط لکھ چکا ہوں۔ ۲۱؍ مئی کو وہاں جانا ہے انجمن کی میٹنگ میں، اپنے سامنے اس کام کو کرادوں گا۔ وہ مضمون مثنویاتِ شوق کا تمہیدی حصّہ ہے۔ انجمن سے ابھی تک یعنی آج تک میرے خط کا جواب نہیں آیا ہے۔ یہ خط پہلے آیا تھا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ میں نے لکھا کہ اسے فوراً روک دیا جائے، کیوں کہ اس حصّے کی کتابت ازسرِ نو ہوگی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔ خیر، ۲۱؍ مئی بھی دور نہیں ہے۔ آپ نے بروقت توجہ دلائی اس کے لیے ممنون ہوں۔ خدا کرے دہلی والے کچھ شرارت نہ کریں۔ جی لگا ہوا ہے کہ مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ایک خط آج پھر ابھی لکھ رہا ہوں۔

ہاں برادر! ڈاک کا احوال بُرا ہے آج کل۔ اگر آپ غیر مناسب نہ سمجھیں تو مخمور کو ایک احتیاطی خط لکھ دیں۔ وہاں جناب ... بھی تو ہیں، ان کی شرارت سے ڈرتا ہوں۔ آپ بھی ان کو خوب جانتے ہیں۔ خط لکھ ہی دیجیے اس وجہ سے۔ احتیاط اچھی ہوتی ہے۔

"نوری" سے شوستری صاحب مراد نہیں ہوں گے، بل کہ نہیں ہوسکتے۔ وہ عالمِ دیں اور

یہاں بیان ہے راگ ورنگ کا اور ڈھول تاشوں کا۔ میر حسن متعدد مقامات پر رعایتِ لفظی کے بُری طرح مارے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ویسا ہی مقام ہے۔ اردو میں میں نے دیکھ لیا۔ کوئی صاحبِ دیوان نوری اس زمانے تک نہیں تھا۔ تذکرۂ میر حسن میں صرف دو نوری ہیں، پھٹکر اشعار کے مالک اور بس۔

چہل کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ اب مزید اطمینان ہوا۔

جی ہاں، بمبئی میں دو ماہ رہنا ہوگا۔ وہاں سے میں تقریب میں شرکت کے لیے شاید نہیں آسکوں گا۔

۱۹ر مئی کو ریڈیو اسٹیشن آنا ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے پہنچوں گا۔ بھائی، اگر آپ اس وقت وہاں فون کرلیں غزالہ شہناز کو، تو آپ سے بات ہو جائے۔ فوری طور پر واپسی ہوگی۔ ریڈیو سے سیدھا بس اڈے، موسم کی برداشت اب مشکل ہوتی جارہی ہے۔ آپ کی طرف اس دن نہیں آپاؤں گا صائمہ سے کہیے کہ وہ اہتمام ابھی سے شروع کردیں، ان کی خاطر مکمل بد پرہیزی کروں گا، مگر ذرا سا وقفہ مل جائے۔ ذہنی طور پر ذرا پریشان ہوں کہ گردن میں پرانی جگہ پر پھر کچھ اٹھان محسوس ہونے لگا ہے۔ یہ چھے ماہ کے علاج سے بالکل ختم ہو گیا تھا، گھبرا کر بمبئی جانے کا پروگرام بنایا، گھر میں کسی کو بھی نہیں معلوم، بتانا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ آپ بھی ابھی کسی سے نہ کہیں۔

آپ میری خاطر ایک زحمتِ ناروا اور بے جا گوارا کرلیں گے؟ شمیمہ رضوی سے فون پر ذرا سی دیر کے لیے بات کرلیجیے اور ان سے پوچھ لیجیے کہ پروگرام کیا ہے۔ اگر مئی میں نہ ہو تو دس جون کے بعد ہرگز نہ رکھیں، میں بمبئی سے نہیں آپاؤں گا، یا پھر انھیں ہوائی جہاز کا کرایہ دینا ہوگا اور اس میں مشکل ہوگی ان کو۔ ۱۲ر جون کے بعد کسی تاریخ کو بمبئی جاؤں گا۔ وہاں کا فون نمبر ہے 6102068۔

کل آپ کے خط کا انتظار کروں؟

رشید حسن خاں

(۴۰)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۱ر مئی ۱۹۹۸ء

نیر صاحب!

میں دہلی نہیں جاسکا، رزرویشن کرالیا تھا، سامان تیار کرلیا تھا، سوا بارہ بجے گھر سے چلنا تھا۔

اچانک گیارہ بجے سینے میں کچھ درد محسوس ہوا اور ذرا سی بے چینی کا احساس ہوا۔ ہمت ٹوٹ گئی، سفر ملتوی ہو گیا۔ نقصانِ مایہ الگ۔ آج بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ ذرا سا سیدھا ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں بستر ہی پر۔ ہائے ہائے! بستر کس کام کے لیے بنا ہے اور میرے حصّے میں کیا آ رہا ہے، .... بر تو اے چرخ......

ایک ضروری بات: فرہنگ بنا رہا ہوں، اس میں فارسی اشعار کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ شعر بھی ہے (حضرت علی کے لیے):

خدا نفسِ پیغمبرش خواندہ است　　　اگر افضلیت بہ کس ماندہ است

کیا یہ لحمک لحمی کی طرف اشارہ ہے؟ یہاں 'نفس' کا ترجمہ کیا ہوگا، اپنی ذات کا حصّہ یا کچھ اور۔ چودھری صاحب کے ڈر کے مارے آپ سے پوچھ رہا ہوں، وہ اسے بھی اش اش (عش عش) بنا لیں گے۔

نیّر صاحب! اس کے بعد جیسا کہ میں نے وعدہ کیا ہے، امراؤ جان کا کام تو کرنا ہی ہے کہ اس کے مقدّمے میں اپنی صفائی دینا ہے اور اپنی تصحیح بھی کرنا ہے؛ اس کے بعد میں ادبیاتِ اودھ سے کچھ سروکار نہیں رکھوں گا۔ ہر شخص تو شیعہ سنّی کی عینک لگائے بیٹھا ہوا ہے، اس بکھیڑے کو کون مول لے۔ اب جو کروں تو رام دہائی۔ میں نے فسانۂ عجائب، گلزارِ نسیم، سحرالبیان، مثنویاتِ شوق کا کام کیا، یہ سب لکھنوی ادب کا حصّہ ہیں اور نسیم کے سوا سب شیعہ ہیں۔ میں نے تو یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں سنّی ہو کر یہ کیوں کروں۔ سنّی مصنّفین کا انتخاب کیوں نہ کروں۔ میرے حاشیۂ خیال میں بھی ایسی بات کبھی نہیں آئی، آ ہی نہیں سکتی تھی، اور میں نے معصوم عن الخطا ہونے کا دعوا بھی کبھی نہیں کیا۔ لیجیے، ''دعوا'' لکھ گیا، اب اس پر بھی چودھری صاحب کی ڈانٹ سننا پڑے گی۔ خدا مجھ پر رحم کرے!! آپ نے یقین ہے کہ مخمور کو خط لکھ دیا ہوگا۔ اس خط کا جواب جلد تر عنایت ہو، تا کہ فرہنگ مکمّل ہو سکے۔

رشید حسن خاں

خط میرا ویسے ہی کچا ہے، آج جس طرح لکھ رہا ہوں، اس نے اور خرابی پیدا کر دی ہے۔ آپ کی نظروں کو جو زحمت اٹھانا پڑے گی اس کی معذرت۔

پسِ نوشت: خدا نفسِ پیغمبرش خواندہ است، یہاں فاعل خدا ہے، اس لیے قولِ رسول تو مراد ہو نہیں سکتا، کوئی آیت مراد ہوگی، وہ کون سی ہے؟

(۴۱)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۹؍مئی ۱۹۹۸ء

برادرم!

آج تک جوابِ خط کا انتظار کرتا رہا۔ آج یاددہانی کا یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میں نے اپنے خط میں 'سحرالبیان' کا یہ مصرعہ لکھا تھا: ''خدا نفسِ پیغمبرش خواندہ است'' (منقبتِ حضرت علی میں)۔ دریافت طلب بات یہ تھی کہ یہاں کس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ''نفسِ پیغمبر'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہوگا۔ میری طبیعت بھی ویسی ہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا جواب مجھے جلد تر مل جائے۔ میں سحرالبیان سے متعلق سارے کاغذات، سب نسخے اور ضروری کتابیں ساتھ لے جاؤں گا بمبئی، تاکہ وہاں جیسے ہی مہلت ملے، اس کام کو کرتا رہوں۔ اس کا امکان ہے کہ مجھے وہاں کچھ زیادہ وقت لگ جائے۔

بھائی! اس خط کا جواب جلد تر لکھیے۔ ولی الحق انصاری صاحب کا بھی خط آیا ہے۔ ان کو ایک دو دن میں خط لکھوں گا، ذرا سا سکون مل جائے تب۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ خرابیِ طبیعت کی بنا پر میں دہلی نہیں جاسکا۔ آرام کر رہا ہوں۔ چشم براہ ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۲)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۴؍جون ۱۹۹۸ء

نیرؔ صاحب! آداب

خط مل گیا۔ میرا یاددہانی کا خط ملا ہوگا، اسے کالعدم سمجھیے۔ میری طبیعت دوگونہ ٹھیک نہیں۔ دہلی نہ جانے کا باعث اسی دلِ نامراد کا اضطراب تھا۔ آٹھ بجے تک ٹھیک تھا۔ بارہ بجے رات کو گھر سے چلنا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے بائیں طرف ہلکی سی خلش محسوس ہوئی اور پھر چبھن۔ ڈر لگنے لگا، ہمت ٹوٹ گئی۔ رات بھر یہی کیفیت رہی۔ بارے صبح ہوتے آرام آگیا۔ بمبئی میں جس ڈاکٹر سے دل سے متعلق مشورہ کرتا ہوں، اس نے پچھلی بار انجوگرافی کا مشورہ دیا تھا، مگر وہ کیسے ہو پاتی۔ اب کے جب بمبئی جاؤں گا تو یہ کام بھی دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ ہو جائے گا کہ اب پہلے والی مشکل

نہیں رہے گی۔ اس انعام سے سب سے بڑا فائدہ مجھے یہی پہنچے گا۔

ادھر ۳۰ رمئی کی رات میں ڈائریا سے نپٹنا پڑا۔ رات میں ڈاکٹر کو آنا پڑا۔ نقاہت اس کی یادگار اب تک ہے۔ آپ کو یاددہانی کا خط بھی بہ مشکل لکھا تھا۔ موسم نے اور طبیعت کے اس انداز نے ہمت پست کردی ہے۔ بجلی کی کٹوتی سے جان پر بن جاتی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ بمبئی میں میرے میزبان نے ملازمت نئی کمپنی میں کرلی ہے، بہتر شرطوں پر، ان کو پچھلا مکان چھوڑنا ہے اور نئے مکان کا انتظام کرنا ہے۔ اس میں شاید کچھ وقت لگے گا۔ جب یہ سب ہوجائے گا، تب جاسکوں گا۔ اس طرح موسم بھی شاید کچھ بہتر ہوجائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب جولائی کے اواخر تک جانا ہوگا، مگر جانا ضرور چاہتا ہوں، خاص کرانجوگرافی کے لیے۔

یہ چند سطریں آپ کی فرمایش کی تعمیل میں لکھی ہیں، تا کہ احوالِ دلِ خانہ خراب معلوم ہوجائے۔ خدا کرے آپ اس موسم میں ممکن حد تک بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۴۳)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی

بمبئی

یکم ستمبر ۱۹۹۸ء

نیّر صاحب! آداب

۷ر جولائی کا آپ کا خط مجھے کل کی ڈاک سے ملا، سیّد محمد اشرف صاحب کا بھیجا ہوا۔ اس عنایت کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ نے لکھا ہے "آپریشن کی خبر پڑھ کر بہت اطمینان ہوا" میں نے اسے بہ طور پیشین گوئی قبول کرلیا۔ معلوم نہیں یہ خبر کس نے دی کہ آپریشن ہوچکا ہے۔

میرے ڈاکٹر جن کے زیرعلاج رہا ہوں، اچانک امریکہ چلے گئے تھے، پرسوں واپس آئے۔ آج صبح ۹ ربجے ان کے یہاں گیا تھا، ابتدائی معائنہ مکمل ہوگیا۔ کل ۱۰ ربجے ریڈیالوجی کے سکشن میں جانا ہوگا اور پھر پرسوں ایک اور ٹسٹ کے لیے، ان کی رپورٹ ملنے پر علاج کا تعین ہوگا۔ خیال یہ ہے کہ چار، پانچ دن کے بعد، یعنی سب رپورٹیں ملنے کے بعد علاج شروع ہوگا، جو بھی ہو اور جس طرح کا ہو۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ یہاں دن بھر بارش ہوتی رہتی ہے۔ گھر سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ سنا ہے وہاں بھی یہی احوال ہے۔ میں بمبئی یکم اگست کو پہنچا تھا۔ یہاں سے گھر کب پہنچوں گا، ابھی معلوم نہیں۔ شاید چند روز میں معلوم ہوسکے۔

احوال پرسی کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴۴)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
بمبئی
۴ر ستمبر ۱۹۹۸ء

نیر صاحب!

آپ کا خط ملا تھا۔ میرا خط ملا یا نہیں؟ شبہ یوں پیدا ہو گیا ہے کہ شاید پتے میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ کچھ ایسا یاد پڑتا ہے، اس لیے یہ دوسرا خط احتیاطاً لکھا ہے۔

غالباً میں نے لکھا تھا کہ ریڈیالوجی ٹسٹ ہونا ہے، وہ کل ہو گیا۔ اب ۷ر ستمبر کو سٹی اسکین ٹسٹ ہے، جس میں سنا ہے کہ کسی مشین میں بند کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ویسا ہی ایک اور ٹسٹ ہو گا۔ اسپتال کا احاطہ، کچہری کا مرادف بن گیا ہے لوٹ مار میں۔

میں ۲۷ر ستمبر کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ شاید جلد ہی پھر بمبئی آنا ہو گا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ صائمہ کے خط کا جواب بھی اسی لفافے میں تھا۔

رشید حسن خاں

(۴۵)

بنام: ڈاکٹر نیر مسعود رضوی
بمبئی
۲۱ر ستمبر ۱۹۹۸ء

برادرم!

سیّد محمد اشرف صاحب نے آپ کا خط بھیجا تھا، میں نے فوراً اس کا جواب لکھ دیا تھا۔ آج صبح باقر مہدی صاحب کا فون آیا، اس سے معلوم ہوا کہ میرا خط آپ تک نہیں پہنچا، اس لیے یہ دوسرا خط لکھ رہا ہوں۔

۳ر ستمبر کو ریڈیالوجی ٹسٹ ہوا تھا، پھر تین دن کے بعد سی.ٹی.اسکین ٹسٹ ہوا ہے پھر ایک اور، اور آخر میں خون کے مختلف ٹسٹ۔ تین ڈاکٹروں سے مشورہ کیا گیا۔ کسی قطعی نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکا۔ دوائیں لکھ دی ہیں۔ دو ماہ بعد پھر آنا ہو گا اور تب پھر سے کچھ ضروری ٹسٹ ہوں گے۔

میں ۲۶ر ستمبر کو یہاں سے روانہ ہوں گا اور ۲۷ر کو شاہ جہان پور پہنچوں گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ صائمہ اور ثمرہ کو بہت سی دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۴۶)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۱۰ر اکتوبر ۱۹۹۸ء

برادرام!

آپ کے سبھی خط مل گئے تھے، آج ایک اور خط ملا۔ پچھلے خطوں کی رسید بھیج چکا ہوں۔
میرٹھ سمینار کا دعوت نامہ آیا تھا؟ کیسے جاتا، معذرت کرلی۔ نہ ہمت، نہ سکت، نہ فرصت۔ آپ کی ساری باتیں سر آنکھوں پر؛ مگر دہلی میں ایک بار میں نے ایک ڈاکٹر سے ذرا سا اختلاف کیا تھا، اس نے کہا: ڈاکٹر میں ہوں یا آپ؟ اس دن سے ڈاکٹروں کی باتوں سے اختلاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہر چہ باد آباد۔ آدمی بہت دن جی کے کرے گا بھی کیا، نامۂ اعمال کے اندراجات میں جتنا کم اضافہ ہو اتنا ہی اچھا ہے۔

مطلوبہ مضمون بھیج رہا ہوں۔ صائمہ کو بہت سی دعائیں اور ثمرہ کو بھی۔

اس لفافے کی رسید کا منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۴۷)

بنام: ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۱۷ر فروری ۱۹۹۹ء

نیّر صاحب! آداب

۳ر فروری کا خط ملا تھا۔ تدوینِ امراو جان میری بھی خواہش ہے، مگر وہی بات: ہزاروں خواہشیں ایسی کہ... لندن سے عکس کون منگوائے۔

میں فروری کے اواخر یا مارچ کے اوائل میں دو ماہ کے لیے بمبئی جاؤں گا۔ وہاں سے بہ عافیت واپسی پر اگلے کام کے متعلق کچھ طے کرسکوں گا۔

باقی حالات بدستور ہیں۔ صائمہ اور ثمرہ کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۴۸)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۲/اپریل ۱۹۹۹ء

نیرّ صاحب! آداب

خط ملا تھا۔ ۱۶/اپریل کو بمبئی کے لیے روانگی ہے۔ غالباً وسطِ جون میں واپسی ہوگی۔ تب تک عابدی صاحب کا خط آچکا ہوگا۔ میں انتظار کروں گا۔

بمبئی کا پتا ابھی متعین نہیں۔ وہاں جا کر پتا چلے گا۔

صائمہ کو پیار۔

رشید حسن خاں

(۴۹)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۲۶/مئی ۱۹۹۹ء

نیرّ صاحب! آداب

میں کم و بیش ڈیڑھ مہینے کے بعد ۲۲/مئی کو ممبئی سے واپس آیا ہوں۔ ان کتابوں کی واپسی میں بہت تاخیر ہوئی، ناروا تاخیر، اس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ ازراہِ لطف اس پیکٹ کی رسید سے مطلع فرمایئے۔ صائمہ کو پیار۔

رشید حسن خاں

(۵۰)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
۵/اگست ۱۹۹۹ء

نیرّ صاحب! آداب

کل آپ کا خط ملا۔ بہت تشویش ہوئی۔ مگر اطمینان کی بات یہ ہے کہ اب ان میں سے کوئی بیماری لاعلاج نہیں، بہت کم مدّت میں یہ ٹھیک ہوسکتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ پہلے کی طرح بہ عافیت تمام کارفرما ہوں گے۔

خدا بخش لائبریری سے میرے پاس کچھ نہیں آیا۔ ہاں فاروقی صاحب کا خط ضرور آیا تھا۔

مجھے یقین ہے کہ اس خط کے پہنچنے تک آپ کی صحت پہلے سے بہت بہتر ہوگی۔

رشید حسن خاں

(۵۱)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۱۷ر جنوری ۲۰۰۱ء

نیرّ صاحب! آداب

۱۰ر جنوری کا خط ملا، شکریہ۔ میں بس ٹھیک ہی ہوں۔ اگلے مہینے کسی وقت بمبئی جاؤں گا سالانہ چک اَپ کے لیے۔ کچھ یہ بھی ہے کہ پرانی تکلیف پھر ذرا ابھر آئی ہے، اس کو بھی دکھانا ہے۔ میں فروری کے دوسرے ہفتے میں جاؤں گا اور واپسی شاید مارچ میں کسی وقت ہو سکے گی۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔ صائمہ کو خط لکھ دیا تھا۔

رشید حسن خاں

(۵۲)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۴ر فروری ۲۰۰۱ء

برادرم!

خط ملا۔ میری صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی، بس بندگی بے چارگی والی بات ہے۔ کام کا آپ نے پوچھا ہے، فی الوقت سب نذرِ تعطل ہے۔ کوئی بھی کام نہیں ہو پا رہا ہے۔

آپ کی کامل صحت یابی کا متمنی ہوں۔

رشید حسن خاں

(۵۳)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۷ر دسمبر ۲۰۰۱ء

نیرّ صاحب! آداب

آپ کا جوابی خط کئی دن پہلے ملا تھا۔ موسمی اثرات کے سبب لکھنا پڑھنا بند تھا، یوں جواب

میں تاخیر ہوگئی۔آپ نے لکھا ہے کہ جعفر والا کام ختم کے قریب ہے۔اس کا احوال یہ ہے کہ وہ ابھی شروع بھی نہیں ہوا، پیش رفت کا حال کیا لکھوں۔ پٹنے کے مدرسۂ سلیمانیہ میں کلامِ جعفر کا ایک خطی نسخہ ہے،اس کی فکر میں ہوں۔مل جائے تو کام شروع ہو۔ معلوم نہیں ملے گا یا نہیں۔

چلنا پھرنا میرا ابھی نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہاں، اپنے جس خط کا حوالہ آپ نے دیا ہے، ایسا کوئی خط مجھے قطعاً نہیں ملا۔ میں خط کا جواب لکھنا من جملۂ فرائضِ اخلاقیات مانتا ہوں، جواب نہ لکھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ جوابی خط لکھنے پر اب کیا کہوں! خیر، یہ بھی سہی۔ خدا کرے آپ پہلے سے بہتر ہوں۔ صائمہ کو دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۵۴)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۹رجنوری ۲۰۰۲ء

نیرّ صاحب! آداب

جعفر والا کام شاید دو ماہ کے بعد شروع ہو سکے گا۔ابھی بعض ضمنی مصروفیات مانع ہیں۔

صحت میری بس یوں ہی سی ہے، بہ ہر طور قلم کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہو سکی ہے اور یہی بہت ہے۔اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ آپ کی صحت کا متمنی ہوں۔ خدا کرے سردیوں کے بعد وہ اثرات زائل ہو جائیں۔

رشید حسن خاں

(۵۵)

بنام: ڈاکٹر نیرّ مسعود رضوی
شاہ جہان پور
۳۱ردسمبر ۲۰۰۲ء

نیرّ صاحب! آداب

۲۳ردسمبر کا خط ملا، شکریہ۔ طبیعت کا احوال پڑھ کر پریشانی ہوئی۔ خدا کرے آپ جلد تر پوری طرح صحت یاب ہو جائیں۔

میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر نے سفر کرنے سے اور زیادہ چلنے سے منع کر دیا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ پیس میکر جلد تر لگوا لینا چاہیے۔ نقاد اور ڈاکٹر کی سبھی باتوں کو ماننا ضروری نہیں سمجھتا، یوں دواؤں پر اکتفا کر رہا ہوں۔لکھنا پڑھنا بڑی حد تک بند ہے پچھلے ڈیڑھ مہینے سے۔ہاں، زٹلّی کا

کلیات مرتب ہو گیا؛ مگر اسے چھاپنے والا کوئی نہیں، یوں رکھا ہوا ہے۔ اس سے بہت مسرّت ہوئی کہ انیسؔ سے متعلق کتاب چھپ گئی۔

آپ کی بحالیِ صحت کا متمنی۔

رشید حسن خاں

(۵۶)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۲۸ر اپریل ۲۰۰۳ء

نیرؔ صاحب! آداب

تاسف نامہ ملا۔ آپ کے الفاظ سے بہت سکون ملا، خدا آپ کو خوش رکھے۔

خدا کرے آپ کی طبیعت اب ٹھیک ہو۔

رشید حسن خاں

(۵۷)

بنام: ڈاکٹر نیرؔ مسعود رضوی

شاہ جہان پور

۳۰ر مئی ۲۰۰۳

نیرؔ صاحب! آداب

آج ہی لفافہ ملا۔ اگر ذرا سی سکت ہوتی تو صائمہ کو رخصت کرنے والوں میں ضرور شامل ہوتا۔ میرے لیے اس بچی کی رخصت شاید بہت زیادہ مسرّت کی بات ہے کہ وہ اپنی حقیقی زندگی شروع کرے گی۔ خدائے پاک اسے ہمیشہ شادمان و کامران رکھے، اسے نعمتوں سے نوازے اور اس کے شریکِ حیات کو خوش وخرم اور بامراد رکھے۔ یہ موقع مسرّت وغم کا عجیب آمیزہ ہوا کرتا ہے کہ گھر کی رونق جانے کا غم اور ایک اور گھر کی رونق بڑھانے کی دعائیں۔ انسانی زندگی شاید ایسے ہی تضادات سے عبارت ہے۔ جب بھی عید آئے گی اور نیا سال آئے گا صائمہ مجھے بہت یاد آیا کرے گی۔ میں اسے واقعتاً اپنی بیٹی جیسا سمجھتا رہا ہوں۔ وہ جس طرح مجھے یاد رکھتی تھی اس کا نقش میرے دل پر ہمیشہ رہے گا۔ خدا اسے ہر حال میں ہمیشہ خوش رکھے اور اپنی نعمتوں سے نوازے اور بہت کامیاب زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ یہ خط سہ ماہی 'اردو ادب' بابت جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۸ء سے لیا ہے، جو بہ عنوان ''رشید حسن خاں کے خطوط (نیّر مسعود کے نام)'' ص ۱۳۷، ۱۳۸ پہ شائع ہوا ہے۔

۲۔ یہ خطوط سہ ماہی ''اردو ادب'' بابت جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۸ء سے لیے گئے ہیں۔

۳۔ خط کی پشت پر پتا یوں درج ہے:

Dr. N. M. Rizvi
Adabistan, Din Dayal Road, Lucknow (U.P.) Pin: 226003

خط پر سرنامے کی جگہ مقام درج نہیں۔ لیکن اِن لینڈ کے پیچھے ڈاک خانے کی ہلکی مہر دہلی کی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ خط دہلی یونی ورسٹی کے پتے سے ہی لکھا گیا ہے۔

۴۔ خط کی پشت پر لکھنؤ کے ڈاک خانے کی مہر ۳/جنوری ۱۹۹۵ء کی لگی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ یہ خط ۴/جنوری کو نیّر مسعود صاحب کو مل گیا ہوگا۔ پتا پہلے والا ہی ہے۔ خط کے اوپر مقام و تاریخ درج نہیں۔ یہ بھی اِن لینڈ لیٹر ہے۔

۵۔ مرحوم رشید حسن خاں صاحب نے ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی کے نام چند خط ایسے لکھے ہیں، جن میں سرنامے کی جگہ خالی ہے اور اوپر تاریخ بھی نہیں درج ہے۔ ہاں نیچے اُن کے نام کے ساتھ تاریخ درج ہے۔ یہ اِن لینڈ خطوط ہیں اور ان کی پشت پر جس کے نام خط ہے اُس کا مکمل پتا درج ہے۔ لیکن لکھنے والے کا پتا درج نہیں ہے۔

۶۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔

۷۔ ''براہ'' کو مرحوم رشید حسن خاں نے اکثر ''بہ راہ'' لکھا ہے۔ ملا کر لکھنے کی صورت اس خط میں دکھائی دی ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج نہیں۔ تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ ٹکٹ پر ۱۰/مارچ کی ڈاک خانے کی مہر ہے۔

۸۔ ۲۹/مارچ ۱۹۹۵ء والے خط پر بھی سرنامے کی جگہ خالی ہے مقام اور تاریخ درج نہیں۔ آخر میں نام کے نیچے تاریخ درج ہے۔ مکتوب الیہ کا پتا یوں درج ہے: اردو میں، ڈاکٹر نیّر مسعود رضوی۔ انگریزی میں:

Dr. N. M. Rizvi, Adabistan, Din Dayal Road, Lucnow (U.P.) Pin: 226003۔ لیکن اس خط کی پشت پر مختلف ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ دہلی والی ۳۰/مارچ، جے پور سٹی والی ۳۱/مارچ، لکھنؤ والی ۶/اپریل اور مہر کے نشان دھندلے ہیں پڑھے نہیں جاتے۔ معلوم نہیں یہ خط جے پور سٹی کیسے چلا گیا۔ یہ ڈاک خانے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۹۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۰۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۱۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۲۔ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ یہ اِن لینڈ لیٹر ہے۔ مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے پتے پشت پر درج ہیں۔ ڈاک خانے کی ایک مہر ۱۹/جون کی ثبت ہے۔

۱۳ مقام اوپر نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ پشت پر ڈاک خانے کی تین مہریں ہیں جن میں دہلی کی ۲۶؍جون ۱۹۹۵ء ثبت ہے اور کوڈ 110004 ہے۔ پشت پر مکتوب نگار و مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۴ مقام اوپر درج نہیں، تاریخ نیچے درج ہے۔ پشت پر دونوں حضرات کے پتے درج ہیں۔ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں۔ ایک ۳۰؍جون دہلی کی اور دوسری ا؍جولائی ۱۹۹۵ء کی۔

۱۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہیں۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ قیمت ۷۵ پیسے۔

۱۶ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ اس خط کی پشت پر ڈاک خانے کی تین مہریں ثبت ہیں، جن میں سے ایک ۲۶؍جولائی ہے۔

۱۷ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔ پشت پر دو مہریں ہے لیکن دونوں دھندلی ہیں۔

۱۸ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۱۹ مقام اوپر نہیں اور تاریخ نیچے درج ہے۔

۲۰ مقام اوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔ خاں صاحب نے کبھی کبھی صرف گاڑ ہال لکھا ہے۔ راقم نے سرنامے پر پورا پتا لکھ دیا ہے۔ خاں صاحب نے سنہ عموماً دہائیوں میں لکھا ہے مثلاً ۹۵ء تو راقم نے اسے ۱۹۹۵ء کر دیا ہے، کیوں کہ صدی بدل چکی ہے۔ اکیسویں صدی کے شروع میں جو اُنھوں نے تاریخیں لکھی ہیں اُن کے ساتھ ساتھ صدی بھی شامل ہے۔

۲۱ یہ خطوط سہ ماہی ''اردو ادب'' بابت جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۷ء سے لیے گئے ہیں۔ اڈیٹر نے بعض خطوط میں سے کچھ جملے حذف کر دیے ہیں۔ لیکن میں اس بات کے حق میں نہیں۔ اور نہ خاں صاحب مرحوم کسی متن نگار کے متن میں سے حذف و اضافے کے حق میں تھے۔

۲۲ یہ خط رشید حسن خاں کا بہ نام نیّر مسعود سہ ماہی ''اردو ادب'' بابت جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۸ء میں ص ۱۳۸ پہ شائع ہوا ہے۔

★★★

بنام ویریندر پرشاد سکسینہ

(۱)

شاہ جہان پور

۲۳ر جولائی ۱۹۹۶ء[۱]

محبی سکسینہ صاحب!

آپ کا خط ملا، شکریہ۔ جگدیش سہائے سکسینہ مرحوم کے بڑے صاحب زادے دہلی میں ہیں۔ اُن کے پاس مجموعۂ کلام کے نسخے شاید ہوں۔ میرے پاس کوئی زائد نسخہ نہیں، ورنہ ضرور بھیج دیتا۔ اُن کا پتا یہ ہے:

Mr. R. S. Saxana, Editor English N.C.E.R.T
New Delhi - 110016

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

(۲)

بنام: ویریندر پرشاد سکسینہ

شاہ جہان پور

۱۲ر فروری ۲۰۰۱ء[۲]

مکرّمی سکسینہ صاحب! آداب

آپ کا خط ملا، یاد کرنے کا شکریہ۔ دلؔ صاحب کا مجموعۂ کلام میرے پاس نہیں۔ اُن کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے، اُن کے پوتے سے میری ملاقات نہیں۔ اِس سلسلے میں میں آپ کی فرمائش کی تعمیل نہیں کرسکتا، اِس کے لیے آپ سے معذرت طلب ہوں۔

ہولیؔ کی باسی مبارک باد قبول فرمائیے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: ویریندر پرشاد سکسینہ
۲۲-باڑوزئی دوم
شاہ جہان پور (یو.پی)
۳۰ر مارچ ۲۰۰۱ء[۳]

مکرّمی! آداب

۱۶ر مارچ کا خط ملا تھا۔ میں ہندی زبان سے ناواقفیت کی حد تک واقف ہوں۔ اٹکل سے عبارت پڑھ لیتا ہوں مگر کسی واقف کار کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔ اِس وجہ سے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ فن پر ہندی میں کوئی کتاب ہے کہ نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی فرمایش کی تعمیل نہیں کرسکا، از راہِ لطف میری معذرت قبول کیجیے۔ توقع کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

رشید حسن خاں

پتا: جناب ویریندر پرشاد سکسینہ

Mr. Verandar Parshad, Nai Sarai, Badaun (U.P), Pin: 243601

حواشی:

۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ پہلا اور دوسرا خط، اِن لینڈ لیٹر پر ہیں جن کی قیمت بالترتیب ۷۵ پیسے اور دو روپے ہے۔ تیسرا پوسٹ کارڈ ہے ۲۵ پیسے کا۔ پہلے خط پر ڈاک خانے کی ایک مہر ۲۵ر جولائی کی ہے۔ دوسری مہر دوسرے خط پر 14-3-01 کی ہے۔

۲۔ پہلے اور دوسرے خط کی پشت پر ویریندر نے خود لکھا ہے کہ "جواب دے دیا گیا ہے" 6-10-96 اور 16-3-01 نیچے "ویریندر" لکھا ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳۔ مقام اُوپر اور تاریخ نیچے درج ہے۔

★★★

بنام یعقوب میراں مجتہدی

(۱)

شاہ جہان پور
۲۲رمئی ۱۹۹۸ء

مکرمی! آداب

گرامی نامہ مرقومہ ۱۶رمئی موصول ہوا۔ یادآوری کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ بڑا کام کررہے ہیں۔ مشرق میں بڑے انفرادی کاموں کی جو روایت رہی ہے، آپ اُسے زندہ کررہے ہیں۔ یہ بڑی بات ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ جب یہ لُغت مکمّل ہوگا اور شائع ہوگا، تو اس سے اردو والوں کو اور دوسرے لوگوں کو بہت مدد ملے گی اور یہ اپنے انداز کا عمدہ کام ہوگا اور منفرد۔

''خزادہ'' کے سلسلے میں مہدوی حضرات سے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ شکر گزار ہوں۔ میں اس سے واقف نہیں تھا۔ املا کے سلسلے میں جب بھی آپ کوئی استفسار بھیجیں گے، میں بہ خوشیِ خاطر اُس کا جواب لکھوں گا، اطمینان رکھیے۔

خدائے پاک آپ کو بہ صحت و عافیت رکھے کہ آپ اس کام کو مکمّل کرسکیں۔

مخلص
رشید حسن خاں

جناب یعقوب میراں مجتہدی
Janab Yaqoob Miran Mujtahedi, 16-3-807/1/A,
Chanchalguda, opp. Zaaiqa Coffee House
Hydarabad, Pin: 500024 (A.P)

رشید حسن خاں
167-Baroozai-II, Shahjahan Pur (U.P), Pin: 24001

(۲)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۹ر جون ۱۹۹۸ء[۲]

مکرّمی! آداب

جواب میں تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ میری طبیعت ناساز تھی، موسم گرم تر ہے اور اِس قدر کہ کام کرنا مشکل ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ بجلی گھنٹوں کے لیے غائب ہوجایا کرتی ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

بمبئی میں چند روز، شاید ۱۵، ۲۰ دن رہوں گا اور پھر وہیں سے راجدھانی سے واپسی ہوگی، واپسی کا سارا انتظام سمینار والوں کے ذمّے ہوگا، اِس لیے آپ مطمئن رہیے۔ میں بہ ہر حال اس زحمت دہی کے لیے آپ سے معذرت طلب ہوں۔ معاف کیجیے گا۔ اس وقت کاغذ نہیں تھا، یوں اس ٹکڑے پر اپنی بات لکھی ہے۔ اب دن چڑھے تو کسی کو بازار بھیجوں گا۔ رجسٹری محض احتیاطاً کر رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۱۰ر دسمبر ۱۹۹۸ء[۳]

مکرّمی! آداب

تاخیر سے آپ کا خط ملا۔ ''حظیرہ'' (مع ظ) عام لفظ ہے۔ قبرستان کے معنوں میں انتقالِ معنی ہوا ہے۔ اصلی معنی ہیں: وہ باڑا (احاطہ) جو نرکل وغیرہ سے جانوروں کی حفاظت کے لیے بنایا جائے۔ پروفیسر عالم خوندمیری سے میں واقف تھا۔ بندگی۔ حضرت بندگی۔ بندگی میاں یہ سب پرانے الفاظ ہیں جو مستعمل رہے ہیں اور اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہیں۔ تصوّف سے متعلق کتابوں میں خاص کر ملفوظات میں بندگی کا لفظ اِسی انداز سے مستعمل رہا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ یہ خط بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں، دہلی جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوں۔

مخلص
رشید حسن خاں

(۴)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۵/مئی ۱۹۹۹ء[۴]

حضرت سلامت!

میں سوا مہینے کے بعد بمبئی سے پرسوں واپس آیا ہوں۔ یہاں آپ کا خط محفوظ تھا۔ تاخیرِ جواب کی معذرت، مگر یہ امر مجبوری تھا۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۵)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۳/جون ۱۹۹۹ء[۵]

مکرمی! آداب

۲۹/مئی کا خط ملا، شکریہ۔ میں چھ ہفتے بمبئی میں رہنے کے بعد ۲۲/مئی کو یہاں آیا تھا۔ آپ کا لفافہ ملا تھا اور میں نے غالباً ۲۴/کو یا ۲۵/کو اس کا جواب لکھ دیا تھا اور لفافہ احتیاط کے ساتھ حوالۂ ڈاک کرادیا تھا۔ اب آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ لفافہ آپ تک نہیں پہنچا۔ بہت تعجب ہے اور افسوس بھی۔

اگر اب تک وہ نہ پہنچا ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ڈاک کے ڈاکوؤں کی نذر ہوگیا۔ ازراہِ لطف اِس کی نقل پھر بھیج دیجیے، تاکہ میں کفّارہ ادا کرسکوں۔

آپ نے لکھا ہے ''آپ اپنے خط میں آپ کا فون نمبر لکھیے''۔

''اپنا فون نمبر لکھیے''، لکھیے کا محل ہے۔

میرا فون نمبر ہے: 27804

کوڈ نمبر مجھے یاد نہیں۔ اُسے آپ کسی طرح معلوم کرسکتے ہیں، شاید پوسٹ آفس کے کسی کتابچے میں ہوگا۔

لیجیے صاحب! معلوم ہوگیا۔ کوڈ نمبر ہے: 05842

رات میں دس بجے تک مناسب رہے گا۔ اُس کے بعد مجھے ذرا مشکل ہوگی۔ اور اتوار کو دن بھر۔

رشید حسن خاں

(۶)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۵؍جولائی ۱۹۹۹ء

مکرّمی مجتہدی صاحب! آداب

۲۹؍جون کا خط پیشِ نظر ہے۔ میں اِس ''زحمت'' کو بہ خوشیِ خاطر قبول کروں گا۔ میرے لیے مسرّت کی بات ہوگی۔ آپ صفحات ضرور بھیجیے۔ مَیں کوشش کیا کروں گا کہ اُنھیں جلد تر واپس کر دیا کروں۔

اِس سلسلے کی بعض ضروری باتیں: میری ایک مشکل یہ ہوگی کہ میرے پاس ایسے مضبوط لفافے نہیں ہوں گے جنھیں پیکٹ کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ اِس لیے یہ ضروری ہوگا کہ ہر پیکٹ میں آپ ایک لفافہ رکھ دیا کریں اُس کے سائز کا، جس پر پتا لکھا ہوا ہو، اور بہ قول آپ کے ٹکٹ لگے ہوئے ہوں۔ اِس سے مجھے بہت آسانی ہو جائے گی۔ ٹکٹ کتنے ہوں، اِس کا فیصلہ ظاہر ہے کہ آپ ہی کریں گے۔

اگر آپ کی رائے میں رجسٹری ضروری ہو، تو اُس لحاظ سے، اور اگر سادہ ڈاک سے مناسب ہو تو اُس کے حساب سے۔

یہ وضاحت آپ نے کر ہی دی ہے کہ مجھے صرف اردو کا حصّہ دیکھنا ہے اور یہی مناسب طریقۂ کار ہوگا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

کل وارث علوی صاحب (احمد آباد) کے خط سے معلوم ہوا کہ گجرات اردو اکیڈمی نے اردو گجراتی ڈکشنری شائع کر دی ہے، یکم جولائی کو اُس کا جلسہ تھا۔ اِس لغت کے اردو حصّے کو میں نے دیکھا تھا ابتدا سے تین چوتھائی اجزا تک۔ یہ محض اطلاع ہے، شاید آپ کی دل چسپی کی چیز ہو۔

(۷)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۲۷؍جولائی ۱۹۹۹ء

حضرت! آداب

آج ذرا سا وقت مل گیا تو لغت کے ۲۰ صفحے دیکھے۔ توجہ طلب مقامات آپ کی توجہ کے طلب گار ہیں۔ میں پرسوں دہلی جاؤں گا۔ یکم اگست کو واپسی ہوگی۔ ۲؍کو آرام کروں گا۔ ۷۴ برس کا بوڑھا ہوں تو جلدی تھک جاتا ہوں۔ پھر ۳؍اگست سے آپ کا کام شروع کروں گا۔

ایک بڑی مشکل یہاں بجلی کی کٹوتی ہے۔ صبح ۶ بجے چلی جاتی ہے، پھر ۱۱ بجے اور کسی دن ۱۲ بجے آتی ہے۔ اور میرا کام کرنے کا وقت وہی ہے صبح ۵ بجے سے دن کے ۱۲½ بجے تک۔ رات میں میں کبھی کام نہیں کرتا۔ یہ سب سے بڑی مشکل ہے، یوں وقت کم ملتا ہے۔ بہ ہر طور آپ کا کام پابندی کے ساتھ ہوتا رہے گا۔ یہ کاغذ یادداشتائیوں بھیج رہا ہوں کہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ میں غافل نہیں۔ فون پر کسی دن، خواہ یکم اگست کی رات میں اِس خط کی رسید دے دیجیے گا۔ شکریہ۔

رشید حسن خاں

(۸)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۷؍اگست ۱۹۹۹ء

مجتہدی صاحب! آداب

بارش کے باعث پیکٹ کل نہیں بھیج سکا، اِس دوران دوسرا پیکٹ بھی دیکھ لیا گیا۔ دونوں پیکٹ آج سنیچر کے دن بھیج رہا ہوں۔ پرچہ، جس پر نوٹس ہیں وہ پیکٹ میں رکھنا بھول گیا، اُسے اِس لفافے میں بھیج رہا ہوں۔ وصول یابی سے مطلع فرمائیے۔ اب آپ مزید پیکٹ بھیج دیجیے، تاکہ ہاتھ خالی نہ رہے۔ متعلقہ صفحات پر جا بہ جا حواشی لکھے گئے ہیں اُنھیں دیکھ لیجیے۔

رشید حسن خاں

(۹)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور

۳۰ راگست ۱۹۹۹ء ۹

مجتہدی صاحب! آداب

پانچواں پیکٹ آج ہی بھیج رہا ہوں۔ فون پر آپ سے مختصراً جو کچھ میں نے کہا تھا، اُس کو اِس خط میں تحریر کر رہا ہوں۔ اگر یہ کام ہو سکے تو بہت ممنون ہوں گا اور میرا کام بن جائے گا۔

پرانی آصفیہ لائبریری میں (اب شاید اُس کا نام اسٹیٹ لائبریری ہو گیا ہے) مصطلحاتِ ٹھگی نام کا ایک خطی نسخہ ہے، جس میں ٹھگوں کی زبان کے الفاظ یک جا ہیں۔ (یہ کتاب ایک بار چھپی بھی تھی) میں اس مخطوطے کا عکس حاصل کرنا چاہتا ہوں، کیوں کہ میں اسے مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہاں سے بیٹھے بیٹھے کچھ نہیں کر سکتا۔ اصل میں ایسے کام ذاتی رسوخ کی بنیاد پر ہوتے ہیں، ضابطے کی کارروائی کی بنیاد پر نہیں ہو پاتے۔ اس میں جو کچھ خرچ ہوگا، وہ رقم میں فوری طور پر بہ ذریعۂ منی آرڈر آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ آپ کا تو ڈکشنری ہاؤس متعارف ادارہ ہے، اس لیے آپ اپنے نام سے اس کا عکس آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے ہیں۔ میں اِس زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر اور کوئی صورت ہے نہیں میری نظر میں، اس کے لیے میں ۱۹۶۹ء میں مہینا بھر حیدر آباد میں رہا تھا۔ سالارِ جنگ میں کچھ کام کرنا تھا، اُن دنوں میں نے اِس مخطوطے کو دیکھا تھا پھر اور کاموں میں اُلجھ گیا۔ اب اس کام کو فوری طور پر کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی عنایت کا طلب گار ہوں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۰)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۷ ستمبر ۱۹۹۹ء ۱۰

حضورِ والا!

آپ کا بھیجا ہوا پیکٹ ملا تھا، جس میں کتاب مصطلحاتِ ٹھگی بھی ملفوف تھی۔ اس عنایت اور اِس لطفِ خاص کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ممنون ہوں اور شکر گزار۔

میں نے دو پیکٹ ایک ساتھ بھیجے ہیں، دو تین دن میں آپ کو ضرور مل جائیں گے۔ اب اصل بات: میں تو اُس مخطوطے کا عکس حاصل کرنا چاہتا تھا، جس کو میں خود آصفیہ میں دیکھ چکا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وہاں نہیں۔ افسوس ہوا۔ کتاب خانوں سے خطی نسخے بُری طرح غائب ہو رہے

ہیں یا ضائع ہو رہے ہیں۔

یہ جو مطبوعہ نسخہ ہے، یہ میرے کام میں مددگار نہیں ہو سکے گا، یوں کہ اس کے جو مرتب ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تدوین کے اصولوں کو اور طریقِ کار کو سمجھا نہیں۔ خیر، اس پر بات پھر کبھی ہوگی۔

اس وقت تو مجھے آپ سے یہ درخواست کرنا ہے کہ اس کا جو خطّی نسخہ آندھرا پردیش اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری میں ہے، اُس کا عکس مل سکے تو میں اپنا کام کر سکتا ہوں۔ میں اس متن کو از سرِ نو مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ چوں کہ وہ خطّی نسخہ محفوظ ہے اور میر کرامت علی خاں صاحب سے آپ کے مراسم ہیں، اِس لیے اِس کا قوی امکان ہے کہ اُس نسخے کا عکس مل سکے۔ مجتہدی صاحب! میری یہ آپ سے گزارش ہے اور درخواست بھی کہ آپ اپنے ذاتی مراسم سے کام لے کر، اُس نسخے کا عکس حاصل کیجیے۔ ڈکشنری ہاؤس کو تو عکس ضابطے میں بھی مل سکتا ہے۔ آپ جب اپنے لیے کہیں گے تو کوئی بھی انکار نہیں کر پائے گا۔ یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ عکس کا سارا خرچ میں فوری طور پر پیش کر دوں گا۔ اگر وہ عکس نہ ملا، تو پھر میرا کام رُکا رہے گا۔

ہاں یہ بھی عرض کروں کہ غالباً ۱۸۴۰ء میں یہ کتاب پہلی بار چھپی تھی، میں نے لندن ایک صاحب کو لکھا ہے اُس کی تلاش کے لیے۔ اِسی طرح الٰہ آباد آج ہی خط لکھا ہے امیر علی ٹھگ کے حصول کے لیے۔ اگر وہ مطبوعہ کتاب الٰہ آباد میں مل گئی تو بڑا کام ہو جائے گا۔ امیر علی ٹھگ کے دو ترجے ہیں، دونوں میں نے دیکھے تھے، مگر یہ پرانی بات ہے، اُس وقت یہ خیال نہیں تھا کہ مجھی کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ میں اِس بے جا زحمت اور ناروا فرمایش کے لیے معذرت طلب ہوں، مگر کروں کیا، میرے پاس اُس نسخے کے عکس کے حصول کا کوئی اور ذریعہ ہی نہیں۔ مجھے آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۱)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء[۱۱]

مُحبِّ مکرّم!

پیکٹ ملا تھا جس کی رسید فون پر دے دی تھی۔ اُس کا شکریہ ادا کرنا باقی تھا۔ سو اب آپ کے التفاتِ بے نہایت اور لطفِ بے پایاں کے لیے شکر گزار ہوں اور ممنون۔ آپ نے میرے لیے بہت

زحمت اُٹھائی۔ اِس کا نقش میرے دل پر ہے۔ اب امیر علی ٹھگ کے دوسرے حصّوں یا پورے ناول کے عکس کی ضرورت نہیں۔ یوں کہ اِس حصّے سے، جسے آپ نے بھیجا ہے، اندازہ ہوا کہ اُس میں میرے کام کی باتیں کم ہوں گی، اُنھیں بہ آسانی نظرانداز کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اب اُس کتاب کی فکر نہ کیجیے۔

البتّہ میرا جی لگا ہوا ہے، بل کہ یوں کہوں کہ جان اٹکی ہوئی ہے اُس خطّی نسخے میں جو آندھرا پردیش گورنمنٹ کی لائبریری میں ہے۔ جب تک وہ نہ ملے، میں اپنا کام نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ تو اُسے چھاپ چکے ہیں، یوں اب اُن کو عکس دینے میں تامّل نہیں ہونا چاہیے اور پھر ڈکشنری ہاؤس کو، کہ یہ تو وہیں کے لیے گویا مرتّب ہوا ہے اور لکھا گیا ہے۔ میں آپ سے بہت معذرت طلب ہوں کہ زحمتِ بے جا کا مرتکب ہو رہا ہوں، مگر کروں کیا، کوئی اور سبیل بھی تو نہیں۔ بہ قولِ غالبؔ:

نہ کہوں آپ سے، تو کس سے کہوں مدّعاے ضروری الاظہار

میں آج کل مرزا غالبؔ کی دستی تحریروں سے الفاظ کا گوشوارہ بنا رہا ہوں کہ اُنھوں نے اپنے قلم سے کس لفظ کو کس طرح اور کس کس طرح لکھا ہے۔ اِس کے سو صفحے مکمّل کر لیے ہیں۔ شاید اگلے مہینے کے آخر تک یہ کام مکمّل ہو جائے گا، پھر ٹھگوں والا کام شروع کروں گا۔

متن مصنّف کی ملکیت ہوتا ہے اور اُس کا کوئی ایسا مفہوم قابلِ قبول نہیں ہوسکتا جو مصنّف کی منشا کے خلاف ہو؛ اِس پر میں نے اپنی کتاب تدوین۔ تحقیق۔ روایت میں تفصیل سے لکھا ہے، اُس مضمون میں جس کا عنوان ہے: تدوین میں منشاے مصنّف کا تعیّن۔ میں اُس میں اپنی راے وضاحت سے لکھ چکا ہوں۔ اصل میں یہ یہودی لابی ہے، جس نے بہ ظاہر بڑے بے ضرر طریقے پر اِس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اور ہمارے یہاں ناآشناے راز حضرات اُس کی آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات آخر میں پہنچے گی کہاں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں اور اپنے کاموں میں مصروف ہوں (میری طرح) گیارھواں پیکٹ کل سے دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۲)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۸/دسمبر ۱۹۹۹ء

مکرمی! آداب

کل آپ کا مفصّل خط ملا۔ آپ نے جو تفصیل لکھی ہے، میں اُسے گویا عالمِ خیال میں دیکھ چکا

تھا۔ سرکاری دفاتر میں کام کیسے ہوتا ہے اور بات کیسے بنتی ہے، اِس سے آپ کی واقفیت عمر بھر کی ہے، وہی کام آئی۔ لغت کا وسیلہ بڑا ذریعہ بن گیا۔ اور لغت کا وسیلہ نہ ہوتا، تب بھی آپ کی رسائی اپنے لیے دوسرے ذریعے تلاش کر لیتی۔ اِس سلسلے کی سب سے زیادہ سچی بات یہ ہے کہ آپ نہ ہوتے، تو یہ کام بھی نہ ہو پاتا۔ میرے بس کا تو تھا نہیں۔ بس یہاں سے خطوں کے گھوڑے دوڑاتا رہتا۔

ہاں آپ خوش ہوں گے یہ معلوم کر کے کہ مصطلحاتِ ٹھگی کی اشاعتِ اوّل (۱۸۳۹ء) کراچی میں ہے، ہفتے عشرے میں اُس کا عکس آجائے گا، اِس کا انتظام ہو گیا ہے۔ یہ مطبوعہ کتاب ہے، مگر مخطوطوں سے بڑھ کر کم یاب ہے، اِسے نایاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

اب دو کتابوں کی تلاش باقی ہے۔ ایک تو سلیمن کی انگریزی کتاب Ramaseeana (رمسیانا)۔ اِس کے لیے لاہور، کراچی اور بمبئی خط لکھے ہیں اور لندن بھی خط لکھا ہے کہ یہ وہاں ہے یا نہیں۔ میرا خیال ہے مہینا بھر میں یہ کام بھی بن جائے گا۔

دوسری کتاب ہے امیر علی ٹھگ، جس کے ایک حصّے کا ترجمہ ازراہِ لطف آپ نے بھیجا تھا۔ مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا تھا کہ میں پوری کتاب کے لیے زحمت دوں، جس کے لیے سعدیؔ کہہ گئے ہیں: نقصانِ مایہ دشماتتِ ہمسایہ۔ کہاں ہے۔ یوں میں نے آپ کو منع کر دیا تھا۔ اب میں نے اِس کے لیے بھی کئی خط لکھے ہیں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ کہاں ہے۔ جب یہ معلوم ہوگا کہ کہاں ہے، تب اِس کے حصول کا ڈول ڈالوں گا۔ آپ کو یوں زحمت دینا نہیں چاہتا کہ پہلے ہی آپ کو بہت مبتلائے زحمت کر چکا ہوں۔ اب مزید زحمت دوں گا تو گویا گنہ گار بنوں گا؛ اگرچہ آسان راستہ یہی تھا کہ آپ ہی سے کہتا۔

پچھلے پیکٹ آپ کو اب تک مل چکے ہوں گے۔ یہاں میرے پاس صرف ایک پیکٹ ہے، ۲۲، ۲۰ اور ۲۱ یہاں سے جا چکے ہیں۔ یہ پیکٹ اگلے ہفتے بھیج سکوں گا، تب تک آپ ۲۳ بھیج دیجیے، دونوں کو ایک ساتھ روانہ کر دوں گا۔

یہاں ان دنوں بے تحاشا سردی پڑ رہی ہے، موسم ویسے اچھا ہے۔ بس میری صحت یوں ہی سی رہتی ہے۔ ۲۵/دسمبر کو زندگی کے ۷۴ سال پورے کر لیے، ۲۶/دسمبر سے پچھترواں برس شروع ہو گیا۔ صبح پانچ بجے حسبِ معمول اُٹھتا ہوں اور سارا دن میز پر بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں، اِسی لیے ذہن بٹا رہتا ہے اور بیماری کا احساس حاوی نہیں ہو پاتا۔ اب آپ کی عنایت کے طفیل مصطلحاتِ ٹھگی کا عکس مل گیا، اِس طرح سال ڈیڑھ سال تک کی مصروفیات کا، یا دوسرے لفظوں میں صحت مند رہنے کا سروساماں مہیا ہو گیا۔ جس دن امیر علی ٹھگ اور اُس دوسری کتاب کی اطلاع ملے گی کہ یہ ہیں کہاں، اُس دن سے صحت اور عافیت دونوں کو گویا نئی روشنی ملنے لگے گی۔

موجیم، کہ آسودگیِ ما، عدمِ ماست
ما زندہ ازانیم کہ آرام نگیریم

آپ کی عنایت کا بہ دل و جاں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میر کرامت علی خاں صاحب کا خط آپ ہی کے لفافے میں رکھ دیا ہے، اِسے ازراہِ لطف لفافے میں رکھ کر اُنھیں بھیج دیجیے۔

توقع کرتا ہوں کہ آپ کا لطفِ خاص اِسی طرح میرے شاملِ حال رہے گا اور اِس کتاب کی تدوین تکمیل کو پہنچ سکے گی۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ خط بہ حفاظت آپ تک ضرور پہنچ جائے گا، ڈاک کے ڈاکوؤں کی نظرِ التفات سے محروم رہے گا۔

رشید حسن خاں

(۱۳)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی
شاہ جہان پور
۸ر فروری ۲۰۰۰ء[۱۳]

صاحبِ کرم ہائے بے پایاں، غمگسارِ دور اُفتادگاں جناب یعقوب میراں مجتہدی بسلامت باشند۔

آپ کے لطفِ خاص کا معترف ہوں اور کرمِ بے نہایت کا شکر گزار۔ آپ نے مجھ جیسے ہیچ میرز کے لیے جس قدر اہتمام کیا، اور اِس سے بھی بڑھ کر جو حُسنِ ظن اپنے دل میں پیدا کر لیا، اُس کا بھی سپاس گزار ہوں۔

آج صبح فون پر لفافے کی رسید زبانی پیش کر چکا ہوں۔ یہ معلوم کر کے مزید اطمینان ہوا کہ وہاں سردی کا موسم نہیں ہوگا، جب کہ اب بھی یہاں عالم یہ ہے کہ: صبح نکلے ہے کانپتا خورشید۔ اب صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ راجدھانی وہاں سے دہلی کے لیے کس وقت چلتی ہے، یعنی دہلی کس وقت پہنچے گی۔ یہ بات یوں پوچھ رہا ہوں کہ دہلی سے شاہ جہان پور والی کسی گاڑی کا رزرویشن واپسی کا کرا سکوں۔

حیدرآباد سے ڈاکٹر لئیق صلاح کا فون آیا تھا، یہ سب آپ کے شکر گزار ہوں گے کہ آپ نے سارا بار اپنے سر لے لیا اور ہر طرح کی پریشانی کو ایک میری خاطر برداشت کرنے کا عزم کر لیا۔ (ایسی عاشقی تو آدمی جوانی میں کیا کرتا ہے)۔

پرہیز میرا نہ ہونے کے برابر ہے۔ شام کو صرف دو چپاتیاں کھاتا ہوں ہلکی سی، اور بس۔ ٦ بجے شام کے بعد نہ کافی پیتا ہوں نہ چائے۔ یہ بات شروع ہی سے رہی ہے۔ دوپہر کو بھی دو

چپاتیاں اور چند لقمے چاول۔ مرغّن غذا سے ضرور پرہیز کرتا ہوں۔ مرغّن، یعنی خالص روایتی کھانے جن میں بہت روغن اور زیادہ مسالا ہو۔ ویسے روز مرّہ جیسے کھانے گھروں میں پکتے ہیں، وہ سب بہ خوشیِ خاطر اور بہ رغبت کھاتا ہوں۔ کافی ضرور دن میں دو بار پینا چاہتا ہوں اور جنوب تو کافی کا مرکز اور مخزن ہے۔ ناشتا بہت ہلکا؛ انڈا اور مکھن نہ ہو، اور کچھ بھی ہو، ہر چیز کھالیتا ہوں۔

آپ کے کہنے کے مطابق سردی وہاں نہیں ہوگی، یوں گرم کپڑے ساتھ نہیں لاؤں گا۔ ویسے بھی بہت سے کپڑے خواتین کو درکار ہوتے ہیں؛ مرد بے چارے تو بس دو بش شرٹ دو پتلونوں میں کام چلالیتے ہیں۔ شیروانی میں پہنتا نہیں۔ چوں کہ میں ممکن حد تک کم سے کم سامان کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں، خواہ دہلی کا سفر ہو، بمبئی کا ہو یا حیدرآباد کا؛ یوں بس ایک چھوٹا سا بیگ اور ایک چھوٹا سا ہلکا بریف کیس ٹائپ کا بقچہ، اور بس۔ مجھے تو بس قلم اور کاغذ بہت سا چاہیے، باقی ہر چیز کم سے کم۔ نمود کا میں قائل نہیں اور مجلسی آدمی ہوں نہیں۔ جو شخص دن بھر گوشے میں بیٹھا لکھتا پڑھتا رہے گا، اُسے نمایشی آداب سے اور نمایشی انداز سے قریب کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ کی نوازش کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

یہ گاڑی تو سکندرآباد جائے گی، وہاں سے حیدرآباد تو دور ہوگا۔ لیکن یہ سب آپ نے بہ طورِ خود سوچ لیا ہوگا۔

(۱۴)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۴ر فروری ۲۰۰۰ء

حضورِ والا!

آج صبح فون پر جو حکم ملا، اُس کی تعمیل میں اُسی وقت لفافے کا انتظام کیا۔ کئی تصویریں بھیج رہا ہوں، جو آپ کو پسند ہو، اُسے رکھ لیجیے۔ باقی میں وہاں آکر لے لوں گا۔ پُرانی عمارتوں کی تصویریں عموماً اُن عمارتوں سے بہتر ہوتی ہیں؛ اِس طور پر اگر کوئی تصویر اچھی ہوئی، تو وہ صاحبِ تصویر کی خوبی نہیں ہوگی۔ آپ کو میں نے بہت بے جا اور ناروا زحمت دی ہے بمبئی کے رزرویشن کی۔ مگر اِس طرح مجھے بہت آرام ملے گا کہ میں سفر کی تکرار سے بچ جاؤں گا۔

رشید حسن خاں

(۱۵)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

مُحبِّ مکرّم![۱۵]

توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ مجھے ڈاکٹر انورالدّین کا پتا درکار ہے۔ اُن کی کتاب تو مجھے مل گئی، اُس پر اُن کے گھر کا پتا لکھا ہوا ہے: "نیو آغار پورہ، حیدرآباد"۔ مگر پوسٹل زون نمبر مندرج نہیں اور اس سے بغیر شک رہتا ہے کہ خط پہنچے یا نہ پہنچے۔

یہ بات معلوم ہو سکے تو خوب ہو۔ شوکت حیات صاحب کو خط میں لکھ چکا ہوں عفت کیسی ہیں، بہت سی دعائیں۔ اُنھی کے طفیل تو میں حیدرآباد آیا تھا۔

رشید حسن خاں

(۱۶)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۹/مارچ ۲۰۰۰ء[۱۶]

محبی مجتہدی صاحب! آداب

آپ سے رخصت ہوکر بہ عافیت بمبئی پہنچ گیا تھا۔ وہاں سے ۲۶/مارچ کو روانہ ہوکر، ۲۸/کو شاہ جہاں پور پہنچا۔ ۲۷/کو دہلی میں رہا۔

آپ نے جس محبت، تعلقِ خاطر اور یگانگت کے ساتھ مہمان نوازی کی، جس طرح کے اہتمام کیے اور جس قدر میری عزّت افزائی میں سعی کی، اُس کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ اب ایسے وضع دار کہاں ملتے ہیں۔ حیدرآباد میں میرا قیام ہر لحاظ سے مسرّت بخش رہا اور یہ سب کچھ آپ کے حُسنِ انتظام کا نتیجہ تھا۔ بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور باتیں تو معلوم نہیں کتنی ہوئیں۔ دس دن تک صبح سے شام تک باتیں ہی کرتا رہا، جس میں دوسروں کا حصّہ زیادہ تھا، آپ سے تو کم ہی بات کر سکا۔

یہاں مصیبتِ سفر میری منتظر تھی۔ قطعی طور پر نہ چاہنے کے باوجود ۶/اپریل کو جے پور جانا ہوگا۔ لاکھ انکار کیا کسی نے ایک نہ سنی بندگی بے چارگی والی بات ہوئی۔ خیر، صاحب، جاؤں گا۔ ۱۱/اپریل تک واپسی ہوگی۔

آپ کے صاحب زادے رفعت میاں اور آپ کی بہو عزیزہ بیگم رفعت نے میرا ہر طرح خیال رکھا، دل داری کی اور بہت آرام پہنچایا۔ اِن کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ خدا ے

پاک ان کو ہمیشہ خوش وخرّم رکھے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ ایسے سعادت مند متعلقین آپ کو ملے ہیں۔ یہ دراصل آپ کی نیک نیتی کا ثمرہ ہے، ورنہ سب کو یہ مسرّت حاصل نہیں ہوتی۔

عزیزہ عفّت سلمہا خوش وخرّم ہوں گی۔ اُن کے لیے بہت سی دعائیں۔ اُن کا تو میں ممنونِ احسان ہوں، اِس طرح کہ اُنھی کے طفیل حیدرآباد آنا ہوا اور آپ سے لطفِ ملاقات حاصل ہوا۔ خدا اُن کو ہمیشہ خوش رکھے۔ جب بھی وہ گھر آئیں، اُن سے میری دعائیں کہیے۔ بڑی سعادت مند بچّی ہے۔ اور ہاں اُن چھوٹے میاں کو بہت سا پیار۔ دو تین دن میں وہ پیکٹ بھیجوں گا جو میرے پاس ہے۔ بقیہ کاغذ آپ بھیجتے رہیے جن کی تصحیح ہونا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۷)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۹ر اپریل ۲۰۰۰ء

مکرّمی مجتہدی صاحب! آداب

آپ کی فرمائش کی تعمیل کردی گئی۔ لفافہ جو اخگر صاحب نے بھیجا ہے، اِسی لفافے میں ملفوف ہے، اِسی میں رکھ کر آپ اُنھیں بھیج دیجیے۔ اُن سے کہیے کہ آیندہ جواب کے لیے جوابی لفافہ رکھنا ضروری نہیں، مناسب بھی نہیں۔ میں خطوں کا جواب دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ عفّت کو، بڑی بہو کو (میں نے بڑی، بے کار لکھا ہے، وہ تو ایک ہی بہو ہیں گھر میں۔ خیر، اِسے آیندہ کے لیے اچھا شگون مان لیجیے"۔) بڑے صاحب زادے کو بہت سی دعائیں اور چھوٹے میاں ٹافی وچاکلیٹ والے کو بہت سا پیار۔ آپ کی مہمان نوازی اور جملہ اہلِ خانہ کی خوش اخلاقی کا معترف ہوں اور شکر گزار۔ اب آپ کے بھیجے ہوئے پیکٹ کا انتظار ہے۔

ہاں دو درخواستیں ہیں: ڈاکٹر لئیق صلاح کو کسی وقت فون کرلیجیے۔ اُن سے کہیے کہ میں نے خط لکھا تھا، اُس کا جواب اُنھوں نے نہیں دیا۔ مزید یہ کہ اُن اوراق کا منتظر ہوں جنھیں اُن کو بھیجنا تھا۔

دوسری بات یہ کہ شوکت حیات صاحب سے میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔ میں نے ادائے شکریہ کا خط اُن کو یونی ورسٹی کے پتے پر لکھا تھا، وہ شاید اُن کو ملا نہیں۔ میں پچھلے دنوں جے پور گیا تھا دو تین دن کے لیے۔ راجستھان اردو اکیڈمی کا سالانہ جلسہ تھا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۱۸)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۲ رمئی ۲۰۰۰ء[۱۸]

مُحبِّ مکرّم!

۳۱واں پیکٹ بھیج رہا ہوں۔ اب کے بہت تاخیر ہوئی، اِس کی معذرت۔ کچھ موسم کی شدّت، یہاں بجلی کا دس، بارہ گھنٹے روز غائب رہنا اور پھر کچھ ناسازیِ طبع؛ سب نے مل کر تاخیر کے اسباب پیدا کردیے۔ ۳۲واں پیکٹ ایک ہفتے کے بعد بھیجوں گا۔ ۳۳ویں پیکٹ کا انتظار ہے۔

اپنی بہو سے میری دعا کہیے۔ چھوٹے میاں چاکلیٹ والے کو بہت سا پیار۔ عفت سے اُس دن فون پر باتیں ہوئیں تو جی خوش ہوا۔ خداے پاک اُسے ہمیشہ خوش وخرّم رکھے۔ آپ لکڑی کے سہارے بغیر چلنے لگے، میرے لیے یہ اطلاع بہت اطمینان بخش ہے، مبارک ہو۔

رشید حسن خاں

(۱۹)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۲ رجولائی ۲۰۰۰ء[۱۹]

حضورِ والا!

تاخیر سے خط لکھ رہا ہوں، مگر کرتا کیا۔ بجلی والوں نے اندھیر مچا رکھا تھا۔ جب دیکھو روشنی غائب اور ۸، ۸ گھنٹے تک غائب۔ آپ کے دوسرے حکم کی بھی تعمیل کی گئی، مگر آیندہ ایسا کوئی اور حکم میرے نام صادر نہ ہو تو بہت ممنون ہوں گا۔ دیکھیے وہاب صاحب کیا کہتے ہیں؛ رسید سے نوازیے۔

چاکلیٹ، ٹافی ماسٹر کو بہت سی دعائیں۔ اور آپ کی بہو کو بھی بہت سی دعائیں۔ بڑی مہذّب اور معقول بچّی ہے وہ۔ عفت سے تو اُس دن بات ہو ہی چکی ہے۔

ہاں شوکت حیات صاحب کہاں ہیں؟ مجھے ایک بات کہنا ہے، مگر ابھی نہیں، ذرا اور انتظار کرلوں تب کہوں گا۔

رشید حسن خاں

(۲۰)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۶؍اگست ۲۰۰۰ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط پاکر اور مندرجہ تفصیل پڑھ کر سچ کہتا ہوں، دل احساسِ مسرّت سے سرشار ہوگیا۔ یہ آپ ہی کی نہیں، میری دلی آرزو پوری ہوئی۔ مہینوں سے اِس خبر کا منتظر تھا۔ میری طرف سے پُرخلوص مبارک باد قبول فرمائیے۔ جس لگن، ضبط اور تعلقِ خاطر کے ساتھ آپ نے اِس کام کو تکمیل تک پہنچایا، وہ خام کارانِ طلب کے لیے ایک پُرمعنی سبق ہے۔ حاصلِ زندگی عام ترکیب ہے، مگر یہ کام آپ کا حقیقی معنوں میں اور سچے مفہوم میں حاصل زندگی ہے اور سرمایۂ حیات۔ اب آپ احساسِ فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں: شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم۔

آپ کے بچوں نے اِس کام میں بالواسطہ طور پر جو مدد کی ہے خوش دلی کے ساتھ، اُس کی مثالیں بھی اب بہت کم ملتی ہیں۔ آپ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہیں کہ آپ کو سعادت مند بیٹے، غم گسار بہو، فرماں بردار بیٹیاں ملی ہیں۔ اِس زمانے میں اتنی مسرتیں ایک ساتھ کسے ملتی ہیں۔ یہ سب کچھ دراصل آپ کی نیک نیتی کا ثمرہ ہے۔ جب آپ مجھ جیسے گریز پا اور مردم بیزار کو اپنے دامِ محبت میں اسیر کرسکتے ہیں، تو پھر سب کچھ کرسکتے ہیں۔ خدائے پاک آپ کو عمر دراز عطا کرے اور صحت و عافیت کے ساتھ کارفرما رکھے .... (کذا)۔ نہیں۔ دوسروں نے لکھا ہے، لکھیں۔ ۔ ۔ ردوں نے تو اور بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اچھا پھر انقلاب کو کیسے لکھیں گے؟ اقرار، وقار، شوق، قدرت وغیرہ سینکڑوں لفظ ہیں اور یہ سب بہ طورِ نام بھی مستعمل ہیں، اِن کا کیا ہوگا۔ جو لوگ قمر کو Kamar لکھتے ہیں، انھیں لکھنے دیجیے، غلط نویسی میں تقلید کیوں کی جائے۔ Kidvai لکھنا، لفظ کو بگاڑنا ہے اگر انگریزی والے بگاڑتے ہیں تو بگاڑنے دیجیے۔ پھر ایک اصول طے کرنا ہوگا کہ ایسے سب لفظوں میں کاف لکھا جائے جن میں اصلاً ق ہے۔ قربان کو کربان لکھا جائے اور قُدْ وس کو کدّ وس۔ نہیں مجتہدی صاحب! آپ کا نام بگڑی ہوئی صورت میں آنکھوں کے سامنے آئے، یہ کچھ اچھی بات نہیں، اِس باب میں تو آپ عربی، فارسی، اردو کی تقلید کیجیے کہ اِن سب زبانوں میں یعقوب لکھا جاتا ہے۔ جب اردو میں یعقوب لکھا، تو پھر رومن میں اُسے یاکوب کیوں لکھا جائے۔ میں آپ کی توجہ کا طلب گار رہوں۔

لغت چھپے گا، اِس پر جس قدر خوشی ہو، کم ہے۔ میری طرف سے ایک بار پھر مبارک باد

قبول کیجیے۔

رشید حسن خاں

(۲۱)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۶ر نومبر ۲۰۰۰ء[۲۱]

حضرت سلامت!

آپ کا لفافہ آج ملا۔ آج ہی جواب لکھ رہا ہوں۔ ابتہاج کی تصویر بہت عمدہ ہے۔ وہ تو بڑے امتحان سے گزر گئے۔ مجھے بہت مسرّت ہوئی۔ وہاں ہوتا تو اُن کو اِس کام یابی پر ایک درجن چاکلیٹ کھلاتا۔ خیر، پھر کبھی سہی۔ اُن کو بہت سی دعائیں۔

ہاں، آپ نے یہ نہیں لکھا کہ چھوٹے صاحب زادے نے کچھ کام شروع کیا یا ابھی نہیں۔ عفت جب آئیں تو اُن کو میری طرف سے بہت سی دعاؤں کی سوغات دے دیجیے گا۔ رفعت میاں اور بیگم رفعت کو دعائیں۔ میں اِن دونوں کو یاد کرتا ہوں کبھی کبھی۔ آپ خوش قسمت ہیں ایسا بیٹا ملا ہے اور ایسی سعادت مند اور خوش سلیقہ بہو ملی ہے۔

لُغت جب چھپ کر آئے گا، مضامین کی ضرورت اُس وقت ہوگی درحقیقت اور اپنے نیاز مندوں کو اُس وقت کے لیے محفوظ رکھیے۔ وہ اصل موقع ہوگا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۲)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۵ر مئی ۲۰۰۱ء[۲۲]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا بھیجا ہوا تحفہ موصول ہوا، کس طرح شکریہ ادا کروں؛ زبان حلاوت سے اب تک غرقِ ذائقہ ہے اور لبِ گفتار شیرینی کے ازدیار سے بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لطفِ خاص کے لیے شکرگزار ہوں اور منّت پذیر۔

رشید حسن خاں

(۲۳)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۵ر مئی ۲۰۰۱ء[۲۳]

میرے اچھے بھتیجے کے بیٹے اور میرے بہت اچھے پوتے چاکلیٹ ماسٹر ابتہاج کو دعائیں۔ یہ، پڑھ کر جی خوش ہوا کہ تم اسکول جانے لگے ہو۔ جلدی سے اِتنا سا پڑھ لو کہ تم خود مجھے خط لکھ سکو۔ تمھارے لیے اسکول جانے کی خوشی میں چاکلیٹ کے لیے کچھ بھیج رہا ہوں۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ اپنی امّی سے میری طرف سے بہت سی دعائیں کہو۔

رشید حسن خاں

(۲۴)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۵ر مئی ۲۰۰۱ء[۲۴]

بہت ہی پیاری بھتیجی عفّت کو بہت سی دعائیں۔

تمھاری تصویر دیکھی تو یہ سمجھ لیا کہ تم کو دیکھ لیا۔ بچّے کے لیے دل سے دعا نکلی کہ خداے پاک اُسے سو سے بہت سال کی عمر عطا کرے، ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور برکتیں اُس کی شاملِ حال رہیں۔ میری بہو نے اُس کے لیے یہ پیکٹ بھیجا ہے، میری دعاؤں کے ساتھ اِسے بھی رکھ لو۔ خدا کرے تم کو پسند آئے۔

رشید حسن خاں

(۲۵)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۶ر اگست ۲۰۰۱ء[۲۵]

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۳ر اگست مجھے کل ملا۔ لفافے میں لُغت کے دو صفحے بھی تھے؛ اِن صفحات کو واپس بھیج رہا ہوں۔ تصحیح میں سب سے ضروری تصحیح ''والِہ'' کی ہے کہ اِس میں لام کے نیچے زیر ہے۔

لُغت اب کمپوزنگ کے آخری مرحلے میں ہے۔ میں کتنا مسرور اور مطمئن ہوں کام کی اِس رفتار سے! اِسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ کا سرمایۂ عمر (لائف ورک) لوگوں کے سامنے آئے گا تو اُن کو ایک سچے عاشق اور ایک مخلص کام کرنے والے کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوسکے گا۔ سچی عاشقی کے بغیر کوئی شخص ایسا کوئی کام نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر اشرف رفیع کا مضمون واقعتاً خوب ہے، ایک تو اِس معنی میں کہ اُسے پڑھنے کے بعد پہلا تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرمایشی تحریر نہیں، اپنی رائے ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ یہ محض ستایشی تحریر نہیں، مقالہ نگار نے بہت کچھ پڑھ کر، بہت سی کتابیں دیکھ کر اور لُغت نویسی کے مسائل سے آگاہی کے بعد یہ تحریر لکھی ہے۔ اُنھوں نے مستشرقین کے لغات کے جو حوالے دیے ہیں حروف وعلاماتِ تلفظ کے تحت، یہی ایک بات اُن کی واقفیت اور اُن کے مطالعے کی شہادت دے رہی ہے۔ وہ جو روایتی انداز کے عامیانہ مضمون لکھے جاتے ہیں اور اِس میں سے پہلے آپ کے لُغت سے متعلق بھی ایسی ایک دو تحریریں پڑھ چکا ہوں، یہ مضمون اُن سے بالکل مختلف ہے اور اِسی لیے قابلِ توجہ ہے۔ اِس میں صرف آپ کے کام کی تحسین نہیں، اردو انگریزی لغت سے متعلق بعض اہم مسائل بھی زیرِ بحث آگئے ہیں، اور یہ اِس تحریر کا روشن پہلو ہے۔ اُنھوں نے ازراہِ لطفِ خاص مجھے اپنے تحقیقی مقالے سے مرحوم نہیں رکھا تھا۔ مگر اب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُن سے ایسے موضوعات پر مفصّل گفتگو نہیں ہوسکی۔ اِس کمی کا اب احساس ہوا ہے۔ مشکل یہ تھی کہ اُن سے نہ تو میری ملاقات تھی اور نہ رسم وراہ؛ اِس لیے تکلّف کا پردہ درمیان رہا اور کوئی علمی بیٹھک نہیں ہو پائی۔ پھر میری مصروفیات بھی کچھ کم نہیں تھی۔ خیر، ے باقی و ماہتاب باقیست۔ پھر بھی۔ بہ ہر طور آپ کا شکرگزار ہوں اِس سلسلے میں بھی کہ آپ کے توسّط سے ناتمام ملاقات میسّر آسکی، ورنہ شاید اس کی نوبت بھی نہ آپاتی۔ اُن سے میرا اسلام کہیے۔

رفعت میاں کا خط تو آتا ہوگا، بہ عافیت ہوں گے، اِس کی توقّع ہے۔ ہاں عفّت کا حال آپ نے نہیں لکھا۔ توقّع کرتا ہوں کہ وہ بہ عافیت ہوگی اور چھوٹے میاں غوں غاں کرنے لگے ہوں گے۔ چاکلیٹ ماسٹر کو دعائیں اور اُن کی والدہ کو بھی بہت بہت دعائیں۔

رشید حسن خاں

(۲۶)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۹ رجنوری ۲۰۰۲ء ۲۶

محبِّ مکرّم! آداب

ایسا پہلی بار ہوا کہ میرا خط آپ تک نہ پہنچا ہو۔ اِس پر مجھے واقعتاً تعجب ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ یہ خط آپ تک ضرور پہنچ جائے گا۔ اِسے میں نے بسم اللہ پڑھ کر لکھنا شروع کیا ہے۔

دیکھیے صاحب! اِس پورے ملک میں تو مجھے ایسا کوئی شخص اب نظر آتا نہیں جو تنِ تنہا اِتنا بڑا کام کرسکے، اور کام بھی کیسا، جس کی افادیت اور اہمیت کے ابھی سے سب قائل ہیں اور مانتے ہیں۔ آپ کا یہ کام تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ میں تو اِس مژدۂ ناگاہ کا منتظر ہوں کہ لُغت چھپ گیا!!

تصویریں بہت عمدہ ہیں۔ عفت کا گول مٹول بچہ بہت پیارا ہے، خدا اُس کی عمر میں برکت دے۔ ہاں، پوتا مبارک ہو۔

پروف کا جو ورق آپ نے بھیجا ہے، اُس سے متعلق دو باتیں عرض کرنا ہیں:

(۱) ''اب تو پتھر کے نیچے ہاتھ دیا ہے'' — محاورہ تو یوں ہے: ''اب تو پتھر کے نیچے ہاتھ دبا ہے''۔ ''دیا ہے'' میں نے نہ پڑھا نہ سنا۔ ذرا اِس پر غور فرما لیجیے۔

(۲) ''اب جاؤ'' — یہاں واو پر ہمزہ ضرور ہے، یعنی: جاؤ۔ یہاں ہمزہ لفظ کا جُز ہے۔ جانا، جائے، جاؤ۔ اِسی طرح: جاؤگے۔ یا لاؤ، پاؤ، آؤ، کھاؤ وغیرہ اِن سب افعال میں ہمزہ جزوِ لفظ ہے۔

میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔ عفت کے لیے ہمیشہ دُعا کرتا ہوں۔ وہ بچّی میرے اور آپ کے مراسم کی درمیانی کڑی ہے، یوں مجھے خاص عزیز ہے اور بہت۔ خدا اُس کو ہمیشہ خوش رکھے۔

رشید حسن خاں

(۲۷)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۴ر دسمبر ۲۰۰۱ء ؁

مُحبِّ مکرّم! آداب

آج ہی آپ کا لفافہ ملا۔ تصویریں بہت عمدہ ہیں۔ ان کے لیے خاص کر شکرگزار ہوں۔ عفت سلمہا کے بچّے کو دیکھا، جی خوش ہوا۔ گول چوڑا چہرہ، آنکھیں بہت روشن، یہ سب اقبال مندی اور ذہانت کی علامتیں ہیں۔ خداے پاک اُس کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور علم اور عمر میں برکت عطا کرے۔

مگر چاکلیٹ ماسٹر بستہ لٹکائے ہوئے بہت اچھے لگے۔ اِس بچّے کے لیے بھی دل سے دعا نکلتی ہے۔

نومولود پوتے کی مبارک باد قبول کیجیے۔ اُس کی والدہ کو میری بہت سی دعائیں پہنچا دیجیے۔ اس اضافے کے ساتھ خدا کرے یہ نومولود آپ کا سچا جانشیں ہو۔

آپ کا لُغت اور خوبیوں کے علاوہ، اِس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اِس قدر بڑا کام ایک فردِ واحد نے محض اپنے شوق کی خاطر انجام کو پہنچایا۔ ایسی مثالیں کم یاب ہیں مجھے اُس گھڑی کا.....

اب کے آپ نے بہت دن کے بعد یاد کیا۔ بہ ہر طور میں آپ کو برابر یاد رکھتا ہوں اور یاد کرتا ہوں ۔آپ سے ملاقات میری زندگی کا ایک بڑا واقعہ ہے۔ آپ جیسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

پسِ نوشت:

''آم کی شاخ'' نہیں کہا جا سکتا۔ آم کی قاش کہنا چاہیے۔ آم کی پھانک بھی کہہ سکتے ہیں، مگر بہتر آم کی قاش ہے۔

(۲۸)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۰رفروری ۲۰۰۲ء [۲۸]

مُحبِّ مکرّم! آداب

رجسٹرڈ لفافے کی رسید فون پر دے چکا ہوں۔ تصویریں عمدہ ہیں اور اُن سے لُغت کی تفصیلی کیفیت کا احوال آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

مجھے اُس دن کا انتظار ہے جب یہ مژدۂ جاں بخش سُننے کو ملے گا کہ لُغت کی طباعت مکمّل ہو گئی۔ اِس طرح یہ علمی کارنامہ، جسے حاصلِ عمر کہنا چاہیے، سبھی سے خراجِ تحسین وصول کرے گا۔

بس ایک بات عرض کرنا ہے: اِس پر آپ بہ طورِ خود غور کر لیجیے۔ یہ تجویز ہے، اصلاح نہیں۔ انگریزی میں لُغت کا نام مرکّبِ اضافی کی صورت میں ہے Mujtahedi's Urdu..... (مجتہدی کا اردو انگلش لُغت)۔ اِسی ترکیب کو اردو میں بھی برقرار رہنا چاہیے، یعنی ''لُغتِ مجتہدی'' اضافت کی زیر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لُغت میں اضافت کے زیر نہیں، نہ ہوں، مگر نام میں ضرور ہونا چاہیے، ورنہ قرائت درست طور پر نہیں ہو سکے گی۔ لوگ ''لُغت مجتہدی'' پڑھیں گے۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو صحیح طور پر ''لغتِ مجتہدی'' پڑھ سکیں۔ آپ اس پر غور کر لیجیے۔ میری رائے میں نام میں اضافت کے زیر کا ہونا از بس ضروری ہے۔

اور آپ نے یہ نہیں لکھا کہ صاحب زادے امریکہ سے کب تک واپس آئیں گے۔ بہو کو، بچوں، اور عفت کو، اُن کے بچے کو بہت بہت دعائیں۔ میرے لغت کلاسکی ادب کی فرہنگ کی پہلی جلد کمپوزنگ کے مرحلے میں ہے۔ اس کے بعد دو جلدیں مزید ہوں گی، اُن میں عام لفظ نہیں ہوں گے جو کلاسکی ادب میں جس طرح مستعمل ہوئے ہیں اب اُس طرح مستعمل نہیں یا لوگ اُن سے نا آشنا ہیں۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۲۹)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۳۰؍جولائی ۲۰۰۲ء[۲۹]

مُحبِّ مکرّم!

دنوں سے کان آپ کی آواز سے اور آنکھیں آپ کی تحریر سے محروم ہیں۔ یہ محرومیِ چشم و گوش کیا اچھی بات ہے؟

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۰)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۶؍دسمبر ۲۰۰۲ء[۳۰]

مجتہدی صاحب مکرّم!

میں نے رجسٹری سے مصطلحاتِ ٹھگی کی ایک جلد بھیجی تھی؛ پوچھنا یہ ہے کہ وہ آپ کو ملی یا نہیں۔ آپ کیسے ہیں اور دوسرے متعلقین کس حال میں ہیں۔ خدا کرے آپ سب بہ عافیت ہوں۔ ہاں! میرے فون نمبر میں 2 کا اضافہ ہوگیا ہے، اب فون یہ ہے: 227804۔

رشید حسن خاں

(۳۱)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۳ر جولائی ۲۰۰۳ء [۳۱]

مُحبِّ مکرّم!

کاغذات بھیجنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ عبارت میں ذرا سا بکھراو آ گیا ہے۔ ایک مفہوم کے پیراگرافوں کو ایک ہی جگہ ہونا چاہیے۔ لُغت کی خصوصیات کی وضاحت کے بعد سپاس گزاری کا ذیلی عنوان قائم کیجیے اور اِس عنوان کے تحت، سب سے پہلے عثمانیہ یونی ورسٹی کا حوالہ ہو (جو آغاز میں آیا ہے) اور پھر دوسرے حضرات کا شکریہ ادا کیا جائے۔ صفاتی الفاظ کم کر دیجیے اور بے حد جیسے مبالغہ آمیز لفظ بھی نہیں ہونا چاہیے۔

اردو املا کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں، اگر یہ ضروری ہو کہ اُس کے ساتھ اُس رپورٹ کا بھی حوالہ ہوگا جو کوئی کتاب نہیں۔ اِس رپورٹ کے مرتّب نے خاصی بددیانتی سے کام لیا ہے۔ آپ املا کا حوالہ ہی نکال دیجیے (یا پھر صرف اصل کتاب کا حوالہ ہو)۔

میرا احوال وہی ہے جو تھا۔ کام کی رفتار بہت دھیمی ہو گئی ہے۔ میری بڑی خواہش اب بس یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اِس عمدہ اور ضخیم لُغت کو کتابی صورت میں دیکھ لوں۔ اِس لُغت کے واسطے سے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مشرق کی وہ روایت ابھی زندہ ہے اور کارفرما ہے جس کے تحت سارے پریشان کن حالات کے باوجود، ایک تنِ تنہا شخص بڑے کام کیا کرتا تھا۔

عفّت بٹی کو بہت سی دعائیں۔ رفعت صاحب اور اُن کی بیگم کے لیے دعا گو ہوں۔ اور وہ چاکلیٹ ماسٹر کیسے ہیں؟ اُن کو بھی بہت سی دعائیں۔ تاخیر کی ایک بار پھر معذرت۔

رشید حسن خاں

(۳۲)

بنام: جناب سیّد عبدالقادر جیلانی

رشید حسن خاں

شاہ جہان پور

۱۶ر مارچ ۲۰۰۳ء [۳۲]

جناب سیّد عبدالقادر جیلانی

مکرّمی! آداب

معلوم ہوا تھا کہ لُغتِ مجتہدی "سیّد ہاشم میموریل فاونڈیشن" کی طرف سے شائع ہوگی اور اِس کی اشاعت دراصل آپ کے التفاتِ خاص کے نتیجے میں عمل میں آئے گی۔ ہم سب کا جی بہت خوش ہوا تھا اور اطمینان ہو گیا تھا کہ اب یہ معرکہ آرا لغت ضرور چھپ جائے گا اور لوگ اِس سے

استفادہ کریں گے۔

کئی بار دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ابھی اس لغت کی اشاعت میں دیر لگے گی۔ اِس سے تشویش ہوئی۔ میری درخواست ہے کہ ازراہِ لطفِ خاص آپ ادھر التفات فرمائیے۔

اِس لغت کی بہت ضرورت ہے طلبہ کو بھی اور اساتذہ کو بھی۔ یہ خط محض انعطافِ توجہ کی غرض سے لکھ رہا ہوں۔ آپ کے توجہ دینے سے اگر یہ لغت جلد چھپ گیا، تو یہ زبان کی بڑی خدمت ہوگی۔ چوں کہ اِس لغت کی تکمیل میری خواہشوں کو بھی دخل رہا ہے، اِس بنا پر یہ خط لکھا گیا۔

آپ کے التفات کا طلب گار

رشید حسن خاں

(۳۳)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۲ر جنوری ۲۰۰۴ء[۳۳]

مُحبِ مکرّم!

خط ملا تھا، صحت کی خرابی کی وجہ سے اِس سے پہلے خط نہیں لکھ سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیہ عربی کی یہ مثل پوری طرح صادق آگئی کہ عزیز رفعت محمود کو ترقی ملی اور وہ اب آپ کی پرانی کُرسی پر بیٹھیں گے۔ مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرّت ہوئی۔ میری طرف سے اُن کو، اور آپ سب کو مبارک باد۔

گھر میں سب کو میری طرف سے دعائیں دیجیے، عزیزہ اور عزیزم سب کو بہت بہت دعائیں۔

ہاں صاحب! وہ لغت کا مسئلہ اب کس مرحلے میں ہے؟ یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے تو خوب ہو۔ یہ تو آپ کا لائف ورک ہے، سرمایۂ عمر۔

خدا کرے آپ مع جملہ متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(۳۴)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۲۵ر جولائی ۲۰۰۵ء[۳۴]

حضرت سلامت!

دعوت نامہ ملا تھا، اس عالم میں کہ وائرل بخار نے ادھ مرا کر رکھا تھا۔ آج کچھ افاقہ ہوا ہے۔ صاحبِ من! یہ بات میرے لیے بے حد مسرّت آفریں ہے کہ ذیشان سلمہٗ باضابطہ زندگی کے مرحلے میں داخل ہوگئے ہیں اور کاروبارِ حیات میں شامل۔ دولھا، دُلھن دونوں کو بہت سی دعائیں۔ آپ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں اور رفعت میاں کو بھی۔ خداے پاک اِن دونوں کو شادکام و بامراد رکھے۔

وائرل نے اِس خط کے لکھنے میں تاخیر کرادی، پھر بھی اِس تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔ آپ ایسے مواقع پر کچھ فوٹو بھیجتے رہے ہیں، اِس بار بھی اگر اُس روایت کا تسلسل برقرار رہے تو خوب ہو۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے اُنھیں دیکھ کر یہ مان لوں گا کہ میں وہاں تھا۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

(۳۵)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۸رنومبر۲۰۰۴ء ۳۵ے

مُحبِّ مکرّم!

لفافہ دو دن پہلے ملا تھا۔ ڈکشنری اگلے ماہ سے چھپنا شروع ہوگی، اِس اطلاع سے اطمینان بھی ہوا اور مسرّت بھی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

اصلاً ''نِقاط'' ہی ہے، ''نِکات'' کی طرح ـــــ ''نشتر'' کے نیچے اصلاً زیر ہے (''نیشتر'' اس کا مزید علیہ ہے)۔ استعمالِ عام میں نِشتر اور نَشتر، دونوں طرح ہے، مگر نِشتر بہت کم اور نَشتر بہ طورِ عموم۔ اسے دونوں طرح صحیح مانا جائے گا۔

''مہلوک'' اب مستعمل ہے، اِسے غلط یا غیر ضروری نہیں کہا جاسکتا۔ جو لفظ چلن میں آجاتا ہے وہ زبان کا جُز بن جاتا ہے؛ ورنہ ایسے سینکڑوں لفظوں کو زبان سے خارج کرنا ہوگا اور یہ عمل قطعی طور پر غلط ہوگا۔

معرکہ آرا اور معرکۃ الآرا میں معنوی فرق ہے، استعمال میں اِس کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ اردو میں اب یہ دونوں لفظ مستعمل ہیں۔ قریبِ مرگ بول چال میں تو آتا نہیں، اگرچہ درست

ہے۔ میں دونوں لفظوں کو اپنی جگہ درست مانتا ہوں، وجہ وہی ہے کہ قریب المرگ بہ لحاظِ اصل غلط سہی، مگر استعمال میں آتا رہا ہے، یوں اب اُسے غلط نہیں کہہ سکتے۔

اصلاً ''آبِ زیرِ کاہ'' ہے، وہ پانی جو گھاس کے نیچے بہہ رہا ہو۔ مجازاً مکر، فریب۔ غالبؔ کے اِس شعر میں یہ آیا ہے:

نقشِ سطرِ صد تبسّم ہے بر آبِ زیرِ کاہ
حسن کا خط پر نہاں خندہ دیدنی انداز ہے

(نسخۂ عرشی، طبع دوم، ص ۴۵۲)

آبِ زیرِ کاہ بھی مستعمل رہا ہے:

سوائے مکر، زمانے میں رسم و راہ نہیں
وہ کون جا ہے جہاں آبِ زیرِ کاہ نہیں
(ناسخؔ)

''آبِ زیرِ گاہ'' اِسی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ کمپوزنگ میں ''کاہ''، ''گاہ'' بن گیا اور اُس نے یہ غلط فہمی پیدا کی ہے۔ آصَف کہیے یا آصِف، اب اردو میں دونوں طرح کہتے ہیں، اگرچہ اصلاً ''آصَف'' ہے۔ استفادہ حاصل کردن کی مثال ہندستانی فارسی نثر میں اور ایک دو جگہ اردو نثر میں بھی مل جاتی ہے ''ثلاثہ وغزالہ'' سے میں واقف نہیں۔ ہاں، ثلاثۂ غسّار'' پڑھا ہے:

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ می رود
ویں بحث با ثلاثۂ غسّار می رود
(حافظؔ)

خمسۂ ہاضمہ غالباً کوئی طب کی اصطلاح ہوگی، جسے میں نہیں جانتا۔ ''ڈھونڈیے'' میں ہمزہ نہیں آنا چاہیے۔ میں تو ''رہائش گاہ'' استعمال کرنے میں کوئی خرابی نہیں دیکھتا۔

سبی بھائی: بنایا ہوا بھائی، برادرِ نسبتی۔ سبی رشتے داری میں نے کہیں نہیں پڑھا۔ اگر ہے تو اِسی مفہوم میں ہوگا، جیسے: سسرالی عزیز داری۔

سنجیدگی سے لینا: واقعتاً اجنبی معلوم ہوتا ہے، نرا انگریزی کا ترجمہ لگتا ہے۔

اردو کے سبھی بڑے لُغات میں اش اش کو درست لکھا گیا ہے اور میں اِسی کو ترجیح دیتا ہوں۔ ''شاداں'' کو بالکل درست مانتا ہوں، ورنہ پھر ''ہجراں'' کو بھی غلط ماننا ہوگا۔ شرارہ مستعمل لفظ ہے۔ میں تو کبھی اِسے ترک نہیں کروں گا۔ ہ اصلی ہے یا زائد، اِس پھیر میں بھی نہیں پڑوں گا۔ صاحب دل اور صاحبِ دل، دونوں طرح درست ہے — فراق میں ہونا، واقعتاً اجنبی

معلوم ہوتا ہے۔ کلیسا لغت میں موجود ہے۔ ''عیسائیوں کی دینی جماعت جو حضرت مریم کے بُت کو پوجتی ہے۔ اسقف یا اسقفِ اعظم کا علاقہ یا حدودِ حکومت ...... موجودہ غرناطہ کی جائے وقوع پر واقع تھے'' (اردو لغت، کراچی)۔

املا مختلف فیہ ہے، مذکر اور مونث، دونوں طرح مستعمل رہا ہے۔ اب بیش تر مذکر کی مثالیں ملتی ہیں۔

توقع کرتا ہوں کہ گھر کے سبھی افراد بہ عافیت ہوں گے اور بٹیا (نام اس وقت یاد نہیں آرہا ہے) کے گھر بھی سب بہ خیریت ہوں گے اور اُن کے بچّے بھی خوش و خرّم ہوں گے۔ میری طرف سے پوچھ لیجیے گا اور دعائیں بھی بہت سی دے دیجیے گا۔

رشید حسن خاں

(۳۶)

بنام: یعقوب میراں مجتہدی

شاہ جہان پور

۱۷/اپریل ۲۰۰۵ء[۳۶]

مُحبِّ مکرّم!

C.D کا بیش قیمت تحفہ ملا، اِس کے لیے ممنون ہوں اور شکرگزار۔ یہ بہ طورِ یادگار میرے پاس رہے گا۔ اب مجھے لغت کے سلسلے میں مُودۂ ناگاہ کا انتظار ہے، دیکھیے وہ ساعتِ سعید کب آتی ہے۔ میری طبعیت کچھ دنوں سے ٹھیک نہیں رہتی۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

حواشی:

۱۔ اوپر کے پتے پر شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی مہر ۲۳/مئی ۱۹۹۸ء کی ہے، جب کہ نچلے پتے پر مہر ۲۶/مئی ۱۹۹۸ء کی ہے۔ جگہ کا نام ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا۔ جناب یعقوب میراں مجتہدی کے نام جناب رشید حسن خاں کا یہ پہلا خط ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہدی صاحب کسی اردو لغت پر کام کررہے ہیں جو کہ انفرادی نوعیت کا ہے اور املا کے سلسلے میں انھوں نے خاں صاحب سے رجوع کیا ہے (۲۲/مئی ۹۸ء سے مراد ۲۲/مئی ۱۹۹۸ء ہے)۔

۲۔ ۹/جون ۹۸ء والے خط کی پشت پر کسی کا پتا درج نہیں ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ پوسٹ کارڈ ہے یا لفافہ۔ دوسرے خط میں مخاطب غائب ہے۔ یعقوب میراں مجتہدی صاحب نے جو

زیراکس بھیجے ہیں شاید وہ ان کے پورے پورے نہیں کروا سکے۔ نیچے والے خط سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خاں صاحب نے خط رجسٹری کے ذریعے بھیجا ہے مگر کس کے نام ہے معلوم نہیں اور کس سن و سیمینار کی بات ہو رہی ہے یہ بھی واضح نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ خط یعقوب میراں مجتہدی صاحب نے بھیجے ہیں۔ اس لیے یہ انھی کے نام ہیں۔ مقام اور تاریخ ۹ رجون ۹۸ء اوپر درج ہے۔

۳۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۵۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے، قیمت ڈھائی روپے۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے خط کی پشت پر درج ہیں۔

۶۔ ایضاً

۷۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کے پتے درج ہیں۔

۱۱۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے، قیمت اس کی ڈیڑھ روپیا ہے۔

۱۲۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ نیچے نام کا حصّہ کٹ گیا ہے۔

۱۵۔ اس خط پر مقام اور تاریخ درج نہیں اور نہ ہی خاں صاحب کے دستخط کے۔ نیچے تاریخ درج ہے۔ وہ اکثر تاریخ اور مقام لکھنا نہیں بھولتے تھے، معلوم نہیں اس خط میں ایسا کیوں ہوا۔ یہ خط ۱۴ رفروری اور ۲۹ رمارچ ۲۰۰۰ء کے بیچ کا ہے، کیوں کہ یہ دونوں خط میرے پاس موجود ہیں۔ جب یعقوب میراں مجتہدی صاحب نے خطوط کے عکس روانہ کیے تھے تو یہ اسی ترتیب سے رکھا ہوا تھا اور یہ لکھا بھی شاہ جہان پور سے لکھا گیا ہوگا۔

۱۶۔ پتے پہ اردو میں جناب سیّد میراں مجتہدی لکھا ہے۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔

۱۷۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ بیچ کا کچھ حصہ یعقوب میراں مجتہدی صاحب نے حذف کر ڈالا، وجہ

معلوم نہیں۔

۲۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۲۲ ایضاً

۲۳ ایضاً

۲۴ ایضاً

۲۵ ایضاً

۲۶ ایضاً

۲۷ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔

۲۸ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر دونوں حضرات کے پتے درج ہیں۔ ڈاک خانے کی دو مہریں ثبت ہیں، ایک ۲۲ر فروری کی ہے۔

۲۹ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ڈھائی سطری خط ہے، ان لینڈ لیٹر پر۔

۳۰ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔

۳۱ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔

۳۲ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ جناب سیّد عبدالقادر جیلانی، سیّد ہاشم میموریل فاؤنڈیشن کے ٹرسٹی ہیں اور ''لغتِ مجتہدی'' انگریزی اردو لغت کی چھاپنے کی ذمہ داری انھوں نے قبول کی تھی۔ اب یہ لغت چھپ چکا ہے۔

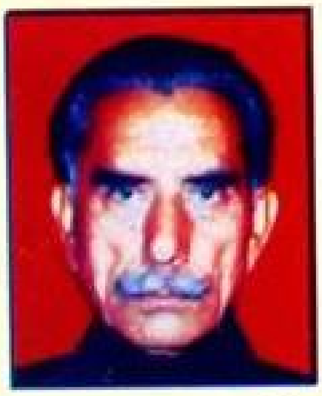
۳۳ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر دونوں حضرات کے پتے درج ہیں۔ قیمت ڈھائی روپے ہے۔ پشت پر دو مہریں ثبت ہیں، ایک شاہ جہان پور کے ڈاک خانے کی اور دوسری حیدرآباد کی۔

۳۴ ایضاً

۳۵ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ مکتوب نگار و مکتوب الیہ کے پتے پشت پر درج ہیں۔ ڈاک خانے کی دو مہریں بھی ثبت ہیں، ایک دھندلی ہے، دوسری صاف اور گول SAHIFA DELY 22 – 11 – 04 50002 सहीफा تحریر ہے۔

۳۶ مقام و تاریخ اوپر درج ہے۔ یہ ان لینڈ لیٹر ہے۔ پشت پر دونوں حضرات کے پتے درج ہیں۔ دو مہریں ڈاک خانے کی بھی ثبت ہیں۔ شاہ جہان پور کی مہر ۱۸ر اپریل کی ہے اور حیدرآباد والی ۲۳ر اپریل کی ہے۔

★★★



آئینۂ حیات

نام: ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا (ڈاکٹر تیرتھ رام رینا)

ولدیت: شری پریم چند رینا (مرحوم)

مقام پیدائش: چھوٹا گلہ، راولاکوٹ، تحصیل پلندری، ضلع پونچھ۔ (مقبوضہ کشمیر)

تاریخ پیدائش: 8/جیٹھ بروز اتوار 2001 بکری، مطابق 21/مئی 1944 (اسکول ریکارڈ: 14/مئی 1943)

مستقل سکونت: F-237، لوئر ہری سنگھ نگر، رہاڑی کالونی، جموں-180005 (جے اینڈ کے) فون: 09419828542

تعلیم: ابتدائی اُردو (نگروٹہ کیمپ جموں)، مڈل سری نگر (SBSE, J&K)، میٹرک (سری نگر یونیورسٹی)، ادیب ماہر، ادیب کامل (جامعہ اُردو علی گڑھ)، بی۔اے، ایم۔اے، ایم۔فل اُردو، پی ایچ۔ڈی اُردو (جموں یونیورسٹی)

ذریعہ معاش: 12/اکتوبر 1962 ٹیچر، لیکچرار اُردو (اکتوبر 1983)، ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن جموں میں ملازمت (1995) اور 31/مئی 2001 کو وظیفہ یاب۔ حال اُردو لیکچرار ایس۔وی۔ایس ڈگری کالج وبی۔ایڈ کالج سندربنی (راجوری)

زیر اشاعت مطبوعات: (۱) پنڈت میلا رام وفا: حیات وخدمات (۲) رشید حسن خاں کے خطوط (۳) پروفیسر عابد پیشاوری: فن اور شخصیت (۴) میرے تحقیقی مضامین

علمی سرگرمیاں: تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھنے کے علاوہ ریجنل کالج اجمیر، اُردو ریسرچ اینڈ ٹریننگ سینٹر سولن، اُردو ریسرچ اور ٹریننگ سینٹر لکھنؤ، میں مسلسل لیکچر دینا اور NCERT کی میٹنگوں میں شرکت کرنا۔ اُردو ریسرچ سینٹر سولن کے لئے جموں یونیورسٹی، ایس۔آئی جموں، ایس آئی سری نگر، سری نگر یونیورسٹی، ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ کرگل، لداخ اور منی پور (امپھال) کے اُردو اساتذہ کی تربیت کے دوران لیکچر دینا۔

ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا کے رشید حسن خاں صاحب سے 1980 میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لیے تحقیقی کام کے دوران مسلسل مراسم رہے۔ دہلی، جموں اور شاہجہانپور میں ملاقاتیں کیں اور ان سے استفادہ کیا۔ خاں صاحب نے رینا صاحب کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

رینا صاحب نے رشید حسن خاں کے انتقال کے بعد شاہجہانپور میں 2006 میں ''اُن کی آخری قیام گاہ'' میں حاضری دی اور وارثین کو پُرسہ دیا۔ انہوں نے ہندوستان، پاکستان اور امریکہ کے قلم کاروں سے رشید حسن خاں کے 1038 خطوط بڑی مشکل سے حاصل کیے اور بڑی عرق ریزی سے ترتیب دیئے۔ زیر نظر کتاب میں رینا صاحب کا جامع مقدمہ شامل ہے۔ انہوں نے تحقیق، تنقید وتدوین کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے مکتوباتی ادب میں رشید حسن خاں کے مکاتیب کا اضافہ کیا ہے۔ ان خطوط میں رشید حسن خاں کے تحقیقی کاموں کے آغاز وارتقاء اور تکمیل کے اشارے ملتے ہیں نیز دوستوں اور عقیدت مندوں سے ایک دلنشیں اسلوب بیان میں گفتگو ہے۔ اس میں ان کی ذاتی زندگی کے بعض مخفی گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

رینا صاحب کی پانچ موہنی بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے ''رشید حسن خاں کے خطوط'' کی اشاعت اولادِ نرینہ کی خوشی کے برابر ہے۔ ڈاکٹر رینا کا یہ تحقیقی کارنامہ ہمیشہ کے لیے خاں صاحب کی شہرت اور مقبولیت کے ساتھ زندہ رہے گا، ان شاء اللہ۔

ڈاکٹر اخلاق اثر، بھوپال
4/فروری 2011